تحقیقاتِ نادرہ پر مشتمل عظیم الشان فقہی انسائیکلوپیڈیا

اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الْفَتَاوٰی الرَّضَوِیَّۃ

فتاوٰی رضویہ
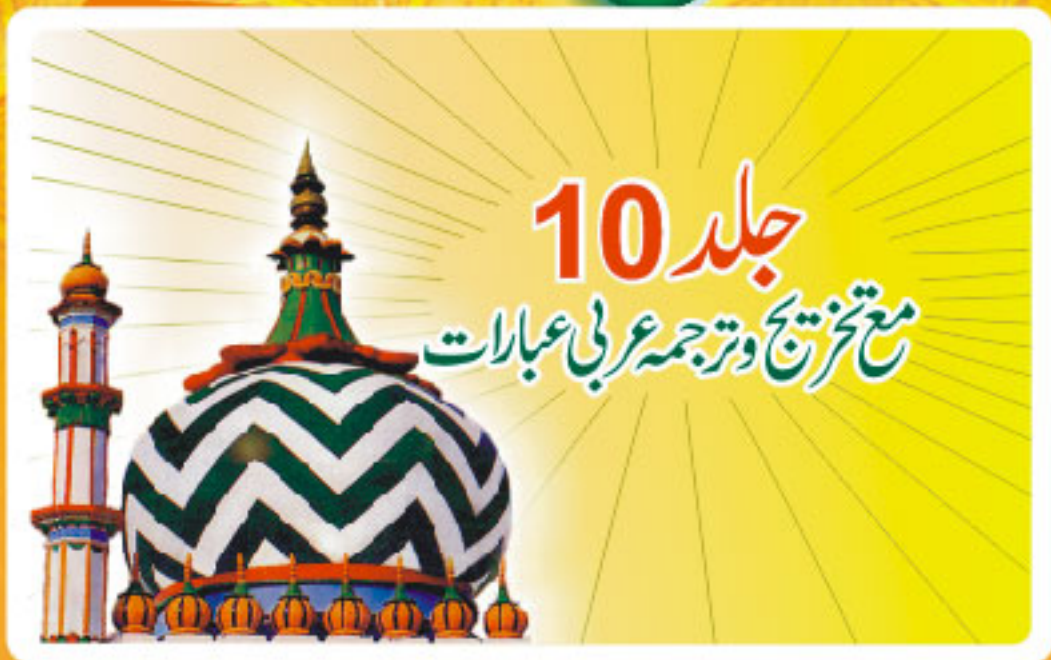
تصنیف لطیف: اعلیٰ حضرت، مجدد امام احمد رضا علیہ الرحمہ

ALAHAZRAT NETWORK

www.alahazratnetwork.org

من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین (الحدیث)

العطایا النبویۃ
فی
الفتاوی الرضویۃ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

جلد دہم

تحقیقاتِ نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان
فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز
١٢٧٢ھ — ١٣٤٠ھ
١٨٥٦ء — ١٩٢١ء

رضا فاؤنڈیشن ۰ جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ، لاہور ۸، پاکستان (١٢٣٥٠)
فون ٦٧٧٥٢

کتاب ——— فتاوٰی رضویہ جلد دہم

تصنیف ——— شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

فیضانِ کرامت ——— مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

سرپرستی ——— مولانا صاحبزادہ محمد عبدالمصطفٰی ہزاروی ناظمِ اعلیٰ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور و شیخوپورہ

اہتمام ——— مولانا صاحبزادہ قاری نصیر احمد ہزاروی ناظم شعبہ نشر و اشاعت " " " " "

ترجمہ عربی عبارات ——— حضرت علامہ مفتی محمد خان قادری، لاہور

پیش لفظ ——— حافظ محمد عبدالستار سعیدی ناظمِ تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

ترتیب فہرست ——— " " " " " " " "

تخریج و تصحیح ——— مولانا نذیر احمد سعیدی

کتابت ——— محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالہ)

———

پیسٹنگ ——— مولانا محمد منشا تابش قصوری معلم شعبہ فارسی جامعہ نظامیہ لاہور

صفحات ——— ۸۳۲

اشاعت ——— ربیع الاول، ۱۴۱۷ھ / اگست ۱۹۹۶ء

مطبع ———

ناشر ——— رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

قیمت ——— روپے

ملنے کے پتے:

- رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
  ۰۳۰۰/۹۴۱۵۳۰۰ ۷۶۶۵۷۷۲
- مکتبہ اہلسنّت، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
- ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور
- شبیر برادرز، ۴۰ بی، اردو بازار، لاہور

اجمالی فہرست

فہرست رسائل

فہرست رسائل

○

پیش لفظ

الحمدللہ اعلیحضرت امام المسلمین مولٰنا الشاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خزائن علمیہ و ذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق منظرِ عام پر لانے کے لیے دار العلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں "رضا فاؤنڈیشن" کے نام سے جو ادارہ چند سال قبل قائم ہوا تھا وہ انتہائی برق رفتاری کے ساتھ مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے۔ کتاب الطہارت، کتاب الصلوٰۃ اور کتاب الجنائز پر مشتمل نو خوبصورت جلدیں آپ تک پہنچ چکی ہیں، اب بفضلہٖ تعالٰی جل مجدہٗ و بعنایۃ رسولہ الکریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دسویں جلد پیش کی جارہی ہے۔

جلد دہم

یہ جلد فتاوٰی رضویہ قدیم جلد چہارم میں سے کتاب الزکوٰۃ سے آخر تک ۳۱۶ سوالوں کے جوابات پر مشتمل ہے، اس طرح قدیم چار جلدیں دس جدید جلدوں کی صورت میں مکمل ہوچکی ہیں۔ اس جلد کی عربی و فارسی عبارات کا ترجمہ فاضلِ شہیر مترجم کتبِ کثیرہ حضرت علامہ مفتی محمد خاں قادری نے فرمایا ہے جبکہ جلد ششم، ہفتم اور ہشتم کا ترجمہ بھی انہی کی رشحاتِ قلم کا ثمر ہے۔

پیشِ نظر جلد میں شامل رسالہ البدور الاجلۃ فی امور الاھلۃ، اس کی شرح نور الادلۃ للبدور الاجلۃ اور اس کے حاشیہ رافع العلۃ من نور الادلۃ میں تقدم و تاخر اور عدم ترتیب کی وجہ سے خاصا الجھاؤ تھا جس کی بناء پر اس سے استفادہ بہت دشوار تھا، موجودہ ایڈیشن میں متن، شرح اور متعلقہ حاشیہ کو انتہائی حُسنِ ترتیب کے ساتھ باہم مربوط کر دیا گیا چنانچہ اب اس سے بآسانی استفادہ کیا جاسکتا ہے، نیز رسالہ النیرۃ الوضیۃ شرح الجوھرۃ المضیۃ مع حاشیۃ الطرۃ الرضیۃ جو کہ پہلے فتاوٰی رضویہ میں شامل نہ تھا، موضوع کی مناسبت سے شاملِ اشاعت کر دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں اس جلد میں شامل رسائل کے مندرجات کی مفصل فہرست راقم نے افادۂ قارئین کے لیے تیار کر دی ہے متعدد ضمنی مسائل و فوائد کے علاوہ اس جلد میں مندرجہ ذیل سات عنوانات زیرِ بحث لائے ہیں :

(۱) کتاب الزکوٰۃ

(۲) کتاب الصوم

(۳) باب فی رؤیۃ الھلال

(۴) باب القضاء والکفارۃ

(۵) باب الفدیہ

(۶) کتاب الحج

(۷) باب الجنایات فی الحج

مندرجہ بالا عنوانات کے علاوہ انتہائی دقیق اور گرانقدر تحقیقات و تدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل سولہ[۱۶] رسائل بھی اس جلد میں شامل ہیں :

(۱) تجلی المشکوٰۃ لانارۃ اسئلۃ الزکوٰۃ (۱۳۰۷ھ)

ہر قسم کے مال کی زکوٰۃ کے حساب لگانے، ادا کرنے کے اوقات اور مصارف کا بیان

(۲) اعز الاکتناہ فی رد صدقۃ مانع الزکوٰۃ (۱۳۰۹ھ)

صاحبِ نصاب زکوٰۃ ادا نہ کرے اور دیگر صدقات و خیرات کرے یا ذمہ میں فرائض ہوں اور نوافل ادا کرے تو یہ مقبول نہیں۔

(۳) رادع التعسف عن الامام ابی یوسف (۱۳۱۸ھ)

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی جانب ایک مسئلہ کو غلط منسوب کر دیا گیا اس رسالہ میں اس کا جواب دیا گیا ہے۔

(۴) افصح البیان فی حکم مزارع ھندوستان (۱۳۱۸ھ)
ہندوستان کی زمینوں کے تفصیلی احکام

(۵) الزھر الباسم فی حرمۃ الزکوٰۃ علی بنی ھاشم (۱۳۰۷ھ)
بنی ہاشم پر زکوٰۃ اور صدقات واجبہ حرام ہیں اور ان کو دیئے ادا نہ ہوگی۔

(۶) ازکی الاھلال بابطال ما احدث الناس فی امر الھلال (۱۳۰۵ھ)
رؤیت ہلال میں تار کی خبر معتبر نہیں۔

(۷) طرق اثبات ھلال (۱۳۲۰ھ)
اثباتِ ہلال کے صحیح اور غلط طریقے

(۸) البدور الاجلۃ فی امور الاھلۃ مع شرح نور الادلۃ للبدور الاجلۃ مع حاشیۃ

رفع العلۃ عن نور الادلۃ (۱۳۰۴ھ)
رؤیت ہلال کے تفصیلی احکام

(۹) الاعلام بحال البخور فی الصیام (۱۳۱۵ھ)
اگربتی لوبان وغیرہ کا دھواں منہ یا ناک میں کس طرح جانے سے روزہ ٹوٹتا ہے

(۱۰) تفاسیر الاحکام لفدیۃ الصلوٰۃ والصیام (۱۳۱۶ھ)
بعد از موت نماز روزہ کے فدیہ کے مفصل مسائل

(۱۱) ھدایۃ الجنان باحکام رمضان (۱۳۲۳ھ)
صبح صادق اور کاذب کی معرفت کرائی گئی ہے اور نقشوں سے صبح صادق سمجھایا گیا ہے نیز افطار و سحر کے مسائل بیان کیے گئے ہیں۔

(۱۲) درء القبح عن درک وقت الصبح (۱۳۲۶ھ)
صبح صادق معلوم کرنے کا قاعدہ بیان کیا گیا ہے (سحری کے وقت کی تحقیقِ جلیل)

(۱۳) العروس المعطار فی زمن دعوۃ الافطار (۱۳۱۲ھ)
دعائے افطار بعد افطار پڑھنا

(۱۴) صیقل الرین عن احکام مجاورۃ الحرمین (۱۳۰۵ھ)
حرمین طیبین میں سکونت کرنے کا بیان

(۱۵) انوار البشارۃ فی مسائل الحج والزیارۃ (۱۳۲۹ھ)

آدابِ سفر، مقدماتِ حج، احکامِ حج، احرام، طواف اور طریقۂ حج وغیرہ کا بیان۔

(۱۶) النیرۃ الوضیۃ شرح الجوہرۃ المضیۃ[ف] مع حاشیۃ الطرۃ الرضیۃ (۱۲۹۵ھ)

مسائلِ حج وزیارت کا بیان

○

ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
اگست ۱۹۹۶ء

حافظ عبدالستار سعیدی
ناظمِ تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

ف: ماتن کا نام سید حسین بن صالح جمل اللیل فاطمی حسینی امام وخطیب شافعیہ مکۃ المکرمہ متوفی ۱۳۰۱ھ
شرح وحاشیہ از اعلحضرت مولانا احمد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہٗ
اعلحضرت نے یہ رسالہ بار اول کے حج میں مکہ معظمہ میں ایک دن میں تالیف کیا۔

فہرست مضامین

کتاب الزکوٰۃ

کتاب الصوم

باب رؤیۃ الهلال

مفسدات صوم

باب القضاء والکفارہ

باب الفدیہ

مکروہاتِ صوم

سحر وافطار کا بیان

صوم نفل

کتاب الحج

حج بدل

شرائطِ حج

جنایات

فہرست ضمنی مسائل

امامت

تراویح

قراءت

سجدۂ سہو

سجدۂ تلاوت

جنائز

عیدین

احکامِ مسجد

اعتکاف

دُعا و استغفار

قرآنی علوم و تفسیر

حدیث و اصولِ حدیث

اسماء الرجال

سیرت

تاریخ و تذکرہ

عقائد و کلام

فضائل و مناقب

پر سات کروڑ نیکیاں ہیں۔ ۸۱۷

ہیئت و توقیت

بطور علمِ ہیئت بھی ثابت ہے کہ ۲۹ کا چاند بعض ۳۰ کے چاندوں سے بڑا ہونا ممکن ہے۔ ۴۶۸

از روئے ہیئت ثابت ہے کہ کبھی ۲۹ کا ہلال ۳۰ کے بعض ہلالوں سے اونچا اور دیرپا ہونا متصور ہے۔ ۴۶۹

ہلال قریبًا پچیس دن سے زائد نہیں ہوتا۔ ۵۲۹

اوقاتِ صحیح نکالنے کے فن کو علمِ توقیت کہتے ہیں۔ ۵۶۸

علمِ توقیت سے ہندوستان کے اکثر علماء غافل ہیں، نہ یہ ہیئت کی درسی کتابوں سے آسکتا ہے۔ ۵۶۸

مرزا خیر اللہ منجم کی دو حرفی جدول سے ناواقفِ فن نفع نہیں پا سکتا۔ ۵۶۸

زیج بہادر خانی کی جداول تعدیل سے سحری کو تو کچھ تعلق ہی نہیں اور افطار میں بھی ناقص ہے۔ ۵۶۸

وقت پہچاننا ہر مسلمان پر فرضِ عین ہے۔ ۵۶۹

صبح کاذب کی سپیدی جہاں شروع ہوتی ہے وہ آخیر تک بڑھتی ہی جاتی ہے وہاں ہرگز تاریکی نہیں آتی۔ ۵۷۰

بعض کتبِ ہیئت اور ان کی اتباع میں بعض کتبِ فقہ میں یہ غلط بات لکھ دی گئی کہ جب آفتاب افق سے ۱۵ درجے نیچے ہوتا ہے تو صبح صادق ہوتی ہے اور صبح کاذب اس سے صرف تین درجے پہلے ہوتی ہے۔ ۵۷۰

صبح کی سپیدی اُفق سے بہت اونچی ہی ہماری نظروں میں پیدا ہوتی ہے نہ کہ زمین کے کنارہ سے اُٹھتی ہوئی بلندی پر آتی ہے۔ ۵۷۱

یہ قول کہ صبح رات کا ساتواں حصہ ہے، ہر موسم اور ہر مقام کے لیے عام نہیں۔ ۵۷۱

صبح کاذب کے شروع سے صبح صادق کے انتشار تک سفیدی کو پیش آنے والی سات صورتوں کا بیان۔ ۵۷۱

امام اہلِ ہیئت بطلیموس نے مجسطی میں رؤیتِ ہلال کا ذکر کیوں نہیں کیا۔ ۵۷۵

متاخرین اہلِ ہیئت کے تخمینات کا تخلف دشوار نہیں۔ ۵۷۵

اہلِ ہیئت رؤیتِ ہلال کے بارے میں کوئی ضابطہ صحیحہ نہ بتا سکے۔ ۵۷۵

منجمین کے حسابات میں اکثر خطا پڑتی ہے۔ ۵۷۵

اوقات کے لیے حکیم رحیم جل جلالہ نے دو کھلی نشانیاں مقرر فرما دیں یعنی چاند اور سورج۔ ۶۱۸

ہلال کے ظہور و خفا کے اسباب کثیر و نامنضبط ہیں۔ ۶۱۹

بطلیموس نے متحیرہ خمسہ کواکب ثوابت کے ظہور و خفا کے لیے باب وضع کرنے کے باوجود رؤیتِ ہلال کی اصلاً بحث نہ کی۔ ۶۱۹

متاخرین اربابِ ہیئت بلحاظ درجہ ارتفاع

حساب

فلسفۂ طبیعیات

وصیت

ترغیب وترہیب

رسم المفتی

فوائدِ فقہیہ

فوائدِ اصولیہ

نکاح

نسب

بیع

مداینات

شفعہ

وقف

رہن

ہبہ

منطق

لُغت

نحو

مناظرہ

بلاغت

حظر و اباحت

قضاء

شہادت

وکالت

کفالت

حِیَل

قربانی

عتق

تصوف

قسم

سیرۃ النبی

اسماء الرجال

کتاب الزّکوٰۃ

مسئلہ از بکاجبی والا علاقہ جاگل ہری پور ڈاک خانہ کوٹ نجیب اللہ خاں مرسلہ مولوی شیر محمد خاں ۷ ربیع الاول شریف ۱۳۱۲ھ

جناب عالی فیض بخش فیض رساں امیدگاہ جاویداں بندہ سے ایک مولوی امرت سر سے آئے ہیں وہ کسی بات کا جھگڑا کیا تھا تو بندہ نے کہا کہ نماز کا اللہ نے بہت بار قرآن شریف میں ذکر کیا ہے اور زکوٰۃ کا بھی بہت بار ذکر کیا ہے مگر روزہ کا ایک بار ذکر کیا ہے، جناب عالی یہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور عشر کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے یا نہیں؟

الجواب

فی الواقع نماز و زکوٰۃ کی فرضیت و فضیلت و مسائل تینوں قسم کا ذکر قرآن مجید میں بہت جگہ ہے یہاں تک کہ مناقب بزازی و بحرالرائق و نہرالفائق و منح الغفار و درمختار و فتح المعین وغیرہا میں واقع ہوا کہ علاوہ اُن مواقع کے جن میں نماز و زکوٰۃ کا ذکر جُدا جُدا ہے دونوں کا ساتھ ساتھ ذکر قرآن عظیم میں بیاسی جگہ آیا ہے، مگر علامہ حلبی و علامہ طحطاوی و علامہ شامی سادات کرام محشیانِ درمختار فرماتے ہیں: صحیح یہ ہے کہ اُن کا ذکر ساتھ ساتھ بتیس ۳۲ جگہ فرمایا ہے۔ علامہ حلبی کے استاد نے وُہ سب مواقع گنا دئے درمختار میں ہے، قرنھا بالصلوٰۃ فی اثنین وثمانین موضعا[۱] (بیاسی مقامات پر زکوٰۃ کو نماز کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ ت) شرح مسکین و حاشیہ سید ازھری

[۱] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۹

میں ہے:

قرن الزکوٰۃ فی ای من القراٰن اثنین وثمانین موضعا[1] اھ ملخصا

آیاتِ قرآنی میں بیاسی جگہ زکوٰۃ کو نماز سے متصل بیان کیا گیا ہے اھ تلخیصاً (ت)

طحطاوی و ردالمحتار میں ہے:

واللفظ لط قولہ فی اثنین وثمانین موضعا تبع فیہ صاحب النھر والمنح وتبعا صاحب البحر معزیا الی المناقب البزازیۃ وصوابہ اثنین وثلاثین کما عدھا شیخنا السید اھ حلبی بزیادۃ[2]۔

اس کی عبارت ط کی ہے کہ ان کا قول بیاسی مقامات پر ایسا ہے، اس میں صاحبِ نہر اور منح نے اتباع کی ہے اور ان دونوں نے صاحبِ بحر کی اتباع کی ہے، انھوں نے مناقبِ بزازیہ کی طرف نسبت کی ہے، اور درست یہ ہے کہ زکوٰۃ کو نماز سے متصل جن مقامات پر بیان کیا گیا ان کی تعداد بتیس ہے جیسے کہ اس تعداد کو ہمارے شیخ سید نے شمار کیا ہے اھ حلبی مع اضافہ۔ (ت)

اور فرضیتِ روزہ کا ذکر صرف ایک ہی جگہ ہے، ہاں عبارۃً و اشارۃً اس کی فضیلت اور مواقع پر بھی ظاہر فرمائی گئی ہے،

کقولہ تعالٰی فی سورۃ الاحزاب ان المسلمین والمسلمٰت (الی قولہ تعالٰی) والصائمین والصائمٰت[3] (الی ان قال تعالٰی) اعد اللہ لھم مغفرۃ واجرا عظیما[4]○ وقولہ تعالٰی فی سورۃ التوبۃ التائبون العٰبدون الحامدون السائحون[5] الاٰیۃ وقولہ تعالٰی فی سورۃ

مثلاً سورۂ احزاب میں اللہ تعالٰی کا قول ہے: بلاشبہ مسلمان مرد اور مسلمان خواتین (اللہ تعالٰی کے اس فرمان تک) روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی خواتین (یہاں تک کہ فرمایا) اللہ تعالٰی نے ان کے لیے مغفرت اور اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے، اور سورۂ توبہ میں ارشادِ باری تعالٰی ہے: توبہ کرنے والے

---

[1] فتح المعین علی شرح منلا مسکین کتاب الزکوٰۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۶۹
[2] ردالمحتار ؍؍ مصطفی البابی مصر ۲/ ۲
[3] القرآن ۳۳/ ۳۵
[4] القرآن ۳۳/ ۳۵
[5] القرآن ۹/ ۱۱۲

5

التحریم تائبات عابدات سائحات السائح هوالصائم[1] — عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، روزہ رکھنے والے الآیۃ، اور سورۂ تحریم میں ارشادِ باری تعالٰی ہے: توبہ کرنے والیاں، عبادت کرنے والیاں، روزہ رکھنے والیاں۔ السائح کا معنی روزہ رکھنے والا ہے (ت)

عشر کا ذکر بھی قرآنِ عظیم میں ہے:

قال تعالٰی فی سورۃ الانعام واٰتواحقہ یوم حصادہ[2]۔ قالہ ابن عباس وطاؤس والحسن وجابر بن زید وسعید بن المسیب[3] رضی اللہ تعالٰی عنہم کما فی المعالم وغیرھا واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

اللہ تعالٰی نے سُورۃ الانعام میں فرمایا: کھیتی کٹنے کے دن اس کا حق ادا کرو۔ اکثر مفسرین کے نزدیک اس حق سے مراد عشر ہے (حضرت ابن عباس، طاؤس، حسن، جابر بن زید اور سعید بن المسیب رضی اللہ تعالٰی عنہم ان تمام حضرات نے اس سے عشر مراد لیا ہے جیسا کہ معالم التنزیل وغیرہ میں ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲: مرزا باقی بیگ صاحب رامپوری ۱۰ ذی قعدہ ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چند مسلمانوں نے ایک صاحب کا کچھ ماہوار نقد بطور چندہ مدِ زکوٰۃ میں سے اور طعام شبانہ روز مقرر کردیا اور کوئی کام خدمت یا بدل وغیرہ اُن کے ذمہ نہیں کیا، غرض ان لوگوں کی ایک مسلمان بزرگ و مسکین کے ساتھ سلوک کرنا تھا اور ایسے شخص کا اپنے محلہ و مسجد میں رہنا موجبِ خیر و برکت سمجھا، اسی طور پر عرصہ قریب چار سال کے گزرا کہ یہ لوگ موافق اپنے وعدے اور نیت کے خواہ وُہ بزرگ اپنے وطن کو گئے یا یہاں رہے، دیتے اور ادا کرتے رہے، مگر بعض نے ان میں عذر کیا اور کہا ہم ایام غیر حاضری کا نہ دیں گے، تو اس صورت میں زکوٰۃ اُن لوگوں کی ادا ہُوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

اصل یہ ہے کہ زکوٰۃ میں نیت شرط ہے بے اس کے ادا نہیں ہوتی، فی الاشباہ اما الزکوٰۃ فلایصح اداءھا الابالنیۃ[4] (اشباہ میں ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی نیت کے بغیر درست نہیں۔ ت) اور نیت میں اخلاص

---

[1] القرآن ۶۶/ ۵ [2] القرآن ۶/ ۱۴۲

[3] معالم التنزیل علی ہامش الخازن تحت آیہ مذکورہ مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۹۱

[4] الاشباہ والنظائر القاعدۃ الاولٰی من الفن الاول ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۳۰

شرط ہے بغیر اس کے نیت مہمل، فی مجمع الانہر الزکوٰۃ عبادۃ فلابد فیھا من الاخلاص[1] (مجمع الانہر میں ہے زکوٰۃ عبادت ہے لہذا اس میں اخلاص شرط ہے۔ ت) اور اخلاص کے یہ معنی کہ زکوٰۃ صرف بہ نیت زکوٰۃ و ادائے فرض وبجاآوری حکم الٰہی دی جائے، اس کے ساتھ اور کوئی امر منافی زکوٰۃ مقصود نہ ہو۔ تنویر الابصار میں ہے:

الزکوٰۃ تملیك جزء مال عینہ الشارع من مسلم فقیر غیر ھاشمی ولامولاہ مع قطع المنفعۃ عن المملك من کل وجہ للہ تعالٰی[2]۔	زکوٰۃ، شارع کے مقرر کردہ حصہ کا فقط رضائے الٰہی کے لیے کسی مسلمان فقیر کو اس طرح مالک بنانا کہ ہر طرح سے مالک نے اس شیئ سے نفع حاصل نہ کرنا ہو بشرطیکہ وہ مسلمان ہاشمی نہ ہو اور نہ ہی اس کا مولٰی ہو۔ (ت)

درمختار میں ہے:

للہ تعالٰی بیان لاشتراط النیۃ[3]۔	"اللہ کے لیے ہو" کے الفاظ نیت ہی کو شرط قرار دینے کے لیے ہیں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

متعلق بتملیك ای لاجل امتثال امرہ تعالٰی[4]۔	ان کلمات (للہ تعالٰی) کا تعلق لفظ تملیک سے ہے یعنی یہ عمل فقط اپنے رب کریم کے حکم کی بجاآوری کے طور پر ہو۔ (ت)

پھر اس میں اعتبار صرف نیت کا ہے اگرچہ زبان سے کچھ اور اظہار کرے، مثلاً دل میں زکوٰۃ کا ارادہ کیا اور زبان سے ہبہ یا قرض کہہ کر دیا صحیح مذہب پر زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔ شامی میں ہے:

لا اعتبار للتسمیۃ فلوسماھا ھبۃ اوقرضا تجزیہ فی الاصح[5]۔	نام لینے کا اعتبار نہیں، اگر کسی نے اس مال کو ہبہ یا قرض کہہ دیا تب بھی اصح قول کے مطابق زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔ (ت)

---

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر — کتاب الزکوٰۃ — داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۹۲
[2] و [3] درمختار — " — مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۹
[4] ردالمحتار — " — مصطفی البابی مصر ۲/۲
[5] " — " — " — "

پھر نیت بھی صرف دینے والے کی ہے لینے والا کچھ سمجھ کرلے اس کا علم اصلاً معتبر نہیں،

فی غمز العیون: العبرۃ لنیۃ الدافع لا لعلم المدفوع[1]

غمز العیون میں ہے کہ اعتبار دینے والے کی نیت کا ہے نہ کہ اس کے علم کا جسے زکوٰۃ دی جارہی ہے (ت)

ولہٰذا اگر عید کے دن اپنے رشتہ داروں کو جنھیں زکوٰۃ دی جاسکتی ہے کچھ روپیہ عیدی کا نام کرکے دیا اور انھوں نے عیدی ہی سمجھ کرلیا اور اس کے دل میں یہ نیت تھی میں زکوٰۃ دیتا ہوں بلاشبہہ ادا ہوجائیگی۔ اسی طرح اگر کوئی ڈالی لایا یا رمضان مبارک میں سحری کو جگانے والا عید کا انعام لینے آیا یا کسی شخص نے دوست کے آنے یا اور کسی خوشی کا مژدہ سنایا اس نے دل میں زکوٰۃ کا قصد کرکے ان لوگوں کو کچھ دیا یہ دینا بھی زکوٰۃ ہی ٹھہرے گا اگرچہ ان کے ظاہر میں ڈالی لانے یا سحری کو جگانے یا خوشخبری سنانے کا انعام تھا اور انھوں نے اپنی دانست میں یہی جان کرلیا، خلاصۃ الفتاوی وخزانۃ المفتین وغیرہما معتبرات میں ہے:

لو دفع الی صبیان اقاربہ دراھم فی ایام العید یعنی عیدی بنیۃ الزکوٰۃ او دفع الی من یبشرہ بقدوم صدیق او یخبرہ بخبر یسرہ او یھدی الیہ الباکورۃ او الی الطبال یعنی سحرخوان اوالی المعلم بنیۃ الزکوٰۃ جاز[2]

اگرکسی نے ایام عید میں اپنے رشتہ داروں کے بچوں کو نیتِ زکوٰۃ سے عیدی دے دی یا اس شخص کو جس نے اس کے دوست کی آمد کی اطلاع دی یا کوئی خوشی والی خبر دی یا کسی کو عید مبارک پر دی یا سحری کے وقت بیدار کرنیوالوں یا استاد کو دی تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی (ت)

پھر زکوٰۃ صدقہ ہے اور صدقہ شرطِ فاسد سے فاسد نہیں ہوتا بلکہ وہ شرط ہی فاسد ہوجاتی ہے، مثلاً زکوٰۃ دی اور یہ شرط کرلی کہ یہاں رہے گا تو دُوں گا ورنہ نہ دُوں گا اس شرط پر دیتا ہوں کہ تو یہ روپیہ فلاں کام میں صرف کرے اس کی مسجد بنادے یا کفنِ اموات میں اُٹھادے تو قطعاً زکوٰۃ ادا ہوجائے گی اور یہ شرطیں سب باطل ومہمل ٹھہریں گی،

فی مصارف الزکوٰۃ من الدرالمختار لا الی بناء مسجد او کفن میت والحیلۃ ان یتصدق علی الفقیر ثم یامرہ بفعل ھذہ الاشیاء وھل لہ ان یخالف امرہ ولم ارہ والظاھر

درمختار کے مصارفِ زکوٰۃ میں ہے کہ مسجد کی تعمیر یا کفنِ میت پر زکوٰۃ نہیں لگتی اور حیلہ یہ ہے کہ فقیر کو زکوٰۃ دی جائے پھر اسے ان کاموں پر خرچ کرنے کا کہا جائے کیا اس فقیر کے لیے اس دینے والے کے حکم کی خلاف ورزی جائز ہے میری نظر سے نہیں گزرا۔ ہاں ظاہر یہی ہے کہ

---

[1] غمز عیون البصائر کتاب الزکوٰۃ، فن ثانی ۱/۲۲۱

[2] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الزکوٰۃ الفصل الثامن فی اداء الزکوٰۃ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/۲۴۳

نعم[1] اھ ملخصًا، قولہ (والظاھر نعم) البحث لصاحب النھر، وقال لانہ مقتضی صحۃ التملیك قال الرحمتی والظاھر انہ لاشبھۃ فیہ لانہ ملکہ ایاہ عن زکوٰۃ مالہ وشرط علیہ شرطا فاسدا والھبۃ والصدقۃ لاتفسدان بالشرط الفاسد[2] اھ ردالمحتار۔

فقیر اس کے خلاف کرسکتا ہے اھ ملخصًا قولہ والظاھر نعم، صاحبِ نہر نے اس پر بحث کرتے ہوئے فرمایا کہ حُرمتِ تملیک کا تقاضا یہی ہے کہ وہ خلاف ورزی کرسکتا ہے۔ رحمتی نے فرمایا: ظاہر یہی ہے اس میں کوئی شک نہیں اس لیے کہ اس نے فقیر کو اپنے مال کی زکوٰۃ دے کر اسے مالک بنادیا اور ساتھ شرطِ فاسد کا اضافہ کردیا ہے حالانکہ ہبہ اور صدقہ شرطِ فاسد سے فاسد نہیں ہوتے اھ ردالمحتار (ت)

پھر جب صریح شرط باوجود خلوصِ نیت ادائے زکوٰۃ میں خلل انداز نہیں تو ایسا برتاؤ جو بظاہر معنی شرط پر دلالت کرے مثلاً جب یہاں رہے تو دے اور نہ رہے تو نہ دے، بدرجہ اَولٰی باعثِ خلل نہ ہوگا۔

اقول وقد ظھر ھذا من مسائل البشیر والطبال ومھدی الباکورۃ فانہ انما یحمل الناس علی الدفع الیھم افعالھم ھذہ ولولم یفعلوا اقل ما لم یرد فع الیھم شیئ ومن ذلك مسئلۃ دفع العیدی بنیۃ الزکوٰۃ الی خدامہ من الرجال والنساء حیث یقع عن الزکوٰۃ کما فی المعراج وغیرہ مع العلم بانہ لولم یخدموہ لما اعطاھم وبالجملۃ فھذہ العلائق تکون بواعث للناس علی تخصیصھم بصرف الزکوٰۃ فدوران العطاء معھا وجودا وعدما لایعین معنی التعویض وانما المراجع النیۃ فاذ اخلصت اجزت۔

اقول بشارت دینے والے، سحر خواں (سحری کے وقت بیدار کرنے والا) اور نئے پھلوں کا ہدیہ دینے والے کے مسائل سے بھی یہ بات واضح ہوگئی ہے کیونکہ لوگ ان کو ان کے عمل کی وجہ سے دیتے ہیں، اگر وُہ یہ کام نہ کریں تو اکثر اوقات ان بیچاروں کو کچھ بھی نہیں دیا جاتا، اسی طرح یہ مسئلہ کہ خدام (خواہ مرد ہوں یا خواتین) کو نیتِ زکوٰۃ سے عیدی دینے سے زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے جیسا کہ معراج وغیرہ میں ہے، حالانکہ یہ بات مسلّم ہے کہ اگر وُہ خدمت کرتے تو انھیں یہ رقم نہ ملتی، الغرض یہ وُہ تعلقات ہیں جن کی وجہ سے لوگ ان مخصوص لوگوں کو زکوٰۃ دیتے ہیں تو ابِ عطا کا تعلقات کے ساتھ دوران وجوداً و عدماً عوض بنانے کے معنی کو معین نہیں کرتا، نیت پر مدار رہیگا جب نیت خالص ہوگی تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔ (ت)

---

[1] درمختار | کتاب الزکوٰۃ | باب المصرف | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۴۱

[2] ردالمحتار | " | " | مصطفی البابی مصر | ۲/۶۹

جب یہ امور ذہن نشین ہولیے تو جوابِ مسئلہ بحمدہٖ تعالٰی واضح ہوگیا، اگر وُہ دینے والے خاص بقصدِ معاوضہ و بطورِ اُجرت دیتے یا نیتِ زکوٰۃ کے ساتھ یہ نیت بھی ملا لیتے تو بیشک زکوٰۃ ادا نہ ہوتی۔

اما علی الاوّل فلعدم النیۃ واما علی الثانی فلعدم الاخلاص ولایکون کنیۃ الحمیۃ مع نیۃ الصوم حیث تجزی لانھا نیۃ لازم لانیۃ مناف کما افادہ المولی المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر ولاکذلک ماھنا فان التعویض ینافی التصدق۔

پہلی صورت (بقصدِ معاوضہ واجرت) میں نیتِ زکوٰۃ ہی نہیں اور دُوسری صورت (یعنی زکوٰۃ کے ساتھ معاوضہ کی نیت بھی ہو) تو اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اور یہ اس طرح نہیں جیسے بخار کی بنا پر رخصت کی نیت کی روزہ نیت کے ساتھ کہ یہ جائز ہے کیونکہ نیت اس صورت میں لازم کی نیت ہے منافی کی نہیں، جیسا کہ مولی محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں افادہ فرمایا ہے اور یہاں ایسا نہیں ہے کیونکہ معاوضہ میں دینا صدقہ کرنے کے منافی ہے (ت)

اور جبکہ تقریرِ سوال سے ظاہر کہ انھوں نے محض بہ نیتِ زکوٰۃ دیا اور اُسے زکوٰۃ ہی خیال کیا، معاوضہ و اُجرت کا اصلاً لحاظ نہ تھا تو بے شک زکوٰۃ ادا ہوگئی، اگرچہ وُہ شخص جسے زکوٰۃ دی گئی اپنے علم میں کچھ جانتا ہو، اگرچہ انھوں نے اس سے صاف کہہ بھی دیا ہو کہ یہاں رہو گے تو دیں گے ورنہ نہ دیں گے، اگرچہ وُہ عمل بھی اس کے مطابق کریں یعنی ایامِ حاضری میں دیں غیر حاضری میں نہ دیں کہ جب نیت میں صرف زکوٰۃ کا خاص قصد ہے تو ان میں کوئی امر اُس کا نافی و منافی نہیں۔

کما حققنا فالافتاء ھھنا بعدم الاجزاء بناء علی مخالفۃ علم المدفوع الیہ کما وقع عن بعض المدعین علو الکعب فی العلوم الدینیۃ ناش عن قلۃ التدبیر او سوء الفھم واللہ المستعان علی ازالۃ الوھم والحمد للہ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

جیسا کہ ہم نے تحقیق کی ہے، پس اب اس پر فتوٰی دینا کہ یہاں زکوٰۃ اس لیے جائز نہیں کہ جس کو دی جارہی ہے اس کے علم میں نہیں ہے، جیسا کہ علمِ دین میں اپنی فوقیت کا اعلان کرنے والے بعض حضرات نے کیا، یہ قلت تدبر یا سوءِ فہم کی وجہ سے ہُوا۔ اللہ تعالٰی ہی ازالہ وہم پر مددگار ہے والحمدللہ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳: مسئولہ مولوی علی احمد صاحب مصنف تہذیب الصبیان ۱۹ جمادی الاولٰی ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ان دنوں قحط میں بعضے آدمی مدزکوٰۃ میں بھُوکوں کو غلہ مثلاً وغیرہ تقسیم کرتے ہیں، یہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

زکوٰۃ میں روپے وغیرہ کے عوض بازار کے بھاؤ سے اُس قیمت کا غلہ مثلاً وغیرہ محتاج کو دے کر بہ نیت زکوٰۃ مالک

کر دینا جائز و کافی ہے، زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، مگر جس قدر چیز محتاج کی مِلک میں گئی بازار کے بھاؤ سے جو قیمت اس کی ہے وہی مجرا ہو گی بالائی خرچ محسوب نہ ہوں گے، مثلاً آج کل مَکّا کا نرخ نو سیر ہے نو من مکّا مول لے کر محتاجوں کو بانٹی تو صرف چالیس روپیہ زکوٰۃ میں ہوں گے، اس پر جو پلّہ داری یا بار برداری دی ہے حساب میں نہ لگائی جائیگی، یا گاؤں سے منگا کر تقسیم کی تو کرایہ گھاٹ چونگی وضع نہ کریں گے، یا غلّہ پکا کر دیا تو پکوائی کی اُجرت، لکڑیوں کی قیمت مجرا نہ دینگے، اس کی پکی ہُوئی چیز کی جو قیمت بازار میں ہو وہی محسوب ہوگی،

لان رکنها التملیك من فقیر مسلم لوجه الله تعالٰی من دون عوض۔

کیونکہ اس کا رکن یہ ہے کہ کسی فقیر کو اللہ تعالٰی کی رضا کی خاطر اس کا مالک بنایا جائے اور بطور معاوضہ نہ ہو۔ (ت)

درمختار میں ہے؛

لو اطعم یتیما ناویا الزکٰوۃ لایجزیه الا اذا دفع الیه المطعوم کما لوکساه[1]۔

جب کسی نے یتیم کو نیتِ زکوٰۃ سے کھانا کھلایا زکوٰۃ ادا نہ ہوگی جب تک کھانا اس کے حوالے نہ کر دے، ایسے ہی لباس کا معاملہ ہے (ت)

عالمگیری میں ہے؛

ماسواہ من الحبوب لایجوز الا بالقیمة[2]۔

یہ دانوں کے علاوہ میں ہے کیونکہ وہاں قیمت ہی ضروری ہے (ت)

اُسی میں ہے، الخبز لایجوز الا باعتبار القیمة[3] (روٹی کا اعتبار قیمت کے بغیر جائز نہیں۔ ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۴۲ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ اگر کسی شخص نے عوض اس زر زکوٰۃ کے جو اُس کے ذمہ واجب ہے محتاجوں کو کھانا کھلا دیا یا کپڑے بنا دئے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

عوض زر زکوٰۃ کے محتاجوں کو کپڑے بنا دینا، انھیں کھانا دے دینا جائز ہے اور اس سے زکوٰۃ ادا ہو جائیگی خاص روپیہ ہی دینا واجب نہیں مگر ادائے زکوٰۃ کے معنٰی یہ ہیں کہ اُس قدر مال کا محتاجوں کو مالک کر دیا جائے

---

[1] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۹

[2] و [3] فتاوٰی ہندیۃ الباب الثامن فی صدقۃ الفطر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۹۲

اسی واسطے اگر فقراء ومساکین کو مثلاً اپنے گھر بُلا کر کھانا پکا کر بطریقِ دعوت کھلا دیا تو ہرگز زکوٰۃ ادا نہ ہوگی کہ یہ صورت اباحت ہے نہ کہ تملیک، یعنی مدعو اس طعام کو ملکِ داعی پر کھاتا ہے اور اُس کا مالک نہیں ہوجاتا اسی واسطے مہمانوں کو روا نہیں کہ طعامِ دعوت سے بے اذنِ میزبان گداؤں یا جانوروں کو دے دیں، یا ایک خوان والے دوسرے خوان والوں کو اپنے پاس سے کچھ اٹھا دیں یا بعد فراغ جو باقی بچے اپنے گھر لے جائیں۔

فی الدرالمختار لو اطعم یتیما ناویا الزکوٰۃ لایجزیہ الا اذا دفع الیہ المطعوم کما لوکساہ[1] انتھی قولہ کما لوکساہ ای کما یجزیہ[2] اھ طحطاوی عن الحلبی وفی الحاشیۃ الطحطاویۃ ایضا فی باب المصرف لایکفی فیھا الاطعام الا بطریق التملیک ولو اطعمہ عندہ ناویا الزکوٰۃ لایکفی[3] انتھی۔

درمختار میں ہے کہ اگر کسی نے یتیم کو بنیتِ زکوٰۃ کھانا کھلایا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی مگر اس صورت میں جب کھانا اس کے سپرد کردیا گیا ہو، جیساکہ اگر اسے لباس پہنادیا ہو انتہی قولہ "کما لوکساہ" یعنی اس صورت میں بھی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی اھ طحطاوی عن الحلبی، اور حاشیہ طحطاویہ کے باب المصرف میں یہ بھی ہے کہ کھانا کھلادینا کافی نہیں البتہ اگر مالک کردے تو پھر کافی ہے، اور اگر کسی نے نیتِ زکوٰۃ سے کھانا کھلایا تو کافی نہ ہوگا انتہی (ت)

ہاں اگر صاحبِ زکوٰۃ نے کھانا خام خواہ پختہ مستحقین کے گھر بھجوادیا یا اپنے ہی گھر کھلایا مگر بتصریح پہلے مالک کردیا تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی،

فان العبرۃ للتملیک ولا مدخل فیہ لاکلہ فی بیت المزکی او ارسالہ الی بیوت المستحقین وما ذکرہ الطحطاوی محمول علی الدعوۃ المعروفۃ فانھا المتبادرۃ منہ وانھا لاتکون الا علی سبیل الاباحۃ، واللہ تعالٰی اعلم۔

کیونکہ اعتبار تملیک کا ہے اس میں اس کا کوئی دخل نہیں کہ زکوٰۃ دینے والے کے گھر کھانا کھایا یا مستحق لوگوں کے گھر بھیج دیا ہو، اور جو طحطاوی نے ذکر کیا وہ دعوتِ معروفہ پر محمول ہے کیونکہ اس سے متبادر ہے کہ یہ دعوت بطورِ تملیک نہیں ہوتی بلکہ بطورِ اباحت ہوتی ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار | کتاب الزکوٰۃ | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۲۹
[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار | کتاب الزکوٰۃ | دارالمعرفۃ بیروت | ۱/۳۸۶
[3] " " " | باب المصرف | " | ۱/۴۲۵

مسئلہ مرسلہ مولوی عبدالواحد صاحب متعلم مدرسہ اہلسنت وجماعت بریلی ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے زکوٰۃ کا روپیہ نکالا اور اس روپیہ سے غلّہ خریدا اور تمام محتاجوں کو جمع کرکے اور کھانا پکواکر کھلوایا تو آیا زکوٰۃ ادا ہوجائے گی کہ نہیں، کیا ضروری ہے کہ جو روپیہ نکالا وہی بعینہٖ دے؟

الجواب

کھانا جمع کرکے کھلادینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوئی لانہ اباحۃ ورکنھا التملیک (کیونکہ یہ اباحت ہے حالانکہ زکوٰۃ کا رکن مالک بنانا ہے۔ ت) نہ بعینہٖ روپیہ دینا ضرور، بلکہ اگر اس کا اناج یا کپڑا خرید کر محتاجوں کو دے دیتا یا کھانا پکاکر ان کے گھر بھیج دیتا یا حصے انھیں تقسیم کردیتا تو بازار کے بھاؤ سے جو اس کی قیمت ہوتی اس قدر زکوٰۃ ادا ہوجاتی پکوائی وغیرہ اجرت میں جو صرف ہوا وہ محسوب نہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ از دھوراجی ملک کاٹھیاواڑ مسئولہ حاجی عیلے خاں محمد صاحب ۲۱ صفر ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قحط سالی میں مسلمان لوگ چندہ کرکے روپیہ جمع کرکے گندم چھ روپیہ کے بھاؤ سے ایک من خرید کرکے چار روپیہ کے بھاؤ سے مسلمان غریب لوگوں کو دینا اور جو دو روپیہ کا نقصان ہوتا ہے وہ مالِ زکوٰۃ سے ادا ہوجائے گا یا نہیں؟ اگر نہ ہوتا ہو تو کس صورت سے ادا ہو؟ مہربانی فرماکر جلدی عنایت فرمائیں، بہت ضروری ہے، یہاں پر بالکل بارش نہیں ہوئی ہے اور غریب مسلمان لوگوں کو بہت ضرورت ہے، اس مسئلہ کا سوال بناکر جواب لکھ کر روانہ کردینا۔

الجواب

زکوٰۃ اس طرح ادا نہیں ہوسکتی،

فان البیع یبائن الصدقۃ والمحاباۃ لیست فی القدر الزائد المتروک من التملیک فی شیئ فانک لم تملکہ حتی تملکہ۔

کیونکہ بیع، صدقہ کے مبائن چیز ہے، خریداری میں رعایت سودے سے کسی زائد چیز کی تملیک نہیں ہے کیونکہ رعایت تیری ملکیت نہیں، تاکہ تو کسی کو مالک بنائے۔ (ت)

بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ چھ ہی روپے من ان کے ہاتھ بیچیں اور فی من دو روپے ان کو زکوٰۃ میں اپنے پاس سے دیں اور قیمت میں چھ روپے ان سے وصول کریں ان کے دو روپے زکوٰۃ میں محسوب ہوں گے اور ان کو من بھر گیہوں پر چار ہی روپے اپنے پاس سے دینے پڑے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲ رجب ۱۳۳۱ھ

چار پانچ آدمی بزاز کے یہاں کپڑا خریدنے گئے اُن میں سے ایک نے کوئی کپڑا چرالیا، بعد معلوم ہونے کے دکاندار نے اس کو معاف کردیا اور نیت صدقہ یا زکوٰۃ کی کی، تو یہ نیت اس کی صحیح ہوگی یا نہیں؟ اور یہ کپڑا صدقہ یا زکوٰۃ میں محسوب ہوگا یا نہیں؟

الجواب

اگر وہ کپڑا ہنوز موجود ہے تو نہ وہ صدقہ میں محسوب ہوگا، نہ زکوٰۃ میں، نہ اس کی معافی ہوگی فان الابراء عن الاعیان باطل (کیونکہ اعیان سے بری کرنا باطل ہے۔ ت) ہاں اگر اسے ہبہ کردیا تو ہبہ ہوجائے گا اور اگر ہبہ کرنے سے زکوٰۃ یا صدقہ کی نیت کی اور وہ شخص اس کا مصرف ہو تو زکوٰۃ و صدقہ ادا ہوجائیں گے، اور اگر وہ کپڑا اس نے تلف کردیا یہاں تک کہ اُس کا اُس پر تاوان لازم آیا اور اُس نے وہ تاوان معاف کردیا تو معافی صحیح ہے اور نیت محمود ہو تو اجر پائے گا اور یہ خود ایک صدقہ نفل ہے مگر اس میں زکوٰۃ کی نیت صحیح نہیں، ہاں اس سے اتنے کی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی جتنا تاوان اس پر واجب تھا مگر یہ اُس کے دیگر اموال کی زکوٰۃ ہوسکے یہ نہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسئلوں میں:

(۱) زید نے اپنے برادرِ حقیقی یا بہنوئی یا بہن یا کسی دوست کو اپنی ضمانت سے مبلغ پچاس روپیہ سودی قرض دلادئے، اب وہ روپیہ اصل و سود مل کر سو روپیہ ہوگئے، زید نے وہ روپے اپنی زکوٰۃ کے روپے سے ادا کردئے مگر شخص مذکور سے یہ نہیں کہا کہ روپیہ زکوٰۃ کا ہم نے تمہارے قرضہ میں دیا کیونکہ اگر اُس سے کہا جائیگا تو وہ شخص بوجہ برادری کے زکوٰۃ لینا پسند نہیں کرتا ہے اس صورت میں زید زکوٰۃ سے ادا ہوگیا یا نہیں؟

(۲) زید نے مبلغ ہزار روپیہ کا رس خریدا اور روپیہ بموجب رواج کھنڈسالیوں کے بالیوں کو دے دیا، وقتِ وصول رس کے پانچ سو روپیہ کا رس وصول ہُوا، اور باقی روپیہ کے سال آئندہ پر وصول ہونے کی امید رہی، اب زید پر زکوٰۃ پانچ سو روپیہ کی چاہیے یا ہزار کی؟ اور اس بقیہ روپے کا یہ انتظام کیا کہ کچھ روپیہ اور دے کر دستاویز تحریر کرالی اور اس دستاویز کا روپیہ بشرط پیداوار اس تحریر دستاویز سے دس ماہ بعد وصول ہوگا ورنہ سال آئندہ پر کیا قرضہ دستاویز پر زکوٰۃ چاہیے یا نہیں؟

(۳) کچھ قرضہ زید کا اس طور ہے کہ زید نے دستاویز تحریر کرا کے روپیہ قرض کردیا منجملہ اس کے کچھ روپیہ وصول ہوا اور کچھ باقی رہا، اس بقیہ کی نہ دستاویز ہے اور نہ کوئی شیئ ایسی اس شخص کے پاس ہے کہ جس سے وہ قرضہ اپنا ادا کرے، اور اگر ہے تو بغرض بدنیتی اُس شیئ کو دوسرے کے نام کردیا، اب زید کو صرف اُمید ہی امید

فلسفہ

سُود

قسم

صدقہ

توسل و تبرک

وھو فی ملکہ[1] (اور وہ اس کی ملکیت میں ہو)

کی ملکیت پر سال گزرے۔ (ت)

تو ابھی شرع اس سے تقاضا ہی نہیں فرماتی، یکمشت دینے کا مطالبہ کہاں سے ہوگا، یہ پیشگی دینا تبرع ہے ولاجبر علی المتبرع وھذا ظاھر جدًا (لہٰذا دینے پر جبر نہیں اور یہ نہایت ہی واضح ہے۔ ت) اور اگر سال گزر گیا اور زکوٰۃ واجب الادا ہوچکی تو اب تفریق و تدریج ممنوع ہوگی بلکہ فورًا تمام وکمال زرِ واجب الادا ادا کرے کہ مذہب صحیح ومعتمد ومفتٰی بہ پر ادائے زکوٰۃ کا وجوب فوری ہے جس میں تاخیر باعثِ گناہ۔ ہمارے ائمہ ثلٰثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے اس کی تصریح ثابت۔

رواہ الفقیہ ابوجعفر عن الامام الاعظم وذکرہ ابویوسف فی الامالی کما فی الخلاصۃ وفی منتقی الامام ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم الشھید رحمہ اللہ تعالٰی علی مانقل القھستانی عن المحیط انہ علی الفور عندھما وعن محمد لاتقبل شھادۃ من اخر[2]، فھذا ظاھر فی انہ ھو المذھب المروی عن الشیخین فی ظاھر الروایۃ۔

یہی فقیہ ابوجعفر نے امام اعظم سے روایت کیا، امام ابویوسف نے اسے امالی میں ذکر کیا جیسا کہ خلاصہ میں ہے اور امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم الشہید رحمہ اللہ تعالٰی کی منتقی میں ہے جیسا کہ قہستانی نے محیط سے نقل کیا ہے وہ یہ ہے کہ شیخین کے نزدیک ادائیگی زکوٰۃ علی الفور لازم ہوجاتی ہے، اور امام محمد سے ہے کہ جس نے ادائیگی میں تاخیر کی اس کی شہادت قبول نہ ہوگی۔ یہ بات اس بارے میں واضح ہے کہ شیخین سے یہی مذہب ظاہر الروایۃ میں مروی ہے۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے:

یلزم بتاخیرہ من غیر ضرورۃ الاثم کما صرح بہ الکرخی والحاکم الشھید فی المنتقی، وھو عین ماذکرہ الفقیہ ابوجعفر عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ یکرہ ان یؤخرھا من غیر عذر فان کراھۃ التحریم ھی المحمل عند اطلاق اسمھا عنھم

بغیر مجبوری کے تاخیر سے گناہ لازم آتا ہے جیسا کہ امام کرخی اور حاکم شہید نے المنتقی میں تصریح کی ہے یہ بعینہٖ وہی بات ہے جس کا تذکرہ فقیہ ابوجعفر نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کیا ہے کہ بغیر عذر ادائیگی کو مؤخر کرنا مکروہ تحریمہ ہے کیونکہ جب کراہت کا ذکر مطلقًا ہو تو اس وقت وہ مکروہِ تحریمی پر محمول ہوتی ہے،

---

[1] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۰

[2] جامع الرموز " مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲/۲۰۱

وکذا عن ابی یوسف وعن محمد ترد شہادتہ بتاخیر الزکوٰۃ حق الفقراء فقد ثبت عن الثلثۃ وجوب فوریۃ الزکوٰۃ[1] اھ ملخصا۔

امام ابو یوسف سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ تاخیرِ زکوٰۃ کی وجہ سے گواہی مردود ہوجائیگی کیونکہ زکوٰۃ فقراء کا حق ہے، تو تینوں بزرگوں سے یہ ثابت ہُوا کہ زکوٰۃ کی ادائیگی فی الفور لازم ہوتی ہے اھ ملخصا (ت)

فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

ھل یأثم بتاخیر الزکوٰۃ بعد التمکن ذکر الکرخی انہ یأثم وھکذا ذکر الحاکم الشہید فی المنتقی وعن محمد ان من اخر الزکوٰۃ من غیر عذر لاتقبل شہادتہ وروی ھشام عن ابی یوسف لایأثم[2] اھ ملخصا قلت فقد قدم التاثیم ومایقدمہ فھو الراجح الاظہر الاشہر عندہ کما نص علیہ بنفسہ ویکون ھو المعتمد کما صرح بہ الطحطاوی والشامی وغیرھما وکذا قدمہ فی الھدایۃ والکافی۔

آدمی قدرت کے بعد تاخیرِ زکوٰۃ کی وجہ سے گنہگار ہوگا یا نہیں؟ امام کرخی نے فرمایا، گنہگار ہوگا۔ اسی طرح حاکم شہید نے منتقی میں ذکر کیا ہے۔ امام محمد سے مروی ہے کہ جس شخص نے بغیر عذر زکوٰۃ کو مؤخر کیا اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ ہشام نے امام ابو یوسف سے نقل کیا کہ وُہ گنہگار نہ ہوگا اھ ملخصا، قلت (میں کہتا ہوں کہ) گناہ گار ہونا (امام ابو یوسف کے حوالے سے) پہلے ذکر کیا ہے اور وہی قاضیخاں کے ہاں راجح، اظہر اور اشہر ہے، جیسا کہ اس پر خود انھوں نے تصریح کی ہے، اور یہی معتمد ہے، جیسا کہ اس پر طحطاوی، شامی اور دیگر لوگوں نے تصریح کی ہے، اسی طرح ہدایہ اور کافی میں اسی کو مقدم رکھا ہے (ت)

فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

تجب علی الفور عند تمام الحول حتی یأثم بتاخیرہ من غیر عذر وفی روایۃ الرازی علی التراخی حتی یأثم عند الموت والاول اصح

سال پُورا ہونے پر زکوٰۃ فی الفور لازم ہوجاتی ہے حتّٰی کہ بغیر عذر تاخیر سے گناہ ہوگا، رازی کی روایت کے مطابق فی الفور لازم نہیں (حتّٰی کہ مؤخر کرنے سے گناہ نہ ہوگا) البتہ اسی حالت میں موت آگئی تو

---

[1] فتح القدیر کتاب الزکوٰۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۱۱۴

[2] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی مال التجارۃ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ ۱/۱۱۹

كذا فى التهذيب[1]

قریب موت گنہگار ہوگا، لیکن پہلا قول اصح ہے جیساکہ تہذیب میں ہے۔ (ت)

جواہر اخلاطی میں ہے:

یجب الزکوٰۃ علی الفور حتی یاثم بتاخیرہ بلا عذر وقیل علی التراخی والاول اصح اھ[2] ملخصا۔

زکوٰۃ علی الفور واجب ہوجاتی ہے حتی کہ بغیر عذر مؤخر کرنے سے گناہ گار ہوتا ہے، بعض کے نزدیک فی الفور نہیں ہوتی لیکن پہلا قول اصح ہے اھ ملخصا (ت)

مجمع الانہر میں ہے:

قال محمد لا تقبل شہادۃ من لم یؤد زکوتہ وھذا یدل علی الفور کما قال الکرخی وعلیہ الفتوٰی[3]

امام محمد نے فرمایا: جو شخص زکوٰۃ ادا نہ کرے اس کی شہادت مقبول نہ ہوگی، یہ بات دلالت کرتی ہے کہ زکوٰۃ فی الفور لازم ہوجاتی ہے۔ امام کرخی نے بھی یہی فرمایا ہے اور اسی پر فتوٰی ہے (ت)

تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

(وقیل فوری) ای واجب علی الفور (وعلیہ الفتوی) کما فی شرح الوھبانیۃ (فیاثم بتاخیرھا) بلا عذر (وترد شہادتہ) لان الامر بالصرف الی الفقیر معہ قرینۃ الفور وھی انہ لدفع حاجتہ وھی معجلۃ فمتی لم تجب علی الفور لم یحصل المقصود من الایجاب علی وجہ التمام وتمامہ

(بعض نے کہا کہ زکوٰۃ فوری ہے) یعنی زکوٰۃ فی الفور لازم ہوجاتی ہے (اور اسی پر فتوٰی ہے) جیساکہ شرح وہبانیہ میں ہے (تو تاخیرِ ادائیگی سے گناہ لازم آئے گا) جب تاخیر بغیر عذر ہو (اور ایسے شخص کی شہادت مردود ہے) کیونکہ حکم زکوٰۃ کے ساتھ مصرف زکوٰۃ فقراء کا ذکر کرنا اس پر قرینہ ہے کہ فی الفور ادائیگی ہو کیونکہ زکوٰۃ دینا ضروریاتِ فقیر کو پورا کرنے کے لیے ہوتا ہے اور اس میں تعجیل مقصود ہے اور اگر یہ فی الفور لازم ہی نہ ہو تو کامل طور پر ایجابِ زکوٰۃ کا مقصد حاصل نہ ہوگا۔ تفصیل اس کی

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الزکوٰۃ فصل فی مال التجارۃ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۱۹
[2] جواھر الاخلاطی کتاب الزکوٰۃ غیر مطبوعہ قلمی نسخہ ص ۴۳
[3] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر " دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۹۲

فی الفتح[1] اھ اقول فاذا کان ھذا ھو قضیۃ الدلیل والالصق بمقصد الشرع الجلیل وھو الاحوط فی الدین والادفع لکید الشیاطین والانفع لفقراء المسلمین وقد جزم بہ المولی فقیہ النفس قاضی الائمۃ وصححہ کما مر ویاتی من کبار الائمۃ وقد ثبت عن سادا تنا الثلثۃ مالکی الازمۃ وقد نص کثیرون ان علیہ الفتوی ولفظ الفتوی اکد واقوی فعلیہ فلیکن التعویل والاعتماد وان حکی التراخی ایضا عن الثلثۃ الامجاد وصححہ الباقانی والتاتارخانی بل قال المولی المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر ما ذکر ابن شجاع عن اصحابنا ان الزکٰوۃ علی التراخی یجب حملہ علی ان المراد بالنظر الی دلیل الافتراض ای دلیل الافتراض لا یوجبھا وھو لا ینفی وجود دلیل الایجاب[2] اھ قال العلامۃ السید احمد المصری فی حاشیۃ الدر المختار اختار الکمال ان الزکٰوۃ فریضۃ وفوریتھا واجبۃ ویصلح ھذا توفیقا بین القولین[3] اھ قلت وکان ظھر لی التوفیق بان من قال بالتراخی

فتح میں ہے اھ اقول جب دلیل کا معاملہ یہ ہے تو یہ مقصد شرح جلیل سے متصل اور قریب ہے اور یہی دین میں احوط اور شیاطین کے مکر کو دفع کرنے والا اور فقراء مسلمین کے لیے زیادہ نافع ہے، اسی پر ہمارے سرراہ فقیہ النفس قاضی الامۃ نے جزم فرمایا اور اس کو صحیح قرار دیا ہے جس کا ذکر گزرا اور کبار ائمہ سے اس کی تصحیح آرہی ہے اور ہمارے تینوں ائمہ جو مسلک کے سرتاج ہیں سے یہی ثابت ہے، اور کثیر فقہاء نے تصریح کی ہے کہ فتوٰی اسی پر ہے، اور یہ بات مسلّمہ ہے کہ یہ الفاظ مؤکد اور قوی ہیں، لہذا اسی پر اعتماد ہونا چاہیے اگرچہ ان تینوں بزرگوں سے تراخی بھی منقول ہے اور اسے باقانی اور تاتارخانی نے صحیح کہا ہے بلکہ محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا ہمارے احناف میں سے ابن شجاع نے جو یہ کہا کہ زکٰوۃ فی الفور لازم نہیں اسے زکٰوۃ کی فرضیت کی دلیل سے متمسک کرنا ضروری ہے یعنی فرضیت کی دلیل فی الفور ادائیگی کو واجب نہیں کرتی جبکہ اس سے فوری ادائیگی کی علیحدہ دلیل کی نفی نہیں ہوتی ___ علامہ سید احمد مصری نے حاشیہ درمختار میں کہا کہ کمال کا مختار یہ ہے کہ زکٰوۃ فرض ہے اور فی الفور ادا کرنا واجب ہے، تو اس سے دونوں اقوال کے درمیان موافقت ممکن ہے اھ قلت (میں کہتا ہوں) میرے نزدیک تطبیق یُوں ہوسکتی ہے کہ جس شخص نے تراخی کی

---

[1] درمختار کتاب الزکٰوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۰

[2] فتح القدیر کتاب الزکٰوۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۱۱۴

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار " دار المعرفۃ بیروت ۱/۳۹۶

فمرادہ ان وقته العمر فتكون اداء متى ادى
وان اثم بالتاخير ومن كان بالفور اراد
انه يأثم بالتاخير وان لم يصر به قضاء ولا
بدع فى ذلك فان الحج فورى على الراجح
مع الاجماع على انه لو تراخى كان اداء
ونظيره سجدة التلاوة وجوبها فورى
عند ابى يوسف ومتراخ عند محمد و
هو المختار كما فى النهر والامداد والدر المختار
واذا اداها بعد مدة كان مؤديا اتفاقًا
لا قاضيا كما فى النهر الفائق وغيره،
اقول لكن يخدش التوفيقين ما قدمنا
عن الخانية حيث فرض المسئلة فى التأثيم
ونص رواية هشام عن ابى يوسف
لا يأثم فلا بد من ابقاء الخلاف وترجيح
الراجح او يقال ان هشامًا انما سمع
التراخى فنقل هو ومن روى عنه
بالمعنى على ما فهم ولعل فيه بُعدًا يعرف
وينكر فليتدبر، والله تعالٰى اعلم۔

بات کی ہے اس کی مراد یہ ہے کہ وقتِ ادا تمام عمر ہے
تو جس وقت بھی ادائیگی کرے گا زکوٰۃ ادا ہی ہوگی اگرچہ
تاخیر سے گنہ گار ہوگا' اور جس نے کہا "فی الفور واجب ہے"
اس کی مراد یہ ہے کہ تاخیر سے انسان گنہگار ہو جاتا ہے
اگرچہ تاخیر سے قضاء نہیں ہوگی' اور یہ کوئی نئی بات نہیں کیونکہ
حج راجح قول کے مطابق فی الفور لازم ہے، حالانکہ
اس پر اجماع ہے کہ اگر کسی نے دیر کے بعد حج کیا تو ادا
ہی ہوگا، اس کی نظیر سجدۂ تلاوت ہے جو امام ابو یوسف
کے نزدیک فی الفور اور امام محمد کے نزدیک علی التراخی
واجب ہے' اور یہی مختار ہے جیسا کہ نہر، امداد اور
درمختار میں ہے، اگر کسی نے مدت کے بعد سجدہ کیا تو
بالاتفاق ادا ہی ہوگا اُسے قضاء کرنیوالا نہ کہا جائیگا'
جیسا کہ النہر الفائق وغیرہ میں ہے **اقول** ان دونوں
تطبیقات کو خانیہ کی سابقہ عبارت مخدوش کر دیتی ہے
کہ وہاں عنوانِ مسئلہ ہی گناہ گار ہونے کے بارے میں
ہے، اور امام ابو یوسف سے روایتِ ہشام میں گنہگار
نہ ہونے کی تصریح ہے لہٰذا اثبات اختلاف اور ترجیح
راجح ضروری ہے یا یہ کہا جائے کہ ہشام نے تراخی سنا
اور اسے نقل کردیا یا جس نے ان سے روایت بالمعنی کی اس نے اپنی سمجھ کے مطابق نقل کردیا، شاید اس میں بعد
معلوم ہو اور اجنبی سمجھا جائے، تو غور کرو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

بلکہ ہمارے بہت ائمہ نے تصریح فرمائی کہ اس (زکوٰۃ) کی ادائیگی میں دیر کرنے والا مردود الشہادۃ ہے،
یہی منقول ہے محررِ مذہب سیدنا امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے،

كما مر عن الفتح والخانية ومجمع الانهر
ومثله فى خزانة المفتين وفى شرح النقاية
عن المحيط وفى جواهر الاخلاطى وبه جزم فى

جیسا کہ فتح، خانیہ اور مجمع الانہر میں ہے۔ اسی طرح
خزانۃ المفتین اور شرح نقایہ میں محیط سے اور
جواہر الاخلاطی میں ہے، اور اسی پر تنویر اور در میں جزم

6 تنویر والدر کما سمعت ونقل الامام الخاصی وصاحب المضمرات شرح القدوری و الطحطاوی والشامی وغیرهم عن الامام قاضی خان ان علیه الفتوی وبه اخذ الفقیه ابو اللیث رحمه الله تعالٰی اقول وقول من قال ترد شهادته یؤیدنا کما لایخفٰی ومن قال لا فقوله لایخالفنا اذ لیس کل مایترجح فیه الاثم وان صغیرة مما یرد به الشهادة کما لیس یخفٰی علی من طالع کتاب الشهادة۔

کیا ہے جیسا کہ آپ سُن چکے۔ امام خاصی، صاحب المضمرات شرح قدوری، طحطاوی اور شامی وغیرہ نے امام قاضی خاں سے نقل کیا کہ اسی پر فتوٰی ہے اور فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ تعالٰی نے اسے ہی لیا ہے **اقول** جس نے یہ کہا کہ "اس کی شہادت مردود ہے" اس نے ہماری تائید کی جیسا کہ مخفی نہیں، اور جس نے کہا "مردود نہیں" وُہ ہمارے مخالف نہیں کیونکہ ہر وُہ شئی جس میں گنا ہگار ہونا راجح ہو اگرچہ گناہ صغیرہ ہی ہو ایسی نہیں جس سے شہادت رَد ہوجائے جیسا کہ یہ اس پر واضح ہے (مخفی نہیں) جس نے کتاب الشہادۃ کا مطالعہ کیا ہے۔ (ت)

اور شک نہیں کہ تدریج میں اگر کل کی تاخیر نہ ہُوئی تو بعض کی ضرور ہوگی حالانکہ اس پر واجب تھا کہ کل مطالبہ فی الفور ادا کرے،

لان الایجاب الفوری انما هو للکل لا للبعض وهذا ظاهر جدًّا ثم فی معنی الفور ههنا بحث للعلامة الشامی قدس سره السامی حیث قال قوله فیأثم بتاخیرها الخ ظاهره الاثم بالتاخیر ولو قل کیوم او یومین لانهم فسروا الفور باول اوقات الامکان وقد یقال المراد ان لایؤخر الی العام المقابل لما فی البدائع عن المنتقی بالنون اذا لم یؤد حتی مضی حولان فقد اساء و اثم اھ فتأمل[1] اھ **اقول** لایخفی ان هذا القول المعتمد منقول فی عامة الکتب بلفظ الفور

کیونکہ فوری واجب کرنا کُل کے لیے ہے نہ کہ بعض کے لیے، اور یہ نہایت ہی واضح ہے، پھر یہاں علامہ شامی قدس سرہ السامی کو معنی فور میں کلام ہے وُہ کہتے ہیں مصنّف کے قول "تاخیر زکوٰۃ سے گنہگار ہوگا الخ" اس سے ظاہر یہی ہے کہ تاخیر اگرچہ تھوڑی ہو مثلاً ایک یا دو دن، اس سے گنہگار ہوگا، کیونکہ فقہائے فور کی تفسیر اوّل اوقاتِ امکان سے کی ہے، اور کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ مراد یہ ہے کہ آئندہ سال تک تاخیر نہ ہو کیونکہ بدائع میں منتقی سے ہے کہ جب کئی سال گزر جائیں اور (زکوٰۃ کی) ادائیگی نہ کی ہو تو یہ بُرا اور گناہ ہے اھ فتأمل **اقول** واضح رہے کہ یہ قول معتمد عام کتب میں لفظِ فور اور عدمِ تاخیر سے منقول ہے اور

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۱۳

وعدم التاخیر وانما معناہ کما نصوا علیہ
وافدتم انتم ھو الاتیان فی اول اوقات الامکان
فالتقیید بعدم التاخیر عاما تغییر لا تفسیر
ویظھر لی ان قضیۃ الدلیل ایضا تخالفہ
فان العلماء کالامام فقیہ النفس والامام
المحقق علی الاطلاق والامام حسین بن محمد
السمعانی صاحب خزانۃ المفتین والعلامۃ
برھان الدین ابی بکر بن ابراھیم الحسینی صاحب
جواھر الاخلاطی وغیرھم رحمھم اللہ تعالٰی
ذکروا تعلیل تفرقۃ محمد بایجاب الزکوٰۃ علی الفور
والحج متراخیا بان الزکوٰۃ حق الفقراء فیاثم
بتاخیر حقھم بخلاف الحج فانہ خالص حق
المولٰی سبحانہ وتعالٰی وانت تعلم ان حق العبد
بعد وجوب الاداء والتمکن منہ لایتاخر
اصلا الا تری ان الاجل اذا حل فمطل الغنی
ظلم وان قل وکذا ما حقق المولی
المحقق حیث اطلق من ان مع
النص قرینۃ الفور وھو الشرع
لدفع حاجۃ الفقراء وھی معجلۃ
یدل علی الفور الحقیقی ولا یتفاوت
التسویف بعام واعوام فی عدم حصول المقصود
علی وجہ التمام لاجرم ان قال فی مجمع الانھر
بعد ذکرہ الفتوی علی فوریۃ الزکوٰۃ

اس کا معنی جیسا کہ فقہاء نے تصریح کی اور آپ خود افادہ کرچکے ہو،
کہ اوّل اوقاتِ امکان میں بجالانا ہے لہٰذا عدمِ تاخیر
کو سال کے ساتھ مقید کرنا تغییر (بدل دینا) ہے تفسیر
نہیں، اور مجھے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ دلیل بھی اس
کی مخالفت کر رہا ہے کیونکہ علماء مثلاً امام فقیہ النفس،
امام محقق علی الاطلاق، امام حسین بن محمد سمعانی صاحبِ
خزانۃ المفتین اور علامہ برہان الدین ابوبکر بن ابراہیم
الحسینی صاحبِ جواہر الاخلاطی وغیرہم رحمہم اللہ تعالٰی
نے امام محمد کے زکوٰۃ کو فی الفور اور حج کو علی التراخی لازم
قرار دینے کی علتوں میں فرق کرتے ہوئے کہا کہ زکوٰۃ
فقراء کا حق ہے تو ان کے حق میں تاخیر کی وجہ سے وہ
شخص گنہگار ہوگا بخلاف حج کے کہ وہ خالصۃً اللہ سبحانہ
وتعالٰی کا حق ہے، اور آپ جانتے ہیں کہ حقِ عبد
وجودِ قدرت اور وجوبِ ادا کے بعد بالکل متاخر نہیں
ہوتا، کیا آپ نے نہیں دیکھا جب قرض کی ادائیگی کا
وقتِ مقررہ آجائے تو غنی کا ڈھیل و تاخیر کرنا ظلم ہوتا ہے
اگرچہ وہ تاخیر تھوڑی ہی کیوں نہ ہو، اور اسی طرح
مولی محقق نے تحقیق کرتے ہوئے کہا کہ نص میں قرینہ فور
ہے کہ زکوٰۃ حاجتِ فقراء کو دور کرنے کے لیے ہے اور
اس میں تعجیل ہے جو فورِ حقیقی پر دال ہے، اب کامل طور
پر مقصد کے عدمِ حصول میں سال یا متعدد سالوں کے
اعتبار سے کوئی تفاوت نہیں ہوگا خصوصاً جبکہ مجمع الانہر
میں فوریتِ زکوٰۃ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا فتوٰی فورِ زکوٰۃ

۱؎ ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۲/ ۱۳

معنی یجب علی الفور انہ یجب تعجیل الفعل فی اوّل اوقات الامکان[1] اھ قد سمعت نص الخانیۃ اذقال ھل یاثم بتاخیر الزکٰوۃ بعد التمکن[2] اھ وقال فی خزانۃ المفتین یأثم بتاخیر الزکٰوۃ بعد التمکن ومن اخر من غیر عذر لاتقبل شہادتہ لان الزکٰوۃ حق الفقراء فیأثم بتاخیر حقھم[3] اھ ملخصًا فھذہ نصوص صرائح وما فی المنتقی مفھوم مع انہ ھو الذی یقضی بہ الدلیل فحق ان یکون علیہ التعویل نعم لاغرو فی تقیید رد الشھادۃ بمرورالمدۃ فان دلیل الفور ظنی والثابت بہ الوجوب فترکہ صغیرۃ لاترد بہ الشہادۃ الا بعد الاصرار ولابد لذلک من مرور مدۃ کما افادالبحر فی مسئلۃ تاخیر الحج ، واللہ تعالٰی اعلم۔

پر ہے "یجب علی الفور" کا معنی یہ بیان کیا کہ اوّل اوقاتِ امکان میں فعل کو بجالانا واجب ہے اھ اور آپ خانیہ کی اس تصریح پر بھی آگاہ ہیں کہ کیا تمکن کے بعد تاخیرِ زکوٰۃ سے انسان گنا ہگار ہوتا ہے یا نہیں اھ اور خزانۃ المفتین میں فرمایا : تمکن کے بعد تاخیرِ زکوٰۃ سے گناہ گار ہوتا ہے ، اور جس نے بغیر عذر ادائیگی مؤخر کی اس کی شہادت مقبول نہیں کیونکہ فقراء کا حق ہے ، تو ان کے حق میں تاخیر کرنا گناہ ہوگا اھ ملخصًا ، پس یہ صریح نصوص ہیں۔ اور جو کچھ المنتقی میں ہے وہ مفہوم ہے باوجودیکہ دلیل کا تقاضا بھی یہی ہے ، لہذا اسی پر اعتماد کرنا حق ہے ، ہاں رَدِّ شہادت کو مدّت کے گزرنے کے ساتھ مقید کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ دلیلِ فور ظنّی ہے جس سے وجوب ثابت ہوگا ، لہذا اس کا ترک صغیرہ گناہ ہے اس سے شہادت مردود نہیں ہوگی ، ہاں مگر اس صورت میں جب ترک پر اصرار ہو ، لہذا اس کے لیے مدّت کا گزرنا ضروری ہے جیسا کہ بحر میں مسئلہ تاخیرِ حج میں تفصیل مذکور ہے ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

پھر بعدِ وجوبِ ادا تدریج کی مضرت اظہر من الشمس کہ مذہبِ صحیح پر ترکِ فور کرتے ہی گنہگار ہوگا اور مذہبِ تراخی پر بھی تدریج نامناسب کہ تاخیر میں آفات ہیں ۔

وقال تعالٰی سارعوا الٰی مغفرۃ من ربکم[4] وقال تعالٰی فاستبقوا الخیرات[5]۔

اللہ تعالٰی کا فرمان ہے : اپنے رب سے بخشش مانگنے میں جلدی کرو۔ اللہ تعالٰی کا ارشادِ گرامی ہے : نیکیوں میں آگے بڑھو۔ (ت)

---

[1] مجمع الانہر کتاب الزکٰوۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۹۲

[2] فتاوٰی قاضی خان " منشی نولکشور لکھنؤ ۱/۱۱۹

[3] خزانۃ المفتین فصل فی مال التجارۃ (قلمی نسخہ) ۱/۵۳ [4] القرآن ۳/۱۳۳ [5] القرآن ۲/۱۴۸

ظاہر ہے کہ وقتِ موت معلوم نہیں، ممکن ہے کہ پیش از ادا آجائے تو بالاجماع گنہ گار رہو گا،

فان کل موسع یتضیق عند الموت کما نصوا علیہ ولذا صرح القائلون بتراخی الوجوب انہ یأثم عند الموت کما قدمنا۔

کیونکہ واجب موسع، موت کے قریب مضیق ہوجاتا ہے جیسا کہ اس پر فقہاء نے تصریح کی ہے، اور اسی وجہ سے علی التراخی وجوب کے قائلین موت کے قریب تارک کو گنہگار کہتے ہیں جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے (ت)

اسی طرح تدریج میں اور دقتیں بھی محتمل، کما لا یخفی علی خادم الفقۃ (جیسا کہ کسی بھی خادمِ فقہ پر مخفی نہیں۔ ت) اور مالی وجانی حوادث سے محفوظ بھی رہا تو نفس پر اعتماد کسے ہے فان الشیطان یجری من الانسان مجری الدم[1] (شیطان انسان میں خون کی طرح گردش کرتا ہے۔ ت) ممکن کہ بہکا دے اور آج جو قصد ہے کل نہ رہے۔ سیدنا وابن سیدنا امام ابن الامام کریم ابن الکرام حضرت امام محمد باقر رضی اللہ تعالٰی نے ایک قبائے نفیس بنوائی، طہارت خانے میں تشریف لے گئے، وہاں خیال آیا کہ اسے راہِ خدا میں دیجئے فوراً خادم کو آواز دی قریب دیوار حاضر ہُوا، حضور نے قبائے معلّٰی اتار کر دی کہ فلاں محتاج کو دے آ۔ جب باہر رونق افروز ہوئے خادم نے عرض کی: اس درجہ تعجیل کی وجہ کیا تھی؟ فرمایا، کیا معلوم تھا کہ باہر آتے آتے نیت میں فرق آجاتا۔ سبحان اللہ! یہ اُن کی احتیاط ہے جو اِنَّ عِبَادِیۡ لَیۡسَ لَکَ عَلَیۡہِمۡ سُلۡطٰنٌ[2] (بلاشبہ میرے بندوں پر تیری حکومت نہیں چلے گی۔ ت) کی آغوش میں پلے اور اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ وَ یُطَہِّرَکُمۡ تَطۡہِیۡرًا[3] (اللہ تعالٰی چاہتا ہے کہ اے اہلبیتِ نبوی! تم سے پلیدی کو دُور کرے اور تمہیں خُوب پاک فرمادے۔ ت) کے دریا میں نہائے دُھلے صلی اللہ تعالٰی علٰی ابیھم الکریم الاکرام وعلیھم اجمعین وبارک وسلّم (ان کے والدگرامی پر اللہ تعالٰی کی رحمتیں ہوں اور ان تمام پر بھی اور برکات وسلام۔ ت) پھر ہم کہ سخرۂ دستِ شیطان ہیں، کس اُمید پر بے خوف ومطلق العنان ہیں وحسبنا اللہ ونعم الوکیل ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ میرے نزدیک چند باتیں لوگوں کو تدریج پر حامل ہوتی ہیں، کبھی یہ خیال کہ اہم فالاہم میں صرف کریں یعنی جس وقت جس حاجتمند کو دینا زیادہ مناسب سمجھیں اُسے دیں، کبھی یہ کہ سائل بکثرت آتے ہیں یہ چاہتا ہے مالِ زکوٰۃ ان کے لیے رکھ چھوڑے کہ وقتاً فوقتاً دیا کرے کبھی یکمشت دینا ذرا نفس پر بار ہے اور تھوڑا تھوڑا نکلتا جائے گا تو معلوم نہ ہوگا۔ جنہیں یہ خیال ہوں اُن کے لیے راہ یہی ہے کہ زکوٰۃ پیشگی دیا کریں مثلاً ماہِ مبارک رمضان میں اُن

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح باب فی الوسوسۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸
[2] القرآن ۱۵/ ۴۲
[3] القرآن ۳۳/ ۳۳

پر حولان حول ہوتا ہے تو رمضان شمسہ کے لیے شوال شمسہ سے دینا شروع کریں اور ختمِ سال تک بتدریج حسبِ رائے و مصلحت دیتے رہیں کہ اس میں ان کے مقاصد بھی حاصل ہوں گے اور تدریجِ مذموم و ممنوع سے بھی بچیں گے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ثانیہ: زید کے پاس زیور ہے وہ اُس کی زکوٰۃ دیتا ہے آئندہ کو زیور زیادہ ہو تو کس حساب سے زرِ زکوٰۃ زیادہ کیا جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

شریعتِ مطہرہ نے سونے چاندی کی نصاب پر کہ حوائجِ اصلیہ سے فارغ ہو خواہ وُہ روپیہ اشرفی ہو، گہنا یا برتن یا ورق یا کوئی شَے، حولان حول قمری کے بعد چالیسواں حصہ زکوٰۃ مقرر فرمایا ہے، سونے کی نصاب ساڑھے سات تولہ ہے اور چاندی کی ساڑھے باون تولے، پھر نصاب کے بعد جو کچھ نصابِ مذکور کے پانچویں حصہ تک نہ پہنچے معاف ہے اُس پر کچھ واجب نہیں ھذا ھو مذھب صاحب المذھب رضی اللہ تعالٰی عنہ وھو الصحیح کما فی التحفۃ ثم مجمع الانھر (یہی صاحبِ مذہب (امام اعظم) رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب ہے اور یہی صحیح ہے جیسا کہ تحفہ میں پھر مجمع الانہر میں ہے۔ ت) جب خمس کامل ہو جائے اُس پر پھر اسی خمس کا چالیسواں حصہ فرض ہوگا، یُوں ہی ایک خمس سے دوسرے تک عفو اور ہر خمس کامل پر اس کا ربع عشر، مثلاً ایک شخص کے پاس ۷ تولے سونا اس پر ۲ ماشے سونا زکوٰۃ دیتا ہے اور اگر ایک تولہ سے کم اس پر زائد ہے مثلاً ایک رتی کم ۹ تولہ ہے جب بھی وہی ۲ ماشے ۲ سُرخ واجب ہے یہ رتی کم ایک تولہ معاف ہے، ہاں اگر پورا چھ ماشے ایک تولہ ہے کہ خمس نصاب ہے، اور ہو تو اس کا بھی ربع عشر یعنی ۳ ۳/۵ سُرخ، اور واجب ہوگا کل ۹ تولے پر ۲ ماشے، ۵ ۳/۵ سرخ ہے، پھر ایک تولہ پُورا ہونے تک کچھ نہ بڑھے گا، جب ۱۰ تولے ۶ ماشے کامل ہو وہی ۳ ۳/۵ سُرخ اور بڑھ کر ۲ ماشہ ۳ ۱/۵ سُرخ واجب الادا ہوگا، وعلٰی ہذا القیاس۔ اسی طرح جس کے پاس ۵۲ تولہ ۶ ماشہ چاندی ہے اس پر ۱ تولہ ۳ ماشہ چاندی واجب ہے، اور جب تک ۱۰ تولے چاندی کہ خمس نصاب ہے نہ بڑھے، یہی واجب رہے گا۔ جب ۶۲ تولے کامل ہو جائے تو اس ۱۰ تولے کا ۱/۴۰ یعنی ۳ ماشہ ۱ ۱/۵ سُرخ، اور زائد ہو کر ایک تولہ ۱۰ ماشہ ۲/۵ سرخ کا وجوب ہوگا وعلیہ قس۔ درمختار میں ہے:

نصاب الذھب عشرون مثقالا والفضۃ مائتا درھم کل عشرۃ دراھم وزن سبعۃ مثاقیل والمعتبر وزنھما اداءً ووجوبًا لاقیمتھما واللازم فی مضروب کل منھما

سونے کا نصاب بیس (۲۰) مثقال اور چاندی کا دوسو (۲۰۰) ایسے درہم ہے کہ ان میں سے دس (۱۰) درہم سات مثقال کا وزن رکھتے ہوں، ان کا وزن ادائیگی اور وجوب میں معتبر ہے، ان دونوں کی قیمت کا اعتبار نہیں، پھران

ومعموله ولوتبرًا وحليًا مطلقًا مباح الاستعمال اولا ربع عشر وفی کل خمس بضم الخاء بحسابه ففی کل اربعین درھما درھم وفی کل اربعۃ مثاقیل قیراطان ومابین الخمس الی الخمس عفو وقالا مازاد بحسابہ وھی مسئلۃ الکسور[1] اھ ملخصًا.

دونوں سے بنی ہُوئی اشیاء میں چالیسواں حصہ زکوٰۃ لازم ہے اگرچہ یہ ڈلی کی صُورت میں یا زیورات کی صورت میں ہوں، خواہ ان کا استعمال مباح ہو یا ممنوع ہو (یعنی مردوں کیلئے) ہر خمس میں اس کے حساب سے زکوٰۃ ہوگی، پس ہر چالیس دراہم میں ایک درہم اور ہر چار مثقال میں دو قیراط زکوٰۃ ہوگی جو خمس سے دوسرے خمس تک ہے، اس میں زکوٰۃ نہیں، صاحبین کے نزدیک جتنا اضافہ ہو اس میں اسی کے حساب سے زکوٰۃ ہوگی، یہی مسئلہ کسور کہلاتا ہے اھ ملخصًا (ت)

پھر جو شخص ایک نصاب کا مالک ہے اور ہنوز حولان حول نہ ہوا کہ سال کے اندر ہی کچھ اور مال اسی نصاب کی جنس سے خواہ بذریعہ ہبہ یا میراث یا شرایا وصیت یا کسی طرح اس کی ملک میں آیا تو وہ مال بھی اصل نصاب میں شامل کرکے اصل پر سال گزرنا اُس سب پر حولان حول قرار پائے گا اور یہاں سونا چاندی تو مطلقًا ایک ہی جنس ہیں خواہ ان کی کوئی چیز ہو اور مال تجارت بھی انھیں کی جنس سے گِنا جائیگا اگرچہ کسی قسم کا ہو کہ آخر اس پر زکوٰۃ یوں ہی آتی ہے کہ اس کی قیمت سونے یا چاندی سے لگا کر انھیں کی نصاب دیکھی جاتی ہے تو یہ سب مال زروسیم ہی کی جنس سے ہیں اور وسط سال میں حاصل ہُوئے تو ذہب و فضہ کے ساتھ شامل کرلئے جائیں گے بشرطیکہ اس ملانے سے کسی مال پر سال میں دو بار زکوٰۃ نہ لازم آئے، پھر ملانے کے بعد عفو و ایجاب کے وہی احکام ہیں جو اوپر گزرے، مثلاً ایک شخص یکم محرم ۱۳۲۰ھ کو ۳۰ تولے سونے کا مالک ہُوا اور اُس کے سوا جنسِ زروسیم سے اور کوئی چیز اس کی ملک نہیں تو اس پر ۹ ماشے سونا زکوٰۃ میں فرض ہے کہ سلخ ذی الحجہ ۱۳۲۰ھ کو واجب الادا ہوگا، ہنوز سال تمام نہ ہوا کہ مثلاً یکم رجب کو ایک تولہ اور یکم ذی الحجہ کو دو تولے سونا اُسے اور ملا کہ اب کل ۳۳ تولے ہوگیا تو سلخ ذی الحجہ کو اس مجموع کی زکوٰۃ ۹ ماشہ، ۱/۵ سُرخ سونا واجب الادا ہوگا، گویا اس سب پر سال گزر گیا اگرچہ واقع میں اس ایک تولے کو ہنوز چھ مہینے اور اس دو تولے کو ایک ہی مہینہ گزرا ہے، اور اگر اس تولہ بھر کے بعد اور نہ ملا کہ سال تمام پر صرف ۳۱ تولے تھا تو وہی ۹ ماشہ واجب رہیں گے کہ نصاب کے بعد خمس پُورا ہونے تک زیادت معاف ہے، اسی طرح اگر تین تولے سونا تو نہ ملا مگر مثلاً ۲۰ ذی الحجہ کو اس نے اپنی زمین یا غلّے یا اثاث البیت کے عوض اس قدر مال تجارت خریدا جس کی قیمت ۳ تولے سونے تک پہنچی تو اگرچہ اسے ملک میں آئے ابھی دس ہی دن گزرے مگر مجموع

---

[1] درمختار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ المال مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۵-۱۳۴

۳۳ تولے کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ ہاں اگر اس کے پاس مثلاً ایک نصاب بکریوں اور ایک دراہم کی تھی اس نے دراہم کی زکوٰۃ ادا کردی اور اُن کے عوض اور بکریاں لیں، ان نئی بکریوں کے لیے آج سے سال شمار کیا جائے گا اگلی بکریوں میں ضم نہ کریں گے کہ آخر یہ اُسی روپے کے بدل میں جس کی زکوٰۃ اس سال کی بابت ادا ہوچکی اب اگر انھیں نصابِ شاۃ میں ملاتے ہیں تو ایک مال پر ایک سال میں دو بار زکوٰۃ لازم آئی جاتی ہے اور یہ جائز نہیں۔ تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

المستفاد ولو بهبة[1] (او شراء او میراث او وصیة اھ ش[2]) وسط الحول یضم الى نصاب من جنسه[3] (مالم یمنع منه مانع وهو الثنى المنفى بقوله صلى الله تعالٰى علیه وسلم ولا ثنى فى الصدقة اھ ش[4]) فیزکیه بحول الاصل ولو ادى زکوٰة نقد ثم اشترى به سائمة لاتضم[5] (الى سائمة عنده من جنس السائمة التى اشتراها بذلك النقد المزکى اى لایزکیها عند تمام حول السائمة الاصلیة عند الامام للمانع المذکور اھ ش[6]) اھ بالتلخیص وفى ش ایضا احد النقدین یضم الى الاٰخر وعروض التجارة الى النقدین للجنسیة باعتبار

سال کے وسط میں جو بھی حاصل شدہ ہو خواہ بصورتِ ہبہ ہو (یا شراء یا میراث یا وصیت کی صورت میں ہو اھ ش) اسے ہم جنس نصاب میں شامل کیا جائیگا بشرطیکہ اس میں کوئی مانع نہ ہو اور تکرارِ زکوٰۃ ہے جس کی نفی سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان الفاظ میں فرمائی کہ صدقہ میں تکرار نہیں اھ ش) تو حول اصل کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی، اگر کسی نے نقدی کی زکوٰۃ ادا کی پھر اس نے سائمہ جانور خریدا تو وہ اسے نہ ملائے (اصلی سائمہ کے ساتھ جو کہ اس نے اس نقدی سے خریدا تھا جس کی زکوٰۃ ادا کردی گئی یعنی امام کے نزدیک مانع مذکور کی وجہ سے حول سائمہ اصلیہ کے اختتام پر مذکورہ سائمہ پر زکوٰۃ نہیں ہوگی اھ ش) اھ بالتلخیص، ش میں یہ بھی ہے کہ دونوں نقدین (سونا اور چاندی)

---

[1] درمختار | کتاب الزکوٰۃ | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۳۳
[2] ردالمحتار | باب زکوٰۃ الغنم | مصطفی البابی مصر | ۲/۲۵
[3] درمختار | " | مجتبائی دہلی | ۱/۱۳۳
[4] ردالمحتار | " | مصطفی البابی مصر | ۲/۲۶
[5] درمختار | " | مجتبائی دہلی | ۱/۱۳۳
[6] ردالمحتار | " | مصطفی البابی مصر | ۲/۲۶

قیمتھا بحر[1] اھ ملخصًا و اللہ تعالٰی اعلم۔

کو ایک دوسری جنسیت کے اعتبار سے ملایا جائے، سامانِ تجارت کو قیمت کے اعتبار سے نقدین کے ساتھ ملایا جائے، بحر اھ ملخصًا واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ثالثہ: اگر آئندہ زیور کم ہوجائے تو کس حساب سے کمی کی جائے؟ بیّنوا توجروا

الجواب

زکوٰۃ صرف نصاب میں واجب ہوتی ہے نہ عفو میں، مثلاً ایک شخص آٹھ تولے سونے کا مالک ہے تو دو ماشے سونا کہ اس پر واجب ہُوا، وہ صرف ۷ تولے کے مقابل ہے نہ کہ پُورے آٹھ تولے کے، کہ یہ چھ ماشے جو نصاب سے زائد ہے عفو ہے۔ یُوں ہی اگر ۱۰ تولے کا مالک ہو تو زکوٰۃ صرف ۹ تولہ یعنی ایک نصاب کامل اور ایک نصاب خمس کے مقابل ہے نہ دسویں تولہ کے۔ ملتقی الابحر میں ہے:

الزکوٰۃ تتعلق بالنصاب دون العفو فلو ھلك بعد الحول اربعون من ثمانین شاۃ تجب شاۃ کاملۃ[2] اھ ملخصًا۔

زکوٰۃ کا تعلق نصاب سے ہوتا ہے عفو سے نہیں، اب اگر سال کے بعد اس کی بکریوں میں سے چالیس ہلاک ہوگئیں تو اب بھی ایک کامل بکری زکوٰۃ لازم ہوگی اھ ملخصًا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

لا فی عفو وھو ما بین النصب فی کل الاموال[3]

عفو میں زکوٰۃ نہیں اور یہ ہر مال میں وہ مقدار و حصہ ہے جو نصابوں کے درمیان ہوتا ہے (ت)

پس اگر نقصان مقدارِ عفو سے تجاوز نہ کرے یعنی اُسی قدر مال کم ہوجائے جتنا عفو تھا، مثلاً مثالِ اول میں ۶ ماشہ اور دوم میں ایک تولہ، جب تو اصلاً قابلِ لحاظ نہیں کہ اس قدر پر تو پہلے بھی زکوٰۃ نہ تھی کل واجب بمقابلہ مال باقی تھا وہ اب بھی باقی ہے تو زکوٰۃ اسی قدر واجب اور کمی نظر سے ساقط کما مثل لہ فی الملتقی (جیسا کہ ملتقی میں اس کی مثال دی گئی۔ ت) اور اگر مقدارِ عفو سے متجاوز ہو یعنی اُس کے باعث کسی نصاب میں نقصان آئے خواہ یُوں کہ مال میں جس قدر عفو تھا نقصان اس سے زائد کا ہُوا جیسے امثلہ مذکورہ میں دو تولے یا یُوں کہ ابتداءً

---

[1] ردالمحتار	باب زکوٰۃ الغنم	مصطفی البابی مصر	۲/۲۶
[2] ملتقی الابحر	فصل فی زکوٰۃ الخیل	موسسۃ الرسالہ بیروت	۱/۱۷۷
[3] درمختار	باب زکوٰۃ الغنم	مجتبائی دہلی	۱/۱۳۳

مال صرف مقادیر نصاب پر تھا عفو سرے سے تھا ہی نہیں جیسے ۱۵ یا ۲۰ یا ۵۰ تولے سونا کہ اس میں رتی چاول جو کچھ گھٹے گا کسی نہ کسی نصاب میں کمی کرے گا۔ ایسا نقصان دو حال سے خالی نہیں یا حولان حول سے پہلے ہے یا بعد، بر تقدیر **اوّل** دو حال سے خالی نہیں، یا تو سال تمام پر رقم نصابہائے پیشیں پھر پُوری ہوگئی یا نہیں، اگر پُوری ہوگئی تو یہ نقصان بھی اصلاً نہ ٹھہرے گا اور اسی مجموع رقم پر حولان حول سمجھا جائے گا، مثلاً ایک شخص یکم محرم ۱ھ کو ۱۵ تولے سونا کا مالک تھا بعدہٗ اس میں سے کسی قدر قلیل خواہ کثیر ضائع ہوگیا یا صَرف کر دیا یا کسی کو دے ڈالا اور تھوڑا سا اگرچہ بہت خفیف باقی رہا، پھر جس قدر کم ہوگیا تھا سلخ ذی الحجہ سے پیشتر اگرچہ ایک ہی دن پہلے پھر آگیا تو پُورے ۱۵ تولہ یعنی دو نصاب کامل کی زکوٰۃ دینی ہوگی کہ ایک مثقال سونا ہے، یُونہی اگر مثلاً آٹھ تولے سونے کا مالک ہے اور وسط میں تولہ بھر گھٹ گیا کہ نصاب بھی پُوری نہ رہی، ختم سال سے پہلے چھ سات ماشے مل گیا تو وہی زکوٰۃ تمام وکمال لازم آئے گی کہ چھ ماشے جو عفو تھا جس طرح اُس کے ہلاک کا اعتبار نہیں یُونہی بعد ہلاک اس کا عود و رکار نہیں صرف اس قدر چاہیے کہ شروع سال میں ایک یا زائد جتنی نصابوں کا مالک ہُوا تھا، ختم سال پر وُہ نصابیں پُوری ہوں تو جس قدر زکوٰۃ کا وجوب بحالتِ استمرار ہوتا اُسی قدر پُوری واجب ہوگی اور نقصان درمیانی پر نظر نہ کی جائے گی، ہاں اتنا ضرور ہے کہ اصل مال سے کوئی پارہ محفوظ رہے سب بالکل فنا نہ ہوجائے ورنہ ہلکِ اوّل سے شمارِ سال جاتا رہے گا اور جس دن ملک جدید ہوگی اُس دن سے حساب کیا جائے گا، مثلاً یکم محرم کو مالکِ نصاب ہُوا صفر میں سب مال سفر کر گیا، ربیع الاوّل میں پھر بہار آئی تو اسی مہینہ سے حول گنیں گے حساب محرم جاتا رہا۔ درمختار میں ہے:

شرط کمال النصاب فی طرفی الحول فی الابتداء للانعقاد و فی الانتہاء للوجوب فلا یضر نقصانہ بینہما فلو ھلک کلہ بطل الحول[1]

سال کی دونوں اطراف میں کمالِ نصاب کی شرط ہے ابتدا میں انعقاد اور انتہا میں وجوب کے لیے، درمیانی مدت میں کمی نقصان دہ نہیں۔ ہاں اگر سارا مال ہلاک ہوگیا تو سال باطل ہوجائے گا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فان وجد منہ شیئا قبل الحول ولو بیوم ضمہ وزکی الکل[2]

اگر کوئی شئی سال کے اختتام سے حاصل ہُوئی خواہ ایک ہی دن پہلے ہوا سے ملایا جائیگا اور تمام کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ (ت)

---

[1] درمختار | باب زکوٰۃ المال | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۳۵

[2] ردالمحتار | باب زکوٰۃ الغنم | ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر | ۲/۲۳

اُسی میں ہے :

قولہ هلك كله ای فی اثناء الحول حتی لو استفاد فیه غیرہ استانف لہ حولا جدیدا۔[1]

قولہ اگر سارا سال مال ہلاک ہوگیا، یعنی سال کے وسط میں، حتی کہ اگر اس مال کے علاوہ حاصل ہوتا ہے تو اس کے لیے نیا سال ہوگا۔ (ت)

اور اگر یہ نقصان مستمر رہا یعنی ختمِ سال پر وُہ نصابیں پُوری نہ ہوئیں تو اس وقت جس قدر موجود ہے اتنے کی زکوٰۃ واجب ہوگی اور وہی احکام حسابِ نصاب و لحاظ عفو کے اس قدر موجود پر جاری ہوں گے، جو جاتا رہا گویا تھا ہی نہیں کہ حولانِ حول اسی مقدار پر ہُوا حتی کہ اگر یہ مقدار نصاب سے بھی کم ہے تو زکوٰۃ راسًا ساقط۔

وذلك لان الحولان شرط الوجوب فاذا نقص عن النصاب لم یجب شیئ والا وجب فیما حال علیه الحول۔

کیونکہ سال کا گزرنا شرطِ وجوب ہے، جب نصاب سے کم ہے تو کوئی شَی لازم نہ ہوگی اور اگر نصاب ہے تو جس پر سال گزرا ہے اس پر زکوٰۃ ہوگی۔ (ت)

حدیث میں ہے حضور پُرنور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں :

لازکوٰۃ فی مال حتی یحول علیه الحول[2] اخرجه ابن ماجة عن ام المؤمنین الصدیقة رضی الله تعالٰی عنها۔

مال پر زکوٰۃ سال گزرنے سے پہلے لازم نہیں ہوتی۔ اسے ابنِ ماجہ نے ام المومنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا ہے۔ (ت)

حاشیہ شامی میں ہے :

لواستهلکه قبل تمام الحول فلازکوٰۃ علیه لعدم الشرط[3]

اگر اس نے مال سال کے گزرنے سے پہلے ہلاک کر دیا تو عدمِ شرط کی وجہ سے زکوٰۃ لازم نہ ہوگی۔ (ت)

برتقدیرِ ثانی یعنی جبکہ مال پر سال گزر گیا اور زکوٰۃ واجب الادا ہوچکی، اور ہنوز نہ دی تھی کہ مال کم ہوگیا، یہ تین حال سے خالی نہیں کہ سبب کمی استہلاک ہوگا یا تصدق یا ہلاک۔ استہلاک کے یہ معنی کہ اس نے اپنے فعل سے اُس رقم سے کچھ اتلاف کیا، صرف کر ڈالا، پھینک دیا، کسی غنی کو ہبہ کر دیا۔ اور یہاں تصدق سے یہ مراد کہ بلانیتِ زکوٰۃ کسی فقیر محتاج کو دے دیا۔ اور ہلاک کے یہ معنی کہ بغیر اس کے فعل کے ضائع و تلف ہوگیا مثلاً

---

[1] رد المحتار باب زکوٰۃ المال ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۲/۳۳

[2] سُنن ابن ماجہ ابواب الزکوٰۃ باب من استفاد مالا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۲۹

[3] رد المحتار باب زکوٰۃ الغنم ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۲/۲۱

چوری ہوگئی یا زر و زیور کسی کو قرض و رعایت دے دیا وہ مکر گیا اور گواہ نہیں یا مر گیا اور ترکہ نہیں یا مال کسی فقیر پر دین تھا مدیون محتاج کو ابرا کر دیا کہ یہ بھی حکم ہلاک میں ہے۔

اب **صورتِ اُولیٰ** یعنی استہلاک میں جس قدر زکوٰۃ سال تمام پر واجب ہوئی تھی اُس میں سے ایک حبّہ نہ گھٹے گا یہاں تک کہ اگر سارا مال صرف کر دے اور بالکل نادار محض ہو جائے تاہم قرضِ زکوٰۃ بدستور ہے، سراجیہ و نہایہ وغیرہما میں ہے:

لو استهلك النصاب لا يسقط[1]

اگر نصاب کو کسی نے ہلاک کر دیا تو زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی (ت)

نہر الفائق و حاشیہ طحطاوی میں ہے:

لو وهب النصاب لغني بعد الوجوب ضمن الواجب وهو اصح الروايتين[2]

اگر کسی نے نصاب کسی غنی کو وجوب کے بعد ہبہ کر دیا تو وہ واجب (مقدار) کا ضامن ہوگا اور یہی دونوں روایات میں اصح ہے۔ (ت)

محیط سرخسی و عالمگیریہ میں ہے:

في رواية الجامع يضمن قدر الزكوٰة و هو الاصح[3]

روایۃ الجامع میں ہے کہ مقدار زکوٰۃ کا ضامن ہوگا اور یہی اصح ہے (ت)

اور **صورتِ ثانیہ** یعنی تصدق میں اگر نذر یا کفارے یا کسی اور صدقہ واجبہ کی نیت کی تو بالاتفاق اس کا حکم بھی مثلِ استہلاک ہے یعنی زکوٰۃ سے کچھ ساقط نہ ہوگا جو دیا اور جو باقی رہا سب کی زکوٰۃ لازم آئیگی۔ درمختار میں ہے:

اذا نوى نذرًا او واجبًا اٰخر يصح ويضمن الزكوٰة[4]

جب کسی نے نذر کی نیت کر لی یا کسی اور واجب کی تو صحیح ہے مگر زکوٰۃ کی ضمانت دینا ہوگی۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی سراجیہ | کتاب الزکوٰۃ | مطبع منشی نولکشور لکھنؤ | ص ۲۵
[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار | کتاب الزکوٰۃ | دار المعرفۃ بیروت | ۱/۳۹۵
[3] فتاوٰی ہندیۃ | کتاب الزکوٰۃ | الباب الاول | نورانی کتب خانہ پشاور | ۱/۱۷۱
[4] درمختار | " | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۳۰

اور اگر تطوع یا مطلق تصدق کی نیت تھی اور سب تصدق کر دیا تو بالاتفاق زکوٰۃ ساقط ہوگئی۔ ہندیہ میں ہے:

من تصدق بجمیع نصابہ ولاینوی الزکوٰۃ سقط فرضھا عنہ وھذا استحسان کذا فی الزاھدی ولا فرق بین ان ینوی النفل اولم تحضرہ النیۃ[1]

جس نے تمام مال صدقہ کر دیا اور زکوٰۃ کی نیت نہ کی تو اس سے فرض ساقط ہو جائے گا اور یہ استحسان ہے جیسا کہ زاہدی میں ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ اس نے صدقہ نفل کی نیت کی یا ذہن نیت سے خالی تھا۔ (ت)

اور اگر بعض تصدق کیے تو امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جس قدر صدقہ کیا اُس کی زکوٰۃ ساقط اور باقی کی لازم، مثلاً دوسَو درم پر حولانِ حول ہوگیا اور زکوٰۃ کے پانچ درم واجب ہولیے اب اس نے سَو درم للہ دے دئے تو ان سَو کی زکوٰۃ یعنی ڈھائی درم ساقط ہوگئی صرف ڈھائی دین رہے،

وھو روایۃ عن صاحب المذھب رضی اللہ تعالٰی عنہ کما فی الزاھدی والعنایۃ وغیرھما وعن الامام ابی یوسف ایضا کما فی القھستانی عن الخزانۃ **قلت** وبہ جزم القدوری[1] فی مختصرہ والسمعانی[2] فی خزانۃ المفتین عن شرح الطحاوی ولما قال الاکمل روی ان الامام مع محمد فی ھذہ المسئلۃ[2] قال الطحطاوی[3] عن ابی السعود عن شیخہ[4] وھذا کالتصریح بارجحیتہ[3] اھ وقد نص فی القھستانی[5] والھندیۃ اثرین عن الزاھدی انہ الاشبہ[4]۔

اور یہی صاحبِ مذہب (امام اعظم) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جیسا کہ زاہدی اور عنایہ وغیرہ میں ہے، اور امام ابو یوسف سے بھی یہی مروی ہے، جیسا کہ قہستانی نے خزانہ سے نقل کیا ہے **قلت** (میں کہتا ہوں) اسی پر قدوری[1] نے مختصر میں، سمعانی[2] نے خزانۃ المفتین میں شرح طحاوی سے جزم کیا ہے، اکمل نے کہا کہ امام صاحب اس مسئلہ میں امام محمد کے ساتھ ہیں، طحاوی[3] نے ابوالسعود سے انھوں نے اپنے شیخ[4] سے نقل کیا کہ یہ راجح ہونے پر تصریح کی طرح ہے اھ قہستانی اور ہندیہ میں زاہدی[5] سے یُوں نقل کیا کہ یہی اشبہ ہے (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ | کتاب الزکوٰۃ | نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۷۱

[2] العنایۃ علٰی حاشیہ فتح القدیر | " | مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۱۲۶

[3] حاشیہ طحطاوی علی الدرالمختار | " | دارالمعرفۃ بیروت ۱/۳۹۵

[4] فتاوٰی ہندیہ | " | نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۷۱

مگر امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک بعض کا تصدق مطلقاً مثل استہلاک ہے کہ کسی نیت سے ہو اصلاً زکوٰۃ سے کچھ نہ گھٹے گا، توصورتِ مذکورہ میں اگرچہ سَو روپیہ خیرات کرے زکوٰۃ کے پانچوں درم بدستور واجب رہے، یہ مذہب زیادہ قوی ومقبول وشایانِ قبول ہے۔

اقول فقد اعتمد عامۃ المتون کالوقایۃ[1]، والنقایۃ[2] والکنز[3] والاصلاح[4]، والملتقی[5] والتنویر[6] وغیرھا حتی لم یتعرض کثیر منھم لخلافہ اصلا واقرتھم علیہ الشروح کذخیرۃ[7] العقبی والبرجندی[8] وتبیین[9] الحقائق والایضاح[10] ومجمع[11] الانھر والدر المختار وغیرھا وقدمہ[12] قاضی خان وابراھیم الحلبی فی متنہ وھما لایقدمان الا الاظھر الاشھر الارجح کما نصا علیہ فی خطب الکتابین وکذا اقدمہ فی الخلاصۃ[13] ومعلوم ان التقدیم یشعر بالاختیار کما فی کتاب الشرکۃ من العنایۃ والنھر والدر المختار واخر دلیلہ فی الھدایہ[15] وھو لایؤخر الادلیل ماھو المختار عندہ لیکون جوابا من دلیل ماتقدم واقرہ علی ھذا اشارۃ المحقق[16] فی الفتح وکذا ذکر الزیلعی فی التبیین دلیل القولین وشید دلیل ابی یوسف واجاب عن دلیل محمد ونسب فی الایضاح والملتقی والدر المختار الخلاف لمحمد وھو تضعیف لہ کما عرف من محاوراتھم واقر الدر علی ذلک الشامی[18] وقواہ ببعض ماذکرنا ھنا وھو صنیع الملتقی و

اقول اکثر متون نے اسی پر اعتماد کیا ہے مثلاً وقایہ[1]، نقایہ[2]، کنز[3]، اصلاح[4]، ملتقی[5]، تنویر[6] وغیرہ، حتی کہ اکثریت نے اس میں کسی قسم کے اختلاف کا تذکرہ تک نہیں کیا اور شروحات نے بھی انھیں کے قول کو ثابت رکھا ہے مثلاً ذخیرۃ العقبٰی[7]، برجندی[8] تبیین الحقائق[9]، ایضاح[10]، مجمع الانہر[11] اور درمختار وغیرہ۔ قاضی خان[12] اور ابراہیم حلبی نے اپنے متن میں اسے مقدم رکھا ہے اور وہ دونوں حضرات اظہر، اشہر اور ارجح قول کو ہی مقدم ذکر کرتے ہیں جیسا کہ اُنھوں نے اپنی کتب کے خطبہ میں اس پر تصریح کی ہے، اور خلاصہ[13] میں بھی اسے مقدم رکھا ہے اور یہ مسلّمہ ہے کہ تقدیم مختار ہونے پر دال ہے جیسا کہ عنایہ، نہر اور درمختار کی کتاب الشرکت میں ہے، اور ہدایہ[15] میں اس قول کی دلیل کو مؤخر بیان کیا ہے اور وہ مختار قول کی دلیل ہی کو مؤخر ذکر کرتے ہیں تاکہ ماقبل دلیل کا جواب بن سکے۔ محقق علی الاطلاق نے بھی فتح القدیر[16] میں اسی کو اشارۃً ثابت رکھا ہے، اسی طرح زیلعی نے تبیین میں دونوں اقوال کی دلیل بیان کی اور امام ابو یوسف کی دلیل کو مضبوط کرتے ہوئے امام محمد کی دلیل کا رَد کیا، ایضاح، ملتقی اور درمختار میں کہا کہ اس میں امام محمد کا اختلاف ہے اور وہ اس قول کے ضعیف ہونے پر دال ہے جیسا کہ محاوراتِ فقہاء سے واضح ہے، امام شامی نے دُر کے قول کو اسی طرح ثابت رکھا اور بعض

تقدیم قاضی خان وتاخیر الهدایة
فقد ترجح هذا **اولاً** بتظافر عامة
المتون علیه، و **ثانیاً** بجلالة
شان من اعتمده واقره کالامام
فقیه النفس الذی قالوا فیه انه
لایعدل عن تصحیحه والامام المحقق
صاحب الهدایة وعصریهما الامام
صاحب الخلاصة والامام النسفی
صاحب الکنز فالامام برهان الدین محمود
وحفیده الامام صدر الشریعة والامام المحقق
حیث اطلق والامام الفخر الزیلعی والعلامة الامام
ابن کمال الوزیر وهم جمیعاً من ائمة الاجتهاد
بوجه اقرلهم بذلک علماء معتمدون ولا
کذلک من عددنا فی القول الاول الا القدوری
وشارح الطحاوی اما السمعانی فلم ار من
اعترف له بذلک وابو السعود هذا لیس
هو الامام المحقق علامة الوجود خاتمة
المجتهدین محمد افندی مفتی الدیار
الرومیة فانه متقدم علی صاحب البحر المقدم
علی الشرنبلالی السابق علی السید ابی السعود هذا
المتکلم علی کتب الشرنبلالی تحشیا وتعلیقا
فتصحیح هؤلاء الجلة ولو التزاما لایقاومه
قول المجروح المطروح ان غیره اشبه ثم ما فیهم
وفی من تبعهم من اعاظم المتاخرین من الکثرة
کما علمت یقضی بترجیحه فانما العمل

ہمارے مذکورہ دلائل سے اس کو تقویت دی اور وُہ
ملتقی کا طریقہ ہے، تقدیم قاضی خان اور تاخیر طریقہ ہدایہ
ہے لہٰذا یہ قول ترجیح پائے گا **اوّلاً** تو اس لیے کہ
اس پر اکثر متون ہیں **ثانیاً** اس پر بزرگ ترین شخصیات
نے اس کی تصریح کی اور اسے ثابت رکھا ہے، مثلاً
امام فقیہ النفس جن کے بارے میں فقہاء نے تصریح کی
ہے کہ ان کی تصحیح سے عدول نہیں کیا جاسکتا امام محقق
صاحبِ ہدایہ اور اُن کے معاصرین امام صاحبِ الخلاصہ
اور امام نسفی صاحب الکنز پھر امام برہان الدین محمود
اور اُن کے پوتے امام صدر الشریعۃ، امام المحقق علی
الاطلاق، امام فخر زیلعی اور علامہ ابن کمال الوزیر اور یہ
تمام بالوجہ ائمۂ اجتہاد ہیں، جس کا اقرار کرنے والے
علمائے معتمدین ہیں، اور قولِ اوّل میں ہمارے شمار
کا معاملہ اس طرح نہیں ماسوائے قدوری اور شارح
الطحاوی کے۔ رہا معاملہ سمعانی کا، تو میں نے ان کیلئے اجتہاد کا
اعتراف کرتے ہُوئے کسی کو نہیں دیکھا اور ابو سعود سے
امام محقق علامۃ الوجود خاتمۃ المجتہدین محمد آفندی مفتی دیار
روم مراد نہیں کیونکہ وُہ صاحبِ بحر سے پہلے گزرے ہیں
اور صاحبِ بحر شرنبلالی سے مقدم اور شرنبلالی اس
سید ابو السعود سے مقدم ہیں جنھوں نے کتبِ شرنبلالی
پر حواشی و تعلیقات تحریر کی ہیں، پس ان عظیم علماء کی
تصحیح اگرچہ التزاماً ہو کا مقابلہ کوئی مجروح و مطروح قول
نہیں کرسکتا اس بات میں کہ اس کا غیر مختار ہے پھر ان
علماء اور ان کے متبعین علماءِ متاخرین کی کثرت جیسا کہ
معلوم ہوچکا ہے بھی ترجیح کا تقاضا کرتی، کیونکہ عمل اس پر

6/6

بما علیہ الاکثر کما فی العقود الدریۃ وغیرھا، وثالثًا بقوۃ دلیلہ کما یظھر بمراجعۃ التبیین وغیرہ، ورابعًا ان فرض تساوی القولین من جھۃ الترجیح فیترجح ھذا بانہ قول ابی یوسف کما عرف ذٰلک فی رسم المفتی، وخامسًا بانہ الاحوط فان فیہ الخروج عن العھدۃ بیقین، وسادسًا بانہ الانفع للفقراء وقد علم ان للعلماء بذٰلک اعتناءً عظیمًا فی الزکٰوۃ والاوقاف ھذا ما ظھرلی فانظر ماذا ترٰی، واللہ تعالٰی اعلم۔

ہوتا ہے جس پر اکثریت ہو جیسا کہ عقود الدریہ وغیرہ میں ہے۔ ثالثًا اس کی دلیل قوی ہونے کی وجہ سے جیسا کہ تبیین وغیرہ کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے؛ رابعًا اگر جہت ترجیح کی وجہ سے دونوں اقوال میں مساوات فرض کرلیں تب بھی یہی قول ترجیح پا جائے گا کیونکہ یہ امام ابویوسف کا قول ہے جیسا کہ رسم المفتی میں معلوم ہوچکا، خامسًا احوط یہی ہے کیونکہ اس صورت میں ذمہ داری سے بالیقین نکلا جاسکتا ہے، سادسًا یہ فقراء کے لیے زیادہ سُود مند ہے اور یہ معلوم ہے کہ علماء زکوٰۃ و اوقاف میں اس کا بہت زیادہ اہتمام کرتے ہیں، مجھ پر تو یہی واضح ہوا، آپ کی کیا رائے ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

رہی صورتِ ثالثہ یعنی ہلاک، اس میں بالاتفاق کم یا بہت جس قدر تلف ہو بحساب اربعۂ عشر اسیہ اُتنے کی زکوٰۃ ساقط ہوگی اور جتنا باقی رہے اگرچہ نصاب سے بھی کم اُتنے کی زکوٰۃ باقی، مثلاً دو سو بیس ۲۲۰ درم شرعی کا مالک تھا حولان حول کے بعد ۵ درم واجب الادا ہُوئے، ابھی نہ دیئے تھے کہ ۴۰ درم ہلاک ہوگئے تو آب نیم درم ساقط اور ۴ واجب کہ ۲۰ تو عفو تھے جن کے مقابل زکوٰۃ سے کچھ نہ تھا وہ تو بیکار گئے، نصاب میں سے صرف بیس ۲۰ گھٹے، وہ نصاب کی عشر ہیں تو زکوٰۃ کا بھی دسواں حصہ یعنی آدھا درم ساقط ہو گا باقی باقی، یا یُوں دیکھ لیا کہ نصاب سے ۲۰ ہلاک ہُوئے ہیں ان کا ۱/۴۰ نیم درہم ہے اُسی قدر ساقط ہوگیا، یا یُوں خیال کرلیا کہ ایک سو اسّی ۱۸۰ باقی ہیں ان کا ۱/۴۰ ساڑھے چار ہیں اسی قدر واجب رہا، تینوں کا حاصل ایک ہے، اور اگر صورتِ مذکورہ میں ۲۱ درم ضائع ہُوئے ہیں تو زکوٰۃ سے درم کا صرف بیسواں حصہ کہ کل واجب کا نصف عشر عشر یعنی ۱/۲۰۰ ہے ساقط ہوگا، باقی ۴ ۱۹/۲۰ واجب کہ نصاب سے فقط ایک درم ہلاک ہُوا ہے، یہ نصاب کا ۱/۲۰۰ تھا، اور اگر ۱۹ تلف ہُوئے تو درم کا فقط ۱/۲۰ دینا آئے گا باقی ساقط کہ اسی حساب سے حصّہ نصاب باقی ہے وعلٰی ہذا القیاس۔ درمختار میں ہے:

لاشیئ فی عفو ولا فی ھالک بعد وجوبھا تعلقھا بالعین لا بالذمۃ وان ھلک بعضہ سقط حظہ ویصرف

عفو میں کوئی شے لازم نہیں، وجوبِ زکوٰۃ کے بعد ہلاک ہوجانے والے مال پر زکوٰۃ نہیں کیونکہ زکوٰۃ کا تعلق اس مال سے تھا نہ کہ ذمہ کے ساتھ، اور اگر تھوڑا ہلاک

الھالك الی العفو اولا ثم الی نصاب یلیہ ثم و ثم بخلاف المستھلك لوجود التعدی والتوی بعد القرض والاعادۃ ھلاك[1] اھ ملتقطا۔

ہوا تو اس کے مطابق زکوٰۃ ساقط ہوگی اور ہلاک ہونے والے کو پہلے عفو کی طرف پھر اس سے متصل نصاب کی طرف پھرا جائے گا، اسی طرح آگے سلسلہ ہوگا بخلاف ہلاک کیے جانے والے کے، کیونکہ یہاں زیادتی ہے، قرض لینے والے کے انکار اور دوبارہ ادا کرنے کا نقصان ہلاکت کہلائے گا اھ ملتقطا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

والتوی ھنا ان یجحد ولا بینۃ علیہ او یموت المستقرض لاعن ترکۃ[2]

"توی" سے یہاں مراد یہ ہے کہ مقروض، گواہ نہ ہونے پر قرض سے انکار کردے یا مقروض قرضہ کی ادائیگی کے لیے ترکہ چھوڑے بغیر فوت ہوجائے (ت)

اسی میں ہے:

من الاستھلاك مالو أبرأ مدیونہ الموسر بخلاف المعسر[3] اھ **اقول** وما اشار الیہ فی الدر من الترتیب فی الصرف الی النصب فھو مذھب سیدنا الامام الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ خلافا للامام ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی فانہ یصرف الھالك بعد العفو الی جمیع النصب شائعا ولکنی لم اذکرہ ھھنا لان الکلام فی الذھب والفضۃ وفیھما لاثمرۃ لھذا لعدم تفاوت نصبھا فی الواجب اصلا فانہ ربع العشر علی الاطلاق وانما تظھر فی السوائم

ہلاک کیے جانے والے مال کی ایک صورت یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے امیر مقروض کو معاف کردے بخلاف تنگدست کو معاف کردینے کے۔ **اقول** در میں نصاب کے مصارف کی جس ترتیب کی طرف اشارہ ہے وہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب ہے۔ اس میں امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کا اختلاف ہے کیونکہ وہ عفو کے بعد ہلاک ہونے والے حصہ کو مشترکہ طور پر تمام نصابوں کی طرف لوٹاتے ہیں لیکن میں نے یہاں اسے ذکر نہیں کیا کیونکہ کلام سونے اور چاندی میں ہے اور ان دونوں میں اس کا کوئی فائدہ نہیں اس لیے کہ ان کے وجوب نصاب میں اصلاً تفاوت نہیں، وہ تو مطلقاً چالیسواں

---

[1] درمختار باب زکوٰۃ الغنم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۳
[2] ردالمحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۱
[3] " " " "

اما الاختلاف الواجب فیها باختلاف النصب فقد یکون شاۃ و تارۃ بنت مخاض و اخری بنت لبون وھکذا فمن ملک ستۃ وثلثین من الابل فھلک احدی عشرۃ فالواجب عند الامام بنت مخاض و عند الشافعی ۲۵/۳۶ بنت لبون ای خمسۃ وعشرون جزء من ستۃ وثلثین جزء من اجزاء بنت لبون واما لانعدام المثلیۃ فیتصور تفاوت الحسابین کمن ملک مائتی شاۃ و شاۃ فالواجب ثلث شیاہ ھلکت منھا ثمانون فالواجب عند الامام شاتان صرفا للھلاک الی اقرب النصب وعند ابی یوسف ۱۲۱/۲۰۱ ثلث شیاہ ای مائۃ واحد وعشرون جزء من مائتی اجزاء وجزء من ثلث شیاہ ولا یجب ان یکون ھذا کمثل شاتین ویظھر ذلک عند التقویم فان دفع القیمۃ جائز فی الزکوۃ قطعا فلنفرض ان شاۃ بسبعۃ وستین قرشا فقیمۃ الواجب عند الامام ۱۳۴ قرشا وعند ابی یوسف ۱۲۱ وھکذا اما ھھنا فالتعیین والشیوع سواء بلا تفاوت اصلا فان من ملک مثلا ۴۴ مثقالا من ذھب فالواجب مثقال وقیراطان لان کل مثقال عشرون قیراطا فاذا

حصہ ہے ، ہاں چارپایوں میں ثمرہ (اختلاف) ظاہر ہوگا، یا تو اس میں اختلافِ نصاب اختلاف واجب کی وجہ سے ہوگا، مثلاً کبھی بکریاں ہوں گی کبھی بنت مخاض اور کبھی بنت لبون ، پس جو شخص چھتیس اونٹوں کا مالک بنا، ان میں سے گیارہ ہلاک ہوگئے ، امام کے نزدیک یہاں بنت مخاض لازم ہے اور دوسرے کے نزدیک بنت لبون کا ۲۵/۳۶ یعنی بنت لبون کے چھتیس اجزاء میں سے پچیس اجزاء لازم ہوں گے ، یا وہاں مثلیت معدوم ہونے کی وجہ سے دونوں حسابوں میں تفاوت متصور ہوگا ، مثلاً ایک شخص دوسو ایک[۲۰۱] بکری کا مالک ہے اب تین بکریاں لازم ہوگئیں مگر ان میں سے اسّی ہلاک ہوگئیں تو امام کے نزدیک اقرب نصاب کی طرف لوٹنے کی وجہ سے یہاں دو بکریاں لازم ہوں گی اور امام ابویوسف کے نزدیک تین بکریوں کا ۱۲۱/۲۰۱ یعنی تین بکریوں کے دوسو ایک[۲۰۱] اجزاء میں سے ایک سو اکیس[۱۲۱] لازم ہوں گے اور اس کا دو بکریوں کی مانند ہونا لازم نہیں اور اس چیز کا اظہار قیمت لگانے کے وقت ہی ہوگا کیونکہ قیمت دینے سے زکوٰۃ بالیقین ادا ہوجاتی ہے ، مثلاً ہم فرض کرتے ہیں کہ بکری کی قیمت سڑسٹھ[۶۷] قرش ہے تو امام کے نزدیک ایک سو چونتیس[۱۳۴] قرش اور امام ابویوسف کے نزدیک ایک سو اکیس[۱۲۱] قرش زکوٰۃ لازم ہوگی اسی طرح باقی قیاس کرلیں ، لیکن زیرِ نظر مسئلہ میں تعیین اور اشتراک برابر ہیں ان میں کوئی تفاوت ہی نہیں ، جو شخص مثلاً چوالیس[۴۴] مثقال سونے کا مالک بنا تو اس پر ایک مثقال اور دو قیراط زکوٰۃ لازم ہے کیونکہ ہر مثقال بیس[۲۰] قیراط ہوتا ہے ، مثلاً

هلك ۲۴ مثقالاً مثلاً وبقی ۲۰ فالواجب علی
طریقة الامام نصف مثقال وعلی طریقة
ابی یوسف ۵/۱۱ ای خمسة اجزاء من احد عشر
جزء من اجزاء مثقال وقیراطین فاذا جنسنا
حصل ۲۲ قیراطا فحصتها المذکورة عشرة
قراریط وذلك نصف مثقال وکذا اذا
ملك ۱۸ تولجة من ذهب وهو نصابان
وخمسان فالواجب ۵ ماشه ۳ ۱/۵ سرخ
فاذا هلك ۳ تولجات مثلا بقی نصابان
فالواجب علی طریقة الامام ۴ ماشه ۴ سرخ
وعلی طریقة ابی یوسف ۵/۶ من الواجب
الاول فاذا جعلنا الکل اخماس حبة کانت
۲۱۶ خمسا ناخذ منها ۵/۶ یحصل ۱۸۰ خمسا
وهو ۴ ماشه ۴ سرخ سواء بسواء وان
شککت فانظر الی هذا العمل:

۳۶) ۲۱۶ (۶
۵
۳۶) ۱۸۰ (۵
ماشه ۴) ۳۶ (۸

ثم اعلم ان ابراء المدیون الغنی ایضا قد
یکون هلاکا وذلك اذا کان الدین ضعیفا
وهو الذی لیس فی مقابلة ۴ سرخ مال
کالمهر والدیة وبدل الخلع وتمام الکلام
علیه فی رد المحتار والله سبحانه وتعالٰی اعلم۔

چوبیس۲۴ مثقال ہلاک ہوگیا اور باقی بیس۲۰ رہ گیا تو امام کے
طریق پر نصف مثقال اور امام ابویوسف کے مطابق ۵/۱۱
یعنی گیارہ مثقال اور دو قیراط کے اجزاء میں پانچ اجزاء
لازم ہوں گے، جب ہم انھیں ہم جنس قرار دیں تو یہ بائیس۲۲
قیراط بن جائیں گے۔ اب ان میں حصہ مذکورہ دس قیراط
ہوگا اور یہ نصف مثقال ہے۔ اسی طرح مثلاً کوئی شخص
اٹھارہ۱۸ تولے سونے کا مالک بنا تو یہ دو نصاب اور دو
خمس ہیں تو اب پانچ۵ ماشے ۳ ۱/۵ رتی بنے گا تو اب اگر
تین۳ تولے مثلاً ہلاک ہوگیا تو دو نصاب باقی رہ گئے۔ اب
امام کے طریق کے مطابق چار۴ ماشے اور چار رتی، اور
امام ابویوسف کے طریقہ پر ۵/۶ واجب اول کا ہوگا، تو
اگر ہم سب کو حبہ کے خمس بنائیں تو کل ۲۱۶ خمس ہوئے
ان میں سے ۵/۶ لے لیں تو ۱۸۰ خمس حاصل ہوئے
اور ۴ ماشے ۴ رتی ہوئے جو برابر برابر ہیں، اگر
تمھیں شک ہو تو اس عمل کو دیکھو:

۳۶) ۲۱۶ (۶
۵
۳۶) ۱۸۰ (۵
ماشہ ۴) ۳۶ (۸

پھر معلوم ہونا چاہئے کہ کسی غنی مقروض کو بری کرنا
بھی کبھی ہلاک قرار پاتا ہے اور یہ جب ہوگا کہ قرض
یا دین بہت کم ہو اور وہ یہ ۴ رتی سے کم ہو تو مال
نہ قرار پائیگا جیسا کہ مہر، دیت، خلع کے بدل میں
اس مقدار کو مال قرار نہیں دیا جاتا، اس کی مکمل
بحث ردالمحتار میں ہے۔ واللہ سبحانہ و
تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ رابعہ: سادات محتاجین کو زرِ زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں، بہت سادات محتاج ایسے ملتے ہیں کہ خود مانگتے ہیں اور میں نے سُنا ہے کہ علمائے رام پور نے جواز کا فتویٰ دیا ہے مگر میں نے اب تک یہ جرأت نہ کی۔ اس بارہ میں آپ کیا حکم فرماتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب، زکوٰۃ ساداتِ کرام وسائرِ بنی ہاشم پر حرامِ قطعی ہے جس کی حرمت پر ہمارے ائمہ ثلٰثہ بلکہ ائمہ مذاہبِ اربعہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین کا اجماع قائم۔ امام شعرانی رحمہ اللہ تعالٰی میزان میں فرماتے ہیں:

اتفق الائمۃ الاربعۃ علی تحریم الصدقۃ المفروضۃ علی بنی ھاشم و بنی عبد المطلب وھم خمس بطون اٰل علی و اٰل العباس و اٰل جعفر و اٰل عقیل و اٰل الحارث بن عبد المطلب ھذا من مسائل الاجماع و الاتفاق[1] اھ ملخصًا۔

باتفاقِ ائمہ اربعہ بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب پر صدقہ فرضیہ حرام ہے، اور وہ پانچ خاندان ہیں: آلِ علی، آلِ عباس، آلِ جعفر، آلِ عقیل، آلِ حارث بن عبد المطلب۔ یہ اجماعی اور اتفاقی مسائل میں سے ہے اھ ملخصًا۔ (ت)

اول تا آخر تمام متون مذہب قاطبۃً بے شذوذ شاذ و عامہ شروح معتمدہ و فتاوائے مستندہ اس حکم پر ناطق اور خود حضور پر نور سید السادات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے متواتر حدیثیں اس باب میں وارد، اس وقت جہاں تک فقیر کی نظر ہے بیس صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے اس مضمون کی حدیثیں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیں:

حضرت[1] سیدنا امام حسن مجتبٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ روی عنہ احمد والبخاری و مسلم (ان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے امام احمد، بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔ ت) حضرت[2] سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ روی احمد وابن حبان برجال ثقات (ان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے احمد اور ابن حبان نے ثقہ رجال کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ت) حضرت[3] سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما روی الامام الطحاوی والحاکم و ابونعیم و ابن سعد فی الطبقات و ابوعبید القاسم بن سلام فی کتاب الاموال و[4] روی عنہ الطحاوی حدیثًا اٰخر والطبرانی حدیثًا ثالثًا (امام طحاوی، حاکم، ابونعیم، ابن سعد نے طبقات اور

---

[1] المیزان الکبرٰی باب قسم الصدقات مصطفی البابی مصر ۲/۱۳

ابوعبید قاسم بن سلام نے کتاب الاموال میں روایت کیا ہے اور طحاوی نے ان سے دوسری حدیث اور طبرانی نے تیسری حدیث روایت کی ہے۔ت) حضرت[7] عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالٰی عنہ روی عنہ احمد ومسلم والنسائی (ان سے احمد، مسلم اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ت) حضرت[8] سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ روی عنہ ابن حبان والطحاوی والحاکم وابونعیم (ان سے ابن حبان، طحاوی، حاکم اور ابونعیم نے روایت کیا ہے۔ت) حضرت[9] ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ روی عنہ الشیخان ولہ عند الطحاوی حدیثان اُخران[10] (ان سے بخاری ومسلم نے روایت کیا اور انہی سے امام طحاوی نے دو اور احادیث نقل کی ہیں۔ت) حضرت[11] انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ روی عنہ البخاری ومسلم ولہ عند الطحاوی[12] حدیث اُخر (ان سے بخاری ومسلم نے روایت کیا اور انہی سے طحاوی نے ایک اور حدیث روایت کی ہے۔ت) حضرت[13] معاویہ بن حیدہ قشیری رضی اللہ تعالٰی عنہ روی عنہ الترمذی والنسائی ولہ عند الطحاوی[14] حدیث اُخر (ان سے ترمذی اور نسائی نے روایت کیا اور انہی سے طحاوی نے ایک اور حدیث بیان کی ہے۔ت) حضرت[15] ابورافع مولٰی رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم روی عنہ احمد وداؤد والترمذی والنسائی والطحاوی وابن خزیمۃ وابن حبان والحاکم (ان سے امام احمد، داؤد، ترمذی، نسائی، طحاوی، ابن حبان، ابن خزیمہ اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ت) حضرت[16] ہرمز یا کیسان مولٰی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم روی عنہ احمد والطحاوی (ان سے امام احمد اور طحاوی نے روایت کیا ہے۔ت) حضرت[17] بریدہ اسلمی رضی اللہ تعالٰی عنہ روی عنہ اسحٰق بن راھویۃ وابویعلی الموصلی والطحاوی والبزاز والطبرانی والحاکم (ان سے اسحاق بن راہویہ، ابویعلی الموصلی، طحاوی، بزاز، طبرانی اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ت) حضرت[18] ابویعلٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ، حضرت[19] ابوعمیرہ رشید بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ روی عنھما الطحاوی (ان دونوں سے طحاوی نے روایت کیا ہے۔ت) حضرت[20] عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما، حضرت[21] عبدالرحمٰن بن علقمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ یقال صحابی (ان کو صحابی کہا گیا ہے۔ت) حضرت[22] عبدالرحمٰن بن ابی عقیل رضی اللہ تعالٰی عنہ علق عن الثلثۃ الترمذی (امام ترمذی نے ان تینوں سے تعلیقاً حدیث بیان کی ہے۔ت) حضرت ام المومنین[23] صدیقہ بنت الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہما روی عنہا الستۃ (ان سے اصحابِ ستّہ نے بیان کیا۔ت) حضرت ام المومنین ام[24] سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا روی عنہ احمد ومسلم (ان سے امام احمد اور مسلم نے روایت کیا ہے۔ت) حضرت ام[25] عطیہ رضی اللہ تعالٰی عنہا روی عنہا احمد والبخاری ومسلم (ان سے امام احمد، بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔ت) اور بیشک اس تحریم کی علت اُن حضرات عالیہ کی عزت وکرامت ونظافت وطہارت کہ زکوٰۃ مال کا مَیل ہے اور گناہوں کا دھوون اس ستھری نسل والوں کے قابل نہیں، خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی

علیہ وسلم نے اس تعلیل کی تصریح فرمائی،
کما فی حدیث المطلب عند مسلم وابن عباس عند الطبرانی وعلی المرتضیٰ عند الطحاوی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

جیسا کہ مسلم کے ہاں حدیثِ مُطلب، طبرانی کے ہاں حدیث ابن عباس اور طحاوی کے ہاں حدیثِ علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں ہے۔ (ت)

اسی طرح عامہ علماء مثل امام ابوجعفر طحاوی شرح معانی الآثار اور امام شمس الائمہ سرخسی محیط اور امام صدر شہید شرح جامع صغیر اور امام برہان الدین فرغانی ہدایہ اور امام حافظ الدین نسفی کافی اور امام فخر الدین زیلعی تبیین اور امام سمنانی خزانۃ المفتین اور علامہ یوسف چلپی ذخیرۃ العقبٰی اور محقق غزی منح الغفار اور مدقق علائی درمختار اور فاضل رومی مجمع الانہر اور سید حموی غمز العیون اور ان کے غیرہ اس حکم کی یہی علت بیان فرماتے ہیں اور شک نہیں کہ یہ علت آخر زمانہ متغیر نہیں ہوسکتی تو دائماً ابداً بقائے حکم میں کوئی شبہہ نہیں، یہاں تک کہ جمہور علمائے کرام مثل امام ابوالحسن کرخی و امام ابوبکر جصاص و امام حسام الدین عمر صدر شہید و امام علی بن ابی بکر عتیانی صاحب ہدایہ و امام طاہر بخاری صاحب خلاصہ و امام سغناقی صاحب نہایہ و امام نسفی صاحب کافی و امام زیلعی شارح کنز و امام حسین بن محمد صاحب خزانہ و امام ہمام محمد بن الہمام صاحب فتح و علامہ اتقانی صاحب غایۃ البیان و علامہ برجندی شارح نقایہ و علامہ زین بن نجیم صاحب اشباہ و بحر و علامہ عمر بن نجیم صاحب نہر و علامہ ابراہیم حلبی صاحب ملتقی و علامہ محمد حصکفی صاحب درمختار و مصنفانِ اختیار شرح مختار و فتاوٰی ہندیہ وغیرہم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم بنی ہاشم کو مالِ زکوٰۃ سے عمل صدقات کی اُجرت لینا ناجائز ٹھہراتے ہیں حالانکہ یہ اغنیاء کے لیے بھی روا کہ من کل الوجوہ زکوٰۃ نہیں مگر آخر شبہ زکوٰۃ ہے اور بنی ہاشم کی جلالتِ شان شبہ لوث سے بھی برات کی شایاں۔ تبیین الحقائق میں ہے[1]:

یستحقہ عمالۃ الا ان فیہ شبھۃ الصدقۃ بدلیل سقوط الزکوٰۃ عن ارباب الاموال فلا یحل للعامل الہاشمی تنزیھا لقرابۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن شبھۃ الوسخ و تحل للغنی لانہ لایوازی الہاشمی فی استحقاق الکرامۃ فلا تعتبر الشبھۃ فی حقہ[1] اھ ملخصًا۔

عاملین زکوٰۃ کے حقدار ہیں مگر چونکہ اس میں شبہ زکوٰۃ ہے کیونکہ اس سے صاحبِ اموال کی زکوٰۃ ساقط ہو جاتی ہے لہذا ہاشمی عامل کے لیے حلال نہیں تاکہ قرابتِ نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو مَیل کے شبہ سے بھی محفوظ رکھا جاسکے البتہ غنی عامل کے لیے جائز ہے کیونکہ وہ مرتبہ کرامت میں ہاشمی کے برابر نہیں، لہذا ان کے حق میں اس شبہ کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اھ ملخصًا (ت)

---

[1] تبیین الحقائق باب المصرف مطبعۃ الکبرٰی الامیریۃ بولاق مصر ۱/۲۹۷

محیط و بحر و درر وغیرہا میں ہے : زکوٰۃ ہاشمی کے غلام مکاتب کو بھی جائز نہیں حالانکہ مکاتب اغنیاء کیلئے حلال، اور وجہ وہی کہ ملک مکاتب من وجہ ملکِ مولیٰ ہے اور یہاں شبہہ مثلِ حقیقت۔ رد المحتار میں ہے :

فی البحر عن المحیط وقد قالوا انه لایجوز لمکاتب ھاشمی لان الملك یقع للمولی من وجه و الشبهة ملحقة بالحقیقة فی حقهم اھ ای ان المکاتب وان صار حرایدا حتی یملك مایدفع الیه لکنه مملوك رقبة ففیه شبهة وقوع الملك لمولاه الهاشمی والشبهة معتبرة فی حقهم لکرامتهم بخلاف الغنی کما مر فی العامل فلذا قید بقوله فی حق بنی ھاشم اھ۔[1]

بحر میں محیط سے ہے کہ علماء نے فرمایا ہے کہ ہاشمی کے مکاتب کے لیے زکوٰۃ جائز نہیں کیونکہ یہاں ایک لحاظ سے مولیٰ کی ملکیت باقی ہوتی ہے اور یہاں شبہ ہاشمیوں کے حق میں حقیقی طور پر برقرار ہوتا ہے اھ یعنی مکاتب اگرچہ آزاد متصور ہوتا ہے حتی کہ جو کچھ اسے دیا جائے وُہ اس کا مالک بن جاتا ہے لیکن گردن کے اعتبار سے مملوک ہوتا ہے لہذا اس صورت میں اس کے ہاشمی مولیٰ کی ملکیت کا شبہ ہے اور یہاں ہاشمی کی شرافت کی وجہ سے شبہ کا اعتبار ہوتا ہے بخلاف غنی کے، جیسا عامل میں گزرا ہے، اسی لیے مصنف نے حق بنی ہاشم کی قید لگائی ہے اھ (ت)

بالجملہ جب حدیث وُہ اور فقہ یہ، پھر خلاف کی طرف راہ کہاں، اب جو صاحب جواز پر فتوٰی دیں ان کا منشاء غلط ایک مقدوح و مرجوح و مجروح روایت ہے جو ابوعصمہ نوح بن ابی مریم جامع نے امام رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حکایت کی کہ ہمارے زمانے میں بنی ہاشم کو زکوٰۃ روا ہے کہ بسببِ حُرمت مالِ غنیمت سے خُمسِ خُمس ملنا تھا اب کہ وُہ نہیں ملتا زکوٰۃ نے عود کیا۔

اقول یہ حکایت نہ روایۃً رجیح نہ درایۃً نجیح، ہم ابھی بیان کر آئے کہ علتِ حرمت بنصِ صریح صاحب شرع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و تصریحاتِ متظافرہ حاملانِ شرع رحمۃ اللہ علیہم کثافتِ صدقات و نظافتِ سادات یعنی بنی ہاشم ہے، اور وہ تبدلِ زمانہ سے متبدل نہیں ہوسکتی، اور جو دلیل اس ضعیف قیل پر بیان میں آئی، فقیر غفراللہ تعالٰی لہ نے اس کی کامل ناتمامی اپنے فتاوٰی یکم جمادی الاولٰی ۱۳۰۶ ہجریہ مندرجہ مجموعہ العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ میں بحمد اللہ تعالٰی روشن بیانوں سے واضح کر دی اور اسی میں اٹھارہ دلائل ساطعہ قائم کیے کہ امام اجل ابوجعفر طحاوی قدس سرہٗ کی طرف اس روایت مرجوحہ کے اخذ و اختیار کی نسبت میں بڑا دھوکا واقع ہُوا

---

[1] رد المحتار باب المصرف دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۰

جن میں سترہ خود کلام امام ممدوح کی شہادات سے ہیں بلکہ وُہ بلاشُبہ اسی مذہب حق وظاہر الروایۃ کو بہذا ناخذ (ہم اسی کو لیتے ہیں۔ت) فرماتے اور معتمد ومفتی بہ ٹھہراتے ہیں، ایک سہل سی عام فہم بات یہ ہے کہ وہی امام ممدوح اپنی اسی کتاب شرح معانی الآثار کی اُسی کتاب اُسی باب، اسی بحث میں جہاں اُن سے اس ترجیح معکوس کا وقوع بتایا جاتا ہے خاص اسی بہذا ناخذ سے صاف صریح تصریح فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک بنی ہاشم کے غلام تو غلام، موالی پر بھی زکوٰۃ حرام فرماتے ہیں۔ ہمارے ائمہ سے اس کا خلاف معلوم نہیں۔ سبحان اللہ جب اُن کے نزدیک خود بنی ہاشم کے لیے زکوٰۃ حلال تھی تو ان کے غلاموں پر حرام ماننا کیونکر معقول تھا، طرفہ یہ کہ یہیں امام طحاوی نے اس مذہب کو اختیار فرمایا ہے کہ بنی ہاشم پر نہ صرف زکوٰۃ وصدقات واجبہ بلکہ صدقہ نافلہ بھی حرام ہے۔ اور فرماتے ہیں ہمارے ائمہ ثلٰثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا یہی قول ہے، پھر انھیں قائلِ جواز ماننا کیسا سخت قولِ باطل ہے جسے اس مطلب جلیل کی تنقیحِ جمیل پر اطلاع مذکور ہو فتاوٰی فقیر کی طرف رجوع کرے، اور جب یقیناً معلوم کہ وُہ روایت شاذہ مذہب اجماعی ائمہ ثلٰثہ کے خلاف واقع اور تمام متون کا اس کے خلاف پر اجماع قاطع اور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی احادیثِ متواترہ اس کی دافع، اور دلیل و درایت میں بھی اُس کا حصہ محض ذاہب وضائع، اور فتوٰی امام طحاوی یقیناً جانبِ ظاہر الروایۃ راجع، تو اس پر فتوٰی دینا قطعاً مردود، جس سے شرع مطہر جزماً مانع، کون نہیں جانتا کہ اطباقِ متون کی کیسی شان جلیل ہے جس کے سبب بارہا محققین نے جانبِ خلاف کی صریح تصحیحوں کو قبول نہ کیا کہ اس طرف تصحیح وترجیح کا نام بھی نہ ہو، نہ کہ صراحۃً امام مجتہد نے اسی جانب پر فتوٰی دیا ہو، باینہمہ اسے چھوڑ کر اُدھر جانا کس قدر موجبِ عجب شدید ہے، درمختار میں ہے:

قال فی الخانیۃ وعلیہ الفتوی لکن المتون علی الاول فعلیہا المعول[1]
خانیہ میں ہے کہ فتوٰی اسی پر ہے لیکن متون میں پہلا قول ہے لہذا اسی پر اعتماد ہوگا (ت)

کون نہیں جانتا کہ ہنگامِ اختلاف ظاہر الروایۃ ہی مرجح ہے اگرچہ دونوں مذیل بفتوٰی ہوں۔ بحرالرائق میں ہے:

اذا اختلف التصحیح وجب الفحص عن ظاہر الروایۃ والرجوع الیہا[2]
جب تصحیحِ اقوال میں اختلاف ہو تو ظاہر الروایۃ کی تلاش اور اس کی طرف ہی رجوع کرنا چاہیے (ت)

علماء فرماتے ہیں جو کچھ ظاہر الروایۃ کے خلاف ہے ہمارے ائمہ کا مذہب نہیں۔ ردالمحتار کی کتاب

---

[1] درمختار | کتاب القسمۃ | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/ ۲۱۹
[2] بحرالرائق | باب المصرف | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۲/ ۲۵۰

احیاء الموات میں ہے:

ماخالف ظاھر الروایۃ لیس مذھبا لاصحابنا[1]

جو ظاہر روایت کے خلاف ہو وہ ہمارے اصحاب کا مذہب نہیں ہوتا۔ (ت)

پھر جبکہ خاص اسی طرف فتوٰی ہوا اور اُس جانب کچھ نہیں تو اُدھر چلنا روشِ فقہی سے کتنا بعید ہے، کون نہیں جانتا کہ قوتِ دلیل کس قدر موجبِ تعویل، یہاں تک کہ علماء فرماتے ہیں:

لایعدل عن درایۃ ماوافقھا روایۃ کما فی الغنیۃ شرح المنیۃ و ردالمحتار وغیرھما۔

اس عقلی دلیل سے اعراض نہیں کیا جائے گا جو نقلی دلیل کے مطابق ہو جیسا کہ منیہ شرح غنیہ اور ردالمحتار وغیرہ میں ہے۔ (ت)

اس تنکہ روایۃ پر نظر کیجئے اور مانحن فیہ کی حالت دیکھئے، جب روایت کی موافقت مانع عدول تو ہاہی الروایۃ کا خلاف کیونکر مقبول، پھر اس طرف احادیث متواترہ ان سب کے علاوہ جن کی صحت پر ایسا یقین کہ گویا بگوشِ خویش کلام اقدس حضور پُرنور صلوٰۃ اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ سُن رہے ہیں، میں نہیں کہہ سکتا کہ ان کے وجوہ کے بعد بھی وہ روایت قبول تو قبول، التفات کے قابل ٹھہرے۔ لاجرم ملاحظہ کیجئے کہ بکثرت علماء اصحاب متون و شروح و فتاوٰی اپنی تصانیفِ عظیمہ جلیلہ معتمدہ مثل قدوری[1] و ہدایہ[2] و وافی[3] و کنز[4] و وقایہ[5] و نقایہ[6] و اصلاح[7] و ملتقی[8] و بدایہ[9] و تنویر[10] و کافی[11] و شرح وقایہ[12] و ایضاح[13] و اشباہ[14] و درمختار[15] و طریقہ محمدیہ[16] و حدیقہ ندیہ[17] و خانیہ[18] و خلاصہ[19] و خزانۃ المفتین[20] و جواہر اخلاطی[21] و عالمگیری[22] وغیرہا میں اس روایت کا نام تک زبان پر نہ لائے اور طبقۃ فطبقۃ منع و تحریم کی روشن تصریحیں کرتے آئے، کیا وہ اس روایت شاذہ سے آگاہ نہ تھے، یقیناً تھے، مگر اسے قابلِ التفات نہ سمجھے اور بیشک وہ اسی قابل تھی۔ یہ باون[52] عبارتیں اور ستائیس[27] حدیثیں جن کی طرف فقیر نے اس تحریر میں اشارہ کیا، بحمد اللہ اس وقت فقیر کے پیشِ نظر ہیں، سب کی نقل سے بخوفِ تطویل دست کشی کی۔ بالجملہ اصلاً محلِ شک و ارتیاب نہیں کہ سادات کرام و بنی ہاشم پر زکوٰۃ یقیناً حرام، نہ انھیں لینا جائز نہ دینا جائز، نہ ان کے دئے زکوٰۃ ادا ہو، تو اس میں گناہ کے سوا کچھ حاصل نہیں، اور اس کے جواز پر فتوٰی دینا محض غلط و باطل اور حیلۂ صحت بلکہ قابلیت اغماض سے عاری و عاطل، کیا معلوم نہیں کہ علمائے کرام نے ایسے فتوٰی کی نسبت کیسے سخت الفاظ ارشاد کیے ہیں۔ درمختار میں ہے:

الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق للاجماع[3] اھ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

قولِ مرجوح پر فیصلہ و فتوٰی جہالت اور اجماع کو توڑنا ہے اھ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب احیاء الموات دار احیاء التراث العربی ۵/ ۲۷۸

[2] ردالمحتار دار احیاء التراث بیروت ۱/ ۳۱۲ و غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۹۵

[3] درمختار خطبۃ الکتاب مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵

رہا یہ کہ پھر اس زمانۂ پُرآشوب میں حضرات ساداتِ کرام کی مواسات کیونکر ہو، **اقول** بڑے مال والے اگر اپنے خالص مالوں سے بطورِ ہدیہ ان حضراتِ علیہ کی خدمت نہ کریں تو ان کی بے سعادتی ہے، وُہ وقت یاد کریں جب ان حضرات کے جدِّ اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے سوا ظاہری آنکھوں کو بھی کوئی ملجا و ماوا نہ ملے گا، کیا پسند نہیں آتا کہ وُہ مال جو انھیں کے صدقے میں انھیں کی سرکار سے عطا ہُوا جسے عنقریب چھوڑ کر پھر ویسے ہی خالی ہاتھ زیرِ زمین جانے والے ہیں، اُن کی خوشنودی کے لیے ان کے پاک مبارک بیٹوں پر اُس کا ایک حصّہ صرف کیا کریں کہ اُس سخت حاجت کے دن اُس جوادِ کریم رؤف ورحیم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کے بھاری انعاموں، عظیم اکراموں سے مشرف ہوں۔ ابنِ عساکر امیر المومنین مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من صنع الی اھل بیتی یدًا کافأتہ علیھا یوم القیٰمۃ[1]

جو میرے اہلِ بیت میں سے کسی کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا میں روزِ قیامت اس کا صلہ اسے عطا فرماؤں گا۔

خطیب بغدادی امیر المومنین عثمانِ غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من صنع صنیعۃ الی احد من خلف عبد المطلب فی الدنیا فعلی مکافاتہ اذا لقینی[2]

جو شخص اولادِ عبد المطلب میں کسی کے ساتھ دنیا میں نیکی کرے اس کا صلہ دینا مجھ پر لازم ہے جب وُہ روزِ قیامت مجھ سے ملے گا۔

اللہ اکبر، اللہ اکبر! قیامت کا دن، وُہ قیامت کا دن، وہ سخت ضرورت سخت حاجت کا دن، اور ہم جیسے محتاج اور صلہ عطا فرمانے کو محمد صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سا صاحب التاج، خدا جانے کیا کچھ دیں اور کیسا کچھ نہال فرمادیں، ایک نگاہِ لطف اُن کی جُملہ مہماتِ دوجہان کو بس ہے بلکہ خود یہی صلہ کروڑوں صلے سے اعلیٰ و انفس ہے، جس کی طرف کلمۂ کریمہ اذا لقینی (جب وہ روزِ قیامت مجھ سے ملے گا۔ ت) اشارہ فرماتا ہے بلفظِ اذا تعبیر فرمانا بحمد اللہ روزِ قیامت وعدۂ وصال و دیدارِ محبوبِ ذی الجلال کا مژدہ سُناتا ہے، مسلمانو! اور کیا درکار ہے دوڑو اور اس دولت وسعادت کو لو و باللہ التوفیق اور متوسط حال والے اگر مصارف

---

[1] کنز العمال بحوالہ ابنِ عساکر حدیث ۳۴۱۵۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۹۵

[2] تاریخ بغداد ترجمہ ۵۲۲۱ عبد اللہ بن محمد الفزاری دار الکتاب العربی بیروت ۱۰/ ۱۰۳

مستحبہ کی وسعت نہیں دیکھتے تو بحمداللہ وُہ تدبیر ممکن ہے کہ زکوٰۃ کی زکوٰۃ ادا ہو اور خدمتِ سادات بھی بجا ہو یعنی کسی مسلمان مصرفِ زکوٰۃ معتمد علیہ کو کہ اس کی بات سے نہ پھرے، مالِ زکوٰۃ سے کچھ روپے بہ نیتِ زکوٰۃ دے کر مالک کر دے، پھر اس سے کہے تم اپنی طرف سے فلاں سیّد کی نذر کر دو اس میں دونوں مقصود حاصل ہو جائیں گے کہ زکوٰۃ تو اس فقیر کو گئی اور یہ جو سیّد نے پایا نذرانہ تھا، اس کا فرض ادا ہو گیا اور خدمتِ سیّد کا کامل ثواب اسے اور فقیر دونوں کو ملا، ذخیرہ و ہندیہ میں ہے:

اذا اراد ان یکفن میتا عن زکوۃ مالہ لایجوز والحیلۃ ان یتصدق بھا علی فقیر من اھل المیت ثم ھو یکفن بہ فیکون لہ ثواب الصدقۃ ولاھل المیت ثواب التکفین وکذلک فی جمیع ابواب البر کعمارۃ المساجد وبناء القناطیر و الحیلۃ ان یتصدق بمقدار زکوتہ علی فقیر ثم یامرہ بالصرف الی ھذہ الوجوہ فیکون للتصدق ثواب الصدقۃ والفقیر ثواب بناء المسجد و القنطرۃ[1] اھ ملخصًا۔

اگر کوئی شخص زکوٰۃ سے میّت کا کفن تیار کرنا چاہے تو جائز نہیں، ہاں یہ حیلہ کر سکتا ہے کہ خاندانِ میّت کے کسی فقیر پر صدقہ کر دے اور وُہ میّت کا کفن تیار کر دے، تو اب مالک کے لیے صدقے کا اور اہلِ میّت کے لیے تکفین کا ثواب ہوگا، اسی طرح کا حیلہ تمام امورِ خیر مثلاً تعمیرِ مساجد اور پلوں کے بنانے میں جائز ہے کہ مالک مقدارِ زکوٰۃ کے برابر کسی فقیر کو دے دے اور اسے کہے کہ تُو ان امور پر خرچ کر دے تو اب صدقہ کرنے والے کے لیے صدقہ کا اور بناءِ مسجد و پُل کا ثواب فقیر کو ہوگا اھ ملخصًا (ت)

اقول ویظھر لی ان ثواب تلک القرب لھما جمیعًا لان من دل علی خیر کان کفاعلہ وقد تواتر عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی نظائرہ تکامل الثواب لکل شریک فی الخیر لا تنقص الشرکۃ من اجورھم شیئًا فھذا الذی حدانی علی الجزم بما سمعت ثم رأیت فی الدر المختار

اقول پھر یہ بات واضح ہُوئی ہے کہ ان امورِ خیر کا ثواب دونوں کے لیے ہے کیونکہ جو کسی نیکی پر رہنمائی کرتا ہے اسے بھی عمل کرنے والے کی طرح ثواب ملتا ہے، حضور علیہ السلام سے ایسے معاملات میں تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ کارِ خیر میں ہر شریک کو کامل ثواب ملتا ہے، شرکت سے اجرِ شرکا میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی، مجھے اس پر مذکورہ دلائل کی وجہ سے جزم تھا جیسے تُو سُن چکا، پھر میں نے درمختار

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الحیل الفصل الثالث فی مسائل الزکوٰۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/۳۹۲

حیلۃ التکفین بھا التصدق علی الفقیر ثم ھو یکفن فیکون الثواب لھما[1] اھ قال الشامی ای ثواب الزکٰوۃ للمزکی و ثواب التکفین للفقیر وقد یقال ان ثواب التکفین یثبت للمزکی ایضا لان الدال علی الخیر کفاعلہ وان اختلف الثواب کما وکیفا ط قلت و اخرج السیوطی فی الجامع الصغیر لومرت الصدقۃ علی یدی مائۃ لکان لھم من الاجر مثل اجر المبتدئ من غیر ان ینقص من اجرہ شیئ[2] اھ فھذا عین ما بحث وللّٰہ الحمد۔

میں دیکھا کہ کفن کا حیلہ یہ ہے کہ پہلے مال فقیر پر صدقہ کیا جائے پھر فقیر اس سے کفن بنائے تو ثواب دونوں کے لیے ہوگا اھ۔ امام شامی نے کہا کہ زکٰوۃ کا ثواب مزکی کے لیے اور اور تکفین کا ثواب فقیر کے لیے ہوگا، اور یہ بھی کہا گیا ہے تکفین کا ثواب مزکی کے لیے بھی ہے کیونکہ خیر پر رہنمائی کرنے والا فاعلِ خیر کی طرح ہی ہوتا ہے اگرچہ کمیت وکیفیت کے اعتبار سے ثواب مختلف ہوگا ط۔ قلت امام سیوطی نے جامع صغیر میں نقل کیا کہ اگر صدقہ سو ہاتھ بھی گزرے تو اجر میں بغیر کسی کمی کے ہر ایک کو اتنا ہی اجر حاصل ہوگا جتنا پہلے کو ہے، یہ بعینہٖ وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا، و للّٰہ الحمد (ت)

مگر اس میں دقت اتنی ہے کہ اگر اس نے نہ مانا تو اسے کوئی راہ جبر کی نہیں کہ آخر وہ مالک مستقل ہو چکا اسے اختیار ہے چاہے دے یا نہ دے۔ درمختار میں ہے:

الحیلۃ ان یتصدق علی الفقیر ثم یامرہ بفعل ھذہ الاشیاء وھل لہ ان یخالف امرہ لم ارہ والظاھر نعم[3]۔

حیلہ یہ ہے کہ فقیر پر صدقہ کیا جائے پھر اسے ان امور کو بجالانے کا کہا جائے، کیا وہ فقیر اس کی مخالفت کرسکتا ہے یا نہیں؟ یہ میری نظر سے نہیں گزرا، ظاہر یہی ہے کہ مخالفت کرسکتا ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

البحث لصاحب النھر وقال لانہ مقتضٰی صحۃ التملیک، قال الرحمتی والظاھر انہ لا شبھۃ فیہ لانہ ملکہ ایاہ عن زکٰوۃ مالہ وشرط

صاحب نہر نے بحث کی ہے اور کہا یہ مخالفت کرسکنا صحتِ تملیک کا تقاضا کرتا ہے۔ شیخ رحمتی نے فرمایا: یہی ظاہر ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کیونکہ اپنی زکٰوۃ کا

---

[1] درمختار — کتاب الزکٰوۃ — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/۱۳۰
[2] ردالمحتار — کتاب الزکٰوۃ — مصطفی البابی مصر — ۲/۱۳
[3] درمختار — باب المصرف — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/۱۴۱

علیہ شرطا فاسدا والھبۃ والصدقۃ لاتفسد[1] بالشرط الفاسد[1]۔ مالک بنایا گیا ہے اور اس پر ایک فاسد شرط لگائی گئی ہے، اور ہبہ اور صدقہ شرطِ فاسد سے فاسد نہیں ہوتا۔ (ت)

لہٰذا فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ کے نزدیک اس کا بے خلش طریقہ یہ ہے کہ مثلاً مالِ زکوٰۃ سے بیس روپے سید کی نذر یا مسجد میں صرف کیا چاہتا ہے کسی فقیر عاقل بالغ مصرفِ زکوٰۃ کو کوئی کپڑا مثلاً ٹوپی یا سیر سوا سیر غلہ دکھائے کہ یہ ہم تمہیں دیتے ہیں مگر مفت نہ دیں گے بیس روپے کو بیچیں گے، یہ روپے تمہیں ہم اپنے پاس سے دیں گے کہ ہمارے مطالبہ میں واپس کردو، وہ خواہ مخواہ راضی ہوجائے گا، جانے گا کہ مجھے تو یہ چیز یعنی کپڑا یا غلہ مفت ہی ہاتھ آئے گا، اب بیع شرعی کرکے بیس روپے بہ نیتِ زکوٰۃ اسے دے، جب وہ قابض ہوجائے اپنے مطالبۂ ثمن میں لے لے، اول تو وہ خود ہی دے دے گا کہ سرے سے اسے ان روپوں کے اپنے پاس رہنے کی امید ہی نہ تھی کہ وہ گرہ سے جاتا سمجھے اسے تو صرف اس کپڑے یا غلے کی امید تھی وہ حاصل ہے تو انکار نہ کرے گا اور کرے بھی تو یہ جبراً چھین لے کہ وہ اس قدر میں اس کا مدیون ہے اور روا ہے جب اپنے دین کی جنس سے مال مدیون پائے تو بالاتفاق بے اس کی رضامندی کے لے سکتا ہے، اب یہ روپے لے کر بطورِ خود نذرِ سید یا بناءِ مسجد میں صرف کردے کہ دونوں مرادیں حاصل ہیں۔

درمختار میں ہے:

یعطی مدیونہ الفقیر زکوتہ ثم یاخذھا من دینہ ولوامتنع المدیون مد یدہ واخذھا لکونہ ظفر بجنس حقہ[2] اھ

اپنے مدیون فقیر کو زکوٰۃ دی پھر اس سے دین وصول کرے، اگر مدیون نہ دے تو اس سے چھین لے کیونکہ یہ اپنے حق کی جنس کو پاتا ہے اھ (ت)

اور فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ نے اُس مصرفِ زکوٰۃ کے عاقل بالغ ہونے کی شرط اس لیے لگائی کہ اس کے ساتھ یہ غبن فاحش کی مبایعت بلاتکلف روا ہو اور کپڑے غلے کی تخصیص اس لیے کی کہ اگر کچھ پیسے بعوض روپوں کے بیچنا چاہے گا تو ظاہر مفاد جامع صغیر پر تقابض البدلین شرط ہو گا وہ یہاں حاصل نہیں اگرچہ روایت اصل پر ایک ہی جانب کا قبضہ کافی، اور اکثر علماء اسی طرف ہیں اور یہی قول منقح،

کما بیناہ فی البیوع من فتاونا بل حققنا فیھا ان لادلالۃ لکلام الجامع الصغیر ایضا علی اشتراط التقابض وان ظن

جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی کی بیوع میں بیان بلکہ اس کی تحقیق کی ہے کہ جامع صغیر کی عبارت میں بھی تقابض کے شرط ہونے پر کوئی دلالت نہیں

---

[1] ردالمحتار	باب العشر	مصطفی البابی مصر	۲/ ۶۹
[2] درمختار	کتاب الزکوٰۃ	مطبع مجتبائی دہلی	۱/ ۱۳۰

العلامة الشامی ماظن ۔ اگرچہ علامہ شامی کا گمان کچھ ہو۔ (ت)

بہرحال اس حتی الوسع محلِ خلاف سے بچنا احسن اور زرِ زکوٰۃ پر اُس کا قبضہ کرا کر اپنے مطالبے میں لینے کی قید اس لیے کہ کوئی صدقہ بے قبضہ تمام نہیں ہوتا کما نص علیہ العلماء (جیسا کہ علماء نے اس پر نص فرمائی ہے۔) اور یہ تو پہلے بیان میں آچکا کہ اغنیائے کثیر المال شکر نعمت بجا لائیں۔ ہزاروں روپے فضول خواہش یا دنیوی آسائش یا ظاہری آرائش میں اُٹھانے والے مصارف خیر میں ان حیلوں کی آڑ نہ لیں۔ متوسط الحال بھی ایسی ہی ضرورتوں کی غرض سے خالص خداہی کے کام صرف کرنے کے لیے ان طریقوں پر اقدام کریں نہ یہ کہ معاذ اللہ اُن کے ذریعہ سے ادائے زکوٰۃ کا نام کرکے روپیہ اپنے خُرد وبُرد میں لائیں کہ یہ امر مقاصد شرع کے بالکل خلاف اور اس میں ایجاب زکوٰۃ کی حکمتوں کا یکسر ابطال ہے تو گویا اس کا برتنا اپنے رب عزوجل کو فریب دینا ہے۔

والعیاذ باللہ رب العالمین واللہ یعلم المفسد من المصلح، نسألہ تعالٰی ان یصلح اعمالنا و یحصل اٰمالنا والحمد للہ رب العالمین واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

رب العالمین سے پناہ چاہتے ہیں، اور اللہ تعالٰی جانتا ہے مفسد کو مصلح سے، اللہ تعالٰی سے دعا ہے کہ ہمارے اعمال کی اصلاح فرمائے اور ہماری امیدیں بر لائے، والحمد للہ رب العالمین واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلۂ خامسہ: زکوٰۃ کن مصارف میں دینا جائز ہے بیّنوا توجروا۔

الجواب

مصرفِ زکوٰۃ ہر مسلمان حاجتمند ہے جسے اپنے مال مملوک سے مقدار نصاب فارغ عن الحوائج الاصلیہ پر دسترس نہیں بشرطیکہ نہ ہاشمی[1] ہو نہ اپنا[2] شوہر نہ اپنی[3] عورت اگرچہ طلاق مغلظہ دے دی ہو، جب تک عدت سے باہر نہ آئے نہ وہ[4] جو اپنی اولاد میں ہے جیسے بیٹا بیٹی، پوتا پوتی، نواسا نواسی، نہ وہ[5] جن کی اولاد میں یہ ہے جیسے ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی اگرچہ یہ اصلی و فرعی رشتے عیاذًا باللہ بذریعہ زنا ہوں، نہ اپنا[7] یا ان پانچوں[8] قسم میں[9] کسی[10] کا مملوک[11] اگرچہ مکاتب ہو، نہ کسی[12] غنی کا غلام غیر مکاتب، نہ مرد غنی[13] کا نابالغ بچہ، نہ ہاشمی[14] کا آزاد بندہ، اور مسلمان حاجتمند کہنے سے کافر[15] وغنی[16] پہلے ہی خارج ہوچکے۔ یہ سولہ شخص ہیں جنھیں زکوٰۃ دینی جائز نہیں، ان کے سوا سب کو روا، مثلًا ہاشمیہ بلکہ فاطمیہ عورت کا بیٹا جبکہ باپ ہاشمی نہ ہو کہ شرع میں نسب باپ سے ہے۔ بعض مشہورین کہ ماں[1] کے سیدانی ہونے سے سید بن بیٹھے ہیں اور وہ باوجود تفہیم اس پر اصرار کرتے ہیں بحکم حدیث صحیح مستحق لعنتِ الٰہی

ہوتے ہیں والعیاذ باللہ وقد اوضحنا ذٰلك فی فتاوٰنا (اللہ تعالٰی بچائے، ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی وضاحت کردی ہے۔ ت) اسی طرح غیر ہاشمی کا آزاد شدہ بندہ اگرچہ خود اپنا ہی ہو یا آپ اپنے اور اپنے اصول و فروع و زوج و زوجہ و ہاشمی کے علاوہ کسی غنی کا مکاتب یا زنِ غنیہ کا نابالغ بچہ اگرچہ یتیم ہو یا اپنے بہن بھائی، چچا، پھوپھی، خالہ، ماموں، بلکہ انھیں دینے میں دُونا ثواب ہے، زکوٰۃ وصلۂ رحم یا اپنی بہو[11] یا داماد[12] یا ماں کا شوہر[13] یا باپ کی عورت[14] یا اپنے زوج[15] یا زوجہ[16] کی اولاد کہ ان سوتیلہ کو بھی دینا روا جبکہ یہ سوتیلہ ان سوتیلہ سے نہ ہوں از انجا کہ انھیں اُن سے مناسبت ہے جس کے باعث ممکن تھا کہ ان میں بھی عدمِ جواز کا وہم جاتا، لہذا فقیر نے انھیں بالتخصیص شمار کردیا، اور نصاب مذکور پر دسترس نہ ہونا چند صورت کو شامل: ایک یہ کہ سرے سے مال ہی نہ رکھتا ہو اسے مسکین کہتے ہیں۔ دوم مال ہو مگر نصاب سے کم، یہ فقیر ہے۔ سوم نصاب بھی ہو مگر حوائج اصلیہ میں مستغرق، جیسے مدیون۔ چہارم حوائج سے بھی فارغ ہو مگر اپنے دسترس نہیں، جیسے ابن السبیل یعنی مسافر جس کے پاس خرچ نہ رہا، تو بقدرِ ضرورت زکوٰۃ لے سکتا ہے اس سے زیادہ اُسے لینا روا نہیں، یا وہ شخص جس کا مال دوسرے پر دین مؤجل ہے اور ہنوز میعاد نہ آئی اب اُسے کھانے پہننے کی تکلیف ہے تو میعاد آنے تک بقدرِ حاجت لے سکتا ہے یا وہ جس کا مدیون غائب ہے یا لے کر مُکر گیا اگرچہ یہ ثبوت رکھتا ہو کہ ان سب صورتوں میں دسترس نہیں۔ بالجملہ عہ مدار کار حاجتمندی بمعنی مذکور پر ہے، تو جو نصاب مزبور پر دسترس رکھتا ہے ہرگز زکوٰۃ نہیں پاسکتا اگرچہ غازی ہو یا حاجی یا طالب علم یا مفتی مگر عامل زکوٰۃ جسے حاکمِ اسلام نے اربابِ اموال سے تحصیلِ زکوٰۃ پر مقرر کیا وہ جب تحصیل کرے تو بحالتِ غنا بھی بقدر اپنے عمل کے لے سکتا ہے اگر ہاشمی نہ ہو۔ پھر دینے میں تملیک شرط ہے، جہاں یہ نہیں جیسے محتاجوں کو بطورِ اباحت اپنے دسترخوان پر بٹھا کر کھلا دینا یا میت کے کفن دفن میں لگانا یا مسجد، کنواں، خانقاہ، مدرسہ، پُل، سرائے وغیرہ بنوانا ان سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اگر ان میں صرف کیا چاہے تو اس کے وہی حیلے ہیں جو مسئلۂ رابعہ میں گزرے۔

هذا كله ملخص ما استقر عليه الامر فی تنویر الابصار والدر المختار ورد المحتار وغیرها من معتبرات الاسفار وقد لخصناه بتوفیق اللہ احسن تلخیص لعله لایوجد من غیرنا وللہ الحمد فمن شك فی شیئ من هذا فلیراجع الاصول

یہ تمام گفتگو خلاصہ ہے اس چیز کا، جس پر تنویر الابصار، درمختار اور ردالمحتار جیسی معتبر کتب میں استقرار ہے اور اللہ تعالٰی کی توفیق سے ہم نے خوب تلخیص کردی ہے شاید ہمارے علاوہ کہیں اور اس کا وجود نہ ہو وللہ الحمد اور جس کو اس بارے میں شک ہو وہ کتبِ اصول

عہ اگر دین معجل ہے خواہ ابتداءً یُوں کہ جو اجل مقرر ہوئی تھی گزر چکی اور مدیون غنی حاضر ہے تو یہ صورت دسترس کی ہے ۱۲ منہ (م)

التی سمینا او لم نسم نعم لا باس ان نورد نصوص بعض مایکاد یخفی او یستغرب ففی ردالمحتار شمل الولاد بالنکاح و السفاح فلا یدفع الی ولدہ من الزنا الخ وفیہ تحت قولہ او بینھما زوجیۃ ولو مبانۃ ای فی العدۃ ولو بثلاث نھر عن معراج الدرایۃ اھ[1] وفیہ تحت قولہ ولا الی مملوک المزکی ولو مکاتبا و لذا المملوک من بینہ وبینہ قرابۃ ولاد او زوجیۃ لما قال فی البحر والفتح اھ[2] وفیہ تحت قولہ بخلاف طفل الغنیۃ فیجوز ای ولو لم یکن لہ اب بحر عن القنیۃ اھ[3] وفیہ وقید بالولاد لجوازہ لبقیۃ الاقارب کالاخوۃ والاعمام والاخوال الفقراء بل ھم اولی لانہ صلۃ وصدقۃ ویجوز دفعھا لزوجۃ ابیہ و ابنہ و زوج ابنتہ تاترخانیۃ اھ[4] ملخصا وفیہ من کتاب الوصایا تحت قولہ الشرف من الام فقط غیر معتبر یؤیدہ قول الھندیۃ عن البدائع فثبت ان الحسب والنسب یختص بالاب دون الام اھ فلا تحرم علیہ الزکوۃ ولا یکون کفوا للھاشمیۃ ولا یدخل فی الوقف علی الاشراف ط[5] اھ وفیہ قال

کی طرف رجوع کرکے دیکھ لے خواہ ہم نے ان کا نام لیا ہو یا نہ۔ ہاں اس میں کوئی حرج نہیں کہ اگر بعض ایسی تصریحات کا ذکر کریں جو مخفی ہیں یا غریب۔ ردالمحتار میں ہے ولد نکاح اور زنا دونوں کی اولاد کو شامل ہے۔ پس اس کے ولدِ زنا کو نہیں دیا جائے گا الخ اور اسی میں "اوبینھما زوجیۃ" کے تحت ہے کہ اگرچہ وہ تین طلاقوں کی عدت بسر کر رہی ہو۔ نہر میں معراج الدرایہ سے ہے اھ اور اسی میں ماتن کے قول "ولا الی مملوک المزکی" کے تحت ہے کہ اگرچہ مکاتب ہو اور اسی طرح وہ مملوک کہ مالک اور اس کے درمیان اولاد یا زوجیت کا رشتہ ہو، جیسا کہ بحر اور فتح میں ہے۔ اور اسی میں ماتن کے قول "بخلاف طفل الغنیۃ فیجوز" کے تحت ہے تو جائز ہے یعنی اگر اس کا والد نہ ہو۔ بحر میں قنیہ سے ہے اھ۔ اور اسی میں ہے کہ اولاد کے ساتھ مقید اس لیے کیا ہے کہ بقیہ اقارب کے لیے جائز ہے مثلاً فقراء بھائی، چچے اور خالو بلکہ اولٰی ہیں کیونکہ یہاں صلہ اور صدقہ دونوں ہیں زکوٰۃ سوتیلی والدہ، سوتیلے بھائی اور اپنے داماد کو دی جاسکتی ہے تاتارخانیہ اھ ملخصاً اور اسی کے کتاب الوصایا میں ماتن کے قول "الشرف من الام فقط غیر معتبر" کے تحت ہے کہ اس کی تائید ہندیہ میں بدائع کے حوالے سے یہ قول کرتا ہے کہ یہ بات ثابت ہے کہ حسب و نسب والد کے ساتھ مخصوص ہے نہ کہ ماں کے ساتھ اھ اور اس پر زکوٰۃ حرام نہ ہوگی اور نہ وہ ہاشمی کے لیے کفو ہوگا اور وہ وقف علی الاشراف میں داخل نہ ہوگا ط اھ اور اسی میں ہے

---

[1] و [2] ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۶۹/۲
[3] ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۷۲/۲
[4] " " " "
[5] " باب الوصیۃ للاقارب وغیرہم " ۴۷۴/۵

فی الفتح ایضا ولا یحل لہ ای لابن السبیل
ان یاخذ اکثر من حاجتہ قلت وھذا بخلاف
الفقیر فانہ یحل لہ ان یاخذ اکثر من حاجتہ
وبھذا فارق ابن السبیل کما افادہ فی
الذخیرۃ[1] اھ وفیہ تحت قولہ ومنہ مالوکان
مالہ مؤجلا ای اذا احتاج الی النفقۃ یجوز لہ
اخذ الزکوۃ قدر کفایتہ الی حلول الاجل نھر
عن الخانیۃ[2] اھ وفیہ تحت قولہ اوعلٰی غائب
ای ولوکان حالا لعدم تمکنہ من
اخذہ[3] ط اھ وفیہ تحت قولہ او معسر
او جاحد ولو بینۃ فی الاصح
فیجوز لہ الاخذ فی اصح
الاقاویل لانہ بمنزلۃ ابن السبیل
ولو موسرا معترفا لایجوز کما فی
الخانیۃ[4] اھ وفیہ تحت قولہ وفی
سبیل اللہ وھو منقطع الغزاۃ وقیل
الحاج وقیل طلبۃ العلم وفسرہ
فی البدائع بجمیع القرب قال فی النھر
والخلاف لفظی للاتفاق علی ان
الاصناف کلھم سوی العامل
یعطون بشرط الفقر[5] الخ وفیہ تحت
قولہ وبھذا التعلیل یقوی
ما نسب للواقعات من ان
طالب العلم یجوز لہ اخذ
الزکوۃ ، ولو غنیا اذا فرغ نفسہ

کہ فتح میں بھی کہا اور مسافر کے لیے جائز نہیں کہ وہ حاجت
سے زائد لے قلت اور یہ بخلاف فقیر ہے کہ اس کے لیے
حاجت سے زائد لینا حلال ہے اور اسی سے فقیر اور
مسافر میں فرق ہوگیا جیسا کہ ذخیرہ میں ہے اھ اور اس
میں ماتن کے قول "منہ مالوکان مالہ مؤجلا" (اس
کا مال مؤخر ہوجائے) کے تحت ہے یعنی جب نفقہ کا
محتاج ہو تو آنے کی مدت تک بقدر کفایت زکوۃ کا
حصول جائز ہے، یہ نہر میں خانیہ سے ہے اھ اور اسی
میں ماتن کے قول "اوعلٰی غائب" (یا غائب پر) کے
تحت ہے یعنی اگرچہ یہ اس حال پر ہو کہ جس سے لینے
پر قدرت نہ رکھتا ہو، ط اھ ۔ اور اسی میں ماتن
کے قول "او معسر او جاحد الخ" یا وہ تنگدست یا
منکر ہو، اگرچہ اصح قول کے مطابق اس کے لیے گواہ ہوں
تو اس کے لیے اصح قول کے مطابق زکوۃ لینا درست ہے
کیونکہ یہ مسافر کی مانند ہے اور اگر امیر ومعترف ہے تو اب
جائز نہیں کما فی الخانیہ اھ اور اسی میں ماتن کے قول
"فی سبیل اللہ" کے تحت ہے یعنی وہ غازی جس کا
خرچہ واسلحہ ختم ہوگیا ہے بعض کے نزدیک اس سے حاجی
اور بعض کے نزدیک طالب علم مراد ہے، اور بدائع میں
اس سے تمام امور خیر کے مسافر بیان کیے ہیں۔ نہر میں ہے
کہ یہ اختلاف لفظی ہے کیونکہ اس پر اتفاق ہے عامل
کے سوا تمام اصناف کو بشرط فقر زکوۃ دی جاسکتی ہے الخ
اور اسی میں ماتن کے قول "وبھذا التعلیل یقوی الخ"
اس تعلیل کے ساتھ وہ قوی ہوگیا جو واقعات کی طرف
منسوب ہے کہ طالب علم کے لیے زکوۃ کا لینا جائز ہے

---

[1] و [2] و [3] و [4] و [5] ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۲/۶۷

8

لافادۃ العلم واستفادتہ، ھذا الفرع مخالف لاطلاقھم الحرمۃ فی الغنی ولم یعتمدہ احد قلت وھو کذٰلك والاوجہ تقییدہ بالفقیر[1] الٰی اٰخر ما افادہ علیہ رحمۃ الجواد واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

اگرچہ وُہ غنی ہو بشرطیکہ اس نے افادہ واستفادۂ علم کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا ہو، یہ جزئیہ فقہاء کے اس اطلاق کے خلاف ہے جو انھوں نے کہا کہ اگر غنی ہے تو زکوٰۃ لینا حرام ہے اور اس پر کسی نے اعتماد نہیں کیا ہے۔ قلت وہ اسی طرح ہے، اور اوجہ یہ ہے کہ اسے بھی فقر کے ساتھ مقید کردیا جائے جیسا کہ انھوں نے افادہ کیا ان پر رحمتِ جواد ہو۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ سادسہ: میرے کل زیور طلائی سادے اور جڑاؤ میں سونے کا وزن، موتی اور نگینے اور لاکھ وغیرہا منہا کرکے اڑسٹھ تولے ہے اور زیور نقرئی تین سو اکتالیس تولے، اس صورت میں جو سالانہ زکوٰۃ ہو اس سے مشرح مطلع کیا جاؤں اور ایک دستور العمل ایسا ہو کہ آئندہ جس قدر اور بنے اس پر زکوٰۃ بڑھالی جائے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

سونے چاندی کا نصاب اور ان پر واجب وعفو کا حساب مسئلہ ثانیہ میں مشرحاً گزرا اور زیادت ونقصان کے تمام احکام تبفصیل تمام مسئلہ ثانیہ وثالثہ میں مبین ہوئے۔ وُہ دونوں مسئلے بجائے خود دستور العمل تھے مگر اختلاط زر وسیم یعنی دونوں مال کا مالک ہونا البتہ بعض نئے احکام کا موجب ہوتا ہے جن کا بیان اوپر نہ گزرا لہذا فقیر غفراللہ تعالٰی لہ بعض ضوابطِ ضروریہ اور ذکر کرکے دستور العمل کی تکمیل کرتا اور حضرت مستفتی دامت برکاتہم ودیگر ناظرین منتفعین سے اس کے صلے میں دعائے عفو وعافیتِ دارین کی تمنا رکھتا ہے **فاقول** وباللہ التوفیق مال جب بشرائط معلومہ نصاب کو پہنچے تو بنفسہٖ وجوبِ زکوٰۃ کا سبب اور ایراث حکم میں مستقل ہے جسے اپنے حکم میں دوسری شئی کی حاجت نہیں اور نصاب کے بعد جو خمس نصاب ہو وُہ بھی نصاب وسبب ایجاب ہے، ہاں جو خمس سے کم ہے وُہ اپنی نوع میں مثلاً چاندی یا سونا، سونے میں موجبِ زکوٰۃ نہیں ہوسکتا کہ شرع مطہر نے اسے عفو رکھا ہے کما قدمنا فی المسئلۃ الثانیۃ (جیسا کہ ہم مسئلہ ثانیہ میں پیچھے بیان کر آئے ہیں۔ ت) اسی طرح جو راسًا نصاب کو نہیں پہنچا بنفسہٖ سببیتِ وجوب کی صلاحیت نہیں رکھتا مگر جب اس نوع کے ساتھ دوسری نوع بھی ہو یعنی زر وسیم مختلط ہوں تو از انجا کہ وجہ سببیت ثمنیت تھی اور وُہ دونوں میں یکساں، تو اس حیثیت سے

---

[1] ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۶۵/۲

ذہب وفضہ جنسِ واحد ہیں لہذا ہمارے نزدیک جو ایک نوع میں موجب زکوٰۃ نہ ہوسکتا تھا خواہ اس لیے کہ نصاب ہی نہ تھا یا اس لیے کہ نصاب کے بعد عفو تھا اس مقدار کو دوسری نوع سے تقویم کرکے ملادیں گے کہ شاید اب اس کا موجب زکوٰۃ ہونا ظاہر ہو، پس اگر اس ضم سے کچھ مقدار زکوٰۃ بڑھے گی (بایں معنی کہ نوع ثانی قبل ضم نصاب نہ تھی اس کے ملنے سے نصاب ہوگئی یا اگلی نصاب پر نصاب خمس کی تکمیل ہوگئی) تو اسی قدر زکوٰۃ بڑھادیں گے اور اب اگر کچھ عفو بچا تو وہ حقیقۃً عفو ہوگا ورنہ کچھ نہیں اور اگر ضم کے بعد بھی کوئی مقدار زکوٰۃ زائد نہ ہو تو ظاہر ہوجائے گا کہ یہ اصلاً موجب زکوٰۃ نہ تھا۔ ہدایہ میں ہے:

تضم قیمۃ العروض الی الذھب والفضۃ حتی یتم النصاب ویضم الذھب الی الفضۃ للمجانسۃ من حیث الثمنیۃ ومن ھذا الوجہ صار سبباً ثم یضم بالقیمۃ عند ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ[1]

سامان کی قیمت کو سونے اور چاندی کی قیمت کے ساتھ ملایا جائے گا تاکہ نصاب مکمل ہوجائے اور ثمن کی بنا پر ہم جنس ہونے کی وجہ سے سونے کو چاندی کے ساتھ ملایا جائے گا اور اسی وجہ سے یہ سبب وجوب ہوگا پھر امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک قیمت کے لحاظ سے ملایا جائے گا۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے:

النقدان یضم احدھما الی الاٰخر فی تکمیل النصاب عندنا[2]

ہمارے نزدیک تکمیلِ نصاب کے لیے دونوں نقود (سونے وچاندی) کو ایک دوسرے کے ساتھ ملایا جائے گا۔ (ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

یضم الذھب الی الفضۃ بالقیمۃ فیکمل بہ النصاب لان الکل جنس واحد[3]

سونے کو چاندی کے ساتھ قیمت کے اعتبار سے ملایا جائیگا تاکہ نصاب مکمل ہوجائے کیونکہ یہ آپس میں ہم جنس ہیں (ت)

خلاصہ میں ہے:

اصل ھذا ان الذھب یضم الی فضۃ

ہمارے نزدیک تکمیلِ نصاب کی خاطر سونے کو چاندی

---

[1] الہدایہ کتاب الزکوٰۃ فصل فی العروض مکتبۃ العربیہ کراچی ۱/۱۷۶

[2] فتح القدیر فصل فی العروض مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۱۶۹

[3] تبیین الحقائق باب زکوٰۃ المال مطبعۃ کبرٰی امیریۃ بولاق مصر ۱/۲۸۱

فی تکمیل النصاب عندنا وھذا استحسان[1] ۔ کے ساتھ ملانا یہ اصل ہے اور یہ بطور استحسان ہے۔ (ت)

نقایہ میں ہے :

یضم الذھب الی الفضۃ بالقیمۃ لاتمام النصاب[2] ۔ اتمامِ نصاب کے لیے سونے کو قیمت کے اعتبار سے چاندی کے ساتھ ملایا جائے گا۔ (ت)

ان عباراتِ ائمہ وتقریرِ فقیر سے واضح ہُوا کہ یہ ملانا صرف بغرضِ تکمیلِ نصاب ہوتا ہے نصاب کہ بنفسہٖ کامل ہے محتاجِ ضم نہیں کہ خود سببِ مستقل ہے تو شرعِ مطہر اُس کے سبب ایک مقدار واجب فرما چکی اب نصاب کو دوسری چیز سے ضم کرنے کا ایجاب تکمیلِ نصاب نہیں تعطیلِ نصاب ہے، یا یُوں کہئے کہ اس ضم سے مقصود تحصیلِ واجب ہے نہ تبدیلِ واجب۔ ولہذا ہمارے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ذہب وفضہ کا کامل نصابوں میں حکمِ ضم نہیں بلکہ نصابِ ذہب پر جدا زکوٰۃ واجب ہوگی اور نصابِ فضہ پر جُدا۔ ہاں اگر کوئی یہ چاہے کہ میں ایک ہی نوع زکوٰۃ میں دوں اور وہ قیمت لگاکر ضم کرلے تو ہمارے نزدیک کوئی مضائقہ بھی نہیں، مگر اس وقت واجب ہوگا کہ تقویم ایسی کرے جس میں فقراء کا نفع زائد ہو مثلاً ایک نقد زیادہ رائج ہے دوسرا کم تو جو رائج تر ہے اُس سے تقویم کرے۔ امام ملک العلماء ابوبکر مسعود کاشانی قدس سرہ الربانی بدائع میں فرماتے ہیں :

اذاکان کل واحد منھما نصاباً تاماً ولم یکن زائداً علیہ لایجب الضم بل ینبغی ان یؤدی من کل واحد منھما زکوتہ ولوضم احدھما الی الاٰخر حتی یؤدی کلہ من الفضۃ او من الذھب فلاباس بہ عندنا ولکن یجب ان یکون التقویم بما ھو انفع للفقراء رواجا والا فیؤدی من کل واحد منھما ربع عشرۃ[3] ۔ اگر دونوں (سونا وچاندی) کا نصاب بلااضافہ کیے کامل ہے تو اب ایک دوسرے کے ساتھ ملانا واجب نہیں بلکہ ہر ایک کی زکوٰۃ ادا کی جائے اور اگر کسی نے ملاکر سونے چاندی میں سے ہر ایک کی زکوٰۃ ادا کردی تو بھی ہمارے ہاں کوئی حرج نہیں لیکن یہ لازم ہے کہ قیمت اس کے ساتھ لگائی جائے جو رواجاً فقراء کے لیے زیادہ نافع ہو، ورنہ ہر ایک میں سے چالیسواں حصہ ادا کردیا جائے۔ (ت)

اس نفیس تقریر سے یہ **فائدے** حاصل ہُوئے کہ اگر ایک جانب نصاب تام بلا عفو ہے اور دوسری

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی | الفصل الخامس فی زکوٰۃ المال | مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ | ۱/۲۳۷

[2] النقایہ | کتاب الزکوٰۃ | نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی | ص ۳۴

[3] بدائع الصنائع | فصل واما مقدار الواجب فیہ | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۲/۲۰

طرف نصاب سے کم، تو یہاں یہی طریقہ ضم متعین ہوگا کہ اس غیر نصاب کو اُس نصاب سے تقویم کرکے ملا دیں، یہ نہ ہوگا کہ نصاب کو تقویم کرکے غیر نصاب سے ملائیں۔ مثلاً چاندی نصاب ہے اور سونا غیر نصاب، تو اس سونے کو چاندی کریں گے چاندی کو سونا نہ کریں گے، اور عکس ہے تو عکس۔ اسی طرح اگر ایک طرف نصاب تام بلاعفو ہے اور دوسری جانب نصاب مع عفو، تو صرف اس عفو کو اُس نصاب سے ملائیں گے نصاب مع العفو مجموع کو ضم نہ کریں گے کہ محتاج تکمیل صرف وہی عفو ہے نہ کہ نصاب، مثلاً ۷ یا ۹ یا ۱۲ تولے سونا اور ۶۰ تولے چاندی ہے جس میں ۷ تولے چاندی عفو ہے تو صرف اس ۷ تولے چاندی کو سونا کریں گے نہ کہ مجموع ۶۰ تولے کو۔ یوں ہی اگر دونوں جانب عفو ہے تو صرف ان عفوؤں کو باہم ملائیں گے، دونوں طرف کے نصاب الگ نکال لیں گے۔ ہندیہ میں ہے:

لو فضل من النصابین اقل من اربعة مثاقیل واقل من اربعین درھما فانه تضم احدی الزیادتین الی الاخری حتی یتم اربعین درھما او اربعة مثاقیل ذھب کذا فی المضمرات[1]

اگر دونوں نصابوں پر چار مثقال سے کم اور چالیس دراہم سے کم اضافی ہُوا تو ایک کے اضافہ کو دوسرے کے ساتھ ملایا جائے حتی کہ چالیس درہم کامل ہوجائیں یا چار مثقال سونا مکمل ہوجائے، جیسا کہ مضمرات میں ہے۔ (ت)

پس ثابت ہُوا کہ قابلِ ضم وہی ہے جو خود نصاب نہیں، پھر اگر یہ قابلیت ایک ہی طرف ہے جب تو طریقۂ ضم آپ ہی متعین ہوگا کما سبق (جیسا کہ پیچھے گزرا۔ ت) اور دونوں جانب ہے تو البتہ امر غور طلب ہوگا کہ اب ان میں کس کو کس سے تقویم کریں کہ دونوں صلاحیتِ ضم رکھتے ہیں، اس میں کثرت وقلت کی وجہ سے ترجیح نہ ہوگی کہ خواہی نخواہی قلیل ہی کو کثیر سے ضم کریں کثیر کو نہ کریں کہ جب نصابیت نہیں تو قلیل وکثیر دونوں احتیاجِ تکمیل میں یکساں۔ ردالمحتار میں ہے:

لافرق بین ضم الاقل الی الاکثر وعکسه[2]

اقل کو اکثر کے ساتھ ملانا یا اس کے برعکس کرنے میں کوئی فرق نہیں۔ (ت)

بلکہ حکم یہ ہوگا کہ جو تقویم فقیروں کے لیے انفع ہو اسے اختیار کریں، اگر سونے کو چاندی کرنے میں فقراء کا نفع زیادہ ہے تو وہی طریقہ برتیں، اور چاندی کو سونا ٹھہراتے ہیں تو یہی ٹھہرائیں، اور دونوں صورتیں نفع میں یکساں تو مزکی کو اختیار۔ درمختار میں ہے:

---

[1] فتاوٰی ہندیہ — الفصل الاول فی زکوٰۃ الذہب والفضۃ — نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۷۹

[2] ردالمحتار — باب زکوٰۃ المال — مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۵

لوبلغ باحدھما نصابًا دون الاخر تعین مایبلغ بہ ولوبلغ باحدھما نصابًا وخمسًا وبالاخراقل قومہ بالانفع للفقیر سراج[1] اھ وفی ردالمحتار عن النھر عن الفتح یتعین مایبلغ نصابًا دون مالایبلغ فان بلغ بکل منھما واحدھما اروج تعین التقویم بالاروج[2] اھ وفی شرح النقایۃ للقھستانی وان تساویا فالمالک مخیر[3]۔

اگر ایک کو ضم کرنے سے نصاب بنتا ہے دوسرے سے نہیں، تو جس سے بنتا ہو وہ ضم کے لیے متعین ہوگا، اور اگر ایک کو ضم کرنے سے نصاب اور خمس بنتا ہے اور دوسرے سے کم بنتا ہے تو جو فقیر کے لیے زیادہ فائدہ مند ہو اس سے قیمت بنائے، سراج اھ۔ اور ردالمحتار میں بحوالہ نہر، فتح سے منقول ہے کہ نصاب کو پہنچانے والے کی قیمت ضم کے لیے متعین ہوگی دوسرے کی نہیں، اگر دونوں سے نصاب پورا ہو جبکہ ایک رواج سے زائد ہے تو جو زیادہ رائج ہو اس کے ساتھ قیمت لگانا متعین ہوگا اھ اور شرح نقایہ للقہستانی میں ہے: اگر دونوں برابر ہوں تو مالک کو اختیار ہے۔ (ت)

جب یہ امور ممہد ہو لیے تمام صورتوں کے احکام معلوم ہو گئے کہ اختلاط زر وسیم انھی تین حال میں منحصر:

(۱) یا کسی کی طرف کوئی مقدار قابلِ ضم نہ ہوگی اور یہ جب ہی ہوگا کہ دونوں نصاب ہوں اور دونوں بے عفو، اس کا حکم اول ہی گزرا کہ ہر ایک کی زکوٰۃ جدا واجب ہوگی اور ایک ہی نوع سے دینا چاہیے تو نفعِ فقرار کا لحاظ واجب۔

(۲) یا صرف ایک طرف مقدار قابلِ ضم ہوگی، یہ یُوں ہی ہوگا کہ ایک نصاب بلاعفو ہو اور دوسرا اصلًا غیر نصاب یا نصاب مع العفو، تو اس کی دو صورتیں نکلیں، ان کا ضابطہ[1] بھی معلوم ہوچکا کہ خاص اسی قابلِ ضم کو دوسرے کے ساتھ تقویم کریں گے۔

(۳) یا دونوں طرف مقدار قابلِ ضم ہو یہ اس طرح ہوگا کہ دونوں نصاب سے کم یا ایک کم اور ایک میں عفو یا دونوں میں عفو، تو اس کی تین صورتیں ہوئیں، ضابطہ[2] بھی مذکور ہُوا کہ جو مقداریں دونوں طرف قابلِ ضم ہیں اُنھی کو آپس میں ملائیں گے اور نفعِ فقرار کا لحاظ رکھیں گے یعنی جس تقویم میں زیادہ مالیت واجب الادا ہو وہی اختیار کرینگے، اور مالیت برابر ہو تو جس کا رواج زیادہ ہے اسے لیں گے اور قدر رواج سب یکساں ہوں تو اختیار دیں گے۔

---

[1] درمختار	باب زکوٰۃ المال	مطبع مجتبائی دہلی	۱/ ۱۳۵
[2] ردالمحتار	"	مصطفی البابی مصر	۲/ ۳۴
[3] جامع الرموز	کتاب الزکوٰۃ	مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران	۲/ ۳۱۲

جدول اختلاطات زر و سیم مع اشارۂ احکام

ذہب ← / فضہ ↓	نصاب سے کم	نصاب بے عفو ع	نصاب باعفو
نصاب سے کم	دونوں کا کل بہ لحاظ انفع ملائیں	چاندی کو سونا کریں	سونے کا عفو اور چاندی کا کل بلحاظ انفع ملائیں
نصاب بے عفو	سونے کو چاندی کریں	ہر ایک کی جُدا زکوٰۃ اور ملانا ہی ہو تو لحاظ انفع	سونے کے عفو کو چاندی کریں
نصاب باعفو	چاندی کا عفو اور سونے کا کل بہ لحاظ انفع ملائیں	چاندی کے عفو کو سونا کریں	دونوں عفووں کو بلحاظ انفع ملائیں

ہر چند اس بیان وجدول نے مسئلہ واضح کر دیا، مگر بوجہ پیچیدگی عام مسلمان کے لیے ان دونوں ضابطوں میں ایضاحِ امثلہ کی بیشک ضرورت۔ لہذا فقیر غفرلہ المولی القدیر پھر جانبِ تفصیل عنان گردانی کرتا ہے، وباللہ التوفیق۔

شرح ضابطۂ اُولیٰ: چاندی سونے میں جب ایک نصابِ تام بلاعفو ہو اور دُوسرا نصاب نہ ہو خواہ کُلاًّ یعنی سرے سے نصاب تک پہنچا ہی نہ ہو یا بعضاً، یعنی نصاب کے بعد جو عفو بچا ہو، اس غیر نصاب کُل یا بعض کو اُس دوسرے کے ساتھ ضم کریں گے، مثلاً چاندی کل یا بعض غیر نصاب ہے تو اُسے بلحاظ قیمت سونا قرار دے کر سونے کے نصاب سے ملائیں گے اور سونا کل یا بعض غیر نصاب ہو تو اسے چاندی سے تو ضابطۂ اولیٰ کی دو صورتیں بعد بسط چار ہوگئیں جیسا کہ مطالعۂ جدول سے واضح ہوا ہوگا۔ اب ہم بعد ضم دیکھیں گے کچھ زکوٰۃ بڑھی یا نہیں، اگر اب بھی نہ بڑھی تو وُہ غیر نصاب عفو مطلق تھا کہ کسی طرح موجبِ زکوٰۃ نہ ہُوا اور بڑھی تو یا کچھ عفو نہ بچے گا اس صورت میں ظاہر ہوگا کہ یہ غیر نصاب جو اپنی نوع میں ناموجبِ زکوٰۃ نظر آتا تھا حقیقۃً بالکل موجب تھا یا قدرے بچے گا تو ثابت ہوگا کہ واقع میں اسی قدر عفو ہے باقی پر زکوٰۃ، تو یہ تین حالتیں ہوئیں جنھیں ان چار میں ضرب دیے سے بارہ صُورتیں نکلیں، اب ہر ایک کی مثال لیجئے اور حساب کے لیے فرض کیجئے کہ تولہ بھر سونے کی قیمت چوبیس تولے چاندی ہے

ع اس مثلثانہ خانۂ احکام کا اذ قطب وُہ صورت ہے جس میں اصلاً حکم ضم نہیں اور اس کے چاروں خانہ آتشی بادی آبی خاکی متعلق ضابطۂ اولیٰ، رہا قی چاروں خانے کہ چاروں گوشوں پر ہیں متعلق ضابطۂ ثانیہ ۱۲ منہ (م)

اور تولہ بھر چاندی کا چاؔر رتی سونا۔

مثال ۱: ایک شخص کے پاس ۵۲½ تولے چاندی اور سوا پانچ ماشے سونا ہے تو چاندی نصاب تام بلا عفو ہے اور سونا کُلّاً غیر نصاب۔ لہذا سونے کو چاندی کرکے چاندی سے ملایا یعنی بلحاظِ قیمت دیکھا کہ اس قدر سونے کی کتنی چاندی ہُوئی، نرخ مذکور پر یہ سونا دسؔ تولے چاندی کا ہُوا تو گویا وہ ۵۲½ تولے چاندی ۵ ماشے سونے کا مالک نہیں بلکہ ۶۲ تولے چاندی کا مالک ہے، یہ چاندی کا ایک نصاب کامل اور ایک نصاب خمس پُورا ہُوا جس پر عفو کچھ نہ بچا۔

مثال ۲: اسی صُورت میں ۱۰ ماشے سونا فرض کیجئے جس کے ۲۰ تولے چاندی، تو گویا ۷۲½ تولے چاندی کا مالک ہے جس میں وہی نصاب کامل و نصاب خمس نکل کر ۹ تولے چاندی عفو بچی کہ خمس نصاب سے کم ہے یہ عفو حقیقی ہُوا یعنی سونے کو چاندی سے ضم نہ کرتے تو بوجہ عدمِ نصاب بالکل عفو نظر آتا تھا ضم کرنے سے کھل گیا کہ اس میں صرف ۴½ ماشے سونا جس کی ۹ تولے چاندی ہُوئی عفو ہے باقی پر زکوٰۃ واجب۔

مثال ۳: صُورتِ مسطورہ میں صرف ۵ ماشے سونا مانیے تو کُل عفو رہے گا کہ اس کی دسؔ ہی تولے چاندی ہُوئی اور مال جب تک نصاب کے بعد خمس نصاب تک نہ پہنچے عفو ہے اور چاندی میں خمس ۱۰ تولے ہے۔

مثال ۴: اسی صورت میں ۷ تولے ۱۱ ماشے سونا لیجئے تو ۷½ تولے سونا تو نصاب کامل ہے اُس کے بعد ۵ ماشے عفو نظر آتا ہے۔ بس اسی قدر کو چاندی سے ضم کریں گے، اور ایک نصاب زر اور ایک نصاب و خمس نصاب سیم کی زکوٰۃ واجب مانیں گے جس میں عفو کچھ نہ رہا۔

مثال ۵: اسی صورت میں ۸ تولے ۴ ماشے سونا ہے تو بدلیل مثال دوم وہی ۴ ماشے سونا عفو رہے گا۔

مثال ۶: ۷ تولے ۱۱ ماشے سونا ہے تو نصاب زر سے جتنا زیادہ ہے یعنی ۵ ماشے، سب عفو مطلق ہے کہ بعد ضم بھی زکوٰۃ نہیں بڑھاتا۔

ان چھ مثالوں میں چاندی نصاب تام بلا عفو تھی اور سونا قابلِ ضم، پہلی تین میں راسًا نصاب سے کم اور پچھلی تین میں عفو۔ اب وُہ مثال لیجئے کہ سونا نصاب تام بلا عفو اور چاندی انہی دُو وجہوں پر قابلِ ضم۔

مثال ۷: ایک شخص ۷½ تولے سونا ۲۶ تولے چاندی کا مالک ہے تو چاندی کُلّاً غیر نصاب ہے۔ اسے بحساب قیمت سونا کیا تو ۱½ تولے ہوا، یہ پُورا نصاب خمس ہے تو سونے کا ایک نصاب کامل اور ایک نصاب خمس ہوا اور عفو اصلاً نہ بچا۔

مثال ۸: اسی صورت میں چاندی ۵۰ تولے رکھئے تو ۱۴ تولے عفو رہے گی کہ ۲۶ تولے کا نصاب خمس ہو گیا ۱۴ تولے کا ۷ ماشے سونا ہُوا کہ خمس سے کم ہے وُہ عفو رہا۔

مثال ۹: اسی صورت میں چاندی ۳۰ تولے فرض کیجئے تو کل عفو ہے کہ اس کا سوا ہی تولے سونا ہُوا تو بعد

خم بھی کچھ نہ بڑھا۔

مثال ۱۰ و ۱۱ و ۱۲: اب ہمیں وُہ تین صورتیں بیان کرنا ہیں جن میں سونا نصاب بے عفو ہو اور چاندی نصاب باعفو، جس کے عفو کو سونے سے ملائیں تو جب بھی عفو رہے یا کچھ زکوٰۃ واجب کرے، کچھ عفو بچے یا بالکل زکوٰۃ واجب کرے۔ یہ پچھلی دو صورتیں بظاہر محال عادی نظر آتی ہیں کہ نصاب میں عفو وہی ہوتا ہے جو خمس سے کم ہو اور نصاب کے بعد زکوٰۃ وہی واجب کرتا ہے جو خمس تک پہنچے، تو ان صورتوں کا وقوع جب ہی ہوگا کہ ۱۰ تولے سے کم چاندی ۱½ تولے سونے کے برابر یا اس سے بھی زائد ہو مگر یہ عادۃً ہو نہیں سکتا بلکہ ۱۰ تولے یا اس سے کچھ زیادہ چاندی تولہ بھر سونے کی قیمت کو بھی نہیں پہنچتی، تو بادی النظر میں یہاں صرف صورتِ اُولٰی ہی قابلِ وقوع ہے یعنی عفو سیم کو نصابِ ذہب سے جب ملائیے عفو ہی رہے مگر ایک نفیس و شریف و جلیل و لطیف قاعدہ معلوم کرنے سے کھل جائیگا کہ وُہ صورتیں بھی قابلِ وقوع ہیں، اُس باعظمت قاعدے کا جاننا نہ صرف انہی صورتوں کے لیے ضرور ہے بلکہ جو اہلِ زکوٰۃ زر و سیم دونوں قسم کے مالک ہوں اور عموماً ایسے ہی ہوتے ہیں اُن سب پر اُس کا علم فرضِ عین ہے کہ اس کے نہ جاننے میں بہت غلطیاں اور خرابی و زیاں واقع ہوتے ہیں، لوگ اکثر سمجھ لیتے ہیں ہم زکوٰۃ ادا کر چکے اور واقع میں مطالبہ باقی ہوتا ہے، وہ ضروری **قاعدہ عظیم الفائدہ واجب الحفظ** یہ ہے کہ اگرچہ زر و سیم کی قیمت و وزن باہم اکثر مختلف ہوتے ہیں خصوصاً جبکہ صنعت کا قدم درمیان ہو، مثلاً ممکن کہ تولہ بھر سونے کا کوئی گہنا صناعی کے سبب پچاس (۵۰) روپے کی قیمت کا ہو اگرچہ ایک تولہ سونے کی قیمت پچیس (۲۵) ہی روپیہ ہو یا تولہ بھر چاندی کی چیز چار (۴) روپے کو بکے اگرچہ چاندی ایک ہی روپیہ تولہ ہو، دہلی کی سودا کاریوں میں یہ بات خوب واضح ہوتی ہے، یونہی جب مال ہارتا ہو تو قیمتِ وزن گھٹ جاتی ہے کما لا یخفی (جیسا کہ مخفی نہیں۔) مگر شرع مطہر نے سونے چاندی میں وجوباً و اداءً ہر طرح وزن ہی کا اعتبار فرمایا ہے نہ کہ قیمت کا، مثلاً کسی کے پاس صرف ۷ تولے سونے کا گہنا ہے کہ قیمت میں ۷½ تولے سونے تک پہنچتا ہے یا اس سے بھی زیادہ ہوتا ہے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں کہ وزن ۷½ تولے کامل نہ ہوا، یا ۷½ تولے ہارتے سونے کا مال ہے کہ قیمت، ۷ تولے سے بھی کم ہے اس پر زکوٰۃ واجب کہ وزنِ نصاب پُورا ہے، یا ایک شخص کے پاس، ۷½ تولے سونے کا زیور ہے جو بوجہ صنعت ۱۵ تولے سونے کی قیمت ہے اس پر صرف ۲ ماشے سونا واجب ہوگا کہ وزن کا چالیسواں حصہ ہے نہ چار ماشہ کہ قیمت کا ۱/۴۰ ہے، یا ۱۵ تولے وزن کی چیز قیمت میں ۷½ تولے کے برابر ہے، تو باعتبارِ وزن ۴ ماشہ سونا دینا ہوگا، بہ لحاظِ قیمت ۲ ماشہ دینے سے نہ چھوٹے گا، یہ تو وجوباً اعتبارِ وزن ہوا اور اداءً کی یہ صورت کہ مثلاً اس پر ۲ ماشے سونا واجب الادا تھا اس نے اُس کے بدلے ۲ ماشے نفیس کُندن کہ قیمت میں ۲ ماشے سونے کے برابر بلکہ زائد تھا ادا کیا تو عہدہ بر آنہ ہُوا کہ واجب کا وزن پُورا نہ ہُوا اور ہارتا سونا ۲ ماشے دے دیا جو قیمت میں دو ہی ماشے کے برابر تھا تو ادا ہو گیا اگرچہ اس میں کراہت ہے لقولہ عزوجل:

لستم باٰخذیہ الا ان تغمضوا فیہ[1]۔

تمھیں ملے تو نہ لوگے جب تک اس میں چشم پوشی نہ کرو (ت)

درمختار میں ہے :

المعتبر وزنھما اداءً و وجوبًا لا قیمتھما[2]۔

ادا و وجوب میں ان دونوں کے وزن کا اعتبار ہے نہ کہ قیمت کا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے :

یعنی یعتبر فی الوجوب ان یبلغ وزنھما نصابا انھر حتی لوکان لہ ابریق ذھب او فضۃ وزنہ عشرۃ مثاقیل او مائۃ درھم وقیمتہ لصیاغتہ عشرون او مائتان لم یجب فیہ شیئ اجماعًا قھستانی[3]۔

وجوب کے لیے یہ معتبر ہے کہ وُہ وزن کے اعتبار سے نصاب کو پہنچیں، نہر۔ اگر کسی کے پاس سونے یا چاندی کا کُوزہ تھا جس کا وزن دس مثقال یا سَو درہم کے برابر تھا اور زیور کی صورت میں اس کی قیمت بیس یا دوسَو ہے تو اب اس میں بالاجماع کوئی شَی لازم نہیں، قہستانی۔ (ت)

اسی میں ہے :

لو لہ ابریق فضۃ وزنہ مائۃ وقیمتہ بصیاغتہ مائتان لاتجب الزکوٰۃ باعتبار القیمۃ لان الجودۃ والصنعۃ فی اموال الربا لاقیمۃ لھا عند انفرادھا ولا عند المقابلۃ بجنسھا[4]۔

اگر کسی کے پاس چاندی کا ایسا کُوزہ تھا جس کا وزن سو درم ہو اور اس کی زیور کی صورت میں قیمت دو سو درم ہے تو اب قیمت کے اعتبار سے زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، کیونکہ اموالِ ربا میں جو جودت اور صنعت ہوتی ہے اس کی انفرادی صُورت میں کوئی قیمت نہیں ہوتی نہ ہی اس وقت کوئی قیمت ہے جب کسی ہمجنس کے مقابل ہو۔ (ت)

اُسی میں ہے :

یعتبر ان یکون المؤدی قدر الواجب وزنا

جس کی زکوٰۃ ادا کی جائے اس کا وزن کے اعتبار سے

---

[1] القرآن ۲/۲۶۷

[2] درمختار باب زکوٰۃ المال مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۴

[3] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۲/۳۳

[4] " " " ۲/۳۷

فلوادی عن خمسة جیدة خمسة زیوفا قیمتها اربعة جیدة جاز وکرہ ولو اربعة قیمتها خمسة ردیئة لم یجز[1] اھ ملخصًا۔

نصاب ہونا ضروری ہے، اگر کسی نے پانچ جید دراہم کی جگہ پانچ زیوف سے ادا کی جن کی قیمت چار جید دراہم تھی تو جائز مگر مکروہ ہے، اور اگر ان چار کی قیمت پانچ ردی درہم تھے تو جائز ہی نہیں اھ ملخصًا (ت)

مگر جب ان میں ایک کو دوسرے سے تقویم کریں مثلاً چاندی کو سونے یا سونے کو چاندی سے جیسا کہ ضم کی صورتوں میں دیکھتے آئے تو بالاجماع قیمت کا اعتبار ہے کہ جودت وصنعت خلاف جنس کے مقابلہ میں بالاجماع قیمت پاتا ہے، مثلاً بارہ تولے چاندی کا وزنی گہنا ہے اور قیمت میں ۲۴ تولے چاندی کے برابر، اب اس کی قیمت سونے سے لگائے گا تو یہ لحاظ قیمت پُورا تولہ بھر سونا ہوگا، نہ بلحاظ وزن چھ ماشہ۔ ولہٰذا جس کے پاس ۲۰۰ تولے چاندی کا زیور چار سو روپے کا قیمتی ہو جس پر ۵ تولے چاندی واجب، وہ اگر ۵ تولے چاندی دے دے گا ادا ہو جائے گا اور ۵ تولے چاندی کی قیمت کا سونا دے گا ہرگز ادا نہ ہوگا بلکہ ۱۰ تولے چاندی کا قیمتی سونا دینا آئے گا۔ ردالمحتار میں ہے:

عدم اعتبار الجودة انما ھو عند المقابلة بالجنس اما عند المقابلة بخلافه فتعتبر اتفاقًا[2]۔

جید ہونے کا اعتبار، جنس کے ساتھ مقابلہ کے وقت نہیں کیا جاتا اور اگر غیر جنس سے مقابلہ ہو تو بالاتفاق معتبر ہے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

لوکان له ابریق فضة وزنه مائتان وقیمته ثلث مائة ان ادی خمسة من عینه اومن غیرہ جاز واجمعوا انه لو ادی من خلاف جنسه اعتبرت القیمة حتی لو ادی من الذھب ما تبلغ قیمته خمسة دراھم من غیر الاناء لم یجز فی قولھم لتقوم الجودة عند المقابلة

اگر کسی کے پاس چاندی کا کوزہ ہے دو صد درہم وزنی اور قیمت تین سو درہم ہے تو اب وہ اس میں سے یا اس کے غیر سے پانچ درہم ادا کرتا ہے تو جائز ہے اور اس پر اتفاق ہے کہ اگر اس کی مخالف جنس سے ادا کرے تو قیمت کا اعتبار ہوگا حتی کہ اگر اتنا سونا جس کی قیمت پانچ درہم ہو غیر مصنوع سے ادا کیا تو ان کے نزدیک جائز نہیں کیونکہ مقابلہ کے وقت جودت

---

[1] ردالمحتار باب زکوٰۃ المال مصطفی البابی مصر ۲/۳۳

[2] ردالمحتار " " " " ۲/۳۷

بخلاف الجنس کذا فی المعراج نھر[1] اھ ملخصًا۔ کی قیمت کا اعتبار ہوتا ہے بخلاف جنس کے، معراج میں اسی طرح ہے، نہر اھ ملخصًا (ت)

جب یہ قاعدہ معلوم ہولیا تو اب ان دو صورتوں کی مثالیں بھی واضح ہوگئیں، مثلاً ایک شخص کے پاس ۹ تولے سونا اور ۱۹½ تولے چاندی کا گہنا ہے جو بوجہ صناعی چوگنی قیمت کا ہے اس میں ۵۲½ تولے چاندی تو نصاب کامل ہوگئیں ۹ تولے بچی وہ عفو نظر آتی ہے اسے بلحاظ قیمت سونے سے ملایا تو یہ ۹ تولے بہ سبب صنعت ۲۶ تولے کی قیمت میں ہے جس کا ۱½ تولے سونا ہُوا کہ خمس نصاب زر ہے تو ایک نصاب سیم اور ایک نصاب و خمس نصاب زر کی زکوٰۃ واجب ہُوئی اور عفو کچھ نہ بچا اور اسی صورت میں ۶۲ تولے چاندی ہے تو ماشہ بھر سونا کہ اس ۶ ماشے چاندی کی قیمت ہُوا عفو رہے گا کما لا یخفی (جیسا کہ مخفی نہیں۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

شرح ضابطہ ثانیہ بملاحظہ جدول سے یہ بھی کھلا ہوگا کہ دونوں جانب مقدار قابل ضم ہونے کی تین صورتیں بھی عند البسط چار ہوگئیں یعنی چاندی سونا دونوں غیر نصاب یا دونوں نصاب مع العفو یا چاندی غیر نصاب اور سونے میں عفو یا سونا غیر نصاب اور چاندی میں عفو۔ پھر ہر صورت چھ حال سے خالی نہیں:

(۱) یہ کہ بعد ضم بھی اصلاً زکوٰۃ نہ پڑے یعنی خواہ قابلِ ضم چاندی کو سونا کیجئے یا قابلِ ضم سونے کو چاندی کسی طرح یہ مقدار موجبِ زکوٰۃ نہ ہو، اس صورت میں وُہ عفو حقیقی رہے گا، مثلاً ایک شخص ۲۰ تولے چاندی اور ایک تولے سونے کا مالک ہے، چاندی کو سونا کیجئے تو کُل سونا ایک تولہ ۱۰ ماشے ہو، اور سونے کو چاندی تو کُل چاندی ۴۴ تولے، نہ اتنا سونا موجبِ زکوٰۃ نہ اتنی چاندی۔

(۲) سونے کو چاندی کیجئے تو نصاب بنے اور چاندی کو سونا کیجئے تو نہ بنے، مثلاً ۱۰ تولے چاندی ۱۰ تولے سونا ہے، سونے کو چاندی کیا تو کُل چاندی ۱۳۰ تولے ہوئی کہ دو نصاب کامل اور دو نصاب خمس، اور ۴ تولے عفو ہے، اور چاندی کو سونا کیا تو کل ۵ تولے ۵ ماشے سونا ہُوا کہ نصاب تک بھی نہ پہنچا، لہذا سب کو چاندی ہی ٹھہرائیں گے۔

(۳) اس کا عکس کہ چاندی کو سونا کرنے سے نصاب بنے اور سونے کو چاندی کرنے سے نہ بنے، مثلاً ۷ تولے ۱ ماشے سونا اور ۵۰ تولے چاندی ہے، ۷½ تولے سونا تو نصابِ کامل ہوکر الگ ہوگیا، بچا ۱½ ماشہ سونا، اُدھر وہ عفو ہے اور اِدھر ۵۰ تولے چاندی یہ بے نصاب ہے، انھیں دونوں کا باہم میل ہونا ہے، اب اگر ماشے بھر سونے کو چاندی کرتے ہیں تو کل چاندی ۵۲ تولے آتی ہے، یہ نصاب بھی نہ ہُوئی اور چاندی

---

[1] ردالمحتار باب زکوٰۃ المال مصطفی البابی مصر ۲/ ۳۳

کو سونا کرتے ہیں تو یہ کُل سونا ۲ تولے ۲ ماشے ہوتا ہے کہ ۱½ تولہ نصاب خمس ہو کر موجبِ زکوٰۃ ہوگا اور باقی ۸ ماشے عفو رہے گا۔

(۴) دونوں سے نصاب بنے مگر چاندی فقراء کے لیے انفع ہو، مثلاً ۷ تولے سونا ۴۲ تولے چاندی کہ سونا کیجیے تو ۸ تولے ۹ ماشے ہُوا، ۷½ تولے پر زکوٰۃ اور ۱ تولہ عفو، تو صرف ۲ ماشے سونا دینا ہوگا جس کی قیمت ۴½ تولے چاندی، اور چاندی کیجیے تو دو سَو دس[۲۱۰] تولے ہُوئی کہ پُورے چار نصاب بلا عفو ہے جس پر ۵ تولے چاندی واجب، تو چاندی کرنے میں فقراء کو ۹ ماشے چاندی زیادہ ملے گی۔

(۵) سونا انفع ہو، جیسے ۷ تولے سونا ۸۴ تولے چاندی کہ چاندی کیجیے تو چار نصاب کامل کے بعد ۶ تولے عفو رہے گی اور صرف ۵ تولے چاندی دینا ہوگی جس کی قیمت ۲ ماشے ۵ سُرخ سونا، اور سونا کیجیے تو پُورا ۵ تولے ہوا، ایک نصابِ کامل اور ایک نصابِ خمس بلا عفو ہے جس پر ۲ ماشے ۵ ۳/۵ سُرخ واجب، تو سونا کرنے میں فقراء کو ۳/۵ سُرخ زیادہ جائے گا۔

(۶) دونوں یکساں ہوں، مثلاً فرض کیجیے تولہ بھر سونے کی قیمت ۲۱ تولے چاندی ہے اور یہ شخص ۴۲ تولے چاندی ۵½ تولے سونے کا مالک ہے اگر چاندی کو سونا کرتے ہیں تو ۷½ تولے یعنی ایک نصاب کامل ہوا جس پر ۳½ ماشے سونا قیمتی ۳ تولے ۱۱ ماشے ۲ سرخ چاندی کا واجب ہوا، اور سونے کو چاندی کیجیے تو ۱۵۷ تولے ۶ ماشے چاندی یعنی تین نصاب کامل ہُوئی جس پر ۳ تولے ۱۱ ماشے ۲ سُرخ چاندی قیمتی ۲ ماشہ سونے کی واجب ہُوئی، ہر طرح حاصل ایک ہی رہتا ہے اس صورت میں مزکی کو اختیار رہوگا کہ دونوں میں جس سے چاہے تقویم کرے بشرطیکہ دونوں رواج یکساں ہوں ورنہ رائج تر متعین ہوگا۔

اس ضابطہ کی چار[۴] صورتوں میں ان چھ[۶] حالتوں کو ضرب دیجیے تو چوبیس[۲۴] ہوتی ہیں جس کے امثلہ کی پُوری تفصیل موجبِ تطویل، اور جبکہ ہم ہر صورت کی ایک مثال لکھ چکے، وضوحِ مسئلہ بحمد اللہ اپنے منتہٰی کو پہنچا جس کے بعد زیادہ اطالت کی حاجت نہیں، اب بحمد اللہ یہ دستور العمل کامل و مکمل ہوگیا کہ عالم میں کوئی اختلاطِ زر و سیم ان ۴۰ صورتوں سے خارج نہیں ہوسکتا۔ ایک صورت دونوں جانب کمال نصاب بلا عفو کی اور ۱۲ صورتیں ضابطۂ اُولٰی اور ۲۴ ضابطۂ ثانیہ کی اور دو[۲] صورتیں کہ صرف چاندی کا مالک ہو یا صرف سونے کا، ان کے احکام مسئلۂ ثانیہ میں واضح ہوچکے، انتالیس[۳۹] ہوئیں۔ چالیسویں صورت کہ سونا چاندی کچھ نہ رکھتا ہو اس کا حکم خود واضح۔ اب یہ مسائل بحمد اللہ تعالٰی تمام صور کے بیان احکام کو کافی و وافی ہوگئے انھیں سے آئندہ کی زیادت و نقصان کے احکام نکل آئیں گے کہ آخر بڑھ کر انھیں سینتیس[۳۷] صورتوں میں سے ایک میں رہے گا، غایت یہ کہ تبدیل صورت ہوجائے، مثلاً پہلے جو مال تھا ضابطۂ اولٰی کی صورت یکم پر تھا، اب بڑھ کر ضابطۂ ثانیہ یا اولٰی کی دوم یا اول الصور پر ہوگیا،

وعلیٰ ہذا القیاس، یُوں ہی گھٹ کر ۳۰ صورتوں سے باہر نہ جائے گا تو کوئی حکم ایسا نہیں جسے یہ مسائل نہ بتائیں، زیادت ونقصان میں کہاں زکوٰۃ گھٹے بڑھے گی کہاں نہیں، یہ مسئلہ ثانیہ وثالثہ سے دیکھ لیجئے، امید کرتا ہوں یہ شرح ایضاح بحول الفتاح اسی تحریر فقیر کا حصۂ خاصہ ہو، والحمدُ للہ ربّ العالمین۔

اب صُورتِ جزئیہ مسئول عنہا کا حکم نکالنا کتنی بات ہے، ۶۸ تولے ۲ ماشے سونا اور ۳۴۱ تولے چاندی، اوّل ہر ایک کے نصاب الگ نکال لیجئے، ۶۸ تولے ۲ ماشے میں سونے کے ۹ نصاب کامل ہوئے جن پر ایک تولہ ۸ ماشے ۲ سُرخ سونا واجب ہُوا اور ۸ ماشے فاضل بچا کہ اپنے نصاب میں عفو ہے، ۳۴۱ تولے میں ۳۱۵ تولے کے چھ نصاب کامل جن پر ۷ تولے ۱۰ ماشے ۴ سُرخ چاندی واجب، اور ۲۱ تولے کے ۲ نصاب خمس ہُوئے جن پر ۶ ماشے ۲ ۲/۵ سُرخ واجب، ان کا مجموعہ ۸ تولے ۴ ماشے ۶ ۲/۵ سرخ سُرخ ہوا اور مال میں ۵ تولے چاندی فاضل رہی کہ اپنی نوع میں عفو ہے، اب یہ صورت ضابطۂ ثانیہ کی ہُوئی کہ دونوں جانب ایک رقم عفو قابل ضم موجود ہے، اس میں اُن چھ حالتوں کی جانچ باقی رہی، چاندی کو سونا کیجئے تو ۵ تولے چاندی عام نرخ سے اس قابل نہیں کہ ۱۰ ماشے سونے کی قیمت پہنچے جو اس ۸ ماشہ سے مل کر خمس نصاب ذہب یعنی ۱۰ تولے سونا بنائے اور زکوٰۃ واجب کرے۔ اب سونے کو چاندی کیجئے تو آج کل کے بھاؤ عہ سے ۸ ماشے سونا بیشک ۱۶ تولے چاندی سے کچھ زیادہ ہی کا ہے تو وہ اس ۵ تولے چاندی سے مل کر ۲۱ تولے چاندی مع شَے زائد ہوگا، یہ دو نصاب خمس اور حاصل ہُوئے جن پر ۶ ماشے ۲ ۲/۵ سُرخ چاندی، اور بڑھی تو دونہی کریں گے اور ۶۸ تولے سونے ۳۴۱ تولے چاندی پر ایک تولہ ۸ ماشے ۲ سرخ سونا اور ۸ تولے ۱۱ ماشے ۴/۵ سرخ چاند واجب مانیں گے ۴/۵ سُرخ کے معنی رتی کے چار خمس، جسے تقریباً ایک رتی چاندی کہیے، یہ عام بھاؤ کے اعتبار سے ہے، اور اگر بوجہ صنعت نفس مال کے کوئی قیمت بڑھ گئی ہو تو اس کا حساب مالک کو معلوم ہوگا اُس کے لیے وُہ قاعدہ ضروریہ واجب الحفظ ہم اوپر لکھ ہی چکے، غرض للہ الحمد والمنۃ۔ فقیر غفرلہ المولی القدیر نے بتوفیق المولیٰ سبحانہٗ وتعالیٰ ان مسائل کو ایسی شرح وتکمیل و بسط جلیل کے ساتھ بیان کیا ہے کہ شاید اُن کی نظیر کتب میں نہ ملے، امید کرتا ہُوں جو شخص ان سب کو بغور کامل خوب سمجھ لے وہ ہزارہا مسائلِ زکوٰۃ کا حکم ایسا بیان کرے گا جیسے کوئی عالم محقق بیان کرے، جن مسائل میں فقیر نے آج کل کے بعض مدعیانِ فقاہت وتحدیث بلکہ امامتِ فنون فقہ وحدیث کو فاحش غلطیاں کرتے دیکھا، کم علم آدمی جو ان تحریراتِ فقیر کو بنہجِ احسن سمجھ لے گا اِن شاء اللہ تعالےٰ بے تکلّف صحیح وصاف ادا کرے گا، مگر

عہ نرخ باختلافِ امصار بھی مختلف ہوتا ہے، اگر وہاں ۸ ماشے سونا ۱۶ تولے چاندی سے کم کا ہو تو نصب فضّہ میں ایک خمس کم ہو جائیگا جس کے سبب مقدار واجب سے ۳ ماشہ ۱ ۱/۵ سرخ چاندی گھٹا دیں گے ۱۲ منہ (م)

حاشا ہرگز اردو عبارت جان کر اپنی فہم پر قناعت نہ کرے کہ نازک یا غور طلب بات جو آدمی کی اپنی استعداد سے ورا ہو کسی زبان میں کیسی ہی واضح ادا کی جائے پھر نازک ہے بلکہ واجب کہ کسی عالم کامل سے ان مسائل کو پڑھ لے تاکہ بحول اللہ تعالٰی اس باب میں خود عالم کامل ہو جائے۔

واستغفر اللہ العظیم الاعظم مما جری علی لسان القلم وصلی اللہ تعالٰی علیہ سیدنا و مولانا محمد النبی الاکرم وصحبہ وبارک وسلم واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

قلم سے جو لکھا گیا اس پر عظیم و اعظم اللہ تعالٰی سے معافی طلب کرتا ہوں۔ اللہ تعالٰی کی رحمتیں نازل ہوں ہمارے آقا و مولٰی حضرت محمد نبی اکرم پر اور آپ کے آل و اصحاب پر، برکتیں اور سلام بھی۔ اللہ سبحانہ وتعالٰی خوب جانتا ہے، اور اسی کا علم کامل اتم اور مستحکم ہے۔ (ت)

مسئلہ سابعہ: صحیح تعدادِ زکوٰۃ نہ معلوم ہونے کی وجہ سے جو ہر سال مقدار واجب سے کم زکوٰۃ میں دیا گیا ہے وہ محسوب زکوٰۃ ہوا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

بیشک محسوب ہوا کہ ادائے زکوٰۃ کی نیت ضرور ہے مقدار واجب کا صحیح معلوم ہونا شرائطِ صحت سے نہیں، غایت یہ کہ ایک جزءِ واجب کے ادا میں تاخیر ہوئی اس سے مذہبِ راجح پر گناہ سہی زکوٰۃ مؤدّی کی نفی صحت تو نہیں والامر بیّن غنی عن التبیین (معاملہ واضح ہے مزید وضاحت کا محتاج نہیں۔ت) پس ہر سال جتنا زکوٰۃ میں دیا وہ قطعًا ادا ہوا اور جو باقی رہتا گیا وہ اس پر دین ہوا حتی کہ اگر کسی نصاب سے معارض ہو جائے گا تو اُسی قدر مقدار واجب گھٹ جائے گی۔ تشریح اس کی یہ ہے کہ دینِ عبد (یعنی بندوں میں جس کا کوئی مطالبہ کرنے والا ہو اگرچہ دین حقیقۃً اللہ عزوجل کا ہو، جیسے دینِ زکوٰۃ جس کا حق مطالبہ بادشاہِ اسلام اعزّ اللہ نصرہ کو ہے) انسان کے حوائجِ اصلیہ سے ہے ایسا دین جس قدر ہوگا اتنا مال مشغول بحالتِ اصلیہ قرار دے کر کالعدم ٹھہرے گا اور باقی پر زکوٰۃ واجب ہوگی اگر بقدرِ نصاب ہو، مثلاً ہزار روپے پر حولانِ حول ہوا اور اس پر پانسو قرض ہیں تو پانسو پر زکوٰۃ آئے گی اور ساڑھے نوسو دین ہے تو اصلاً نہیں کہ باقی قدرِ نصاب سے کم ہے۔ درمختار میں ہے:

لا زکوٰۃ علی مدیون للعبد بقدر دینہ فیزکی الزائد ان بلغ نصابًا۔[1]

بندہ کے قرضدار پر قرض کی مقدار پر زکوٰۃ نہیں، ہاں اگر قرض سے زائد نصاب کو پہنچ جائے تو پھر اس کی زکوٰۃ ادا کرے۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۹

اُسی میں ہے:

فارغ عن دین لہ مطالب من جھۃ العباد سواء کان ﷲ تعالٰی کزکوۃ وخراج او للعبد[1] الخ۔

اس دین سے فارغ ہو جس کا مطالبہ بندوں کی طرف سے ہے خواہ وُہ اللہ کے لیے ہو مثلاً زکوۃ و خراج یا بندے کے لیے الخ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

المطالب ھنا السلطان تقدیرا لان الطلب لہ فی زکوۃ السوائم وکذا فی غیرھا لم یبطل حقہ عن الاخذ[2] اھ ملخصا وایضاحہ فیہ۔

یہاں مطالبہ کرنے والا سلطان کو تسلیم کیا جائیگا کیونکہ چارپایوں کی زکوۃ وہی طلب کرسکتا ہے اور اس طرح ان کے علاوہ میں اس کے لیے اخذ زکوۃ کا حق باطل نہیں ہوگا اھ ملخصا اور اس کی وضاحت اس میں ہے (ت)

یونہی دو سو چالیس[۲۴۰] درم شرعی کہ ایک نصاب کامل و ایک خمس ہے (دو سو درم کی ۵۲ تولے چاندی ہوئی اور چالیس کی ۱۰ تولے) ان پر چھ درم شرعی زکوۃ کے واجب، اگر مالک جہلاً یا سہواً یا عمداً ہر سال پانچ درم دیتا گیا[ع] تو سال اول ایک درم زکوۃ کا اس پر دین رہا، دوسرے سال وُہ گویا دو سو انتالیس[۲۳۹] ہی درم کی جمع رکھتا ہے کہ ایک درہم مشغول بدین ہے تو نصاب خمس کہ دو سو کے بعد چالیس کامل تھا جاتا رہا اور اس سال صرف دو سو[۲۰۰] درہم کی زکوۃ یعنی پانچ ہی واجب ہُوئے، پس وُہ جب تک ایک درم مذکور ادا کرے یا سال تمام پر اُس کی حاجت سے فارغ ایک درم اور جمع نہ ہو جائے جب تک اس پر یہی پانچ درم واجب ہوا کریں گے البتہ ادائے دین زکوۃ کی تاخیر سے گنہگار رہوگا اور یہ گناہ اصرار کے بعد کبیرہ ہو جائیگا والعیاذ باللہ تعالٰی، اور اگر صورتِ مذکورہ میں فرض کیجئے کہ وُہ ہر سال ایک ہی درم دیتا رہا تو سالِ اول اس پر پانچ درم زکوۃ کے دین رہے، سالِ دوم میں گویا صرف دو سو پینتیس[۲۳۵] جمع ہیں اس سال وہی پانچ ہُوئے اور دیا ایک ہی، تو اب چار اور قرض ہو کر نو درم دین ہو گئے تیسرے سال تیرہ، چوتھے سال سترہ، یونہی ہر سال دینِ زکوۃ میں چار چار بڑھتے جائیں گے اور واجب وہی پانچ پانچ

ع یعنی اپنی آمدنی سے دیتا رہا اور جمع اُسی قدر قائم رہی نہ کم ہُوئی نہ زائد ۱۲ منہ (م)

---

[1] درمختار کتاب الزکوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۹
[2] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۲/ ۵

ہوتے رہیں گے کہ دو سو سے دو سو انتالیس[۲۳۹] تک پانچ ہی درم ہیں، جب سال دہم میں اکتالیس[۴۱] درم دین ہوجائیں گے تو گیارھویں سال اس پر زکوٰۃ ہی نہ ہوگی کہ جمع صرف ایک سو ننانوے[۱۹۹] ٹھہریں گے کہ نصاب سے کم میں سال یازدہم بھی اگر اس نے ایک درم حسبِ دستور دے دیا تو پھر پانچ درم واجب ہوجائیں گے کہ اب دین میں صرف چالیس درم ہے اور دو سو پورے جمع قرار پائے وعلٰی ہذا القیاس۔ غرض سنین ماضیہ میں کم دینے والا اس تفصیل حساب کو خوب سمجھ کر جتنا دین اس کے ذمّے نکلے فی الفور ادا کرے۔ ردالمحتار میں ہے:

لوکان لہ نصاب حال علیہ حولان ولم یزکیہ فیھما لازکوٰۃ علیہ فی الحول الثانی[۱] واللہ تعالٰی اعلم۔

اگر کسی کے پاس ایک ہی نصاب ہے جس پر ۲ سال گزرے حالانکہ اس نے ان میں زکوٰۃ نہیں دی تو اب دوسرے سال میں اس پر زکوٰۃ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ از شہر بریلی محلہ ملوکپور مولوی شفاعت اللہ صاحب طالب علم مدرسہ اہلسنت وجماعت بریلی

۳ ربیع الآخر ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ عرصہ تین سال سے زیور طلائی و نقرئی کی حسبِ تفصیل ذیل اور نقد روپے کی عرصہ تین سال سے مالک ہے اس کے علاوہ اثاث البیت ضروری خرچ کا بھی رکھتی ہے اور روپیہ مذکور میں سے چار روپے ماہوار عرصہ تین سال سے متواتر خرچ ہوتا رہا ہے اب مسماۃ مذکورہ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرنا چاہتی ہے کس طرح سے ادا کرے، بیان فرمائیے، زیور طلائی ۴ تولے ۱۰ ماشے ۳ سُرخ، زیور نقرئی ﷲعہ، نقد روپیہ صماعہ۔

الجواب

بیانِ سائل سے معلوم ہوا کہ زیور ہر سال اتنا ہی رہا کم وبیش نہ ہوا تو ہر سال جو سونے کا نرخ تھا اُس سے ۴ تولے ۱۰ ماشے ۳ سرخ کی قیمت لگا کر زیور نقرہ کے وزن میں شامل کی جائے گی اور ہر ساڑھے باون تولے چاندی پر اس کا چالیسواں حصّہ، پھر ہر ساڑھے دس تولے چاندی پر اس کا چالیسواں حصہ واجب آئے گا، اخیر میں جو ساڑھے دس تولے چاندی سے کم بچے معاف رہے گی، ہر دوسرے سال اگلے برسوں کی جتنی زکوٰۃ واجب ہوتی آئی مال موجود میں سے اتنا کم ہو کر باقی پر زکوٰۃ آئے گی، تین سال سے یہ نقد روپیہ بھی بدستور حساب میں شامل کیا جائیگا اور ہر دوسرے سال جتنے روپے خرچ ہوگئے کم کرلیے جائیں گے، یُوں تین سال کا مجموعی حساب کرکے جس قدر زکوٰۃ

---

[۱] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ مصطفی البابی مصر ۲/۵

قرض نکلے سب فوراً فوراً ادا کردینی ہوگی اور اب تک جو ادا میں تاخیر کی بہت زاری کے ساتھ اُس سے توبہ فرض ہے اور آئندہ ہر سال تمام پر فوراً ادا کی جائے۔ یہ اگلے تین برسوں میں اس کے سال تمام ہونے کے دن سونے کا بھاؤ دریافت کرنے میں دقت ہو تو احتیاطاً زیادہ سے زیادہ نرخ لگالے کہ زکوٰۃ کچھ رہ نہ جائے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۹ از درو ضلع نینی تال مرسلہ عبداللہ صاحب دکاندار ۵ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ پُورا نصاب کتنا ہوتا ہے جیسا کہ علمی خطبہ کے اندر تحریر کرچکے ہیں وُہ ٹھیک ہے اُن کا قول یہ ہے کہ ساڑھے سات تولے سونا ہو یا ساڑھے باون تولے چاندی ہو، دونوں میں سے ایک چیز ہو وُہ اہلِ زکوٰۃ اہلِ نصاب ہوگیا علمائے دین کو غور کرنا چاہیے کہ ساڑھے باون تولے چاندی ہے اور گھر میں چار چھ آدمی کھانے والے اور خرچ کرنے والے ہیں تو وُہ شخص اہلِ نصاب اہلِ زکوٰۃ ہوگیا، دوسری گزارش یہ ہے کہ مالا بد منہ میں لکھا چاہیے کہ کاروائی سے زیادہ ہو، سال بھر اُس پر گزر جائے، یعنی حاجت سے زائد ہو تو جس قدر ایک شخص کے پاس پچاس روپے کا کپڑا تجارت کا ہے اور اس سے اس کی اوقات بسری ہوتی ہے ساٹھ روپیہ کا زیور ہر وقت کے پہننے کا ہے اور اسّی روپے اس کے پاس نقد ہیں اور گھر میں کھانے کو کل ایک مہینے کا ہے اور پچانوے روپے مہر عورت کا ہے یعنی قرضدار ہے وہ مال نصاب کا ہوگیا یا نہیں، حضور! ہم لوگوں کا آپ پر یقین کامل ہے جب تک کوئی حکم حضور کے یہاں سے نہ ملے گا ہم کچھ نہیں کرسکتے اور ایک تحریر پیشتر حضور کی خدمت میں روانہ کرچکا ہوں اس کا کوئی جواب نہیں ملا، حضور کو غور کرنا چاہیے، یہاں پر حضور مولوی کبھی کچھ بتاتے ہیں کبھی کچھ۔ شرع کے اندر رخنہ بازی ہے ہم لوگوں کا یقین آپ پر ہے آپ جیسا لکھیں گے ویسا ہم مانیں گے آپ کے خلاف نہیں کرسکتے، ایک مسئلہ کو چار جگہ دریافت کرو علیحدہ علیحدہ راہ ہوگی اس کی کیا وجہ ہے، رائے کا اتفاق کیوں نہیں ہے ہم لوگوں کو بہت پریشانی ہوتی ہے کوئی مطلب ٹھیک نہیں ہم لوگوں پر عنایت فرمائیے اور دلی مراد پوری کیجئے۔

الجواب

فی الواقع سونے کا نصاب ساڑھے سات تولے اور چاندی کا ساڑھے باون تولے ہے ان میں سے جو اُس کے پاس ہو اور سال پُورا اس پر گزر جائے اور کھانے پہننے مکان وغیرہ ضروریات سے بچے اور قرض اسے نصاب سے کم نہ کرے تو اُس پر زکوٰۃ فرض ہے اگرچہ پہننے کا زیور ہو زیور پہننا کوئی حاجتِ اصلیہ نہیں، گھر میں جو آدمی کھانے والے ہوں اس کا لحاظ شریعتِ مطہرہ نے پہلے ہی فرمایا، سال بھر کے کھانے پینے پہننے تمام مصارف سے جو بچا اور سال بھر رہا اُسی کا تو چالیسواں حصہ فرض ہوا ہے اور وہ بھی اس لیے کہ تمھیں آخرت میں بھی عذاب سے نجات ملے جس سے آدمی تمام جہان دے کر چھوٹنے کو غنیمت سمجھے اور دُنیا میں تمھارے مال میں ترقی ہو برکت ہو یہ خیال کرنا کہ زکوٰۃ سے مال گھٹے گا نرا ضعفِ ایمان ہے۔ مولیٰ تعالیٰ قرآن عظیم میں ارشاد فرماتا ہے کہ وُہ زکوٰۃ کو ترقی و افزونی دیتا رہے جسے وہ بڑھائے وہ کیونکر گھٹ سکتا ہے، یہ

خیال کر اس وقت اگر سو روپیہ میں سے ڈھائی روپے حکم ماننے میں اُٹھا دیں گے تو آئندہ بال بچے کیا کھائیں گے ، محض شیطانی وسوسہ ہے ۔ زکوٰۃ سے اگر برکت بھی ملتی تو ڈھائی روپیہ سو میں سے کم ہو جاتا رزق نہ چھینتا ، آئندہ سال اگر مال بڑھ گیا کہ سال بھر کا بال بچوں سب کا خرچ ہُوا اور وُہ روپیہ بدستور رکھے رہے جب تو اس وسوسہ کا جھوٹ ہونا علانیہ ظاہر ہو جائے گا اور اگر اُن میں سے کھانے پینے کی حاجت پڑی یہاں تک کہ نصاب سے کم رہ گیا تو اب آپ سے کوئی زکوٰۃ نہ مانگے گا مگر بال بچوں کی فکر اگلے سال کے لیے کیا ہوگی ، وُہ جو جمع تھے کھانے پینے میں اُٹھ گئے اور اب زکوٰۃ بھی نہیں جس کے سر الزام دھرو ، آگے کیونکر جیو گے ، ایسی کمزوریاں شیطان سکھاتا ہے ، عورت کا مہر جس کا مطالبہ بعد موت یا طلاق ہوتا ہے اور عمر بھر ادا کا خیال تک نہیں آتا اُسے زکوٰۃ نہ دینے کا حیلہ نہ بنانا چاہیے ۔ وھو تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ۴۴ برس ہوئے جو میں ۱۳ تولے ۶ ماشے سونے اور عہ بھر چاندی کی مالک ہوئی ، چاندی تو دس برس تک بدستور رہی ، گیارھویں سال خرچ ہوگئی ، اور سونا دو برس تک اُسی قدر رہ کر تیسرے سال پانچ تولہ خرچ ہوگیا کہ سال تمام میں صرف ۸ تولے ۶ ماشے تھا پانچویں سال ڈھائی تولہ اور خرچ ہوا کہ سال تمام میں صرف ۶ تولہ تھا اور وہی بیالیس برس تک رہا ، پھر وُہ بھی اپنی دختر کو ہبہ کردیا ، جن برسوں تک وُہ چاندی میرے پاس تھی بلکہ اُس کے بعد بھی سونے کا بھاؤ عہ تولہ رہا اور چاندی روپیہ کی روپیہ بھر ، اس صورت میں مجھ پر زکوٰۃ کس قدر واجب ہے ؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

ظاہر ہے کہ:

سالِ اوّل میں سونا بقدرِ نصاب بلکہ زائد ہُوا اور چاندی نصاب تک بھی نہ پہنچی تو اُسی کے سونے سے قیمتاً ضم کریں گے اُس وقت کے نرخ سے عہ کا ۳ تولہ ۱ ماشہ ۴ سرخ سونا ہُوا تو گویا اُس سال ۱۶ تولے ، ۷ ماشہ ۴ سرخ سونا تھا جس میں ۱۵ تولے دو نصاب کامل ہیں اُن پر واجب ۴ ماشہ ۴ سرخ سونا اور ڈیڑھ تولہ نصاب خمس ہے جس پر واجب ۳ ۳/۵ سرخ ، کل واجب ۴ ماشے ، ۷ ۳/۵ سرخ ، باقی ایک ماشہ ۴ سرخ عفو رہا۔

سالِ دوم بعد اخراج دین زکوٰۃ گویا ۱۶ تولے ۲ ماشہ ۴ ۲/۵ سرخ سونا تھا جس میں دو نصاب کامل کا واجب ۴ ماشہ ۴ سرخ ، باقی ایک تولہ ۲ ماشہ ۴ ۱/۵ سرخ عفو ، مجموع واجبین ۹ ماشہ ۳ ۳/۵ سرخ۔

سالِ سوم صرف ۸ تولے ۶ ماشے سونا تھا کہ بعد ضم فضہ ۱۱ تولے ۷ ماشے ۴ سرخ ہوا اس سے مجموع واجبین منہا کیا تو ۱۰ تولے ۱۰ ماشہ ۲/۵ سرخ سونا بچا کہ ایک نصاب کامل ہے واجب ۲ ماشہ ۲ سرخ اور دو نصاب خمس واجب ۷ ۱/۵ سرخ ، کل واجب ۳ ماشہ ۱ ۱/۵ سرخ ، باقی ۱۰ تولے سے جو زائد تھا عفو ہوا ۔ کل واجبات ایک تولہ ۴ ۴/۵ سرخ۔

سالِ چہارم بھی اُتنا ہی سونا یعنی ۱۱ تولے ۷ ماشے ۴ سرخ تھا بعد اخراج واجبات ۱۰ تولے ۶ ماشہ ۱/۵ سرخ بچا کہ اس پر بھی وہی نصاب کامل و دو نصاب خمس کا ۳ ماشہ ۱ ۱/۵ سرخ واجب ہوا، زیادہ کی رتیاں عفو ہیں، کل واجبات ایک تولہ ۳ ماشہ ۶ سرخ۔

سالِ پنجم صرف ۹ تولے سونا تھا کہ بعد اخراج واجبات ۴ تولہ ۸ ماشہ ۲ سرخ رہا، یہ بھی نصاب نہیں اور اُدھر چاندی بھی نصاب نہیں، اب اگر سونے کو چاندی کرتے ہیں تو اس کی قیمت ــعــہ ہو کر ماعــــہ کی چاندی ٹھہرتی ہے جس میں دو نصاب کامل ماعــہ، ایک نصاب خمس لعــہ ۳/ ۲ ۲/۵ پائی، کل ماعــــہ ۳/ ۲ ۲/۵ پائی، باقی عــہ ۱۲/ ۹ ۳/۵ پائی عفو، اور اگر چاندی کو سونا کرتے ہیں تو ــعــہ کا ۳ تولے ۱ ماشہ ۴ سرخ سونا مل کر کل سونا ۷ تولہ ۹ ماشہ ۶ سرخ قرار پاتا ہے جس میں صرف ایک نصاب کامل، باقی ۳ ماشے ۶ سرخ سونا معاف رہے گا۔ ظاہر ہے کہ عفو اُس عفو سے کہیں زیادہ ہے تو اس صورت میں نفعِ فقراء چاندی ہی کرنے میں ہے لہذا وہی کریں گے اور ۲ تولہ ۱۰ ماشہ ۵ ۱/۵ سرخ چاندی واجب مانیں گے۔

سالِ ششم سونا وہی ۴ تولہ ۸ ماشہ ۲ سرخ ہے مگر چاندی بوجہ دینِ سالِ پنجم گھٹ گئی ــعــہ کی چاندی کا وزن ۴۶ تولے ۱۰ ماشے ۴ سرخ ہے جس سے واجب سالِ پنجم گھٹا کر ۴۳ تولے ۱۱ ماشے ۶ ۴/۵ سرخ چاندی بچی۔ کل کو چاندی کرتے ہیں تو سونے کے ــعــہ روپیہ کے ۷۰ تولے ۳ ماشے ۶ سرخ چاندی مل کر کل چاندی ۱۱۴ تولے ۳ ماشے ۴ ۴/۵ سرخ ہوتی ہے جس میں ۱۰۵ تولے کے صرف دو نصاب کامل، باقی ۹ تولے ۳ ماشے ۴ ۴/۵ سرخ عفو رہے گی، اور کل کو سونا کرتے ہیں تو ۴۳ تولے ۱۱ ماشے ۶ ۴/۵ سرخ چاندی کا سونا ۲ تولے ۱۱ ماشے ۱ ۱۳/۲۵ سرخ ملا کر کل سونا ۷ تولے ۷ ماشے ۳ ۱۳/۲۵ سرخ ہوا جس میں ۷ ۱/۲ تولے نصاب کامل اور صرف ایک ماشہ ۳ ۱۳/۲۵ سرخ عفو بچا، پُر ظاہر ہے کہ یہ عفو عفوِ سیم سے بہت کم ہے لہذا اس سال سونا ہی کریں گے اور ۲ ماشہ ۲ سرخ طلا واجب مانیں گے، کل واجباتِ ذہب ایک تولہ ۶ ماشہ، فضہ ۲ تولے ۱۰ ماشے ۵ ۱/۵ سرخ۔

سالِ ہفتم چاندی تو وہی ۴۳ تولے ۱۱ ماشے ۶ ۴/۵ سرخ رہی مگر سونا صرف ۴ تولے ۶ ماشے رہا کہ واجب سالِ ششم نکل گیا جس کا ۶۷ تولے ۶ ماشے چاندی، تو چاندی کرنے میں کل فضہ ۱۱۱ تولے ۵ ماشے ۶ ۴/۵ سرخ جس میں وہی دو نصاب کامل نکل کر ۶ تولے ۵ ماشے ۶ ۴/۵ سرخ عفو ہوگی اور سونا کرنے میں کل ذہب ۷ تولے ۵ ماشے ۱ ۱۳/۲۵ سرخ ہوتا ہے کہ نصاب سے بھی گھٹ کر سب عفو ہوا جاتا ہے، لہذا اس سال سب چاندی ہی کریں گے اور وہی ۲ تولے ۱۰ ماشے ۵ ۱/۵ سرخ سیم واجب مانیں گے، اب کل واجباتِ ذہب وہی ایک تولہ ۶ ماشہ، اور فضہ ۵ تولے ۹ ماشے ۲ ۲/۵ سرخ۔

سالِ ہشتم سونا وہی ۴ تولے ۶ ماشے اور چاندی ۴۱ تولے ایک ماشہ ۱ ۳/۵ سرخ رہی کہ واجب سالِ ہفتم

خارج ہوگیا، ظاہر ہے کہ اب کبھی سونا نہیں کرسکتے کہ جب سالِ ہفتم چاندی ۲ تولے ۱۰ ماشے ۵ ۱/۵ سرخ اس سے زائد تھی وہ اس سونے میں مل کر تو نصاب ذہب نہ بنا تی تھی اب اتنی گھٹ کر کس طرح نصاب بنا سکے گی، لہذا اس سونے کے وہی ۶۲ تولے ۶ ماشے چاندی ملا کر کل چاندی ۱۰۸ تولے، ماشے ۱ ۳/۵ سرخ مانی، اس میں بھی ۱۰۵ تولے پر وہی ۲ تولے ۱۰ ماشے ۵ ۱/۵ سرخ سیم واجب ہوئی، باقی معاف، وہی کل واجباتِ ذہب ایک تولہ ۶ ماشے، فضہ ۸ تولے، ماشے، ۳/۵ سرخ۔

سال نہم واجب سالِ ہشتم گھٹ کر مع سیم ذہب کُل چاندی ۱۰۵ تولے ۸ ماشے ۴ ۴/۵ سرخ بچی جس پر تولوں کے، تولے کی کسریں عفو ہو کر واجب مذکور لازم آیا، کل واجباتِ ذہب بدستور، فضہ ۱۱ تولے ۶ ماشے ۴ ۳/۵ سرخ۔

سال دہم واجب سالِ نہم گھٹ کر کل چاندی ۱۰۲ تولے ۹ ماشے، ۱/۵ سرخ بچی، اب دوسرا نصاب کامل نہ رہا کہ ۹۰ روپے ایک نصاب کامل اور چار نصاب خمس ہیں جن پر واجب ۲ تولے، ماشے ۴ سرخ۔ کل واجباتِ ذہب بدستور۔ فضہ ۱۴ تولے ۲ ماشے ۳/۵ سرخ۔

سال یازدہم میں چاندی نہ رہی اور سونا کہ باقی رہا قابلِ نصاب نہیں، لہذا دس سال کے بعد آج تک کچھ واجب نہ ہوا اور کل مطالبہ سونا ڈیڑھ تولہ، چاندی ۱۴ تولے ۲ ماشے ۳/۵ سرخ لازم آیا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱ از مفتی گنج ضلع پٹنہ ڈاک خانہ ایکھنگر سرائے مرسلہ محمد نواب صاحب قادری و دیگر سکانِ مفتی گنج ۲۷ رمضان شریف ۱۳۱۸ھ

زید کی بیوی ہندہ صاحبِ نصاب ہے اور مال از قسم زیورات ہے جو خاص ہندہ کی ملکیت ہے یعنی وہ اپنے میکے سے لائی ہے زید اس کو ہدایت ادائے زکوٰۃ کی کرتا ہے مگر اس کی سمع قبول میں نہیں آتی ہے تو یہ فرمائیے کہ شوہر سے اُس کے عصیاں پر مواخذہ ہے یا نہیں اور اس کی طرف سے درانحالیکہ اس کی آمدنی وجہ کفاف سے بیش نہیں ادائے زکوٰۃ کا مکلف شرعاً ہوسکتا ہے یا نہیں اور اُس عورت پر زجر اور فہمائش کی ضرورت ہو تو کس حد تک، اور اگر زید نے اپنے روپیہ سے کچھ زیور بنوا کر ہندہ کو دیا ہو تو اس زیور پر کیا حکم ہے؟

الجواب

زیور کہ ملکِ زن ہے اس کی زکوٰۃ ذمہ شوہر ہرگز نہیں اگرچہ اموالِ کثیرہ رکھتا ہو، نہ اس کے نہ دینے کا اس پر کچھ وبال لاتزر وازرۃ وزر اخرٰی[1] (کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائیگی۔ ت)

---

[1] القرآن ۶/ ۱۶۴

اس پر تفہیم وہدایت اور بقدر مناسب تنبیہ وتاکید (جس کی حالت اختلاف حالات مرد وزن سے مختلف ہوتی ہے) لازم ہے قوا انفسکم و اھلیکم نارا[1] (اپنے آپ اور اپنے اہل کو آگ سے بچاؤ۔ت) اور وہ زیور کہ عورت کو دیا اور اس کی مِلک کر دیا اُس پر بھی یہی حکم ہے، اور اگر مِلک نہ کیا بلکہ اپنی ہی مِلک میں رکھا اور عورت کو صرف پہننے کو دیا تو بیشک اس کی زکوٰۃ مرد کے ذمّہ ہے جبکہ خود یا دوسرے مال سے مل کر قدر نصاب فاضل عن الحاجۃ الاصلیہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۲ مرسلہ عبدالصبور صاحب سوداگر ۶ ذی الحجہ ۱۳۲۱ھ

ایک شخص نے ایک ہزار روپے کسی روزگار میں لگائے، بعد سال ختم ہونے کے اُس کے پاس مال دو سو روپیہ کا رہا اور قرض میں پانچ سو روپیہ رہا اور نقد میں چار سو روپیہ مع منافع ایک سو کے رہا، آیا کُل گیارہ سو روپیہ کی زکوٰۃ نکالی جائے یا کس قدر کی؟

الجواب

سالِ تمام پر کُل گیارہ سو کی زکوٰۃ واجب ہے مگر چار سو نقد اور دو سو کا مال اُن کی زکوٰۃ فی الحال واجب الادا ہے اور پانچسو کہ قرض میں پھیلا ہُوا ہے جب اس میں سے بقدر گیارہ روپے تین آنے ۲⅖ پائی کے وصول ہوتا جائے اُس کا چالیسواں حصّہ ادا کرتا رہے اور اگر فی الحال سب کی زکوٰۃ دے دے تو آئندہ کے بار بار محاسبہ سے نجات ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۳ از شہر مسئولہ منشی شوکت علی صاحب محرر چونگی ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ حساب قیمت کا جس وقت زیور بنوایا تھا وہ رہے گا یا نرخ بازار جو بروقت دینے زکوٰۃ کے ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

سونے کے عوض سونا، چاندی کے عوض چاندی زکوٰۃ میں دی جائے جب تو نرخ کی کوئی حاجت ہی نہیں، وزن کا چالیسواں حصہ دیا جائے گا، ہاں اگر سونے کے بدلے چاندی یا چاندی کے بدلے سونا دینا چاہیں تو نرخ کی ضرورت ہوگی، نرخ نہ بنوانے کے وقت کا معتبر ہو نہ وقت ادا کا، اگر ادا سالِ تمام کے پہلے یا بعد ہو جس وقت یہ مالکِ نصاب ہُوا تھا وہ ماہ عربی و تاریخ وقت جب عود کریں گے اس پر زکوٰۃ کا سال تمام ہوگا اس وقت کا نرخ لیا جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

[1] القرآن ۶۶/۶

مسئلہ ۲۴ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے پاس تخمیناً ۵۲ تولے چھ ماشہ زیور طلائی موجود ہے اور علاوہ اس کے تخمیناً ۱۵ تولے زیور نقرئی و ۲ تولے زیور طلائی بالعوض مبلغ عـــہ روپیہ کی رہن ہے اور عـــہ روپے نقد بھی موجود ہیں اور مالِ تجارت میں کہ جو فروخت سے باقی رہ گیا ہے وہ تخمیناً ماللعــہ ۱۲/۱۳۶ کا ہے تو اس میں زکوٰۃ کس طور سے ادا کی جائے گی۔

الجواب

اتنا زیور رہن ہے اس کے دو معنے ہوسکتے ہیں، ایک یہ کہ اتنا زیور دوسرے شخص کا اس کے پاس عـــہ پر رہن ہے، دوسرے یہ کہ اتنا زیور اس کا دوسرے کے پاس عـــہ پر رہن ہے، پہلی صورت میں وہ زیور اس کا نہیں اس کی زکوٰۃ اس پر نہیں ہوسکتی، بلکہ اُس چھپن ۵۶ پر زکوٰۃ ہوگی جو اس نے اُس راہن کو قرض دئے ہیں اور اُس تقدیر پر اس کے پاس مالِ زکوٰۃ یہ ہوا دو ماشے سونا ۵۲ تولے چاندی اور عـــہ روپیہ اور ماللعــہ ۱۲/ کا مالِ تجارت ۲ ماشے سونا ہونے کا نصاب نہیں اسے بھی چاندی میں شامل کیا جائے گا اگر للعــہ تولے کا ہے تو چار روپے اس کے پڑیں گے اور ۵۲ تولے ۶ ماشے وزن کے عـــہ ہوئے تو کل مال ماللعــہ ۱۲/۲۶۲ بھر چاندی ہوا، جس میں چار نصاب کامل ماللعــہ ہیں اور چار خمس نصاب للعــہ ۱۲/ ۹ ۳/۵ پائی اُس پر واجب ۶ تولے ۳ ماشے ۴ ۴/۵ رتی چاندی ہوئی باقی عفو ہے، دوسری صورت میں وہ زیور اسی کا ہے مگر اس کی زکوٰۃ اس پر واجب نہیں جب تک وہ قبضۂ مرتہن میں رہے، اس تقدیر پر فی الحال اس کے پاس مالِ زکوٰۃ یہ ہوا دو ماشے سونا ۵۲ تولے اور چھ ماشہ چاندی اور ماعـــہ ۱۲/ نقد و مالِ تجارت جس میں سے عـــہ دین کے نکل کر ایک سو روپیہ بارہ ۱۲ آنے رہے، سونا چار روپے کا ہو تو کل ماعـــہ ۱۲/ ہوئے جس میں دو نصاب کامل ماعـــہ ہیں اور چار خمس نصاب للعــہ ۳/۵ پائی، اُس پر واجب ۳ تولے ۸ ماشے ۳/۵ رتی چاندی ہوئی، باقی عفو ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۵ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ادائے زکوٰۃ کے واسطے چاندی کا نصاب کس قدر روپیہ یا کس قدر وزن ہے اور ایسے ہی سونے کا کس قدر ہے؟ رانی کھیت میں چند دنوں سے ایک عالم واعظ وارد ہیں، انھوں نے وعظ میں فرمایا کہ پانچ کم دو سو پر زکوٰۃ فرض نہیں، جس وقت دو سو روپے پورے ہوجائیں اور ایک سال اُن پر گزر جائے اس وقت زکوٰۃ دینا فرض ہوگی اور روپیہ رائج الوقت گورنمنٹ انگلیشیہ کا، جس کا وزن سوا گیارہ ماشے ہے۔ بینوا توجروا

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب (اے اللہ! حق اور صواب کی ہدایت عطا فرما۔ ت) چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولے ہے جس کے سکہ رائجہ سے چھپن ۵۶ روپے ہوئے، اور سونے کا نصاب ساڑھے سات تولے۔

درمختار میں ہے :

نصاب الذهب عشرون مثقالا والفضة مائتا درهم کل عشرة دراهم وزن سبعة مثاقیل[1]

سونے کا نصاب بیس مثقال اور چاندی کا دو سو درہم جن سے ہر دس درہم کا وزن سات مثقال ہو سکے (ت)

مثقال ساڑھے چار ماشے ہے تو درہم کہ اس کا ۷/۱۰ ہے تین ماشے ایک رتی اور پانچواں حصہ رتی کا ہوا۔ کشف الغطاء میں ہے :

مثقال بیست قیراط وقیراط ایک جبہ وچہار خمس جبہ وجبہ کہ آنرا بفارسی سرخ گویند ہشتم حصہ ماشہ است پس مثقال چہار ونیم ماشہ باشد[2]

مثقال بیس قیراط، اور قیراط ایک رتی اور رتی کے خمس کی چوتھائی ہوتا ہے، رتی جسے فارسی میں سرخ کہا جاتا ہے ماشہ کا آٹھواں حصہ ہوتا ہے، تو ایک مثقال ساڑھے چار ماشے کا ہوگا۔ (ت)

جواہر الاخلاطی میں ہے :

الدرهم الشرعي خمس وعشرون حبة وخمس حبة[3]

یعنی درہم شرعی پچیس رتی اور پانچواں حصہ رتی کا ہے۔

اب حساب سے واضح ہو سکتا ہے کہ دو سو درم نصاب فضہ کے ۵۲ تولے ۶ ماشے اور بیس مثقال، نصاب ذہب کے، ۷ تولے ۶ ماشے ہوئے اور یہاں کا روپیہ کہ ۱۱ ماشہ ہے اس سے ۵۶ روپے دو سو درم کے برابر ہوئے، یہی وزن معین متون مذہب وعامہ شروح وفتاوٰی میں ہے، ردالمحتار میں فرمایا :

علیه الجم الغفیر والجمهور الکثیر واطباق کتب المتقدمین والمتاخرین[4]

جم غفیر اور جمہور اسی پر ہیں اور کتب متقدمین و متاخرین کا اسی پر اتفاق ہے۔ (ت)

تو اس کے خلاف پر عمل جائز نہیں، عقود الدریہ وغیرہا کتب کثیرہ میں ہے: العمل بما علیه الاکثر[5] (عمل اسی پر ہوگا

---

[1] درمختار — کتاب الزکوٰۃ — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/ ۱۳۴

[2] کشف الغطاء — فصل در احکام دعا وصدقہ — مطبع احمدی دہلی — ص ۶۸

[3] جواہر الاخلاطی — کتاب الزکوٰۃ — غیر مطبوعہ قلمی نسخہ — ص ۴۴

[4] ردالمحتار — " — مصطفی البابی مصر — ۲/ ۳۲

[5] " — " — " — ۱/ ۱۶۶

جس پر اکثریت ہو۔ت) فقیر نے اپنی تعلیقات حاشیۂ شامی میں لکھا:

اقول ویظهر للعبد الضعیف انه الاوجه فان الشرع المطهر انما اعتبر النصاب تحدیدا لغنی یوجب الزکوٰة والغنی بالمالیة النامیة دون العدد فمن ملك مائة ساوت مائتی درهم فقد ساوی الغنی الشرعی فی الموجب ارأیت لو تعورف فی بلد درهم یساوی فی الوزن مائتی درهم ولم یوجب علیه الا بعد ما یملك مائتین من هذا کان حاصله ان من ملك فی العرب مثلا هذا القدر من الفضة کان غنیا قد انعقد علیه النصاب ومن ملك فی ذلك البلد قریبا من مائتی امثال تلك الفضة یکون فقیراً لایخاطب بالزکوٰة بل یحل له اخذ الزکوٰة فیؤل الی ان من ملك قدر ربیة یأمره الشرع بان یعطی من ربیته لمن یملك مائتی ربیة الا واحدة مسدا لخلته فانه لقلة ماله فقیر وهذا غنی هذا مما لا یقبله العقل فافهم، والله تعالٰی اعلم اھ ما کتبته۔[1]

اقول اس عبدِ ضعیف پر واضح ہوا ہے کہ یہی مختار ہے کیونکہ شریعتِ مطہرہ نے غنا کی حدبندی کرتے ہوئے ایسے نصاب کا اعتبار کیا ہے جو زکوٰۃ کے وجوب کا سبب ہو اور غنا مالیتِ نامیہ کی وجہ سے ہے نہ کہ تعداد کی وجہ سے۔ پس جو شخص ایسے سَو کا مالک ہوا جو دوسو درہم کے برابر ہے تو وہ موجب میں غنائے شرعی کے برابر ٹھہرا۔ بتائیے اگر کسی شہر میں ایک ایسا درہم رواج پائے جس کا وزن دوسو درہم کے برابر ہو، تو کیا اس پر زکوٰۃ صرف اس صورت میں واجب ہوگی جب وہ اس درہم جیسے دوسو درہم کا مالک بنے، تو حاصل یہ ہوگا کہ کوئی عرب دوسو درہم کے برابر چاندی کا مالک بن جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوجائے کیونکہ وہ نصاب کا مالک ہو کر غنی ہوگیا، اور جو شخص اس بھاری درہم والے شہر میں اس چاندی کے دوسوگنا کے قریب کا مالک بنے وہ فقیر رہے اور نصاب کا مالک نہ ہونے پر زکوٰۃ لے سکے، تو گویا عدد کے اعتبار سے بات یُوں ہُوئی کہ جو شخص ایک روپے کی مقدار کا مالک ہو اسے شریعت حکم دے رہی ہے کہ وہ اپنے ایک روپے سے اس شخص کو زکوٰۃ دے جو ایک کم دوسو روپے کا مالک ہے تاکہ اس کی حاجت پُوری ہوسکے کیونکہ یہ قلتِ مال کی وجہ سے فقیر ہے اور ایک روپے والا غنی ہے، اور یہ ایسی چیز ہے جسے عقل قبول نہیں کرتی، غور کیجئے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۶، ۲۷: از اٹاوہ کچہری کلکٹری مرسلہ مولوی وصی علی صاحب ۴ ربیع الاول شریف ۱۳۲۷ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی فی ھاتین المسألتین (اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے ان دو مسئلوں میں

---

[1] جد الممتار باب زکوٰۃ المال مطبع مبارکپور (بھارت) ۲/۱۲۸

آپ کا کیا ارشاد ہے۔ت):

(۱) زید اس وقت ۸ تولے ۶ ماشے زیور طلائی اور ۹۷ تولے ۶ ماشے زیور نقرئی کا مالک ہے۔

(۲) عمرو سَو تولے چھ ماشے زیور طلائی اور ۱۵۲ تولے ۳ ماشے زیور نقرئی کا مالک ہے، دونوں کو کس قدر زکوٰۃ ادا کرنی چاہئے۔ المستفتی عبدالودود

بموجب ضوابط مندرجہ تحفۂ حنفیہ میں نے اس کو یُوں نکالا ہے:

(۱) ۸ تولے ۶ ماشے جس میں سے ۷ ½ تولے نصاب سونے کے بعد خمس ڈیڑھ تولہ تک نہیں پہنچا لہذا ۲ ماشے ۲ رتی واجب الادا زکوٰۃ ہُوئی اور ایک تولہ عفو ہوا، ۹۷ تولے ۶ ماشے میں ایک نصاب چاندی ۵۲ تولے اور ۲ خمس ۲۱ تولے، کل ۷۳ تولے پر ایک تولہ ۱۰ ماشے ۲/۵ رتی واجب الادا اور ۶ تولے چاندی عفو ہوئی۔ اب دونوں عفو بلحاظ انفع للفقراء ایک تولہ سونے کی ۲۳ تولے ۶ ماشے چاندی اس طرح ہُوئی کہ ایک تولہ سونا بحساب نرخ حال برابر ہے عہ روپے کے اور عہ کی چاندی معہ، پس معہ چاندی اس طرح ہُوئی کہ ایک تولہ سونا بحساب نرخ حال برابر ہے عہ روپے کے اور عہ روپے کی چاندی معہ پس معہ چاندی میں ۶ تولے چاندی جو عفو تھی شامل کی گئی تو ۴۱ تولے ۹ ماشے ہُوئی جس میں ۶ ماشے کم چار خمس ہیں:

(ا) پُورے چار خمس کا ربع عشر ۱۲ ماشے ۴ ۴/۵ سُرخ لیے جو ایک تولہ ۱۰ ماشے ۲/۵ واجب پر بڑھائے تو ۲ تولے ۱۰ ماشے ۵ ۱/۵ سرخ واجب الادا ہُوا۔

(ب) اگر تین نصاب خمس ۲۱ ½ تولہ اضافہ کیا جائے تو ۹ ماشے ۳ ۳/۵ اضافہ ہوا اور دس تولے کچھ فاضل ہوگا اور ۲ تولے ۷ ماشے ۴ رتی واجب ہوگا، اگر یہ حساب صحیح ہے تو کون سا اختیار کیا جائے، الف یا ب؟

(۲) عمرو والے معاملہ میں اسی طریقہ سے ۱۰۶ ½ تولہ سونے میں ۲ نصاب ۱۵ تولے اور ایک خمس ۱ ½ تولہ ہے تو دو نصاب کے ۴ ماشے ۴ سُرخ اور خمس کا ۳ ۳/۵، کل ۴ ماشے ۷ ۳/۵ سرخ واجب الادا ہوتا ہے اور عفو کچھ نہیں، اور ۱۵۲ تولے ۳ ماشے چاندی میں ۲ نصاب ۱۰۵ تولے اور تین خمس ۳۱ ½ تولے مجرا ہو کر ۹ تولے ۹ ماشے عفو رہتا ہے اور ۲ نصاب کے ۵ تولے ۳ ماشے اور تین خمس کا ربع عشر ۹ ماشے ۳ ۳/۵ سرخ ہوں گے، ۶ تولے ۲ ۳/۵ سرخ واجب الادا ہوتا ہے اب ایک جانب عفو نہیں اور دوسری جانب ہے اس صورت میں ۹ تولے ۹ ماشے عفو کو چھوڑ دیا جائے یا اس کو سونا کیا جائے، اگر سونا کیا جائے تو اس کے خمس کا ربع عشر لے کر ۴ ماشے ۷ ۳/۵ سرخ اضافہ کیا جائے یا کیا؟ بینوا توجروا۔

الجواب

زکوٰۃ عمرو کا حساب صحیح ہے مگر ۹ تولے ۹ ماشے چاندی جبکہ سونا کرنے سے ۱ ½ تولہ سونے کی قدر نہ ہو تو اُسے

نصابِ ذہب میں ملانے کی کوئی وجہ نہیں بلکہ صورتِ مذکورہ میں وُہ مطلقاً عفو رہے گی، ہاں اگر اپنی صنعت کی وجہ سے اُس مقدار تک پہنچ جائے یا بڑھ جائے تو جتنے خمس نصابِ ذہب اس میں پیدا ہوں گے اُن کا ربع عشر زکوٰۃِ ذہب پر زیادہ کرلیا جائے گا باقی جو خمس کامل سے کم رہا چھوڑ دیا جائے گا، حسابِ زکوٰۃِ زید میں تین سہو واقع ہوئے:

(۱) تولہ بھر سونا کہ اپنی نوع میں عفو تھا جبکہ نرخ حال سے پچیس روپے کا ہے تو اُسے پچیس ہی روپیہ بھر چاندی قرار دیں گے جس کی تئیس ۲۳ تولے پانچ ماشے دو رتی چاندی ہُوئی کہ روپیہ سوا گیارہ ماشے کا ہے نہ یہ کہ تولہ بھر سونے کی قیمت ۲۵ روپیہ لے کر پھر ان ۲۵ روپے کی چاندی خریدیں اور ۲۷ تولے چاندی قرار دیں قیمت سکّہ ہی سے لگائی جاتی ہے نہ کہ پتھر یا اینٹ سے۔ فتح القدیر میں ہے:

التقویم فی حق اللہ تعالٰی یعتبر بالتقویم فی حق العباد متی قوّما المغصوب او المستھلك نقوم بالنقد الغالب کذا ھنا[1]۔

اللہ تعالٰی کے حق میں قیمت لگانے کا اعتبار اسی طرح ہوگا جو بندوں کے حق میں مفید ہو جب ہم کسی مغضوب یا ہلاک شدہ چیز کی قیمت لگائیں گے تو نقد غالب سے لگائیں گے، اسی طرح یہ ہے۔ (ت)

فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

یقوم بالمضروبۃ کذا فی التبیین[2]۔

مضروبہ سے قیمت لگائی جائے گی، جیسا کہ تبیین میں ہے۔ (ت)

پس مقدار مذکور ۶ تولے عفو سیم میں ملانے سے ۲۹ تولے ۵ ماشے ۲ رتی چاندی ہوئی جس میں صرف ۲ خمس ہیں جن پر ۶ ماشے ۲ ۲/۵ سرخ اور واجب ہو کر کل واجب ذمہ زید سونا ۲ ماشے ۲ سرخ چاندی ۲ تولے ۷ ماشے ۲ ۲/۵ سرخ۔

(۲) ۲۵ روپوں کے پھر ۲۷ تولے چاندی اگر کی جائے تو ۶ تولے عفو سے مل کر ۳۳ تولے ہوتی نہ کہ ۴۱، یہ لغزشِ قلم تھی۔

(۳) اگر بالفرض ۲۷ تولے اور ملاتے اور حاصل جمع ۴۱ ہی تولے ہوتا تو حساب ب متعین تھا الف کی طرف کوئی راہ نہ تھی کہ جو خمس سے چاول بھر بھی کم ہے وہ خمس کامل ہرگز نہ مانا جائے گا، یہ ہمیشہ یاد رکھا جائے اور فائدہ اولٰے خوب سمجھ لیا جائے کہ فقیر کا ضابطہ جو تحفہ حنفیہ میں چھپا اس میں اس کی صاف تصریح کی گئی تھی اس کا جاننا اس کے

---

[1] فتح القدیر فصل فی العروض مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۱۶۸

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی فی العروض نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۷۹

ضوابط کے اجرا پر معین ہو گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۸ تا ۳۱ از شہر ملوک پور مرسلہ جناب سید محمد علی صاحب نائب ناظر فرید پور ۳۰ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں:

(۱) زکوٰۃ زیور طلائی و نقرئی پر کس حساب سے دی جائے، آیا قیمتِ خرید پر یا جو قیمت اس کی خرید کرنے سے ملتی ہے؟

(۲) زرِ نقد پر زکوٰۃ ۲/۱-۲ سیکڑہ ہے یا اس سے کم و بیش؟

(۳) زکوٰۃ کن کن اشیاء پر واجب ہے؟

(۴) صدقۂ فطر و زکوٰۃ والدین کی جانب سے اولاد اور اولاد کی جانب سے والدین جبکہ خورد و نوش یکجا ہو دے سکتے ہیں؟

الجواب

(۱) سال تمام پر بازار کے بھاؤ سے جو قیمت ہو اس کا لحاظ ہو گا، اگر مختلف جنس سے زکوٰۃ دینا چاہیں مثلاً سونے کی زکوٰۃ میں چاندی، ورنہ سونے چاندی کی خود اپنی جنس سے زکوٰۃ دیں تو وزن کا اعتبار ہے قیمت کا کچھ لحاظ نہیں۔

(۲) صاحبین کا یہی مذہب ہے اور اس میں فقیر کا نفع زیادہ ہے اور دینے والے کو بھی حساب کی آسانی ہے۔

(۳) سونا چاندی اور مالِ تجارت اور چرائی پر چھوٹے ہوئے جانور۔

(۴) خورد و نوش یکجا ہو یا ان میں دوسرے کی طرف سے کوئی فرض و واجب مالی ادا کرنے کے لیے اس کی اجازت کی حاجت ہے، اگر بالغ اولاد کی طرف سے صدقۂ فطر یا اس کی زکوٰۃ ماں باپ نے اپنے مال سے ادا کر دی یا ماں باپ کی طرف سے اولاد نے اور اصل جس پر حکم ہے اس کی اجازت نہ ہوئی تو ادا نہ ہو گی واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۳۲ ایک شخص کے پاس گیارہ تولے سونا اور دو سیر چاندی ہے تو اس کو کس قدر زکوٰۃ دینا چاہیے، یعنی ان دونوں کی مقدار تحریر فرمائیے کہ اس قدر سونے کی زکوٰۃ کے روپے ہوئے اور اس قدر چاندی کی زکوٰۃ کے۔ بینوا توجروا

الجواب

ایک بات لکھئے، چاندی کا ٹھیک وزن کتنا ہے، صاحبین علیہما الرضوان کے مذہب پر تو حساب سب آسان ہے تین ماشے دو رتی ۱/۵-۳ چاول بھر سونا اور پانچ روپے بھر چاندی دے۔ اگر امام اعظم علیہم الرضوان کے مذہب

پر چاہیں تو جس دن سال تمام ہوا اُس دن وُہ سونا اور چاندی جو اس کے پاس ہیں بازار کے بھاؤ میں کس نرخ کے تھے اس کے معلوم ہونے پر حساب موقوف ہے ۔ واللہ تعالےٰ اعلم

مسئلہ ۲۳ مسئولہ سید ایوب علی صاحب ساکن بریلی محلہ بہاری پور کا سگر

زید بشوقِ زیارت حرمین الطیبین کچھ پس انداز کرتا جاتا ہے ، اس طرح پر اب وہ صاحبِ نصاب عرصہ ڈیڑھ سال سے ہوگیا تو اس کو صدقۂ فطر و زکوٰۃ قربانی عید الاضحیٰ کرنا چاہیئے یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اس پر زکوٰۃ فرض ہے اور صدقہ و قربانی واجب ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۴ از خواجہ قطب ۲۷ ذی القعدۃ الحرام ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے پاس انیس ۱۹ اشرفیاں جے پوری وزنی ۱۷ تولہ ۵ ماشہ اور چار اشرفیاں انگریزی وزنی ۳ تولہ ۹ ماشہ جملہ ۲۳ اشرفیاں وزنی ۲۱ تولہ ۲ ماشے ہیں اور پچیس سال سے اُس نے زکوٰۃ نہ دی اور ان کے سوا اور کوئی مالِ زکوٰۃ نہ اس کے پاس تھا ' نہ ہے ، تو اس صورت میں اس پر کس قدر زکوٰۃ واجب ہے ۔ بینوا توجروا۔

الجواب

۹ تولے ۷ ماشے ایک رتی ۴ چاول سونا اور ایک چاول کے چار خمس ۴/۵ ، تفصیل یہ ہے کہ نصاب ذہب ۷ تولے ۶ ماشے ہے ، واجب ۲ ماشے ۲ سرخ ، اور خمس نصاب ایک تولہ ۶ ماشے واجب ۳ ۳/۵ سرخ ، خمس نصاب سے زائد جو بچے معاف ہے ، ہر سال گزشتہ کی زکوٰۃ سال آئندہ دین ہوکر اس قدر مال کم ہوتا جائیگا یہاں تک کہ اگر دیون زکوٰۃ جمع ہوتے ہوتے باقی مال نصاب سے کم رہ جائے تو اب کچھ تازہ واجب نہ ہوگا واجب مجموع سنین گزشتہ معلوم کرنے کا قاعدہ یہ ہے کہ جو کچھ سال اخیر میں بعد منہائی دیون زکوٰۃ باقی ہے اسے اصل مال اول سے تفریق کرکے باقی میں اس اخیر کا واجب جوڑ دیں حاصل جمع برسوں کا مجموعہ واجبات ہوگا۔

طریقۂ استخراج اس جدول سے واضح ہے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(جدول اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

نمبر	باقی				بچے خمس	واجب		خمس بچے	واجب			کل واجب سال		
	تولہ	ماشہ	سرخ	خمس سرخ		ماشہ	سرخ		ماشہ	سرخ	خمس	ماشہ	سرخ	خمس
۱	۲۱	۲	۰	۰	۲	۴	۳	۴	۱	۶	۲	۶	۲	۲
۲	۲۰	۷	۵	۳	//	//	//	۳	۱	۲	۴	۵	۶	۴
۳	۲۰	۱	۶	۴	//	//	//	//	//	//	//	۵	۶	۴
۴	۱۹	۸	۰	۰	//	//	//	//	//	//	//	۵	۶	۴
۵	۱۹	۲	۱	۱	//	//	//	۲	۰	۷	۱	۵	۳	۱
۶	۱۸	۸	۶	۰	//	//	//	//	//	//	//	۵	۳	۱
۷	۱۸	۳	۲	۴	//	//	//	//	//	//	//	۵	۳	۱
۸	۱۷	۹	۷	۳	//	//	//	۱	//	۳	۲	۴	۷	۳
۹	۱۷	۵	[illegible]	۰	//	//	//	//	//	//	//	۴	۷	۳
۱۰	۱۷	۰	۰	۲	//	//	//	//	//	//	//	۴	۷	۳
۱۱	۱۶	۷	۰	۴	//	//	//	۰	//	۰	۰	۴	۴	۳
۱۲	۱۶	۲	۱	۱	//	//	//	۰	//	۰	۰	۴	۴	۰
۱۳	۱۵	۹	۵	۱	//	//	//	//	//	//	//	۴	۴	۰
۱۴	۱۵	۵	۱	۱	//	//	//	//	//	//	//	۴	۴	۰
۱۵	۱۵	۰	۵	۱	//	//	//	۴	//	//	//	۴	۴	۰
۱۶	۱۴	۸	۱	۱	۱	۲	۲	۴	۱	۶	۲	۴	۰	۲
۱۷	۱۴	۴	۰	۴	//	//	//	//	//	//	//	۴	۰	۲
۱۸	۱۴	۰	۰	۲	//	//	//	//	//	//	//	۴	۰	۲
۱۹	۱۳	۸	۰	۰	//	//	//	//	//	//	//	۴	۰	۲
۲۰	۱۳	۳	۷	۳	//	//	//	۳	//	۲	۴	۳	۴	۴
۲۱	۱۳	۰	۲	۴	//	//	//	//	//	//	//	۳	۴	۴
۲۲	۱۲	۸	۶	۰	//	//	//	//	//	//	//	۳	۴	۴
۲۳	۱۲	۵	۱	۱	//	//	//	//	//	//	//	۳	۴	۴
۲۴	۱۲	۱	۴	۲	//	//	//	//	//	//	//	۳	۴	۴
۲۵	۱۱	۹	۷	۳	//	//	//	//	۰	۷	۱	۳	۱	۱۰

مسئلہ ۳۵

۲۱ ربیع الاول ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین وفضلائے شریعت اس مسئلہ میں کہ بینک یا ڈاکخانہ میں جو روپیہ جمع کیا جاتا ہے اس کی نسبت زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

الجواب

روپیہ کہیں جمع ہو کسی کے پاس امانت ہو مطلقاً اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۶ ۳۷

۲ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

(۱) میں نے مبلغ سو روپیہ سیونگ بینک میں جمع کر رکھا ہے وہ پورا سال بھر میرے قبضہ میں نہیں رہا، اس پر زکوٰۃ

واجب ہے یا جب دو یا تین سال وغیرہ میں برآمد کرکے قبضہ میں لیا جائے اس وقت زکوٰۃ دی جائے اور جب قبضہ میں آئے تو ہر سال کی بابت زکوٰۃ دی جائے یا صرف اسی سال قبضہ والے کی بابت؟

(۲) میں نے مبلغ دوسو روپے کے پرامیسری نوٹ ڈاک خانے سے خریدے اب اگر مجھ کو روپے کی خواہ کسی قدر سخت ضرورت ہو تو فوراً وصول نہیں ہوسکتا بلکہ تاوقتیکہ کوئی خریدار غیر ان پرامیسری نوٹ کا پیدا نہ ہو تب تک وہ روپیہ مجھ کو وصول نہیں ہوسکتا خواہ دو روز میں خریدار پیدا ہوجائے یا سال بھر میں پیدا ہو تو اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) وہ جب تک بنک میں ہے اپنے قبضے میں سمجھا جائے گا اور ہر سال اُس پر زکوٰۃ واجب ہوگی خواہ سال بسال ادا کرتا رہے یا جب اس میں سے گیارہ روپے سوا تین آنے کی وصول ہو اُس میں سے چالیسواں حصہ دے اور جتنے برس رہا ہے سب برسوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی، ہاں ہر سال اگلے برسوں کی زکوٰۃ کی قدر اس پر دین سمجھ کر اتنا زکوٰۃ سے جُدا رہے گا، مثلاً دوسو روپیہ جمع ہیں تو پہلے سال دوسو پر پانچ روپیہ تقریباً واجب ہُوئے دوسرے سال پانچ روپیہ سال گزشتہ کی زکوٰۃ کے اُس پر واجب ہیں لہٰذا اس سال ایک سو پچانوے پر زکوٰۃ واجب ہوگی تقریباً چار روپے چودہ آنے۔ تیسرے سال اُس پر دو سال کی زکوٰۃ کے نو روپے چودہ آنے قرض ہیں یہ مستثنیٰ ہوکر ایک سو نوّے روپے دو آنے پر زکوٰۃ واجب ہوگی وعلی ھذا القیاس، واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) پرامیسری نوٹوں کا یہ قاعدہ ہے کہ روپیہ گورنمنٹ کو دے دیا جاتا ہے جس پر وُہ یہ نوٹ دیتی ہے اب یہ روپیہ کبھی واپس نہ ملے گا نہ خود اصل مالک لے سکتا ہے نہ اس کا وارث نہ اس کا کوئی قائم مقام، ہاں گورنمنٹ اس روپے پر چھ آنے فیصدی ماہوار کے حساب سے ہمیشہ سود دے گی تو یہ نوٹ نوٹوں کی طرح خود مال نہیں بلکہ سند قرض ہیں لہٰذا اس پر گورنمنٹ سُود دیتی ہے اور عام نوٹ خزانے سے خریدے جائیں تو ایک پیسہ سُود نہ دے گی کہ وہ بیع تھی معاوضہ تمام ہوگیا اور یہاں قرض ہے سود جاری رہا اور جب ان نوٹوں کا روپیہ قرض رہا اور وہ قرض کسی طرح واپس نہیں مل سکتا تو قرض مردہ ہوا اور قرض مُردہ پر زکوٰۃ نہیں، نہ ان نوٹوں کا بیچنا جائز کہ وہ حقیقۃً غیر مدیون کے ہاتھ دین کی بیع ہے اور وُہ جائز نہیں تو ان کو بیچ کر جو روپیہ لے گا اس کے لیے خبیث ہوگا اور اس پر فرض ہوگا کہ جس سے لیا تھا اسے واپس دے اور اس بیع فاسد کو فسخ کرے تو زکوٰۃ ان نوٹوں پر ہے کہ یہ مال نہیں، نہ اس روپیہ پر جو انھیں بیچ کر ملے گا کہ یہ تمام وکمال خبیث ہے، نہ اس روپیہ پر جو گورنمنٹ کو قرض دے کر یہ نوٹ لیے تھے کہ وہ قرض مردہ ہے جو کبھی واپس نہ ملے گا۔ درمختار میں ہے:

الاصل فیہ حدیث علیؓ لازکوٰۃ فی مال | اس میں اصل علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث ہے

الضمار وھو مالا یمکن الانتفاع بہ مع بقاء الملک[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

کہ مالِ ضمار پر زکوٰۃ نہیں، مالِ ضمار وہ کہ ملکیت ہونے کے باوجود اس سے انتفاع ممکن نہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۳۸ از مقام درہ ضلع نینی تال مسئولہ عبداللہ دکاندار صاحب ۲ ربیع الاول شریف ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے پاس ساٹھ روپے نقد ہیں اور پچاس روپے کا اس کی عورت پر زیور ہر وقت پہننے کا اور پچاس روپے کی دکانداری کرتا ہے کل یہی اسباب ہے اور اس میں پچانوے روپے مہر عورت کا قرض ہے اور جو دکان کرتا ہے وہ ایسا سمجھنا چاہیے کہ جیسے کاشتکار کے ہل جوتنے کے بیل اور گھوڑا پچیس روپے کی قیمت کا ہے دکانداری کا سوت لادنے کے واسطے، اس حالت میں اوّل مال پر زکوٰۃ ہونی چاہئے یا نہیں؟ جیسا کہ شرع شریف کا حکم ہو عمل کیا جائے، اور سال بھر کے کھانے کا اناج بھی اس کے گھر میں نہیں ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

آج کل عورتوں کا مہر عام طور پر مہر مؤخر ہوتا ہے جس کا مطالبہ بعد موت یا طلاق ہوگا مرد کو اپنے تمام مصارف میں کبھی خیال بھی نہیں آتا کہ مجھ پر یہ دین ہے ایسا مہر مانع وجوبِ زکوٰۃ نہیں ہوتا سال تمام پر اس کے پاس اگر ساٹھ روپے بچے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، زکوٰۃ کا نصاب ۵۶ روپے (۵۲ ½ تولہ چاندی) ہے اور وہ زیور اگر شوہر کی ملک ہے تو وہ بھی شامل کیا جائے گا ایک سودس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اور اگر وہ مالِ تجارت بھی بچا تو وہ بھی شامل ہوگا ایک سو ساٹھ پر ہوگی، غرض ان تینوں مالوں میں سے سال تمام پر اگر ۵۶ روپے کی قدر رہو گا تو زکوٰۃ واجب ہے ورنہ نہیں اور اگر زیور عورت کی ملک ہے تو اس کی زکوٰۃ اس پر واجب ہوگی جبکہ وہ خود یا اس کی ملک کا اور سونا چاندی ملاکر ساڑھے باون تولے چاندی ہو ورنہ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۹ از نینی تال کاشی پور مسئولہ ڈاکٹر اشتیاق علی ۸ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

متعلق زکوٰۃ پارسال میرے پاس ایک سو پچاس روپے رمضان میں جمع تھے اور زکوٰۃ میں نے ایک سو پچاس روپے پر دی تھی، دو ماہ بعد دوسو ہوگئے اور ۶ ماہ بعد ۲۵۰ ہوگئے اور اب رمضان میں پورے تین سو ہوگئے، اور میں ہر سال رمضان میں زکوٰۃ نکالا کرتا ہوں تو اب مجھ کو تین سو روپے پر دینا ہوگی یا صرف ۱۵۰ پر کیونکہ ۱۵۰ کے بعد جو روپے بڑھے ہیں ان کو پورا ایک سال نہیں گزرا ہے۔

الجواب

نصاب جبکہ باقی ہو تو سال کے اندر اندر جس قدر مال بڑھے اسی پہلے نصاب کے سال تمام پر اس کُل کی

[1] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۹

زکوٰۃ فرض ہوگی، مثلاً یکم رمضان کو سال تمام ہوگا اور اس کے پاس صرف سَو روپے ہیں تیس شعبان کو دس ہزار اور آئے کہ سال تمام سے چند گھنٹے بعد جب یکم رمضان آئے گی اس پورے دس ہزار ایک سو پر زکوٰۃ فرض ہوگی، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ از شہر بریلی محلہ جسولی مسئولہ حافظ علی شاہ صاحب ۴ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی تین لڑکیوں کی شادی کے واسطے روپیہ علیحدہ کر دیا ہے جس میں سے دو لڑکیاں نابالغ ہیں اور ایک قابل ہے شادی کے، اب اس روپیہ کی زید پر زکوٰۃ دینا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب

فرض واجب ہے مگر اُس حالت میں ہر نابالغہ کا حصّہ جُدا کر کے یہ کہہ دے کہ میں نے اسے اُس کا مالک کیا، اس کی زکوٰۃ ان کے بلوغ تک کسی پر واجب نہ ہوگی، بعد بلوغ اگر شرائطِ زکوٰۃ پائے گئے تو ان لڑکیوں پر واجب ہوگی اور بالغہ کا حصّہ جُدا کر کے اُسے مالک کر دے اور اس کے قبضے میں دے دے اگرچہ پھر اس سے لے کر اپنے پاس رکھ لے، اس حصّہ کی زکوٰۃ حسبِ شرائط اُس بالغہ پر ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۴۱ تا ۴۳ از شہر بریلی مرسلہ شوکت علی فاروقی ۴ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) کیا نوٹ اور روپیہ کا ایک ہی حکم ہے، نوٹ تو چاندی سونے سے علیحدہ کاغذ ہے۔

(۲) فی صدی زکوٰۃ کا کیا دینا ہوتا ہے۔

(۳) جس روپیہ سے زکوٰۃ پہلے سال میں دے دی اور باقی روپیہ بدستور دوسرے سال تک رکھا رہا اب دوسرے سال آنے پر کیا پھر اُسی روپیہ میں سے جس میں پہلے سال زکوٰۃ دے چکا ہے زکوٰۃ دینا ہوگی بینوا توجروا۔

الجواب

(۱) نوٹ اور روپیہ کا حکم ایک نہیں ہو سکتا، روپیہ چاندی ہے کہ پیدائشی ثمن ہے اور نوٹ کاغذ کہ اصطلاحی ثمن ہے تو جب تک چلے اس کا حکم پیسوں کے مثل ہے کہ وہ بھی اصطلاحی ثمن ہے۔

(۲) زکوٰۃ ہر نصاب و خُمس پر چالیسواں حصّہ ہے اور مذہبِ صاحبین پر نہایت آسان حساب اور فقراء کے لیے نافع یہ ہے کہ فیصدی ڈھائی روپے۔

(۳) دس برس رکھا رہے، ہر سال زکوٰۃ واجب ہوگی جب تک نصاب سے کم نہ رہ جائے، یہ اس لیے کہ جب پہلے سال کی زکوٰۃ نہ دی دوسرے سال اس قدر کا مدیون ہے تو اتنا کم کر کے باقی پر زکوٰۃ ہوگی، تیسرے

سال اگلے دونوں برسوں کی زکوٰۃ اس پر دین ہے تو مجموع کم کرکے باقی پر ہوگی، یوں ہی اگلے سب برسوں کی زکوٰۃ منہا کرکے جو بچے اگر خود یا اس کے اور مال زکوٰۃ سے مل کر نصاب ہے تو زکوٰۃ ہوگی ورنہ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۴ مسئولہ شمس الدین احمد از فرخ آباد ۱۲ شوال ۱۳۳۴ھ

وُہ زیور جو کسی نے اپنے بچّوں یعنی لڑکیوں کو بنوا دیا اور ان کی مِلک میں کر دیا اور وُہ بچّے ابھی نابالغ ہیں زکوٰۃ دینے کے لائق ہی نہیں یعنی اپنی بی بی کے زیور اور نقد کی زکوٰۃ دیتے وقت بچّوں کا زیور حساب میں شامل کرے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جو زیور بچّوں کو ہبہ کر دیا اس کی زکوٰۃ نہ اس پر نہ بچّوں پر، اُس پر اس لیے نہیں کہ یہ مِلک نہیں، اُن پر اس لیے نہیں کہ وُہ بالغ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۴۵ تا ۴۷ ۲۲ شوال ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ،

(۱) جو لڑکیاں نا کتخدا ہیں اور نابالغ، ان کے زیور کی بھی زکوٰۃ ہونی چاہیے یا نہیں؟

(۲) میں نے لڑکی کی شادی کی ضرورت سے اپنا زیور رہن کیا، شوہر اس وقت میں بیکار تھے، باقی زیور جو میرے پاس تھا اس کی زکوٰۃ تو میں ادا کرتی رہی، جو رہن تھا اس کی زکوٰۃ نہ دی، سات آٹھ برس رہن رہا، اب میں نے چھڑایا تو اس سات آٹھ برس کی زکوٰۃ چاہیے یا نہیں؟

(۳) شوہر نے جس وقت قرض لیا تھا تو زیور میرا بطور رہن کے رکھ دیا تھا میری والدہ کے پاس، تو اور تھوڑا زیور جو اُس وقت میں بھی رہن نہ رکھا تھا جب سے اب تک میرے پاس ہے اور زکوٰۃ جب سے نہیں دی گئی قرضے کا خیال کرکے۔

الجواب

(۱) نابالغ لڑکیوں کا جو زیور بنایا گیا اگر ابھی انھیں مالک نہ کیا گیا بلکہ اپنی ہی مِلک پر رکھا اور ان کے پہننے کے صرف میں آتا ہے اگرچہ نیت یہ ہو کہ بیاہ ہُوئے پر ان کے جہیز میں دے دیں گے جب تو وُہ زیور ماں باپ جس نے بنایا ہے اُسی کی مِلک ہے، اگر تنہا یا اُس کے اور مال سے مل کر قدرِ نصاب ہے اُسی مالک پر اس کی زکوٰۃ ہے اور اگر نابالغ لڑکیوں کی مِلک کر دیا گیا تو اس کی زکوٰۃ کسی پر نہیں، ماں باپ پر تو یُوں نہیں کہ اُن کی مِلک نہیں، اور لڑکیوں پر یُوں نہیں کہ وُہ نابالغہ ہیں، جب جوان ہوں گی اُس وقت سے ان پر احکام زکوٰۃ

وغیرہ کے جاری ہوں گے۔

(۲) ان برسوں کی زکوٰۃ واجب نہیں کہ جو مال رہن رکھا ہے اس پر اپنا قبضہ نہیں، نہ اپنے نائب کا قبضہ ہے، بحرالرائق میں ہے:

اطلق الملك فانصرف الى الكامل وھو المملوك رقبة و یدا فلا یجب علی المشتری فیما اشتراہ للتجارۃ قبل القبض کذا فی غایۃ البیان ولا یلزم علیہ ابن السبیل لان ید نائبہ کیدہ کذا فی معراج الدرایۃ ومن موانع الوجوب الرھن اذا کان فی ید المرتھن لعدم ملك الید بخلاف العشر حیث یجب فیہ کذا فی العنایۃ[1] اھ مختصرًا۔

ملک کا ذکر مطلق کیا ہے لہذا اس سے ملکیت کاملہ مراد ہوگی اور وہ رقبۃً اور یدًا دونوں طرح مملوک ہونا ہے لہذا مشتری پر قبض سے پہلے اس شئ پر زکوٰۃ نہ ہوگی جو اس نے بطور تجارت خریدی، غایۃ البیان میں اسی طرح ہے۔ اس پر مسافر کے ساتھ اعتراض لازم نہیں آتا کیونکہ اس کے نائب کا قبضہ اس کے اپنے قبضے کی طرح ہے، معراج الدرایہ میں ایسے ہی ہے۔ اور موانع وجوب میں سے رہن بھی ہے جبکہ وہ مرتہن کے قبضہ میں ہو کیونکہ اس صورت میں ملکیت نہیں بخلاف عشر کے، وہاں واجب ہے، العنایہ اھ مختصرًا (ت)

درمختار میں ہے: ولا فی مرھون بعد قبضہ[2] (قبضہ کے بعد مرہونہ شئ میں زکوٰۃ نہیں۔ ت)

طحطاوی میں ہے:

ای علی المرتھن لعدم الملك ولا علی الراھن لعدم الید واذا استردہ الراھن لایزکی من السنین الماضیۃ وھو معنی قول الشارح بعد قبضہ ویدل علیہ قول البحر ومن موانع الوجوب الرھن اھ حلبی وظاھرہ ولو کان الرھن ازید من الدین[3] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔

یعنی مرتہن پر زکوٰۃ اس لیے نہیں کہ وہاں ملکیت نہیں، نہ ہی راہن پر ہے کیونکہ اس کا قبضہ نہیں، جب راہن اس شئ کو واپس لے گا تو گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ نہیں دے گا، شارح کے قول "قبضہ کے بعد" کا یہی معنٰی ہے اور اس پر بحر کی یہ عبارت دال ہے، موانع وجوب میں سے رہن ہے اھ حلبی۔ اس کا ظاہر بتارہا ہے کہ اگرچہ رہن قرض سے زائد ہو اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] بحرالرائق کتاب الزکوٰۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۰۳
[2] درمختار مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۹
[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الزکوٰۃ دارالمعرفۃ بیروت ۳۹۱-۹۲

نئی نہیں بلکہ حضور کے اس اذنِ عام سے حضور ہی کی شریعت ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

(۹) فرماتے ہیں کہ شرع مطہر میں اُس سے ممانعت نہ آنا ہی اس کے جواز کی دلیل ہے۔ اگر جنازے کے ساتھ ذکرِ الٰہی منع ہوتا تو کم از کم ایک حدیث تو اس کی ممانعت میں آتی، جیسے رکوع میں قرآن مجید پڑھنا منع ہے، تو اس کی ممانعت کی حدیث موجود ہے، تو جس چیز سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سکوت فرمایا وہ کبھی ہمارے زمانے میں منع نہیں ہوسکتی۔

(۱۰) نتیجہ یہ نکلا کہ اگر جنازے کے تمام ہمراہی بلند آواز سے کلمہ طیبہ وغیرہا ذکرِ خدا و رسول عزوعلا و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کرتے چلیں تو کچھ اعتراض نہیں بلکہ اُس کا کرنا نہ کرنے سے افضل ہے۔

نیز امام نابلسی ممدوح کتابِ مذکور میں فرماتے ہیں:

لاینبغی ان ینھی الواعظ عما قال بہ امام من ائمۃ المسلمین بل ینبغی ان یقع النھی عما اجمع الائمۃ کلھم علی تحریمہ[1]

یہ نہ چاہئے کہ واعظ ایسی چیز سے روکے جسے ائمہ مسلمین میں سے کسی امام نے جائز کہا ہو بلکہ ممانعت ایسے کام سے ہونا چاہئے جس کی حرمت پر سب ائمہ کا اجماع ہو۔ (ت)

درمختار میں ہے:

تحریما صلوۃ مع شروق الا العوام فلا یمنعون من فعلھا لانھم یترکونھا والاداء الجائز عند البعض اولٰی من الترک کما فی القنیۃ وغیرھا[2] اھ قلت ونقلہ سیدی عبدالغنی فی الحدیقۃ عن شرح الدرر لابیہ عن المصفی شرح النسفیۃ عن الشیخ الامام الاستاذ حمید الدین عن شیخہ الامام الاجل جمال الدین

سُورج نکلتے وقت نماز مکروہِ تحریمی ہے مگر عوام کو اس سے منع نہ کیا جائے گا اس لئے کہ وہ نماز ہی ترک کردیں گے ــــ جبکہ ترک سے وہ ادائیگی بہتر ہے جو بعض کے نزدیک جائز ہے جیسا کہ قنیہ وغیرہا میں ہے اھ۔ میں کہتا ہوں اسے سیدی عبدالغنی نابلسی نے حدیقہ ندیہ میں اپنے والد کی شرح درر سے نقل کیا ہے اُس میں نسفیہ کی شرح مصفی سے۔ اس میں شیخ امام استاذ حمید الدین سے نقل ہے۔ انھوں نے اپنے شیخ امام اجل جمال الدین محبوبی سے

---

[1] حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ الخلق الثامن والاربعون من الاخلاق الخ مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۱۵۱

[2] درمختار کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۶۱

على الراهن لانه لم يستوفه و ان شاء ضمن المعير قيمته لان الحق قد تعلق برقبته برضاه وقد اتلفه بالاعتاق[1] الخ	بدل حاصل نہ کیا ـــــــــــ اگر وُہ چاہے تو معیر اس کی قیمت وصول کرسکتا ہے کیونکہ حق کا تعلق گردن سے اس کی رضامندی سے ہے جو اس نے آزاد کرکے ضائع کیا ہے الخ (ت)

ہاں جو زیور رہن نہ تھا اور جب سے پاس ہے اگر وُہ خود یا اور مالِ زکوٰۃ سے مل کر نصاب تھا تو جب تک نصاب پُورا رہا اُس مدت کی زکوٰۃ واجب ہے اور قرضے کا خیال باطل خیال ہے کہ قرض شوہر پر تھا اور زیور عورت کا زکوٰۃ عورت پر ہے نہ کہ شوہر پر، البتہ یہ زکوٰۃ جو چڑھتی گئی ہر سال اس کا حساب لگانے سے جس سال اُسے مجرا کرکے مال بقدر نصاب نہ رہے اس سال کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، مثلاً زیور وغیرہ اموال زکوٰۃ ملا کر پہلے سال دو سو دس ۲۱۰ درم کا مال تھا اُس سال پانچ درم زکوٰۃ کے واجب ہوئے، دوسرے سال یہ پانچ درم کا کر زکوٰۃ کا قرضہ ذمہ پر ہے مجرا کرکے گویا دو سو پانچ ۲۰۵ درم کا مال تھا اب پھر پانچ واجب ہوئے، تیسرے سال دس درم زکوٰۃ کے مجرا کرکے گویا دو سو ۲۰۰ کا مال تھا اب بھی پانچ واجب ہوئے، چوتھے سال پندرہ مجرا کرکے پانچ کم دو سو کا مال رہا، یہ نصاب نہیں، اب زکوٰۃ نہیں، وہی پندرہ ہی واجب الاداء ہے، مگر یہ کہ ختم سال پر اور کہیں سے پانچ درم مل گئے ہوں کہ دو سو درم پُورے ہوکر پھر پانچ درم لازم آئیں گے اور بیس واجب ہوجائیں گے، یہی حساب ہر سال میں خیال کرلینا لازم ہے، دو سو درم شریعت میں چھپن روپے کے ہوتے ہیں اور پانچ درم کا ایک روپیہ سوا چھ آنے ایک دھیلا اور پیسے کا دسواں حصّہ۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ از فرید پور شرقی مرسلہ منشی محمد علی صاحب نائب ناظر تحصیل فرید پور ۵ رجب ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ زید کے پاس چار سو روپیہ علاوہ خرچ روزمرہ کے اس تفصیل سے ہیں کہ دو سو روپیہ بابت خرید مکان مسکونہ کے مالکِ مکان کو دے چکا ہے اور دو سو روپے نقد رکھے ہیں اب زید کو زکوٰۃ ادا کرنا چار سو روپے پر چاہیے یا دو سو پر جو اس کے پاس نقد رکھے ہیں، کب اور کس حساب سے اُس کو ادا کرنا چاہیے، مثلاً اگر اسی مہینہ جمادی الثانی سے اُس کے پاس دو سو روپے نقد جمع ہوگئے، تو اب زید کو کس مہینہ میں اور کس قدر ادا کرنا چاہیے، اور در صورت نہ ادا کرنے کے کیا مواخذہ اس کے ذمے ہوگا، امید کہ للہ تعالٰی جواب بالتفصیل مرحمت فرمایا جائے تاکہ عام فہم ہوکر سب کو فائدہ دارین عطا فرمائے۔

---

[1] الہدایۃ باب التصرف فی الرہن مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/۵۴۵

الجواب

بیانِ سائل سے واضح ہُوا کہ ہنوز اُس مکان کی بیع نہیں ہُوئی، وعدہ خرید وفروخت درمیان آیا ہے اور اسی بناء پر زید نے مالکِ مکان کو دوسو روپے پیشگی دے دیے اور اُسے اجازت دی کہ خرچ کرلے، یہ صورت فرض کی ہُوئی ثمن کہہ نہیں سکتے کہ ابھی بیع ہی نہیں ہوئی امانت نہیں کہہ سکتے کہ خرچ کی اجازت دی لاجرم قرض ہے

فی لسان الحکام والعقود الدریۃ وغیرھما دفع الیہ دراھم فقال لہ انفقھا ففعل فھو قرض کما لو قال اصرفھا الی حوائجک[1]۔

لسان الحکام اور عقود الدریہ وغیرہ میں ہے کہ کسی کو دراہم دیے گئے اور کہا گیا کہ انھیں خرچ کر، اس نے خرچ کردیے تو یہ قرض ہے جیسا کہ اگر کسی نے یہ کہا ہو کہ انھیں اپنی ضروریات پر خرچ کرلے۔ (ت)

تو دوسو کہ اس کے پاس رکھے ہیں اور دوسو جو مالکِ مکان کو دیے ہیں چاروں سو اسی کی ملک میں اور مالِ زکوٰۃ ہیں، زکوٰۃ کا نصاب ان روپوں سے چھپّن۵۶ روپے ہے، جس تاریخ یہ شخص چھپّن۵۶ روپے یا زائد کا مالک ہُوا اُسی تاریخ سے مالکِ نصاب سمجھا گیا، جب ہی سے سالِ زکوٰۃ کا حساب ہوگا، سال کے اندر جو مال اور ملتا گیا اُسی کے ساتھ ملتا رہے گا، سال تمام پر دیکھیں گے سب خرچوں سے بچ کر حوائج اصلیہ سے فاضل کتنا روپیہ اس کی ملک میں ہے خواہ اس کے اپنے پاس رکھا ہو یا کسی کے پاس امانت ہو یا کسی کو قرض دے دیا ہو اُس قدر پر زکوٰۃ واجب آئے گی اور جو سال تمام ہونے سے پہلے صَرف ہوگیا ہو وہ حسابِ زکوٰۃ میں محسوب نہ ہوگا مثلاً یکم محرم ۱۳۳۵ھ کو چھپّن روپیہ کا مالک ہُوا تھا ربیع الاوّل میں سَو اور ملے، جمادی الآخر میں دوسو اور ملے، یہ دوسو مالکِ مکان کو قرض دے دے تو اُس پر اُسی یکم محرم سے سال چل رہا ہے اور ابھی کہ سال تمام نہ ہوا کچھ نہیں کہہ سکتے کہ کس قدر پر زکوٰۃ واجب ہوگی اب اگر یکم محرم ۱۳۳۶ھ کے آنے سے پہلے مکان کی بیع واقع ہوگئی اور وہ دوسو کہ قرض دیے تھے سال تمام سے پہلے قیمتِ مکان میں محسوب ہوگئے تو یہ دوسو حسابِ زکوٰۃ سے خارج ہوگئے کہ ان پر سال نہ گزرا، اسی طرح اگر بیع نہ ٹھہری اور روپیہ واپس لے لیا اور سال تمام سے پہلے کُل یا بعض خرچ ہوگیا تو اُس سے بھی تعلق نہ رہا تمامی سال پر جو باقی رہے اُسے دیکھیں گے کہ ۵۶ روپیہ یا ۵۶ زائد ہے تو اُس پر ایک سال کی زکوٰۃ واجب ہوگی، اور اگر سال تمام پر ۵۶ سے بھی کم رہے تو کچھ نہیں کہ اگرچہ ابتدا میں نصاب بلکہ نصاب سے زائد کا مالک تھا مگر سال نہ گزرنے پایا کہ نصاب سے کم ہوگیا تو وجوبِ زکوٰۃ کا محل نہ رہا اور اگر سال تمام تک یعنی جب سے یہ شخص مالکِ نصاب ہُوا سال پُورا ہونے تک نہ بیع ٹھہری نہ روپیہ واپس ہُوا

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الھبۃ حاجی عبدالغفار وپسران تاجرانِ کتب ارگ بازار قندھار ۲/ ۹۱

بلکہ مالکِ مکان پر قرض ہی رہا تو اب اُس پر کہ خود نصاب بلکہ چند نصاب ہیں اور اس کے سوا اور جو نقد اُس وقت موجود ہو، غرض جس قدر روپیہ یا سونا یا چاندی حاجاتِ اصلیہ سے فاضل مِلک میں ہے خواہ شروع سالِ زکوٰۃ سے تھا خواہ بیچ میں ملا اُس سب پر زکوٰۃ واجب ہُوئی، جو نقد ہے اس پر تو واجب کے ساتھ وجوبِ ادا بھی ہو گیا فی الحال دی جائے، اور جو قرض ہے اس پر ہنوز وجوبِ ادا نہیں وصول پانے پر ہوگا خواہ روپیہ ہی وصول ہو، یُوں کہ بیع نہ ٹھہری اور روپیہ واپس ملے خواہ بیع ہوکر، قیمت میں مُجرا ہو جائے کہ یہ بھی وصول پا لینا ہے، پھر از انجا کہ قرض دین قوی ہے اور صورتِ مسئولہ میں ابتدائے نصاب مالِ نقد سے ہے کہ اُسی پر سالِ زکوٰۃ شروع ہُوا، اس سالِ تمام پر یا اُس کے بعد جو رقم قرض سے وصول ہوگی اُسے دیکھا جائے گا کہ خمس نصاب یعنی ۸ے کے پانچویں حصے لعہ ۲ ۵ پائی سے کم ہے یا نہیں، اگر کم ہے اور کوئی مالِ نقد نہ اُس وقت موجود نہ سالِ رواں کے ختم پر آکر ایسا [illegible] قرض وصول سے مل کر خمس نصاب ہوجاتا تو اس کی زکوٰۃ دینی اصلاً واجب نہ ہوگی نہ سالِ گزشتہ کے لیے، نہ رواں کے لیے، اور اگر ایسا مال نقد پایا جائے تو اسے اُس کے ساتھ ملا دیں گے، پھر اگر عین سالِ تمام کے وقت وصول ہُوا تو خود روزِ وصول، ورنہ سالِ تمام رواں پر جو باقی ہوگا اس پر یہ حکم لگائیں گے کہ ہر خمس نصاب پر اُس کا چالیسواں حصہ واجب الادا، اور خمس سے کم پر کچھ نہیں، اور اگر رقم وصول مذکور خمس نصاب سے کم نہیں تو جس قدر برس اس پر حالتِ دین میں گزرے ہوں اُن سب کی زکوٰۃ دینا آئے گی۔ جب تک زکوٰۃ نکالتے نکالتے خمس نصاب سے کم نہ رہ جائے۔ پھر بہرحال جس قدر خمس سے کم رہے گا اُس کا وہی حکم ہے کہ اور مال نقد ہو تو اس کے ساتھ ملا کر تمام رواں پر حکم دیکھا جائے گا، ورنہ کچھ نہیں، سب صورتوں کی مثال لیجئے، مثلاً ۲۵ ذی الحجہ ۱۳ھ کو تین سو درم شرعی کا مالک ہوا اس وقت سے سالِ زکوٰۃ شروع ہو گیا، یہ سب روپے وسطِ سال میں کسی کو قرض دے دیئے خاص سالِ تمام کے دن اُن سے اُنتالیس درم شرعی وصول ہُوئے اور آج کچھ نقد اس کی ملک نہیں تو ان لعہ درم پر بھی کچھ دینا نہ آئے گا کہ یہ خمس نصاب یعنی چالیس درم سے کم ہیں اور اگر سالِ تمام سے پہلے مثلاً ۲۴ ذی الحجہ ۱۴ھ کو یا شروع سال میں مالکیت دن کے بارہ بجے ہوئی تھی اب ۲۵ ذی الحجہ ۱۴ھ کو بارہ بجے سے ایک لحظہ پہلے انتالیس درم کہیں اور سے مل گئے اور اُسی وقت ایک درم اس قرض میں سے وصول ہوا تو اُن انتالیس درم میں ملا دیں گے، اب یہ چالیس درم ہو گئے کہ خمس کامل ہے تو ایک درم دینا واجب آیا اور اگر اسی صورت میں مثلاً قرض میں سے بھی انتالیس درم وصول ہوئے کہ نقد موجود سے مل کر اٹھتر درم ہو گئے تو بھی ایک ہی درم کہ ایک خمس کامل یعنی چالیس درم کی زکوٰۃ ہے واجب الادا ہوگا، باقی اڑتیس درم زائد کہ خمس سے کم ہیں سالِ تمام آئندہ کے انتظار میں رہیں گے، اور اگر سرے سے فرض کیجئے کہ شروع سالِ زکوٰۃ کو پانچ سال کامل گزر گئے اُس وقت تک کچھ نہ ملا اُس کے بعد چالیس درم

قرض سے وصول ہُوئے اور اُن کے سوا اور کچھ نقد نہیں تو اس رقم میں صرف ایک خمس نصاب ہے اُوپر کے چار درہم زیادہ ہیں، یہ خمس پانچ برس تک فرض تھا تو ہر سال کی بابت ایک درم دینا واجب ہُوا پانچ درم زکوٰۃ دیے اور اگر اسی صورت میں تینتالیس درم وصول ہوئے تو چار ہی درم زکوٰۃ دینا واجب ہوگی کہ جب بابت سالِ اول ایک درم زکوٰۃ کا ان للعہ پر ڈالا تو سالِ دوم کے لیے للعہ رہے ان پر ایک درم اس سال کا ڈالا، سوم کے لیے للعہ رہے، چہارم کے لیے للعہ، تو یہ چار درم واجب الادا ہوئے، پنجم کے لیے صرف للعہ ہی رہ گئے کہ خمس سے کم ہیں ان پر کچھ نہیں، اسی طرح اگر للعہ وصول ہوتے تو تین ہی درم دینے آتے اور للعہ تو دو اور للعہ تو ایک ہی اور للعہ سے زیادہ پانچ ہی دینے ہوں گے جب تک پُورے اسّی تک نہ پہنچیں اسّی پر چھ لازم آئیں گے، پہلے سال دو خمس کے دو درم، اب سالِ دوم میں اٹھتّر رہ گئے کہ ایک ہی خمس کامل ہے، تو باقی چار سال میں ایک ہی ایک لازم آیا، یُوں ہی بیاسی وصول ہوں تو سات دے گا کہ دو سال تک دو خمس کامل رہے، چوراسی پر آٹھ، چھیاسی پر نو، اور اٹھاسی سے زیادہ سب پر دس، جب تک ایک سو بیس کامل نہ ہوں۔ پھر ایک سو بیس پر گیارہ وعلیٰ ہذا القیاس۔ یہ اس صورت میں ہے کہ کچھ نقد نہ ہو، ورنہ اس کے ساتھ ملا کر حساب لگائیں گے، مثلاً تینتالیس وصول ہونے پر چار درم لازم آتے تھے، اگر نقد ایک درم بھی موجود ہے تو پُورے پانچ آئیں گے کہ اُس کے ساتھ مل کر چوالیس ہوگئے اور چوالیس پر پانچ لازم تھے وقس علی ہذا۔ پھر بہر صورت جو فاضل بچا وہ سال تمام آئندہ کا انتظار کرے گا، یہ ہے جو کلماتِ علماء سے فہمِ فقیر میں آیا،

وارجو ان یکون صوابا ان شاء اللہ تعالٰی واللہ تعالٰی باحکامہ علیم۔

میں امیدوار ہوں کہ یہ ان شاء اللہ تعالٰی صواب ہے اور اللہ تعالٰی اپنے احکام کو خوب جاننے والا ہے۔(ت)

تنویر الابصار و درمختار و ردالمحتار میں ہے:

الدیون تجب زکوتہا اذا تم نصابا بنفسہ او بما عندہ مایتم بہ النصاب وحال الحول ولو قبل قبضہ فی القوی والمتوسط لکن لا فورا بل عند قبض اربعین درہما من القوی کقرض فکلما قبض اربعین درھما یلزمہ درہم وعند قبض مائتین من متوسط، و

قرضوں پر زکوٰۃ لازم ہے جب خود نصاب ہوں یا اپنے پاس جو کچھ ہے اس سے مل کر نصاب بن جائیں اور اس پر سال گزر جائے اگرچہ قوی اور متوسط میں قبضہ سے قبل گزرے لیکن فی الفور نہیں بلکہ قوی میں چالیس درہم کے قبضہ پر جیسے قرض قوی ہے پس جب بھی چالیس دراہم پر قبضہ ہوگا ایک درہم لازم ہوگا اور متوسط میں دوسو درہم کے قبضہ پر۔

فی البدائع قال الکرخی ھذا اذا لم یکن لہ مال سوی الدین والا فما قبض منہ فھو بمنزلۃ المستفاد فیضم الی ما عندہ وکذلک فی المحیط[1] اھ ملتقطاً۔

بدائع میں ہے امام کرخی نے فرمایا: یہ تب ہے جب دین کے علاوہ اس کے پاس مال نہ ہو، اور اگر مال ہو تو جتنے حصّے پر قبضہ ہوگا وہ بمنزلہ منافع ہوگا اپنے پاس موجود مال سے اسے ضم کیا جائے گا، اور محیط میں بھی اسی طرح ہے اھ ملتقطاً (ت)

نیز ردالمحتار میں ہے:

ذکر فی المنتقی رجل لہ ثلثمائۃ درھم دین حال علیھا ثلثۃ احوال فقبض مائتین فعند ابی حنیفۃ یزکی السنۃ الاولی خمسۃ وللثانیۃ والثالثۃ اربعۃ اربعۃ عن مائۃ وستین ولا شیئ علیہ فی الفضل لانہ دون الاربعین[2]۔

منتقی میں ہے کہ ایک شخص کا تین سو درہم دَین ہے اور اس پر تین سال گزر گئے اُسے دو سو درہم وصول ہوئے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک پہلے سال کے پانچ اور دوسرے و تیسرے سال کے چار چار درہم ایک سو ساٹھ دراہم پر ہونگے اور چالیس سے کم زائد پر کچھ نہیں۔ (ت)

اسی میں محیط سے ہے:

لوکان لہ الف علی معسر فاشتری منہ بھا دینارا ثم وھبہ منہ فعلیہ زکٰوۃ الالف لانہ صار قابضا لھا بالدینار[3] اھ۔

اگر کسی تنگدست پر ہزار درہم قرض ہے تو اس سے ایک دینار خرید کر پھر اسے ہبہ کردیا تو اب زکٰوۃ ہزار ہی کی ہے کیونکہ وُہ دینار کی وجہ سے ہزار ہی کا قابض متصور ہوگا اھ (ت)

شرح نقایہ قہستانی میں ہے:

یضم الحادث ولو قبیل اٰخر الحول لانہ قبل وقت الوجوب[4] اھ۔

نئے مال کو شامل کیا جائیگا اگرچہ سال کے آخر سے تھوڑا سا پہلے ملا ہو کیونکہ یہ وقتِ وجوب سے پہلے ہے اھ (ت)

---

[1] ردالمحتار مع درمختار شرح تنویرالابصار باب زکٰوۃ المال مصطفی البابی مصر ۲/ ۳۸ تا ۴۰
[2] " " " " " " ۲/ ۳۸
[3] " " " " " " ۲/ ۴۰
[4] جامع الرموز کتاب الزکٰوۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲/ ۳۱۶

ادا نہ کرنے کی حالت میں جو مواخذہ زکوٰۃ نہ دینے پر ہے اس کا سزاوار ہوگا معاذ اللہ، وہ نہ ہلکا ہے نہ قابلِ برداشت، اس کے بارے میں کچھ آیات و احادیث فقیر کے رسالہ اعزالاکتناہ فی ردصدقۃ مانع الزکوٰۃ (۱۳۰۹ھ) میں مذکور ہوئیں، اُن میں بعض کا خلاصہ یہ کہ جس سونے چاندی کی زکوٰۃ نہ دی جائے روزِ قیامت جہنم کی آگ میں تپا کر اُس سے اُن کی پیشانیاں، کروٹیں، پیٹھیں داغی جائیں گی۔ اُن کے سر، پستان پر جہنم کا گرم پتھر رکھیں گے کہ چھاتی توڑ کر شانے سے نکل جائیگا اور شانے کی ہڈی پر رکھیں گے کہ ہڈیاں توڑتا سینے سے نکل آئے گا، پیٹھ توڑ کر کروٹ سے نکلے گا، گُدی توڑ کر پیشانی سے اُبھرے گا۔ جس مال کی زکوٰۃ نہ دی جائے گی روزِ قیامت پرانا خبیث خونخوار اژدہا بن کر اُس کے پیچھے دوڑے گا، یہ ہاتھ سے روکے گا، وہ ہاتھ چبالے گا پھر گلے میں طوق بن کر پڑے گا اس کا مُنہ اپنے منہ میں لے کر چبائے گا کہ میں ہُوں تیرا مال، میں ہُوں تیرا خزانہ۔ پھر اس کا سارا بدن چبا ڈالے گا۔ والعیاذ باللہ رب العالمین، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۴

۵ جمادی الاولٰی ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کی رخصت جمادی الاولٰی ۱۳۱۵ھ میں ہُوئی اور اُس وقت وُہ جہیز کی مالک ہُوئی، اس سے پہلے مالک نہ تھی، اس وقت اس کی ملک میں زیور طلائی ۹ ۱۱/۱۲ تولے تھا اور زیور نقرئی ما عہ روپیہ بھر اس قدر اخیر عُمر تک اس کے پاس رہا، تین سال دس ماہ تئیس دن کے بعد ربیع الآخر شریف ۱۳۱۹ھ میں ہندہ نے انتقال کیا، اُس وقت اُس کے پاس چار عدد طلائی اور تھے، ایک سات تولہ گیارہ ماشہ کا جس کی دس ماہ پیش از مرگ مالک ہُوئی، دوسرا دو تولے کا کہ موت سے ڈیڑھ سال پہلے ملا تھا، تیسرا چار تولے کا دو سال پہلے، چوتھا پانچ تولے کا تین سال پہلے، اس صورت میں ہندہ پر زکوٰۃ کس قدر ہُوئی؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

ہندہ پر تین سال زکوٰۃ واجب ہُوئی کہ چوتھے سال میں ایک ماہ سات روز باقی تھے کہ اس نے وفات پائی مال کہ وقتِ رخصت ملا اُس پر تینوں برسوں کی زکوٰۃ ہے، یُوں ہی چوتھا عدد پانچ تولے کا جب مرگ سے تین سال پہلے ملا تو رخصت کے ۱۰ ماہ ۲۳ دن بعد، بالجملہ پہلے سالِ تمام سے پہلے پایا تو وُہ بھی مالِ اوّل میں شامل ہُوا اور تینوں سال کی زکوٰۃ اس پر آئی، اور یہیں سے واضح ہوا کہ تیسرے عدد پر دو سال اخیر کی زکوٰۃ ہے اور دوسرے پر ایک ہی برس کی اور پہلے پر اصلاً نہیں، تو سونے میں حاصل ملک ہندہ باعتبار ہر سہ سال یہ ہوا سالِ اوّل ۹ ۱۱/۱۲ دوم ۱۸ ۱۱/۱۲ سوم ۲۰ ۱۱/۱۲ صورت مسئولہ میں جبکہ ہندہ اسی قدر مال کی مالک تھی اور زکوٰۃ تینوں سال نہ دی تو ہر پہلی زکوٰۃ کا دین سال مابعد کے مال سے مجرا ہوتا رہا واجب سال اوّل طلائی ۱۱ ماشہ ۶ سرخ نقرہ تین روپیہ بھر اور

اور تین ماشے تین سرخ مال سال دوم سے استثنا کیا تو سال دوم طلا لعہ ۱۰ ماشہ ۲ سرخ رہا، واجب ۱۱ ماشہ ۷ سرخ ۵ $\frac{1}{5}$ چاول، اور نقرہ ماعہ ۷ ماشہ ۷ سرخ رہا، واجب تین روپے بھر ۲ ماشہ ۴ سرخ ۳ $\frac{3}{5}$ چاول، سال سوم طلا واجب دو سال ایک تولہ ۱۱ ماشے ۱ سرخ ۵ $\frac{1}{5}$ چاول، نقرہ واجب دو سال سے روپے بھر ۵ ماشہ ۶ سرخ ۴ $\frac{3}{5}$ چاول منہا کرکے باقی طلا لعہ ۱۰ ماشہ ۲ سرخ ۲ $\frac{4}{5}$ چاول، واجب ایک تولہ ۲ سرخ $\frac{47}{100}$ چاول، نقرہ ماعہ روپیہ بھر ۵ ماشہ ۲ سرخ ۳ $\frac{2}{5}$، واجب ۳ روپیہ بھر ایک ماشہ ۴ سرخ ۲ $\frac{137}{200}$ چاول جمیع واجب سہ سالہ طلا ۲ تولے ۱۱ ماشے ۳ سرخ ۵ $\frac{67}{100}$ چاول یعنی ۲ تولے ۱۱ ماشے ۳ رتی ۵ چاول اور ایک چاول کے سو حصوں سے سڑسٹھ ۶۷ حصے نقرہ لعہ تولہ ۷ ماشہ ۲ سرخ ۷ $\frac{57}{200}$ یعنی نو روپیہ بھر اور ۷ ماشے ۲ رتی ۷ چاول اور چاول کے دو سو ۲۰۰ حصوں سے ستاون ۵۷ حصے، یہ سب مذہب صاحبین پر ہے اور مذہب امام پر کچھ کمی خفیف ہو جائے گی، سائل اس پر راضی نہ ہو اور تحقیق ہی چاہے تو یہ ضرور ہے کہ تینوں برس ہر سال تمام کے صحیح تاریخ پر سونے اور چاندی کا صحیح نرخ بازار دریافت کرکے بتائیے نیز یہ کہ کس کس عدد کی قیمت بوجہ صنعت اپنے وزن سے کس کس قدر زائد ہے بے اس کے حساب ناممکن ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ از بنگالہ ضلع سلہٹ پرگنہ بجواڑہ موضع ناران گولہ ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک آدمی ایک سو روپے کی زکوٰۃ دے کر مدفون کیا پھر دوسرے سال میں زکوٰۃ دینا ضروری ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا بالکتاب یوم الحساب۔ فقط

الجواب

ہر برس ضرور ہے جب تک کُل مالِ زکوٰۃ جو اُس کی ملک ہے حقیقۃً یا حکماً نصاب یعنی ساڑھے سات تولہ سونے یا ساڑھے باون تولہ چاندی یعنی انگریزی چھپّن ۵۶ روپے سے کم نہ ہو جائے، حقیقۃً کم ہو جانا یہ کہ زکوٰۃ وغیرہ میں صرف کرتے کرتے خواہ کسی اور طور سے گھٹ جائے اور حکماً یہ کہ ہر برس زکوٰۃ واجب ہوتی رہی اور ادا نہ کی کہ ہر سال زکوٰۃ کا دین اس پر چڑھتا رہا یہاں تک کہ مالِ زکوٰۃ قدر نصاب نہ رہا مثلاً صرف یہی سو روپے، مگر اس کے پاس مالِ زکوٰۃ تھا اور یہی رہا اور مال زیادہ نہ ہوا تو اب پہلے سال تمام پر بربنائے مذہب صاحبین ڈھائی روپے واجب ہوئے مگر اس نے ادا نہ کی، دوسرے سال تمام پر زکوٰۃ صرف ۹۷ روپے ۸ آنے رہی کہ ۲ روپے ۸ آنے دین زکوٰۃ سال گزشتہ میں مشغول ہیں اس سال ۲ روپے ۷ آنے واجب ہوئے، تیسرے سال تمام پر دو ۲ سال گزشتہ کا دین زکوٰۃ ۴ روپے ۱۵ آنے مستثنٰی ہو کر فقط پچانوے روپے ایک آنہ پر زکوٰۃ آئی کہ ۲ روپیہ چھ آنے اور ایک پیسے کی چاندی کا دسواں حصہ ہوا وعلٰی ہذا القیاس جب گھٹتے گھٹتے ۵۶ روپے سے کم رہ جائے تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

فی الدرالمختار سبب افتراضہا ملك نصاب حولی فارغ من دین له مطالب من جھة العباد کزکوٰۃ وخراج[1] اھ ملخصًا وفی الھندیۃ رجل له الف درھم لامال له غیرھا استاجر بھا دارا عشر سنین لکل سنة مائة فدفع الالف ولم یسکنھا حتی مضت السنون والدار فی ید الأجر یزکی الأجر فی السنة الاولٰی عن تسع مائة وفی الثانیة عن ثمان مائة الا زکوٰۃ السنة الاولٰی ثم یسقط لکل سنة زکوٰۃ مائة اخرٰی وما وجب علیه بالسنین الماضیة الخ[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

درمختار میں ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت کا سبب ایسے نصاب کا مالک ہونا ہے جس پر سال گزرا ہو اور وہ ایسے دین سے فارغ ہو جس کا مطالبہ بندوں کی طرف سے ہو مثلاً زکوٰۃ، خراج وغیرہ اھ تلخیصًا۔ ہندیہ میں ہے ایک آدمی کے پاس ہزار دراہم ہیں اس کے علاوہ کوئی مال نہیں اس نے ان کے عوض دس سال تک گھر کرایہ پر لے لیا کہ ہر سال کے عوض ایک صد درہم ادا کرے گا، اس نے ہزار درہم دے دیے مگر اس گھر میں وہ کسی سال تک رہائش پذیر نہ ہوا اور گھر آجر کے پاس ہی رہا، تو آجر پہلے سال نو سو کی، دوسرے سال آٹھ سو کی، مگر گزشتہ سال کی زکوٰۃ کی مقدار نکال کر، پھر ہر سال ایک سو اور وہ جو گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ کی مقدار رہو، سالانہ ساقط ہوتی جائے گی، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۵۱: ۶ شعبان المعظم ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے جس مالِ تجارت پر ایک مرتبہ زکوٰۃ ادا کردی پھر دوسرے سال اس پر زکوٰۃ دینا نہ چاہیے بلکہ اس کے نفع پر زکوٰۃ دینا چاہیے۔ بینوا توجروا

الجواب

مالِ تجارت جب تک خود یا دوسرے مالِ زکوٰۃ سے مل کر قدرِ نصاب اور حاجتِ اصلیہ مثل دینِ زکوٰۃ وغیرہ سے فاضل رہے گا ہر سال اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی زید کا بیان محض غلط ہے تشھد به الکتب قاطبة۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵۲ تا ۵۴: مسئولہ محمد صبور سوداگر میز کرسی بریلی متصل کڑہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ایک شخص نے اپنی تجارت کے آغاز کے وقت یہ قرار دیا کہ جو منافع ہوگا اس کا سولھواں حصہ اللہ نام

---

[1] درمختار | کتاب الزکوٰۃ | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/ ۱۲۹

[2] فتاوٰی ہندیۃ | الفصل الثانی فی العروض | نورانی کتب خانہ پشاور | ۱/ ۸۲-۱۸۱

صَرف کرے گا، قبل معلوم ہونے منافع کے اُس نے ہر موقع کارِ خیر میں صَرف کرنا شروع کیا، وقت کرنے حساب کے، منافع کی تعداد کا سولھواں حصّہ کم نکلا اُس صرف سے جو وُہ کارِ خیر میں صَرف کر چکا، یہ فاضل روپیہ بمدِ زکوٰۃ داخل ہوسکتا ہے یا نہیں؟

(۲) ایک شخص حق الخدمت کے ساتھ ایک تجارت میں شریک ہے، قبل حاصل ہونے منافع کے اس تجارت سے بتدریج اپنے صرف کے واسطے لیتا رہا، وقت معلوم ہونے منافع کے وہ قرضدار تجارت کا تھا، جو منافع اس کے نامزد ہُوا وُہ قرضہ میں داخل کیا، اس حالت میں اس منافع کی زکوٰۃ اس کے ذمّہ عائد ہے یا نہیں؟

(۳) ایک شخص نے وقت شروع کرنے تجارت کے دیگر شخص سے جو اُس کی تجارت میں شرکت روپے کے ساتھ دینا چاہتا تھا ظاہر کیا کہ میں وقت چھٹے کے (معلوم کرنا منافع کا) پہلے زکوٰۃ نکال دیتا ہُوں بعدہٗ منافع تقسیم کیا جاتا ہے، اُس دیگر شخص نے اس بات کو پسند کیا اور روپیہ کے ساتھ منافع میں برابر کا شریک ہوا، اس بات کے ظاہر کرنے سے کیا اس کے ذمّہ اس کے روپیہ کی بھی زکوٰۃ عائد ہوگی یا صرف منافع کی رقم رہی جو طرفین کے حصّہ سے خرچ میں داخل ہوتی ہے۔ بیّنوا توجروا

الجواب

(۱) جبکہ بہ نیت زکوٰۃ وُہ دینا نہ تھا تو جو زائد دیا گیا زکوٰۃ میں محسوب نہیں ہوسکتا، ہاں آئندہ سال کے اُس سولھویں حصّہ میں مجرا ہوسکتا ہے جو اس نے اللہ عزّوجل کے لیے دینا ٹھہرا رکھا ہے، مثلاً اس وقت دس روپیہ زیادہ پہنچے اور آئندہ سال منافع کا سولھواں حصّہ سو روپے ہو تو اُسے اختیار ہے کہ یہ دس اس میں محسوب کرکے نوّے روپے دے۔

(۲) نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۳) دوسرے کی زکوٰۃ اس کے ذمّہ عائد نہیں ہوسکتی، ایک پر اُس کے حصّہ کی زکوٰۃ لازم ہے، اور زکوٰۃ صرف منافع مالِ تجارت پر نہیں ہوتی، جس طرح مکان زمین دکان کے صرف منافع پر ہوتی ہے یہاں ایسا نہیں بلکہ کل مالِ تجارت پر لازم ہوتی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵۵: از محلہ چاہ بائی مسئولہ حافظ محمد صادق مختار عام منشی رحیم داد خاں صاحب تحصیلدار ۲۵ شعبان ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مالک ہے جائداد زمینداری وغیرہ کا اور اس کی آمدنی مختلف اوقات میں وصول ہوتی رہتی ہے اور مالگزاری و نیز دیگر اخراجات میں خرچ ہوتی رہتی ہے اور ایسی صورت میں حساب سالانہ انگریزی ماہِ اکتوبر سے شروع ہوتا ہے اور ماہِ ستمبر میں ختم کیا جاتا ہے لہذا جو رقم بعد اخراجات کے آخر سال پر باقی رہتی ہے اس پر زکوٰۃ کب واجب ہوگی؟ کس وقت اس کو ادا کرنا چاہیے؟ بیّنوا توجروا

الجواب

ستمبر اکتوبر کا اعتبار حرام ہے، نہ اس کے اوقاتِ آمدنی پر لحاظ، بلکہ سب میں پہلی جس عربی مہینے کی جس تاریخ جس گھنٹے منٹ پر وہ ۵۶ روپیہ کا مالک ہُوا اور ختم سال تک یعنی وہی عربی مہینہ وہی تاریخ وہی گھنٹہ منٹ دوسرے سال آنے تک اُس کے پاس نصاب باقی رہا وہی مہینہ تاریخ منٹ اُس کے لیے زکوٰۃ کا سال ہے، آمدنی کا سال کبھی سے شروع ہوتا ہو اُس عربی مہینہ کی اُس تاریخ منٹ پر اُس کی زکوٰۃ دینا فرض ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۵۶ از شہر بریلی اسٹیشن ریلوے سٹی آر، کے، آر نعمت حسین ڈرا پور ۵ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید عرصہ تخمیناً بیس سال سے ریلوے کمپنی کے یہاں ملازم ہے اور ریلوے اپنے قاعدے کے موافق بشمول دیگر ملازمان کے زید کی تنخواہ ماہواری سے ایک آنہ چار پائی فی روپیہ بطور ضمانت مجرا کرلیتی ہے اور بعد چھ ماہ کے اُس روپے کو کسی دوسری تجارت وغیرہ میں لگا دیتی ہے، درصورت نفع ونقصان کے رسدی کمی بیشی کرکے پھر ششماہی پر رسید دے دیتی ہے، ابتدا میں ایک روپیہ دو آنہ مجرا ہوتا تھا، جُوں جُوں تنخواہ میں ترقی ہوتی گئی اُس میں بھی اضافہ ہوتا گیا، چنانچہ اب مبلغ تین روپے ماہوار مجرا کیا جاتا ہے اور اب اصل تعداد مبلغ پانچسو کی ہوگئی ہے اور کل تعداد ایک ہزار سے زائد ہوگئی ہے جس وقت زید ملازمت سے علیحدہ ہوگا اُس وقت اُس کو اور اُس کے ورثا کو وصول ہوگا بشرطیکہ میعادِ ملازمت اچھے طریقے پر ختم ہوجائے اور کوئی قصور وغیرہ واقع نہ ہو مگر پانچسو روپے جو اصلی ہے اُس میں کسی طرح اندیشہ نہیں ہے سوا اس کے کہ درمیان ملازمت کے روپے کا وصول ہونا ناممکن ہے جب تک ملازمت سے مستعفی نہ ہو، از روئے شریعت اُس روپے پر زکوٰۃ دینا فرض ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس وقت سے دی جائیگی؟ اصلی تعداد پر دی جائے گی یا کل روپے پر؟ اور نصابِ زکوٰۃ کس قدر اور اس پر مقدارِ زکوٰۃ کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جب سے وُہ اصلی روپیہ خود یا مع اور زکوٰتی مال کے جو زید کے پاس ہے، قدر نصاب یعنی ۵۶ روپے تک پہنچا اور حوائجِ اصلیہ سے بچ کر اُس پر سال گزرا اُس وقت سے اُس پر زکوٰۃ واجب ہوئی اور سال بسال جدیدہ زکوٰۃ واجب ہوتی رہی، ہاں اگلے سال کی جتنی زکوٰۃ واجب ہُوئی ہے اس سال جمع میں سے اُتنا کم کرلیں گے کہ اُتنا اُس پر اللہ عزوجل کا دین ہے باقی مع جدید مقدار سال حال پر زکوٰۃ آئے گی، تیسرے سال کی جمع میں سے دو برس گزشتہ کی زکوٰۃ واجب شدہ مجرا کریں گے اور سال حال کا اضافہ شامل کریں گے، اس قدر پر زکوٰۃ آئے گی، چوتھے سال کی جمع میں سے تین سال کی زکوٰۃ مذکور مجرا کریں گے اور سال حال کا اضافہ شامل کریں گے اس قدر پر زکوٰۃ آئے گی، چوتھے سال کی جمع میں سے تین سال کی زکوٰۃ مذکور مجرا اور امسال کا اضافہ شامل ہوگا، اخیر تک یونہی کرینگے،

تجارت میں وُہ روپیہ اگراس کی اجازت سے لگایا جاتا ہے تو اس کا منافع شامل ہوگا اس طور پر زکوٰۃ سال بسال واجب ہوا کرے گی، مگر اس روپیہ کی زکوٰۃ ادا کرنا اس وقت لازم ہوگا جب وُہ وصول ہوگا، اور جو اضافہ کمپنی سُود کے طریقے پر کرتی ہے اس پر کبھی زکوٰۃ نہ ہوگی، نہ وہ اس کی ملک ہے نہ اُسے سُود کی نیت سے کسی طرح جائز ہے، ہاں بعد ختم اگر کمپنی بطور خود اس کو وُہ اضافہ دے اور کمپنی میں کوئی مسلمان شریک نہ ہو تو یہ اُس اضافہ کو اس نیت سے لے سکتا ہے کہ ایک غیر مسلم جماعت ایک مال بخوشی دیتی ہے، یُوں مال مباح سمجھ کر لے سکتا ہے سُود کی نیت نہ ہو، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ از کوسی کلاں ضلع متھرا مرسلہ اللہ مہر ۲۱ رمضان المبارک ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زکوٰۃ اعلان سے دینا بہتر ہے یا خفیہ طور سے؟ بینوا توجروا

الجواب

زکوٰۃ اعلان کے ساتھ دینا بہتر ہے، اور خفیہ دینا بھی بے تکلف روا ہے، اور اگر کوئی صاحبِ عزت حاجتمند ہو کہ اعلانیہ نہ لے گا یا اس میں سبکی سمجھے گا تو اُسے خُفیہ ہی دینا بہتر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ از سیدپور ڈاکخانہ وزیرگنج ضلع بدایوں مرسلہ آغا زعلی خاں ۱۶ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

تجارت کے سرمایہ اصلی پر یعنی اس کی لاگت پر زکوٰۃ دینا واجب ہے یا منافع پر؟

الجواب

تجارت کی نہ لاگت پر زکوٰۃ ہے نہ صرف منافع پر، بلکہ سال تمام کے وقت جو زرِ منافع ہے اور باقی مالِ تجارت کی جو قیمت اس وقت بازار کے بھاؤ سے ہے اُس پر زکوٰۃ ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵۹ مسئولہ حافظ محمود حسین صاحب ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۰۸ھ

زید نے بکر کو کچھ دیا اور کہا اس کو مساکین کو جہاں مناسب سمجھو دے دیجیو، اگر زید خود اس کا مصرف ہو اپنے اوپر اس کو صرف کرسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

جس کے مالک نے اُسے اذنِ مطلق دیا کہ جہاں مناسب سمجھو، دو، تو اسے اپنے نفس پر بھی صرف کرنے کا اختیار حاصل ہے، جبکہ یہ اس کا مصرف ہو۔ ہاں اگر یہ لفظ نہ کہے جاتے تو اُسے اپنے نفس پر صرف کرنا جائز نہ ہوتا مگر اپنی یا اولاد کو دے دینا جب بھی جائز ہوتا اگر وُہ مصرف تھے۔ درمختار میں ہے:

للوکیل ان یدفع لولدہ الفقیر وزوجتہ لا لنفسہ الا اذا قال ربھا

وکیل کو جائز ہے کہ اپنے نابالغ فقیر بچے اور اپنی بیوی مستحق کو زکوٰۃ دے دے جبکہ خود نہیں لے سکتا،

ضعها حیث شئت[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ | ہاں اگر مال والے نے یہ کہا ہو کہ جہاں مناسب سمجھو خرچ کرو، تو اپنے لیے بھی جائز ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶۰ تا ۶۲ از اندور سیاگنج مرسلہ طاہر محمد عبدالغنی صاحب ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں:

(۱) اگر چند اشخاص دولتمندان کئی ہزار روپے زکوٰۃ کا جمع کرکے چند معتبر لوگوں کے سپرد اس غرض سے کریں کہ وہ روپیہ حقداران زکوٰۃ کو حسبِ ضرورت ان کے دیا جائے۔

(۲) وہ لوگ جن کی سپردگی میں مالِ زکوٰۃ دیا گیا ہے وہ اس مال کو بڑھانے کی غرض سے تجارت میں لگا سکتے ہیں یا نہیں، یا کسی تاجر کی شرکت میں شامل کرسکتے ہیں یا نہیں؟

(۳) ایک ایسا شخص کہ جس کے نزدیک اپنا ذاتی مکان ہے اور اس مکان کی سالانہ آمدنی سو روپے بھی مگر بوجہ عیالدار ہونے کے اُس کا خرچ تین سو روپے سالانہ ہے تو ایسے شخص کو زکوٰۃ کے مال سے امداد دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

(۱ و ۲) ان لوگوں پر فرض ہے کہ وہ روپیہ مستحقینِ زکوٰۃ پر تقسیم کردیں اُس سے تجارت کرنا ان کو حرام ہے جب تک اذن جملہ مالکان نہ ہو، اور مالکوں کو بھی جائز نہیں کہ اگر اُن پر زکوٰۃ کا پورا سال ہوچکا ہو تو زکوٰۃ روکیں اور تجارت کے منافع حاصل ہونے پر ملتوی کریں۔ سالتمام پر زکوٰۃ فوراً فوراً ادا کرنا واجب ہے، ہاں جس نے پیشگی دیا ہُوا بھی سال تمام اُس پر نہ آیا ہو وہ سال تمام آنے تک ٹھہر سکتا ہے، پھر اگر یوں کرے کہ مثلاً ہزار روپے سال آئندہ کی زکوٰۃ کی نیت سے تجارت میں لگادے کہ ان سے جو نفع ہو وہ بھی مع ان ہزار کے فقراء کو دے گا تو یہ نہایت محبوب عمل ہے،

وفیہ حدیث من زرع شعیر اجرۃ الاجیر وحصل منہ اموالا فلما جاء الاجیر سلم کلھا الیہ ففرج اللہ بہ منہ وھم اصحاب الرقیم رضی اللہ تعالٰی عنھم[2]۔ | اس بارے میں وہ حدیث ہے کہ جس نے مزدور کی اُجرت جَو کو بویا اور اس سے جو اموال حاصل ہوئے جب مزدور آیا تو وُہ تمام اموال اسے دے دئے، تو اللہ تعالٰی نے انھیں (رضی اللہ عنہم) کو راستہ دیا جب غار میں پھنس گئے تھے اور وُہ اصحاب کہف ہیں (ت)

---

[1] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۰

[2] صحیح مسلم باب قصہ اصحاب الغار الثلٰثۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۳۵۳

10

مگر یہ ضرور ہے کہ اگر تجارت میں نقصان ہو تو وہ نقصان فقراء پر نہیں ڈال سکتا، اُن کو سال تمام پر پورے ہزار دینے لازم ہوں گے۔

(۳) ہاں اُسے زکوٰۃ دے سکتے ہیں اگرچہ اُس کی حاجت سکونت کا مکان ہزار روپے کا ہو یا کرائے پر چلالے کہ مکان سے ہزار روپے سالانہ آتا ہو اور اُس کا ضروری مصارف ونفقہ اہل وعیال سے اتنا نہ بچتا ہو کہ وُہ اپنی حاجت اصلیہ سے فارغ ۵۶ روپے کا مالک ہو۔ عالمگیریہ میں ہے:

لوکان لہ حوانیت اودار غلۃ تساوی ثلثۃ اٰلاف درہم وغلتھا لاتکفی لقوتہ وقوت عیالہ یجوز صرف الزکوٰۃ الیہ فی قول محمد رحمہ اللہ تعالٰی ولو کان لہ ضیعۃ تساوی ثلثۃ اٰلاف ولا تخرج مایکفی لہ ولعیالہ اختلفوا فیہ قال محمد بن مقاتل یجوز لہ اخذ الزکوٰۃ ھکذا فی فتاوٰی قاضیخان[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اگر کسی شخص کی دُکانیں اور کرایہ کی جگہ ہے جو تین ہزار دراہم کے مساوی ہیں لیکن کرایہ اس کے اور اس کے عیال کے لیے کافی نہیں تو امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک اس پر زکوٰۃ خرچ کرنا جائز ہے اور اگر اس کی زمین ہے جو تین ہزار کے مساوی ہے لیکن اس سے اتنی پیداوار نہیں ہوتی جو اُس کے اور اس کے اہل وعیال کے لیے کافی ہو تو اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے، محمد بن مقاتل کہتے ہیں کہ اس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے۔ اسی طرح فتاوٰی قاضی خاں میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶۳ و ۶۴ مرسلہ محمد قاسم صاحب از مقام گونڈل علاقہ کاٹھیاواڑ ۴ ذیقعدہ ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین ذیل کے مسئلوں میں:

(۱) ایک شخص نے چالیس یا پچاس ہزار کے مکانات اپنی حاجات سے زیادہ صرف کرایہ وصول کرنے کی غرض سے خریدکیے، آیا اس صورت میں حاجت سے زیادہ مکانات میں ان کی قیمت کے اوپر زکوٰۃ فرض ہے یا جو کرایہ آتا ہے اس کے اوپر ہے؟

(۲) جو صاحب مکان کی زینت کے لیے تانبے، پیتل، چینی وغیرہ کے برتن خرید کر کے مکان کو سجاتا ہے اور کبھی وہ برتن استعمال میں بھی آتے ہیں اور کبھی نہیں بھی آتے ہیں، اس صورت میں کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا۔

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب السابع فی المصارف نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۸۹

الجواب

(۱) مکانات پر زکوٰۃ نہیں اگرچہ پچاس کروڑ کے ہوں، کرایہ سے جو سال تمام پر پس انداز ہوگا اس پر زکوٰۃ آئے گی اگر خود یا اور مال سے مل کر قدر نصاب ہو۔

(۲) برتن وغیرہ اسبابِ خانہ داری میں زکوٰۃ نہیں اگرچہ لاکھوں روپے کے ہوں، زکوٰۃ صرف تین چیزوں پر ہے: سونا، چاندی، کیسے ہی ہوں، پہننے کے ہوں یا برتنے کے یا رکھنے کے، سکّہ ہو یا ورق۔ دوسرے چرائی پر چھوٹے جانور۔ تیسرے تجارت کا مال۔ باقی کسی چیز پر نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۶۵ از بدایوں خانہ اسسٹنٹ کمشنر ، ربیع الاول شریف ۱۳۰۸ھ

ایک شخص کے پاس مال زکوٰۃ کے قابل ہے، اُس نے سال گزشتہ کے بعد یکمشت روپیہ مسلمان محتاج کو دیا لیکن اس نے زکوٰۃ کی نیت بروقت دینے کے نہ کی، نہ اس کے دل میں خیال آیا کہ زکوٰۃ ادا کرتا ہوں، بعد کو خیال آیا ہو تو یہ دیا ہُوا روپیہ زکوٰۃ میں داخل ہُوا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

اگر یہ مال کہ محتاج کو دیا خالص بہ نیتِ زکوٰۃ الگ کر رکھا تھا یعنی اس نیت سے جُدا کرکے رکھ چھوڑا کہ اسے زکوٰۃ میں دیں گے تو جس وقت اس میں سے محتاج کو دیا گیا زکوٰۃ ادا ہوگئی اگرچہ دیتے وقت زکوٰۃ کا خیال نہ آیا اور ایسا نہ تھا تو وہ مال جب تک محتاج کے پاس موجود ہے اب اس میں زکوٰۃ کی نیت کرلے صحیح ہو جائے گی، اور اگر اس کے پاس نہ رہا تو اب نیت نہیں کرسکتا، یہ مال خیرات نفل میں گیا زکوٰۃ جُدا ادا کرے۔ درمختار میں ہے:

شرط صحۃ ادائھا نیۃ مقارنۃ للاداء ولوکانت المقارنۃ حکما کما لو دفع بلا نیۃ ثم نوی والمال قائم فی ید الفقیر او مقارنۃ بعزل ما وجب کلہ او بعضہ ولایخرج عن العھدۃ بالعزل بل بالاداء للفقراء[1] اھ ملخصا واللہ تعالٰی اعلم۔

صحت ادائیگی زکوٰۃ کے لیے ادا کے وقت نیت کا متصل ہونا ضروری ہے خواہ اتصال حکمی ہو، مثلاً کسی نے بلانیت زکوٰۃ ادا کردی اور ابھی مال فقیر کے قبضہ میں ہو تو نیت کرلی یا کل یا بعض مال برائے زکوٰۃ جُدا کرتے وقت نیت کرلی جائے، باقی جدا کرنے سے ذمہ داری پُوری نہیں ہوتی بلکہ فقراء تک پہنچانے سے ہوگی اھ تلخیصاً واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۰

مسئلہ ۶۶ ازمونگیر محلہ بٹون بازار مرسلہ شیخ امداد علی صاحب ۲۱ صفر ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو روپیہ قرض و دین میں لوگوں پر پھیلا ہو اور زر وصول ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ اگر واجب ہوگی تو فی الحال یا بعد وصول، اور کتنے وصول پر واجب ہوگی اور اس پر سال تمام کب سے لیا جائے گا؟ بینوا توجروا

الجواب

دین تین قسم ہے:

اول قوی یعنی قرض، جسے عرف میں دست گردان کہتے ہیں اور تجارتی مال کا ثمن یا کرایہ، مثلاً اس نے بہ نیت تجارت کچھ مال خریدا وہ قرضوں کسی کے ہاتھ بیچا تو یہ دین جو خریدار پر آیا دین قوی ہے، یا کوئی مکان یا دکان یا زمین بہ نیت تجارت خریدی تھی اب اسے کسی کے ہاتھ سکونت یا نشست یا زراعت کے لیے کرایہ پر دیا، یہ کرایہ اگر اس پر دین ہوگا تو دین قوی ہوگا۔

دوم متوسط کہ کسی مال غیر تجارتی کا بدل ہو، مثلاً گھر کا غلہ یا اثاث البیت، یا سواری کا گھوڑا کسی کے ہاتھ بیچا، یونہی اگر کسی پر کوئی دین اپنے مورث کے ترکہ میں ملا تو مذہب قوی پر وہ بھی دین متوسط ہے۔

سوم ضعیف کہ کسی مال کا بدل نہ ہو، جیسے عورت کا مہر کہ منافع بضع کا عوض ہے، یا وہ دین جو بذریعہ وصیت اسے پہنچا یا بسبب خلع عورت پر لازم آیا، یا مکان دکان زمین کہ بہ نیت تجارت نہ خریدی تھی اُن کا کرایہ چڑھا قسم سوم کے دین پر، جب تک دین رہے اصلاً زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اگرچہ دس برس گزر جائیں، ہاں جس دن سے اس کے قبضہ میں آئے گا شمار زکوٰۃ میں محسوب ہوگا یعنی اس کے سوا اور کوئی نصاب زکوٰۃ اسی کی جنس سے اس کے پاس موجود تھا اس پر سال چل رہا تھا تو جو وصول ہوا اس میں ملا لیا جائے گا اور اسی کے سال تمام پر کل کی زکوٰۃ لازم ہوگی اور اگر ایسا نصاب نہ تھا تو جس دن سے وصول ہوا اگر بقدر نصاب ہے اُسی وقت سے سال شروع ہوا ورنہ کچھ نہیں اور دو قسم سابق میں تجارت دین ہی سال بسال زکوٰۃ واجب ہوتی رہے گی مگر اُس کا ادا کرنا اسی وقت لازم ہوگا جبکہ اُس کے قبضہ میں دین قوی سے بقدر خمس نصاب یا متوسط سے بقدر کامل نصاب آئیگا یہاں کے روپے میں نصاب کامل ۵۶ روپیہ ہے اور اس کا خمس لعہ ۲ ؍ ۲۳ ۲/۵ پائی، پھر اگر دین کئی سال کے بعد وصول ہو تو ہر سال متقدم کی زکوٰۃ جو اس کے ذمہ دین ہوتی رہی وہ پچھلے سال کے حساب میں اسی وصولی رقم پر ڈالی جائے گی، مثلاً عمرو پر زید کے تین سو درم شرعی دین قوی تھے، پانچ برس بعد چالیس درم سے کم وصول ہوئے تو کچھ نہیں اور چالیس ہوئے تو صرف ایک درم دینا آئے گا اگرچہ پانچ برس کی زکوٰۃ واجب ہے کہ سال اول کی بابت ان چالیس درم سے ایک درم دینا آیا یا اب انتالیس رہ گئے کہ خمس نصاب سے کم ہے لہذا باقی برسوں کی بابت ابھی

کچھ نہیں، اور اگر تین سو درم دین متوسط تھے تو جب تک دو سو وصول نہ ہوں کچھ واجب الادا نہیں اور دو سو درم اگر پانچ برس بعد وصول ہُوئے تو اکیس درم دینے ہوں گے، سال اول کے پانچ درم اب سال دوم میں ماحہ للعہ رہ گئے تو حہ کہ خمس سے کم تھے عفو ہو کر ماسہ درم سال سوم میں مالہ لعہ رہے اب بھی چار درم چہارم میں ماعہ لہ پنجم میں مالہ ان پر بھی چار چار کل لہ عہ درم واجب الادا ہُوئے، یونہی جب دین قوی سے خمس نصاب اور متوسط سے پُورا نصاب وصول ہوتا جائیگا، اسی حساب سے اتنے کی زکوٰۃ سنین گزشتہ کی زکوٰۃ واجب الادا ہوتی جائے گی، اگر کل وصول ہو گا کل کی، پھر دین ہونے کی تاریخ سے سال اول حالت میں مانا جائے گا جبکہ اس سے پہلے اس کی کسی جنس کے نصاب کا سال رواں نہ تھا ورنہ جو دین وسط سال میں اس کا یافتنی ہُوا وہ اسی مال موجود میں ملا کر اس کے سال سے حساب رہے گا۔ مثلاً یکم محرم کو دو سو درم کا مالک ہوا، یکم رجب کو اس کا کوئی دین قوی یا متوسط کسی پر لازم آیا تو اس دین کا سال بھی یکم محرم سے لیں گے نہ کہ یکم رجب سے، تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

الدیون عند الامام ثلثۃ قوی، متوسط ضعیف فتجب زکوتھا اذا تم نصابا (بنفسہ اوبماعندہ مما یتم بہ) وحال الحول (ای ولو قبل قبضہ فی القوی و المتوسط) لکن لافوراً بل عند قبض اربعین درھما من القوی کقرض وبدل مال تجارۃ فکلما قبض اربعین درھما یلزمہ درھم وعند قبض مائتین من بدل مال لغیر تجارۃ وھو المتوسط کثمن سائمۃ وعبید خدمۃ ویعتبر مامضی من الحول قبل القبض فی الاصح ومثلہ مالوورث دینا علی رجل و عند قبض مائتین مع حولان الحول بعدہ من ضعیف و

امام صاحب کے نزدیک دیون کی تین اقسام ہیں: قوی، متوسط، ضعیف۔ دیون پر زکوٰۃ ہوتی ہے بشرطیکہ وہ خود یا مالک کے پاس موجودہ مال سے مل کر نصاب کو پہنچیں اور ان پر سال گزرا ہو اگرچہ قوی اور متوسط میں قبضہ سے پہلے ہو لیکن فوراً نہیں بلکہ قوی میں چالیس دراہم کے قبضہ پر ایک درہم ہوگا جیسا کہ قرض اور بدلِ مالِ تجارت میں ہوتا ہے تو جب بھی چالیس دراہم پر قابض ہوگا ایک درہم لازم ہو گا، غیر تجارت کے بدلے میں جو دین ہوتا ہے اسے متوسط کہا جاتا ہے اس میں سے دو سو دراہم کے قبضہ کے بعد زکوٰۃ ہوگی مثلاً سائمہ کی قیمت، خدمت والے غلاموں کی قیمت، اصح قول کے مطابق قبضہ سے قبل گزشتہ سالوں کا بھی اعتبار کیا جائیگا، اسی کی مثل وہ صورت ہے جب کوئی دین میں کسی کا وارث بنا، اور ضعیف میں دو سو کے

هو بدل غیر مال کمهر و بدل خلع الا اذا
کان عنده ما یضم الی الدین
الضعیف (الاولی ان یقول ما یضم الدین
الضعیف الیه) والحاصل انه اذا
قبض منه شیئا وعنده نصاب
یضم المقبوض الی النصاب و
یزکیه بحوله ولا یشترط له حول
بعد القبض[1] اھ ملخصا مزیدا من
رد المحتار اقول والاولی فی رسم
الضعیف ما لیس بدل یشتمل ما لیس
بدلا اصلا کالدین الموصی به
فی رد المحتار عن المحیط اما
الدین الموصی به فلا یکون
نصابا قبل القبض لان الموصی له
ملکه ابتداء من غیر عوض و لا
قائم مقام الموصی فی الملک فصار
کما لو ملکه بهبة[2] اھ هذا وفی الخانیة
والفتح والبحر واللفظ لقاضی خان
اذا اجر داره او عبده بمائتی درهم
لا تجب الزکوٰة ما لم یحل الحول بعد القبض
فی قول ابی حنیفة رحمة الله تعالٰی علیه
فان کانت الدار والعبد للتجارة وقبض

قبضہ کے وقت زکوٰۃ ہوگی بشرطیکہ اس کے بعد سال
گزرے اور دینِ ضعیف غیر مال کا بدل ہوتا ہے مثلاً مہر،
بدلِ خلع، مگر ایسی صورت میں جب دینِ ضعیف کے ساتھ
مالک کے پاس موجود مال ہو تو ملایا جائے (بہتر یہ ہے کہ یوں
کہا جائے کہ دینِ ضعیف کو اس مال کے ساتھ ملایا جائے،
حاصل یہ ہے کہ اس میں سے جب کسی شئی پر قبضہ ہوا حالانکہ
مالک کے پاس نصاب بھی تھا تو اب مقبوض کو نصاب سے
ملا کر سال کی زکوٰۃ دی جائے اس میں قبض کے بعد سال کا
گزرنا شرط نہیں) اھ تلخیصاً، اضافی عبارت ردالمحتار
کی ہے، اقول ضعیف کی تعریف یُوں کرنا بہتر
ہے کہ جو مال کا بدل نہ ہوتا کہ اسے بھی شامل ہو جائے جو
اصلاً بدل ہی نہیں مثلاً وہ دین جس کی وصیت
کی گئی ہو۔ ردالمحتار میں محیط سے ہے وُہ دین جس کی
وصیت کی گئی ہو وہ قبض سے پہلے نصاب نہیں بن سکتا
کیونکہ موصیٰ لہ بغیر عوض کے ابتداءً مالک بن رہا ہے اور
یہ ملکیت میں وصیت کرنے والے کا قائم مقام بھی نہیں،
یہ ایسے ہوگا جیسے وہ ہبہ کا مالک بنا ہو اھ خانیہ، فتح
اور بحر میں ہے اور الفاظ قاضی خاں کے ہیں
جب کسی نے دار یا غلام دو سو دراہم کے عوض اجرت
پر دیا تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول کے
مطابق قبضہ کے بعد سال گزرنے سے پہلے زکوٰۃ لازم
نہ ہوگی، اگر دار اور غلام تجارت کے لیے تھے اور سال کے

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ المال مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۶
ردالمحتار " " مصطفی البابی مصر ۲/ ۳۸ تا ۴۰
[2] ردالمحتار باب زکوٰۃ المال دار الکتب العربیہ مصطفی البابی مصر ۲/ ۳۹

اربعین درهما بعد الحول کان علیه درهم بحکم الحول الماضی قبل القبض لان اجرة دار التجارة وعبد التجارة بمنزلة ثمن مال التجارة فی الصحیح من الروایة[1] اھ قلت فتقدم علی روایة انها من الضعیف او الوسیط وان مشی علی الاخری فی المحیط وکذلك کون الموروث من المتوسط هو الرجیح وان جزم فی الهندیة عن الزاهدی انه من الضعیف فقد مرضها فی الخانیة و اخر وهکذا اشار الی تضعیفه فی الفتح و البحر وفی رد المحتار عن المنتقی رجل له ثلثمائة درهم دین حال علیها ثلثة احوال فقبض مائتین فعند ابی حنیفة یزکی للسنة الاولی خمسة وللثانیة و الثالثة اربعة اربعة من مائة وستین ولا شیئ علیه فی الفضل لانه دون الاربعین[2] اھ وفی الهندیة عن شرح المبسوط للامام السرخسی ان الدین مصروف الی المال الذی فی یده[3] اھ وفی رد المحتار اذا کانت الالف من دین قوی کبدل عروض تجارة فان ابتداء الحول هو حول الاصل لا من حین البیع ولا من حین القبض فاذا قبض منه نصابا او اربعین

بعد چالیس دراہم پر قبضہ ہوا تو اب ایک درہم لازم اس سال کی وجہ سے ہوا جو قبضہ سے پہلے گزرا ہے کیونکہ صحیح روایت کے مطابق دار تجارت اور عبد تجارت کی اجرت مال تجارت کے ثمن کی مثل ہوتی ہے اھ قلت پہلے ایک روایت میں گزرا ہے کہ یہ دین ضعیف یا متوسط سے ہے اگرچہ محیط میں دوسری روایت کو اختیار کیا ہے، اسی طرح مال موروثہ بھی متوسط میں سے ہے اور یہی راجح ہے، اگرچہ ہندیہ میں زاہدی سے اس کے ضعیف ہونے پر جزم کیا ہے، خانیہ میں اسے کمزور قرار دیا ہے۔ اسی طرح فتح اور بحر میں اس کے ضعف کی طرف اشارہ ہے۔ ردالمحتار میں منتقی سے ہے کہ کسی شخص کا تین سو دراہم دین تھا اور اس پر تین سال گزرے تو اس کا دو سو پر قبضہ ہوا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک پہلے سال پانچ، دوسرے و تیسرے میں ایک سو ساٹھ میں سے چار چار درہم زکوٰۃ دے، فضل میں کوئی شیئ لازم نہ ہوگی کیونکہ وہ چالیس سے کم ہیں اھ ہندیہ میں امام سرخسی کی شرح مبسوط سے ہے کہ دین اس مال کی طرف لوٹے گا جس پر قبضہ ہوا۔ ردالمحتار میں ہے کہ جب دین قوی مثلاً بدل سامان تجارت ہزار دراہم ہوں تو سال کی ابتداء حولِ اصل سے ہوگی نہ وقتِ بیع سے اور نہ وقتِ قبضہ سے، تو جب اس نے دین سے نصاب یا چالیس درہم پر قبضہ کیا تو اس سال کا

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں — فصل فی مال التجارۃ — نولکشور لکھنؤ — ۱/ ۱۹-۱۱۸

[2] ردالمحتار — باب زکوٰۃ المال — مصطفی البابی مصر — ۲/ ۳۸

[3] فتاوٰی ہندیہ — کتاب الزکوٰۃ — نورانی کتب خانہ پشاور — ۱/ ۱۷۳

درھما زکاہ عما مضی بانیا علی حول الاصل فلو ملك عرضا للتجارۃ ثم بعد نصف الحول باعہ ثم بعد حول ونصف قبض ثمنہ فقد تم علیہ حولان فیزکیھما وقت القبض بلا خلاف[1] اھ اقول وانما خص الکلام بالقوی لان اصلہ من اموال الزکوۃ بخلاف المتوسط فلا حول لاصلہ فلو لم یکن لہ قبلہ نصاب من جنسہ لا یبتدأ الحول الا من حین البیع لانہ بہ صار مال الزکوۃ کما نقلہ ھھنا عن المحیط ولیس یرید ان فی الوسیط لا یبتدأ الا من وقت البیع وان وجد قبلہ نصاب یجانسہ تحت حولان الحول فانہ خلاف مسئلۃ المستفاد والمتفق علیھا عند علمائنا المصرح بھا فی جمیع کتب المذھب متونا وشروحا وفتاوی فافھم وتثبت - واللہ تعالٰی اعلم۔

اعتبار کرتے ہُوئے گزشتہ عرصہ کی زکوٰۃ دے اگر کوئی شخص تجارت کے لیے سامان کا مالک ہُوا پھر اس نے نصف سال کے بعد سامان بیچ ڈالا اور ڈیڑھ سال کے بعد اس کے ثمن پر قبضہ کیا تو اب اس پر دو سال گزر چکے ہیں تو اب بلا اختلاف وقتِ قبض سے اس کی زکوٰۃ دی جائے گی اھ اقول دین قوی کے ساتھ کلام مخصوص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا اصل اموالِ زکوٰۃ سے ہوتا ہے بخلاف دین متوسط کہ وہاں اس کے اصل پر سال شرط نہیں ہے۔ اب اگر اس کی جنس سے پہلے نصاب نہ تھا تو اب سال کی ابتداء بیع کے وقت سے ہی ہوگی کیونکہ اس کی وجہ سے وہ مالِ زکوٰۃ بنا ہے جیسا کہ اس مقام پر محیط سے منقول ہُوا ہے اور یہ مراد نہیں کہ متوسط میں وقتِ بیع سے پہلے ابتداء نہیں ہو سکتی اگرچہ سال پہلے اس کی جنس سے نصاب ہو کیونکہ یہ مسئلہ مستفاد اور اس متفق علیہ مسئلہ کے خلاف ہے جس پر ہمارے علماء نے تمام کتب کے متون، شروحات اور فتاوٰی میں تصریح کی ہے، پس اسے اچھی طرح سمجھ لو اور اس پر قائم رہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶۷   ۲۲ شوال ۱۳۱۴ھ

جب قرضہ کے ادا کی شکل نہ ہُوئی تو شوہر نے والدہ کو رقعہ لکھ دیا اور وُہ زیور ان سے واپس لے کر فروخت کر ڈالا اور روپیہ تجارت میں لگایا، بیچنا مجھے منظور نہ تھا مگر مجبوری تھی کہ روزگار نہ تھا، شوہر کی بیکاری تھی، قرضہ ابھی ادا نہ ہُوا اور وُہ تجارت بھی نقصان ہو کر چھُوٹ گئی، مالکِ تجارت شوہر ہی سمجھے جاتے تھے، اس کی آمد گھر میں سب بال بچّوں کے خرچ میں صرف ہوتی تھی، تجارت چھُٹنے کے بعد جو روپیہ بچا وہ سب گھر کے خرچوں میں صرف ہوا، کبھی یہ ذکر درمیان نہ آیا کہ میرے زیور کا روپیہ ہے کیونکہ معاملہ ایک سمجھا جاتا تھا اب وُہ روپیہ بھی نہیں اور

---

[1] ردالمحتار   باب زکوٰۃ المال   مصطفی البابی مصر   ۲/ ۳۹

نہ شوہر کا روزگار ٹھیک ہے اور قرضہ بدستور ہے، بینوا توجروا۔

الجواب

اگر زیور تمھاری اجازت سے بیچ کر شوہر نے اپنی تجارت میں لگایا اگرچہ وہ اجازت اسی مجبوری سے تھی کہ شوہر کی بیکاری ہے تو اس کی قیمت شوہر پر قرض رہی اور اگر بے تمھاری اجازت کے بطور خود بیچ ڈالا اگرچہ تم نے سکوت کیا تو حکم غصب میں تھا بہرحال سال بسال اُس کی زکوٰۃ تم پر واجب ہوتی رہی اور واجب ہُوا کرے گی جب تک نصاب باقی رہے مگر اس زکوٰۃ کا دینا تُم پر واجب نہ ہوگا، جب تک شوہر اس میں سے بقدر گیارہ روپے سوا تین آنہ کچھ کوڑیاں کم کے تمھیں ادا نہ کرے یعنی لعہ ۳ ۲ $\frac{۲}{۵}$ پائی جس وقت اس قدر اس میں سے تمھارے قبضہ میں آئے گا اُس وقت اس مقدار کا چالیسواں حصہ دینا واجب ہوگا اور اگر کچھ قبضہ میں نہ آئے گا تو اس زکوٰۃ کا ادا کرنا واجب نہ ہوگا

قال الشامی فی مسئلۃ المغصوب قال والظاھر علی القول بالوجوب ان حکم الدین القوی[1] ای فتجب عند قبض اربعین درھما[2]۔

علامہ شامی نے مسئلہ مغصوب میں فرمایا کہ ظاہر وجوب کا قول ہی ہے کیونکہ یہی دین قوی کا حکم ہے اھ یعنی چالیس درہم کے قبضہ پر ایک درہم لازم ہوگا۔ (ت)

ہاں اگر تم نے وہ زیور انھیں دے ہی دیا تھا اس کی قیمت کبھی لینے کا خیال نہ تھا تو تم پر اس کی زکوٰۃ واجب ہی نہیں کہ ایسی حالت میں تمھیں استحقاق واپسی نہ رہا جبکہ کسی قرینہ سے شوہر کو مالک کردینا سمجھا گیا ہو، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶۸ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی شخص کا روپیہ اگر قرض میں پھیلا ہو تو اس کی زکوٰۃ اس کے ذمہ فرض ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جو روپیہ قرض میں پھیلا ہے اس کی بھی زکوٰۃ لازم ہے مگر جب بقدر نصاب یا خمس نصاب وصول ہو اُس وقت ادا واجب ہوگی جتنے برس گزرے ہوں سب کا حساب لگاکر۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۶۹ ۸ شوال ۱۳۱۴ھ

(۱) شوہر میرا قرضدار ہے اور میرے پاس زیور ہے زکوٰۃ کے لائق، اور میرا شوہر کا معاملہ ایک ہے، اور میرے پاس جو کچھ روپیہ ہوا تو شوہر کے قرضہ میں دے دیا یہ سمجھ کر کہ میرا اور اُن کا معاملہ واحد ہے بلکہ شوہر کو معلوم بھی

---

[1] رد المحتار باب زکوٰۃ المال مصطفی البابی مصر ۲/ ۳۹

بعد کو ہوا، اب میرا نہ شوہر پر تقاضا ہے نہ یہ گفتگو ہوئی کہ میں نے معاف کر دیا بلکہ اپنا اُن کا معاملہ ایک سمجھ کر قرضہ میں دے دیا، اب جو زیور ہے وہ قرضہ سے بہت کم ہے لیکن زکوٰۃ کے لائق ہے اس صورت میں زکوٰۃ دینا فرض ہے یا نہیں؟ اور خرچ بال بچّوں کا بہت ہے آمد بہت کم ہے، اگر زکوٰۃ فرض ہو تو کچھ ایسی صورت بتایئے کہ جس میں زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے اور خرچ کو تکلیف نہ ہو۔

(۲) جو روپیہ میری والدہ کے پاس سے مجھ کو ملا تھا میں نے شوہر کے قرضہ میں دے دیا یا گھر میں بال بچّوں کے خرچ میں صرف ہُوا زکوٰۃ کا حال معلوم نہ تھا کہ مجھ پر فرض ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

(۱) عورت اور شوہر کا معاملہ دنیا کے اعتبار سے کتنا ہی ایک ہو مگر اللہ عزّوجل کے حکم میں وہ جدا جدا ہیں، جب تمھارے پاس زیور زکوٰۃ کے قابل ہے اور قرض تم پر نہیں شوہر پر ہے تو تم پر زکوٰۃ ضرور واجب ہے اور ہر سال تمام پر زیور کے سوا جو روپیہ یا اور زکوٰۃ کی کوئی چیز تمھاری اپنی ملک میں تھی اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہوئی، جو روپے تم نے بغیر شوہر کے کہے بطور خود ان کے قرضہ میں دے دیا وہ تمھارا احسان سمجھا جائے گا اس کا مطالبہ شوہر سے نہیں ہو سکتا، بال بچّوں کا خرچ باپ کے ذمّہ ہے تمھارے ذمّہ نہیں، زکوٰۃ دینے سے خرچ کی تکلیف نہ سمجھو بلکہ اس کا نہ دینا ہی تکلیف کا باعث ہوتا ہے نحوست اور بے برکتی لاتا ہے اور زکوٰۃ دینے سے مال بڑھتا ہے اللہ تعالٰی برکت و فراغت دیتا ہے، قرآن مجید میں اللہ کا وعدہ ہے، اللہ تعالٰی سچّا اور اس کا وعدہ سچا، والسلام۔

(۲) اگر روپیہ تم نے شوہر کو دیا کہ اس سے اپنا قرض ادا کر لو اور اُسے دے ڈالنا مقصود نہ تھا تو وہ روپیہ تمھارا شوہر پر قرض ہے،

فی العقود الدریۃ عن لسان الحکام دفع الیہ دراھم فقال لہ انفقھا ففعل فھو قرض کما لو قال اصرفھا الی حوائجک[1]

عقود الدریہ میں لسان الحکام سے ہے کہ اگر کسی کو یہ کہتے ہُوئے دراہم دیے گئے کہ تم انھیں خرچ کرو اب اس نے خرچ کر لیے تو یہ قرض ہے جیسا کہ کہا ہو کہ تُو اسے اپنی ضروریات میں خرچ کرے (ت)

اس صورت میں تو وہی حکم ہے کہ اس کی زکوٰۃ تم پر سال بسال واجب جب تک نصاب باقی رہے، مگر یہ زکوٰۃ دینا اسی وقت لازم ہوگا جب شوہر سے بقدر ۱۱ عہ ۳ر کے وصول پاؤ گی، اُس وقت اس زکوٰۃ میں سے ساڑھے چار آنے دینے واجب ہوں گے کچھ کوڑیاں کم یعنی ۴ر ۵ $\frac{19}{25}$ پائی، اور اگر شوہر کو دے ڈالا یا بطور خود بغیر شوہر کی

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الھبۃ حاجی عبدالغفار و پسران تاجران کتب ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۹۱

درخواست کے اُن کے قرضہ میں دے دیا تو یہ روپیہ اور نیز وُہ جو بچوں کے خرچ میں صرف ہُوا اُن میں یہ دیکھا جائے گا کہ زکوٰۃ کا سال تمام ہونے سے پہلے یہ روپیہ دے ڈالا اور صرف ہوگیا جب تو کچھ نہیں، اور اگر بعد زکوٰۃ واجب ہونے کے دے دیا اور اُٹھ گیا تو جب تک باقی تھا اتنی مدت کی زکوٰۃ واجب رہی جب سے دے ڈالا خرچ ہوگیا زکوٰۃ لازم نہ ہوئی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۱ صفر ۱۳۳۲ھ

عورت پر مہر کی زکوٰۃ کون سی صورت سے واجب ہوگی مثلاً مہر غیر معجل ہے یا کہ معجل اور غیر معجل دونوں میں عورت نے معاف کردیا یا کہ معجل اور غیر معجل دونوں میں شوہر نے ادا نہ کیا عورت پر جب بھی کیا زکوٰۃ واجب؟ بینوا توجروا۔

الجواب

معجل مہر جب بقدر خمس نصاب ہو اُس وقت عورت پر زکوٰۃ واجب الادا ہوگی اور پہلے دیتی رہے تو بہتر ہے اور یہ مہر جو عام طور پر بلا تعیینِ وقت باندھا جاتا ہے جس کا مطالبہ عورت قبلِ موت و طلاق نہیں کرسکتی اس پر زکوٰۃ کی صلاحیت بعد وصول ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

رسالہ

اعزّ الاکتناہ فی ردّ صدقۃ مانع الزّکوٰۃ ۱۳۰۹

(زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے کے صدقۂ نفل کے رَد کے متعلق نادر تحقیقِ حقیق)

مسئلہ ۲: از پیلی بھیت مرسلہ عبدالرزاق خاں ذیقعدۃ الحرام ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنے روپیہ کی زکوٰۃ تو نہیں دیتا ہے مگر روپیہ مصرفِ خیر میں صرف کرتا ہے یعنی ہر روز فقراء کو زرِ نقد وغلہ تقسیم کرتا ہے، اور ایک مسجد بنوائی ہے، اور ایک گاؤں اس روپیہ سے خرید کر واسطے خیرات کے ہبہ کردیا ہے اور تاحیات خود زر توفیر اس کا صرف کرتا رہے مصرفِ خیر میں۔ اب ایک اور شخص یہ کہتا ہے کہ جس روپیہ کی زکوٰۃ نہیں دی گئی ہے، اس روپیہ سے کسی قسم کی خیرات جائز نہیں ہے، ہر روز کی خیرات اور بنوانا مسجد کا اور گاؤں کا ہبہ کرنا سب اکارت ہے۔ فلہذا فتوٰی طلب کیا جاتا ہے کہ جس روپیہ کی زکوٰۃ نہیں دی گئی ہے اس روپیہ کو مصرفِ خیر میں صرف کرنا جیسا کہ بالا مذکور ہے درست ہے یا نہیں؟ اور اگر درست نہیں ہے تو اس موضع کو ہبہ سے واپس لے کر دوبارہ اس قصد سے ہبہ کرے کہ اس موضع کی توفیر ہو جو ہر سال وصول ہوا کرے گی بالعوض اس زرِ زکوٰۃ کے جو اس کے ذمہ زمانہ ماضیہ کی دین ہے صرف ہوا کرے۔ بیّنوا توجروا

المکلّف: عبدالرزاق خاں ولد نتھو خاں کھنڈساری ساکن پیلی بھیت محلہ اشرف خاں

الجواب

زکوٰۃ اعظم فروضِ دین و اہم ارکانِ اسلام سے ہے، و لہذا قرآن عظیم میں بتیس۳۲ جگہ نماز کے ساتھ اس کا ذکر فرمایا اور طرح طرح سے بندوں کو اس فرضِ اہم کی طرف بُلایا، صاف فرمادیا کہ زنہار نہ سمجھنا کہ زکوٰۃ دی تو مال میں سے اتنا کم ہوگیا، بلکہ اس سے مال بڑھتا ہے۔

یمحق اللہ الربٰو و یربی الصدقات[1] — اللہ ہلاک کرتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو (ت)

بعض درختوں میں کچھ اجزائے فاسدہ اس قسم کے پیدا ہوجاتے ہیں کہ پیڑ کی اُٹھان کو روک دیتے ہیں، احمق نادان انھیں نہ تراشے گا کہ میرے پیڑ سے اتنا کم ہوجائے گا، پر عاقل ہوشمند تو جانتا ہے کہ ان کے چھانٹنے سے یہ تونہال لہلہا کر درخت بنے گا ورنہ یُوں ہی مرجھا کر رہ جائے گا، یہی حساب زکوٰتی مال کا ہے۔

حدیث[1] میں حضور پُرنور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ماخالطت الصدقۃ اوقال الزکوٰۃ مالا الا افسدتہ[2]۔ رواہ البزار والبیہقی عن ام المومنین الصدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا۔

زکوٰۃ کا مال جس میں ملا ہوگا اسے تباہ و برباد کردے گا۔ اسے بزار اور بیہقی نے ام المومنین الصدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔

دوسری[2] حدیث میں ہے حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ماتلف مال فی بر ولا بحر الا بحبس الزکوٰۃ[3]۔ اخرجہ الطبرانی فی الاوسط عن ابی ھریرۃ عن امیر المومنین عمر الفاروق الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنھما۔

خشکی و تری میں جو مال تلف ہوا ہے وُہ زکوٰۃ نہ دینے ہی سے تلف ہوا ہے۔ اسے طبرانی نے اوسط میں ابوہریرہ سے امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔

تیسری[3] حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من ادی زکوٰۃ مالہ فقد اذھب اللہ شرہٗ[4]۔ اخرجہ ابن خزیمۃ فی صحیحہ والطبرانی

جس نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کردی بیشک اللہ تعالٰی نے اس مال کا شر اس سے دُور کردیا۔ اسے ابن خزیمہ

---

[1] القرآن ۲/ ۲۷۶

[2] شعب الایمان للبیہقی حدیث ۳۵۲۲ فصل الاستعفاف عن المسئلۃ دارالکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۲۷۳

[3] مجمع الزوائد بحوالہ المعجم اوسط باب فرض الزکوٰۃ دارالکتاب العربی بیروت ۳/ ۶۳

[4] صحیح ابن خزیمۃ حدیث ۲۲۵۸ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۱۳

فی الاوسط والحاکم فی المستدرك عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

نے اپنی صحیح میں، طبرانی نے معجم اوسط میں اور حاکم نے مستدرک میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔

چوتھی حدیث میں ہے حضور اقدس صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ فرماتے ہیں:

حصنوا اموالکم بالزکوٰۃ وداووا مرضاکم بالصدقۃ[1] رواہ ابوداؤد فی مراسیلہ عن الحسن والطبرانی والبیہقی وغیرھما من جماعۃ من الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم۔

اپنے مالوں کو مضبوط قلعوں میں کرلو زکوٰۃ دے کر، اور اپنے بیماروں کا علاج کرو خیرات سے۔ اسے ابوداؤد نے اپنی مراسیل میں امام حسن بصری سے اور طبرانی و بیہقی اور دیگر محدثین نے صحابہ کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم۔

اے عزیز! ایک بے عقل گنوار کو دیکھ کہ تخمِ گندم اگر پاس نہیں ہوتا بہزار دقت قرض دام سے حاصل کرتا اور اسے زمین میں ڈال دیتا ہے، اس وقت تو وہ اپنے ہاتھوں سے خاک میں ملا دیا مگر امید لگی ہے کہ خدا چاہے تو یہ کھونا بہت کچھ پانا ہوجائے گا۔ تجھے اس گنوار کے برابر بھی عقل نہیں، یا جس قدر ظاہری اسباب پر بھروسہ ہے اپنے مالک جل وعلا کے ارشاد پر اتنا اطمینان بھی نہیں کہ اپنے مال بڑھانے اور ایک ایک دانہ ایک ایک پیڑ بنانے کو زکوٰۃ کا بیج نہیں ڈالتا۔ وہ فرماتا ہے، زکوٰۃ دو تمہارا مال بڑھے گا۔ اگر دل میں اس فرمان پر یقین نہیں جب تو کھلا کفر ہے، ورنہ تجھ سے بڑھ کر احمق کون کہ اپنے یقینی نفع دین ودنیا کی ایسی بھاری تجارت چھوڑ کر دونوں جہان کا زیان مول لیتا ہے۔

حدیث میں ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان تمام اسلامکم ان تؤدوا زکوٰۃ اموالکم[2] رواہ البزار عن علقمۃ۔

تمہارے اسلام کا پورا ہونا یہ ہے کہ اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا کرو۔ اسے بزار نے حضرت علقمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

حدیث: حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من کان یؤمن باللہ ورسولہ فلیؤد زکوٰۃ

جو اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان لاتا ہو اسے لازم

---

[1] کتاب المراسیل باب الصائم یصیب اہلہ (۲۰) مکتبہ علمیہ لاہور ص ۶۲

[2] کشف الاستار عن زوائد البزار باب وجوب الزکوٰۃ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱/۴۱۶

مالہ[1] رواہ الطبرانی فی الکبیر عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

ہے کہ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرے۔ اسے طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔

حدیث[2]: حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: جس کے پاس سونا یا چاندی ہو اور اس کی زکوٰۃ نہ دے قیامت کے دن اس زر و سیم کی تختیاں بنا کر جہنم کی آگ میں تپائیں گے پھر ان سے اس شخص کی پیشانی اور کروٹ اور پیٹھ پر داغ دیں گے، جب وُہ تختیاں ٹھنڈی ہوجائیں گی پھر انھیں تپا کر داغیں گے قیامت کے دن کہ پچاس ہزار برس کا ہے، یونہی کرتے رہیں گے یہاں تک کہ تمام مخلوق کا حساب ہوچکے۔ اخرجہ الشیخان عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ (بخاری و مسلم نے اسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

مولٰی تعالٰی فرماتا ہے:

والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم ۝ یوم یحمٰی علیھا فی نار جہنم فتکوٰی بھا جباھھم وجنوبھم وظھورھم ھذا ما کنزتم لانفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون ۝[3]

اور جو لوگ جوڑتے ہیں سونا چاندی اور اسے خدا کی راہ میں نہیں اٹھاتے یعنی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے انھیں بشارت دے دُکھ کی مار کی جس دن تپایا جائے گا وہ سونا چاندی جہنم کی آگ سے، پس داغی جائیں گی اس سے ان کی پیشانیاں اور کروٹیں اور پیٹھیں، یہ ہے جو تم نے اپنے لیے جوڑ کر رکھا تھا اب چکھو مزا اس جوڑنے کا۔

پھر اس داغ دینے کو بھی نہ سمجھئے کہ کوئی چھکا لگا دیا جائے گا یا پیشانی و پشت و پہلو کی چربی نکل کر بس ہوگی بلکہ اس کا حال بھی حدیث سے سُن لیجئے:

حدیث[4]: سیدنا ابُوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: ان کے سرِ پستان پر وُہ جہنم کا گرم پتھر رکھیں گے کہ سینہ توڑ کر شانہ سے نکل جائے گا اور شانہ کی ہڈی پر رکھیں گے کہ ہڈیاں توڑتا سینہ سے نکلے گا۔ اخرجہ الشیخان

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۱۳۵۶۱ عن عبداللہ ابن عمر مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱۲/۴۲۴

[2] صحیح مسلم باب اثم مانع الزکوٰۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۱۸

[3] القرآن ۹/۳۴

[4] صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ باب ما ادی زکوٰتہ فلیس بکنز قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۸۹

عن الاحنف بن قیس (اسے امام بخاری ومسلم نے حضرت احنف بن قیس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت) اور فرمایا: میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ پیٹھ توڑ کر کروٹ سے نکلے گا اور گُدی توڑ کر پیشانی سے[1]۔ رواہ مسلم (اسے امام مسلم نے روایت کیا۔ ت)

اور اس کے ساتھ اور بھی ایک کیفیت سُن رکھئے:

حدیث ۵: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: کوئی روپیہ دوسرے روپے پر نہ رکھا جائے نہ کوئی اشرفی دوسری اشرفی سے چھُو جائے گی بلکہ زکوٰۃ دینے والے کا جسم اتنا بڑھا دیا جائے گا کہ لاکھوں کروڑوں جوڑے ہوں تو ہر روپیہ جُدا داغ دے گا[2]۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر (اسے طبرانی نے معجم کبیر میں نقل کیا ہے۔ ت)

اے عزیز! کیا خدا اور رسول کے فرمان کو یونہی ہنسی ٹھٹھا سمجھتا ہے یا پچاس ہزار برس کی مدت میں یہ جانکاہ مصیبتیں جھیلنی سہل جانتا ہے، ذرا یہیں کی آگ میں ایک آدھ روپیہ گرم کرکے بدن پر رکھ دیکھ، پھر کہاں یہ خفیف گرمی کہاں وہ قہر آگ، کہاں یہ ایک ہی روپیہ کہاں وُہ ساری عمر کا جوڑا ہوا مال، کہاں یہ منٹ بھر کی دیر کہاں وہ ہزار دن برس کی آفت، کہاں یہ ہلکا سا چہکا کہاں وُہ ہڈیاں توڑ کر پار ہونے والا غضب۔ اللہ تعالٰی مسلمان کو ہدایت بخشے، آمین!

حدیث ۶: مصطفٰے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: جو شخص اپنے مال کی زکوٰۃ نہ دے گا وہ مال روزِ قیامت گنجے اژدہے کی شکل بنے گا اور اس کے گلے میں طوق ہوکر پڑے گا۔ پھر سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کتاب اللہ سے اس کی تصدیق پڑھی کہ رب عزوجل فرماتا ہے[3]:

سیطوقون ما بخلوا بہ یوم القیامۃ[4]۔ جس چیز میں بخل کر رہے ہیں قریب ہے کہ طوق بناکر ان کے گلے میں ڈالی جائے قیامت کے دن۔

رواہ ابن ماجۃ والنسائی وابن خزیمۃ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ اسے ابن ماجہ، نسائی اور ابن خزیمہ نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے (ت)

حدیث ۷: فرماتے ہیں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: وُہ اژدہا منہ کھول کر اس کے پیچھے دوڑے گا، یہ بھاگے گا، اس سے فرمایا جائے گا: لے اپنا وُہ خزانہ کہ چھپا کر رکھا تھا کہ میں اس سے غنی ہُوں۔ جب دیکھے گا کہ

---

[1] صحیح مسلم باب اثم مانع الزکوٰۃ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۳۲۱

[2] مجمع الزوائد بحوالہ المعجم الکبیر باب فرض الزکوٰۃ دار الکتاب العربی بیروت ۳/۶۵

[3] القرآن ۳/۱۸۰

[4] سنن النسائی باب التغلیظ فی حبس الزکوٰۃ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۲۷۲

اس اژدہا سے کہیں مفر نہیں، ناچار اپنا ہاتھ اس کے مُنہ میں دے دے گا وہ ایسا چبائے گا جیسے نر اونٹ چباتا ہے[1] رواہ مسلم عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ (اسے مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

حدیث ۸: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: جب وہ اژدہا اس پر دوڑے گا یہ پُوچھے گا تُو کون ہے؟ کہے گا میں تیرا وہ بے زکوٰتی مال ہوں جو چھوڑ مرا تھا جب یہ دیکھے گا کہ وہ پیچھا کیے ہی جارہا ہے ہاتھ اس کے منہ میں دے دے گا وہ چبائے گا، پھر اس کا سارا بدن چبا ڈالے گا[2] اخرجہ البزار والطبرانی وابنا خزیمۃ وحبان عن ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنہ (اسے بزار، طبرانی، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے حضرت ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۹: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: وہ اژدہا اس کا منہ اپنے پھن میں لے کر کہے گا: میں تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ ہوں[3] رواہ البخاری والنسائی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ (اسے بخاری اور نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

حدیث ۱۰: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: فقیر ہرگز ننگے بھُوکے ہونے کی تکلیف نہ اُٹھائیں گے مگر اغنیاء کے ہاتھوں، سُن لو ایسے تونگروں سے اللہ تعالٰی سخت حساب لے گا اور انھیں دردناک عذاب دے گا[4] رواہ الطبرانی عن امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ (اسے طبرانی نے امیرالمومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۱۱: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں: زکوٰۃ نہ دینے والا ملعون ہے زبانِ پاک محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر[5]۔ رواہ ابن خزیمۃ واحمد وابویعلٰی وابن حبان (اسے

---

[1] صحیح مسلم | باب اثم مانع الزکوٰۃ | نور محمد اصح المطابع کراچی | ۱/۳۲۱

[2] کشف الاستار عن زوائد البزار | باب فیمن منع الزکوٰۃ | موسسۃ الرسالہ بیروت | ۱/۴۱۸
المعجم الکبیر | مروی از ثوبان رضی اللہ عنہ حدیث ۱۴۰۸ | مکتبہ فیصلیہ بیروت | ۲/۹۱

[3] صحیح البخاری | باب اثم مانع الزکوٰۃ | قدیمی کتب خانہ کراچی | ۱/۱۸۸

[4] مجمع الزوائد بحوالہ معجم اوسط | باب فرض الزکوٰۃ | دارالکتاب العربی بیروت | ۳/۶۲

[5] صحیح ابن خزیمہ | باب ذلعن لاوی الصدقۃ | المکتب الاسلامی بیروت | ۴/۹
کنز العمال بحوالہ ن عن ابن مسعود حدیث ۹۷۵۰ | موسسۃ الرسالۃ بیروت | ۴/۱۰۴

ابن خزیمہ، احمد، ابویعلیٰ اور ابن حبان نے روایت کیا۔ ت)

حدیث ۱۲: مولا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سُود کھانے والے اور کھلانے والے اور اس پر گواہی کرنے والے اور اس کا کاغذ لکھنے والے، زکوٰۃ نہ دینے والے ان سب کو قیامت کے دن ملعون بتایا[۱]۔ رواہ الاصبہانی (اسے اصبہانی نے روایت کیا۔ ت)

حدیث ۱۳ کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: قیامت کے دن تونگروں کے لیے محتاجوں کے ہاتھ سے خرابی ہے۔ محتاج عرض کریں گے اے رب ہمارے! انھوں نے ہمارے وہ حقوق جو تُو نے ہمارے لیے ان پر فرض کیے تھے ظلماً نہ دیے اللہ عزوجل فرمائے گا، مجھے قسم ہے اپنے عزت وجلال کی کہ تمھیں اپنا قُرب عطا کروں گا اور انھیں دُور رکھوں گا[۲]۔ رواہ الطبرانی وابوالشیخ عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ (اسے طبرانی اور ابوالشیخ نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

حدیث ۱۴ کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کچھ لوگ دیکھے جن کے آگے پیچھے غرق لنگوٹیوں کی طرح کچھ چیتھڑے تھے اور جہنم کی گرم آگ پتھر اور تھوہر اور سخت کڑوی جلتی بدبو گھانس چوپایوں کی طرح چرتے پھرتے تھے۔ جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پُوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ عرض کی: یہ زکوٰۃ نہ دینے والے ہیں اور اللہ تعالٰی نے ان پر ظلم نہیں کیا اللہ تعالٰی بندوں پر ظلم نہیں فرماتا[۳]۔ رواہ البزار عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ (اسے بزار نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

حدیث ۱۵: دو عورتیں خدمتِ والا میں سونے کے کنگن پہنے حاضر ہُوئیں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ان کی زکوٰۃ دوگی؟ عرض کی: نہ۔ فرمایا: کیا چاہتی ہو کہ اللہ تعالٰی تمھیں آگ کے کنگن پہنائے؟ عرض کی: نہ۔ فرمایا: زکوٰۃ دو[۴]۔ رواہ الترمذی والدارقطنی واحمد وابوداؤد والنسائی عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما (اسے ترمذی، دارقطنی، احمد، ابوداؤد اور نسائی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ ت)

حدیث ۱۶: ایک بی بی چاندی کے چھلّے پہنے تھیں، فرمایا: ان کی زکوٰۃ دوگی؟ انھوں نے کچھ انکار سا کیا۔

---

[۱] کنز العمال بحوالہ ھب عن علی حدیث ۹۷۸۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۴/ ۱۰۹

[۲] مجمع الزوائد بحوالہ المعجم الاوسط باب فرض الزکوٰۃ دار الکتاب العربی بیروت ۳/ ۶۲

[۳] کشف الاستار عن زوائد البزار باب منہ فی الاسراء حدیث ۵۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۳۸

[۴] جامع الترمذی باب ماجاء فی زکوٰۃ الحلی آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۸۱

فرمایا: تو یہی تجھے جہنم میں لے جانے کو بہت ہے[1]۔ رواہ ابوداود والدارقطنی عن ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہا (اسے ابوداؤد اور دارقطنی نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔ ت)

حدیث ۱۲: کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: زکوٰۃ نہ دینے والا قیامت کے دن دوزخ میں ہوگا[2]۔ رواہ الطبرانی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ (اسے طبرانی نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

حدیث ۱۳: فرماتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم: دوزخ میں سب سے پہلے تین شخص جائیں گے، ان میں ایک وُہ تونگر کہ اپنے مال میں عزوجل کا حق ادا نہیں کرتا[3]۔ رواہ ابن خزیمۃ و ابن حبان فی صحیحھما عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ (اسے ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔ ت)

غرض زکوٰۃ نہ دینے کی جانکاہ آفتیں وُہ نہیں جن کی تاب آسکے، نہ دینے والے کو ہزار سال ان سخت عذابوں میں گرفتاری کی امید رکھنا چاہیے کہ ضعیف البنیان انسان کی کیا جان، اگر پہاڑوں پر ڈالی جائیں سُرمہ ہو کر خاک میں مل جائیں، پھر اس سے بڑھ کر احمق کون کہ اپنا مال جھوٹے سچے نام کی خیرات میں صرف کرے اور اللہ عزوجل کا فرض اور اس بادشاہ قہار کا وُہ بھاری قرض گردن پر رہنے دے، شیطان کا بڑا دھوکا ہے کہ آدمی کو نیکی کے پردے میں ہلاک کرتا ہے، نادان سمجھتا ہی نہیں، نیک کام کررہا ہوں، اور نہ جانا کہ نفل بے فرض نرے دھوکے کی ٹٹی ہے، اس کے قبول کی امید تو مفقود اور اس کے ترک کا عذاب گردن پر موجود۔ اے عزیز! فرض خاص سلطانی قرض ہے اور نفل گویا تحفہ و نذرانہ۔ قرض نہ دیجئے اور بالائی بیکار تحفے بھیجئے وُہ قابلِ قبول ہوں گے خصوصاً اس شہنشاہ غنی کی بارگاہ میں جو تمام جہان و جہانیاں سے بے نیاز ہے؟ یوں یقین نہ آئے تو دنیا کے جھوٹے حاکموں ہی کو آزمالے، کوئی زمیندار مال گزاری تو بند کرلے اور تحفے میں ڈالیاں بھیجا کرے، دیکھو تو سرکاری مجرم ٹھہرتا ہے یا اس کی ڈالیاں کچھ بہبود کا پھل لاتی ہیں! ذرا آدمی اپنے ہی گریبان میں منہ ڈالے، فرض کیجئے آسامیوں سے کسی کھنڈساری کا رس بندھا ہوا ہے جب دینے کا وقت آئے وُہ رس تو ہرگز نہ دیں مگر تحفہ میں آم خربوزے بھیجیں، کیا یہ شخص ان آسامیوں سے راضی ہوگا یا آتے ہوئے اس کی ناوہندگی پر جو آزار انھیں پہنچا سکتا ہے ان آم خربوزے کے بدلے اس سے باز

---

[1] سنن ابی داؤد باب الکنز ماھو و زکوٰۃ الحلی آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۱۸

[2] مجمع الزوائد بحوالہ المعجم الصغیر باب فرض الزکوٰۃ دارالکتاب العربی بیروت ۳/۶۴

[3] صحیح ابن خزیمہ باب لذکر ادخال مانع الزکوٰۃ الخ المکتب الاسلامی بیروت ۴/۸

آئے گا۔ سبحان اللہ! جب ایک کھنڈ ساری کے مطالبہ کا یہ حال ہے تو ملک الملوک احکم الحاکمین جل وعلا کے قرض کا کیا پوچھنا! لاجرم محمد بن المبارک بن الصباح اپنے جزء املا اور عثمان بن ابی شیبہ اپنی سنن اور ابونعیم حلیۃ الاولیاء اور ہناد فوائد اور ابن جریر تہذیب الآثار میں عبدالرحمن بن سابط و زبید و زبید پسران حارث ومجاہد سے راوی:

لما حضر ابابکرؓ الموت دعا عمر فقال اتق الله یا عمر واعلم ان له عملا بالنهار لایقبله باللیل وعملا باللیل لایقبله بالنهار واعلم انه لایقبل نافلة حتی تؤدی الفریضة الحدیث۔ ذکرہ العلامۃ ابراھیم بن عبدالله الیمنی المدنی الشافعی فی الباب الثالث عشر من کتاب "القول الصواب فی فضل عمر بن الخطاب" وفی الباب التاسع عشر من کتاب "التحقیق فی فضل الصدیق" وھو اول کتب کتابہ "الاکتفا فی فضل الاربعة الخلفاء"، ورواہ الامام الجلیل الجلال السیوطی رحمہ الله تعالٰی فی الجامع الکبیر فقال عن عبدالرحمن بن سابط وزبید وزبید بن الحارث ومجاھد قالوا لما حضر[الخ]

یعنی جب خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نزع کا وقت ہوا امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بلا کر فرمایا: اے عمر! اللہ سے ڈرنا اور جان لو کہ اللہ کے کچھ کام دن میں ہیں کہ انہیں رات میں کرو تو قبول نہ فرمائے گا اور کچھ کام رات میں کہ انہیں دن میں کرو تو مقبول نہ ہوں گے، اور خبردار رہو کہ کوئی نفل قبول نہیں ہوتا جب تک فرض ادا نہ کر لیا جائے الحدیث (اسے علامہ ابراہیم بن عبداللہ الیمنی المدنی الشافعی نے القول الصواب فی فضل عمر بن الخطاب کے باب ۱۳ میں اور کتاب التحقیق فی فضل الصدیق کے باب ۱۹ میں ذکر کیا ہے، یہ پہلی کتاب ہے جو انہوں نے خود لکھی ہے جس کا نام الاکتفاء فی فضل الاربعۃ الخلفاء ہے۔ اسے امام جلیل جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالٰی نے جامع الکبیر میں عبدالرحمن بن سابط اور زید و زبید بن الحارث اور مجاہد سے روایت کیا کہ جب نزع کا وقت آیا الحدیث)

حضور پُرنور سیدنا غوث اعظم مولائے اکرم حضرت شیخ محی الملۃ والدین ابو محمد عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنی کتاب مستطاب فتوح الغیب شریف میں کیا کیا جگر شگاف مثالیں ایسے شخص کے لیے ارشاد فرمائی ہیں جو فرض چھوڑ کر نفل بجالائے۔ فرماتے ہیں: اس کی کہاوت ایسی ہے جیسے کسی شخص کو بادشاہ

---

[1] حلیۃ الاولیاء ذکر المہاجرین ۱ ابوبکر الصدیق دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۳۶

[2] المسانید والمراسیل من الجامع الکبیر حدیث ۱۸۹ مسند ابوبکر الصدیق دار الفکر بیروت ۱۲/ ۵۲

اپنی خدمت کے لیے بلائے، یہ وہاں تو حاضر نہ ہُوا اور اس کے غلام کی خدمتگاری میں موجود رہے۔ پھر حضرت امیرالمومنین مولی المسلمین سیدنا مولیٰ علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے اس کی مثال نقل فرمائی کہ جناب ارشاد فرماتے ہیں: ایسے شخص کا حال اس عورت کی طرح ہے جسے حمل رہا جب بچہ ہونے کے دن قریب آئے اسقاط ہوگیا اب وہ نہ حاملہ ہے نہ بچہ والی۔ یعنی جب پُورے دنوں پر اگر اسقاط ہو تو محنت تو پُوری اٹھائی اور نتیجہ خاک نہیں کہ اگر بچہ ہوتا تو ثمرہ خود موجود تھا حمل باقی رہتا تو آگے امید لگی تھی اب نہ حمل نہ بچہ، نہ اُمید نہ ثمرہ اور تکلیف وہی جھیلی جو بچہ والی کو ہوتی۔ ایسے ہی اس نفل خیرات دینے والے کے پاس سے روپیہ تو اٹھا مگر جبکہ فرض چھوڑا یہ نفل بھی قبول نہ ہُوا تو خرچ کا خرچ ہوا اور حاصل کچھ نہیں۔ اسی کتاب مبارک میں حضور مولیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ:

فان اشتغل بالسنن والنوافل قبل الفرائض لم یقبل منه واھین[1]

یعنی فرض چھوڑ کر سنّت ونفل میں مشغول ہوگا یہ قبول نہ ہوں گے اور خوار کیا جائے گا۔

یُوں ہی شیخ محقق مولانا عبدالحق محدّث دہلوی قدس سرہٗ نے اس کی شرح میں فرمایا کہ:

ترک آنچہ لازم وضروری ست واہتمام بآنچہ نہ ضروری است از فائدہ عقل وخرد دور است چہ دفع ضرر اہم ست بر عاقل از جلب نفع بلکہ بحقیقت نفع دریں صورت منتفی است[2]

لازم اور ضروری چیز کا ترک اور جو ضروری نہیں اس کا اہتمام عقل وخرد میں فائدہ سے دُور ہے کیونکہ عاقل کے ہاں حصولِ نفع سے دفعِ ضرر اہم ہے بلکہ اس صورت میں نفع منتفی ہے۔ (ت)

حضرت شیخ الشیوخ امام شہاب الملۃ والدین سُہروردی قدس سرہ العزیز عوارف شریف کے باب الثامن والثلثین میں حضرت خواص رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے نقل فرماتے ہیں:

بلغنا ان اللہ لایقبل نافلۃ حتی یؤدی فریضۃ یقول اللہ تعالیٰ مثلکم کمثل العبد السوء بداء بالھدیۃ قبل قضاء الدین[3]

ہمیں خبر پہنچی کہ اللہ عزّوجل کوئی نفل قبول نہیں فرماتا یہاں تک کہ فرض ادا کیا جائے، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے فرماتا ہے کہاوت تمھاری بد بندہ کی مانند ہے جو قرض ادا کرنے سے پہلے تحفہ پیش کرے۔

خود **حدیث** میں ہے، حضور پُرنور سیدعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] [2] فتوح الغیب مع شرح عبدالحق الدہلوی المقالۃ الثامنۃ والاربعون منشی نولکشور لکھنؤ ص ۲۷۳

[3] عوارف المعارف ملحق باحیاء العلوم باب ۳۸ فی ذکر آداب الصلوٰۃ الخ مکتبہ ومطبعہ المشہد الحسینی قاہرہ ص ۱۹۵

اربع فرضھن اللہ فی الاسلام فمن جاء بثلث لم یغنین عنہ شیئا حتی یاتی بھن جمیعا الصلوۃ والزکوۃ وصیام رمضان وحج البیت[1] رواہ الامام احمد فی مسندہ بسند حسن عن عمارۃ بن حزم رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

چار چیزیں اللہ تعالٰی نے اسلام میں فرض کی ہیں جو ان میں سے تین ادا کرے وہ اسے کچھ کام نہ دیں جب تک پُوری چاروں نہ بجالائے نماز، زکوٰۃ، روزہ رمضان، حج کعبہ (اسے امام احمد نے اپنی مسند میں سندِ حسن کے ساتھ حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

امرنا باقام الصلوۃ وایتاء الزکوۃ ومن لم یزک فلا صلوۃ لہ[2] رواہ الطبرانی فی الکبیر بسند صحیح۔

ہمیں حکم دیا گیا کہ نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اور جو زکوٰۃ نہ دے اس کی نماز قبول نہیں (اسے طبرانی نے المعجم الکبیر میں صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ت)

سُبحان اللہ! جب زکوٰۃ نہ دینے والے کی نماز، روزے، حج تک مقبول نہیں تو اس نفل خیرات نام کی کائنات سے کیا امید ہے بلکہ انہی سے اصبہانی کی روایت میں آیا کہ فرماتے ہیں:

من اقام الصلوۃ ولم یؤت الزکوۃ فلیس بمسلم ینفعہ[3]

جو نماز ادا کرے اور زکوٰۃ نہ دے وہ مسلمان نہیں کہ اسے اس کا عمل کام آئے۔

الٰہی! مسلمان کو ہدایت فرما آمین!

بالجملہ اس شخص نے آج تک جس قدر خیرات کی، مسجد بنائی، گاؤں وقف کیا، یہ سب امور صحیح و لازم تو ہوگئے کہ اب نہ دی ہوئی خیرات فقیر سے واپس کرسکتا ہے نہ کیے ہوئے وقف کو پھیر لینے کا اختیار رکھتا ہے، نہ اس گاؤں کی توفیر ادائے زکوٰۃ، خواہ اپنے اور کسی کام میں صَرف کرسکتا ہے کہ وقف بعد تمامی لازم وحتمی ہوجاتا ہے جس کے ابطال کا ہرگز اختیار نہیں رہتا۔

فی الدرالمختار الوقف عندھما ھو حبسھا علی ملک اللہ تعالٰی فیلزم فلا یجوز

درمختار میں ہے کہ وقف صاحبین کے نزدیک اللہ تعالٰی کی ملکیت میں چلے جانے کی وجہ سے لازم ہوجاتا ہے

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث زیاد بن نعیم دارالفکر بیروت ۴/ ۲۰۱
کنز العمال بحوالہ حب عن عمارہ بن حزم حدیث ۳۳ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۳۰
[2] مجمع الزوائد بحوالہ المعجم الکبیر باب فرض الزکوٰۃ دارالکتاب العربی بیروت ۳/ ۶۲
[3] الترغیب والترھیب بحوالہ اصبہانی الترھیب من منع الزکوٰۃ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۴۰

له ابطاله ولا یورث عنه وعلیه الفتوی[1] ملخصا۔ | لہذا اس کا ابطال جائز نہیں، اور نہ ہی اس کا کوئی وارث ہوسکتا ہے، اسی پر فتوٰی ہے۔ (ت)

مگر باایں ہمہ جب تک زکوٰۃ پُوری پُوری نہ ادا کرے ان افعال پر امیدِ ثواب وقبول نہیں کہ کسی فعل کا صحیح ہوجانا اور بات ہے اور اس پر ثواب ملنا مقبولِ بارگاہ ہونا اور بات ہے، مثلاً اگر کوئی شخص دکھاوے کے لیے نماز پڑھے نماز صحیح تو ہوگئی فرض اُتر گیا، پر نہ قبول ہوگی نہ ثواب پائے گا، بلکہ الٹا گنہگار رہوگا، یہی حال اس شخص کا ہے۔ اے عزیز! اب شیطان لعین کہ انسان کا عدو مبین ہے بالکل ہلاک کردینے اور یہ ذراسا ڈورا جو قصد خیرات کا لگا رہ گیا ہے جس سے فقراء کو تو نفع ہے اسے بھی کاٹ دینے کے لیے یوں فقرہ سُجھائے گا کہ جو خیرات قبول نہیں تو کرنے سے کیا فائدہ، چلو اسے بھی دُور کرو، اور شیطان کی پُوری بندگی بجالاؤ۔ مگر اللہ عزوجل کو تیری بھلائی اور عذاب شدید سے رہائی منظور ہے، وہ تیرے دل میں ڈالے گا کہ اس حکم شرعی کا جواب یہ نہ تھا جو اس دشمن ایمان نے تجھے سکھایا اور رہا سہا بالکل ہی متمرد و سرکش بنایا بلکہ تجھے تو فکر کرنی تھی جس کے باعث عذاب سلطانی سے بھی نجات ملتی اور آج تک کہ یہ وقف و مسجد و خیرات بھی سب مقبول ہوجانے کی اُمید پڑتی، بھلا غور کرو وہ بات بہتر کہ بگڑتے ہُوئے کام پھر بن جائیں، اکارت جاتی محنتیں از سر نو ثمرہ لائیں یا معاذ اللہ یہ بہتر کہ رہی سہی نام کو جو صورتِ بندگی باقی ہے اسے بھی سلام کیجئے اور کھلے ہُوئے سرکشوں، اشتہاری باغیوں میں نام لکھا لیجئے، وہ نیک تدبیر یہی ہے کہ زکوٰۃ نہ دینے سے توبہ کیجئے، آج تک کہ جتنی زکوٰۃ گردن پر ہے فوراً دل کی خوشی کے ساتھ اپنے رب کا حکم ماننے اور اسے راضی کرنے کو ادا کر دیجئے کہ شہنشاہ بے نیاز کی درگاہ میں باغی غلاموں کی فہرست سے نام کٹ کر فرماں بردار بندوں کے دفتر میں چہرہ لکھا جائے۔ مہربان مولا جس نے جان عطا کی، اعضاء دئے، مال دیا، کروڑوں نعمتیں بخشیں، اس کے حضور منہ اُجالا ہونے کی صورت نظر آئے اور مژدہ ہو، بشارت ہو، نوید ہو، تہنیت ہو کہ ایسا کرتے ہی اب تک جس قدر خیرات دی ہے وقف کیا ہے، مسجد بنائی ہے، ان سب کی بھی مقبولی کی اُمید ہوگی کہ جس جُرم کے باعث یہ قابل قبول نہ تھے جب وہ زائل ہوگیا انھیں بھی باذن اللہ تعالٰی شرفِ قبول حاصل ہوگیا۔ چارہ کار تو یہ ہے آگے ہر شخص اپنی بھلائی بُرائی کا اختیار رکھتا ہے، مدتِ دراز گزرنے کے باعث اگر زکوٰۃ کا تحقیقی حساب نہ معلوم ہوسکے تو عاقبت پاک کرنے کے لیے بڑی سے بڑی رقم جہاں تک خیال میں آسکے فرض کرلے کہ زیادہ جائے گا تو ضائع نہ جائے گا بلکہ تیرے رب مہربان کے پاس تیری بڑی حاجت کے وقت کے لیے جمع رہے گا

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۷۷

وہ اس کا کامل اجر جو تیرے حوصلہ وگمان سے باہر ہے عطا فرمائے گا، اور رحم کیا تو بادشاہ قہار کا مطالبہ جیسا ہزار روپیہ کا ویسا ہی ایک پیسے کا۔ اگر بدیں وجہ کہ مال کثیر اور قرنوں کی زکوٰۃ ہے یہ رقم وافر دیتے ہوئے نفس کو درد پہنچے گا، تو اول تو یہ ہی خیال کر لیجئے کہ قصور اپنا ہے سال بہ سال دیتے رہتے تو یہ گٹھڑی کیوں بندھ جاتی، پھر خدائے کریم عزوجل کی مہربانی دیکھئے، اس نے یہ حکم نہ دیا کہ غیروں ہی کو دیجئے بلکہ اپنوں کو دینے میں دُونا ثواب رکھا ہے، ایک تصدق کا، ایک صلہ رحم کا۔ تو جو اپنے گھر سے پیارے دل کے عزیز ہوں جیسے بھائی بھتیجے، بھانجے، انھیں دے دیجئے کہ ان کا دینا چنداں ناگوار نہ ہوگا، بس اتنا لحاظ کر لیجئے کہ نہ وہ غنی ہو نہ غنی باپ زندہ کے نابالغ بچے، نہ اُن سے علاقۂ زوجیت یا ولادت ہو یعنی نہ وہ اپنی اولاد میں نہ آپ انکی اولاد میں۔ پھر اگر رقم ایسی ہی فراواں ہے کہ گویا ہاتھ بالکل خالی ہُوا جاتا ہے تو دئے بغیر تو چھٹکارا نہیں، خدا کے وہ سخت عذاب ہزاروں برس تک جھیلنے بہت دشوار ہیں، دُنیا کی یہ چند سانسیں تو جیسے بنے گزر ہی جائیں گی، تاہم اگر یہ شخص اپنے ان عزیزوں کو بہ نیت زکوٰۃ دے کر قبضہ دلائے پھر وہ ترس کھا کر بغیر اس کے جبر واکراہ کے اپنی خوشی سے بطور ہبہ جس قدر چاہیں واپس کر دیں تو سب کے لیے سراسر فائدہ ہے، اس کے لیے یہ کہ خدا کے عذاب سے چھُوٹا اللہ تعالیٰ کا قرض وفرض ادا ہُوا اور مال بھی حلال و پاکیزہ ہوکر واپس ملا، جو رہا وُہ اپنے جگرپاروں کے پاس رہا، ان کے لیے یہ فائدہ ہیں کہ دنیا میں مال ملا عقبےٰ میں اپنے عزیز مسلمان بھائی پر ترس کھانے اور اسے ہبہ کرنے اور اس کے ادائے زکوٰۃ میں مدد دینے سے ثواب پایا، پھر اگر ان پر پُورا اطمینان ہو تو زکوٰۃ سالہا سال کا حساب لگانے کی بھی حاجت نہ رہے گی، اپنا کل مال بطور تصدق انھیں دے کر قبضہ دلادے پھر وہ جس قدر چاہیں اسے اپنی طرف سے ہبہ کر دیں، کتنی ہی زکوٰۃ اس پر ہتی سب ادا ہوگئی اور سب مطلب برآئے اور فریقین نے ہر قسم کے دینی و دنیوی نفع پائے، مولیٰ عزوجل اپنے کرم سے توفیق عطا فرمائے آمین آمین یارب العالمین۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

مسئلہ ۳۳ از شہر محلہ ملوک پور مرسلہ جناب سید محمد علی صاحب نائب ناظر فریدپور ۳۰ رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ

زکوٰۃ کس ماہ میں دینا اولیٰ ہے یا یہ کہ زیور اور روپیہ تو جب پورا سال گزر جائے؟

الجواب

جب سال تمام ہو فوراً فوراً پُورا ادا کرے، ہاں اولیت چاہے تو سال تمام ہونے سے پہلے پیشگی ادا کرے، اس کے لیے بہتر ماہِ مبارک رمضان ہے جس میں نفل کا ثواب فرض کے برابر اور فرض کا ستر فرضوں کے برابر۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۴۲: از بنارس مسجد بی بی راجی متصل شفاخانہ مرسلہ مولوی حکیم عبدالغفور صاحب ۱۳۱۲ھ

ماقولکم ایہا العلماء (اے علماء کرام! آپ کا کیا ارشاد ہے) دریں مسئلہ کہ زید پیشہ طبابت کرتا ہے اور کچھ گولیاں اس کے پاس ہیں کہ بحساب فی روپیہ ۴ گولیاں علی العموم بیماروں کو دیتا ہے لیکن لاگت اصل ۴ گولیوں کی ۴ پیسے ہے، جب مطب میں کوئی غریب مصرفِ زکوٰۃ آجاتا ہے تو ۴ گولی مذکور الصدر جس کی قیمت اصلی ۴ پیسے ہے دے کر ایک روپیہ ادائے زکوٰۃ میں شمار کرتا ہے، اس صورت میں بموجب اس کے خیال کے ایک روپیہ زکوٰۃ میں سے ادا ہوگا یا ایک آنہ جو لاگتِ اصلی ہے؟ بیّنوا توجّروا۔

الجواب

ہر چند ہر شخص کو اختیار ہے کہ اپنے پیشہ کی چیز برضائے مشتری ہزار روپے کو بیچے جبکہ اس میں کذب و فریب نہ ہو مگر زکوٰۃ و غیرہا صدقاتِ واجبہ میں جہاں واجب شئی کی جگہ اس کی غیر کوئی چیز دی جائے تو صرف بلحاظِ قیمت جانبین ہی دی جاسکتی ہے،

فی التبیین لو ادی من خلاف جنسہ تعتبر القیمۃ بالاجماع[1] اھ وفی التتارخانیۃ عن التحفۃ[2] الواجب فی الابل الا نوثۃ حتی لایجوز الذکور الا بطریق القیمۃ[2] اھ وفی محیط الامام السرخسی فی صدقۃ الفطر ان دقیق الحنطۃ والشعیر وسویقہما مثلہما والخبز لایجوز الا باعتبار القیمۃ وھو الاصح[3] اھ الکل فی الھندیۃ۔

تبیین میں ہے کہ اگر شئی کے غیر جنس سے زکوٰۃ ادا کرنا ہو تو بالاتفاق قیمت کا اعتبار ہوگا اھ اور تاتارخانیہ میں تحفہ سے ہے کہ اونٹوں میں اگر مؤنث لازم ہے تو اب مذکر سے ادائیگی جائز نہیں مگر بطورِ قیمت اھ امام سرخسی کی محیط کے صدقۃ الفطر میں ہے کہ گندم وجَو کا آٹا اور ان کے ستو ایک دوسرے کی مثل ہیں لیکن روٹی نہیں دی جاسکتی، ہاں قیمت کے اعتبار سے، اور یہی اصح قول ہے اھ مکمل تفصیل ہندیہ میں ملاحظہ کیجئے۔ (ت)

اور قیمت وہ کہ نرخ بازار سے جو حیثیت شئی کی ہو، نہ وہ کہ بائع اور مشتری میں ان کی تراضی سے قرار پائے کہ وہ ثمن ہے،

---

[1] تبیین الحقائق باب زکوٰۃ المال مطبعہ کبرٰی امیریہ بولاق مصر ۱/۲۷۸

[2] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ تاتارخانیہ الفصل الثانی فی الفروض نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۸۱

[3] " " محیط السرخسی الباب الثامن فی صدقۃ الفطر " " " ۱/۱۹۱

فی رد المحتار الفرق بین الثمن والقیمۃ ان الثمن ماتراضی علیہ المتعاقدان سواء زاد علی القیمۃ او نقص والقیمۃ ماقوم بہ الشیئ بمنزلۃ المعیار من غیر زیادۃ ولا نقصان[1]۔

ردالمحتار میں ہے کہ ثمن اور قیمت میں فرق ہے، جس پر متعاقدان راضی ہوجائیں وہ ثمن ہوں گے خواہ قیمت شئی سے زائد ہو یاکم، بغیر کسی کمی و زیادتی کے شئی کے معیاری عوض کا نام قیمت ہے۔ (ت)

تو اُن گولیوں کی بہ لحاظ نرخ بازار جس قدر مالیت ہواسی قدر زکوٰۃ میں مجرا ہوں گے اُس سے زائد دین الٰہی رہا کہ فوراً واجب الادا ہے، ہاں اگر زیادہ محسوب کرنا چاہے تو اس کی سبیل یہ نہیں بلکہ یُوں ہے کہ مصرف زکوٰۃ کو گولیاں ہبۃً نہ دے اس کے ہاتھ بیع کرلے، اب بیع میں اختیار رہے جو ثمن چاہے اس کی رضامندی سے ٹھہرا لے اگرچہ شئی کی حیثیت سے کتنا ہی زائد ہو بشرطیکہ مشتری عاقل بالغ ہو، اور اسے سمجھا دے کہ اگر تیرے پاس قیمت نہیں تو اس کا اندیشہ نہ کر میں خود اپنے پاس سے تجھے دے کر سبکدوش کردوں گا، اب مثلاً ۴ گولیاں ایک روپیہ کو اس کے ہاتھ بیچے وُہ خریدے اس کا ایک روپیہ اس پر دین ہوگیا پھر ایک روپیہ بہ نیت زکوٰۃ اسے دے کر قبضہ کرادے پھر اپنے آتے میں روپیہ اس سے واپس لے، اگر وُہ عذر کرے تو جبراً لے سکتا ہے کہ اتنے میں وُہ اس کا مدیون ہے، یوں اسے ۴ گولیاں مفت ملیں گی اور اس کی زکوٰۃ سے ایک روپیہ ادا ہوجائے گا،

فی الدرالمختار حیلۃ الجواز ان یعطی مدیونہ الفقیر زکوتہ ثم یاخذھا من دینہ ولو امتنع المدیون مد یدہ واخذھا لکونہ ظفر بجنس حقہ[2]، واﷲ تعالٰی اعلم۔

درمختار میں ہے کہ حیلۂ جواز یہ ہے کہ آدمی اپنے مقروض فقیر کو زکوٰۃ دے پھر اس سے قرضہ وصول کرے، اگر مقروض نہ دے تو چھین لے کیونکہ وہ اپنے حق کی جنس پر قادر ہے۔ واﷲ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۵ تا ۱۱۶: از بمبئی ۹ ہوٹل آسکریم مسئولہ شیخ امام علی صاحب رضوی ۱۵ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ایک شخص نے کچھ زمین کسی زمیندار سے ٹھیکہ میں لی اس کے پاس دس ہزار روپیہ جمع کیا، میعاد ٹھیکہ کی مقرر نہیں، یہ طے ہوا کہ جس وقت روپیہ واپس کریں گے زمین ٹھیکہ سے نکال لیں گے اور اس شخص نے زمین سے نفع حاصل کرنے کی اجازت دی، اس روپیہ کی زکوٰۃ کا کیا حکم ہے اور کس طریقہ سے اس کی زکوٰۃ دی جائے؟

(۲) اگر ایک شخص کے پاس دس بیگھہ زمین کاشتکاری کی ہے اور وُہ پانچ بیگھہ زمین میں بارش سے غلہ

---

[1] ردالمحتار باب خیار الشرط مصطفی البابی مصر ۴/ ۵۷

[2] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۰

اگاتا ہے اور پانچ بیگھہ زمین کو کنویں یا دریائی پانی سے سینچ کر غلہ پیدا کرتا ہے اور غلہ صرف اتنا ہی ہوتا ہے کہ جو خاندان کے لیے کافی ہوتا ہے بچت نہیں، اس صورت میں اُس کے عشر اور زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

(۳) اگر کسی شخص نے ایک دُکان میں دس ہزار روپیہ کا سامان یعنی میز کرسی اور برتن وغیرہ خرید کر گاہکوں کے استعمال کے لیے لگا دیا اور دُکان میں فروخت کی اشیاء روزانہ یا دوسرے تیسرے دن لا کر فروخت کرتا ہے تو اس دس ہزار روپیہ کی زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟ اور روزانہ جو آمدنی ہوتی ہے اس کو اپنے خرچ میں لاتا ہے؟

الجواب

(۱) یہ کوئی صورت ٹھیکہ کی نہیں، ٹھیکہ میں نفع کے مقابل روپیہ ہوتا ہے نہ یہ کہ نفع لیا جائے اور واپسی زمین پر روپیہ واپس ہو جائے، یہ صورت قرض کی ہے اور زمین رہن ہے اور اس سے نفع لینا جائز نہیں اور اس کی زکوٰۃ اس روپے پر واجب، اگرچہ واجب الادا اس وقت ہوگی جب وُہ قرض بقدر نصاب یا خمس نصاب اُس کو وصول ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) زکوٰۃ تو نہ غلہ پر ہے نہ زمین پر، اگر سونا یا چاندی تمام حاجاتِ اصلیہ سے فارغ بقدر نصاب ہو اور سال گزرے تو زکوٰۃ واجب ہوگی اور عشر بہرحال واجب ہے، مینہ کی پیداوار پر دسواں حصہ اور پانی دی ہوئی پر بیسواں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) جس دن وُہ مالکِ نصاب ہُوا تھا جب اُس پر سال پُورا گزرے گا اُس وقت جتنا سونا چاندی یا تجارت کا مال میز کرسی وغیرہ جو کچھ بھی ہو بقدر نصاب اس کے پاس تمام حاجات اصلیہ سے فارغ موجود ہوگا اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی، روزمرہ کے خرچ میں جو خرچ ہوگیا ہوگیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ از کانپور محلہ فیل خانہ کہنہ مسئولہ سید محمد آصف صاحب ۹ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

حضور کے فتاوٰی جلد اول مطبوعہ کے حاشیہ پر یہ عبارت ہے کہ:

"جس کے عزیز محتاج ہوں اسے منع ہے کہ انھیں چھوڑ کر غیروں کو اپنے صدقات دے، حدیث میں فرمایا: ایسے کا صدقہ قبول نہ ہوگا اور اللہ تعالٰی روزِ قیامت اس کی طرف نظر نہ فرمائے گا۔" عزیز سے کون کون شخص مراد ہیں؟

الجواب

عزیزوں میں ذورحم محرم مقدم ہیں پھر باقی ذورحم، ان سے پھیر کر اجنبی کو صدقہ نہ دے۔ پھیرنے کے معنی کا صدق چاہیے، مثلاً گداگروں کو جو ایک آدھ پیسہ یا روٹی کا ٹکڑا دیا جاتا ہے کہ اپنے اعزا کو نہیں دے سکتا، اور دے تو وہ نہ لیں گے، وُہ ان سے پھیر کر دینا نہ ہُوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

رسالہ

رادع التعسف عن الامام ابی یوسف ۱۳۱۸ھ

(حیلہ زکوٰۃ کے بارے میں امام ابویوسف پر غیر مقلدین کے اعتراض کا رد)

مسئلہ ۹: از گونڈہ ملک اودھ مدرسہ اسلامیہ مرسلہ حافظ عبداللہ صاحب مدرس مدرسہ مذکور ۱۶ جمادی الآخرہ ۱۳۱۸ھ

کتاب ظفر المبین مؤلفہ محی الدین غیر مقلد میں لکھا ہے کہ جناب قاضی ابویوسف صاحب آخرِ سال پر اپنا مال اپنی بی بی کے نام ہبہ کردیا کرتے تھے اور اس کا مال اپنے نام ہبہ کرالیا کرتے تھے تاکہ زکوٰۃ ساقط ہوجائے، یہ بات کسی نے امام ابوحنیفہ صاحب سے نقل کی انھوں نے فرمایا کہ یہ اُن کے فقہ کی جہت سے ہے اور درست فرمایا، چنانچہ اس امر کو ایک عالم صاحب مقلد نے بھی تصدیق کیا بلکہ یہ کہا اس معاملے کو امام بخاری صاحب نے بھی درج کتاب کیا ہے اور بہت نفرت کے ساتھ لکھا ہے اس کی تشریح و توضیح مدلل ارشاد فرمائی جائے۔

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللّٰھم لک الحمد صل وسلم علی سید انبیائک وألہ وصحبہ وسائر اصفیائک اسألک حبک وحب

اے اللہ تیرے ہی لیے حمد ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام کے سربراہ پر صلوٰۃ وسلام، ان کی آل واصحاب اور باقی تمام اصفیاء پر بھی۔ اے اللہ! میں آپ سے آپ کی

اجابتك وحسن الادب مع جميع اولیائك و اعوذبك من غضبك و سخطك و سوء بلائك ۔

محبت، آپ کے محبوبوں کی محبت اور آپ کے تمام دوستوں کے ساتھ حُسنِ ادب کا سوال کرتا ہُوں، اور آپ کے غضب، ناراضگی اورگرفت سے پناہ مانگتا ہُوں (ت)

اوّلاً صحیح بخاری شریف میں اوّل تا آخر کہیں اس حکایت کا پتا نہیں کہ امام ابویوسف اس کے عامل تھے امام اعظم مصدق ہوتے، امام بخاری نے صرف اس قدر لکھا کہ بعض علماء کے نزدیک اگر کوئی شخص سال تمام سے پہلے مال کو ہلاک کرڈالے یا دے ڈالے یا بیچ کر بدل لے کہ زکوٰۃ واجب نہ ہونے پائے تو اس پر کچھ واجب نہ ہوگا، اور ہلاک کرکے مرجائے تو اس کے مال سے کچھ نہ لیا جائے گا، اور سال تمام سے پہلے اگر زکوٰۃ ادا کردے تو جائز و روا۔ ان کی عبارت یہ ہے:

وقال بعض الناس فی عشرین ومائة بعیر حقتان فان اهلکها متعمدا او وهبها او احتال فیها فرارا من الزکوٰة فلاشیئ علیه[1]

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ایک سوبیس ۱۲۰ اونٹوں میں دو حقہ ہیں اور اگر انھیں عمداً ہلاک کردیا یا انھیں کسی کو ہبہ کردیا یا زکوٰۃ سے بھاگنے کے لیے کوئی حیلہ کرلیا تو اب مالک پر زکوٰۃ نہیں ہوگی (ت)

پھر کہا:

وقال بعض الناس فی رجل له ابل فخاف ان تجب علیه الصدقة فباعها بابل مثلها اوبغنم اوببقر اوبدراهم فرارا من الصدقة بیوم واحتیالا فلاشیئ علیه وهو یقول ان زکی ابله قبل ان یحول الحول بیوم اوبسنة جازت عنه[2]

بعض لوگوں نے اس شخص کے بارے میں کہا جس کے پاس اونٹ ہُوں وُہ ڈرتا ہے کہ کہیں اس پر صدقہ لازم نہ ہوجائے پس وُہ زکوٰۃ سے فرار اور حیلہ کرتے ہوئے ایک دن پہلے اس کی مثل اونٹوں سے بیچ دیتا ہے یا بکری یا گائے یا دراہم کے عوض بیچ دیتا ہے تو اب اس پر کوئی شئے لازم نہیں، اور وُہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر مالک نے اپنے اونٹ کی زکوٰۃ سال گزرنے سے ایک دن یا سال پہلے زکوٰۃ دے دی تو ادا ہوجائیگی۔ (ت)

پھر کہا:

وقال بعض الناس اذا بلغت الابل عشرین

بعض لوگوں نے کہا جب اُونٹ بیس ہوجائیں تو اس

---

[1] و [2] صحیح البخاری کتاب الحیل باب فی الزکوٰۃ والّا یفرق الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۰۲۹/۲

ففیھا اربع شیاہ فان وھبھا قبل الحول او باعھا فرارا او احتیالا لاسقاط الزکوٰۃ فلا شیئ علیہ وکذٰلک ان اتلفھا فمات فلا شیئ فی مالہ[1]۔

میں چار بکریاں لازم ہوں گی، اب اگر اسقاطِ زکوٰۃ کیلئے حیلہ کرتے ہوئے سال گزرنے سے پہلے ان اونٹوں کو ہبہ کردیا تو اب کوئی شے لازم نہ ہوگی، اسی طرح اگر مالک نے ہلاک کردیا اور مالک فوت ہوگیا تو اس کے مال میں کوئی شئی لازم نہ ہوگی۔(ت)

اس میں نہ اُس حکایت کا کہیں نشان، نہ امام اعظم خواہ امام ابویوسف کا نام، ایک مسئلہ میں بعض علماء کا طرف مذہب نقل کیا ہے کہ کوئی ایسا کرے تو اس پر کچھ واجب نہ ہوگا۔

ثانیاً ہمارے کتب مذہب نے اس مسئلہ میں امام ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی کا اختلاف نقل کیا اور صاف فرمادیا کہ فتوٰی امام محمد کے قول پر ہے کہ ایسا فعل جائز نہیں۔ تنویرالابصار و درمختار و درر و غرر و جوہرہ وغیرہا میں ہے:

واللفظ للاولین (تکرہ الحیلۃ لاسقاط الشفعۃ بعد ثبوتھا وفاقا) کقولہ للشفیع اشترہ منی ذکرہ البزازی (واما الحیلۃ لدفع ثبوتھا ابتداً فعند ابی یوسف لاتکرہ وعند محمد تکرہ، ویفتی بقول ابی یوسف فی الشفعۃ) قیدہ فی السراجیۃ بما اذا کان الجار غیر محتاج الیہ واستحسنہ محشی الاشباہ (وبضدہ) وھوالکراھۃ (فی الزکوٰۃ) والحج وایۃ السجدۃ[2] جوھرۃ۔

پہلی دونوں کتب کی عبارت یہ ہے (ثبوتِ شفعہ کے بعد اسقاط کے لیے حیلہ کرنا بالاتفاق مکروہ ہے) مثلاً شفیع کے لیے یہ کہنا کہ وُہ چیز آپ مجھ سے خریدلیں۔ اسے بزازی نے ذکر کیا (لیکن ابتداً عدمِ ثبوت کے لیے حیلہ کرنا امام ابویوسف کے نزدیک مکروہ نہیں، اور امام محمد کے ہاں مکروہ ہے، شفعہ میں امام ابویوسف کے قول پر فتوٰی ہے) سراجیہ میں اس قید کا اضافہ ہے کہ بشرطیکہ پڑوسی اس کا محتاج نہ ہو، محشیِ اشباہ نے اسے پسند کیا ہے اور زکوٰۃ، حج اور آیتِ سجدہ میں (اس کی ضد) بھی کراہت پر فتوٰی ہے، جوہرہ(ت)

ردالمحتار میں شرح دررالبحار سے ہے: ھذا تفصیل حسن[3] (یہ تفصیل خوبصورت ہے۔ ت) غمزالعیون

---

[1] صحیح البخاری کتاب الحیل باب فی الزکوٰۃ والایفرق بین مجتمع الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۱۰۲۹

[2] درمختار کتاب الشفعۃ باب مایبطلھا مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۱۶

[3] ردالمحتار " " مصطفی البابی مصر ۵/۱۷۳

میں ہے:

الفتوی علی عدم جواز الحیلۃ لاسقاط الزکوٰۃ وھو قول محمد رحمہ اللہ تعالٰی وھو المعتمد[1]

فتوٰی حیلہ اسقاطِ زکوٰۃ کے عدمِ جواز پر ہے اور یہی امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کا قول ہے، اور اسی پر اعتماد ہے (ت)

مجمع الانہر میں شرح الکنز للعینی سے ہے:

المختار عندی ان لاتکرہ فی الشفعۃ دون الزکوٰۃ[2]

میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ شفعہ میں حیلہ مکروہ نہیں لیکن زکوٰۃ میں مکروہ ہے۔ (ت)

وقایہ و اصلاح و ایضاح میں ہے:

واللفظ لھذین لایکرہ حیلۃ اسقاط الشفعۃ والزکوٰۃ عند ابی یوسف خلافا لمحمد و یفتی فی الاول بقول الاول وفی الثانی بقول الثانی[3]

ان دونوں کی عبارت یہ ہے: اسقاط شفعہ و زکوٰۃ کے لیے حیلہ امام ابویوسف کے نزدیک مکروہ نہیں لیکن امام محمد کو اس میں اختلاف ہے پہلے (شفعہ) میں پہلے امام (ابویوسف) کے قول پر اور دوسرے (زکوٰۃ) میں دوسرے امام (محمد) کے قول پر فتوٰی ہے۔ (ت)

امام الائمہ سراج الامہ حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب بھی یہی مذہب امام محمد ہے کہ ایسا فعل ممنوع و بد ہے۔ غمز العیون میں تاتارخانیہ سے ہے:

کان ذلک مکروھا عند الامام و محمد[4]

یہ (حیلہ) امام اعظم اور امام محمد دونوں کے نزدیک مکروہ ہے۔ (ت)

تو امام کی طرف وُہ نسبت تصویب کہ انھوں نے فرمایا (ابویوسف نے درست فرمایا) خود مذہبِ امام کے صریح خلاف ہے۔

ثالثاً بلکہ خزانۃ المفتین میں فتاوٰی کبرٰی سے ہے:

---

[1] غمز العیون البصائر   الفن الخامس من الاشباہ والنظائر الخ   ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی   ۲/ ۲۹۲

[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر   فصل وتبطل الشفعۃ بتسلیم الکل والبعض   داراحیاء التراث العربی بیروت   ۲/ ۴۸۶

[3] شرح الوقایۃ   کتاب الشفعۃ   باب ماھی فیہ الخ   مطبع یوسفی لکھنؤ   ۴/ ۷۰

[4] غمز العیون البصائر   الفن الخامس من الاشباہ والنظائر وھو فن الحیل   ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی   ۲/ ۲۹۲

الحیلۃ فی ابطال الشفعۃ بعد ثبوتہا یکرہ لانہ ابطال لحق واجب واما قبل الثبوت فلاباس بہ وھو المختار والحیلۃ فی منع وجوب الزکوۃ تکرہ بالاجماع[1]

ثبوت کے بعد ابطال شفعہ کے لیے حیلہ کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ حق واجب کو باطل کرنا ہے لیکن ثبوت سے پہلے حیلہ میں کوئی حرج نہیں اور یہی مختار ہے اور وجوب زکوۃ میں رکاوٹ کے لیے حیلہ کرنا بالاجماع مکروہ ہے۔ (ت)

یہاں سے ثابت کہ ہمارے تمام ائمہ کا اس کے عدم جواز پر اجماع ہے، حضرت امام ابویوسف بھی مکروہ رکھتے ہیں ممنوع و ناجائز جانتے ہیں کہ مطلق کراہت کراہت تحریم کے لیے ہے خصوصاً نقل اجماع کہ یہاں ہمارے سب ائمہ کا مذہب متحد بتارہی ہے اور شک نہیں کہ مذہب امام اعظم و امام محمد اس حیلہ کا ناجائز ہونا ہے، غمز العیون کے لفظ سُن چکے کہ صاف عدمِ جواز کی تصریح ہے **اقول** اگر بتنزل فرض قول خلاف بغرض توفیق اس روایت اجماع میں کراہت کو معنی اعم پر حمل کریں،

فربما تجئ کذا کقولھم فی الصلوۃ کرہ کذا وکذا وارادوا بہ المکروھات من القسمین۔

تو کبھی یوں بھی آتا ہے جیسا کہ فقہاء کا نماز کے باب میں کہنا کہ فلاں فلاں چیز مکروہ ہے اور مکروہات کی دونوں قسموں کو مراد لیتے ہیں (ت)

تو حاصل یہ ہوگا کہ اس حیلہ کے مکروہ و ناپسند ہونے پر ہمارے ائمہ کا اجماع ہے، خلاف اس میں ہے کہ امام ابویوسف مکروہِ تنزیہی فرماتے ہیں اور امام اعظم و امام محمد مکروہ تحریمی۔ اور فقیر نے بچشم خود امام ابی یوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ کی متواتر کتاب مستطاب الخراج میں یہ عبارت شریفہ مطالعہ کی (مطبع میری بولاق مصر صفحہ ۴۵):

قال ابویوسف رحمہ اللہ لایحل لرجل یؤمن باللہ والیوم الاٰخر منع الصدقۃ و لا اخراجہا من ملکہ الی ملک جماعۃ غیرہ لیفرقہا بذلك فتبطل الصدقۃ عنہا بان یصیرلکل واحد منہم من الابل والبقر والغنم مالایجب فیہ الصدقۃ و لایحتال فی ابطال الصدقۃ بوجہ ولا سبب بلغنا عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ

یعنی امام ابویوسف فرماتے ہیں کسی شخص کو جو اللہ و قیامت پر ایمان رکھتا ہو یہ حلال نہیں کہ زکوۃ نہ دے یا اپنی ملک سے دوسروں کی ملک میں دے دے جس سے ملک متفرق ہوجائے اور زکوۃ لازم نہ آئے کہ اب ہر ایک کے پاس نصاب سے کم ہے اور کسی طرح کسی صورت ابطالِ زکوۃ کا حیلہ نہ کرے، ہم کو ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث پہنچی ہے کہ انھوں نے فرمایا زکوۃ نہ دینے والا مسلمان نہیں رہتا، اور جو زکوۃ نہ دے اس کی

---

[1] خزانۃ المفتین کتاب الشفعۃ (قلمی نسخہ) ۲/ ۱۹۶

انہ قال ما مانعوا الزکوٰۃ بمسلم ومن لم یؤدھا   نماز مردود ہے۔
فلا صلوٰۃ لہ[1]

فتاوٰی کبرٰی وخزانۃ المفتین کی نقلِ اجماع عبارتِ اطلاق کی تائید کررہی ہے اور اس کا اطلاق اُس اجماع کی امام ابویوسف نے یہ کتاب مستطاب خلیفہ ہارون کے لیے تصنیف فرمائی ہے جبکہ امام خلافت ہاروتی میں قاضی القضاۃ و قاضی الشرق والغرب تھے اُس میں کمال اعلانِ حق کے ساتھ خلیفہ کو وُہ ہدایات فرمائی ہیں جو ایک اعلیٰ درجے کے امام ربانی کے شایانِ شان تھیں کہ اللہ کے معاملے میں سُلطان وخلیفہ کسی کا خوف ولحاظ نہ کرے اور خلیفہ رحمہ اللہ تعالٰی نے ان ہدایات کو اسی طرح سنا ہے جو ایک خداپرست سلطان وامیر المومنین کے لائق ہے کہ نصائح ائمہ وعلماء اگرچہ بظاہر تلخ ہوں گوشِ قبول سے سُنے اور اُن کے حضور فروتنی کرے، یہ زمانہ امام کا آخر زمانہ تھا، حاضرین مجلس مبارک سیدنا امام اعظم یا اُس کے بعد کا قریب زمانہ جس میں خلافیات ائمہ ثلٰثہ منقول ہُوئی ہیں اس سے متقدم تھا، تو اس تقدیر پر نقل اجماع کو ظاہر سے پھیرنے کی حاجت نہیں، تطبیق یُوں ہوگی کہ امام ابی یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس قول سے رجوع فرمایا اور اُن کا آخر قول یہی ٹھہرا جو ان کے استاذ اعظم امام الائمہ اور شاگرد اکبر امام محمد کا ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، اور ایک امام دین جب ایک قول سے رجوع فرمائے تو اب وہ اس کا قول نہ رہا، نہ اس پر طعن روا، نہ سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما پر طعن کیا کہ وُہ ابتداء میں جوازِ متعہ کے مدتوں قائل رہے ہیں یہاں تک کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے اپنے زمانہ خلافت میں اُن سے فرمایا کہ اپنے ہی اُوپر آزما دیکھیے، اگر متعہ کرو تو میں سنگسار کروں، آخر زمانہ میں اس سے رجوع کیا اور فرمایا: اللہ عزوجل نے زوجہ وکنیز شرعی بس ان دو کو حلال فرمایا ہے فکل فرج سواھما حرام[2] ان دو کے سوا جو فرج ہے حرام ہے۔ رواہ الترمذی (اسے ترمذی نے روایت کیا۔ ت) زید بن ارقم رضی اللہ تعالٰی عنہ پر طعن کیا جائے کہ وُہ پہلے سُود کی بعض صُورتیں حلال بتاتے تھے یہاں تک ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے فرمایا کہ زید کو خبر دے دو کہ اگر وہ اس قول سے باز نہ آئے تو انھوں نے جو حج وجہاد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ہمراہ رکاب کیا اللہ تعالٰی اسے باطل فرمادے گا[3]۔ رواہ الدارقطنی (اسے دارقطنی نے روایت کیا۔ ت)

سابعًا یہ حکایت کسی سند مستند سے ثابت نہیں، اور بے سند مذکور ہونا طعن کے لیے کیا نفع دے سکتا ہے،

---

[1] کتاب الخراج   باب فی الزیادۃ والنقصان الخ   مطبعہ بولاق مصر   ص ۸۶
[2] جامع الترمذی   ابواب النکاح   باب ماجاء فی نکاح المتعۃ   امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۱۳۴
[3] سنن الدارقطنی   کتاب البیوع   حدیث ۲۱۱   نشر السنۃ ملتان   ۳/ ۵۲

بی ایسی کتاب میں خصوصًا جس میں تو وہ حدیثیں خود رسول اللہ صلے اللہ تعالے علیہ وسلم کی طرف ایسی منسوب ہیں جن کی نسبت ائمہ حدیث نے جزم کیا کہ باطل و موضوع ومکذوب ہیں۔

ولکل فن رجال ولکل رجال مجال ویابی اللہ العصمۃ الالکلامہ وکلام رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

ہر فن کے ماہرین ہیں اور تمام ماہرین میں خطا کا امکان ہے، اللہ تعالےٰ نے عصمت صرف اپنے کلام اور اپنے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلام ہی کو عطا فرمائی ہے۔ (ت)

مجتہد کے اجتہاد میں کسی فعل کا جواز آنا اور بات اور خود اس کا مرتکب ہونا اور بات، یہ اساطین دین الٰہی بارہا عوام کے لیے رخصت بتاتے اور خود عزیمت پر عمل کرتے، سیدنا امام اعظم امام الائمہ سراج الامہ کاشف الغمہ مالک الازمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

لا احرم النبیذ الشدید دیانۃ ولا اشربہ مروءۃ۔

میں نبیذ کو دیانۃً حرام نہیں کہتا لیکن مروتًا اسے پیتا نہیں ہوں۔ (ت)

اُن کے شاگرد محمد بن مقاتل رازی کہتے ہیں:

لو اعطیت الدنیا بحذافیرھا ما شربت المسکر یعنی نبیذ التمر والزبیب ولو اعطیت الدنیا بحذافیرھا ما افتیت بانہ حرام[1]، ذکرہ الامام البخاری فی الخلاصۃ۔

اگر تمام دنیا مجھے دے دی جائے تو میں نشہ آور چیز یعنی تمر اور زبیب کا نبیذ نہ پیوں گا، اور اگر مجھے تمام دنیا عطا کر دی جائے تو میں اس کے حرام ہونے کا فتوٰی نہیں دے سکتا، امام بخاری نے خلاصہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ (ت)

خامسًا امام حجۃ الاسلام غزالی قدس سرہ الشریف احیاء العلوم شریف میں فرماتے ہیں:

فان قیل ھل یجوز لعن یزید لانہ قاتل الحسین و اُمربہ قلنا ھذا لم یثبت اصلا فلا یجوز ان یقال انہ قتل او امربہ مالم یثبت فضلا عن اللعنۃ لانہ

اگر سوال کیا جائے کہ کیا یزید پر لعنت کرنا جائز ہے کیونکہ وُہ امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا قاتل ہے یا اس نے آپ کے قتل کا حکم دیا ہے، تو ہم کہتے ہیں کہ یہ اصلاً ثابت نہیں جب تک ثابت نہ ہو جائے تو اسے

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الاشربہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۲۰۵

لا تجوز نسبة مسلم الی کبیرة من غیر تحقیق نعم یجوز ان یقال قتل ابن ملجم علیا و قتل ابولؤلؤ عمر رضی اللہ تعالٰی عنه فان ذلك ثبت متواترا فلا یجوز ان یرمی مسلم بفسق و کفر من غیر تحقیق[1]

قاتل یا اس کا آمر نہ کہا جائے چہ جائیکہ اس پر لعنت کی جائے کیونکہ بغیر تحقیق کسی مسلمان کی طرف کبیرہ گناہ کی نسبت کرنا جائز نہیں، ہاں یہ کہنا جائز ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو ابن ملجم اور حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو ابولؤلؤ نے شہید کیا کیونکہ یہ تواتر سے ثابت ہے تو بغیر تحقیق کسی مسلمان کی طرف فسق یا کفر کی نسبت کرنا ہرگز جائز نہیں۔

اقول یہ فعل کہ امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے حکایت کیا جاتا ہے آیا خطاء اجتہادی ہے یا اس کی قابلیت نہیں رکھتا بلکہ معاذ اللہ عمدًا فریضۃ اللہ سے معاندت ہے، بر تقدیر اول اس سے طعن کے کیا معنی مجتہد اپنی خطا پر ثواب پاتا ہے اگرچہ صواب کا ثواب دونا ہے، اور اگر عیاذًا باللہ شق ثانی فرض کی جائے تو فرض خود سے معاندت قطعًا کبیرہ ہے خصوصًا وہ بھی بر سبیل عادت جو (کر دیا کرتے تھے) کا مفاد ہے خصوصًا اس زعم کے ساتھ کہ آخرت میں اس کا ضرر ہر گناہ سے زائد ہے تو معاذ اللہ اکبر الکبائر ہوا پھر کیونکر حلال ہوگیا کہ ایسے سخت کبیرہ شدید نہ کبیرہ بلکہ اکبر الکبائر کو ایک مسلمان نہ صرف مسلمان بلکہ امام المسلمین کی طرف بلا تواتر نہ فقط بے تواتر بلکہ محض بلا سند صرف حکی کی بنا پر نسبت کر دیا جائے۔ سبحان اللہ! یزید پلید کی طرف تو یہ نسبت ناجائز و حرام ہو کر اس نے امام مظلوم سیدنا حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کو شہید کرایا اس لیے کہ اس کا حکم دینا اس خبیث سے متواتر نہیں اور سیدنا امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ایسی شدید عظیم بات نسبت کرنا حلال ٹھہرے حالانکہ تواتر چھوڑ اصلًا کوئی ٹوٹی پھوٹی سند بھی نہیں۔

فقد تمت الحجة بالحجة علی الحجة و طهر به ذیل امام الحجة و للّٰه الحجة البالغة و لکل جواد کبوة و لکل صارم نبوة و لکل عالم هفوة و لقد صدق امام دار الهجرة عالم المدینة سیدنا الامام مالك بن انس رحمة اللّٰه تعالٰی اذ یقول کل ماخوذ من قوله و مردود علیه الا صاحب هذا القبر صلی اللّٰه تعالٰی علیه و سلم الا

اب حجت پر حجت کے ساتھ حجت تام ہوگئی اور امام الحجۃ کا دامن پاک ہوگیا اور کامل حجت اللہ تعالٰی کے لیے ہی ہے، ہر شہسوار کو گرنا اور ہر تلوار کند ہونا ہے اور ہر عالم کو لغزش کا سامنا ہے ــــ امام دار الہجرت عالم مدینہ سیدنا امام مالک بن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے سچ فرمایا کہ ہر ایک کا قول ماخوذ بھی ہو سکتا ہے اور مردود بھی ماسوائے اس قبر کے مکین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ــــ

---

[1] احیاء العلوم الآفۃ الثامنۃ اللعن مکتبہ و مطبعۃ المشہد الحسینی القاہرۃ ۳/ ۱۲۵

ان الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ھفوات بدرت مھما ندرت یبتغون الفتنۃ فی الدین وایذاء قلوب المسلمین واللہ المستعان علی الطاغین والمردۃ الباغین ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

بلاشبہ وہ لوگ جن کے دلوں میں ٹیڑھ ہے وہ ان ہفوات کی اتباع کرتے ہیں جیسے بھی وُہ ظاہر ہوں اور اس سے دین میں فتنہ برپا کرکے مسلمانوں کے دلوں کو ایذا دیتے ہیں، ان سرکشوں اور مردود باغیوں کے خلاف اللہ تعالٰی مدد فرمانے والا ہے۔ (ت)

سادسًا مجرد استقباح واستبعاد بے دلیل شرعی مسموع نہیں، نہ احکامِ زہد احکامِ شرع پر حاکم، نماز میں قلتِ خشوع کو اہلِ سلوک کیا کیا سخت وشنیع مذمتیں نہیں کرتے، ایسی نماز کو باطل ومہمل وفاسد ومختل سمجھتے ہیں۔ اور فقہاء کا اجماع ہے کہ خشوع نہ رکنِ نماز ہے نہ فرض نہ شرط، مانحن فیہ کا محلِ اجتہاد نہ ہونا مخالف نے نہ بتایا، نہ قیامت تک بتا سکتا ہے، پھر اجتہادِ مجتہد پر طعن کیا معنی رہا، فعل اگر بفرضِ غلط ایک آدھ بار وقوع بسندِ معتمد ثابت بھی ہو جائے تو کرنے اور کیا کرنے میں زمین آسمان کا بل ہے، نہ کان یفعل تکرار میں نص، کما بیناہ فی التاج المکلل فی انارۃ مدلول کان یفعل (جیسا کہ ہم نے اس بات کو اپنے رسالہ التاج المکلل فی انارۃ مدلول کان یفعل میں بیان کیا ہے۔ ت) واقعہ حال محتمل صد احتمال ہوتا ہے عروضِ ضرورت یا امر اہم یا کچھ نہ سہی تو بیانِ جواز ہی کہ فعلاً قولاً سے اکمل واتم اور (یہ اُن کی فقہ سے ہے) تصویب نہیں، اس کے معنی اس قدر کہ یہ اُن کا اجتہاد ہے جس کا حاصل صرف منع طعن ہے کہ مجتہد اپنے اجتہاد پر ملام نہیں، جس طرح حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے عکرمہ کو جب اُنھوں نے امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شکایت کی کہ وتر کی ایک رکعت پڑھی، جواب دیا دعہ فانہ فقیہ [1] انھیں کچھ نہ کہہ کہ وہ مجتہد ہیں رواہ البخاری (اسے بخاری نے روایت کیا۔ ت)

ہاں دربارۂ تصویب وتصدیق یہ حکایت کُتب میں منقول ہے کہ امام زین الملۃ والدین ابوبکر خواب میں زیارتِ اقدسِ حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مشرف ہُوئے کسی شافعی المذہب نے امام ابویوسف کا یہ قول حضور کے سامنے عرض کیا، حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا، ابو یوسف کی تجویز حق ہے، یا فرمایا درست ہے۔ شرح نقایہ میں ہے:

وقد ایدہ ماصح عندنا ان افضل العلماء فی زمانہ واکمل العرفاء فی اوانہ زین الملۃ والدین ابوبکر

اس کی تائید وُہ واقعہ کرتا ہے جو ہمارے نزدیک صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ اپنے وقت کے افضل العلماء، اکمل العرفاء، زین الملت والدین

---

[1] صحیح بخاری باب ذکر معاویہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۵۳۱

ف: بخاری کے مقام مذکور پر دو حدیثیں منقول ہیں ایک کے الفاظ یہ ہیں دعہ فانہ صحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسری کے الفاظ یوں قال اصاب انہ فقیہ۔ اعلٰحضرت علیہ الرحمۃ نے دونوں حدیثوں کا اختصار نقل کیا ہے۔ نذیر احمد

الآبادی قد رای فی المنام ان شافعی المذھب قال فی مجلس النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان ابا یوسف جوز حیلۃ فی اسقاط الزکوۃ فقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان ما جوزہ ابویوسف حق او صدق۔[1]

ابوبکر الآبادی نے خواب میں دیکھا کہ شافعی المذہب شخص نے مجلسِ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں عرض کیا کہ ابویوسف نے اسقاطِ زکوٰۃ میں حیلہ کو جائز رکھا ہے، تو آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ابویوسف نے جو تجویز کیا ہے وہ حق ہے یا درست ہے(ت)

سابعًا بعد وجوب منع کا حیلہ بالاجماع حرام قطعی ہے، یہاں کلام منعِ وجوب میں ہے یعنی وُہ تدبیر کرنی کہ ابتداءً زکوٰۃ واجب ہی نہ ہو۔ امام ابویوسف فرماتے ہیں اس میں کون سے حکم کی نافرمانی ہوئی، اللہ عزوجل نے سال تمام ہونے پر زکوٰۃ فرض کی جو بعد وجوب ادا نہ کرے بالاجماع عاصی ہے، یہ کہاں فرض کیا ہے کہ اپنے مال پر سال گزرنے ہی دو جس طرح یہ فرض فرمایا ہے کہ جو زاد و راحلہ و قدرت رکھتا ہو حج کرے یہ کب فرض کیا ہے کہ زاد و راحلہ و استطاعت کے قابل مال جمع بھی کرو، یونہی ہرگز واجب کیا مستحب بھی نہیں کہ قدرِ نصاب مال جوڑ کر سال بھر رکھ چھوڑو تاکہ زکوٰۃ واجب ہو، ائمہ دین کو تعلیم غل کی طرف منسوب کرنا بدگمانی ہے جو عوام مسلمین پر بھی جائز نہیں، اور حق یہ ہے کہ امام ممدوح کا یہ قول بھی اس لیے نہیں کہ لوگ اسے دستاویز بنا کر زکوٰۃ سے بچیں، بلکہ وہ وقتِ ضرورت و حاجت پر محمول ہے، مثلاً کسی پر حج فرض ہوگیا تھا مال چوری ہوگیا، مصارفِ حج و نفقۂ عیالی کے لیے ہزار درم کی ضرورت ہے اس سے کم میں نہ ہوگا محنت و کوشش سے جمع کئے، آج قافلہ جانے کو ہے کل سالِ زکوٰۃ تمام ہوگا، اگر پچیس درہم نکل جائیں گے مصارف میں کمی پڑے گی، یہ ایسا حیلہ کرے کہ حجِ فرض سے محروم نہ رہے، یا کوئی شخص اپنے حال کو جانتا ہے کہ زکوٰۃ اس سے ہرگز ہرگز قطعًا نہ دی جائے گی، اُس کا نفس ایسا غالب ہے کہ کسی طرح اس فرض کی ادا پر اصلًا قدرت نہ دے گا یہ اس خیال سے ایسا کرے کہ بعد فرضیت ترک ادا وارتکاب گناہ سے بچوں تو از قبیل من ابتلی ببلیتین اختار اھونھما (جو شخص دو مشکلات میں گھر جائے ان میں سے آسان کو اختیار کرے۔ت) ہوگا۔ سراجیہ میں ہے:

اذا اراد ان یحتال لامتناع وجوب الزکوۃ لما انہ خاف ان لایؤدی فیقع فی الماثم فالسبیل ان یھب النصاب قبل تمام الحول من یثق بہ

جب کوئی امتناعِ وجوبِ زکوٰۃ کے لیے حیلہ کرتا ہے کہ وُہ اس بات سے ڈرتا ہے کہ اگر اس نے زکوٰۃ ادا نہ کی تو گناہگار ہوگا، تو اس کے لیے راستہ یہ ہے کہ سال گزرنے سے پہلے نصاب کسی بااعتماد آدمی کے

---

[1] شرح نقایہ

ویسلمہ الیہ ثم یستوھبہ[1] حوالے کردے پھر اس سے بطور ہبہ واپس لے لے۔ (ت)

دیکھو تصریح ہے کہ یہ حیلہ گناہ سے بچنے کے لیے، نہ کہ معاذ اللہ گناہ میں پڑنے کے واسطے۔ حیلِ شرعیہ کا جواز خود قرآنِ عظیم و احادیثِ سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت ہے، ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قسم کھائی تھی کہ اپنی زوجہ مقدسہ کو سَو کوڑے ماریں گے، رب العزت عزجلالہ نے فرمایا:

وخذ بیدك ضغثًا فاضرب بہ ولا تحنث[2]۔ یعنی سَو تیلیوں کی ایک جھاڑو بنا کر اُس سے ایک دفعہ مار لو اور قسم جھوٹی نہ کرو۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک کمزور شخص پر حد لگانے میں اسی حیلہ جمیلہ پر عمل فرمایا، ارشاد ہُوا:

خذوا لہ عثکالا فیہ مائۃ شمراخ ثم اضربوہ بہ ضربۃ واحدۃ[3]۔ رواہ احمد وابن ماجۃ وابوداؤد وبمعناہ البغوی فی شرح السنۃ الاولان عن ابی امامۃ بن سھل عن سعید بن سعد بن عبادۃ والثالث عن ابی امامۃ بن سھل عن بعض الصحابۃ من الانصار والرابع عن سعید بن سعد بن عبادۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ اتی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم برجل[4] الحدیث ھذا حدیث حسن الاسناد ورواہ الرویانی فی مسندہ فقال حدثنا محمد بن المثنی ثنا عثمٰن بن عمر نا فلیح عن سھل بن سعد ان ولیدۃ فی عھد رسول اللہ

شاخہائے خرما کا ایک گچھا لے کر جس میں سَو شاخیں ہوں اُس سے ایک بار مار دو (اسے امام احمد، ابن ماجہ، ابوداؤد نے اور معناً بغوی نے شرح السنۃ میں روایت کیا ہے، پہلے دونوں محدثین نے حضرت ابوامامہ بن سہل اور انھوں نے سعید بن سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے اور تیسرے نے حضرت ابوامامہ بن سہل سے انھوں نے ایک انصاری صحابی سے روایت کی ہے، اور چوتھے نے حضرت سعید بن سعد بن عبادہ سے روایت کیا کہ نبی پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں ایک شخص کو لایا گیا، الحدیث، اس حدیث کی سند حسن ہے اور اسے رویانی نے اپنی مسند میں یُوں روایت کیا کہ ہمیں محمد بن مثنی نے انھیں

---

[1] فتاوٰی سراجیۃ کتاب الحیل والخوارج والخوارج منشی نولکشور لکھنؤ ص ۱۵۴

[2] القرآن ۳۸/ ۴۴

[3] مسند امام احمد بن حنبل حدیث سعید بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ دارالفکر بیروت ۵/ ۲۲۲

[4] شرح السنۃ باب حد المریض حدیث ۲۵۹۱ المکتب الاسلامی بیروت ۱۰/ ۳۰۳

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حملت من الزنا، فسئلت من اجلك؟ فقالت اجلنی المقعد، فسئل عن ذٰلك فاعترف فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہ لضعیف عن الجلد فامر بمائۃ عثکول فضربہ بہا ضربۃ واحدۃ[1] اھ ھٰکذا وقع فیما رأیت انما المعروف ابن سہل سعید بن سعد وفی اخری لابن ماجۃ عن ابن سہل عن سعد بن عبادۃ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

عثمان بن عمر نے انھیں فلیح نے حضرت سہل بن سعد سے بیان کیا کہ ایک لڑکی حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں زنا سے حاملہ ہوگئی، پوچھا گیا یہ حمل کس کا ہے؟ اس نے کہا یہ اس لُولے کا ہے، پُوچھا گیا تو اس نے اعتراف کرلیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا یہ کمزور ہے سَو کوڑوں کی سزا نہیں جھیل سکتا، لہذا آپ نے سَو شاخوں والے خُرما کی شاخ سے اسے ایک ضرب لگوائی اھ دیکھا تو میں نے یہی ہے مگر معروف ابن سہل سعید بن سعد ہیں، اور ابن ماجہ کی دوسری روایت میں ابن سہل نے حضرت سعد بن عبادہ سے بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے (ت)

خود صحیح بخاری شریف بلکہ صحیحین میں حضرت ابوسعید و حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ایک صاحب کو خیبر پر عامل بنا کر بھیجا، وُہ عمدہ خرمے وہاں سے لائے، فرمایا: کیا خیبر کے سب خُرمے ایسے ہی ہیں؟ عرض کی: نہیں یارسول اللہ! واللہ کہ ہم چھ سیر خُرموں کے بدلے یہ خرمے تین سیر، اور نو سیر دے کر اس کے چھ سیر خریدتے ہیں۔ فرمایا:

لاتفعل بع الجمع بالدراھم ثم ابتع بالدراھم جنیبًا۔[2]

ایسا نہ کرو بلکہ ناقص یا کچیل خرمے پہلے روپوں کے عوض بیچو پھر ان روپوں سے یہ عمدہ خرمے خریدو۔

اور ہر موزوں کے بارے میں یہی حکم فرمایا، نیز صحیحین میں ابوسعید خدری رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ہے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کرنی چھوہارے کہ عمدہ قسم ہیں خدمتِ اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر لائے، فرمایا: یہ کہاں سے آئے ہیں؟ عرض کی: ہمارے پاس ناقص چھوہارے تھے اُن کے چھ سیر دے کر یہ تین سیر لیے، فرمایا:

اَوَّہْ عین الربا لاتفعل ذٰلك ولکن

اُف خاص سُود ہے ایسا نہ کرو، ہاں جب بدلنا

---

[1]

[2] صحیح البخاری کتاب البیوع باب اذا اراد بیع تمر بتمر خیر منہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۹۳

اذا اردت ان تشتری فبع التمر ببیع اٰخر ثم اشتر به[1]	چاہو تو اپنے چھوہارے اور چیز سے پہلے بیچ کر پھر اس سے اچھے چھوہارے مول لے لو۔

یہ شرعی حیلے نہیں تو اور کیا ہیں، باب حیل واسع ہے، اگر کلام کو وسعت دی جائے تطویل لازم آئے۔ اہلِ انصاف کو اسی قدر بس ہے، پھر جب اللہ ورسول اجازت دیں تعلیمیں فرمائیں تو ابو یوسف پر کیا الزام آسکتا ہے؟ ہاں ہمارے امام اعظم و امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہم نے یہ خیال فرمایا کہ کہیں اس کی تجویز عوام کے لیے مقصد شنیع کا دروازہ کھولے لہٰذا ممانعت فرمادی، اور ائمہ فتوٰی نے اسی منع ہی پر فتوٰی دیا، امام بخاری بھی اگر امام محمد کا ساتھ دیں اور یہ قول امام ابی یوسف پسند نہ کریں تو امام ابی یوسف کی شان جلیل کو کیا نقصان، وہ کون سا مجتہد ہے جس کے بعض اقوال دوسروں کو مرضی نہ ہوئے، یہ رَدّ وقبول تو زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے بلانکیر رائج ومعمول ہے، بخاری کے اقوال مذکورہ میں کوئی کلمہ سخت نفرت کا ہے؟ اُن سے صرف اتنا نکلتا ہے کہ یہ قول انھیں مختار نہیں، اور ہو بھی تو ان کی نفرت امام مجتہد کو کیا ضرر دے سکتی ہے، خصوصًا ائمہ حنفیہ لاسیما امام الائمہ امام اعلم رضی اللہ تعالٰی عنہ وعنہم کہ امام بخاری کے امام ومتبوع سیدنا امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ جن کی نسبت شہادت دیتے ہیں کہ تمام مجتہدین امام ابوحنیفہ کے بال بچے ہیں، حفظِ حدیث ونقدِ رجال وتنقیحِ صحت وضعفِ روایات میں امام بخاری کا اپنے زمانے میں پایۂ رفیع والا، صاحبِ رتبۂ بالا، مقبولِ معاصرین ومقتدائے متاخرین ہونا مسلّم۔ کتبِ حدیث میں ان کی کتاب بیشک نہایت چیدہ وانتخاب جس کے تعالیق ومتابعات وشواہد کو چھوڑ کر اصولِ مسانید پر نظر کیجئے تو ان میں گنجائش کلام تقریبًا شاید ایسی ہی ملے جیسے مسائل ثانیہ امام اعظم میں، اور یہ بھی بحمد اللہ حنفیہ وشاگردانِ ابوحنیفہ وشاگردانِ شاگردِ ابوحنیفہ مثل امام عبد اللہ بن المبارک و امام یحیٰی بن سعید قطان و امام فضیل بن عیاض و امام مسعر بن کدام و امام وکیع الجراح و امام لیث بن سعد و امام معلی بن منصور رازی و امام یحیٰی بن معین وغیرہم ائمہ دین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا فیض تھا کہ امام بخاری نے اُن کے شاگردوں سے علم حاصل کیا اور اُن کے قدم پر قدم رکھا اور خود امام بخاری کے استاذ اجل امام احمد بن حنبل امام شافعی کے شاگرد ہیں، وہ امام محمد کے، وہ امام ابو یوسف کے، وہ امام ابوحنیفہ کے، رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، مگر یہ کارِ اہم ایسا نہ تھا کہ امام بخاری اس میں ہمہ تن مستغرق ہو کر دوسرے کارِ اجل واعظم یعنی فقاہت واجتہاد کی بھی فرصت پاتے، اللہ عزوجل نے انھیں خدمت الفاظ کریمہ کے لیے بنایا تھا خدمتِ معانی ائمہ مجتہدین خصوصًا امام الائمہ ابوحنیفہ کا حصہ تھا۔ محدث ومجتہد کی نسبت عطار وطبیب کی مثل ہے، عطار دوا شناس ہے اُس کی دُکان عمدہ عمدہ دواؤں سے مالا مال ہے مگر تشخیصِ مرض ومعرفتِ علاج وطریقِ استعمال طبیب کا کام ہے۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب الوکالۃ باب اذا باع الوکیل شیئًا فاسدًا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۱۰

عطار کامل اگر طبیب حاذق کے مدارکِ عالیہ تک نہ پہنچے معذور ہے خصوصاً ملک اطبائے حذاق امام ائمہ آفاق جو ثریا سے علم لے آیا جس کی وقت مقاصد کو اکابر ائمہ نے نہ پایا، بھلا امام بخاری تو نہ تابعین سے ہیں نہ تبع تابعین سے، امام اعظم کے پانچویں درجے میں جاکر شاگرد ہیں، خود حضرت امام اجل سلیمٰن اعمش کہ اجلۂ تابعین و امام ائمہ محدثین سے ہیں حضرت سیدنا انس بن مالک انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ خادم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے شاگرد اور ہمارے امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے استاد، ان سے کچھ مسائل کسی نے پوچھے اس وقت امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ بھی وہاں تشریف فرما تھے امام اعمش نے ہمارے امام سے فتوٰی لیا، ہمارے امام نے سب مسائل کا فوراً جواب دیا، اعمش نے کہا یہ جواب آپ نے کہاں سے پیدا کیے؟ فرمایا ان حدیثوں سے جو میں نے خود آپ سے سنیں اور وہ احادیث مع اسانید پڑھ کر بتادیں، امام اعمش نے کہا:

حسبک ماحدثتک بہ فی مائۃ یوم تحدثنی بہ فی ساعۃ واحدۃ، ماعلمت انک تعمل بھذہ الاحادیث، یا معشر الفقھاء انتم الاطباء ونحن الصیادلۃ وانت ایھا الرجل بکلا الطرفین[1]۔

یعنی بس کیجئے میں نے جو حدیثیں سو دن میں بیان کیں آپ نے گھڑی بھر میں مجھے سنادیں، مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ احادیث میں یہ کام کرتے ہیں اے مجتہدا تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطار۔ اور اے ابو حنیفہ! تم نے دونوں کنارے گھیر لیے۔

یہ روایت امام ابن حجر مکی شافعی وغیرہ ائمہ شافعیہ وغیرہم نے اپنی تصانیف خیرات الحسان وغیرہا میں بیان فرمائی، یہ تو یہ خود ان سے بدرجہا اجل و اعظم ان کے استاذ اکرم و اقدم امام عامر شعبی جنہوں نے پانسو صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو پایا حضرت امیر المومنین مولٰی علی و سعد بن ابی وقاص و سعید بن زید و ابوہریرہ و انس بن مالک و عبد اللہ بن عمر و عبد اللہ بن عمرو و عبد اللہ بن عباس و عبد اللہ بن زبیر و عمران بن حصین و جریر بن عبد اللہ و مغیرہ بن شعبہ و عدی بن حاتم و امام حسن و امام حسین وغیرہم بکثرت اصحاب کرام رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے شاگرد اور ہمارے امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے استاذ جن کا پایہ رفیع حدیث میں ایسا تھا کہ فرماتے ہیں بیس سال گزرے ہیں کسی محدث سے کوئی حدیث میرے کان تک ایسی نہیں پہنچی جس کا علم مجھے اس محدث سے زائد نہ ہو۔ ایسے مقام والا مقام باآں جلالت شان فرماتے ہیں:

انا لسنا بالفقھاء ولکنا سمعنا الحدیث فرویناہ للفقھاء من اذا

ہم لوگ فقیہ و مجتہد نہیں ہم نے تو حدیثیں سن کر فقیہوں کے آگے روایت کر دی ہیں جو ان پر مطلع ہو کر

---

[1] الخیرات الحسان الفصل الثلاثون فی سندہ فی الحدیث ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۴۲

علم عمل[1] نقلہ الزین فی تذکرۃ الحفاظ۔ کارروائی کرینگے۔ (اسے شیخ زین نے تذکرۃ الحفاظ میں نقل کیا ہے۔ ت)

کاش امام اجل سیدنا امام بخاری علیہ رحمۃ الباری اگر فرصت پاتے اور زیادہ نہیں دس بارہ ہی برس امام حفص کبیر بخاری وغیرہ ائمہ حنفیہ رحمہم اللہ تعالٰی سے فقہ حاصل فرماتے تو امام ابو حنیفہ کے اقوال شریفہ کی جلالت شان و عظمت مکان سے آگاہ ہوجاتے، امام ابو جعفر طحاوی حنفی کی طرح ائمہ محدثین وائمہ فقہاء دونوں کے شمار میں یکساں آتے' مگر تقسیم ازل جو حصہ دے ؎

ہر کسے را بہر کارے ساختند
میل او اندر دلش انداختند

(جس کو کسی کام کے لیے تیار کرنا ہوتا ہے اس کام کی محبت اس کے دل میں ڈال دیتے ہیں)

اور انصافاً یہ تمنا بھی عبث ہے، امام بخاری ایسے ہوتے تو امام بخاری ہی نہ ہوتے، ان ظاہر بینوں کے یہاں وہ بھی ائمہ حنفیہ کی طرح معتوب و معیوب قرار پاتے فالی اللہ المشتکی وعلیہ التکلان (اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں ہی درخواست ہے اور اسی پر بھروسا ہے۔ ت)

بالجملہ ہم اہل حق کے نزدیک حضرت امام بخاری کو حضور پُرنور امام اعظم سے وہی نسبت ہے جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کو حضور پُرنور امیر المومنین مولی المسلمین سیدنا و مولٰنا علی المرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الاسنی سے کہ فرق مراتب بے شمار اور حق بدست حیدر کرار، مگر معاویہ بھی ہمارے سردار، طعن اُن پر بھی کار فجار، جو معاویہ کی حمایت میں عیاذاً باللہ اسد اللہ کے سبقت و اولیت و عظمت و اکملیت سے آنکھ پھیرلے وہ ناصبی یزیدی، اور جو علی کی محبت میں معاویہ کی صحابیت و نسبت بارگاہ حضرت رسالت بھلادے وہ شیعی زیدی، یہی روش آداب بحمد اللہ تعالٰی ہم اہل توسط و اعتدال کو ہر جگہ ملحوظ رہتی ہے یہی نسبت ہمارے نزدیک امام ابن الجوزی کو حضور سیدنا غوث اعظم اور مولانا علی قاری کو حضرت خاتم ولایت محمدیہ شیخ اکبر سے ہے، نہ ہم بخاری و ابن جوزی و علی قاری کے اعتراضوں سے شان رفیع امام اعظم و غوث اعظم و شیخ اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہم پر کچھ اثر سمجھیں نہ ان حضرات سے کہ بوجہ خطا فی الفہم معترض ہوئے اُلجھیں، ہم جانتے ہیں کہ ان کا منشاء اعتراض بھی نفسانیت نہ تھا بلکہ اُن اکابر محبوبان خدا کے مدارک عالیہ تک درس اور اک نہ پہنچنا لاجرم اعتراض باطل اور معترض معذور اور معترض علیہم کی شان ارفع و اقدس، والحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ترجمہ، الشعبی علامۃ التابعین دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد دکن ۱/۷۹

محمد و اٰلہٖ وصحبہٖ واولیائہٖ وعلمائہٖ واھلہٖ وحزبہٖ اجمعین، اٰمین، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہٗ اتم واحکم۔

مسئلہ ازمرزاپور بنگلہ نابالغ مرسلہ شجاعت حسین بیگ صاحب بریلوی

بنظرِ اشرف عالم المعی فاضل لوذعی مجددِ مائۃ حاضرہ جناب مفتی صاحب زاد اللہ فیوضہم، بعد سلام مسنون گزارش ہے مجھ پر عرصہ سے قرض تھا ۲۷ رمضان ۱۳۳۰ھ کو اپنی دکان بیع کرکے قرضہ دے دیا، بے حد و بے شمار شکر ہے کہ اس نے مجھے اس بارِ عظیم سے اپنے فضل وکرم سے سبکدوش فرمایا، بعد ادائے کل قرضہ دو ہزار دو سو پچانوے زائد علی الاحتیاج باقی رہے، دوسری ماہِ مبارک کو باعتثالِ رب عزوجل قبل گزرنے حولانِ حول کے اعـــہ للعہ روپے علیحدہ کردئے صـــہ باقی رہے اُن اعـــہ للعہ روپے کی زکوٰۃ بحکم شریعتِ مطہرہ صـــہ ہوئے بقیہ صـــہ میں ایک کا اضافہ کرکے صـــہ بہ نیت زکوٰۃ علیحدہ کردئے، یہ طریقہ بحکم شریعتِ مطہرہ صحیح ہوا یانہیں؟ ۲۳ رمضان تک میں بریلی رہا جب تک زرِ زکوٰۃ طلباء وفقراء کو دیتا رہا صـــہ باقی تھے کہ مجھے بضرورت ۲۴ کو مرزاپور آنا پڑا، اب یہاں یہ بقیہ اہل حاجت کو دیا جائے تو خلافِ حکمِ شرعی تو نہ ہوگا؟ میرے ایک سالے ہیں جو کترہ میران پور ضلع تلہر میں منسوب ہیں قلیل آمدنی ہے اور کثیر اولاد ہیں اگر اُن کو کچھ بھیجا جائے تو صلہ رحم بھی ہوگا مگر یہ ارشاد ہو کہ جس قدر ان کو بذریعہ ڈاک روانہ کیا جائے، مثلاً پانچ روپے بھیجے اور ڈاک کی فیس ایک آنہ یا دو آنے ہوئی تو یہ پیسے انھیں صہ سے دئے جائیں یا علیحدہ اپنے پاس سے۔

الجواب

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، جس دن تاریخ وقت پر آدمی صاحبِ نصاب ہوا جب تک نصاب رہے وہی دن تاریخ وقت جب آئے گا اُسی منٹ حولانِ حول ہوگا اس بیچ میں جو اور روپیہ ملے گا اُسے بھی اسی سال میں شامل کرلیا جائے گا اور اسی حولان کو اُس کا حولان مانا جائے گا اگرچہ اسے ملے ہوئے ابھی ایک ہی منٹ ہوا، حولانِ حول کے بعد ادائے زکوٰۃ میں اصلاً تاخیر جائز نہیں، جتنی دیر لگائے گا گنہگار ہوگا۔ ہاں پیشگی دینے میں اختیار ہے کہ بتدریج دیتا رہے سال تمام پر حساب کرے اس وقت جو واجب نکلے اگر پورا دے چکا بہتر، اور کم گیا ہے تو باقی فوراً اب دے، اور زیادہ پہنچ گیا تو اُسے آئندہ سال میں مُجرا لے۔ آپ پر حولانِ حول جس دن تاریخ وقت پر ہوتا ہو اُسے اس بیچ میں جو یہ روپے ملے سب زکوٰۃ میں شامل کیے جائیں گے وہ چھپن بھی جو بہ نیت زکوٰۃ علیحدہ رکھے اور ان سب کو ملاکر ۱/۴۰ لیں گے، ہاں اسے پہلے نصاب نہ ہوتا تو جس وقت یہ روپے ملے اُسی وقت سے شروع سال لیتے اور اس وقت آپ نے صـــہ ادا کیے یا بیش وکم کا اعتبار نہ ہوتا سال تمام پر دیکھیے کہ کیا باقی ہے اُتنے کی زکوٰۃ کا مطالبہ ہوتا وہ مطالبہ صـــہ نکلتا یا بیش وکم، بقیہ زکوٰۃ وہاں کے مساکین کو دیجئے

حرج نہیں۔ سالے سے اگر نسبی رشتہ نہیں تو رحم میں شامل نہیں، دوسرے شہر کو وہ زکوٰۃ بھیج سکتے ہیں جو ابھی واجب الادا نہ ہوئی، حولانِ حول نہ ہوا، اس کے بعد نہیں، جتنا روپیہ زکوٰۃ گیرندہ کو ملے گا اتنا زکوٰۃ میں محسوب ہوگا، بھیجنے کی اُجرت وغیرہ اس پر جو خرچ ہو شامل نہ کی جائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۸۱، ۸۲

(۱) اگر زمیندار زمین بٹائی پر جتوائے یا کاشتکار دیگر کاشتکار سے کاشت کرائے اور نصف پیداوار کے مستحق ہوں تو دونوں پر زکوٰۃ فرض ہوگی؟

(۲) فصل ربیع میں جب کھیت کو پانی نہ دیا اس کا دسواں حصّہ، پانی دئے ہوئے کا بیسواں اور فصل خریف میں دسواں کیوں کہ بارش کے پانی سے پیدائش ہے، یُونہی صحیح ہے؟

الجواب

(۱) صاحبین کا مذہب یہ ہے کہ عشر صرف کاشتکار پر ہے اس پر فتویٰ دینے میں کوئی حرج نہیں بلکہ ان ملکوں میں جہاں اُجرت میں نقدی ٹھہری ہوتی ہے وہاں اسی پر فتویٰ ہونا چاہئے اور بٹائی میں حسبِ قولِ امام فقط زمیندار پر ہے۔

(۲) جسے بارش یا نہر یا تالاب کا پانی دیا گیا اُس میں دسواں حصّہ ہے، اور جسے چرسے یا ڈھکلی سے پانی دیا گیا اس میں بیسواں حصّہ اور جسے مول کا پانی دیا گیا اس میں بھی بیسواں حصّہ چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۸۳ از سرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۲ رجب ۱۳۳۱ھ

زید دریافت کرتا ہے کہ کاشت کار نے زکوٰۃ کھیت کی پیداوار میں سے دسواں حصّہ بلا پانی دیا ہوا اور بیسواں حصہ پانی دئے ہُوئے میں سے دیا اگر کاشتکار کے بعد سال تمام کے اُسی پیداوار میں سے جس کی زکوٰۃ دسواں یا بیسواں حصّہ دے چکا تھا، بچ رہے تو زکوٰۃ چالیسواں حصّہ دینا ہوگا کہ نہیں؟

الجواب

کھیت کی پیداوار پر زکوٰۃ نہیں، وہی عشر ہے، اس کے سوا سال تمام پر اور کوئی زکوٰۃ نہیں آتی، زکوٰۃ صرف تین مالوں پر ہے، سونا چاندی یا وہ مال جو تجارت کی نیت سے خریدا یا جنگل میں چرتے ہُوئے جانور۔ واللہ تعالٰے اعلم

مسئلہ ۸۴ از درو ضلع نینی تال ڈاکخانہ کچھار مرسلہ عبدالعزیز خاں ۶ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ

زمین نہر عشری ہے یا خراجی؟ اور جو روپیہ کہ انگریز زمینداروں سے بطورِ قسط لیتے ہیں وہ محسوب زکوٰۃ عشر ہے یا خراج؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

زمین بہت صورتوں میں عشری ہوتی ہے بہت میں خراجی، بعض میں نہ عشری نہ خراجی، جن کی تفصیل کتبِ فقہ باب العشر والخروج میں مذکور ہندوستان کی ایک ملک وسیع ہے اس کی مختلف زمینوں میں غالباً وُہ سب یا اکثر صور متحقق، تو اس کی زمین کو نہ مطلقاً عشری کہہ سکتے ہیں نہ مطلقاً خراجی، عشر و خراج جو محاصل شرعیہ کے اقسام ہیں جن کے لیے شرع مطہر نے اصول وضوابط ومواقع ومقادیر کی تقدیر فرمائی، انگریز اپنی قسطیں لینے میں اُس اصول کے پابند نہیں بلکہ اُن کا قانون مالگزاری جُدا ہے کما لا یخفی (جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ت)

مسئلہ ۸۵: از لودھیانہ محلہ گرجھنگی مرسلہ شیخ محمد مقبول صاحب تاجر ۲۱ جمادی الاولٰی ۱۳۱۶ھ

ماقول الفقھاء الحنفیۃ فی ان اراضی الھندیۃ التی فی ایدی المسلمین خراجیۃ امر عشریۃ۔ بینوا توجروا۔

فقہائے احناف کا ہندوستان کی اس زمین کے بارے میں کیا موقف ہے جو مسلمانوں کے قبضہ میں ہے، کیا وہ خراجی ہیں یا عشری؟ بینوا توجروا۔ (ت)

الجواب

الارض کثیرا ماتکون عشریۃ کما[۱] فتح وقسم بیننا، وما[۲] اسلم اھلہ طوعا قبل ان تظفر بھم وعشریۃ[۳] اشتراھا ذمی من مسلم فاخذھا مسلم بشفعۃ[۴] اوردت علی البائع لفساد[۵] البیع او بخیار[۶] اورؤیۃ[۷] مطلقا اوعیب[۸] بالقضاء وما احیاہ مسلم بقرب العشریات او[۹] لتساوی القرب الیھا والی الخراجیات علی قول ابی یوسف المفتی بہ وسقاہ بماء عشری وحدہ او مع خراجی علی قول الطرفین، و[۱۰] کالاحیاء جعلہ[۱۱] دارہ بستانا اومزرعۃ، وکثیرا ماتکون خراجیۃ کما

زمین بہت سی صورتوں میں عشری ہوتی ہے (جیسا کہ ان صُورتوں میں ہے) مثلاً (۱) زمین مفتوحہ اور مسلمانوں میں تقسیم شدہ ہے (۲) وہاں کے باشندوں نے مسلمانوں کے غلبہ سے پہلے پہلے خوشی سے اسلام قبول کرلیا (۳) زمین عشری تھی اسے کسی ذمّی نے مسلمان سے خرید لیا پھر کسی مسلمان نے بذریعہ شفعہ حاصل کرلی (۴) یا فساد بیع کی وجہ سے (۵) یا خیار شرط (۶) یا خیار رؤیت ہر حال میں (۷) یا عیب کی صورت میں قاضی کی قضا سے وُہ زمین بیچنے والے مسلمان کی طرف واپس لوٹ آئی ہے (۸) جو مسلمان نے آباد کی ہو عشری زمین کے قریب (۹) یا اس زمین کا قرب خراجی اور عشری زمین کے مساوی ہے امام ابو یوسف کے مفتی بہ قول کے مطابق، اور اسے صرف عشری پانی یا عشری اور خراجی دونوں پانی سیراب کرتے ہوں طرفین کے

فتح[1] ومن به على اهلها او نقل[2]
اليه كفار آخر وما فتح[3] صلحا و
عشرية[4] اشتراها ذمي من مسلم
وخراجية[5] اشتراها مسلم وما
احياه[6] ذمي باذن الامام او رضخ[7]
له مطلقا او مسلم بقرب الخراجيات،
او سقاه بماء خراج صرفا
على القولين ومثله[9] مسئلة
الدار في المسلم والذمي جميعا،
وقد تكون لا عشرية ولا خراجية
كما فتحناه و ابقيناه لنا الى يوم
القيمة او مات ملاكها وآلت لبيت المال
على نزاع في هذا قال في رد المحتار
عن الدر المنتقى شرح الملتقى،
هذا نوع ثالث يعني لا عشرية
ولا خراجية من الاراضي تسمى
ارض المملكة واراضي الحوز و
هو ما مات اربابه بلا وارث
وآل لبيت المال او فتح عنوة
وابقي للمسلمين الى يوم
القيامة وحكمه على ما في
التاتارخانية انه يجوز للامام
دفعه للزراع باحد طريقين
اما باقامتهم مقام الملاك
في الزراعة واعطاء الخراج

قول کے مطابق (۱۰ و ۱۱) اور دار کی زمین کو باغ
یا زرعی بنانا، آباد بنانے کی طرح ہے
اور بہت سی صورتوں میں زمین خراجی ہوتی ہے (۱) زمین
فتح کرلی گئی مگر اس کے باشندوں کو ہی بطور حسنِ سلوک
واپس کردی گئی (۲) ایسی زمین کی طرف دوسرے کفار
کی منتقلی کی گئی ہو (۳) وہ زمین بطور صلح فتح کی گئی ہو۔
(۴) زمین عشری تھی مگر کسی ذمّی نے مسلمان سے خرید لی۔
(۵) ایسی زمین خراجی جسے کسی مسلمان نے خرید لیا۔
(۶) ایسی زمین جسے اذنِ امام سے کسی ذمی نے آباد کیا۔
(۷) جو زمین ذمّی کو بطور عطیہ دے دی گئی (۸) کسی مسلمان نے
اس زمین کو خراجی زمین کے قریب آباد کیا یا اسے
دونوں قولوں کے مطابق محض خراجی پانی سے
سیراب کیا (۹) اسی کی مثل مسئلہ دار ہے مسلمان اور ذمی کے حق
میں کہ ذمی کیلئے خراجی ہے بعض اوقات زمین نہ عشری ہوتی ہے
اور نہ ہی خراجی، مثلاً ہم نے زمین فتح کی اور تاقیامت
اسے مسلمانوں کے لیے وقف رکھا یا اس زمین کے مالک
فوت ہوگئے اور وہ زمین بیت المال کی طرف لوٹ آئی،
اس میں نزاع ہے۔ ردالمحتار میں درالمنتقی شرح الملتقی سے
ہے کہ یہ زمین کی تیسری نوع ہے یعنی نہ وہ عشری ہے اور
نہ وہ خراجی زمینوں میں سے ہے، ایسی زمینوں کو ارض
مملکت اور اراضی حوز کہا جاتا ہے اور یہ ایسی زمینیں ہیں
جن کے مالک بلاوارث فوت ہوجائیں اور وہ زمین
بیت المال کی طرف لوٹ آئے یا وہ زمین بطور غلبہ
مفتوحہ ہو اور وہ تاقیامت مسلمانوں کیلئے باقی رکھ دی ہو تاتارخانیہ
کے مطابق اس کا حکم یہ ہے کہ حاکمِ وقت اسے دو طریقوں

واما باجارتها لهم بقدر الخراج فیکون الماخوذ فی حق الامام خراجا وفی حق الاکرة اجرة لاغیر لاعشر ولاخراج[1] اھ باختصار وقال فی الدر المختار المشتراة من بیت المال اذا وقفها مشتریها فلا عشر ولاخراج، شرنبلالیة معزیا للبحر، وکذا لو لم یوقفها کما ذکرته فی شرح الملتقی[2] اھ قال الشامی لم یذکر فی البحر العشر وانما قال بعد ما حقق ان الخراج ارتفع عن اراضی مصر لعودها الی بیت المال بموت ملاکها فاذا اشتراها انسان من الامام ملکها ولاخراج علیها لان الامام قد اخذ البدل للمسلمین وتمامه فی التحفة المرضیة اھ نعم ذکر العشر فی تلک الرسالة فقال انه لایجب ایضا لانه لم یرفیه نقلا قلت ولایخفی ما فیه لانهم قد صرحوا بان فرضیة العشر ثابتة بالکتاب والسنة والاجماع والمعقول وبانه یجب فیما لیس بعشری ولاخراجی کالمفاوز والجبال وبان الملک غیر شرط

میں سے کسی ایک کے مطابق زراعت کیلئے دے سکتا ہے یا زراعت اور خراج دینے میں مالکوں کے قائم مقام بنادے یا بقدر خراج اجارہ پر دے دے اب اس زمین سے حاصل شدہ حاکم کے حق میں خراج اور کرایہ پر لینے والوں پر سوائے اجرت کے کچھ نہ ہوگا، تو ان پر نہ عشر ہے نہ خراج اھ اختصاراً، درمختار میں ہے کہ بیت المال سے خریدی ہوئی زمین کو جب مشتری وقف کرتا ہے تو اب اس پر نہ عشر ہے اور نہ خراج، شرنبلالیہ بحوالہ بحر۔ اور اسی طرح اس وقت حکم ہے جب وقف نہ کرے جیسا کہ میں نے شرح الملتقی میں ذکر کیا ہے۔ شامی کہتے ہیں کہ بحر میں عشر کا ذکر نہیں، انھوں نے اس کی تحقیق کے بعد کہا کہ اراضی مصر کے مالک فوت ہونے اور ان کے بیت المال کی طرف لوٹنے کی وجہ سے خراج ختم ہوگیا، تو اب کوئی انسان امام سے ایسی زمین خریدتا ہے تو وہ مالک بن جائیگا اور خراج نہیں ہوگا کیونکہ امام نے اس کا بدل مسلمانوں کے لیے حاصل کرلیا ہے، اس کی تفصیل تحفہ مرضیہ میں ہے اھ ہاں اس رسالہ میں عشر کا ذکر ہے کہ عشر بھی واجب نہیں کیونکہ اس میں نقل نہیں پائی گئی۔ میں کہتا ہوں یہ محل نظر ہے کیونکہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ فرضیتِ عشر کتاب اللہ، سنّت، اجماع اور قیاس سے ثابت ہے اور اس بات کی بھی تصریح کی ہے کہ عشر اس زمین میں واجب ہے جو نہ عشری ہو اور

---

[1] ردالمحتار باب العشر والخراج والجزیة مصطفی البابی مصر ۳/ ۲۸۰
[2] درمختار " " " مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۴۸

فیہ بل الشرط ملك الخارج ولان العشر یجب فی الخارج لا فی الارض فکان ملك الارض وعدمہ سواء کما فی البدائع ولا یلزم من سقوط الخراج سقوط العشر علی انہ قد ینازع فی سقوط الخراج حیث کانت من ارض الخراج او سقیت بمائہ [1] الخ ملتقطا وبواقی المسائل معروفۃ فی الدرر وغیرہ من الاسفار الغر وارض الھند علی سعتھا لایبعد ان یوجد فیھا تلك الصور کلھا او جلھا فالمصیر الی التبین فای ارض ثبتت فیھا صورۃ اجری علیھا حکمھا من کونھا خراجیۃ او عشریۃ اولا ولا سبیل الی الجزم بحکم واحد من دون تحقیق ومایتوھم من ان القاسم بن محمد الثقفی افتتحھا عنوۃ سنۃ ثلث وتسعین [2] کما فی الفتح والبنایۃ ولم یعلم قسمتھا بین المسلمین فوجب کونھا خراجیۃ فلیس بمغن ولا مجد کیف وان قاسما لم یفتح منھا الا شیئا نزرا یسیرا من احدی نواحیھا ممایلی ملتان والافتتاح عنوۃ لا تستلزم الخراجیۃ کما

نہ خراجی، مثلاً جنگل اور پہاڑ کی زمین، اور یہ بھی تصریح ہے کہ ملکیت اس پر شرط نہیں بلکہ زمین سے حاصل ہوئی چیز کی ملکیت شرط ہے اور اس لیے بھی عشر حاصل شدہ میں لازم ہوتا ہے نہ کہ زمین میں، لہذا زمین کی ملکیت اور عدمِ ملکیت برابر ہے البدائع، اور سقوطِ خراج سے سقوطِ عشر لازم نہیں آتا، علاوہ ازیں سقوطِ خراج میں بھی اختلاف ہے جبکہ وہ زمین خراجی ہو یا خراجی پانی سے سیراب ہو الخ اختصاراً۔ باقی مسائل درمختار اور دیگر کتب میں معروف ہیں۔ ہندوستان کی زمین نہایت وسیع ہے اس میں مذکورہ تمام صورتوں یا اکثر کا پایا جانا بعید نہیں لہذا یہ حکم لگانے کے لیے کہ یہ عشری ہے یا خراجی یا نہ عشری ہے نہ خراجی۔ زمین کا تعین ضروری ہے کہ کون سی زمین کا معاملہ درپیش ہے تحقیق کے بغیر یقینی طور پر ایک حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ اور جو یہ وہم کیا گیا ہے کہ قاسم بن محمد الثقفی نے ۹۳ھ کو ہندوستان کی زمین بطور غلبہ حاصل کی تھی جیسا کہ فتح اور بنایہ میں ہے اور یہ معلوم نہیں کہ انھوں نے مسلمانوں کے درمیان اسے تقسیم کیا تو اب اس کا خراجی ہونا ضروری ہے، یہ وہم نہ کافی ہے اور نہ قوی، اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے کیونکہ قاسم نے بہت تھوڑا سا حصہ فتح کیا تھا جو ہندوستان کے ایک گوشہ ملتان کے ساتھ متصل تھا اور بطور غلبہ حصول زمین اس کے خراجی ہونے کو مستلزم نہیں جیسا کہ آپ نے جان لیا ہے تو جس طرح

---

[1] ردالمحتار باب العشر والخراج والجزیۃ مصطفی البابی مصر ۳/ ۲۷۹

[2] فتح القدیر باب العشر والخراج مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۲۸۰

علمت وكما لم يعلم قسمتها بيننا كذلك
لم يثبت المن بها على اهلها فكيف يحكم
بايجاب الخراج على المسلمين مع عدم ثبوت
موجبه الا يمكن ان تكون الارض مما ابقى
للمسلمين بل لعله الظاهر من صنيع السلاطين
فاذن لا تكون فی اصل الوضع عشرية
ولاخراجية وما كان منها بايدی الناس
يتملكونها ويتوارثونها ، يحكم بانها مملوكة
لهم ويحمل على ان منها ما كان مواتا

فاحييت ومنها ما انتقل اليهم بوجه
صحيح من بيت المال وبعد هذا لا تكون
خراجية قطعا لانها لم تكن فی بدء امرها
منها ولا يوضع الخراج على مسلم بدأ وتكون
عشرية على ما حققه فی رد المحتار وفارغة
الوظيفتين فی الصورة الثانية على ما فی التحفة
المرضية وغنية ذوی الاحكام والدر المختار،
قال ابن عابدين عدم ملك الزراع غير معلوم
لنا الا فی القرى والمزارع الموقوفة او
المعلوم كونها لبيت المال اما غيرها
فنراهم يتوارثونها جيلا بعد
جيل وفی الخيرية اذا ادعى
واضع اليد الذی تلقاها
شراء او ارثا او غيرها من اسباب

مسلمانوں کے درمیان تقسیم کرنا معلوم نہیں اسی طرح
ان باشندوں کو بطور حسن سلوک دینا بھی تو ثابت نہیں،
تو عدم ثبوت مقتضی کے باوجود مسلمانوں پر وجوب اخراج
کا حکم کیسے لگایا جاسکتا ہے البتہ ایسا ممکن بلکہ مسلمان
سلاطین سے زیادہ ظاہر یہی ہے کہ انھوں نے یہ زمین
مسلمانوں کے لیے رکھی ہو تو اب اصل مصرف کے اعتبار
سے نہ یہ عشری ہے اور نہ خراجی، اور جو زمین مسلمانوں
کے قبضہ میں ہو وہی اس کے مالک و وارث ہوں تو
وہاں اس زمین کو انہی کی مملوکہ کہا جائے گا اور یہی سمجھا
جائے گا ان میں سے کچھ زمین غیر آباد تھی اسے مسلمانوں
نے آباد کرلیا اور کچھ انکی طرف بیت المال سے بطریق صحیح
آئی ہے، اس کے بعد تو وہ قطعاً خراجی نہ ہوگی کیونکہ
ابتداءً وہ خراجی نہیں ہوسکتی اور نہ ہی کسی مسلمان پر ابتداءً
خراج لازم ہوسکتا ہے اور وہ عشری ہوگی جیسا کہ اس
کی تفصیل ردالمحتار میں ہے، اور دوسری صورت میں
دونوں وظیفوں (عشر و خراج) سے فارغ ہوگی جیسا کہ
تحفہ مرضیہ، غنیہ ذوی الاحکام اور درمختار میں ہے:
ابن عابدین کہتے ہیں کہ ہمیں قری اور وقف شدہ کھیتوں
کے علاوہ عدم ملک زراع کا علم نہیں یا ہمیں معلوم ہے
کہ یہ زمین بیت المال کی ہے، اس کے علاوہ زمین کے
مسلمان ہر دور میں وارث بنتے اور خرید و فروخت کرتے
چلے آرہے ہیں، خیریہ میں ہے کہ قبضہ کرنے والا جب
کوئی دعوی کرے کہ یہ زمین مجھے شراءً یا وراثۃً یا دیگر کسی

14

الملك انها ملكه فالقول له او على من يخاصمه فی الملك البرهان اھ وقد قالوا ان وضع الید و التصرف من اقوی مایستدل به علی الملك ولذا تصح الشهادة بانه ملکه وفی رسالة الخراج لابی یوسف لیس للامام ان یخرج شیئا من ید احد الا بحق ثابت معروف اھ والائمة اذا قالوا فی الکنائس المبنیة للکفر انها کانت فی بریة فاتصلت بها عمارة المصر فاولی ان یقولوا ببقاء تلك الاراضی بید من ھی تحت ایدیھم باحتمال انها کانت مواتا فاحییت او انها انتقلت الیھم بوجه صحیح[1] اھ ملتقطا الی اٰخر ما اطال و اطاب واوضح الصواب اما ما قال فی اٰخرہ و الحاصل فی الاراضی الشامیة والمصریة و نحوھا ان ما علم منھا کونه لبیت المال بوجه شرعی فحکمه ما ذکرہ الشارح عن الفتح (ای سقط الخراج و الماخوذ اجرۃ) و ما لم یعلم فھو ملك لاربابه و الماخوذ منه خراج لا اجرۃ

سبب ملک کے ذریعے حاصل ہوئی ہے تو وہ اس کی ملک ہوگی اور اسی کا قول معتبر ہوگا یا جو اس کے ساتھ ملکیت میں مخاصمت کرے اس پر دلیل کالانا ہوگا اھ اور فقہاء نے تصریح کی ہے کہ قبضہ اور تصرف ملکیت پر قوی دلیل بنتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اس کے مالک ہونے پر شہادت دینا صحیح ہوتا ہے۔ امام ابویوسف کی کتاب الخراج میں ہے کہ کسی حاکم کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی کے قبضے سے کوئی شے خارج کرے ماسوائے اس صورت کے جب وہ سبب کا حق ثابت و معروف ہو' اھ' اور ائمہ نے ان گرجوں کے بارے میں تصریح کی ہے جو کفار کی خاطر بنائے گئے۔ وہ ایسے بیابان میں تھے جو شہر کی عمارتوں سے متصل ہے تو یہاں اولٰی یہی کہنا ہے کہ زمین انہی کی ملکیت میں باقی رہے گی جن کے وہ قبضہ میں ہے کیونکہ ممکن ہے وہ زمین غیر آباد ہو اور ان لوگوں نے اسے آباد کیا یا وہ ان لوگوں کی طرف بطریق صحیح منتقل ہوئی ہو اھ یہ ان کی طویل، خوبصورت اور صواب کو واضح کرنے والی عبارت کا خلاصہ ہے، اور اس کے آخر میں یہ جو کہا کہ شام، مصر اور ان کی طرح دیگر علاقوں کی اراضی کے بارے میں اگر یہ علم ہو کہ بطریق شرعی بیت المال کو حاصل ہوئی ہیں تو ان کا حکم وہی ہے جس کا ذکر شارح نے فتح سے کیا (یعنی خراج ساقط ہو جائے گا اور جو حاصل کیا جائے گا وہ اجرت ہوگی) اور جن زمینوں کا علم نہیں وہ ان کے مالکوں کی ہی ہوں گی اور اس سے خراج

---

[1] ردالمحتار باب العشر والخراج والجزیۃ مصطفی البابی مصر ۳/۲۸۰

لانه خراجی فی اصل الوضع[1] اھ فقد ابان
ان الوجه کونها خراجیة فی بدء
الامر لما قدم فی ھذا البیان مستندا
للامام الثانی ان ارض العراق والشام
ومصر عنویة خراجیة ترکت لاھلها
الذین قھروا علیها[2] اھ وقال قبله قال
ابویوسف فی کتاب الخراج ان ترکھا
الامام فی ایدی اھلھا الذین قھروا علیھا
فھو حسن فان المسلمین
افتتحوا ارض العراق والشام ومصر
ولم یقسموا شیئا من ذلک بل وضع
عمر رضی اللہ تعالٰی عنه
علیھا الخراج ولیس فیھا
خمس[3] اھ فھذا ما قال انه
خراجی فی اصل الوضع اما ما نحن فیه
اذ لم یثبت ذلک لا یمکن جعلھا خراجیة
بالاحتمال وایجابه علی المسلمین الذین
لیسوا من اھله بتصریح ذوی الکمال ھذا
ما ظھرلی واللہ تعالٰی اعلم بحقیقة الحال
ثم رأیت فی الفتاوی العزیزیة نقل عن
رسالة مولٰنا الشیخ الجلیل جلال التھانیسری

وصول کیا جائے گا نہ کہ اُجرت، کیونکہ اصلاً یہ زمین خراجی
ہے اھ تو آپ واضح کیا کہ ابتداءً ہی ان کے خراجی
ہونے کی وجہ وہی ہے جس کو پہلے بیان کیا جو امام ثانی کی
دلیل ہے کہ عراق، شام اور مصر کی زمینیں بطور غلبہ
حاصل ہوتی ہیں اور خراجی ہیں کیونکہ انھیں اس کے
ان سابقہ باشندوں کو دے دیا گیا جن سے بطور
غلبہ حاصل کی گئی تھی اھ اس سے پہلے لکھا کہ امام ابویوسف
نے کتاب الخراج میں فرمایا اگر حاکم نے انھیں لوگوں کے
پاس زمین رہنے دی جن سے بطور غلبہ حاصل کی تھی
تو یہ بہت اچھا کیا کیونکہ مسلمانوں نے عراق، شام
اور مصر کی زمینیں حاصل کیں تو انھیں تقسیم نہ کیا بلکہ حضرت
عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ان زمینوں پر خراج
لگایا اور ان میں خمس نہ رکھا گیا اھ یہ وہی ہے جس کے
بارے میں آپ نے فرمایا کہ یہ اصل کے اعتبار سے
خراجی ہیں مگر وہ جس میں ہم گفتگو کر رہے ہیں جب
تک ثابت نہ ہو ان کا احتمال کی بنیاد پر خراجی قرار دینا اور
مسلمانوں پر ایسی چیز کا وجوب جس کے وہ بقول صاحبِ
کمال کے اہل نہیں ممکن نہیں، یہ مجھ پر ظاہر ہوا ہے اور
حقیقتِ حال سے اللہ تعالٰی زیادہ واقف و آگاہ ہے
پھر میں نے فتاوٰی عزیزیہ میں دیکھا کہ انھوں نے مولانا
شیخ جلال الدین تھانیسری قدس سرہ السری کے رسالہ

---

[1] ردالمحتار باب العشر والخراج والجزیۃ مصطفی البابی مصر ۲/۲۸۲
[2] " " " ۲/۲۸۱
[3] " " " ۲/۲۷۹

قدس سرہ السری ما نصہ بالعجمیۃ
زمین ہندوستان در ابتدائے فتح مانند سواد عراق
کہ در عہد حضرت فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ مفتوح شدہ
بود موقوف بر ملک بیت المال است و زمینداران
را بیش از تولیت و داروغگی تردد و فراہم آوردن مزارعین
و اعانت و زراعت و حفظ دخلے نیست چنانچہ لفظ
زمیندار نیز اشعارے بآں می کند و تغیر و تبدل زمینداری
عزل و نصب زمینداران و اخراج بعضے از آنہا و اقرار
بعضے و عطائے بعض آراضی بافغانان و بلوچاں و
سادات و قدوائیاں بصیغہ زمینداری دلالت
صریحہ بریں می کند پس دریں صورت جمیع اراضی ہندوستان
مملوک بیت المال گشت و بعقد مزارعت علی النصف
او اقل منہ در دست زمینداران[1] فھذا اصریح
فیما استظھرناہ من ان الفاتحین
لم یقسموھا ولم یمنوا بھا
بل ابقوھا ملکا للمسلمین و
الحکم فیہ ما بیناہ و
ذکر رحمہ اللہ تعالٰی فی سواد
العراق فمختار الائمۃ الشافعیۃ
کما بینہ فی رد المحتار اما
عندنا فممنون بھا علی اھلھا
ولا یضرنا الکلام فی التمثیل
فعلی ھذا اما بایدی المسلمین

سے نقل کیا جو فارسی الفاظ میں یُوں ہے :
ہندوستان کی زمین ابتداءً اسی طرح فتح ہوئی جس
طرح عراق کی زمین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی
عنہ کے دور میں فتح ہُوئی تھی ، یہ بیت المال کی ملکیت
میں بطور وقف رہے گی اور زمینداروں کا اس سے زیادہ
دخل نہیں کہ وہ ان زمینوں کے متولی ، منتظم ، مزارعین مہیا کرنے
اور بیت المال کے لیے تعاون ، زراعت اور نگرانی کرنیوالے ہیں ؛
جیسا کہ لفظ زمیندار بھی اس کی طرف اشارہ کر رہا ہے
زمینداری میں تغیر و تبدل ، اور انھیں معزول و مقرر کرنا ،
ان میں سے بعض کا رکھنا اور بعض کا نکالنا ، افغانیوں ،
بلوچوں ، سادات اور قدوائیوں کو لفظ زمینداری کے
ساتھ بعض زمینوں کا دینا بھی اسی پر تصریح ہے لہذا
اس صورت میں ہندوستان کی تمام زمین بیت المال
کی ملکیت ہے ، نصف یا اس سے اقل پر مزارعت
کے عقد کے ذریعے زمیندار کے قبضہ میں ہوگی - یہ
تمام اس پر تصریح ہے جیسے ہم نے اختیار کیا کہ فاتحین
نے جن زمینوں کو نہ تقسیم کیا نہ وہاں کے باشندوں کو دیں
بلکہ انھیں مسلمانوں کی ملکیت میں رکھا تو ان کا وہی حکم ہے
جو ہم نے بیان کر دیا ہے ، اور مذکور شیخ رحمہ اللہ تعالٰی
نے عراق کی زمین کے بارے میں جو کہا تو یہ ائمہ شوافع
کا مختار ہے جیسا کہ رد المحتار میں بیان ہوا ہے اور
ہمارے نزدیک تو وہ زمین وہاں کے باشندوں کو
بطور احسان دے دی گئی تھی البتہ بطور مثال لانا

---

[1] فتاوٰی عزیزی مسئلہ اراضی عطائے سلطانی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۴۳

ھا افتقرت ھا نت تشھد ھا

فَاِنَّهٗ (افتقر) اِلَيْكَ وَاسْتَغْنَيْتَ عَنْهُ، كَانَ (يَشْهَدُ) اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَاغْفِرْلَهٗ،

ھا ھا ھا نت زاكية

وَارْحَمْهُ، وَلَا تَحْرِمْنَا اَجْرَ(هٗ)، وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَ(هٗ)، اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ (زَاكِيًا)

ھا نت طئة ھا

فَزَكِّهٖ، وَاِنْ كَانَ (خَاطِئًا) فَاغْفِرْلَهٗ، ع۱ ؎ له

ع رواہ عن امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ ۱۲ (م)

اسے امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے روایت کیا ۱۲ (ت)

قال الامام ابن الجزری و شرح حصنه (زاکیا) ای طاهرا من الذنوب فزکه ای فطهره بالمغفرة و رفع الدرجات اھ وتعقبه العلامة القاری بانه لا یخفی عدم المناسبة بین تفسیره زاکیا بطاهر ای من الذنوب وبین قوله فطهره بالمغفرة اھ **اقول** لا بدع فی سؤال المغفرة بالطاهر من الذنوب قد کان سید الطاهرین امام المعصومین صلی اللہ تعالٰی علیه وعلیهم لیستغفر الیه کل یوم مائة مرة وذلك ان العبد وان جل ما جل لا یبلغ عما عمله شکر نعمة اللہ تعالٰی ابدا ولا یخلوا عامة الصالحین عن

امام ابن الجزری نے اپنی حصن حصین کی شرح میں فرمایا: زاکیا کا معنی گناہوں سے پاک، فزکہ کا معنی: اسے مغفرت فرما کر اور درجات بلند فرما کر خوب پاک کردے اھ۔ اس پر علامہ قاری نے تنقید کی کہ زاکیا کی تفسیر (گناہوں سے پاک) اور (مغفرت فرما کر اسے گناہوں سے پاک کردے) ان دونوں میں مناسبت نہ ہونا واضح ہے اھ **اقول** جو گناہوں سے پاک ہے اس کے لئے دعائے مغفرت کوئی اجنبی اور نامناسب چیز نہیں۔ پاکوں کے سردار، معصوموں کے امام حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم روزانہ خدا کی بارگاہ میں سو بار استغفار کرتے۔ بات یہ ہے کہ بندہ جتنا بھی بزرگ ہوجائے اس کا عمل اللہ تعالٰی کی نعمتوں کے کامل شکر کی حد تک کبھی نہیں

(باقی اگلے صفحہ پر)

؎ کنز العمال صلوٰۃ الجنائز حدیث ۴۲۸۶۴ مطبوعہ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۵/ ۷۱۸

اَمَتُكَ　بِنْتُ　جَتْ

(۵) اَللّٰھُمَّ عَبْدُكَ وَابْنُ اَمَتِكَ احْتَاجَ اِلٰی رَحْمَتِكَ وَاَنْتَ غَنِیٌّ عَنْ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تقصیرما بالنظر الی ماینبغی لجلال وجه الكريم فالمغفرة فی حقهم ان يتجاوز عن ذلك ولا يعاملهم قدر اعمالهم بل قدر افضاله واليه اشارة بقوله رحمه الله تعالیٰ ورفع الدرجات قال القاری واغرب الحنفی بقوله الاولی ان يقال ای زد فی زكاته وطهارته اھ **اقول** مرجعه الی ما ذكرنا ای ان كان طاهرا من الذنوب فزد فی طهارته بمغفرة التقصير فی شكرك الخطير وقد فسره القاری نفسه بقوله ای فزد فی احسانه كما فی رواية اھ لايبعد عن قول الحنفی كثيرا و انا **اقول** و بالله التوفيق بل هو من تزكية الشهود ای انك زكيا فاظهر فی ملكوتك انه ذاك واشهد له بذالك وهذا ليس بتاويل بخلاف ماتقدم و بالله التوفيق كلها منه رضی الله

پہنچ سکتا۔ رب کریم کی بزرگی شان کے لحاظ سے عامۂ صالحین کسی نہ کسی طرح کی کمی سے خالی نہ ہونگے تو ان کے حق میں مغفرت یہ ہے کہ اس سے درگزر فرمائے اور ان کے ساتھ ان کے اعمال کے حساب سے نہیں بلکہ اپنے فضل و کرم کے لحاظ سے معاملہ فرمائے اور ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی بات کی طرف اپنے قول (اور درجات بلند فرماکر) سے اشارہ فرمایا ہے ـــــ علامہ علی قاری فرماتے ہیں: علامہ حنفی نے یہ عجیب و غریب بات لکھی کہ اس کی تفسیر میں یہ کہنا بہتر ہوگا کہ" اس کی ستھرائی اور پاکی میں اضافہ فرما" **اقول** اس کا مآل بھی وہی ہے جو ہم نے بیان کیا کہ اگر گناہوں سے پاک ہے تو اس کی پاکی میں اضافہ فرما اس طرح کہ اپنے عظیم شکر کی بجا آوری میں اس کی تقصیر کو بخش دے ـــــ اور خود مولانا قاری نے اس کی تفسیر ان الفاظ میں کی ہے: "یعنی اس کی نیکی میں اضافہ فرما جیسا کہ ایک روایت میں آیا ہے اھ ـــــ **اقول** و باللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق خدا ہی سے ہے) بلکہ یہ تزکیۂ شہود سے ہے (گواہوں کا تزکیہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی باطنی عدالت و پرہیزگاری جانچ کر ظاہر

(باقی بر صفحہ آئندہ)

شرعی سے ثابت نہ ہو۔ کما حققناہ بتوفیق اللہ تعالٰی فی فتاوٰنا بما لا یتجاوز الحق عنہ (جیسا کہ ہم نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کی ہے جس سے حق متجاوز نہیں۔ت) بلکہ وہ عشری ہیں یا نہ عشری نہ خراجی، اور دونوں صورتوں میں ان کا وظیفہ عشر ہے۔

اما علی الاول فظاهر واما علی الثانی فکما حققه فی ردالمحتار خلافا لما فی التحفة المرضیة ثم الشرنبلالیة ثم الدرالمختار وما حققه واضح نفیس، والدر انما عزاه للشرنبلالی والشرنبلالی لصاحب التحفة عن العلامة صاحب البحر فالیه دار فیه الامر وهو رحمه الله تعالٰی وما فی التحفة لم یستند فیه النقل انما اعتمد علی عدم رؤیته نقلا بلزوم العشر فیه وانت تعلم ان عدم الرؤیة لیست رؤیة العدم ولا عدم النقل نقل العدم والنصوص مطلقة، والعشر یجب فیما لیس بعشری ولا خراجی کالمفاوز والجبال

اقول ومعنی کون ما فتحناه فابقیناه لنا الی یوم القیامة من دون ان نعطیها ملاکها او کفارا اخرین او نقسمها بین الغانمین وکذا اما ما مات ملاکها فآلت لبیت المال ان العشر والخراج انما یوجب حقا للمسلمین وهذه قد کانت او صارت لهم فلا وجه لان یوجب شیئ لهم

پہلی صورت میں تو معاملہ واضح ہے اور دوسری صورت میں بھی عشر ہے جیسا کہ ردالمحتار میں اس کی تفصیل ہے البتہ تحفہ مرضیہ پھر شرنبلالیہ پھر درمختار کا اس میں اختلاف ہے اور صاحبِ درمختار کی تحقیق نہایت نفیس ہے، در نے شرنبلالی اور شرنبلالی نے صاحبِ تحفہ سے اور وہاں علامہ صاحبِ بحر کی طرف منسوب ہے، اور معاملہ کی بنیاد یہاں یہی ہے اور مذکور شیخ رحمہ اللہ تعالٰی نے اور جو کچھ تحفہ میں ہے اس کے نقل پر کوئی دلیل نہیں، اس پر اعتماد صرف اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ ایسی زمین میں عشر کے لازم ہونے پر کوئی روایت ہماری نظر سے نہیں گزری اور آپ جانتے ہیں کہ عدمِ رؤیت، رؤیتِ عدم نہیں ہوتی۔ عدمِ نقل، نقلِ عدم نہیں۔ حالانکہ نصوص مطلق ہیں اور جو زمین نہ عشری ہو اور نہ خراجی وہاں عشر لازم ہوتا ہے۔

اقول اس عبارت کہ "ہم نے زمین فتح کی اور اسے تاقیامت اپنے لیے رکھا" کا معنی یہ ہے کہ اسے مالکوں کو واپس نہ دیا یا دیگر کفار کو نہ دی یا بطورِ غنیمت اسے لشکریوں میں تقسیم نہ کیا اسی طرح وہ زمین جس کا مالک فوت ہوگیا اور وہ بیت المال کی ہوگئی کیونکہ عشر اور خراج مسلمانوں کے حق کی وجہ سے لازم ہوتا ہے۔ یہ مذکورہ زمین یا تو ہے ہی مسلمانوں کی یا ان کی طرف لوٹ آئے گی، لہذا مسلمانوں کے لیے ان پر کوئی

عليهم ففراغ الوظيفة لعدم من يوظف
عليه كارض خربة لم تزرع اصلا
اما اذا وجدنا من نوجب عليه فلا
معنى للفراغ وقد نص المحقق
على الاطلاق فی فتح القدير[1] اواخر
باب زكوة الزروع فی تعليل قول الامام
رضی الله تعالٰی عنه ان الذمی
اذا اشتری عشرية من مسلم
تصير خراجية ما نصه وجه قول
ابی حنيفة انه تعذر العشر لان
فيه من معنی العبادة والارض لا تخلوا
عن وظيفة مقررة فيها شرعا[2] اه
مختصرا فهذا بحمد الله نص
فيما عولنا عليه ولله الحمد و
بالجملة ما لبيت المال فارغة ما دامت
لها فاذا انتقلت لملك احد بوجه
صحيح كما هو المحمل فی
الاراضی التی بايدی الناس
يتوارثونها ويتصرفون فيها
تصرف الملاك كما حققه فی رد المحتار
وبيناه فی فتاونا فلا محيد عن التوظيف
الا تری ان الموات تكون لبيت المال

شیئ واجب کرنے کی کوئی وجہ نہیں، یہاں عشر و خراج
کا نہ لازم ہونا اس لیے ہے کہ یہاں کوئی ایسا
شخص ہی نہیں جس پر کچھ لازم کیا جائے جیسے کہ بنجر
زمین جو بالکل ہی کاشت نہ کی گئی ہو اور اگر ہم یہاں
ایسے شخص کو پالیں جس پر کوئی شیئ لازم کریں تو فراغ
کا کوئی معنی نہ ہوگا۔ محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر
میں باب زکوٰۃ الزارع کے آخر میں امام صاحب
رضی اللہ عنہ کے قول کی علت بیان کرتے تصریح کی ہے
کہ ذمی نے جب عشری زمین کسی مسلمان سے خریدی
تو وہ خراجی ہوجائے گی۔ امام ابوحنیفہ کے قول کی
وجہ یہ بیان کی کہ یہاں عشر نہیں ہوسکتا کیونکہ عشر
میں عبادت کا پہلو ہے اور زمین شرعی طور پر کسی مقرر
وظیفہ سے خالی نہیں ہوسکتی اھ اختصارًا، بحمداللہ یہ
یہ ہمارے مختار پر تصریح ہے وللہ الحمد۔ الغرض
بیت المال کی زمین جب تک بیت المال کی ہے وہ
ہر وظیفہ سے فارغ رہے گی حتی کہ وہ کسی طریق صحیح
سے کسی کی ملکیت میں چلی جائے جیسا کہ معاملہ ان اراضی
کا ہے جو لوگوں کے پاس بطور وراثت منتقل ہوتی
ہیں اور ان میں وہ مالکوں جیسا تصرف کرتے ہیں
جیسا کہ ردالمحتار میں ہے اور ہم نے اسے اپنے
فتاوٰی میں بیان کیا ہے پس ان پر وظیفہ سے چھٹکارا
نہیں، کیا تمہارے علم میں نہیں کہ جب بے آباد زمین

---

[1] فتح القدیر باب زکوٰۃ الزروع الثمار مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ٢/١٩٦
[2] " " " " " " " ٢/١٩٧

وھی فارغة فاذا احییت باذن الامام فتصیر ذات وظیفة کذا ھذا۔

بیت المال کی ملکیت ہو تو وہ وظیفہ سے فارغ ہوتی ہے توجب وُہ حاکم کی اجازت سے وہ آباد ہوجائے تو وُہ زمین صاحبِ وظیفہ کی ہوجائیگی یہاں بھی یہی معاملہ ہے۔(ت)

اور عشر پُوری پیداوار کا لیا جائے گا نہ صرف منافع خالص کا،

فی تنویر الابصار یجب العشر بلا رفع مؤن الزرع[1] فی الدرالمختار للتصریح بالعشر فی کل الخارج[2] اھ قلت ومن یظلم لایظلم۔

تنویر الابصار میں ہے کہ کھیتی کے تمام اخراجات نکالے بغیر عشر لازم ہے۔ درمختار میں اس کی دلیل یہ دی ہے کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ عشر تمام پیداوار پر ہے۔(ت)

قلت ومن یظلم لایظلم (میں کہتا ہوں ظلم کے بدلے ظلم نہ کیا جائیگا۔ت)

زمین اگر بٹائی پر دی جائے یعنی مزارع سے پیداوار کا حصہ مثلاً نصف یا ثلث غلہ قرار دیا جائے تو مالک زمین پر صرف بقدر حصہ کا عشر آئیگا مثلاً مزارعت بالمناصفہ کی صورت میں سَو من غلہ پیدا ہوا تو زمیندار پانچ من عشر میں دے، اور اگر اجارہ میں دی گئی جسے لوگ نقشی کہتے ہیں مثلاً سَو روپیہ بیگھہ پر اٹھائی تو سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک کل عشر مالکِ زمین پر ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک کل مزارع پر ہے زمیندار سے کچھ مطالبہ نہیں۔ امام قاضی خاں نے قولِ اوّل کے اظہر ہونے کا اشارہ کیا،

وعلیہ اقتصر الامام الخصاف وبہ جزم فی منظومۃ النسفی والاسعاف واعتمدہ المتاخرون کالخیر الرملی واسمٰعیل الحائك وحامد آفندی وغیرھم رحمھم اللہ تعالٰی۔

امام خصاف نے اسی پر اکتفا کیا ہے اور منظومہ نسفی اور اسعاف میں اسی پر جزم کیا ہے اور متاخرین مثلاً خیر رملی، اسمٰعیل حائک، حامد آفندی وغیرہم رحمہم اللہ تعالٰی نے اسی پر اعتماد کیا ہے (ت)

مگر حاوی قدسی میں قول دوم پر فتوٰی دیا اور وُہ بھی لفظ ناخذ (ہم اسی کو لیں گے۔ت) کہ آکد الفاظ فتوٰی سے ہے وہ تصحیح التزامی تھی اور یہ صریح ہے،

فی الدرالمختار العشر علی الموجر کخراج موظف وقالا علی المستاجر کمستعیر مسلم وفی الحاوی وبقولھما ناخذ و

درمختار میں ہے کہ عشر کرایہ پر دینے والے پر ہے جیسا کہ مقرر خراج، صاحبین کے نزدیک عشر کرایہ دار پر ہے جیسے کہ مسلمان عاریۃً کوئی چیز لے حاوی

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب العشر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۹

[2] ایضاً

فی المزارعۃ ان کان البذر من رب الارض فعلیہ ولو من العامل فعلیھما بالحصۃ[1] فی ردالمحتار تحت قولہ "وفی المزارعۃ الخ" ما ذکرہ الشارح ھو قولھما اقتصر علیہ لما علمت ان الفتوٰی علی قولھما بصحۃ المزارعۃ لکن ما ذکر من التفصیل یخالفہ ما فی البحر والمجتبٰی والمعراج والسراج والحقائق والظھیریۃ وغیرھا من ان العشر علی رب الارض عندہ وعلیھما عندھما من غیر ذکر ھذا التفصیل وھو الظاھر لما فی البدائع من ان المزارعۃ جائزۃ عندھما والعشر یجب فی الخارج والخارج بینھما فیجب العشر علیھما[2] الخ۔

میں ہے ہم صاحبین کا قول لیتے ہیں اور مزارعت میں اگر بیج زمین کے مالک کا ہے تو اس پر عشر ہے اور اگر عامل کا ہے تو حصّہ کے مطابق دونوں پر ہوگا، ردالمحتار میں ماتن کے قول "وفی المزارعۃ الخ" کے تحت یہ شارح نے جو کہا یہ صاحبین کا قول ہے، اور اس پر اکتفاء کی وجہ آپ جان چکے کہ صحتِ مزارعت کے بارے میں صاحبین کے قول پر فتوٰی ہے لیکن جو تفصیل میں بیان ہُوا وہ اس کے مخالف ہے، جو بحر، مجتبٰی، معراج، سراج، حقائق، ظہیریہ وغیرہ میں ہے کہ امام صاحب کے نزدیک عشر مالکِ زمین پر ہے اور صاحبین کے نزدیک دونوں پر ہے مگر تفصیل کا ذکر نہیں، اور عشر پیداوار میں واجب ہے اور پیداوار دونوں کے درمیان تقسیم ہوگی لہذا عشر دونوں پر ہوگا الخ (ت)

بالجملہ قول دوم بھی ضعیف نہیں اور ہمارے بلاد میں وہی ارفق بالناس ہے یہاں اجرتیں بلحاظ عشر ہرگز مقرر نہیں ہوتیں، اگر پیداوار کا عشر اُجرت سے دلائیں تو غالباً کچھ نہ بچے بلکہ بہت جگہ عشر ہی میں گھر سے دینا پڑے باقی مصارف دیہی و مالگزاری انگریز جُدا رہے، اور اگر اس پر مجبور کیجئے کہ اب وہ اُجرتیں مقرر کیجئے کہ عشر و مالگزاری و جملہ مصارف دے کر تمہارے لیے بقدر کفالت بچے تو یہ ہرگز میسر نہیں، مزارعین اس پر کیوں راضی ہونے لگے

وفی نزع الناس عن عاداتھم حرج والحرج مدفوع بالنص لا یکلف اللہ نفسا الا ما اٰتاھا سیجعل اللہ بعد عسر یسرا[3] وھذا کما ذکر العلامۃ الشامی رحمہ اللہ تعالٰی فی اوقات

لوگوں کو ان کی عادات سے روکنا حرج ہے اور حرج کا مدفوع ہونا نص سے ثابت ہے۔ ارشادِ باری ہے اللہ تعالٰی ہر نفس کو اتنی تکلیف دیتا ہے جتنا اسے عطا فرمایا ہے عنقریب اللہ تعالٰی دشواری کے بعد

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار — باب العشر — مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۹-۱۴۰

[2] ردالمحتار — " — مصطفی البابی مصر ۲/۶۱

[3] القرآن ۶۵/۷

بلادہ انہ لاتفی الاجرۃ ولا اضعافہا بالعشر اوخراج المقاسمۃ قال فلاینبغی العدول عن الافتاء بقولہما فی ذلک لانہم فی زماننا یقدرون اجرۃ المثل بناء علی ان الاجرۃ سالمۃ لجہۃ الوقف ولاشیئ علیہ من عشر وغیرہ اما لواعتبر دفع العشر من جہۃ الوقف وان المستاجر لیس علیہ سوی الاجرۃ فان اجرۃ المثل تزید اضعافا کثیرۃ کما لایخفی فان امکن اخذ الاجرۃ کاملۃ یفتی بقول الامام والا فبقولہما لمایلزم علیہ من الضرر الواضح الذی لایقول بہ احد واللہ تعالٰی اعلم[1] اھ۔

آسانی فرمادے گا، یہ اسی طرح ہے جو علامہ شامی رحمہ اللہ تعالٰی نے اپنے شہروں کے ان اوقاف کے بارے میں ذکر کیا ہے جن میں نہ اجرت نہ اس کے ساتھ عشر کا اضافہ اور نہ ہی غلے کی تقسیم پوری ملتی ہے، انھوں نے کہا کہ اس سلسلہ میں صاحبین کے قول پر فتوٰی دینے سے اعراض مناسب نہیں کیونکہ ہمارے دور میں لوگ اجرت مثلی مقرر کرتے ہیں اس بنا پر کہ وقف کے لیے اجرت مثلی مقرر کرنے میں نقصان سے سلامتی ہے اور اس پر کوئی عشر وغیرہ نہیں اور اگر وقف کی جانب سے عشر دینے کا اعتبار کیا جائے اور مستاجر پر سوائے اجرت کے کچھ نہ ہو تو اجرت مثلی کئی گنا بڑھ جاتی ہے جیسا کہ مخفی نہیں، تو اگر کاملاً اجرت لینا ممکن ہو تو امام صاحب کے قول پر فتوٰی ہوگا ورنہ صاحبین کے قول پر، تاکہ اس سے وہ واضح نقصان لازم نہ آئے جس کا قول کسی نے بھی نہیں کیا واللہ تعالٰی اعلم اھ (ت)

رہی وہ زمین جس کی نسبت خراجی ہونا ثابت ہوجائے مثلاً تحقیق ہو کہ ابتدائے زمانہ سلطنت اسلام سقی اللہ تعالٰی عہدہا میں ابتداءً یہ زمین کسی کافر ذمی کی تھی کہ اس نے باذنِ سلطان احیاء کی، سلطان نے اسے عطا کی، اُس سے مسلمان نے خریدی یا مسلمان نے خراجی زمین کے قرب میں احیاء کی، اس کا وظیفہ ضرور خراج ہے اور بلاشبہ خراج شرعی سے مالگزاری انگریزی کا کوئی تعلق نہیں، نہ حساب ادا میں وہ مجرا دی جائے وھذا ظاھر جلی لاخفاء بہ (اور یہ ظاہر و روشن ہے اس میں کوئی خفا نہیں۔ ت) امر تحقیق طلب یہ ہے کہ جب یہاں نہ سلطنتِ اسلام نہ لشکرِ اسلام تو خراجِ شرعی بھی واجب رہا یا نہیں، اور رہا تو کسے اور کیا ورکتنا دیا جائے۔ **اقول** وباللہ التوفیق یہ تو کتب میں مصرح ہے کہ مطالبۂ خراج مشروط بہ تسلط ہے، جن بلاد پر جتنے دنوں سلطنت شرعیہ کا تسلط نہ رہے بعد تسلط بھی اُن ایام کے خراج کا مطالبہ نہیں خواہ انھوں نے اتنے دنوں کسی اور قوم کو خراج دیا یا اُسے بھی نہ دیا ہو کہ خراج لینا حمایت فرمانے کے ساتھ

---

[1] ردالمحتار باب العشر مصطفی البابی مصر ۲/۶۰

ہے جب اُتنے دنوں سلطنتِ دینیہ ان کی حمایت سے جُدا رہی اس مدت کا خراج نہیں لے سکتی۔ کنز میں ہے:

لواخذ العشر والخراج والزکوٰۃ بغاۃ لم یوخذ اخری[1]

اگر باغی عشر، خراج اور زکوٰۃ وصول کرلیں تو دوبارہ نہ لیا جائے گا۔ (ت)

ہدایہ، بحر وغیرہما میں ہے:

لان الامام لم یحمھم والجبایۃ بالحمایۃ[2]۔

کیونکہ حاکم نے ان کی حمایت نہیں کی اور خراج تو حمایت کی بنا پر ہوتا ہے۔ (ت)

تبیین وبحر وغنیہ ذوی الاحکام میں ہے:

اشتراط اخذھم الخراج ونحوہ وقع اتفاقا حتی لو لم یاخذوا منہ سنین وھو عندھم لم یوخذ منہ شیئ ایضا لما ذکرنا[3]۔

خراج وغیرہ لینے کی شرط لگانے کا ذکر اتفاقی ہوا ہے حتی کہ اگر کئی سال ان سے وصول نہ کی حالانکہ ذمی ان کے پاس تھا تو اب سابقہ سے بھی کوئی شے نہ لی جائیگی جیسا کہ ہم نے بیان کردیا ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ویظھرلی ان اھل الحرب لوغلبوا علی بلدۃ من بلادنا کذلك للتعلیلھم اصل المسئلۃ بان الامام لم یحمھم والجبایۃ بالحمایۃ وفی البحر وغیرہ لو اسلم الحربی فی دارالحرب واقام فیھا سنین ثم خرج الینا لم یاخذ منہ الامام الزکوٰۃ لعدم الحمایۃ الخ[4]

مجھ پر یہ ظاہر ہُوا ہے کہ اگر اہلِ حرب ہمارے کسی شہر پر غالب آجائیں تو حکم یہی ہوگا کیونکہ یہاں دلیل وعلت وہی ہے کہ حاکم نے ان کی حمایت نہیں کی اور خراج حمایت کی وجہ سے ہوتا ہے، اور بحر وغیرہ میں ہے اگر حربی نے دارالحرب میں اسلام قبول کرلیا اور وُہ وہاں ہی کئی سال تک مقیم رہا پھر ہمارے ہاں آیا تو حاکم عدمِ حمایت کی وجہ سے اس سے کچھ وصول نہیں کرسکتا الخ (ت)

اور یہ بھی تصریح ہے کہ مصرف خراج لشکرِ اسلام ہے فقراء کا اس میں کچھ حق نہیں،

---

[1] کنز الدقائق فصل فی الغنم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۹

[2] بحرالرائق " " " " ۲/۲۲۳

[3] تبیین الحقائق فصل فی صدقۃ الغنم مطبعہ کبرٰی بولاق مصر ۲/۲۷۴

[4] ردالمحتار باب زکوٰۃ الغنم مصطفی البابی مصر ۲/۲۶

في العناية تحت مسئلة شراء ذمي عشرية من مسلم في توجيه رواية عن محمد حق الفقراء تعلق به فهو كتعلق حق المقاتلة بالاراضي الخراجية ثم قال في توجيه اخرى مايصرف الى الفقراء هو ماكان لله تعالى بطريق العبادة ومال الكافر ليس كذلك فيصرف في مصارف الخراج[1] وفي الدر المختار عن ابن الشحنة في نظم بيوت المال ع

وثالثها خراج مع عشور

الى ان قال،

فمصرف الاولين اتى بنص

وثالثها حواه مقاتلونا[2] اھ

وفي الفتح والعناية وغيرهما قبيل باب الجزية مصرف العشر الفقراء ومصرف الخراج المقاتلة[3] اھ وقد اعترض في الفتح في المسألة المارة على جعل العشرية بشراء الذمي خراجية بان التغير ابطال لحق الفقراء بعد تعلقه فلا يجوز الخ[4]۔

عنایہ میں اس مسئلہ "ذمی نے کسی مسلمان سے عشری زمین خریدی" کے تحت امام محمد رحمہ اللہ سے مروی روایت کی توجیہ میں ہے کہ فقراء کا اس کے ساتھ حق متعلق ہے، پس یہ اسی حق کی طرح ہے جس طرح خراجی زمینوں کے ساتھ حق مقاتلہ کا تعلق ہوتا ہے پھر دوسری توجیہ کرتے ہُوئے کہا کہ جو کچھ فقراء پر خرچ کیا جاتا ہے وہ اللہ تعالٰی کے لیے بطور عبادت ہوتا ہے اور مالِ کافر میں یہ بات نہیں ہوتی لہذا اسے مصارفِ خراج میں ہی خرچ کیا جائے گا اور درمختار میں ابن شحنہ سے بیوت المال کی نظم میں ہے:

اور تیسری قسم خراج مع عشر ہے۔

آگے چل کر کہا:

پہلی دونوں کے مصارف نص میں موجود ہیں اور تیسری کا مصرف ہمارے مقاتلہ (لشکرِ اسلام) ہوتے ہیں۔ اھ

اور فتح اور عنایہ وغیرہ میں باب الجزیہ سے تھوڑا پہلے ہے کہ عشر کا مصرف فقراء اور خراج کا مصرف مقاتلہ کرنے والے (لشکرِ اسلام) ہوتے ہیں اھ فتح میں گزشتہ مسئلہ کہ عشری زمین کا ذمی کے خریدنے سے خراجی ہونے پر اعتراض کیا ہے کہ زمین کے ساتھ فقراء کا حق متعلق ہونے کے بعد تغیر ان کے حق کو باطل کر دیتا ہے جو جائز نہیں الخ (ت)

---

[1] العنایۃ مع فتح القدیر باب العشر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۹۶

[2] درمختار مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۰

[3] فتح القدیر باب العشر والخراج مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۲۸۶

[4] " باب زکوٰۃ الزروع والثمار " " ۲/ ۱۹۷

اور شک نہیں کہ جب مصرف نہ باقی ہو، مطالبہ کس کے لیے ہو، ولہذا ہمارے امام کے نزدیک عاشر تاجر سے خربوزے، کھیرے، ککڑی وغیرہا جلد بگڑ جانے والی پیداوار کا عشر نہ لے گا جبکہ فقراء موجود نہیں کہ مصرف ہی نہیں اور وُہ اشیاء رکھنے سے بگڑ جائیں گی، تو مطالبہ عبث ہے۔

فی الفتح قبیل باب المعادن من مربطاب اشتراھا للتجارۃ کالبطیخ والقثاء و نحوہ لم یعشرہ عند ابی حنیفۃ فانھا تفسد بالاستبقاء ولیس عند العامل فقراء فی البر لید فع لھم فاذا بقیت لیجد ھم فسدت فیفوت المقصود اھ[1] مختصرًا۔

فتح میں باب المعادن سے تھوڑا پہلے ہے، کہ جو شخص سبزیوں کے کھیت کے پاس سے گزرا اس نے تجارت کے لیے انھیں خریدا مثلاً خربوزہ اور کھیرا وغیرہ، تو اب امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک اس پر عشر نہ ہوگا کیونکہ وہ باقی رکھنے سے خراب ہوجاتی ہیں، اور عامل کے پاس جنگل میں فقراء نہیں ہوتے جنھیں وُہ عشر دے، اور اگر انھیں فقراء کے پانے کے لیے باقی رکھتا ہے تو وہ خراب ہوجاتے ہیں تو اس سے مقصود فوت ہوجاتا ہے اھ اختصارًا (ت)

بلکہ علماء نے تصریح فرمائی کہ کل خراج کا وجوب ہی لشکرِ اسلام کے حق کے لیے اور ان کی حمایت کا معاوضہ ہے۔ فتح القدیر، کتاب السیر، باب العشر میں ہے،

الخراج جزاء المقاتلۃ علی حمایتھم فماسقی بما احموہ وجب فیہ اھ[2]۔

خراج لشکرِ اسلام کی حمایت کا معاوضہ ہے، جو زمین ان کی حمایت سے سیراب ہوگی اس میں خراج واجب ہوگا اھ (ت)

عنایہ میں اسی جگہ ہے،

الخراج یجب جبرًا للمقاتلۃ فیختص وجوب الخراج بمایسقی بماء حمتہ المقاتلۃ (الی قولہ) الی ھذا اشار شمس الائمۃ اھ[3]

خراج، مقاتلہ کے نقصان کو پُورا کرنے کے لیے ہوتا ہے، لہذا خراج انھی زمینوں کے ساتھ مخصوص ہوگا جو لشکر کی حمایت کے تحت سیراب ہوں گی (آگے چل کر کہا) شمس الائمہ نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ (ت)

---

[1] فتح القدیر باب فیمن یمر علی العاشر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۷۸
[2] " باب العشر والخراج " " " ۵/ ۲۸۱
[3] العنایۃ مع فتح القدیر باب العشر والخراج " " " ۵/ ۲۸۰

اُسی کے اواخر باب زکوٰۃ الزروع میں ہے :

الخراج یجب حقاللمقاتلۃ فیختص وجوبہ بساحتہ المقاتلۃ۔[1]

خراج حقِ مقاتلہ کے طور پر لازم ہوتا ہے لہذا یہ اسی کے ساتھ مخصوص رہے گا جو مقاتلہ کے تحت ہوگا۔ (ت)

یہ کلمات بظاہر سقوطِ خراج کی طرف ناظر مگر نظرِ دقیق حاکم کہ نفسِ وجوب ثابت وقائم، مطالبۂ سلطنت و وجوبِ دیانت میں فرق بعید ہے، بہت چیزیں ہیں کہ سلطان کو اُن کا مطالبہ نہیں پہنچتا اور شرعاً واجب ہے

کزکوٰۃ الاموال الباطنۃ کما فی الدر وغیرہ عامۃ الاسفار وقد قال الشامی عن البحر وغیرہ فی مسئلۃ اسلام الحربی فی دار الحرب بعد العبارۃ المذکورۃ ونفتیہ باداۓھا ان کان عالما بوجوبھا والا فلا زکوٰۃ علیہ لان الخطاب لم یبلغہ وھو شرط الوجوب[2] اھ

جیسے اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ، جیسا کہ در اور دیگر کتب میں ہے، شامی نے بحر وغیرہ کے حوالے سے دارالحرب میں کسی حربی کے اسلام لانے کے بارے میں گفتگو کرتے ہُوئے عبارت مذکورہ کے بعد کہا کہ اگر وُہ حربی مسلمان وجوب زکوٰۃ کا علم رکھتا ہے تو ہم اس کی ادائیگی کا فتوٰی دینگے ورنہ اس پر زکوٰۃ ہی نہیں کیونکہ اسے ایسا حکم ہی نہیں پہنچا جو وجوب کے لیے شرط ہے اھ (ت)

ولہذا صورت مذکورۂ عدمِ تسلّط میں تصریح فرمائی کہ متغلبین اگر زکوٰۃ وعشر لے کر ان کے مصارف میں صرف نہ کریں تو اربابِ اموال پر اُن کا دوبارہ دینا واجب ہے اور خراج میں جو اعادے کی حاجت نہیں اس کا سبب یہ کہ وہ متغلبین خود بھی ایک اسلامی لشکر کی حیثیت سے اُس کے مصرف ہیں تو خراج اپنے محل کو پہنچ گیا

فی الدر المختار اخذ البغاۃ والسلاطین الجائرۃ زکوٰۃ الاموال الظاھرۃ کالسوائم والعشر والخراج لا اعادۃ علی اربابھا ان صرف الماخوذ فی محلہ الاٰتی ذکرہ والا یصرف فیہ فعلیھم فیما بینھم وبین اللہ تعالٰی اعادۃ غیر الخراج لانھم مصارفہ۔[3]

درمختار میں ہے اگر باغیوں اور ظالم حکمرانوں نے اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ وصول کرلی مثلاً چارپایوں کی زکوٰۃ، یا عشر وخراج وصول کرلیا تو اب مالکوں سے دوبارہ نہیں لیا جائیگا (بشرطیکہ ان کی جگہ خرچ کیا گیا جن کا ذکر آرہا ہے) اور اگر وہاں خرچ نہیں کیا تو مالکوں پر بطور دیانت عشر وزکوٰۃ کا اعادہ لازم ہے خراج کا نہیں کیونکہ باغی لشکر خود خراج کا مصرف ہیں۔ (ت)

---

[1] العنایۃ مع فتح القدیر　باب زکوٰۃ الزروع والثمار　مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر　۲/ ۱۹۷

[2] ردالمحتار　باب زکوٰۃ الغنم　مصطفی البابی مصر　۲/ ۲۶

[3] درمختار　"　مطبع مجتبائی دہلی　۱/ ۱۳۴

درمنتقی پھر طحطاوی علی الدرالمختار میں ہے:

اما الخراج فلا یفتون باعادته لانهم مصارفه اذا اھل البغی یقاتلون اھل الحرب والخراج حق المقاتلة۔[1]

خراج دوبارہ لینے کا فتوٰی نہیں دیا جائے گا کیونکہ یہ اس کا مصرف ہیں کیونکہ اہلِ بغاوت نے اہلِ حرب کے ساتھ مقاتلہ کیا اور خراج مقاتلہ کا حق ہے (ت)

ہدایہ و بحر وغیرہما میں ہے:

افتوا بان یعید وھا دون الخراج لانھم مصارف الخرج لکونھم مقاتلة والزکوۃ مصرفھا الفقراء ولا یصرفونھا الیھم۔[2]

علماء نے فتوٰی دیا ہے کہ خراج کے علاوہ کا اعادہ ہوگا کیونکہ اہلِ بغاوت خراج کا مصرف ہیں اس لیے کہ یہ مقاتل ہیں اور زکوٰۃ کا مصرف فقراء ہیں لہذا ان پر خرچ نہیں کی جاسکتی۔ (ت)

تو ثابت ہُوا کہ تسلّط و حمایت شرط مطالبہ سلطانی ہے نہ شرط نفسِ وجوب اور اس تعلیل نے کہ اعادہ خراج اس وجہ سے نہیں کہ وُہ خود بھی مصرف ہیں واضح کر دیا کہ اگر وُہ مصرف نہ ہوں جیسے نا مسلم قومیں تو خراج کا اعادہ بھی ضرور ہے مصرف خراج صرف لشکرِ اسلام نہیں بلکہ تمام مصالح عامہ مسلمین ہیں جن میں تعمیر مساجد و وظیفہ امام و مؤذن و بنائے پل و سرا و تنخواہ مدرسین علم دین و خبرگیری طلبۂ علوم دین و خدمت علمائے اہلِ حق حامیانِ دین مشغولین درس و وعظ و افتا وغیرہا امور دین سب داخل ہیں۔

فی ردالمحتار تحت قول ابن الشحنة المار الذی فی الھدایة و عامة الکتب المعتبرۃ انه یصرف فی مصالحنا کسد الثغور و بناء القناطیر والجسور وکفایة العلماء و القضاء والعمال ورزق المقاتلة و ذراریھم اھ ای ذراری الجمیع۔[3]

ردالمحتار میں ابن شحنہ کے گزشتہ قول جو ہدایہ اور اکثر کتبِ معتبرہ میں ہے، کے تحت یہ ہے، خراج ہمارے مصالح پر خرچ کیا جاسکتا ہے مثلاً دفاعی بند، پُل، راستے، علماء، قضاء، علماء کی خدمت، مقاتلہ کرنے والے اور ان کی اولاد، یعنی مذکورہ تمام لوگوں کی اولاد پر خرچ کیا جاسکتا ہے (ت)

درمختار میں ہے:

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار باب زکوٰۃ الغنم دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۴۰۴

[2] الہدایۃ کتاب الزکوٰۃ فصل فی مالا صدقۃ فیہ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/ ۱۷۳

[3] ردالمحتار باب العشر مصطفی البابی مصر ۲/ ۶۳

مصرف الجزیۃ والخراج مصالحنا کسد ثغورنا وبناء قنطرۃ وجسر وکفایۃ العلماء والمتعلمین تجنیس، وبہ یدخل طلبۃ العلم فتح، والقضاۃ والعمال ککتبۃ قضاۃ وشہود قسمۃ ورقباء سواحل ورزق المقاتلۃ وذراریہم ای ذراری من ذکر مسکین[1] (ملخصاً)

جزیہ اور خراج کا مصرف ہمارے رفاہی کام ہیں مثلاً دفاعی معاملات، جیسے دارالاسلام کی سرحدوں کی حفاظت کرنا، سڑکوں اور پلوں کا بنانا، علماء اور اساتذہ کو بطور کفالت دینا، تجنیس۔ اس میں طالبعلم بھی داخل ہیں، فتح۔ قضاۃ اور عمال جیسے قاضیوں کے کاتب، ورثاء اور شرکاء کے درمیان تقسیم کے گواہ اور سواحل دریا کے نگہبان یعنی عشر لینے والے کذا فی الطحطاوی، مجاہدین کی روزی اور ان سب کی ذریت کی، یعنی جن کا ذکر اوپر ہوا ان سب کی اولاد کی روزی۔ کذا فی شرح مسکین۔ (ملخصاً) (ت)

ہدایہ میں ہے:

الخراج یصرف فی مصالح المسلمین و یعطی قضاۃ المسلمین و عمالہم و علماؤھم منہ مایکفیھم لانہ مال بیت المال و ھو معد لمصالح المسلمین و ھؤلاء عملتھم[2]

خراج مسلمانوں کے مفاد کے لیے ہوگا، مسلمان قضاۃ، عمال، علماء کی ضروریات کو اس سے پورا کیا جائے گا کیونکہ یہ بیت المال کا مال ہے اور بیت المال مسلمانوں کے مفاد کے لیے ہوتا ہے، اور یہ لوگ مسلمانوں کی خدمت کر رہے ہوتے ہیں۔ (ت)

فتح میں ہے:

زاد فی تجنیس المعلمین والمتعلمین و بھذا تدخل طلبۃ العلم[3] اھ الکل مختصرا۔

تجنیس المعلمین والمتعلمین میں یہ اضافہ ہے کہ اس کے ساتھ طالب علم اس میں داخل ہو گئے اھ تمام عبارتوں میں اختصار ہے۔ (ت)

خود امام مذہب سیدنا امام ابو یوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ کتاب الخراج میں خلیفہ ہارون رشید سے ارشاد فرماتے ہیں:

---

[1] درمختار فصل فی الجزیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۵۴
[2] الہدایۃ فصل و نصارٰی بنی تغلب الخ المکتبۃ العربیہ کراچی ۲/۵۶۹
[3] فتح القدیر " " " مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/۳۰۷

وسألت من ای وجه تجری علی القضاۃ و العمال الارزاق فاجعل (اعز اللہ امیر المؤمنین بطاعتہ) ما یجری علی القضاۃ والولاۃ من بیت مال المسلمین من جبایۃ الارض او من خراج الارض والجزیۃ لانھم فی عمل المسلمین فیجری علیھم من بیت مالھم ویجری علی والی کل مدینۃ وقاضیہا بقدر ما یحتمل، وکل رجل تصیرہ فی عمل المسلمین فاجر علیہ من بیت مالھم ولا تجر علی الولاۃ والقضاۃ من مال الصدقۃ شیئا الا والی الصدقۃ فانہ یجری علیہ منہا کما قال اللہ تبارک وتعالٰی والعاملین علیہا[1]۔

اے امیر المومنین! تُو نے یہ پُوچھا ہے کہ قضاۃ اور عمال کے وظائف کا معاملہ کیسے کیا جائے تو (اللہ تعالٰی امیر المومنین کو رعایا کی فرمانبرداری کے ذریعے عزت بخشے) قضاۃ اور عمال کو مسلمانوں کے بیت المال یعنی زمین کی ضمان، خراج اور جزیہ سے وظائف دئے جائیں کیونکہ وُہ مسلمانوں کے کام میں مصروف ہوتے ہیں، پس ان پر بیت المال سے خرچ کرو اور ہر شہر کے والی اور قاضی کے لیے اتنا وظیفہ جاری کرو جتنا وُہ کام کرتے ہیں، اور جو شخص مسلمانوں کے کام میں مقرر کرو اس پر بیت المال سے خرچ کرو، والیوں اور قاضیوں پر مال صدقہ سے خرچ نہ کرو، ہاں والی صدقہ پر کرسکتے ہو کیونکہ اس پر اس میں سے خرچ کیا جاسکتا ہے جیسا کہ اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے اور صدقات وصول کرنے والے کے لیے۔ (ت)

اور اگر بالفرض خاص لشکرِ اسلام ہی اس کا مصرف ہوتا تو بحمد اللہ تعالٰی وہ بھی جا بجا موجود، اور اوپر معلوم ہوچکا کہ خاص یہاں ہونا ان بلاد کی حمایت کا شرطِ مطالبہ ہے نہ شرطِ وجوب، اور اشیائے سریعۃ الفساد پر خراج کا قیاس نہیں ہوسکتا، پھر وہاں بھی صرف مطالبہ منتفی ہے نہ وجوب، خود اسی مسئلہ میں تصریح ہے کہ عاشر اگرچہ اس سے عشر نہ لے گا مگر تاجر کو اس کے ادا کا حکم کرے گا۔

فی ردالمحتار عن الشرنبلالیۃ صورۃ المسألۃ ان یشتری بنصاب قرب مضی الحول علیہ شیئا من ھذہ الخضراوات للتجارۃ فتم علیہ الحول فعندہ لایاخذ الزکٰوۃ لکن یامر المالک باداۂہا

ردالمحتار میں شرنبلالیہ سے ہے صورتِ مسئولہ یُوں ہے کہ سال ختم ہونے کے قریب اگر کسی نے تجارت کے لیے نصاب کے عوض سبزیات خریدیں اور اس پر سال مکمل ہوا تو امام صاحب کے نزدیک اس سے زکوٰۃ وصول نہیں کی جائے گی لیکن

[1] کتاب الخراج من ای وجہ تجری علی القضاۃ الخ مطبعۃ بولاق مصر ص ۲۰۲

بنفسہٖ[1] الخ۔ مالک سے کہا جائیگا کہ خود ادا کردے۔ (ت)

ایجاب خراج میں لشکرِ اسلام کا حق اور اس کی حمایت پر تقررِ معاوضہ ضرور منظورِ نظرِ شرع ہے مگر اس سے وجودِ حمایت کا شرطِ وجوب ہونا لازم نہیں، تصریحاتِ ائمہ سے واضح ہولیا کہ خراج صرف انہی کے لیے مقرر نہ ہوا بلکہ جمیع مصالح عامۂ اہلِ اسلام اس میں متساویۃ الاقدام، ہاں جہاں حمایت ہو ان کا بھی حق ضرور ہے اور جہاں اُن کا حق ہو وہی معاوضہ منظور رہے یا لجملہ ادھر سے کلیہ ہے یعنی حیثما وجدت الحمایۃ وجبت الجبایۃ (جہاں حمایت ہوگی وہاں خراج لازم ہوگا۔ ت) اُدھر سے نہیں کہ حیث ماوجبت الجبایۃ وجدت الحمایۃ (جہاں خراج ہوگا وہاں حمایت ہوگی۔ ت) تاکہ اس کا عکس نقیض کیجئے کلما لم توجد الحمایۃ لم توجب الجبایۃ (جب حمایت نہ ہوگی تو خراج لازم نہ ہوگا۔ ت) فتح القدیر[2] کی عبارت مذکور کا منشاء اسی قدر ہے البتہ عبارتِ عنایہ میں لفظ یختص موہم واقع ہوا ہے اور وہ قطعاً زاید بے حاجت محض بلکہ خلافِ مقصود ہے،

وذلك لان محمدا رحمہ اللّٰہ صرح فی الزیادات ان المسلم لایبتدأ بتوظیف الخراج[2] ثم وقع بینھم الخلاف فیما اذا احیا مسلم مواتا فقال ابویوسف تعتبر بحیزھا ای بما یقرب منھا فان کانت من حیز ارض الخراج فخراجیۃ او ارض العشر فعشریۃ لان القرب من اسباب الترجیح وقال محمد ان کان صفتھا انھا یصل الیھا ماء الانھار فخراجیۃ او ماء عین ونحوہ فعشریۃ کل ذٰلك فی الفتح[3] وقد لزم من ھذا توظیف

یہ اس لیے کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے زیادات میں تصریح کی ہے کہ مسلمان پر ابتداءً خراج نہیں آسکتا، پھر ان ائمہ کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہے کہ جب کسی مسلمان نے غیر آباد زمین کو آباد کیا، امام ابویوسف نے فرمایا اس کے قُرب کا اعتبار کیا جائیگا اگر خراجی کے قریب ہے تو خراجی، اگر عشری کے قریب ہے تو عشری، کیونکہ قرب اسبابِ ترجیح میں سے ہے۔ امام محمد نے فرمایا اگر اسے نہری پانی سیراب کرتا ہو تو خراجی، اور اگر چشمہ وغیرہ کا پانی ہو تو عشری۔ یہ تمام تفصیل فتح میں ہے بعض کے گمان کے مطابق اس سے مسلمان پر

---

[1] ردالمحتار باب العاشر مصطفی البابی مصر ۲/ ۴۷

[2] فتح القدیر باب زکوٰۃ الزروع والثمار مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۹۸

[3] " باب العشر والخراج " ۵/ ۲۸۰

الخراج علی المسلم بداً اذا اسقاھا بماء الخراج علی ماظن[1] وھو خلاف نص الزیادات فاجیب[2] بتقیید ما فی الزیادات بما اذا لم یکن منہ صنیع یستدعی ذلك وھو السقی بماء الخراج اما اذا وجد ذلك فھو دلالۃ التزامہ الخراج

ابتدائی طور پر خراج کا تقرر لازم آتا ہے جبکہ وہ زمین خراجی پانی سے سیراب ہو رہی ہو حالانکہ یہ زیادات کی تصریح کے خلاف ہے، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ زیادات کی عبارت میں اس قید کا اعتبار ہے کہ بشرطیکہ اس مسلمان سے کوئی ایسا عمل نہ پایا جاتا ہو جو خراج کا تقاضا کرتا ہو اور وہ عمل خراجی پانی سے سیرابی ہے، اور اگر ایسا ہے تو بطور التزام اس کا

---

[1] منہ جماعۃ منھم الشیخ حسام الدین السغناقی فی النھایۃ ولیس کما ظنوا بل انما ھو انتقال ما تقرر فیہ الخراج بوظیفۃ الیہ وھو الماء فان فیہ وظیفۃ الخراج فاذا اسقی بہ انتقل ھو بوظیفۃ الی ارض المسلم کما لواشتری خراجیۃ وھذا لان المقاتلۃ ھم الذین حموا ھذا الماء فثبت حقھم فیہ وحقھم ھو الخراج فاذا اسقی بہ مسلم اخذ منہ حقھم کما ان ثبوت حقھم فی الارض اعنی خراجھا لحمایتھم ایاھا یوجب مثل ذلك، افادہ فی الفتح من باب زکوۃ الزروع ۱۲ منہ غفرلہ۔ (م)

[1] یہ گمان ایک جماعت نے کیا ہے جن میں سے شیخ حسام الدین سغناقی ہیں جنھوں نے نہایہ میں اظہار کیا ہے، جبکہ معاملہ وہ نہیں جو انھوں نے گمان کیا ہے بلکہ یہ مسلمان کی طرف وظیفہ خراج والی چیز کا انتقال ہے۔ اور وہ پانی ہے کیونکہ اس میں خراج والا وظیفہ ہے۔ تو جب اس سے زمین سیراب ہوگی تو اس کا وظیفہ بھی مسلمان کی زمین پر لاگو ہوگا جیسا کہ کوئی خراجی زمین خریدے تو اس پر خراج آتا ہے یہ اس لیے کہ مقاتلہ وہ لوگ ہیں جو اس پانی کو تحفظ فراہم کرتے ہیں اس لیے اس پانی میں ان کا حق ثابت ہوگا جبکہ وہ خراج ہے تو جب کوئی مسلمان اس پانی کو استعمال کرے گا تو اس سے پانی کا حق لیا جائیگا جس طرح خراجی زمینوں میں تحفظ فراہم کرنے پر مقاتلہ کا حق واجب ہوتا ہے، اس کا افادہ فتح کے باب زکوۃ الزروع سے حاصل ہے ۱۲ منہ غفرلہ۔ (ت)

[2] المجیب الامام شمس الائمۃ السرخسی کما فی الفتح ۱۲ منہ غفرلہ (م)

[2] جواب دینے والے شمس الائمہ سرخسی ہیں جیسا کہ فتح میں ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

رضاه به لان الخراج جزاء المقاتلة على حمايتهم فما سقى بما حموه وجب فيه[1] هذا ما في الهداية والفتح، ولا حاجة فيه الى تخصيص الخراج بما حموه اصلا بحيث لم يوجد لم يجب انما الحاجة الى استتباع حمايتهم ايجاب الخراج بحيث اذا وجدت وجب لان المقصود اثبات الوجوب لاجل ثبوت الحماية فتكون الحماية ملزومة والخراج لازما ليستدل بوضع المقدم على وضع التالي واللازم لايجب تساويه اما اذا قلنا بان الخراج يختص بالحماية كان المعنى هو انتفاؤه بانتفاءها فيكون اللازم هو الحماية فلا يصح الاستدلال بوجوده على وجوب الخراج لان وضع التالي لاينتج وضع المقدم فظهر ان حديث الخصوص لايوافق المقصود فاذن التقرير الصحيح ما اشار اليه في الهداية وبينه في الفتح وانعم ايضاحه في زكوته الزروع كما نقلنا نصه آنفا في المنهية.

خراج پر راضی ہونا ثابت ہوجاتا ہے کیونکہ خراج تو حمایت پر مقاتلہ کا معاوضہ ہے اور جو حمایتی (خراجی) پانی سے سیراب ہوگی اس میں خراج واجب ہوگا۔ یہ ہدایہ اور فتح میں تھا۔ یہاں خراج کو اس چیز کے ساتھ مقید کرنے کی اصلاً ضرورت نہیں کہ یہ وہاں ہوتا ہے جہاں حمایت ہو، اور جہاں حمایت نہ ہوگی وہاں خراج کا وجوب نہ ہوگا۔ یہ ضرورت تو ان کی حمایت کی وجہ سے ایجابِ خراج کے لیے ہے یعنی جہاں حمایت ہوگی وہاں خراج کا وجوب ہوگا کیونکہ مقصود ثبوتِ حمایت کی خاطر وجوبِ خراج کا اثبات ہے تو اب حمایت ملزوم اور خراج لازم قرار پائے گا تاکہ وضعِ مقدم سے وضعِ تالی پر استدلال کیا جاسکے اور لازم کے لیے (ملزوم کے) مساوی ہونا ضروری نہیں ہوتا لیکن جب ہم یہ کہیں گے کہ خراج حمایت کے ساتھ مخصوص ہے، تو اب معنیٰ ہوگا کہ خراج کی نفی سے حمایت کی نفی ہو تو اب اس صورت حمایت کا لازم ہونا لازم آجائے گا تو اب وجودِ لازم (حمایت) سے وجوبِ خراج پر استدلال درست نہ ہوگا کیونکہ وضعِ تالی سے وضعِ مقدم پر نتیجہ نہیں ہوتی۔ تو اب ظاہر ہوگیا کہ مخصوص کرنے والی بات مقصود کے موافق نہیں، اب تقریرِ صحیح وہی ہے جس کی طرف ہدایہ میں اشارہ ہے اور فتح میں بیان ہوئی اور اس کی وضاحت زکوٰۃ الزروع میں کی، جیسا کہ ہم نے ابھی منہیہ میں اس کی عبارت بطور نص نقل کی ہے (ت)

پھر اس اختصاص کو اپنے ظاہر اطلاق پر رکھئے تو قطعاً غلط و باطل ہے، جو زمینیں ہم نے

---

[1] فتح القدیر باب العشر والخراج مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/۲۸۱

قہراً خواہ صلحاً فتح کیں اور ان کے اہل کو اُن پر برقرار رکھا یا قہراً فتح کرکے اور جگہ کے کافروں کو دے دیں اُن پر یقیناً خراج ہے اگرچہ انھیں آبِ عشری مثل باران وغیرہ سے پانی دیا جاتا ہو۔ محققین تصریح فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ ہمارے ائمہ کا اجماعیہ ہے۔ محقق علی الاطلاق نے فتح میں فرمایا :

نحن نقطع ان الارض التی اقر اھلھا لوکانت تسقی بعین او بماء السماء لم تکن الاخراجیۃ لان اھلھا کفار والکفار لو انتقلت الیھم ارض عشریۃ ومعلوم ان العشریۃ قد تسقی بعین او بماء السماء لاتبقی علی العشریۃ بل تصیر خراجیۃ فی قول ابی حنیفۃ وابی یوسف خلافا لمحمد فکیف یتبدأ الکافر بتوظیف العشر ثم کونھا عشریۃ عند محمد اذا انتقلت الیہ کذلک اما فی الابتداء فھو ایضا یمنعہ۔[1]

ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ جس زمین پر اس کے اہل برقرار رہے اگرچہ وہ چشمہ یا آسمانی پانی سے سیراب ہوتی ہو تو وہ خراجی ہی ہوگی کیونکہ اس کے مالک کافر ہیں اور کافر کی طرف اگرچہ عشری زمین منتقل ہو اور یہ بات معلوم ہو کہ اگر عشری زمین کو چشمہ یا آسمانی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے تو وہ عشری نہ رہے گی بلکہ وہ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے قول کے مطابق خراجی ہوجائے گی، ہاں امام محمد کا اس میں اختلاف ہے، تو اب کافر پر ابتدائی طور پر عشر کیسے مقرر کیا جاسکتا ہے، پھر امام محمد کے نزدیک جب عشری زمین کسی کافر کی طرف منتقل ہوگی تو وہ عشری ہی رہے لیکن ابتداءً وہ بھی کافر پر عشر سے منع کرتے ہیں۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے :

وقد اطال المحقق فی فتح القدیر فی تقریرہ ثم قال والحاصل ان التی فتحت عنوۃ ان اقر الکفار علیھا لا یوظف علیھم الا الخراج ولو سقیت بماء المطر وان قسمت بین المسلمین لا یوظف الا العشر وان سقیت بماء الانھار۔[2]

محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں بڑی طویل گفتگو کرکے کہا کہ حاصل یہ ہے کہ جو زمینیں بطور غلبہ حاصل ہوں اگر کفار کو ہی ان پر قابض رکھا تو اب ان پر خراج ہی مقرر کیا جائیگا اگرچہ وہ بارش سے سیراب ہوتی ہوں، اور اگر وہ زمینیں مسلمانوں میں تقسیم کردی گئیں تو ان پر عشر ہی مقرر کیا جائیگا اگرچہ وہ نہری پانی سے سیراب کی جاتی ہوں۔ (ت)

---

[1] فتح القدیر — باب العشر والخراج — مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر — ۲۸۰/۵

[2] بحرالرائق — ″ — ایچ ایم سعید کمپنی کراچی — ۵۰۱/۵

امام محقق زیلعی نے تبیین الحقائق میں فرمایا:

هذا التفصیل فی حق المسلم اما الکافر فیجب علیه الخراج من ای ماء سقی لان الکافر لایبتدأ بالعشر فلا یأتی فیه التفصیل فی حالة الابتداء اجماعاً۔[1]

یہ تفصیل حقِ مسلم میں ہے، رہا کافر کا معاملہ تو اس پر خراج ہوگا خواہ جو پانی بھی سیراب کرے کیونکہ کافر پر ابتداءً عشر نہیں ہوتا لہذا ابتداءً اس میں بالاتفاق تفریق وتفصیل نہیں ہوگی۔ (ت)

اسی طرح بحرالرائق و مجمع الانہر میں اس سے نقل کیا اور مقرر رکھا، ولہذا علامہ حلبی نے متن متین ملتقی الابحر میں اُن زمینوں کو خراجی ہونے کا مسئلہ مطلق رکھا ارض السواد خراجیة (سواد کی زمین خراجی ہے۔ ت) کے بعد فرمایا:

وکذا کل ما فتح عنوة واقر اهلها علیه اوصولحوا سوی مکة۔[2]

اسی طرح ماسوائے مکّہ کے وہ زمین جو بطور غلبہ فتح ہُوئی اور اس کے باشندوں کو وہاں قابض رکھا یا ان سے صلح کرلی گئی۔ (ت)

اور اصلاً خلاف کا ذکر نہ کیا حالانکہ انھیں التزام ہے کہ جس مسئلہ میں ائمہ ثلٰثہ مذہب سے کسی کا خلاف ہو ضرور نقل کریں گے۔

قال فی خطبته وصرحت بذکر الخلاف بین ائمتنا الخ۔[3]

علامہ حلبی نے خطبۂ کتاب میں فرمایا ہمارے ائمہ کے درمیان اگر کسی مسئلہ میں اختلاف ہوگا تو میں اس کی تصریح کروں گا۔ (ت)

اسی طرح متن جلیل کنز میں مطلق فرمایا:

فتح عنوة واقر اهله علیه او فتح صلحا خراجیة۔[4]

وہ زمین جو بطور غلبہ حاصل ہُوئی اور وہاں کے قابضین کو برقرار رکھا یا بطور صلح فتح ہُوئی تو وہ خراجی ہوگی۔ (ت)

اور خلاف کی طرف باوصف التزام رمز ایمانہ کیا یُونہی جو زمین ذمی نے احیا کی بالاتفاق خراجی ہے اگرچہ

---

[1] تبیین الحقائق باب العشر والخراج الخ مطبعہ کبرٰی امیریہ بولاق مصر ۳/ ۲۷۲
[2] ملتقی الابحر " " مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/ ۲۷۰
[3] " " خطبۃ الکتاب (مقدمۃ المؤلف) " " ۱/ ۱۰
[4] کنز الدقائق باب العشر والخراج والجزیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۱

پانی عشری دیا ہو، فتح القدیر و تبیین الحقائق و بحرالرائق وغیرہا میں ہے:

لواحیاھا ذمی کانت خراجیۃ سواء سقیت عند محمد بماء السماء ونحوہ اولا وسواء کانت عند ابی یوسف من حیز ارض الخراج او العشر[1] اھ فظھر ضعف مانحاہ فی العنایۃ تبعا للنھایۃ رکونا الی ظاھر نقل فی الھدایۃ علٰی خلاف نقل فی الغایۃ کما بینہ المحقق فی الفتح واللّٰہ ولی الھدایۃ والفتح۔

اگر کسی ذمی نے زمین کو آباد کیا تو وہ خراجی ہوگی خواہ آسمانی پانی وغیرہ سے سیراب ہو یا نہ ہو اور امام ابو یوسف کے نزدیک خواہ خراجی کے قریب ہو یا عشری کے قریب اھ اس سے اس کا ضعف ظاہر ہوگیا جو عنایہ میں نہایہ کی اتباع کرتے ہوئے میلان کیا ہے ہدایہ میں نقل ظاہر کی طرف اور وہ نقل غایۃ کے خلاف ہے جیسا کہ محقق نے فتح میں کیا، اور اللہ تعالٰی ہی ہدایت اور فتح کا مالک ہے۔ (ت)

لاجرم خود عنایہ میں تصریح فرمائی کہ مسئلہ اعتبار آب مطلق نہیں، ہدایہ میں فرمایا تھا:

اذا کانت لمسلم دار خطۃ فجعلھا بستانا فعلیہ العشر معناہ اذا سقاھا بماء العشر واما اذا کانت تسقی بماء الخراج ففیھا الخراج لان المؤنۃ فی مثل ھذا تدور مع الماء[2]۔

جب بطور قبضہ کسی مسلمان کی خالی زمین پر گھر بنا یا پھر اسے اس نے باغ بنادیا تو اس پر عشر ہوگا، اس کا معنٰی یہ ہے کہ جب وہ عشری پانی سے سیراب ہوتا ہو اور جب وہ خراجی پانی سے سیراب ہو تو اس میں خراج ہوگا کیونکہ ایسی صورتوں میں عشر و خراج کا معاملہ پانی کے ساتھ ہے۔ (ت)

اس پر عنایہ میں لکھا ہے:

معنی قولہ "فی مثل ھذا" الارض التی لم یتقرر امرہ علی عشر او خراج وھو احتراز عما اذا کان لمسلم ارض تسقی بماء العشر وقد اشتراھا ذمی فان ماء ھا عشری وفیہ الخراج[3]۔

ماتن کے قول "فی مثل ھذا" سے مراد وہ زمین ہے جس کا معاملہ عشر و خراج کے اعتبار سے مستحکم نہ ہوا ہو، اس سے اس صورت سے احتراز ہوگیا جب کسی مسلمان کی ایسی زمین تھی جو عشری پانی سے سیراب ہوتی تھی اور اسے ذمی نے خرید لیا تو اب اس کا پانی عشری ہے لیکن اس میں خراج ہے۔ (ت)

---

[1] فتح القدیر باب العشر والخراج مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/۲۸۱

[2] الہدایۃ باب زکوٰۃ الزروع والثمار المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/۱۸۴

[3] العنایۃ مع فتح القدیر " " مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۱۹۷

دیکھو کیسی صاف تصریح ہے کہ خراج آب خراجی کے ساتھ خاص نہیں، اور تحقیق یہ ہے کہ اب بھی اطلاق صحیح نہیں، مسئلہ احیائے ذمی وغیرہا کے متعلق تصریحات ابھی گزریں، ہاں امام مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک اعتبار آب صرف اس صورت میں ہے جہاں مسلمان پر ابتداءً وظیفہ مقرر کرنا ہو جیسے اس نے اپنے گھر کو باغیچہ بنالیا یا مردہ زمین احیاء کی، محقق علی الاطلاق نے یوں شرح فرمائی:

قوله الوظیفة فی مثله ای فیما هو ابتداء توظیف علی المسلم من هذا و من الارض التی احیاها الا کل مالم یتقرر امره فی وظیفة کما فی النهایة بان الذمی لو جعل داره بستانا او احیاها و رضخت له لشهوده القتال کان فیها الخراج وان سقاها بماء العشر عند ابی حنیفة رحمه الله تعالٰی۔[1]

ماتن کا قول "الوظیفة فی مثله" یعنی اس زمین کا جس کا ابتداءً مسلمان پر وظیفہ مقرر کرنا ہے اور جیسے اس نے آباد کیا ہو نیز کہ ہر وہ زمین جس کا وظیفہ مستحکم نہ ہوا ہو جیسا کہ نہایہ میں ہے کیونکہ اگر ذمی نے قبضہ شدہ گھر کو باغ بنالیا یا زمین کو آباد کیا یا اسے جہاد میں شرکت کی وجہ سے بطور عطیہ ملی تو اس میں خراج ہوگا اگرچہ اسے اس نے ماءِ عشری سے سیراب کیا ہو امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک۔ (ت)

خود ہدایہ میں فرمایا:

ان جعلها (ای المجوسی داره) بستانا فعلیه الخراج وان سقاها بماء العشر لتعذر ایجاب العشر اذ فیه معنی القربة فتعین الخراج وهو عقوبة تلیق بحاله[2] اھ اقول وبه ظهر سقوط ما فی العنایة علی هذا القول من الهدایة، ما نصه القائل ان یقول اما ان یکون الاعتبار للماء او للحال من توضع علیه الوظیفة فان کان الاول وجب علیه العشر وان کان الثانی ناقض هذا

اگر (مجوسی نے اپنے دار کو) باغ بنادیا تو اس پر خراج ہے اگرچہ اسے عشری پانی سے سیراب کیا ہو کیونکہ یہاں وجوب عشر متعذر ہے اس لیے کہ عشر میں عبادت کا پہلو ہے لہذا خراج متعین ہوگا جو بطور عقوبت مجوسی کے حال کے مناسب ہے **اقول** اس سے عنایہ کے اس اعتراض کا ساقط ہونا ظاہر ہوگیا جو ہدایہ کے قول پر ان الفاظ میں کیا کہ معترض کہہ سکتا ہے کہ یہاں اعتبار پانی کا یا اس شخص کا ہے جس پر عشر و خراج لازم کرنا ہے، اگر پانی کا اعتبار ہے تو مجوسی پر عشر لازم آئے گا اور اگر شخص مکلف کا اعتبار ہو تو اس کا

---

[1] فتح القدیر باب زکوٰۃ الزروع والثمار مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۹۸

[2] الہدایۃ " " المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/ ۱۸۴

قولہ (لان المؤنة فی مثل ھذا تدور مع الماء) (ووجب علی المسلم العشر اذا سقی ارضہ بماء الخراج[1]) اھ وجہ السقوط ان الکلام ھٰھنا فی الذمی وما مر من دوران المؤنۃ مع الماء انما کان فیما فیہ ابتداء التوظیف علی المسلم فلا مساغ للتناقض اصلا و ولاحاجۃ الی تجشم الجواب بما قال ان الاعتبار للماء ولکن قبول المحل شرط لوجوب الحکم والکافر لیس بمحل لایجاب العشر علیہ لکونہ عبادۃ[2] الخ وکیف ماکان فمقصودنا حاصل و ھو بطلان تخصیص الخراج بالماء الخراجی اما مطلقا واما فیمالم یتقرر امرھا علی وظیفۃ نعم ھو صحیح عند صاحب المذھب فیما فیہ بدء التوظیف علی مسلم فقط۔

اس قول سے تضاد لازم آئے گا کہ "ایسی صورت میں وظیفہ کے تعین کے لیے پانی کا اعتبار کیا جاتا ہے" "اور مسلمان پر عشر لازم ہوتا ہے جب وہ اپنی زمین کو خراجی پانی سے سیراب کرتا ہو" اھ وجہ سقوط یہ ہے کہ یہاں گفتگو ذمی میں ہورہی ہے، اور جو گزرا ہے کہ تعین وظیفہ میں پانی کا اعتبار ہے، وہ اس صورت میں ہے جب ابتداءً کسی مسلمان پر وظیفہ کا تعین کرنا ہو تو یہاں تناقض کا ثبوت ہی نہیں ہوا لہذا یہ کہہ کر جواب میں تکلف کی ضرورت نہیں کہ اعتبار تو پانی کا ہی ہوتا ہے مگر وجوب حکم کے لیے محل کا قبول کرنا شرط ہے اور کافر ایجاب عشر کا محل نہیں کیونکہ عشر ادا کرنا عبادت ہے الخ بہرحال ہمارا مقصد حاصل ہے وہ یہ کہ خراجی پانی کے ساتھ خراج کو مخصوص کرنے کا بطلان ہے، یا تو ہر حال میں یا اس صورت میں جب زمین پر کسی وظیفہ کا تقرر نہ ہوا ہو، ہاں یہ صاحب مذہب کے نزدیک اس وقت فقط صحیح ہے جب کسی مسلمان پر ابتداءً وظیفہ کا تقرر کرنا ہو۔ (ت)

پھر مفتٰی بہ یہ ہے کہ یہاں بھی پانی کا اعتبار نہیں بلکہ قرب دیکھیں گے اگر زمین خراجی سے نزدیک ہے خراج ہوگا اگرچہ آب عشری دیا ہو، اور عشری سے تو عشر اگرچہ پانی خراج کا ہو۔ تنویر میں ہے:

لواحیاہ مسلم اعتبر قربہ[3]۔

اگر کسی مسلمان نے زمین کو آباد کیا تو وہاں اس کے قریب زمین کا اعتبار کیا جائیگا۔ (ت)

---

[1] العنایۃ مع فتح القدیر باب زکوٰۃ الزروع والثمار مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۱۹۸

[2] " " " " " " " "

[3] تنویر الابصار متن درمختار باب العشر والخراج الخ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹

ردالمحتار میں ہے :

هذا عند ابی یوسف واعتبر محمد الماء فان احیاها بماء الخراج فخراجیة والا فعشریة بحر و بالاول یفتی، درمنتقی۔[1]

یہ امام ابو یوسف کے نزدیک ہے، امام محمد نے پانی کا اعتبار کیا ہے، اگر مسلمان نے زمین خراجی پانی سے آباد کی ہے تو وُہ خراجی ہوگی ورنہ عشری، بحر۔ فتوٰی پہلے قول پر ہے، درمنتقی۔ (ت)

اُسی میں ہے :

وهو ما مشی علیه المصنف اولا کالکنز وغیرہ وقدمه فی متن الملتقی فافاد بترجیحه علی قول محمد وقال ح وهو المختار کما فی الحموی علی الکنز عن شرح قراحصاری وعلیه المتون۔[2]

یہی وُہ ہے جس پر پہلے مصنف چلے مثلاً کنز وغیرہ۔ اور ملتقی کے متن میں اسے مقدم کیا ہے، یہ اس بات کو مفید ہے کہ انھوں نے اسے امام محمد کے قول پر ترجیح دی ہے اور ح نے کہا کہ یہی مختار ہے جیسا کہ حموی علی الکنز میں شرح قراحصاری کے حوالے سے ہے، اور متون اسی پر ہیں۔ (ت)

معہذا اگر تخصیص مان بھی لیجئے تو لشکرِ اسلام کا ید قبضہ پانی پر وارد ہونا ابتداءً اس کی خراجیت کا مفید ہو چکا بقاءً بھی خراجیت، بقاء ید پر موقوف رہنے کی کیا دلیل ہے، اور ظاہر کہ ہمارا کلام بقاء میں ہے،

الا تری ان الخراج یجب عقوبة علی الکفر ثم لا یحتاج فی بقائه حتی لو اسلموا لم یسقط الخراج عن اراضیهم کما نصوا علیه قاطبة۔

آپ جانتے ہیں کہ خراج کفر کی سزا کے طور پر واجب ہوتا ہے پھر اپنی بقاء میں اس کا محتاج نہیں حتی کہ اگر کافر مسلمان ہوگئے تو ان کی زمینوں سے خراج ساقط نہ ہوگا جیسا کہ اس پر فقہاء نے قطعی تصریح کی ہے (ت)

بالجملہ جہاں تک نظر کی جاتی ہے یہاں کی اُن زمینوں سے جن کا خراجی ہونا بہ ثبوت شرعی ثابت ہو لیا بلاوجہ شرعی وجوب خراج کا اُٹھ جانا ثابت نہیں ہوتا اور کیونکر ثابت ہو حالانکہ خراج کے لیے سبب وجوب ارض نامیہ ہے اور وہ حاصل تو وجوب بھی حاصل، ہدایہ مسئلہ عدم اجتماع عشر و خراج میں فرمایا :

---

[1] ردالمحتار باب العشر والخراج الخ مصطفی البابی مصر ۳/ ۲۸۴

[2] ایضاً

سبب الحقین واحد وھو الارض النامیۃ الا انہ یعتبر فی العشر تحقیقا وفی الخراج تقدیرا ولھذا یضافان الی الارض[1]

دونوں حقوق (عشر وخراج) کا سبب ایک ہے اور وُہ ارض نامی ہے، ہاں عشر میں اس کا نامی ہونا عملاً اور خراج میں بالفرض ہے، یہی وجہ ہے کہ ان دونوں کی نسبت زمین کی طرف ہوتی ہے (ت)

فتح القدیر میں ہے:

قال الشافعی یجمع بینھما لان سبب العشر الارض النامیۃ بالخارج تحقیقا وسبب الخراج الارض النامیۃ بہ تقدیرا وقد تحقق سبب کل منھما ولا منافاۃ بین الحقین فیجبان ولنا ان تعدد الحکم واتحادہ بتعدد السبب واتحادہ وسبب کل من الخراج والعشر الارض النامیۃ ولھذا یضافان الیھا فیقال خراج الارض وعشر الارض والاضافۃ دلیل السببیۃ وکون الارض مع النماء التقدیری غیر الارض مع التحقیقی مخالفۃ اعتباریۃ لاحقیقۃ فالارض النامیۃ ھی السبب واذا اتحد السبب اتحد الحکم[2] اھ ملتقطا

امام شافعی فرماتے ہیں کہ ان دونوں کو جمع کیا جاسکتا ہے کہ عشر کا سبب ارض نامی سے عملاً پیداوار اور خراج کا سبب ارض نامی سے پیداوار کا امکان ہے اور یہاں دونوں کا سبب متحقق ہے اور دونوں کے حقوق میں منافات بھی نہیں لہذا دونوں واجب ہوں گے، ہماری دلیل یہ ہے کہ حکم کا متعدد اور واحد ہونا سبب کے متعدد اور واحد ہونے پر موقوف ہے، خراج وعشر کا سبب ارض نامی ہے اسی لیے زمین کی طرف ان کی نسبت کرتے ہوئے کہا جاتا ہے، زمین کا خراج، زمین کا عشر اور کسی کی طرف اضافت اس کے سبب ہونے پر دلیل ہے۔ زمین کا امکانی نمو پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اس کا ایسی زمین کا غیر ہونا جو واقعۃً نمو پر مشتمل ہے، یہ اعتباری طور پر ہے، یہاں حقیقۃً مخالفت نہیں تو ارض نامی ہی سبب قرار پائے گی، تو جب سبب ایک ہے تو حکم بھی ایک ہی ہوگا اھ اختصاراً (ت)

ہنوز بعض وجوہ اور ذہنِ فقیر میں ہیں کہ بخوفِ اطالت ترک کیں وفیما ذکرنا کفایۃ واللہ ولی الھدایۃ (ہم نے جو ذکر کیا یہ کافی ہے اللہ تعالٰی ہی ہدایت کا مالک ہے۔ت) کُتبِ دیں، اس کا

---

[1] الھدایۃ باب العشر والخراج الخ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/۵۷۳

[2] فتح القدیر " " " مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/۲۸۶-۸۷

جواب، بیانِ سابق سے واضح ہولیا کہ اس کے بہت مصارف مثل مساجد و مدارس و طلبہ و علماء یہاں موجود ہیں اُن پر صرف کریں اور اگر بالفرض لشکر ہی اُس کا مصرف ہوتا اور عساکر اسلامیہ سے کسی تک پہنچانے پر قدرت نہ ملتی جب بھی سقوط کے کوئی معنی نہ تھے، خراج ذمہ مکلف پر واجب ہوتا ہے۔ عنایہ میں ہے:

الخراج فی ذمۃ المالک والعشر فی الخارج[1]۔

خراج مالک کے ذمّہ ہے اور عشر پیداوار پر ہوتا ہے۔ (ت)

فتح میں ہے:

العشر فی الخارج والخراج فی الذمۃ[2]۔

عشر، پیداوار پر ہے اور خراج مالک کے ذمہ ہوتا ہے۔ (ت)

اور وہ ایک حق ثابت معروف مثل ملک و دین ہے

حتی لایحل لصاحب ارض خراجیۃ اکل غلتھا قبل اداء خراجھا[3] کما فی التنویر ای فی خراج المقاسمۃ فکانہ کان مالا مشترکا، وللامام حبس الخارج للخراج[4] کما فی الدر ای فی الخراج الموظف وقد قال فی الھدایۃ الرھن والکفالۃ جائزان فی الخراج لانہ دین مطالب بہ ممکن الاستیفاء فیمکن ترتیب موجب العقد علیہ فیھما[5]۔

حتی کہ خراجی زمین کے مالک کے لیے خراج کی ادائیگی سے پہلے اس کا غلہ کھانا حلال نہیں، جیسا کہ تنویر یعنی خراج مقاسمہ میں ہے، گویا یہ مال مشترک ہے اور حاکم کو خراج لینے کے لیے پیداوار کا روک لینا جائز ہے جیسا کہ دُر میں ہے یعنی خراج موظف میں ہے، ہدایہ میں ہے رہن اور کفالہ خراج میں دونوں جائز ہیں کیونکہ یہ ایسا دین ہے جس کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے اور اس کا حصول بھی ممکن ہوتا ہے لہذا تقاضائے عقد کا ان دونوں پر مرتب ہونا ممکن ہوگا۔ (ت)

---

[1] العنایۃ مع فتح القدیر باب العشر والخراج مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/۲۸۶
[2] فتح القدیر " " ۵/۲۸۶
[3] تنویر الابصار متن درمختار باب العشر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۹
[4] درمختار " " ۱/۱۳۹
[5] الھدایۃ کتاب الکفالۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/۱۱۶

اور ذمہ دین سے مشغول ہو تو بے ادا یا ابرا صرف اس بنا پر کہ مستحق نہ رہا ساقط نہ ہوگا بلکہ اُس کے ورثہ کو دیں گے، وُہ بھی نہ رہیں تو فقرا کو دے کر برات ذمہ کریں گے خراج میں اصالۃً حق فقرا نہ ہونا ضرورۃً انھیں دئے جانے کے منافی نہیں کما فی سائر الدیون (جیسا کہ تمام دیون میں ہے۔ ت) **کیا دیں** خراج دو قسم ہے، خراج مقاسمہ یعنی بٹائی کہ پیداوار کا نصف یا ثلث یا ربع یا خمس مقرر ہو اور خراج موظف کہ ایک مقدار معین ذمے پر لازم کردی جائے خواہ روپیہ، مثلاً سالانہ دو روپے بیگھہ اور کچھ جیسے امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے غلے کی ہر جریب پر ایک صاع غلہ اور ایک درہم مقرر فرمایا، ظاہر یہ ہے کہ ان بلاد کا خراج موظف ہی تھا، بیت المال میں روپیہ ہی لیا جاتا نہ کہ غلہ، میوہ، ترکاری وغیرہ۔ بلکہ مدتوں سے عامہ بلاد میں سلاطین کا یہی داب معلوم ہوتا ہے، ہدایہ میں فرمایا:

وفی دیارنا وظفوا من الدراھم فی الاراضی کلھا وترك کذٰلك لان التقدیر یجب ان یکون بقدر الطاقۃ من ای شیئ کان۔[1]

ہمارے علاقہ میں تمام زمینوں پر دراہم کا تقرر کیا جاتا ہے، اور ترکوں کے ہاں بھی یہی ہے کیونکہ بقدرِ طاقت مقدار مقرر کرنا ضروری ہے چاہے وہ جنس سے ہی ہو۔ (ت)

تو ظاہراً یہاں کا خراج موظف ہی سمجھنا چاہئے مگر جس زمین کی نسبت ثابت ہو کہ زمان سلطنت اسلام سقی اللہ تعالٰی عہدہا میں اُس پر خراج مقاسمہ تھا، خراج موظف بالاتفاق مالک زمین پر ہے اور خراج مقاسمہ صاحبین کے نزدیک مزارع پر امام کے نزدیک زمیندار پر کما فی الدر والشامیۃ (جیسا کہ در اور شامیہ میں ہے۔ ت) **کتنا دیں** اگر مقدار معلوم ہو کہ زمانۂ سلطنت اسلام میں سقی اللہ تعالٰی عہدہا کیا مقرر تھا، جب تو ظاہر ہے کہ اُسی قدر دیں، وہ شرط سے، اوّلاً خراج موظف میں جہاں جہاں مقدار مقرر فرمودہ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ منقول ہے وہاں اس پر زیادت نہ ہو کہ مذہب صحیح میں اس پر اضافہ کسی سلطان کو نہیں پہنچتا، زائد ہو تو زیادت نہ دیں اور جہاں کوئی مقدار امیر المومنین سے منقول نہیں وہاں اور خراج مقاسمہ میں نصف سے زیادت نہ ہو کہ خلافِ انصاف ہے، زائد ہو تو نصف ہی دیں۔ ثانیاً اُتنے کی ادا اس زمین سے اب بھی ممکن ہو ورنہ بلحاظ طاقت دیں۔

فی التنویر التنصیف عین الانصاف فلا یزاد علیہ[2] اھ فی ردالمحتار لا یزاد علیہ فیہ ولا فی

تنویر میں ہے نصف دینا عین انصاف ہے لہٰذا اس پر اضافہ نہ کیا جائے اھ اور ردالمحتار میں ہے اس میں اضافہ

---

[1] الہدایہ باب العشر والخراج المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/۵۷۲

[2] تنویر الابصار متن درمختار ؍؍ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۴۹

خراج المقاسمۃ ولا فی الموظف[1] اھ فی الدر المختار ولا فی الموظف علی مقدار ماوظفہ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ[2] اھ فی التنویر وینقص ماوظف ان لم تطق[3] اھ فی ردالمحتار قال فی النھر لایزید علی النصف وینبغی ان لاینقص عن الخمس قالہ الحدادی[4] اھ وکان عدم التنقیص عن الخمس غیر منقول فذکرہ الحدادی بحثا لکن قال الخیر الرملی یجب ان یحمل علی ما اذا کانت تطیق فلوکانت قلیلۃ الریع کثیرۃ المؤن ینقص اذیجب ان یتفاوت الواجب لتفاوت المؤنۃ کما فی ارض العشر[5] اھ مختصرا۔

نہ کیا جائے اور نہ ہی خراج مقاسمہ اور خراج موظف میں اھ درمختار میں ہے اور نہ ہی خراج موظف میں اس مقدار میں اضافہ کیا جاسکتا ہے جو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مقرر کی ہے اھ تنویر میں ہے اگر طاقت نہ ہو تو مقررہ میں کمی کی جاسکتی ہے اھ ردالمحتار میں ہے کہ نہر میں ہے کہ نصف سے زیادہ نہیں کیا جاسکتا، حدادی نے کہا مناسب ہے خمس سے کم نہ کیا جائے اھ اور خمس سے کم نہ کرنا منقول نہیں تو حدادی نے اسے بطور بحث ذکر کیا ہے۔ لیکن خیر رملی نے کہا ہے کہ اسے اس صورت پر محمول کرنا ضروری ہے جب وہ زمین طاقت رکھتی ہو، اور اگر رقبہ کم ہو مگر اخراجات اس کے زیادہ ہوں تو پھر کم کیا جاسکتا ہے کیونکہ اخراجات کے تفاوت کی وجہ سے واجب میں تفاوت ضروری ہوتا ہے جیسا کہ عشری زمین میں ہے اھ مختصراً (ت)

اور اگر معلوم نہ ہو کہ سلطنت اسلام میں کیا معین تھا تو ظاہراً خراج مقاسمہ و خراج موظف غیر مقرر امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ میں نصف دیں اور مقررات امیر المومنین میں اُسی کا لحاظ رکھیں، غرض ہر جگہ پوری مقدار دیں جس سے زیادت جائز نہ تھی۔

لان التنقیص انما کان یثبت بنقص الامام ولم یثبت فلم یثبت فکان الاستقصار فیہ فراغ الذمۃ یقینا فکان الاحوط ھذا کلہ

کیونکہ کمی امام کے کرنے سے ہوگی اور جب وہ ثابت نہیں تو وظیفہ میں کمی بھی ثابت نہ ہوگی تو یہاں یقینی فراغ ذمہ کے لیے مقرر پر اکتفاء ہوگا تو یہی احوط ہوگا، اول سے

---

[1] ردالمحتار باب العشر والخراج الخ مصطفی البابی مصر ۳/۲۸۶
[2] درمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۴۹
[3] تنویر الابصار متن درمختار " " "
[4] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۳/۲۸۶
[5] " " " ۳/۲۸۷

من اول الکلام الٰی ھنا مما اخذہ الفقیر تفقھا وارجوان یکون صوابا ان شاء اللہ تعالٰی فان اصبت فمن اللہ وحدہ وانا احمد اللہ علیہ وان اخطأت فمنی ومن الشیطان وانا ابرؤ الی اللہ منہ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

شروع سے لے کر یہاں تک یہ گفتگو فقیر نے بطور تفقہ کی ہے اور میں امید کرتا ہُوں کہ ان شاء اللہ یہ صواب ہوگی، اگر تو میں درست ہُوا تو اللہ وحدہٗ کی طرف سے ہے اور میں اس پر اللہ تعالٰی کی حمد بجالاتا ہُوں، اور اگر یہ غلط ہے تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہے اور میں اس سے برأت کا اعلان کرتے ہُوئے اپنے اللہ کے دامن میں آتا ہُوں ولاحول ولاقوۃ الّا باللہ العلی العظیم۔ (ت)

وظیفہ مقررہ فاروقیہ فی جریب سالانہ یہ ہے ہر قسم غلے پر اُسی سے ایک صاع اور ایک درہم اور کُطاب یعنی خربوزے تربوز کی پالیزوں، کھیرے ککڑی بینگن و امثالہا کی باڑیوں پر پانچ درہم انگور و خرما کے گھنے باغوں پر، جن کے اندر زراعت نہ ہوسکے۔ دس درہم ان کے ماورا میں وہی تقدیر طاقت ہے جس کی انتہا نصف تک پھر ان اقسام میں حیثیت زمین وقدرت کا اعتبار ہے جو زمین جس چیز کے بونے کی لیاقت رکھتی ہو اور یہ شخص اس پر قادر ہو اُس کے اعتبار سے خراج ادا کرے مثلاً انگور بوسکتا ہے تو اُنھیں کا خراج دے اگرچہ گیہوں بوئے ہوں، اور گیہوں کے قابل ہے تو اس کا خراج دے، اگرچہ جو بوئے ہوں ہر حال میں خراج سال بھر میں ایک ہی بار لیا جائے گا اگرچہ سال میں چار بار زراعت کرے یا باوصف قدرت بالکل معطل رکھ چھوڑے اور یہ جریب انگریزی گز سے کہ ان بلاد میں رائج ہے (جس کی مقدار ۱۶ سولہ گرہ ہے ہر گرہ ۳ تین انگل) پینتیس گز مسطح ہے یعنی ۳۵ گز طول ۳۵ گز عرض، اور صاع ۲۷۰ دو سو ستّر تولے ہے یعنی انگریزی روپیہ سے ۲۸۸ دو سو اٹھاسی روپیہ بھر کہ رامپور کے سیر سے پورے تین سیر ہُوئے اور دس درہم کے عہ ۱۲ ۹ $\frac{۳}{۵}$ پائی یعنی دو روپے پونے تیرہ آنے اور پانچواں حصّہ پیسے کا پانچ درم کے عہ ۶ ۴ $\frac{۴}{۵}$ پائی ایک درم کے ۴ ۵ $\frac{۱۹}{۲۵}$ پائی یعنی $\frac{۶}{۲۵}$ پائی کم ساڑھے چار آنے۔

فی الدرالمختار وضع عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ لکل جریب ھو ستون ذراعا فی ستین بذراع کسرٰی (سبع قبضات) صاعا من بر او شعیر (والصحیح انہ مما یزرع فی تلک الارض کما فی الکافی شرنبلالیۃ ومثلہ فی البحر) ودرھما من اجود

درمختار میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ہر جریب میں ایک صاع گندم یا جَو مقرر فرمائے اور جریب طولاً عرضاً ساٹھ ذراع کا ہوتا ہے اور ہر ذراع سات مُٹھیوں کا ہوتا ہے اور صحیح یہ ہے اس زمین سے جو کچھ پیدا ہو رہا ہے اسی سے وظیفہ ادا کیا جائیگا جیسا کہ کافی، شرنبلالیہ میں اور اسی کی مثل بحر میں ہے

النقود (وزن سبعة کما فی الزکوٰۃ بحر) ولجریب الرطبۃ (وھی القثاء والخیار والبطیخ والباذنجان وماجری مجراہ) خمسۃ دراھم ولجریب الکرم او النخل متصلۃ (قید فیھما) ضعفھا وما لیس فیہ توظیف عمر کزعفران وبستان فیہا اشجار متفرقۃ یمکن الزرع تحتہا طاقتہ وغایۃ الطاقۃ نصف الخارج لان التنصیف عین الانصاف[1] اھ مختصرا مزیدا مابین الاھلۃ من ردالمحتار وفی الدر لوزرع الاخس قادرا علی الاعلٰی کزعفران فعلیہ خراج الاعلٰی وھذا یعلم ولا یفتی بہ کیلا یتجری الظلمۃ[2] فی ردالمحتار عن العنایۃ رد بانہ کیف یجوز الکتمان وانھم لواخذوا کان فی موضعہ لکونہ واجبا واجیب بانا لوافتینا بذلک لادعی کل ظالم فی ارض لیس شانہا ذلک انہا قبل ھذا کانت تزرع الزعفران فیاخذ خراج

اور نقود میں سے ایک درہم لازم ہوگا جس کا وزن سات مثقال ہو جیسا کہ زکوٰۃ میں ہوتا ہے، بحر) اور سبزیات (اور وہ ککڑی، تر، خربوزے، بینگن اور ایسی دیگر اشیاء) کی جریب میں پانچ دراہم، انگور اور خرما کے گھنے باغوں (یہ قید دونوں کے لیے ہے) میں دس درہم ہے اور جس میں سیدنا عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کوئی وظیفہ مقرر نہیں فرمایا مثلاً زعفران، اور وہ باغ جس میں متفرق درخت ہوں اور وہاں کاشت کرنا ممکن ہو تو طاقت کے مطابق وظیفہ ہوگا اور انتہائے طاقت نصف پیداوار ہے کیونکہ نصف ادا کرنا عین انصاف ہے اھ مختصراً، ہاں توسین کے اندر ردالمحتار سے اضافہ میری طرف سے کیا گیا ہے، اور در میں ہے کہ اگر کسی نے اعلٰی پر قادر ہوتے ہوئے ادنٰی کو کاشت کیا مثلاً زعفران، تو اس پر اعلٰی کا خراج ہوگا، یہ جان تو لیا جائے مگر اس پر فتوٰی نہ دیا جائے تاکہ ظالم اس سے فائدہ نہ اٹھائیں۔ ردالمحتار میں عنایہ کے حوالے سے یہ رد کیا گیا ہے کہ ایسی بات کا چھپانا کیسے جائز ہو سکتا ہے اور اگر ظالم لیتے ہیں تو وہ ٹھیک کرتے ہیں کیونکہ وہ واجب ہے، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اگر ہم اس پر فتوٰی دیتے ہیں تو ظالم ہر زمین کے بارے میں یہ دعوٰی کرے گا کہ اس سے پہلے اس میں زعفران بویا جاتا تھا اگرچہ

---

[1] درمختار باب العشر والخراج الخ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۴۹

ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۳/۸۵-۲۸۶

[2] درمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۵۰

16 ذلك وھو ظلم وعدوان اھ[1] واللفظ للفتح قالوا لایفتی بھذا لما فیہ تسلط الظلمۃ علی اموال المسلمین اذیدعی کل ظالم ان ارضہ تصلح لزراعۃ الزعفران ونحوہ وعلاجہ صعب اھ[2] قلت والذی یؤدی بنفسہ ولاجابی کما فی بلادنا فلا یخشی ذلک فلذا اعولت علی ماھنالک وفی الھدایۃ ان غلب علی ارض الخراج الماء او انقطع الماء عنھا او اصطلم الزرع آفۃ فلاخراج علیہ، وان عطلھا صاحبھا فعلیہ الخراج، ولایتکرر الخراج بتکرر الخارج فی سنۃ اھ[3] بالالتقاط، واللہ سبحانہ وتعالٰی۔

وہ ایسی نہ ہو تو وہ اسی سے خراج وصول کرے گا اور یہ ظلم وزیادتی ہوگی اھ فتح کی عبارت یہ ہے کہ فقہائے فرمایا ہے کہ اس کے ساتھ فتوٰی نہیں دیا جائے گا کیونکہ ایسی صورت میں مسلمانوں کے مال پر ظالموں کو مسلط کرنا لازم آئے گا اور ہر ظالم یہ دعوٰی کرے گا کہ یہ زمین کاشتِ زعفران وغیرہ کے قابل تھی اور اس کا حل مشکل ہے اھ میں نے کہا جو شخص خود بخود ادا کرے اور وصول کرنیوالا نہ ہو، جیسا کہ ہمارے علاقے میں ہے اس میں ایسا کوئی خوف وخدشہ نہیں اس لیے یہاں اسی پر اعتماد کیا جائیگا' ہدایہ میں ہے کہ اگر خراجی زمین پر پانی کا غلبہ ہوگیا یا اس سے پانی منقطع ہوگیا یا کسی آفت نے فصل ختم کر دی تو اس پر خراج نہ ہوگا اور اگر مالک نے زمین کو معطل رکھا ——— تو اس پر خراج ہوگا۔ ایک سال میں دوبارہ پیداوار پر خراج نہ ہوگا اھ اختصاراً، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ از موضع سرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۲ رجب ۱۳۳۱ھ

زید دریافت کرتا ہے کہ آم کی بہار میں کس صورت سے دسواں حصہ نکال کے فروخت کرسکتا ہے جس سے فروخت خبیث نہ ہو۔

الجواب

بہار اس وقت بیچنی چاہیے جب پھل ظاہر ہوجائیں اور کسی کام کے قابل ہوں، اس سے پہلے بیع جائز نہیں اور اس وقت اُس میں عشر واجب ہوتا ہے پھل اپنی حد کو پہنچ جائیں کہ اب کچے اور ناتمام ہونے کے باعث ان کے بگڑجانے، سُوکھ جانے، مارے جانے کا اندیشہ نہ رہے اگرچہ ابھی توڑنے کے قابل نہ ہُوئے ہوں، یہ حالت جس کی ملک میں پیدا ہوگی اُسی پر عشر ہے، بائع کے پاس پھل ایسے ہوگئے تھے اُس کے بعد بیچے تو عشر بائع پر ہے، اور جو اس حالت

---

[1] ردالمحتار باب العشر والخراج مصطفی البابی مصر ۳/ ۲۸۹
[2] فتح القدیر 〃 مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۲۸۵
[3] الہدایۃ 〃 المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/ ۵۷۳

تک پہنچنے سے پہلے کچے بیچ ڈالے اور اس حالت پر مشتری کے پاس پہنچے تو عشر مشتری پر ہے بعینہ یہی حکم کھیتی کا ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

جانوروں کی زکوٰۃ

مسئلہ ۱۹ محرم الحرام ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جانوران حسب ذیل پر جوکہ بغرض کاشتکاری ہیں اور تجارت کی غرض سے نہیں ہیں اور سال میں زیادہ حصہ جنگل میں چرتے ہیں اُن پر زکوٰۃ دینی چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

تفصیل: بیل ۱۸، گائے ۲۱، بچہ گائے ۲ سال کے ۱۳، بچہ اندر ایک سال ۳، بھینس ۲، بھینس زاندر دو سال ۲، بچہ بھینس کم از ایک سال ۲، بھینسے ٦ - کل ۶۷ راس۔

الجواب

اونٹ، گائے، بھینس، بکری، بھیڑ نر خواہ مادہ خواہ دونوں مختلط، جبکہ[1] قدر نصاب ہوں (کہ اونٹ میں پانچ، گائے بھینس میں تیس، بھیڑ بکری میں چالیس ہے) اور[2] بونے جوتنے لادنے، کھانے کے لیے نہ رکھے گئے ہوں بلکہ تمام حاجاتِ اصلیہ سے فارغ صرف دُودھ یا نسل یا قیمت بڑھنے کے لیے پالے جاتے یا شوقیہ پرورش و فربہی کے واسطے ہوں اور سال کا اکثر حصہ جنگل میں چھوٹے ہُوئے چرنے پر اکتفا کرتے ہوں اور اُن پر سال پُورا گزرے اور تمامی سال کے وقت وہ سب جانور ایک نوع کے یعنی سب اونٹ یا سب گائے بھینس یا سب بھیڑ بکری ایک سال سے کم کے نہ ہوں بلکہ اُن میں کوئی ایک سال کامل کا بھی ہو اگرچہ ایک ہی ہو تو ان پانچوں باتوں کے اجتماع سے ان کی زکوٰۃ دینی فرض ہوگی ورنہ نہیں۔ زکوٰۃ میں گائے بھینس ایک ہی نوع ہیں اور ان کا حساب زکوٰۃ یہ ہے کہ تیس[3] سے کم پر کچھ نہیں، تیس[3] پر ایک بچہ دو سال کامل کا، پھر اُنسٹھ تک یہی واجب رہے گا، ساٹھ پر کہ دو تیس کا مجموعہ ہے انہتر تک دو بچے ایک سالہ، ستّر پر کہ ایک تیس اور ایک چالیس کا مجموعہ ہے، اُناسی تک ایک بچہ یک سالہ ایک دو سالہ، اسّی پر کہ دو چالیس ہیں نواسی تک دو بچے دو سالہ، نوّے پر کہ تین تیس ہیں ننانوے تک تین بچے یک سالہ، سَو پر کہ دو تیس اور ایک چالیس ہے ایک سو نو تک دو بچے یک سالہ ایک دو سالہ، ایک سو دس پر کہ ایک تیس دو چالیس ہے ایک سو انیس تک ایک بچہ یک سالہ، ایک سو بیس پر کہ چاہے چار تیس سمجھ لو چاہے تین چالیس ایک سو انتیس تک چاہے چار بچے یک سالہ دے چاہے تین بچے دو سالہ۔ اسی قیاس پر ہر تیس پر ایک بچہ یکسالہ، اور ہر چالیس پر ایک بچہ دو سالہ لازم آتا جائے گا اور دہائیوں کے بیچ میں جو اکائیاں نو تک آتی جائیں گی سب معاف ہوں گی اور گائے بھینس مخلوط ہوں تو جو گنتی میں زیادہ ہو اُسی کا بچہ یک سالہ یا دو سالہ لیں گے، اور برابر

ہوں تو اُن میں جو قسم اعلیٰ ہے اس کا ادنیٰ لیا جائے گا یا ادنیٰ کا اعلیٰ ۔ یونہی بھیڑ بکری مخلوط ہونے میں ، مثلاً ایک شخص کے پاس پندرہ پندرہ گائے بھینسیں ہیں جن میں ایک ایک سال کے متعدد بچے دونوں قسم کے ہیں ، کوئی زیادہ فربہ کوئی ہلکا کوئی متوسط ، تو جہاں گائے کا بچہ زیادہ قیمتی سمجھا جاتا ہو تو اُن یکسالہ بچوں میں سب سے ہلکا یا بھینس کے یکسالہ بچوں میں سب سے فربہ لیا جائے گا اور جہاں بھینس کا بچہ بیش قیمت ہو تو اس کے یک سالہ بچوں میں سب سے ہلکا یا گائے کے یک سالہ بچوں میں سب سے فربہ دیا جائے گا ۔ تنویر الابصار و درمختار میں ہے :

(السائمۃ المکتفیۃ بالرعی اکثر العام لقصد الدر والنسل) والسمن فی البدائع لو اسامہا للحم فلا زکوۃ کما لو اسام للحمل والرکوب ولو للتجارۃ ففیہا زکوۃ التجارۃ (فلو علفہا نصفہ لا تکون سائمۃ) فلا زکوۃ للشک فی الموجب[1] (نصاب البقر والجاموس) (ثلثون سائمۃ وفیہا تبیع ذو سنۃ) کاملۃ (او تبیعۃ) انثاہ (وفی اربعین مسن ذو سنتین او مسنۃ) ولا شیئ فیما زاد (الی ستین ففیہا ضعف ما فی ثلثین) وعلیہ الفتوی (ثم فی کل ثلثین تبیع وفی کل اربعین مسنۃ الا اذا تداخلا کمائۃ وعشرین فیخیر بین اربع اتبعۃ وثلاث مسنات وھکذا[2] (ولا شیئ فی عوامل وحمل) بفتحتین ولد

سائمہ وہ چوپایہ ہے جو سال کا اکثر حصہ باہر چر کر گزارا کرے ، اگر ایسا جانور کسی نے دُودھ ، نسل اور گھی کے لیے رکھا ہو ، بدائع میں ہے کہ اگر گوشت کے لیے ہو تو زکوٰۃ نہیں جیسا کہ اگر کسی نے بوجھ لادنے یا سواری کے لیے رکھا تو زکوٰۃ نہیں ، اگر تجارت کیلئے ہے تو اس میں زکوٰۃ ہوگی (اگر نصف سال چارہ ڈالا تو وہ جانور سائمہ نہ ہوگا) اس میں زکوٰۃ نہ ہوگی کیونکہ موجب میں شک ہے (گائے) بھینس (کا نصاب) (تیس ہے ان میں (تبیع) ایک کامل سال کا واجب ہوگا) (یا تبیعہ) اسکی مونث (اور چالیس میں ایک مسن دو سال یا ایک مسنہ) اس پر اضافہ میں کوئی شئی نہیں ، (ساٹھ تک پھر ساٹھ پر تیس میں جو کچھ تھا اس کا دوگنا لازم ہے اور اس پر فتوٰی ہے (پھر ہر تیس پر ایک تبیع اور ہر چالیس پر ایک مسنۃ ہوگا مگر اس صورت میں جب تداخل ہو جائے مثلاً تعداد ایک سو بیس ہوگی تو اب اختیار ہے چار تبیع دے دے یا تین مسنے ، اسی طرح آگے کا معاملہ ہے (محنت ومشقت لینے والے

---

[1] درمختار باب السائمہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۱

[2] 〃 باب زکوٰۃ البقر 〃 ۱/۱۳۲

الشاۃ (وفصیل) ولد الناقۃ (وعجول
بوزن سنور ولد البقرۃ وصورتہ ان یموت
کل الکبار ویتم الحول علی اولادھا الصغار
(الا تبعا لکبیر ولو واحدا (و) لا فی (عفو
وھو ما بین النصب فی کل الاموال[1] اھ ملخصا
ملتقطا۔

جانوروں، بکری کے بچوں، اونٹنی کے بچوں اور گائے
کے بچوں میں زکوٰۃ نہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ
بڑے جانور مرجاتے ہیں اور سال ان کے چھوٹے بچوں
پر مکمل ہوتا ہے (تو اب زکوٰۃ نہیں) مگر اس صورت
میں کہ بڑے موجود ہوں تو ان کی اتباع میں زکوٰۃ ہو گی
اگرچہ بڑا ایک ہو اور عفو میں زکوٰۃ نہیں، اور یہ تمام
اموال میں نصابوں کے درمیانی حصہ کو کہا جاتا ہے ملخصا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

الجاموس ھو نوع من البقر کما فی المغرب
فھو مثل البقر فی الزکوٰۃ والاضحیۃ و
الربا ویکمل بہ نصاب البقر وتوخذ الزکوٰۃ
من اغلبھا وعند الاستواء یوخذ اعلی
الادنی وادنی الاعلی نھر، وعلی ھذا الحکم
البخت والعراب والضان والمعز، ابن
ملک[2]۔

بھینس، گائے کی ایک نوع ہے جیسا کہ مغرب میں
ہے لہذا یہ زکوٰۃ، قربانی اور ربا میں گائے کے حکم
میں ہو گی، اس سے گائے کا نصاب مکمل ہو جاتا
ہے اگر گائیں غالب ہوں تو زکوٰۃ لی جائے گی اور
اگر برابر ہوں تو ان میں جو قسم اعلیٰ ہے اس کا ادنیٰ لیا جائیگا
یا ادنیٰ کا اعلیٰ، نہر۔ اور اسی کے حکم میں بختی اور عربی
اونٹ، بھیڑ اور بکری وغیرہ ہوتے ہیں، ابن الملک (ت)

اسی میں ہے:

النصاب اذا کان ضأنا یوخذ الواجب من
الضان ولو معزا فمن المعز ولو منھما
فمن الغالب ولو سواء فمن ایھما شاء
جوھرۃ ای فیعطی ادنی الاعلی او اعلی الادنی
کما قدمناہ[3]۔

نصاب اگر بھیڑ کا ہے تو بھیڑ ہی وصول کی جائے اور
اگر نصاب بکری کا ہے تو بکری ہی لی جائے گی اور اگر
دونوں سے نصاب ہے تو پھر غالب کا اعتبار ہو گا
اور دونوں برابر ہوں تو جس سے چاہے لے لو، جوہرہ۔
یعنی اعلیٰ سے ادنیٰ یا ادنیٰ سے اعلیٰ لیا جائیگا۔ جیسا
کہ ہم نے پہلے بیان کردیا ہے (ت)

[1] درمختار	باب زکوٰۃ الغنم	مطبع مجتبائی دہلی	۱/۱۳۳
[2] ردالمحتار	باب زکوٰۃ البقر	مصطفی البابی مصر	۲/۱۹
[3] "	باب زکوٰۃ الغنم	"	۲/۲۰

عالمگیریہ میں ہے :

ادنی السن الذی یتعلق بہ وجوب الزکوۃ فی الابل بنت مخاض، وفی البقر تبیع، وفی الغنم ھو الثنی کذا فی شرح الطحاوی[1] اھ ملتقطا

کم از کم وہ عمر جس کے ساتھ اونٹوں میں زکوۃ متعلق ہوتی ہے بنت مخاض ہے، گائے میں تبیع، اور بھیڑ بکریوں میں ثنی، جیسا کہ شرح الطحاوی میں ہے اھ اختصارًا (ت)

درمختار میں ہے :

بنت مخاض ھی التی طعنت فی السنۃ الثانیۃ، وتبیع ذو سنۃ کاملۃ، والثنی من الضان والمعز ھو ما تمت لہ سنۃ[2] اھ بالالتقاط۔

بنت مخاض، جو عمر کے دوسرے سال میں داخل ہو۔ تبیع، ایک سال کی عمر۔ اور بھیڑ و بکری میں ثنی وہ ہوتا ہے جس پر سال مکمل ہو جائے اھ اختصاراً (ت)

ہندیہ میں ہے :

السوائم تجب الزکوۃ فی ذکورھا واناثھا ومختلطھما والسائمۃ ھی التی تسام فی البراری لقصد الدر والنسل والزیادۃ فی الثمن والسمن کذا فی محیط السرخسی[3]۔

سائمہ چوپایوں مذکر و مؤنث اور ان دونوں کے اختلاط پر زکوۃ ہے۔ اور سائمہ وہ چوپائے ہوتے ہیں جو جنگل میں چریں اور ان سے مقصد دودھ، نسل، ثمن میں اضافہ اور گھی کا حصول ہو۔ محیط سرخسی میں اسی طرح ہے۔ (ت)

جب یہ قواعد معلوم ہولئے، حکم مسئلہ مسئولہ واضح ہوگیا۔ اٹھارہ بیل اور دو بھینسے کہ کاشتکاری کے لیے ہیں اُن پر کچھ نہیں، اور ایک سال سے کم کے بچے اگرچہ خود محلِ وجوب نہیں مگر یک سالہ کے ساتھ مل کر ان پر بھی وجوب ہوتا ہے تو سب جانور سینتالیس ہوئے جن پر ایک بچہ دو سال کامل کی عمر کا واجب ہے اور از انجا کہ ان میں زیادہ گائے ہیں تو یہ دو سالہ گائے کا ہی بچہ دیا جائے گا بچھڑا ہو خواہ بچھیا، اور ازاں جا کہ ان میں زیادہ مادہ ہیں سینتالیس میں اکیس گائے ہیں اور دو بھینسیں پوری، دو جھوٹیاں۔ تو افضل یہ ہے کہ دو برس کامل کی بچھیا زکوۃ میں دے، فی الھندیۃ عن التتارخانیۃ عن العتابیۃ ہندیہ میں تتارخانیہ سے عتابیہ سے ہے گائے

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب الثانی فی صدقۃ السوائم فصل ثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۷۸-۱۷۷

[2] درمختار باب نصاب الابل وزکوۃ البقر وزکوۃ الغنم مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۱ تا ۱۳۳

[3] فتاوٰی ہندیۃ الباب الثانی فی صدقۃ السوائم نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۷۶

الافضل فی البقر ان یؤدی من الذکر التبیع ومن الاثنی التبیعة[1]۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

میں افضل یہ ہے کہ مذکر میں تبیع اور مونث میں تبیعہ دیا جائے۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹ از گونڈہ بہرائچ محلہ چھاؤنی مکان مولوی مشرف علی صاحب مرسلہ سید حسین صاحب دامت برکاتہم ۱۳ جمادی الاولٰی ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں لطف اللہ بہم اجمعین زکوٰۃ کن کن مصارف میں دینا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

مصرفِ زکوٰۃ ہر مسلمان حاجتمند جسے اپنے مال مملوک سے مقدار نصاب فارغ عن الحوائج الاصلیہ پر دسترس نہیں بشرطیکہ نہ ہاشمی ہو، نہ اپنا شوہر، نہ اپنی عورت اگرچہ طلاق مغلظہ دے دی ہو جب تک عدت سے باہر نہ آئے، نہ وہ جو اپنی اولاد میں ہے جیسے بیٹا بیٹی، پوتا پوتی، نواسا نواسی، نہ وہ جن کی اولاد میں یہ ہے جیسے ماں باپ، دادا دادی نانا نانی اگرچہ یہ اصلی وفرعی رشتے عیاذاً باللہ بذریعہ زنا ہوں، نہ اپنا یا ان پانچوں قسم میں کسی کا مملوک اگرچہ مکاتب ہو، نہ کسی غنی کا غلام غیر کاتب نہ مردِ غنی کا نابالغ بچہ، نہ ہاشمی کا آزاد بندہ، اور مسلمان حاجتمند کہنے سے کافر وغنی پہلے ہی خارج ہو چکے۔ یہ سولہ شخص ہیں جنھیں زکوٰۃ دینی جائز نہیں، ان کے سوا سب کو روا۔ مثلاً ہاشمیہ بلکہ فاطمیہ عورت کا بیٹا جبکہ باپ ہاشمی نہ ہو کہ شرع میں نسب باپ سے ہے، بعض متہورین کہ ماں کے سیدانی ہونے سے سید بن بیٹھے اور باوجود تفہیم اس پر اصرار کرتے ہیں بحکم حدیثِ صحیح مستحقِ لعنتِ الٰہی ہوتے ہیں والعیاذ باللہ تعالٰی وقد اوضحنا ذٰلک فی فتاوٰنا (اللہ تعالٰی کی پناہ اور ہم نے اسے اپنے فتاوٰی میں خوب واضح کر دیا ہے۔ ت) اسی طرح غیر ہاشمی کا آزاد شدہ بندہ اگرچہ خود اپنا ہی ہو یا اپنے اصول وفروع وزوج وزوجہ وہاشمی کے علاوہ کسی غنی کا مکاتب یا زنِ غنیہ کا نابالغ بچہ اگرچہ یتیم ہو یا اپنے بہن بھائی، چچا، پھوپھی، خالہ، ماموں بلکہ انھیں دینے میں دُونا ثواب ہے، زکوٰۃ وصلۂ رحم یا اپنی بہو یا داماد یا ماں کا شوہر یا باپ کی عورت یا اپنے زوج یا زوجہ کی اولاد کہ ان سولہ کو بھی دینا روا، جبکہ یہ سولہ اول سولہ سے نہ ہوں، زانجا کہ انھیں اُن سے مناسبت ہے جس کے باعث ممکن تھا کہ ان میں بھی عدمِ جواز کا وہم جاتا لہٰذا فقیر نے انھیں بالتخصیص شمار کر دیا اور نصاب مذکور پر دسترس نہ ہونا چند صورت کو شامل،

ایک یہ کہ سرے سے مال ہی نہ رکھتا ہو اُسے مسکین کہتے ہیں۔

دوم مال ہو مگر نصاب سے کم، یہ فقیر ہے۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثالث فی زکوٰۃ البقر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۷۸

سوم نصاب بھی مگر حوائج اصلیہ میں مستغرق جیسے مدیون۔

چہارم حوائج سے فارغ ہو مگر اسے دسترس نہیں، جیسے ابن السبیل یعنی مسافر جس کے پاس خرچ نہ رہا تو بقدر ضرورت زکوٰۃ لے سکتا ہے اس سے زیادہ اسے لینا روا نہیں۔ یا وُہ شخص جس کا مال دوسرے پر دین مؤجل ہے اور ہنوز میعاد نہ آئی اب اسے کھانے پہننے کی تکلیف ہے تو میعاد آنے تک بقدر حاجت لے سکتا ہے یا وہ جس کا مدیون غائب ہے، یا لے کر مکر گیا اگرچہ یہ ثبوت رکھتا ہو کہ ان سب صورتوں میں دسترس نہیں بالجملہ مدار کار حاجتمندی بمعنی مذکور پر ہے تو جو نصاب مذکور پر دسترس رکھتا ہے ہرگز زکوٰۃ نہیں پاسکتا اگرچہ غازی ہو یا حاجی یا طالب علم یا مفتی مگر عاملِ زکوٰۃ جسے حاکمِ اسلام نے اربابِ اموال سے تحصیلِ زکوٰۃ پر مقرر کیا وہ جب تحصیل کرے تو بحالت غنی بھی بقدر اپنے عمل کے لے سکتا ہے، اگر ہاشمی نہ ہو۔ پھر دینے میں تملیک شرط ہے، جہاں یہ نہیں جیسے محتاجوں کو بطورِ اباحت اپنے دسترخوان پر بٹھلا کر کھلا دینا یا میّت کے کفن دفن میں لگانا یا مسجد، کنواں، خانقاہ، مدرسہ، پل، سرائے وغیرہ بنوانا ان سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اگر ان میں صرف کیا چاہے تو اس کے وہی حیلے ہیں جو ہمارے فتاوٰی میں مسطور ہیں،

هذا كله ملخص ما استقر عليه الامر في تنوير الابصار والدر المختار ورد المحتار وغيرها من معتبرات الاسفار وقد لخصناه بتوفيق الله تعالٰى احسن تلخيص لعله لا يوجد من غيرنا ولله الحمد، فمن شك في شيء من هذا فليراجع الاصول التي سمينا

یہ اس تمام گفتگو کا خلاصہ ہے جس پر تنویر الابصار، درمختار، ردالمحتار اور دیگر کتبِ معتبرہ میں معاملہ کو ثابت کیا ہے اور ہم نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے اس کی سب سے اچھی تلخیص کی ہے، شاید یہ ہمارے علاوہ کہیں نہ ملے وللہ الحمد۔ اور جس شخص کو اس بارے میں شک ہو وہ ان اصول و کتب کی طرف رجوع کرے خواہ

عہ اگر دین معجل خواہ ابتداءً ہے یا یُوں کہ اجل مقرر ہوئی تھی گزر چکی اور مدیون غنی مقر حاضر ہے تو یہ صورت دسترس کی ہے اور یاد رکھنا چاہیے کہ قرض جسے لوگ دست گرداں کہتے ہیں شرعاً ہمیشہ معجل ہوتا ہے، اگر ہزار عہد و پیمان و وثیقہ و تمسّک کے ذریعہ اس میں میعاد قرار پائی ہو کہ اتنی مدت کے بعد دیا جائے گا اس سے پہلے اختیارِ مطالبہ نہ ہوگا اگر مطالبہ کرے تو باطل و نامسموع ہو وغیرہ وغیرہ ہزار شرطیں اس قسم کی کرلی ہوں تو وُہ سب باطل ہیں اور قرض دہندہ کو ہر وقت اختیارِ مطالبہ ہے،

لانه تبرع ولا جبر على المتبرع وقد نص في الاشباه والدر وغيرهما انه لا يصح تاجيل القرض ۱۲ منه غفرله (م)

کیونکہ یہ تبرع ہے اور تبرع میں جبر نہیں۔ اشباہ، دُرّ اور دیگر کتب میں یہ تصریح ہے کہ ادائیگیِ قرض کا وقت مقرر کرنا صحیح نہیں ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

او لم نسلم نعم لاباس ان نورد نصوص بعض مایکاد یخفی او یستغرب، ففی رد المحتار شمل الولاد بالنکاح والسفاح فلا یدفع الی ولدہ من الزنا[1] الخ وفیہ تحت قولہ او بینھما زوجیۃ ولو مبانۃ ای فی العدۃ ولو بثلاث نھر عن معراج الدرایۃ[2] اھ وفیہ تحت قولہ ولا الی مملوک المزکی ولو مکاتبا وکذا مملوک من بینہ وبینہ قرابۃ ولاد او زوجیۃ لما قال فی الفتح[3] الخ وفیہ تحت قولہ وبخلاف طفل الغنیۃ فیجوز ای ولو لم یکن لہ اب بحر عن القنیۃ[4] اھ وفیہ وقید بالولاد لجوازہ لبقیۃ الاقارب کالاخوۃ والاعمام والاخوال الفقراء بل ھم اولٰی لانہ صلۃ وصدقۃ ویجوز دفعھا لزوجۃ ابیہ وابنہ و زوج ابنتہ، تاترخانیہ[5] اھ ملخصا وفیہ من کتاب الوصایا تحت قولہ الشرف

ان کے ہم نے نام لیے ہیں یا نہیں، ان میں سے بعض ایسی نصوص کے ذکر میں بھی کوئی حرج محسوس نہیں کرتے جنھیں مخفی یا نادر سمجھا گیا ہے۔ ردالمحتار میں ہے یہ تمام اولاد کو شامل ہے خواہ وہ نکاح کی وجہ سے ہو یا زنا کی وجہ سے، لہٰذا اولادِ زنا کو بھی زکوٰۃ نہیں دی جائیگی الخ اور اسی میں ماتن کے قول "یا ان کے درمیان زوجیت کا رشتہ ہو خواہ وہ مبانہ ہو یعنی خواہ وہ تین طلاق ہوجانے پر عدت بسر کررہی ہو، یہ نہر میں معراج الدرایہ سے ہے اھ اور اسی میں ماتن کے قول" زکوٰۃ دینے والا اپنے غلام کو نہ دے خواہ وہ مکاتب ہو کے تحت ہے" اور اسی طرح اس غلام کا حکم ہے جس کے اور زکوٰۃ دینے والے کے درمیان رشتہ اولاد یا زوجیت ہو، اس دلیل کے پیش نظر جو بحر اور فتح میں ہے اور اسی میں ماتن کے قول" بخلاف غنی عورت کے بچے کے کہ اسے دینا جائز ہے یعنی اس کا والد نہ ہو، یہ بحر میں قنیہ سے ہے اھ اور اسی میں ہے کہ اولاد کی قید اسی لیے ہے کہ باقی اقارب مثلاً بھائی بہنیں، چچا اور خالو اگر فقراء ہوں تو انھیں زکوٰۃ دی جاسکتی ہے بلکہ یہ لوگ زکوٰۃ کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ یہاں صلہ رحمی اور صدقہ دو چیزیں جمع ہوجاتی ہیں، اپنے والد اور بیٹے کی بیوی اور اپنے داماد کو زکوٰۃ جائز ہے تاتارخانیہ اھ ملخصاً اور اسی میں کتاب الوصایا سے ماتن کے قول" فقط

---

[1] و [2] و [3] ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۲/۶۹
[4] ردالمحتار " " ۲/۶۲
[5] " " " ۲/۶۹

من الام فقط غير معتبر، يؤيده
قول الهندية عن البدائع فثبت ان
الحسب والنسب يختص بالاب دون الام[1]
فلا تحرم عليه الزكوة ولا يكون كفواً
للهاشمية ولا يدخل فی الوقف على
الاشراف[1] ط اھ وفيه وقال فی الفتح ايضا
ولا يحل له ای لابن السبيل ان
ياخذ اكثر من حاجته، قلت وهذا
بخلاف الفقير فانه يحل له ان ياخذ
اكثر من حاجته وبهذا فارق ابن
السبيل كما افاده فی الذخيرة اھ وفيه تحت
قوله ومنه مالوكان ماله مؤجلا ای اذا
احتاج الى النفقة يجوز له اخذ الزكوة
قدر كفايته الى حلول الاجل نهر عن الخانية
اھ، وفيه تحت قوله او على غائب ای
ولو كان حالا لعدم تمكنه من اخذه[2] ط اھ
وفيه تحت قوله او معسر او جاحد ولو له
بينة فی الاصح، فيجوز له الاخذ فی اصح
الاقاويل لانه بمنزلة ابن السبيل
ولو موسرا معترفا لا يجوز كما فی الخانية[3]
اھ، وفيه تحت قوله و
فی سبيل الله وهو منقطع

ماں کی وجہ سے شرف معتبر نہیں" کے تحت ہے کہ
ہندیہ نے بدائع سے جو لکھا ہے وہ اس کا مؤید ہے
تو ثابت ہوگیا کہ حسب ونسب والد کے ساتھ مختص
ہے نہ کہ ماں کے ساتھ اھ پس اس پر زکوٰۃ حرام نہیں
اور نہ ہی وہ ہاشمی کا کفو بنے گا اور سادات پر وقف
میں شامل نہ ہوگا۔ اور اسی میں ہے فتح میں بھی ہے
کہ اس (مسافر) کے لیے ضرورت سے زائد لینا جائز
نہیں، میں کہتا ہوں بخلاف فقیر کے کہ اس کے لیے
ضرورت سے زائد لینا جائز ہے، اسی سے فقیر اور
مسافر کے درمیان فرق واضح ہوگیا، جیسا کہ اس کا
بیان ذخیرہ میں ہے اھ اور اس میں ماتن کے قول
"اور ایسی ہی صورت وہ ہے جس میں مال کے حصول کیلئے وقت
مقرر ہو یعنی خرچہ کی ضرورت ہو تو وقت مقرر آنے تک
بقدر کفایت زکوٰۃ لینا جائز ہے یہ نہر میں خانیہ سے
ہے اور اس میں ماتن کے قول "یا وہ قرضہ کسی غائب پر ہے"
کے تحت ہے یعنی اگرچہ قرضہ حالی ہو کیونکہ اس وقت اس
کے حصول پر قادر نہیں اور اسی میں ماتن کے قول" یا
مقروض تنگ دست یا منکر ہو اگرچہ اصح قول کے
مطابق گواہ بھی ہوں" کے تحت ہے کہ اصح قول کے
مطابق ایسے شخص کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے کیونکہ وہ مسافر
کی طرح ہے اور اگر مقروض امیر اور معترف ہو تو جائز
نہیں جیسا کہ خانیہ میں ہے اھ اور اسی میں ماتن کے

---

[1] ردالمحتار باب الوصیۃ للاقارب مصطفی البابی مصر ۵/۴۸۴
[2] و [3] ردالمحتار باب المصرف " ۲/۶۷

الغزاۃ وقیل الحاج وقیل طلبۃ العلم و فسرہ فی البدائع بجمیع القرب، قال فی النھر و الخلف لفظی للاتفاق علی ان الاصناف کلھم سوی العامل یعطون بشرط الفقر اھ[1] (ملخصا) وفیہ تحت قولہ وبھذا التعلیل یقوی ما نسب للواقعات من ان طالب العلم یجوز لہ اخذ الزکوۃ ولو غنیا اذا فرغ نفسہ لافادۃ العلم واستفادتہ ھذا الفرع مخالف لاطلاقھم الحرمۃ فی الغنی ولم یعتمدہ احد ط قلت وھو کذلک والاوجہ تقییدہ بالفقیر[2] الی اخر ما افاد علیہ رحمۃ الجواد۔ و اللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

قول "اور اللہ کی راہ میں" سے مراد وہ غازی ہیں جن کے پاس جہاد کا خرچہ نہیں، بعض نے حاجی قرار دیا، بعض کے نزدیک طلبہ مراد ہیں۔ بدائع میں اس کلمہ کی تفسیر "تمام ثواب والے کام" سے کی ہے، نہر میں ہے کہ اختلاف لفظی ہے کیونکہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ عامل کے سوا تمام مصارف پر تب خرچ کیا جائے گا جب وہ فقیر ہوں اھ اور اسی میں ماتن کے قول "اس علت کے بیان سے واقعات کی طرف منسوب اس قول کی تقویت ہو جاتی ہے کہ طالبعلم کو زکوٰۃ لینا جائز ہے خواہ وہ غنی ہو بشرطیکہ اس نے اپنے آپ کو علم پڑھانے اور پڑھنے کے لئے مختص کر رکھا ہو کہ یہ تفریع فقہاء کرام کے حرمتِ زکوٰۃ کو غنی کے لئے مطلق رکھنے کے خلاف ہے جبکہ اس پر کسی نے اعتماد نہیں کیا، ط۔ میں کہتا ہوں یہ معاملہ یونہی ہے، موزوں یہی ہے کہ طالبعلم کو فقیر ہونے سے مقید کیا جائے (ان کے افادہ کے آخر تک ان پر اللہ تعالٰی جواد کی رحمت ہو، واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۰: از شہر بہرائچ محلہ ناظر پورہ مسئولہ حکیم محمد عبدالوکیل صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمی زید نے مسجد یا کنواں مسجد سے متعلق طاہر پانی کے لیے تیار کیا اور بوجہ کمی سرمایہ کے بالآخر قرضدار ہو گیا لہذا اس صورت میں مالِ زکوٰۃ دینا جائز ہے کیونکہ قرضدار کو اس کے قرضہ ادا کرنے کے لیے مالِ زکوٰۃ لینا شرعاً جائز ہے کیونکہ منجملہ مصارف مال زکوٰۃ کے قرضہ بھی ایک مصرف ہے۔ بینوا توجروا

الجواب

جس پر اتنا دین ہو کہ اُسے ادا کرنے کے بعد اپنی حاجاتِ اصلیہ کے علاوہ چھپن روپے کے مال کا مالک نہ رہے گا اور وہ ہاشمی نہ ہو، نہ یہ زکوٰۃ دینے والا اس کی اولاد میں ہو، نہ باہم زوج و زوجہ ہوں، اسے زکوٰۃ دینا بیشک جائز

---

[1] ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۲/ ۶۴

[2] " " " ۲/ ۶۵

بلکہ فقیر کو دینے سے افضل، ہر فقیر کو چھپن روپے دفعۃً نہ دینا چاہئیں، اور مدیون پر چھپن ہزار دین ہو تو زکوٰۃ کے چھپن ہزار ایک ساتھ دے سکتے ہیں قال اللہ تعالٰی والغارمین[1] (اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے اور مقروض لوگوں پر زکوٰۃ خرچ کی جائے۔ ت) دُرمختار میں ہے:

ومدیون لایملك نصابا فاضلا عن دینہ و فی الظھیریۃ الدفع للمدیون اولٰی منہ للفقیر[2]

مقروض وہ شخص ہوتا ہے جو قرض سے فاضل نصاب کا مالک نہ ہو، ظہیریہ میں ہے: مدیون کو زکوٰۃ دینا فقیر سے اولٰی ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ونقل ط عن الحموی انہ یشترط ان لایکون ھاشمیا[3] واللہ تعالٰی اعلم۔

اور طحطاوی نے حموی سے نقل کیا کہ شرط یہ ہے کہ مدیون ہاشمی نہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۱ تا ۱۰۲ مسئولہ رشید احمد متعلم مدرسہ اہلسنت والجماعت ۷ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسئلوں میں کہ کسی شخص نے اپنے مال میں سے زکوٰۃ نکالی وہ روپیہ ان شخصوں کو دینا چاہئے یا نہیں:

(۱) یہ کہ اگر چچا چچی و چچازاد بھائی و بہنوں کو کچھ دے دیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

(۲) یہ کہ ماموں و ممانی و نانا و نانی اور ماموں زاد بھائی اور بہنوں کو دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) یہ کہ پھوپھا و پھوپھی اور ان کی اولاد کو دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۴) یہ کہ اگر اپنی ہمشیرہ ہے اور اس کی شادی کردی اور اس کا خاوند کم توجہ کرتا ہے تو اس کو زکوٰۃ کا مال دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۵) یہ کہ بھانجی بھانجے کو کچھ دے دیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

(۶) یہ کہ اگر زکوٰتی روپے سے لحاف میں روئی ڈلوا کر غریبوں کو تقسیم کردیں تو جائز ہے یا نہیں؟

(۷) یہ کہ اگر طالب علم کو کچھ دے دیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

(۸) یہ کہ اگر بہنوئی کو کچھ دے دیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

---

[1] القرآن ۹/۶۰

[2] درمختار باب المصرف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۰

[3] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۲/۶۷

(۹) یہ کہ اگرچہ معلوم ہو کہ یہ شخص غریب معلوم ہوتا ہے اور پوشیدہ اس کے پاس چاہے کچھ ہو اس کو دینا جائز ہے یا نہیں ؛

(۱۰) یہ کہ ان روپوں میں سے فقیروں کو جو مانگتے پھرتے ہیں دینا جائز ہے یا نہیں ؟

(۱۱) علاوہ اس کے وہ بات کہ جس میں روپیہ زکوٰۃ صرف کیا جائے وہ برائے مہربانی تحریر کر دیجئے گا۔

(۱۲) یہ کہ اگر مولود شریف میں یا نیاز دعا میں صرف کیا جائے تو جائز ہے یا نہیں ؛ بینوا توجروا

الجواب

(۱) ہاں جائز ہے جبکہ مصرف ہو۔

(۲) نانا نانی کو ناجائز باقی چاروں کو جائز۔

(۳) ان سب کو دے سکتے ہوں جبکہ نہ غنی ہوں نہ غنی باپ کے بچے نہ ہاشمی۔

(۴) جائز ہے جبکہ محتاج ہو۔

(۵) ان کو بھی بشرائط مذکورہ جائز ہے۔

(۶) ہاں رُوئی کی قیمت زکوٰۃ میں لگا سکتا ہے جبکہ بہ نیت زکوٰۃ دے مگر بھرائی کی اُجرت زکوٰۃ میں شمار نہ ہوگی۔

(۷) جائز ہے جبکہ غنی و ہاشمی نہ ہو۔

(۸) بشرطِ مذکورہ جائز ہے۔

(۹) جبکہ اُسے اُس کا اندرونی حال معلوم نہیں تو ظاہر محتاجی پر عمل کر کے زکوٰۃ دے سکتا ہے۔

(۱۰) جائز ہے مگر جوان تندرست جو بھیک مانگنے کا پیشہ کر لیتے ہیں جیسے جوگی سادھو بچے ان کو دینا جائز نہیں۔

(۱۱) محتاج فقیر جو نہ ہاشمی ہو نہ غنی باپ کا نابالغ بچہ، نہ اپنی اولاد جیسے بیٹا بیٹی، پوتا پوتی، نواسا نواسی، نہ یہ اس کی اولاد جیسے ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی، نہ اپنی زوجہ، نہ عورت کا اپنا شوہر، ایسے محتاج کو جوان سب کے سوا ہو بہ نیت زکوٰۃ دے کر مالک کر دینے سے زکوٰۃ ادا ہوتی ہے و بس۔

(۱۲) مجلس میلاد پاک میں حصہ عام تقسیم ہوتا ہے غنی فقیر مصرف غیر مصرف کی تخصیص نہیں ہوتی، یونہی نیاز کی تقسیم میں تو اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہو سکتی، ہاں جو حصے خاص فقراء مصرف زکوٰۃ کو دے اُس کا شمار ان کو دینے میں زکوٰۃ کی نیت کرے تو وہ زکوٰۃ میں محسوب ہو سکتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۳ از مراد آباد مسئولہ امیر حسن صاحب رضوی ۹ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ صدقۂ فطر کس قدر دینا چاہئے اور کس کو دینا چاہئے اور کس وقت ادا کرے اور کس کی طرف سے ؛ بینوا توجروا

الجواب

صدقۂ فطر سو روپے کے سیر سے پونے دو سیر اٹھنی بھر اوپر دیا جائے اور اس کے مصرف وہی لوگ ہیں جو مصرفِ زکوٰۃ ہیں اور اس کے دینے کا وقت واسع ہے، عید الفطر سے پہلے بھی دے سکتا ہے اور بعد بھی، مگر بعد کو تاخیر نہ چاہیے بلکہ اولیٰ یہ ہے کہ نمازِ عید سے پہلے نکال دے کہ حدیث میں ہے، صاحبِ نصاب کے روزے معلق رہتے ہیں جب تک یہ صدقہ ادا نہ کرے گا۔ اپنی طرف سے اور اپنے بچوں کی طرف سے دینا واجب ہے اور باندی غلام کی طرف سے بھی جو اس کی ملک ہیں، بی بی یا بالغ بچوں کی طرف سے دینا واجب نہیں اگر وہ صاحبِ نصاب ہیں، آپ دیں یا اُن کی اجازت سے یہ دے، بلا اجازت ان کی طرف سے ادا نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۰۴

میرے عزیزوں میں ایک شخص نابینا اور قرضدار ہیں جائیداد ان کے ہے لیکن قرضداری سے کم ہے اور قبضہ دوسرے شخص کا ہے، اُن کو آمد بھی پورے پورے طور سے نہیں ملتی، زکوٰۃ ان کو دینی چاہیے یا نہیں؟ فقط

الجواب

ہاں بلکہ عزیزوں کو دینے میں دُونا ثواب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۰۵ از حاجی عبدالکریم نور محمد جنرل مرچنٹ چوک ناگپور ۹ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

زکوٰۃ کا پیسہ طلبہ کو دے سکتے ہیں امداد کے لیے یا نہیں؟

الجواب

طلبہ کہ صاحبِ نصاب نہ ہوں انھیں زکوٰۃ دی جاسکتی ہے بلکہ اُنھیں دینا افضل ہے جبکہ وہ طلبہ علمِ دین بطورِ دین پڑھتے ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۰۶ از شہر بریلی دفتر انجمن خادم المسلمین ۲۲ شعبان ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ پیشہ ور گداگروں کو زکوٰۃ و خیرات کا مال دینے سے زکوٰۃ ادا ہوتی ہے یا نہیں اور مذہبی و تمدنی نقطۂ نظر سے کہاں تک یہ گروہ زکوٰۃ کا مستحق ہے اور پیشہ ور گداگروں کی ہمت افزائی نہ کرنا کہاں تک جائز ہے؟

الجواب

گدائی تین قسم ہے:

ایک غنی مالدار جیسے اکثر جوگی اور سادھو بچے انھیں سوال کرنا حرام اور انھیں دینا حرام، اور اُن کے دیے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوسکتی، فرض سر پر باقی رہے گا۔

دوسرے وُہ کہ واقع میں فقیر ہیں قدرِ نصاب کے مالک نہیں مگر قوی و تندرست کسب پر قادر ہیں اور سوال کسی ایسی ضرورت کے لیے نہیں جو ان کے کسب سے باہر ہو کوئی حرفت یا مزدوری نہیں کی جاتی مفت کا کھانا کھانے کے عادی ہیں اور اس کے لیے بھیک مانگتے پھرتے ہیں انھیں سوال کرنا حرام، اور جو کچھ انھیں اس سے ملے وہ ان کے حق میں خبیث کہ حدیث شریف میں،

لا تحل الصدقۃ لغنی ولا لذی مرۃ سوی۔[1] صدقہ حلال نہیں کسی غنی کے لیے اور نہ کسی توانا و تندرست کے لیے (ت)

انھیں بھیک دینا منع ہے کہ معصیت پر اعانت ہے، لوگ اگر نہ دیں تو مجبور ہوں کچھ محنت مزدوری کریں۔

قال اللہ تعالٰی ولا تعاونوا علی الاثم و العدوان۔[2] اللہ تعالٰی کا مبارک فرمان ہے: گناہ اور زیادتی پر تعاون نہ کرو (ت)

مگر ان کے دئے سے زکوٰۃ ادا ہو جائیگی جبکہ اور کوئی مانع شرعی نہ ہو کہ فقیر ہیں،

قال اللہ تعالٰی انما الصدقت للفقراء۔[3] اللہ تعالٰی کا فرمان مبارک ہے صدقات فقراء کے لیے ہیں (ت)

تیسرے وُہ عاجز ناتواں کہ نہ مال رکھتے ہیں نہ کسب پر قدرت، یا جتنے کی حاجت ہے اتنا کمانے پر قادر نہیں انھیں بقدرِ حاجت سوال حلال، اور اس سے جو کچھ ملے ان کے لیے طیب، اور یہ عمدہ مصارفِ زکوٰۃ سے ہیں اور انھیں دینا باعثِ اجرِ عظیم، یہی ہیں وُہ جنھیں جھڑکنا حرام ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۱: از ناگوار مارواڑ از دکان قادر بخش مرسلہ محمد بخش پریزیڈنٹ انجمن مدرسہ حمیدیہ اسلامیہ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مالِ زکوٰۃ مدرسہ اسلامیہ میں دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

مدرسہ اسلامیہ اگر صحیح اسلامیہ خاص اہلسنت کا ہو۔ نیچریوں، وہابیوں، قادیانیوں، رافضیوں، دیوبندیوں وغیرہم مرتدین کا نہ ہو تو اس میں مالِ زکوٰۃ اس شرط پر دیا جا سکتا ہے کہ مہتمم اس مال کو جُدا رکھے اور خاص تملیکِ فقیر کے مصارف میں صرف کرے مدرسین یا دیگر ملازمین کی تنخواہ اس سے نہیں دی جا سکتی۔

---

[1] جامع الترمذی ابواب الزکوٰۃ باب ما جاء من لا تحل لہ الصدقۃ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۸۳

[2] القرآن ۵/۲

[3] القرآن ۹/۶۰

نہ مدرسہ کی تعمیر یا مرمت یا فرش وغیرہ میں صرف ہوسکتی ہے، نہ یہ ہوسکتا ہے کہ جن طلبہ کو مدرسہ سے کھانا دیا جاتا ہے اس روپے سے کھانا پکا کر اُن کو کھلایا جائے کہ یہ صورتِ اباحت ہے اور زکوٰۃ میں تملیک لازم، ہاں یُوں کرسکتے ہیں کہ جن طلبہ کو کھانا دیا جاتا ہے اُن کو نقد روپیہ بہ نیت زکوٰۃ دے کر مالک کردیں پھر وُہ اپنے کھانے کیلئے واپس دیں یا جن طلبہ کا وظیفہ نہ اجرۃً بلکہ محض بطور امداد ہے اُن کے وظیفے میں دیں یا کتابیں خرید کر طلبہ کو اُن کا مالک کردیں۔ ہاں اگر روپیہ بہ نیت زکوٰۃ کسی مصرف زکوٰۃ دے کر مالک کردیں وُہ اپنی طرف سے مدرسہ کو دے دے تو تنخواہ مدرسین وملازمین وغیرہ جملہ مصارف مدرسہ میں صرف ہوسکتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۸: از حافظ محمد ایاز صاحب از قصبہ نجیب آباد ضلع بجنور محلہ پٹھان پورہ ۲۴ محرم ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر زکوٰۃ کے روپے سے دوچار کتب دینی مثل فتاوٰی عالمگیری و مشکوٰۃ شریف وغیرہ خرید کر کے دوسرے شخص کے پاس بطور وقف رکھ دی جائیں تاکہ عام کو اس سے فیض پہنچے اس وجہ سے ایسی کتاب بوجہ بیش قیمت ہونے کے یہاں میسر نہیں ہے تو اس کے واسطے کیا صورت ہونی چاہئے کہ زکوٰۃ بھی ادا ہوجائے اور کتابوں کی کارروائی بھی ہوجائے۔

الجواب

مالِ زکوٰۃ سے وقف ناممکن ہے کہ وقف کسی کی ملک نہیں ہوتا اور زکوٰۃ میں فقیر کی تملیک شرط ہے اس کی تدبیر یوں ہوسکتی ہے کہ کسی نیک بندہ کو جو زکوٰۃ کا مصرف ہے بہ نیت زکوٰۃ دے کر مالک کردیا جائے اور وُہ اپنی طرف سے کتابیں خرید کر وقف کردے۔ ایک اور حیلہ بھی ممکن ہے مثلاً سَو روپے کی کتابیں وقف کرنے کے لیے خریدنی ہیں اور اس پر سَو روپے زکوٰۃ کے آتے ہیں تو من دو من گیہوں مثلاً کسی فقیر کے ہاتھ سو روپے کو بیع کرے اور اُسے سمجھا دے کہ یہ قیمت تمھیں ہم ہی دینگے جب وُہ خرید لے تو اب اسے سَو روپے بہ نیتِ زکوٰۃ دے جائیں، جب وُہ قبضہ کرلے اب اس سے اس آتی ہوئی قیمت میں روپے لے لیے جائیں، اگر نہ دے تو جبراً لے سکتا ہے کہ وُہ اس کا مدیون ہے، اب اس روپے سے کتابیں خرید کر وقف کردیں، المسئلۃ منصوص علیہا فی الدر المختار والمعتمدات الاسفار (درمختار اور دیگر معتمد کتب میں اس مسئلہ پر نص ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۹ تا ۱۱۰: حاجی عیسٰے صاحب کاٹھیاوار ۲۲ رمضان شریف ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ،

(۱) ایک مسجد میں بلحاظ مصلیان بہت کم گنجائش ہے یا بایں وجہ کہ ہر وقت کی نماز میں کش مکش کا سامنا ہوتا ہے لہذا ایسی حالت میں اگر کوئی صاحب زکوٰۃ اپنی زرِ زکوٰۃ کو کسی غریب مسلمان شخص کی ملکیت قائم کرکے اس مکان کو جو مسجد سے ملا ہوا ہے خرید کرکے شاملِ مسجد کردے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ مکرر آنکہ

مسجد مذکور کے قرب وجوار کے مسلمانوں میں اس قدر استطاعت نہیں کہ جو چندہ فراہم کرکے مکان مذکور کو خرید سکیں۔

(۲) ایسی کتاب دینی جو اگر طبع کی جائے تمام مسلمانانِ عالم میں مفید ثابت ہوسکتی ہے اگر کوئی شخص زرِ زکوٰۃ سے چندہ فراہم کرکے کتاب مذکور بغرض رفاہِ عام چھپوائے تو ان چندہ دہندگان اصحاب کا زرِ زکوٰۃ ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب

(۱) جبکہ اس نے فقیر مصرف زکوٰۃ کو بہ نیت زکوٰۃ دے کر مالک کر دیا زکوٰۃ ادا ہوگئی اب وہ فقیر مسجد میں لگا دے دونوں کے لیے اجر عظیم ہوگا، درمختار میں ہے:

وحیلۃ التکفین بہا التصدق علی فقیر ثم ہو یکفن فالثواب لہما وکذا فی تعمیر المسجد[1]۔

کفن بنانے کے لیے یہ حیلہ ہے کہ صدقہ فقیر کو دیا جائے پھر وہ فقیر کفن بنا دے تو ثواب دونوں کے لیے ہوگا اسی طرح تعمیرِ مسجد میں حیلہ کیا جاسکتا ہے۔(ت)

بحرالرائق میں زیر قول متن لا الٰی بناء مسجد وتکفین میت وقضاء دینہ وشراء قن یعتق (زکوٰۃ سے تعمیرِ مسجد، میت کے لیے کفن اور اس کا ادا، قرض اور ایسے غلام کا خریدنا جائز نہیں جسے آزاد کر دیا گیا ہو۔ت) فرمایا:

والحیلۃ فی الجواز فی ھذہ الاربعۃ ان یتصدق بمقدار زکوٰتہ علی فقیر ثم یأمرہ بعد ذٰلک الصرف فی ھذہ الوجوہ فیکون لصاحب المال ثواب الزکوٰۃ وللفقیر ثواب ھذہ الصرف کذا فی المحیط[2]۔

ان چاروں میں جواز کا حیلہ یہ ہے کہ آدمی زکوٰۃ فقیر کو دے پھر اسے کہے کہ ان چاروں پر خرچ کرے، صاحبِ مال کیلئے زکوٰۃ کا ثواب اور فقیر کے لیے خرچ کا ثواب ہوگا۔ کذا فی المحیط (ت)

(۲) جائز ہے اور اس میں چندہ دہندوں کے لیے اجر عظیم اور ثواب جاری ہے، جب تک وہ کتاب باقی رہے گی اور نسلاً بعد نسل جن جن مسلمانوں کو فائدہ دے گی ہمیشہ ان سب کا اجر ایک چندہ دہندے کو اُس کی حیات میں اور اُس کی قبر میں پہنچتا رہے گا۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا مات الانسان انقطع عملہ الا من ثلث صدقۃ جاریۃ اوعمل ینتفع بہا

جب انسان فوت ہوجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے مگر تین صورتوں میں جاری رہتا ہے: ایک اس نے

---

[1] درمختار | کتاب الزکوٰۃ | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۳۰

[2] بحرالرائق | باب المصرف | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۲/۲۴۳

او ولد صالح یدعولہ[۱] - رواہ البخاری فی ادب المفرد ومسلم فی الصحیح وابوداؤد والترمذی عن النسائی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

صدقہ جاریہ کیا تھا، دوسرا اس کا ایسا عمل جواب بھی نافع ہے یا اس کی نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔ اسے امام بخاری نے ادب المفرد میں، مسلم نے صحیح میں، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

مگر اولاً فقیر کو بہ نیت زکوٰۃ دے کر مالک کر دینا ضرور ہے پھر وُہ فقیر طبع کتاب میں خود دے دے یا اس سے دلوا دے، جیسا کہ درمختار و بحرالرائق کی عبارت سے گزرا، یا جو جو طریقے ائمہ نے کتبِ فقہ میں لکھے ہیں بجالائے۔ درمختار میں ہے:

حیلۃ الجواز ان یعطی مدیونہ الفقیر زکوتہ ثم یاخذھا عن دینہ ولو امتنع المدیون مدّ یدہ واخذھا لکونہ ظفر بجنس حقہ فان مانعہ رفعہ للقاضی[۲]۔

حیلہ جواز یُوں ہے کہ اپنے مقروض فقیر کو زکوٰۃ دی جائے پھر اس سے اپنے قرض میں واپس لی جائے اور اگر مقروض نہ دے تو اس سے چھین لے کیونکہ یہ اپنے حق پر قدرت کا معاملہ ہے، اگر اس پر بھی نہ دے تو قاضی کی طرف معاملہ لے جایا جائے (ت)

اور سب سے آسان یہ ہے کہ ایک دیندار شخص کے پاس سب زکوٰۃ دہندہ اپنا چندہ جمع کریں اور اس سے کہہ دیں کہ زرِ زکوٰۃ ہے طریقہ شرعیہ پر بعد تملیکِ فقیر طبع میں ہمارے ثواب کے لیے صرف کر، وُہ ایسا ہی کرے، سب زکوٰتیں بھی ادا ہو جائیں گی اور وُہ دینی ضروری نافع کام بھی ہو جائیگا اور یہ اموال کا ملانا کہ باذنِ مالکان ہے کہ چندہ کا یہی طریقہ معروفہ معہودہ ہے کچھ مانع نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے:

لوخلط زکوۃ موکلیہ ضمن وکان متبرعا الا اذا وکلہ الفقراء[۳]۔

اگر اپنے موکلین کی زکوٰۃ خلط ملط کر دی تو وکیل ضامن ہوگا اور وُہ تبرع کرنے والا ہوگا مگر اس صورت میں جب فقراء نے اسے اپنا وکیل قرار دے دیا ہو۔ (ت)

---

[۱] صحیح مسلم باب مایلحق الانسان من الثواب بعد وفاتہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۴۱
الادب المفرد باب ۱۹ برالوالدین بعد موتھما حدیث ۳۸ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ص ۲۱
[۲] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۰
[۳] ایضاً

17
17

ردالمحتار میں ہے :

قال فی التتارخانیة اذا وجد الاذن او اجاز المالکان[1] اھ۔

تاتارخانیہ میں ہے کہ یہ کسی اذن کی وجہ سے ہو یا مؤکل اسے جائز کردیں اھ (ت)

اسی میں ہے :

ثم قال فی التتارخانیة اووجدت دلالة الاذن بالخلط کما جرت العادة[2] الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

پھر تاتارخانیہ میں کہا کہ یا دلالۃً اختلاط کی اجازت ہو جیسے کہ عادت معروفہ ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۱ مسئولہ ناصرالدین صاحب پیلی بھیتی از آگرہ محلہ نئی بستی، گلی بدھو بیگ، مکان حافظ سعیدالدین سوداگر لٹھا ۱۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جنگ اٹلی وشہنشاہِ روم کے واسطے اہلِ اسلام نے اکثر چندہ جمع کیا ہے، اگر زیور کی زکوٰۃ کا روپیہ جنگ مذکور کے واسطے شہنشاہِ روم کو بھیجا جائے تو یہ روپیہ دینا جائز ہوگا یا ناجائز؟ بینوا توجروا

الجواب

زکوٰۃ جہاد کے اُن مصارف میں جن میں فقیر کو تملیک نہ ہو جیسے گولے بارود کی خریداری یا فوج کی باربرداری یا فوجی افسروں کی تنخواہ یا فوجی دواخانہ کی دواؤں میں دینا جائز نہیں، نہ اس سے زکوٰۃ ادا ہو۔ عالمگیری میں ہے :

لایجوزان یبنی بالزکاة المسجد وکذا الحج والجھاد وکل مالا تملیک فیہ کذا فی التبیین[3]۔

زکوٰۃ سے مسجد بنانا جائز نہیں، اسی طرح حج اور جہاد، بلکہ ہر وہ مقام جہاں تملیک نہ ہو۔ تبیین میں یہی ہے۔ (ت)

ہاں فقیر مجاہدوں کو دی جائے یا شہیدوں کے فقیر پس ماندوں کو یا ان مجاہدوں کو جو سفر کرکے آئے گھر پر اموال رکھتے ہیں یہاں مصارف کے لیے کچھ پاس نہیں ان کو دینا جائز ہے اول فی سبیل اللہ ہے، ثانی فقراء اور

---

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ مصطفی البابی مصر ۲/۱۲
[2] " " " " " "
[3] فتاوٰی ہندیۃ الباب السابع فی المصارف نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۸۸

ثالث ابن السبیل، اور یہ سب مصارفِ زکوٰۃ ہیں۔ درمختار میں ہے:

مصرف الزکوٰۃ فقیر و فی سبیل اللہ و ھو منقطع الغزاۃ و ابن السبیل و ھو کل من لہ مال لامعہ[1]۔ (ملخصاً)

زکوٰۃ فقراء پر خرچ کی جائے اور اللہ تعالٰی کی راہ میں، اور اس سے مراد محتاج غازی اور مسافر، اور اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جس کا مال تو ہو مگر اس کے پاس نہ ہو۔ (ت)

یا یہ ہو کہ یہاں کسی معتمد فقیر کو دے کر مالک کرکے قبضہ دے دیں وُہ اپنی طرف سے اس چندہ میں دے دے اب کوئی شرط نہیں ہر مصرف میں صرف ہوسکتی ہے، اور زکوٰۃ دہندہ اور فقیر دونوں کو ثواب ملے گا۔ درمختار میں ہے:

حیلۃ التکفین بھا التصدق علی فقیر ثم ھو یکفن فیکون الثواب لھما وکذا فی تعمیر المسجد[2]۔

تکفین کے لیے حیلہ یہ ہے کہ زکوٰۃ فقیر کو دی جائے فقیر کفن بنوادے، تو ثواب دونوں کے لیے ہوگا، اسی طرح تعمیر مسجد میں حیلہ کی صورت ہے۔ (ت)

پھر صورتِ اولٰی میں کہ خود زکوٰۃ ہی ان جائز مصارف کے لیے وہاں بھیجے، اگر ابھی اس کی زکوٰۃ کا سال تمام نہ ہُوا تھا پیشگی دیتا ہے جب تو دوسرے شہر کو بھیجنا مطلقاً جائز ہے اور اگر سال تمام کے بعد بھیجے جب بھی اس صورت میں حکم جواز ہے کہ مجاہدوں کی اعانت میں اسلام کا زیادہ نفع ہے۔ درمختار میں ہے:

کرہ نقلھا الا الی قرابۃ او احوج او اصلح او اورع او انفع للمسلمین، او کانت معجلۃ قبل تمام الحول فلا یکرہ خلاصۃ[3]۔ (ملخصاً)

زکوٰۃ کو دوسری جگہ منتقل کرنا مکروہ، ہاں اس صورت میں مکروہ نہیں جب دوسری جگہ کوئی رشتہ دار، زیادہ محتاج، نیک، صاحبِ تقوٰی یا مسلمانوں کا زیادہ فائدہ ہو یا سال سے پہلے جلدی زکوٰۃ دینا چاہتا ہو، خلاصہ (ت)

مگر اطمینان ضرور ہو کہ ٹھکانے پر پہنچے بیچ میں خُورد بُرد نہ ہوجائے۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] درمختار | باب المصرف | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۴۰
[2] " | کتاب الزکوٰۃ | " " " | ۱/۱۳۰
[3] " | باب المصرف | " " " | ۱/۴۲-۱۴۱

مسئلہ ۱۱۲ از دہرہ دون محلہ دھاماں مسئولہ مختار حسین قادری ۲ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ موجودہ حالتِ زار جو مظلومین میں ترک کی ہے مثلاً سمرنا، اناطولیہ وغیرہ میں جو یونانیوں کی دست درازیوں کے شکار ہورہے ہیں ان کی امداد زکوٰۃ کے مال سے کی جائے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوگی تو روپیہ بھیجنے اور دینے کی کیا صورت ہونی چاہئے، موجودہ طریق جو سیٹھ چھوٹانی بمبئی والا کررہا ہے کہ امداد مظلومین ترکوں کی جس میں وہ زکوٰۃ کو بھی شامل کرنا چاہتا ہے اپنے اختیار سے زکوٰۃ اور دیگر چندہ لے کر جتنی جہاں ضرورت ہوتی ہے مثلاً بیماروں کی مدد، لٹے ہوئے گھروں کی امداد وغیرہ اپنی رائے کے موافق صرف کرتا ہے، تو جو لوگ اس میں زکوٰۃ دیتے ہیں ادا ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

اس طریقہ سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوسکتی، یہ لوگ بطور خود چندہ کرتے ہیں اور زکوٰۃ وغیر زکوٰۃ بلکہ مسلم وغیر مسلم سب کے چندے غلط کرلیتے وہ روپیہ فوراً ہلاک ہوجاتا ہے اور قابل ادا زکوٰۃ نہیں رہتا، فان الخلط استھلاك (کیونکہ خلط ملط کرنا ہلاک کرنا ہوتا ہے۔ ت) فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

رجلان دفع کل منھما زکوٰۃ مالہ الی رجل لیؤدی عنہ فخلط مالھما ثم تصدق ضمن الوکیل مال الدافعین وکانت الصدقۃ عنہ کذا فی فتاوٰی قاضی خان[1]

دو اشخاص نے اپنے مال کی زکوٰۃ ایک شخص کو دی تاکہ وہ ان کی طرف سے ادا کرے اس نے دونوں کے مال کو ملا دیا پھر زکوٰۃ ادا کی تو وکیل ان کے مال کا ضامن ہوگا اور صدقہ وکیل کی طرف سے ہوگا، فتاوٰی قاضی خاں (ت)

درمختار میں ہے:

لو خلط زکوٰۃ موکلیہ ضمن وکان متبرعا الا اذا وکلہ الفقراء اھ[2]

اگر اپنے مؤکلین کی زکوٰۃ میں خلط ملط کردیا تو وہ وکیل ضامن ہوگا اور متبرع ہوگا مگر اس صورت میں کہ جب اسے فقراء نے اپنا وکیل بنایا ہو۔ (ت)

اس کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ زکوٰۃ دینے والے خالص مسلمان اپنی اپنی زکوٰۃ ایک معتمد متدین کے پاس جمع کریں اور وہ روپیہ ملا لینے کی اجازت دیں اور اس میں کوئی پیسہ غیر زکوٰۃ کا خلط نہ کیا جائے نہ کسی وہابی یا رافضی یا نیچری یا قادیانی یا حدِ کفر تک پہنچے ہوئے گاندھوی کی زکوٰۃ اس میں شامل ہو کہ ان لوگوں کی زکوٰۃ شرعاً

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الثالث فی زکوٰۃ الذہب الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۸۳

[2] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۰

زکوٰۃ نہیں، یہ خالص زکوٰۃ شرعی کا جمع کیا ہوا مال کہ مالکوں کے اذن سے خلط ملط کیا گیا اُن فقراء مظلومین کو پہنچایا جائے۔

ردالمحتار میں زیر عبارت مذکورہ درمختار ہے:

قولہ ضمن وکان متبرعا، لانہ ملکہ بالخلط وصار مؤدیا مال نفسہ قال فی التتارخانیۃ الا اذا وجد الاذن او اجاز المالکان اھ ویتصل بھذا العالم اذا سأل للفقراء شیئا وخلط یضمن قلت ومقتضاہ لو وجد العرف فلا ضمان لوجود الاذن حینئذ دلالۃ[1] واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

ان کا قول ہے وکیل ضامن ہوگا اور اس کی ادائیگی بطور تبرع ہوگی کیونکہ خلط ملط کرنے سے وہ مالک ہو جاتا ہے اور اب وہ اپنے مال کو ادا کرنے والا ہوگا۔ تتارخانیہ میں ہے کہ مگر اس صورت میں جب اجازت ہو یا مالک اسے جائز کردیں اھ اس کے ساتھ وہ صورت بھی ملحق ہے جب کسی عالم نے فقراء کے لیے کچھ مانگا اور خلط ملط کر دیا تو وہ ضامن ہوگا۔ میں کہتا ہوں اس کا مقتضایہ ہے کہ اگر عرفًا ایسا کیا جاتا ہو تو اب ضمان نہ ہوگا کیونکہ اس وقت دلالۃً اجازت موجود ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۳: مسئولہ امیر حسن بنگالی طالب علم مدرسہ اہلسنت وجماعت ۲۸ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ

مالدار کے لیے صدقہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

صدقہ واجبہ مالدار کو لینا حرام اور دینا حرام، اور اس کے دیے ادا نہ ہوگا، اور نافلہ مانگ کر مالدار کو لینا حرام اور بے مانگے مناسب نہیں جبکہ دینے والا مالدار جان کر دے اور اگر وہ محتاج سمجھ کر دے تو لینا حرام، اور اگر لینے کے لیے اپنے آپ کو محتاج ظاہر کیا تو دوہرا حرام، ہاں وہ صدقاتِ نافلہ کہ عام خلائق کے لیے ہوتے ہیں اور ان کے لینے میں کوئی ذلت نہیں وہ غنی کو بھی جائز ہیں جیسے حوض کا پانی، سقایہ کا پانی، نیاز کی شیرینی، سرائے کا مکان، پل پر سے گزرے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۴: از بریلی محلہ کانکر ٹولہ متصل مسجد خورد مرسلہ الطاف علی خاں مورخہ ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مدرسہ دینیہ میں زکوٰۃ وصدقہ مدرسین کو دینا جائز ہے یا نہیں، تنخواہ میں دینا وطلباء کو جو کہ یتیم ہیں ان کی تعلیم کے اخراجات کے واسطے دینا جائز ہے یا نہیں؟

---

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۲

الجواب

تنخواہِ مدرسین میں نہیں دے سکتے، ہاں طلبہ کو تملیک کر سکتے ہیں اگرچہ یتیم نہ ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۱۵ از میرٹھ ستی ضلع جودھ پور مسئولہ فخرالدین شاہ ۱۹ ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یتیموں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟ بچہ اپنی قرابت کا ہے اُس کا وارث کوئی نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب

یتیم بچہ کو خصوصاً جبکہ اپنا قرابت دار ہو زکوٰۃ دینا بہت افضل ہے جبکہ وہ نہ مالدار نہ سید وغیرہ نہ ہاشمی ہو نہ اپنی اولاد یا اولاد کی اولاد ہو۔ ہاں بھائی بھانجا ہو تو وہ بشرائط مذکورہ سب سے زیادہ مستحق ہے واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ از شہر کلکتہ مرسلہ جناب سید محمد علی صاحب نائب ناظر فریدپور ۳۰ رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ

زرِ زکوٰۃ میں سے اگر یتیموں مساکین کو کھلایا جاتے یا کپڑا بنایا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

کپڑا بنا کر ان کو دے کر مالک کر دینا، کھانا پکا کر اُن کے گھر کو بھیج کر قبضہ میں دے کر مالک کر دینا تو حالت موجودہ پر یہ سِلا ہوا کپڑا اور پکا ہوا کھانا بازار کے بھاؤ سے جتنے کا ہے اُس قدر زکوٰۃ میں مُجرا ہوگا، سلائی پکوائی وغیرہ مجرا نہ ملے گی اور اگر اپنے یہاں پکا کر دسترخوان پر بٹھلا کر کھلا دیا جس طرح دعوتوں میں ہوتا ہے تو وہ زکوٰۃ نہیں ہو سکتا لانہا تملیك وھذہ اباحۃ (کیونکہ زکوٰۃ میں مالک بنانا ہوتا ہے اور اس صورت میں ملکیت نہیں بلکہ اباحت ہے۔ ت) واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۱۸ ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۱۱ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو مکان واسطے یتیموں کے خریدا جائے اس کی بیع میں زکوٰۃ کا روپیہ دینا درست ہے یا نہیں؟ اور وہ مکان نام یتیم خانہ کے ہو۔

(۲) کہ مقدمہ جو واقعہ جبولی میں کنگھر والوں سے ہوا ہے اس کے صرف میں زکوٰۃ کا روپیہ دیا جائے یا نہیں کیونکہ وہ مذہبی معاملہ قرار دیا گیا ہے۔

الجواب

یتیم خانہ کی خریداری میں روپیہ لگا دینے سے زکوٰۃ ہرگز ادا نہ ہوگی لانہ ان کان وقفا والزکوٰۃ تملیك فلا یجتمعان (کیونکہ یتیم خانہ اگر وقف ہے اور زکوٰۃ میں تملیک ہوتی ہے لہٰذا ان دونوں کا اجتماع نہیں ہو سکتا۔) نہ کسی غنی کو صرف مقدمہ کے لیے دینے سے ادا ہو سکے اگرچہ وہ مقدمہ مذہبی دینی ہو فان الغنی لیس بمصرف

(کیونکہ غنی زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہے ۔ ت) نہ کسی فقیر نہ مسکین کے دینی خواہ دنیوی مقدمہ میں وکیلوں مختاروں کو دینے یا اور خرچوں میں اٹھانے سے ادا ممکن جب تک فقیر کو دے کر اُس کے قبضہ کے بعد اُس سے لے کر صرف نہ کیا جائے فان الصدقۃ لا تحصل الا بتملیك مصرفھا ولا تتم الا بقبضۃ (کیونکہ صدقہ تب ادا ہوگا جب کسی مصرف کو مالک بنایا جائے گا اور تملیک کا اتمام قبضہ کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ ت) پس اگر اس قسم کے معاملات میں اٹھانا چاہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ جو شخص شرعاً مصرفِ زکوٰۃ ہے اسے بہ نیتِ زکوٰۃ دے کر اُس کا قبضہ کرا دیں پھر وہ اپنی طرف سے اپنے آپ خواہ اُسے دے کر خریداری یتیم خانہ خواہ کسی دینی مقدمہ وغیرہ امورِ خیر میں لگا دے۔ عالمگیریہ وغیرہا میں ہے:

فی جمیع ابواب البر کعمارۃ المساجد وبناء القناطیر الحیلۃ ان یتصدق بمقدار زکوٰۃ علی فقیر ثم یامرہ بالصرف الی ھذہ الوجوہ فیکون للمتصدق ثواب الصدقۃ وللفقیر ثواب بناء المسجد والقنطرۃ[1] (ملخصا) واللہ تعالٰی اعلم۔

تمام امورِ خیر مثلاً تعمیر مساجد اور پُلوں کی تعمیر وغیرہ میں حیلہ یہ ہے کہ مقدارِ زکوٰۃ فقیر پر صدقہ کی جائے پھر اسے ان امور پر خرچ کرنے کے لیے کہا جائے تو ثواب صدقہ کرنے والے کے لیے صدقہ کا ثواب اور فقیر کے لیے مسجد اور پُل کی تعمیر کا ثواب ہوگا (ملخصاً) واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۹ ۲۲ شوال ۱۳۱۴ھ

سوالِ اوّل بعد سلام کے عرض ہے میرے پاس سوا اس کے جو شوہر کے پاس سے صرف کے لیے آتا ہے اور کوئی آمد نہیں، اور وہ اتنی ہے کہ گزر بھی بہ مشکل ہوتی ہے، عرض ہے کہ ایسی صورت بتائیے کہ جس میں زکوٰۃ بھی ادا ہو اور خرچ کی بھی دقت نہ ہو، یہ بڑی بی کہتی ہیں کہ آپ کے یہاں مجھ کو کچھ روپیہ دے اور پھر وہ دو آنہ میں مول لے یا جو خرچ مجھ کو شوہر کے پاس سے ملتا ہے اُس میں سے زکوٰۃ ادا کر کے بچوں کے صرف کی جائے تو کچھ بُرائی تو نہیں؟ یا جو روپیہ والد کے ترکہ کا ملا تھا وہ میرا بچوں کے صرف میں ہوگیا وہ ہوسکتا ہے کہ میں زکوٰۃ میں مجرا کر لوں اس واسطے کہ آپ فرماتے ہیں بچوں کا صرف باپ کے ذمّہ ہے۔

الجواب

زیور خود مال ہے اُس میں سے زکوٰۃ ادا کی جائے، شوہر سے جو کچھ خرچ بچوں کے لیے ملتا ہے اُس میں سے زکوٰۃ دینے کا ہرگز اختیار نہیں تمہارے خرچ کو جو کچھ تمہیں دیتے ہیں اُس میں سے زکوٰۃ دے سکتی ہو، اپنے مال کی زکوٰۃ

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحیل الفصل الثالث فی مسائل الزکوٰۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۹۲

اپنے بچّوں کے صرف میں نہیں کی جاسکتی، اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، ماں کا جو کچھ بچّوں کے صَرف میں اُٹھ گیا زکوٰۃ میں مجرا نہیں ہوسکتا اگرچہ بچّوں کا خرچ باپ پر ہے ماں پر نہیں، وہ طریقہ کہ زکوٰۃ کا مال بنیتِ زکوٰۃ کسی محتاج کو دے کر مالک کر دیا جائے پھر اس کی رضامندی سے تھوڑے داموں کو اس سے خرید لیں، یہ حیلہ بضرورت صرف ایسی جگہ ہو کہ مثلاً کسی سیّد صاحب کو حاجت ہے مالِ زکوٰۃ انھیں دے نہیں سکتے اور اپنے پاس زرِ زکوٰۃ سے زیادہ دینے کی وسعت نہیں تو اس طرح زکوٰۃ ادا کرکے برضامندی مول لے کر سیّد صاحب کے نذر کر دیا جائے یا مسجد کی تعمیر یا میّت کے کفن میں لگا دیا جائے کہ یہ سب نیتیں اللہ ہی کے لیے ہیں، خرید کر اپنے یا اپنے بچّوں کے صرف میں لانے کی غرض سے یہ حیلہ نہیں کہ اس میں راہِ خدا میں مال خرچ کرکے پھر جانا پایا جائیگا والعیاذ باللہ تعالٰی، آسان طریقہ جو یہاں ہوسکے یہ ہے کہ آدمی جن کی اولاد میں خود ہے یعنی ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی یا جو اپنی اولاد میں ہیں یعنی بیٹا بیٹی، پوتا پوتی، نواسا نواسی اور شوہر زوجہ ان رشتوں کے سوا اپنے جو عزیز قریب حاجتمند مصرفِ زکوٰۃ ہیں اپنے مال کی زکوٰۃ انھیں دے جیسے بہن بھائی، بھتیجا بھتیجی، ماموں، خالہ، چچا، پھوپھی کہ انھیں دینے میں دُونا ثواب ہے اور نفس پر بار بھی کم ہوگا کہ اپنے سگے بہن بھائی یا بھتیجے بھانجے کا دیا ہوا آدمی اپنے ہی کام میں اُٹھنا جانتا ہے پھر یہ بھی کچھ ضرور نہیں کہ انھیں زکوٰۃ جتا ہی کر دے بلکہ دل میں زکوٰۃ کی نیت ہو انھیں عیدی وغیرہا یا شادیوں کی رسوم خواہ کسی بات کا نام کرکے مالک کر دے زکوٰۃ ادا ہوجائیگی، پھر اگر مثلاً اپنے بہن بھائی کو دیا اور انھوں نے اُس کے بچّوں پر خرچ کی تنگی دیکھ کر اپنی خوشی سے اس کے بچّوں پر ہبہ کر دیا تو زکوٰۃ میں کچھ خلل نہ آئے گا نہ مقصودِ شریعت کے خلاف ہوگا اور دونوں مطلب یعنی ادائے زکوٰۃ اور بچّوں کے خرچ کی وسعت حاصل ہوجائیں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۰: از موضع مکرجی والا علاقہ جاگل تھانہ پرہیو ڈاکخانہ کوٹ نجیب اللہ خاں مرسلہ مولوی محمد شیر صاحب ۱۴ جمادی الآخر ۱۳۱۴ھ

اپنی دختر یا حقیقی ہمشیرہ کو زکوٰۃ یا زمین کا عشر دینا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب

بہن کو جائز ہے جبکہ مصرفِ زکوٰۃ ہو اور بیٹی کو جائز نہیں،

فی الدرالمختار مصرف الزکوٰۃ والعشر فقیر الخ وفیہ لایصرف الی من بینھما ولاد[1] الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

درمختار میں ہے کہ زکوٰۃ وعشر کا مصرف فقیر ہے الخ اور اسی میں ہے کہ زکوٰۃ وعشر ایسے لوگوں پر صرف نہ کی جائے جن سے اپنی ولادت کا تعلق ہو الخ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] درمختار باب المصرف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۱-۱۴۰

مسئلہ ۱۲۱: مرسلہ محمود حسن صاحب شاگرد رشید احمد گنگوہی صاحب ۲۰ صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس بارہ میں کہ میری زکوٰۃ کا روپیہ اپنے والد کو کسی حیلہ سے دے سکتی ہوں یا نہیں، کیونکہ والد ایسی غربت میں ہیں کہ باہر نکلنے بیٹھنے میں شرم آتی ہے اور وہ ایک آبرودار آدمی ہیں اور نہ کوئی ایسا آدمی ہے کہ میں اس آدمی کو دے دُوں وُہ اپنی طرف سے بھی والد کو دے اس صورت میں کسی حیلہ سے اپنے والد کو زکوٰۃ کا پیسہ دے سکتی ہُوں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

باپ کو زکوٰۃ دینا کسی طرح جائز نہیں، نہ اُس کی دی زکوٰۃ ادا ہو سکے۔ یہ بات اگر واقعی ہے کہ باپ ایسا ہی حاجتمند ہے اور سائلہ میں یہ طاقت نہیں کہ زکوٰۃ بھی دے اور باپ کی بھی خدمت کرے اور ایسا اطمینان کا شخص کوئی نہیں پاتی کہ اسے زکوٰۃ دے اور وُہ اپنی طرف سے اُس کے باپ کو دیں تو اس کا یہ طریقہ ممکن ہے کہ مثلاً دس روپیہ زکوٰۃ کے دینے ہیں اور چاہتی ہے کہ یہ روپیہ اُس کے باپ کو پہنچے تو کسی فقیر مصرف زکوٰۃ کے ہاتھ مثلاً دس سیر یا پانسیر گیہوں دس روپیہ کو بیچے اور اسے سمجھا دے کہ زرِ ثمن ادا کرنے کی تمھیں دقت نہ ہوگی ہم زکوٰۃ دیں گے اسی سے ادا کر دینا جب وُہ بیع قبول کرے گیہوں اس کو دے دے اب اُس کے دس درم بابت ثمن گندم اُس پر قرض ہوگئے اُس کے بعد اسے دس روپیہ زکوٰۃ میں دے کر قبضہ کرا دے زکوٰۃ ادا ہوگئی پھر گیہوں کی قیمت میں روپے واپس لے وہ یوں نہ دے تو جبراً لے سکتی ہے کہ وہ اس کا مدیون ہے اب یہ روپیہ اپنے باپ کو دے دے۔

درمختار میں ہے:

حیلۃ الجواز ان یعطی مدیونہ الفقیر زکوتہ ثم یاخذھا عن دینہ ولو امتنع المدیون مدیدہ واخذھا لکونہ ظفر بجنس حقہ فان مانعہ رفعہ للقاضی[1]

حیلہ جواز یہ ہے کہ اپنے مقروض فقیر کو زکوٰۃ دی جائے پھر قرض کے عوض اس سے وہ رقم واپس لے لی جائے اگر مقروض نہ مانے تو اس سے چھین لی جائے کیونکہ یہ اپنے مال کے حصول پر قدرت کی صورت ہے، اگر اس میں بھی رکاوٹ بنے تو معاملہ قاضی کے پاس لے جایا جائے۔ (ت)

مگر اس کا لحاظ لازم ہے کہ محتاج باپ کا نفقہ اُس کی سب غنی اولاد پر لازم ہے، بیٹا بیٹی سب برابر، تو اگر تنہا یہی اس کی اولاد ہے تو اس پر اس کا کل خرچ کھانے پہننے رہنے کے مکان کا لازم ہے، اور اگر اور بھی ہیں تو

---

[1] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۰

حصہ رسد اور زکوٰۃ بھی اللہ عزوجل کا غنی پر فرض ہے حیلہ کرکے دو واجبوں میں ایک کو ساقط نہ کرے، اللہ عزوجل دلوں کی نیت جانتا ہے، ہاں حقیقۃً قدرت نہ ہو تو حیلہ مذکورہ عمدہ وسیلہ ہے جس سے دونوں واجب ادا ہوسکیں واللہ یعلم المفسد من المصلح[1] (اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۲: مرسلہ مولوی نیاز محمد خاں بدایونی وارد حال مانوگاچہ ملک پیراک ۲ ربیع الثانی ۱۳۲۲ھ

فطرہ کا پیسہ کون کون کام میں صرف ہوسکتا ہے اور کس کس شخص کو دیا جاسکتا ہے؟

الجواب

فطرہ کے مصارف بعینہٖ مصارفِ زکوٰۃ ہیں، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۳: از بریلی محلہ کانکر ٹولہ متصل مسجد خورد مرسلہ جناب الطاف علی صاحب ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص اپنی والدہ اور ہمشیرہ کو باوجود بیوہ اور یتیم ہونے کے کچھ نہ دے اور وہ تکالیف اٹھاتی ہوں اس حالت میں اگر زید صاحبِ نصاب ہو اور زکوٰۃ صدقہ ادا کرے تو وہ قبول ہوگا یا نہیں؟ اور زید کے واسطے شرع شریف میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

زید کی ماں اگر کوئی ذریعۂ معاش نہیں رکھتی تو اس کا نفقہ زید پر فرض ہے، یوں ہی یتیم بہن کہ جس کی شادی نہ ہوئی ہو نہ اس کے پاس کچھ مال ہو،[2] ان کو نہ دینے سے اس پر گناہِ عظیم ہے۔ حدیث میں فرمایا، کفٰی بالمرء اثما ان یضیع من یقوت[3] آدمی کے گنہگار ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو محروم رکھے جن کا خرچہ اس کے ذمہ ہو۔(ت)

رہی زکوٰۃ، وہ ماں کو نہیں دے سکتا بہن کو دے اور ماں کی خدمت اپنے پاس سے کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۴: از کاٹھیاواڑ مولوی سیف اللہ صاحب پیش امام جبت پور ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں حضرات علمائے کرام وفضلائے عظام دامت علینا برکاتہم اس مسئلہ میں کہ بضرورت

---

[1] القرآن ۲/ ۲۲۰

[2] سنن ابی داؤد کتاب الزکوٰۃ باب فی صلۃ الرحم آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۳۸

[3] مسند احمد بن حنبل مروی از عبداللہ بن عمرو دارالفکر بیروت ۲/ ۱۶۰، ۱۹۴، ۱۹۵

زکوٰۃ کا روپیہ کوئی مسلمان قبضہ کرکے جو خود بھی مستحقِ زکوٰۃ ہو توسیعِ مسجد میں صرف کرے تو جائز ہے یا کس صورت سے؟ بینوا توجروا

الجواب

زکوٰۃ دہندہ نے اگر زرِ زکوٰۃ مصرفِ زکوٰۃ کو دے کر اس کی تملیک کردی تو اب اُسے اختیار ہے جہاں چاہے صرف کرے کہ زکوٰۃ اس کی تملیک سے ادا ہوگئی، یُوں ہی اگر مزکی نے زرِ زکوٰۃ اسے دیا اور ماذونِ مطلق کیا کہ اس سے جس طور پر چاہو میری زکوٰۃ ادا کردو اس نے خود بہ نیتِ زکوٰۃ لے لیا، اس کے بعد مسجد میں لگا دیا تو یہ بھی صحیح و جائز ہے یُونہی اگر مزکی نے زرِ زکوٰۃ نکال کر رکھا تو فقیر نے بے اس کی اجازت کے لے لیا اور مالک نے بعد اطلاع اس کا لینا جائز کردیا اور اس کے بعد فقیر نے مسجد میں صرف کیا تو یہ بھی صحیح ہے، اور اگر فقیر نے بطور خود قبضہ کرلیا اور مالک نے اُسے جائز نہ کیا یا بعد اس کے کہ مسجد میں لگا چکا جائز کیا، تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ یونہی اگر مالک نے اسے روپیہ دیا اور وکیل کیا کہ میری طرف سے کسی فقیر کو دے دو یہ بھی فقیر ہے خود لے لیا اور مسجد میں لگا دیا تو اب بھی زکوٰۃ ادا نہ ہوئی اگرچہ اسے ماذونِ مطلق کیا ہو کہ تملیک نہ پائی گئی اور اس پر روپے کا تاوان آئے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۲۵ از مقام ترسائی کاٹھیاواڑ مرسلہ احمد داؤد صاحب یکم جمادی الآخر ۱۳۳۶ھ

فی زمانہ سیّدوں کا کوئی پُرسانِ حال نہیں، فاقوں تک بعض کی نوبت پہنچتی ہے، ایسی صورت میں زکوٰۃ لینا یا بغیر اس عذر کے بھی زکوٰۃ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

سیّد کو زکوٰۃ لینا دینا حرام ہے اور اسے دئے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، اور فاقوں پر نوبت اگر اس بنا پر ہو کہ نوکری یا مزدوری پر قدرت ہے اور نہیں کرنا چاہتا تو یہ فاقہ بھی عذر نہیں ہوسکتا کہ یہ اپنے ہاتھ کا ہے کیوں نہیں کسبِ حلال کرتا اور اگر واقعی کسب پر قادر نہیں تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ اس کی اعانت کریں اور اگر لوگ بے پروائی کریں اور اُسے کوئی ذریعہ رزق کا سوا زکوٰۃ لینے کے نہ ہو تو بقدرِ ضرورت لے اور قدرِ ضرورت میں صرف کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۲۶ از مرزا پور سول لائن بنگلہ مولوی محب اللہ صاحب ڈپٹی کلکٹر مرسلہ محمد عبدالقادر صاحب بدایونی ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ

زید نے بکر کو صدقہ دیا بکر کو علم ہے کہ صدقہ ہے، ایسی صورت میں بکر اُس مال کو سیّد کو دے سکتا ہے یا نہیں، اور وہ مال بکر کی ملکیت ہے یا زید کی، جبکہ زید بکر کو دے چکا۔

الجواب

جب زید نے بکر کو مال صدقہ میں دیا اور بکر قابض ہوگیا اور وہ محل صدقہ تھا یا نہ تھا اور زید جانتا تھا کہ بکر محلِ صدقہ نہیں غنی جان کر صدقہ دیا تو دونوں صورتوں میں بکر مالک ہوگیا،

فقد نص العلماء کما فی ردالمحتار وغیرہ ان الصدقۃ علی الغنی لہا اجر وان کان دون اجر الصدقۃ علی الفقیر[1]

ردالمحتار وغیرہ میں علماء سے تصریح ہے کہ غنی پر صدقہ کا بھی اجر ہے مگر اس اجر سے یہ اجر کم ہوگا جو فقیر پر صدقہ سے حاصل ہوتا ہے۔ (ت)

اور جب وہ مالک ہوگیا اور اپنی طرف سے سید کو نذر کرے نہ بطور صدقہ وزکوٰۃ بلکہ بطور ہدیہ وہبہ تو سید کو اس کا لینا جائز ہے اگرچہ بکر کو زکوٰۃ ہی دی گئی ہو،

قال علیہ الصلوٰۃ والسلام لک صدقۃ و لنا ھدیۃ[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا، تمہارے لیے صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ١٢٧: مسئولہ محمد عمر جوان المعروف بہ قادری سکنہ موضع باسنی پرگنہ ناگور مارواڑ ربیع الاول ١٣٣٤ھ

الحمدللہ رب العلمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علٰی سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین، امابعد کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ضلع مارواڑ تحت حکومت ناگور میں ایک قصبہ ہے معروف بہ باسنی جہاں تخمیناً نوصد گھر مسلمانوں کے ہیں اور بفضلہ سب صغیر وکبیر برنا و پیر صوم وصلوٰۃ کے اس حد تک پابند ہیں کہ سفر و حضر، صحت وسقم، رنج وراحت غرضکہ ہر حالت میں نماز گزار اور پابند صلوٰۃ ہیں۔ قصبہ بھر میں شاذ و نادر کوئی ایسا بدبخت ہوگا جو نماز نہ پڑھتا ہو، اما بوجہ نہ ہونے علم کے احکامِ شرعیہ و مسائلِ ضروریہ سے محض نابلد ہیں، جہالت کی اس قدر گرم بازاری ہے کہ آباؤ اجداد کی رسوم کو کافی ووافی سمجھ کر مسائل شرعیہ سے (نہ بوجہ تعصب کے بلکہ بباعث نہ ہونے علم کے) یک لخت گریز ہے حق و باطل میں امتیاز ہو نہیں سکتا لیکن باوجود اس بات کے بھی اگر حسنِ اتفاق سے کوئی عالم آجائے تو اس کے وعظ میں بیٹھ کر تحصیل فیضان کرتے ہیں، افعالِ بد پر متنبہ ہونے کے بعد توبہ واستغفار بھی کرتے ہیں اور کسی مسائل گو کی بات پر چنداں چون و چرا بھی

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ٣/٣٥٧

[2] صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب اباحۃ الہدیۃ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ١/٣٤٥

ف: صحیح مسلم میں الفاظ یُوں ہیں: ھو لہا صدقۃ ولنا ھدیۃ۔ نذیر احمد سعیدی

نہیں کرتے مگر چونکہ قصبہ زا کا زاہی علم سے معرا ہے، کوئی وجود ایسا نہیں جو اس کی اصلاح و درستی کر سکے، آخر قصبہ کے چند سر برآوردہ و دُور اندیش اصحاب نے سوچا اگر قصبہ میں ایک اسلامی مدرسہ کھول دیا جائے جس کے ذریعہ ایسے وجود و نفوس علمائے اسلام کو قصبہ میں آ رہیں جو علاوہ وعظ گوئی کے مدرسہ میں علم تجوید و تفسیر و حدیث و فقہ و اصول و معانی کا طلبہ کو درس بھی دیتے رہیں تو البتہ قصبہ کی اصلاح حسبِ دلخواہ ممکن ہے، آخر انھیں حضرات مذکور الصدر کی سعی بلیغ سے مدرسہ کی عمارت تیار ہو کر سلسلہ تعلیم بھی شروع کر دیا گیا اور گاؤں کی اصلاح بھی رُو بترقی ہے اور امید ہے کہ مدرسہ اگر قائم رہ گیا پوری درستی ہو جائیگی مگر چونکہ اتنے بڑے قصبہ کے طلباء صغار و کبار جو تخمیناً پانسو ہیں ان کی تعلیم کے لیے کم از کم دس مدرسین درکار ہیں، اور یہ انتظام بھی کر لیا گیا کہ جمیع طلباء داخل مدرسہ کر کے مدرسین بھی مقرر کر لیے گئے مگر مصارفِ مدرسہ رقومِ زکوٰۃ سے متعلق ہیں، اب ہمیں تشویش ہے کہ زکوٰۃ کن کن مصارفِ مدرسین مثل مشاہراتِ مدرسین فرش و فروش و تیل و چراغ و نیز مثل اس کے ضروریاتِ مدرسہ میں خرچ ہو سکتے ہیں، آیا اس پر کوئی مفلس آدمی امین مقرر ہو کہ جس کے پاس سے حساب وغیرہ نہ لیا جائے یا اور حیلہ ہو سکتا ہے یا امین کے مزید شرائط ہوں غرضکہ مذہب حنفیہ میں کوئی ایسا پہلو نکل آئے کہ جس سے مصارف مدرسہ میں جائز ہونے کا کوئی حیلہ نکل آیا جب تو مدرسہ کی بقا کی امید قصبہ کی اصلاح کی صورت ہے ورنہ بدون ان رقوم کے اہلِ قصبہ میں اتنی وسعت نہیں کہ سوا زکوٰۃ کے اخراجاتِ مدرسہ کو اٹھا سکیں کیونکہ صاحبِ نصاب تو چند ہی ہوں گے باقی سب مسکین، اور اپنا نان و نفقہ قوتِ ضروری پیدا کر کے کھانے والے ہیں لیکن مسکین و متمول سب بالاتفاق مدرسہ میں امداد دہی کے لیے حاضر ہیں کسی کو اختلاف نہیں، جواب مدلل بدلائل قاطعہ و براہین ساطعہ مطابق مذہب حنفیہ مع صفحاتِ کتب ارقام ہو۔ بینوا توجروا

الجواب

زکوٰۃ کا رکن تملیک فقیر ہے جس کام میں فقیر کی تملیک نہ ہو کیسا ہی کارِ حسن ہو جیسے تعمیر مسجد یا تکفینِ میت یا تنخواہِ مدرسانِ علمِ دین، اس سے زکوٰۃ نہیں ادا ہو سکتی۔ مدرسۂ علمِ دین میں دینا چاہیں تو اس کے تین حیلے ہیں:

ایک یہ کہ متولیِ مدرسہ کو مالِ زکوٰۃ دے اور اُسے مطلع کر دے کہ یہ مالِ زکوٰۃ کا ہے۔ اسے خاص مصارفِ زکوٰۃ میں صرف کرنا، متولی اس مال کو جُدا رکھے اور مال میں نہ ملائے اور اس سے غریب طلبہ کے کپڑے بنائے، کتابیں خرید کر دے یا اُن کے وظیفہ میں دے جو محض بنظرِ امداد ہو نہ کسی کام کی اُجرت۔

دوسرے یہ کہ زکوٰۃ دینے والا کسی فقیر مصرفِ زکوٰۃ کو بہ نیتِ زکوٰۃ دے اور وہ فقیر اپنی طرف سے کُل یا بعض مدرسہ کی نذر کر دے۔

تیسرے یہ کہ مثلاً سَو روپے زکوٰۃ کے دینے ہیں اور چاہتا ہے کہ مدرسۂ علمِ دین کی ان سے مدد کرے تو

اور نمازِ جنازہ تین روز تک جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

الحمد للہ الذی جعل الارض کفاتا واکرم المؤمنین احیاءً وامواتاً والصلوۃ والسلام علی من عمر القلوب بصلوتہ ونور القلوب بصلوتہ وعلی اٰلہٖ وصحبہٖ واھلہٖ وحزبہٖ اجمعین اٰمین!

سب خوبیاں اللہ تعالٰی کے لئے جس نے زمین کو جمع کرنے والی بنایا، اور اہل ایمان کو حیات و موت دونوں حالتوں میں عزت بخشی، اور درود و سلام ہو اُن پر جنھوں نے دلوں کو اپنے تعلقات سے آباد فرمایا اور قبروں کو اپنی نماز سے روشن کیا، اور ان کی آل، ان کے اصحاب، ان کے اہل، ان کے گروہ سب پر درود وسلام۔ الٰہی! قبول فرما۔ (ت)

نمازِ جنازہ کی تکرار ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے نزدیک تو مطلقاً ناجائز و نامشروع ہے مگر جب کہ اجنبی غیر احق نے بلااذن و بلامتابعت ولی پڑھ لی ہو تو ولی اعادہ کرسکتا ہے۔ امام اجل برہان الملۃ والدین ابوبکر ہدایہ میں فرماتے ہیں:

ان صلی غیر الولی والسلطان اعاد الولی ان شاء لان الحق للاولیاء وان صلی الولی لم یجز لاحد ان یصلی بعدہ لان الفرض یتادی بالاول والتنفل بھا غیر مشروع ولھذا رأینا الناس ترکوا من اٰخرھم الصلوۃ علی قبر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وھو الیوم کما وضع[1]۔

یعنی اگر ولی و حاکم اسلام کے سوا اور لوگ نمازِ جنازہ پڑھ لیں تو ولی کو اعادہ کا اختیار کہ حق اولیاء کا ہے اور اگر ولی پڑھ چکا تو اب کسی کو جائز نہیں کہ فرض تو پہلی نماز سے ادا ہوچکا اور یہ نماز بطور نفل پڑھنی مشروع نہیں ولہذا ہم دیکھتے ہیں کہ تمام جہان کے مسلمانوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مزار اقدس پر نماز چھوڑ دی حالانکہ حضور آج بھی ویسے ہی ہیں جیسے جس دن قبر مبارک میں رکھے گئے تھے۔

امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

لوکان مشروعا لما اعرض الخلق کلھم من العلماء والصالحین والراغبین

یعنی اگر نمازِ جنازہ کی تکرار مشروع ہوتی تو مزار اقدس پر نماز پڑھنے سے تمام جہان اعراض نہ کرتا جس میں

---

[1] الہدایہ فصل فی الصلوۃ علی المیت مطبوعہ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/۱۶۰

رسالہ

الزّہر الباسم فی حُرمۃ الزکوٰۃ علٰی بنی ہاشم
۱۳۰۷ھ

(بنی ہاشم پر زکوٰۃ کی حُرمت کے بارے میں کھلا ہُوا شگوفہ)

مسئلہ ۱۲۸ مرسلہ مولوی حافظ محمد امیر اللہ صاحب مدرس اوّل عربیہ اکبریہ جمادی الاولیٰ ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بنی ہاشم کو زکوٰۃ و صدقہ واجبہ دینا بجہت سقوط خمس الخمس جائز ہے یا نہیں؟ کفایہ میں ہے:

قولہ و لا یدفع الی بنی ہاشم وفی شرح الاٰثار للطحاوی رحمہ اللہ تعالٰی عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ لاباس بالصدقات کلہا علی بنی ہاشم والحرمۃ فی عہد النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام للعوض وھو خمس الخمس، فلما سقط ذٰلک بموتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حلت لھم الصدقۃ وفی المنتقٰی

قولہ بنی ہاشم کو زکوٰۃ نہ دی جائے، شرح الاٰثار للطحاوی رحمہ اللہ تعالٰی میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے بنو ہاشم پر تمام صدقات کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ حضور علیہ السلام کی ظاہری حیات میں خمس الخمس کی وجہ سے حرام تھے، جب آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وصال کی وجہ سے خمس الخمس ساقط ہوگیا تو ان کے صدقات حلال ٹھہرے اور المنتقٰی میں ہے،

يجوز الصرف الى بنى هاشم فى قوله خلافا لهما، و فى شرح الآثار الصدقة المفروضة والتطوع محرمة على بنى هاشم فى قولهما وعن ابى حنيفة رحمه الله تعالٰی روایتان فیها قال الطحاوی رحمه الله تعالٰی وبالجواز ناخذ انتھٰی[1]۔ بینوا توجروا۔

کہ امام صاحب کے نزدیک صدقات کو بنی ہاشم پر خرچ کیا جاسکتا ہے مگر صاحبین کو اس میں اختلاف ہے۔ شرح الآثار میں ہے کہ صاحبین کے قول کے مطابق فرض و نفل صدقہ بنو ہاشم پر ناجائز ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی سے اس بارے میں دو روایات ہیں، امام طحاوی نے فرمایا کہ ہم جواز پر عمل کریں گے انتہٰی۔ بینوا توجروا (ت)

الجواب

اللھم لک الحمد اللھم الصواب (اے اللہ! حمد تیرے ہی لیے ہے اور اے اللہ! درستگی عطا فرما۔ ت) بنی ہاشم کو زکوٰۃ وصدقات واجبات دینا زنہار جائز نہیں، نہ انھیں لینا حلال۔ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے متواتر حدیثیں اس کی تحریم میں آئیں، اور علتِ تحریم ان کی عزت و کرامت ہے کہ زکوٰۃ مال کا مَیل ہے اور مثل سائر صدقاتِ واجبہ غاسلِ ذنوب، تو ان کا حال مثل ماءِ مستعمل کے ہے جو گناہوں کی نجاسات اور حدث کے قاذورات دھوکر لایا اُن پاک لطیف ستھرے لطیف اہلبیت طیب و طہارت کی شان اس سے بس ارفع و اعلٰی ہے کہ ایسی چیزوں سے آلودگی کریں، خود احادیثِ صحیحہ میں اس علت کی تصریح فرمائی،

احمد و مسلم عن المطلب بن ربیعة بن الحارث رضی الله تعالٰی عنه قال قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ان الصدقة لا تنبغی لاٰل محمد انما ھی اوساخ الناس[2]، الطبرانی عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما انه لا یحل لکم اهل البیت من الصدقات شیئ ولا غسالة الایدی[3]، ھذا مختصرا الطحاوی

مسند احمد اور مسلم میں ہے کہ مطلب بن ربیعہ بن حارث رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: صدقہ آلِ محمد کیلئے جائز نہیں کیونکہ یہ لوگوں (کے مال) کی مَیل ہے۔ طبرانی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے کہ اے اہلبیت! تمہارے لیے صدقات میں سے کوئی شئے حلال نہیں اور نہ ہی لوگوں کے ہاتھوں کی مَیل، یہ مختصراً ہے، طحاوی میں حضرت علی

---

[1] الکفایة مع فتح القدیر باب من یجوز دفع الصدقة الیه ومن لا یجوز مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۱۱ تا ۲۱۳
[2] صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب تحریم الزکوٰۃ علی رسول اللہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۴۴
[3] المعجم الکبیر مروی از عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱۱/ ۲۱۷

18

عن علی کرم اللہ تعالٰی عنہ قال قلت للعباس سل النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یستعملك علی الصدقات فسألہ فقال ماکنت لاستعملك علی غسالۃ ذنوب الناس[1]۔

کرم اللہ تعالٰی عنہ سے مروی کہ میں نے حضرت عباس سے کہا کہ حضور صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم سے گزارش کرو تاکہ تمہیں آپ صدقات کے لیے عامل مقرر فرمادیں تو حضرت عباس نے عرض کیا تو آپ نے فرمایا: میں تجھے لوگوں کے گناہوں کی میل پر عامل نہیں بنا سکتا۔(ت)

اسی طرح کلماتِ علماء میں اس تعلیل کی بکثرت تصریحیں ہیں، رہا خمس الخمس **اقول** و باللہ التوفیق اس کی تقریر تحریم صدقات سے ناشئ تھی نہ کہ تحریم صدقات اس کی تقریر پر مبتنی ہو،

فان اللہ تعالٰی لما حرم علیھم الصدقات رزقھم خمس الخمس لان اللہ تعالٰی لما رزقھم ذلك حرم علیھم الصدقات حتی لو لم یسھم لھم ذلك لم یحرم علیھم غسالۃ السیئات وھل من دلیل علی ذلك بل الدلیل ناطق بخلافہ وبعد تحریری ھذا المحل وجدت بحمد اللہ نصا عن الامام المجتھد التابعی مجاھد رحمہ اللہ تعالٰی ان تقری یر خمس الخمس مبتن علی تحریم الصدقۃ فقد روی ابن ابی شیبۃ ف والطبرانی عن خصیف عن مجاھد قال کان اٰل محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتحل لھم الصدقۃ فجعل لھم خمس الخمس[2] اھ۔

کیونکہ اللہ تعالٰے نے بنو ہاشم پر صدقات حرام فرمائے تو ان کے لیے خمس الخمس کو رزق کا ذریعہ بنایا، نہ یہ کہ جب خمس الخمس انھیں عطا فرمایا تو ان پر صدقات حرام فرمادیے حتی کہ اگر ان کے لیے یہ حصّہ نہ ہوتا تو ان پر گناہوں کی مَیل حرام نہ ہوتی اور اس پر کوئی دلیل ہے؟ بلکہ اس کے خلاف دلیل ناطق ہے۔ فقیر نے جب یہ اس مقام پر لکھا تو پھر بحمداللہ مجتہد تابعی امام مجاہد رحمہ اللہ تعالٰے سے میں نے یہ تصریح پائی کہ خمس الخمس کا اثبات تحریم صدقہ کی بنا پر ہے، محدث ابن ابی شیبہ اور طبرانی نے خصیف سے اور انھوں نے مجاہد سے روایت کیا کہ حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی آل کے لیے صدقہ حلال نہ تھا لہذا ان کے لیے خمس الخمس رکھا گیا اھ(ت)

اور سقوط عوض سے رجوع معوض وہیں ہے جہاں زوال معوض حصول عوض پر موقوف ہو،

کما فی البیع اذا سلم المشتری الثمن وھلك المبیع فی ید البائع رجع بالثمن

جیسا کہ بیع میں ہے جب مشتری رقم سپرد کردے اور مبیع بائع کے قبضہ میں ہلاک ہوگیا تو مشتری ثمن واپس

---

[1] شرح معانی الآثار کتاب الزکوٰۃ باب الصدقۃ علی بنی ہاشم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۵۲

[2] مصنف ابن ابی شیبہ " من قال لاتحل الصدقۃ علی بنی ہاشم ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۳/ ۲۱۵

ف: ابن ابی شیبہ میں بطریق حصین عن مجاہد مروی ہے وفی ن خصیف انظر حاشیۃ مصنف ابن ابی شیبۃ صفحہ مذکورہ بالا۔ نذیر احمد سعیدی

لان زوال الحق عن الثمن کان موقوفا علی حصول المبیع فاذا لم یسلم المبیع عاد الحق فی الثمن۔

لے سکتا ہے کیونکہ ثمن سے حق کا زوال حصول مبیع پر موقوف تھا تو جب بائع نے مبیع سپرد نہ کیا تو حقِ ثمن لوٹ آئیگا۔ (ت)

بخلاف اس کے کہ زوال معوض کسی اور علت سے معلل ہو تو جب تک وُہ علت باقی رہے گی زوال معوض بیشک رہے گا اگرچہ حصول عوض ہو یا عوض ہی ساقط ہو جائے،

والالزم تخلف المعلول عن علتہ وذٰلک کالمریض سقطت عنہ فرضیۃ الوضوء لعلۃ الضرر وعوض عنہا بفرض التیمم، فان سقط التیمم ایضا لعدم وجدان الصعید الطیب مثلا لاتعود فرضیۃ الوضوء قطعا لبقاء الضرر المقتضی لسقوطہا فاذن یسقطان جمیعا کذا ھذا۔

ورنہ معلول کا علت سے تخلف لازم آئے گا اور یہ اسی طرح ہے جیسے کوئی مریض جس سے کسی ضرر کی بناء پر فرضیتِ وضو ساقط تھی اور اس کے عوض تیمم تھا اب اگر پاک مٹی نہ ہونے کی وجہ سے تیمم بھی ساقط ہو جاتا ہے تو فرضیتِ وضو قطعاً لوٹ کر نہیں آئے گی اس ضرر کے باقی ہونے کی وجہ سے جس سے وُہ ساقط ہوتی تھی تو اب دونوں (وضو اور تیمم) کا اجتماعی طور پر سقوط ہو جائیگا، اسی طرح یہاں ہے (ت)

ثم اقول (پھر میں کہتا ہُوں۔ت) یہ جواب بھی اس وقت ہے جبکہ ہمیں خمس الخمس کا بایں معنی عوض صدقات ہونا مسلّم ہو کہ اگر تحریم صدقات نہ ہوتی تقریرِ خمس الخمس عمل میں نہ آتی اور یہ بے شک محلِ کلام ہے نہ اس پر کوئی دلیل قائم، ہم کہہ سکتے ہیں کہ تحریم صدقہ و تقریر سہم دونوں مستقل کرامتیں ہیں کہ حق عزمجدہٗ نے اہلبیت کرام کو عطا فرمائیں، اور لفظِ تعویض اوّل تو کسی حدیثِ ثابت سے اس وقت فقیر کے خیال میں نہیں وما فی کتب الفقہ عوضکم منہا بخمس الخمس فغیر معروف کما صرح المخرجون (یہ جو کتبِ فقہ میں ہے کہ صدقہ کے عوض خمس الخمس ہے تو یہ غیر معروف ہے جیسا کہ اصحاب تخریج نے تصریح کی ہے۔ت) اور ہو بھی تو کھلا ہوا محاورہ دائرہ سائرہ ہے کہ ایک شَے جا کر جو دوسری ملتی ہے اسے اس کا عوض کہتے ہیں اگرچہ اُن میں ایک کا حصول دوسرے کے زوال پر موقوف ہو نہ ایک کا زوال دوسرے کے حصول کو مستلزم،

کما ان من مات لہ ولد ثم ولد اٰخر احسن منہ یقال لہ نعم البدل وکما ان من طلق امرأۃ یدعو ربہ ان ابدلنی خیرا منہا مع

جیسا کہ کسی شخص کا ایک بیٹا فوت ہو گیا ہو پھر اس سے اچھا دوسرا بیٹا پیدا ہو تو اسے نعم البدل کہا جاتا ہے ــــ اور جس طرح کوئی شخص عورت کو طلاق دیتا ہے اور اپنے رب سے دُعا کرتا ہے کہ

ان الولدین المرأتین کان یمکن ان یجتمعا والعوض والمعوض لایجتمعان۔

مجھے اس کے بدلے بہتر بیوی عطا فرما باوجودیکہ دونوں بیٹوں اور دونوں بیویوں کا اجتماع ممکن ہے حالانکہ عوض اور معوض دونوں جمع نہیں ہوسکتے۔ (ت)

توہمیں ہرگز مسلّم نہیں کہ یہاں معاوضت عرفیہ کے سوا معاوضت مصطلحہ مراد ہو جس کی بنا پر ایک کے سقوط سے دوسرے کا عود چاہیں۔ لاجرم ظاہر الروایۃ میں ہمارے ائمہ ثلثہ بالاجماع بنی ہاشم پر تحریم صدقات فرماتے ہیں کافۂ متون علی الاطلاق اسی پر ماشی اور اجلۂ محققین اہل شروح وفتاوی وارباب تصحیح وفتوی مثل امام برہان الدین فرغانی صاحب ہدایہ وامام فقیہ النفس قاضیخاں وامام طاہر صاحب خلاصہ وامام نسفی صاحب کافی وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم بے اشعار خلاف اس پر جازم کہ مسئلہ میں کوئی روایت مرجوحہ مخالفہ آنے کی بوبھی نہیں دیتے قابل التفات کجا تو درکنار اور بعض نے اس کا ذکر کیا ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ مذہب کے خلاف اور ظاہر الروایۃ سے جدا ہے جس کے حاکی فقط نوح جامع ہیں، محقق علی الاطلاق فرماتے ہیں:

لاتدفع الی بنی ہاشم ہذا ظاہر الروایۃ وروی ابو عصمۃ عن ابی حنیفۃ انہ یجوز فی ہذا الزمان[1]۔

بنو ہاشم کو زکوۃ نہ دی جائے یہ ظاہر الروایۃ میں ہے۔ اور ابو عصمہ نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی سے روایت کیا ہے کہ اس دور میں جائز ہے۔ (ت)

مجمع الانہر[2] میں ہے:

لاتدفع الی ہاشمی وھو ظاہر الروایۃ وروی ابو عصمۃ عن الامام انہ یجوز فی زمانہ اھ[2] ملخصا۔

بنو ہاشم کو زکوۃ کا عدم جواز ظاہر الروایہ ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے اس دور میں جواز کی روایت بھی ہے اھ ملخصاً (ت)

شیخ محقق دہلوی[3] اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:

عدم جواز دفع زکوۃ بہ بنی ہاشم ظاہر روایت است و

بنو ہاشم کو زکوۃ کا عدم جواز ظاہر الروایۃ ہے اور

ع حاصل یہ کہ اوّلاً معاوضت مصطلحہ مراد ہونا محل کلام ہے اور اثبات ذمہ مستدلین، ثانیاً عوضین میں مانعۃ الجمع ہونا ضرور ہے نہ منفصلہ حقیقیہ کہ منع خلو بھی لازم ہو اور تمام استدلال اسی پر موقوف، واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ غفرلہ (م)

---

[1] فتح القدیر فصل من یجوز دفع الصدقۃ الیہ ومن لایجوز الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۱۱

[2] مجمع الانہر باب فی بیان احکام المصرف دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۲۴

در روایتے از امام ابی حنیفہ جائز ست دریں زمان[1]. امام ابوحنیفہ سے ایک روایت میں اس زمانہ میں جائز ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے، ظاھر المذھب اطلاق المنع[2] (ظاہر مذہب ہر حال میں منع ہے۔ ت)

ردالمحتار وطحطاوی[3] حاشیہ درمختار وحاشیہ مراقی الفلاح میں ہے وروی ابوعصمۃ عن الامام انہ یجوز (شیخ ابوعصمہ نے امام صاحب سے نقل کیا کہ بنوہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ ت) ذخیرۃ العقبٰی حاشیہ شرح وقایہ میں ہے :

روی عن الامام الاعظم جواز دفع الزکوٰۃ الی الھاشمی فی زمانہ[4]. امام اعظم سے روایت ہے کہ ہمارے دور میں ہاشمی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ (ت)

شرح نقایہ برجندی میں فتاوٰی عتابی سے ہے، عن ابی حنیفۃ انہ یجوز[5] (امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ ہاشمی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ ت)

اقول فلا علیك مما فی قول النتف المنقول فی السوال من الایھام۔ **اقول** (میں کہتا ہوں) النتف میں جو کچھ منقول ہے اس سے وہم نہیں ہونا چاہئے۔ (ت)

اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ جو کچھ ظاہر الروایۃ کے خلاف ہے ہمارے ائمہ کا قول نہیں بلکہ مرجوع عنہ ہے اور مرجوع عنہ پر عمل ناجائز۔ امام خیرالدین رملی عالم فلسطین اپنے فتاوٰی میں فرماتے ہیں :

ھذا ھو المذھب الذی لایعدل عنہ الی غیرہ وما سواہ روایات خارجۃ عن ظاھر الروایۃ، وما خرج عن ظاھر الروایۃ فھو مرجوع عنہ لما تقرر فی الاصول من عدم امکان صدور قولین یہ وُہ مذہب ہے جس کے غیر کی طرف عدول جائز نہیں اس کے علاوہ دیگر روایات ظاہر الروایۃ سے خارج ہیں، اور جو ظاہر روایت سے خارج ہو وہ مرجوع عنہ ہوتا ہے کیونکہ اصول میں مسلّم ہے کہ کسی مجتہد سے دو مختلف مساوی اقوال صادر نہیں ہوسکتے لہذا مرجوع عنہ

---

[1] اشعۃ اللمعات کتاب الزکوٰۃ باب لاتحل لہ الصدقۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۵
[2] درمختار باب المصرف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۱
[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار " دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۴۲۸
[4] ذخیرۃ العقبٰی حاشیہ شرح وقایہ کتاب الزکوٰۃ باب المصارف منشی نولکشور کانپور ۱/ ۱۳۸
[5] شرح النقایۃ للبرجندی فصل فی مصارف الزکوٰۃ " " " ۱/ ۲۰۷

مختلفین متساویین من مجتهد والمرجوع عنہ لم یبق قولا لہ کما ذکروہ وحیث علم ان القول ھو الذی تواردت علیہ المتون فھو المعتمد المعمول بہ[۱] الخ

مجتہد کا قول نہیں رہے گا، جیسا کہ علماء نے تصریح کی ہے اور جب علم ہو جائے کہ فلاں قول متون میں برابر نقل ہو رہا ہے تو وہی معتمد، اور اسی پر عمل کیا جائے گا الخ (ت)

اسی طرح بحرالرائق کی کتاب القضا میں ہے در مختار میں ہے:

المجتهد اذا رجع عن قول لا یجوز الاخذ بہ[۲]۔

جب مجتہد کسی قول سے رجوع کرے تو اس پر عمل کرنا جائز نہیں رہتا۔ (ت)

یوں ہی بحر کی کتاب الطہارۃ میں لکھ کر فرمایا، کما صرح بہ فی التوشیح[۳] (جیسا کہ توشیح میں اس پر تصریح ہے۔ ت) اب نہ رہا مگر امام اجل سیدی ابوجعفر طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ کا بہ ناخذ (ہمارا اس پر عمل ہے) فرمانا اقول وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ ت) اگر مان بھی لیا جائے کہ امام طحاوی اسی روایت شاذہ کو اختیار فرماتے ہیں تاہم معلوم ہے کہ اُن کے لیے بعض اختیارات مفردہ ہیں کہ بترک مذہب ان پر عمل کے کوئی معنٰی نہیں، ان کی جلالت شان بیشک مسلم مگر عظمت قاہرہ اصل مذہب چیزے دیگر ست، پھر اطباق احادیث پھر اتفاق متون پھر اتفاق جماہیر ائمہ ترجیح وفتیا ایسی شیئ نہیں جس کا پلّہ اختیار مفرد امام طحاوی کے باعث گر سکے آخر ائمہ کرام نے ان کا بہ ناخذ (ہمارا اسی پر عمل ہے۔ ت) فرمانا دیکھا، پھر کیا باعث کہ اصلاً اُدھر التفات نہ فرمایا، غرض خادم فقہ جانتا ہے کہ ایسی روایت مرجوحہ مجروحہ جو نہ روایۃً معتمد نہ درایۃً مؤید، صرف ایک اختیار کی بنا پر جسے جمیع متون وسائر مرجحین نے مقبول نہ رکھا ہرگز صالح تعویل نہیں ہوسکتی، یہ سب اس تقدیر پر ہے کہ امام طحاوی کا روایت جواز کو اختیار فرمانا تسلیم کرلیں ورنہ فقیر غفراللہ تعالٰی لہ کے نزدیک اگر کلام امام طحاوی کی طرف بنظر غائر عطف عنان ہو تو ان شاء اللہ تعالٰی سپیدۂ صبح کی طرح ظاہر وعیاں ہو کہ وہ قطعاً ظاہر الروایۃ ہی کو بہ ناخذ (اسی پر ہمارا عمل ہے۔ ت) فرما رہے ہیں اگرچہ یہ وہ نئی بات ہے جسے سُن کر بہت علمائے زمانہ سخت تعجب فرمائیں گے کہ کفایہ وشرح نقایہ قہستانی ومراقی الفلاح وغمز العیون ودرمنتقی ومجمع الانہر وحاشیہ طحطاوی وعقود دریہ وغیرہا متعدد کتابوں میں امام طحاوی کی طرف اختیار جواز کی نسبت مصرح، مگر کیا کیجئے اتباع نظر

۱؎ فتاوٰی خیریہ	کتاب الشہادات	دارالمعرفۃ بیروت	۲/ ۳۳
۲؎ درمختار	فصل فی البئر	مطبع مجتبائی دہلی	۱/ ۴۱
۳؎ بحرالرائق	کتاب الطہارت	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی	۱/ ۱۳۸

خواہی نخواہی فقیر کو ایضاح حقیقۃ الامر پر مجبور کرتا ہے فاستمع لما یتلی علیك (دی جانے والی گفتگو کو اچھی طرح ملاحظہ کیجئے۔ ت) امام اجل طحاوی نے اپنی کتاب مستطاب شرح معانی الآثار کی کتاب الزکوٰۃ میں پہلا باب الصدقۃ علی بنی ہاشم وضع فرمایا اور اس میں ایک حدیث نقل کرکے ارشاد کیا کچھ لوگ اس کی بنا پر بنی ہاشم کے لیے صدقہ جائز رکھتے ہیں پھر اُن کے تمسک کا جواب شافی دیا پھر حدیثِ فدک سے اُن کا استناد ذکر کرکے اُس کا بھی جواب کافی تحریر کیا پھر فرمایا:

قد جاءت بعد ھذہ الاثار عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم متواترۃ بتحریم الصدقۃ علٰی بنی ھاشم۔[1]

ان آثار کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے متواتر طور پر احادیث سے ثابت ہے کہ بنو ہاشم پر صدقہ حرام ہے۔ (ت)

پھر احادیث حسن مجتبٰی و عبداللہ بن عباس و عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث و سلمان فارسی و ابورافع و ہرمز یا کیسان و رشید بن مالک و ابی لیلٰی و بریدہ اسلمی و انس بن مالک و دو حدیث ابی ہریرہ و دو حدیث معٰویہ بن حیدہ قشیری رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین چودہ حدیثیں حضور پُرنور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے باسانید کثیرہ روایت کرکے فرمایا:

فھذہ الاثار کلھا قد جاءت بتحریم الصدقۃ علی بنی ھاشم لا نعلم شیئا نسخھا ولا عارضھا الا ما قد ذکرناہ فی ھذا الباب مما لیس فیہ دلیل علٰی مخالفتھا۔[2]

یہ تمام آثار بنو ہاشم پر صدقہ کی حرمت پر شاہد ہیں، ہمیں ان کے منسوخ ہونے یا انکے مقابل روایات کا علم نہیں مگر جو کچھ ہم نے اس باب میں ذکر کیا ہے وہ کوئی ایسی دلیل نہیں جو ان آثار کی مخالفت پر ہو۔ (ت)

پھر حدیثاً و فقہاً اس مذہب کو مدلّل کیا کہ زکوٰۃ تو زکوٰۃ صدقہ نافلہ بھی بنی ہاشم پر حرام ہے اُن کے فقراء بعینہٖ حکمِ اغنیاء رکھتے ہیں، جو غنی کے لیے جائز ہے انھیں بھی مباح ہے اور جو غنی کو حلال نہیں اُنھیں بھی روا نہیں، پھر فرمایا:

ھذا ھو النظر فی ھذا الباب وھو قول ابی حنیفۃ وابی یوسف ومحمد رحمھم اللہ تعالٰی۔[3]

اس باب میں یہی دلیل ہے اور یہی امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالٰی کا قول ہے (ت)

---

[1] شرح معانی الآثار کتاب الزکوٰۃ باب الصدقۃ علی بنی ہاشم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۴۹
[2] " " " " ۱/۳۵۲
[3] " " " " "

اس کے بعد اس روایت کا یوں ذکر فرمایا کہ :

قد اختلف عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی فی ذٰلک فروی انہ قال لاباس بالصدقات کلہا علٰی بنی ہاشم وذھب فی ذٰلک عندنا الٰی ان الصدقات انما کانت حرمت علیہم من اجل ماجعل لہم فی الخمس من سھم ذوی القربٰی فلما انقطع ذٰلک عنہم ورجع الٰی غیرھم بموت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حل لہم بذٰلک ماقدکان محرما علیہم من اجل ماقدکان احل لہم وقد حدثنی سلیمان بن شعیب عن ابیہ عن محمد عن ابی یوسف عن ابی حنیفۃ فی ذٰلک مثل قول ابی یوسف فبھٰذا ناخذ۔[1]

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی سے مختلف روایات میں سے ایک روایت یہ ہے کہ بنو ہاشم پر تمام صدقات خرچ کرنے میں کوئی حرج نہیں، اور اس میں ہمارے ہاں دلیل یہ ہے کہ صدقات بنی ہاشم پر حرام ہونے کی وجہ یہ تھی کہ خمس کے ذوی القربٰی کے حصہ میں سے پانچواں حصہ ان کا ہوتا تھا، رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب ان کا وہ حصہ منقطع ہوکر غیر کی طرف چلا گیا تو اب ان کے لیے وہ حلال ہوجائے گا جو ان پر حرام ہُوا تھا اس وجہ سے کہ ان پر خمس حلال تھا، مجھے حدیث بیان کی سلیمان بن شعیب نے اپنے والد سے انھوں نے محمد سے انھوں نے ابویوسف سے انھوں نے امام ابوحنیفہ سے اس سلسلہ میں ابویوسف کے قول کے مطابق نقل کیا ہے پس اس کے ساتھ ہی ہمارا عمل ہے۔ (ت)

پھر فرمایا :

فان قال قائل افتکرھہا علٰی موالیہم قلت نعم لحدیث ابی رافع الذی قد ذکرناہ فی ھذا الباب وقد قال ذٰلک ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی فی کتاب الاملاء وماعلمت احدا من اصحابنا خالفہ فی ذٰلک۔[2]

اگر کوئی سوال اٹھائے کہ بنو ہاشم کے والی کے لیے مکروہ ہے تو میں کہوں گا ہاں اس حدیث کی وجہ سے جو ابورافع سے مروی ہے اور ہم نے اس باب میں اسے ذکر کردیا ہے، اور یہی بات امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی نے کتاب الاملاء میں کہی ہے اور میں نہیں جانتا کہ ہمارے اصحاب میں سے کسی نے اس کی مخالفت کی ہو۔ (ت)

---

[1] شرح معانی الآثار کتاب الزکوٰۃ باب الصدقۃ علی بنی ہاشم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۵۲

[2] ایضاً

پھر فرمایا:

فان قال قائل افتکرہ للهاشمی ان یعمل علی
الصدقة قلت لا وقد کان ابو یوسف یکرہ اذا
کانت جعالتهم منها وخالف ابا یوسف اٰخرون
فقالوا لاباس ان یجتعل منها الهاشمی
لانه انما یجتعل علی عمله وذٰلك قد یحل
للاغنیاء لا یحرم علی بنی هاشم الذین حرّم
علیهم الصدقة وقد روی عن رسول الله
صلی الله تعالٰی علیه وسلم فیما تصدق علی
بریرة انه اکل منه (ثم اسند الطحاوی
فی ذٰلك احادیث عن امهات المؤمنین
عائشة وجویریة وام سلمة وعن ابن
عباس وام عطیة رضی الله تعالٰی عنهم ثم
قال) فلما کان ما تصدق به علی بریرة
رضی الله تعالٰی عنها جائزا للنبی صلی الله
تعالٰی علیه وسلم اکله لانه انما ملکه بالهدیة
جاز ایضا للهاشمی ان یجتعل من الصدقة
لانه انما یملکه بعمله لا بالصدقة فهذا هو
النظر وهو اصح مما ذهب الیه ابو یوسف رحمه الله
تعالٰی فی ذٰلك[1] اھ ملخصا۔

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ ہاشمی کے لیے صدقات کیلئے
عامل بننا مکروہ ہے تو میں کہوں گا کہ نہیں، امام
ابو یوسف ان کی تنخواہ کو صدقات میں مکروہ کہتے ہیں،
لیکن دوسرے لوگوں نے امام ابو یوسف کی مخالفت
کرتے ہوئے کہا کہ ہاشمی کو اس میں تنخواہ و وظیفہ دینے
میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ اس کے عمل و محنت پر
دیا جارہا ہے اور یہ تو اغنیاء کے لیے بھی جائز ہے تو
اب ان بنو ہاشم پر یہ کیسے حرام ہوسکتا ہے جن پر صدقہ
حرام تھا، رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم سے
صدقہ بریرہ کے بارے میں مروی ہے کہ آپ نے اسے
تناول فرمایا (پھر اس کے بعد امام طحاوی نے سند کے
ساتھ امہات المومنین حضرت عائشہ، حضرت جویریہ،
حضرت ام سلمہ، حضرت ابن عباس اور حضرت ام عطیہ
رضی اللہ تعالٰی عنہم سے احادیث ذکر کیں، پھر کہا)
حضرت بریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہا پر کیے گئے صدقہ کا
تناول کرنا رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لیے
جائز تھا کیونکہ آپ بطور ہدیہ اس کے مالک قرار پائے
تو اب ہاشمی کے لیے بھی صدقہ بطور وظیفہ جائز ہوگا،
کیونکہ وہ عمل کی وجہ سے اس کا مالک بن رہا ہے
نہ کہ صدقہ کی بنا پر۔ پس یہ اس میں نظر ہے اور یہی مختار ہے اور یہ اس معاملہ میں اقوال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی میں سے اصح ہے اھ
ملخصاً (ت)

اب اس کلام امام کے محاوی ظاہرہ و مطاوی باہرہ پر نظر کیجئے،

[1] شرح معانی الآثار کتاب الزکوٰۃ باب الصدقۃ علی بنی ہاشم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۵۳-۳۵۲

اول شروع سخن سے دلائل تحلیل کا رد۔

دوم دلائل تحریم کی تکثیر میں کد۔

سوم اُن کا آغاز یُوں کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تحریم میں متواتر حدیثیں آئیں۔

چہارم ختم یُوں کہ ہمارے علم میں ان حدیثوں کا کوئی ناسخ یا عارض نہیں سوا ان چیزوں کے جو اہل تحلیل نے ذکر کیں اور وہ اصلاً اُن کی مؤید نہیں۔

پنجم حدیثاً وفقہاً ثابت فرمانا کہ نہ صرف زکوٰۃ یا دیگر واجبات بلکہ **مطلقاً** تمام صدقات بنی ہاشم پر حرام ہیں یہاں تک کہ نافلہ بھی، اور یہی مذہب ائمہ ثلاثہ کا ہے۔

ششم صاف صاف حصر فرما دینا کہ اسباب میں یہی مقتضائے نظر فقہی ہے، اب روایت خلاف کے لیے کہاں گنجائش رہی، حدیثیں بے ناسخ و معارض متواتر نظر فقہی اسی میں منحصر، پھر اختیار خلاف کس دلیل سے صادر۔ یہ چھ قرینے تو سباق میں ہیں اب سیاق کی طرف چلئے کہ دلائل دیکھئے۔

ہفتم روایت کے اختلاف اور اپنے اختیار کو ذکر کرکے بایرادفائے تعقیب سوال قائم فرماتے ہیں کہ اس پر کوئی مجھ سے پُوچھے بھلا بنی ہاشم کے غلامان آزاد شدہ کے لیے اخذ زکوٰۃ ممنوع جانتے ہو، سبحان اللہ اگر اس بہ ناخذ (اسی پر ہمارا عمل ہے۔ ت) کے معنی یہی تھے کہ امام طحاوی نے خود بنی ہاشم کو زکوٰۃ حلال مانی تو اب اس سوال کا کون سا موقع اور کیا محل تھا، موالی تو اس فرعیت کی بنا پر داخل ہوتے تھے کہ مولی القوم منھم (کسی قوم کا غلام اُنھی میں سے ہوتا ہے۔ ت)، جب اصول کے لیے جواز ٹھہرا تو فروع کی نسبت کیا پوچھتا رہا۔

ہشتم اس سوال کا جواب سُنئے کہ میں فرماؤں گا ہاں یعنی میرے نزدیک موالی بنی ہاشم کو اخذ زکوٰۃ ممنوع ہے کہ حدیث ابورافع اسی پر ناطق اور ارشاد امام ابی یوسف موافق اور بقیہ ائمہ سے خلاف نامعلوم، سُبحان اللہ کہاں بنی ہاشم کے لیے زکوٰۃ جائز ماننا اور کہاں اُن کے غلاموں پر حرام جاننا۔

نہم پھر حدیث ابورافع تو یونہی تھی کہ:

ان اٰل محمد لا یحل لھم الصدقۃ وان مولی القوم من انفسھم[1]

آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے صدقہ حلال نہیں اور قوم کا غلام اُنھی میں سے ہوتا ہے (ت)

کیا معنی کہ حدیث کا فرعی حکم اس وجہ سے کہ حدیث میں وارد ہے اخذ فرمائیں اور اسی حدیث کا اصل حکم جس پر اس کے ساتھ اور احادیث متواترہ بھی ناطق ترک کر جائیں فافھم ولا تعجل۔

---

[1] شرح معانی الآثار کتاب الزکوٰۃ باب الصدقۃ علی بنی ہاشم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۵۱

دہم جو بنی ہاشم کے لیے جواز مانے اور موالی پر حرام جانے، حدیث ابورافع ہرگز اس کے لیے حجت نہیں بلکہ صاف اس پر منقلب ہے کہ اُس میں مولائے قوم کو حکم قوم میں فرماتے ہیں جب حکم قوم جواز ہے حکم مولیٰ بھی لاجرم جواز ہوگا ورنہ موالی بالذات مستحقِ تحریم نہیں تو بر تقدیر اختیار جواز امام طحاوی کا یہ استدلال بالمخالف ٹھہرتا ہے۔

یازدہم طرفہ یہ کہ فرماتے ہیں امام ابو یوسف نے مولیٰ پر زکوٰۃ ناروا مانی اور ہمیں اپنے باقی ائمہ سے اس کا خلاف معلوم نہیں، خلاف تو بنا بنایا پیشِ نظر ہے کہ جس روایت میں خود بنی ہاشم کو زکوٰۃ روا ہوئی مولیٰ کے لیے بدرجۂ اولیٰ ہوئی، تو لاجرم وہ اس روایت کو نظر سے ساقط اور ناقابلِ اعتداد جانتے ہیں، جب تو علم خلاف کی نفی فرماتے ہیں۔

دوازدہم اس کے بعد دوسرا سوال قائم کرتے ہیں کہ بھلا تمھارے نزدیک بنی ہاشم کا تحصیلِ زکوٰۃ پر متعین ہوکر اس کی اجرت لینا بھی جائز ہے یا نہیں۔ سبحان اللہ! جب حقیقت زکوٰۃ انھیں جائز کرچکے تو شبہ زکوٰۃ میں کلام کا کیا موقع رہا، اگر امام طحاوی کی وہی مراد ہوتی تو میں ان دونوں سوالوں کی مثال اس سے بہتر نہیں جانتا کہ عالم شافعی المذہب کے میرے نزدیک بنت الفجور سے نکاح حلال ہے زید پُوچھے بھلا اس کی دختر رضاعی بھی حلال جانتے ہو یا نہیں، یا وہ کہے میرے نزدیک زنا موجب حرمت مصاہرت نہیں، زید پوچھے بھلا بے نکاح مس میں کیا کہتے ہو۔

یہ چھ دلائل جلائل سیاق میں تھے، اب نفسِ عبارت پر نظر کیجئے کہ اس کی شہادت سب سے اتم واکمل و قاطع جدل ہے۔ امام طحاوی نے بنی ہاشم پر مطلق صدقات کی حرمت ثابت کرکے فرمایا: یہ امام ابو حنیفہ و امام ابو یوسف و امام محمد کا مذہب یعنی ان سے ظاہر الروایۃ ہے کہ قول نہیں کہتے مگر ظاہر الروایۃ کو، پھر امام سے اختلافِ روایت ذکر کیا اور اول بلفظ روی عنہ کہ صریح ضعفِ روایت پر دلیل ہے وہ روایتِ شاذہ بلاسند ذکر کی پھر بسند متصل نقل کیا کہ امام کا قول مثل قول امام ابو یوسف ہے اور اس پر فرمایا فبھذا ناخذ۔ اب دیکھ لیجئے کہ امام طحاوی نے امام ابو یوسف کا کیا مذہب بیان فرمایا تھا جس پر حوالہ کرتے ہیں کہ ہمیں اس سند کے ساتھ امام سے اسی مذہب ابو یوسف کے مطابق پہنچا، آخر وُہ نہ تھا مگر اطلاقِ تحریم، تو قطعاً اسی کو بھذا ناخذ فرمایا ہے، یہ تو یقیناً معلوم کہ اوپر امام ابو یوسف کا کوئی قول نہ گزرا مگر تحریم، اور یہ بھی نہایت واضح وجلی کہ حوالہ نہیں کرتے، مگر امر مذکور پر لاجرم ماننا ہوگا کہ اختلافِ روایت بتا کر پہلے لفظ روی عنہ روایت ابو عصمہ روایت کی پھر وحدثنی (مجھے بیان کیا۔ ت) سے مذہب تحریم کہ اصول میں اسی طرق محمد عن ابی یوسف عن ابی حنیفۃ (امام محمد نے امام ابو یوسف سے انھوں نے امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے روایت کیا۔ ت) سے مروی رنگ اسناد دیا اور اسی کو بھذا ناخذ (اسی پر ہمارا عمل ہے۔ ت) سے مذیل کیا، اب سارا بیان اول سے آخر تک

منتظم وملتئم ہوگیا اور تمام اعتراضات واستغرابات دفعۃً دفع ہوگئے والا اخذ الکلام بعضہ بھجر بعض (ورنہ یہ تو بعض کلام کو لینا اور بعض کو چھوڑنا ہے۔ت)

تامل کیجئے تو کلامِ امام کا یہ وہ یقینی محمل ہے جس کے سوا دوسرا محتمل نہیں اور ہنوز اس کے مؤیدات نفس کلام و دیگر وجوہ سے بکثرت باقی ہیں مثلاً،

سیزدہم آشنائے کلامِ محدثین جانتا ہے کہ وہ جس قول کو مسنداً لاتے ہیں یا تو سند لکھ کر اُسے بیان فرماتے ہیں وھو الاکثر (اکثر کا طریقہ یہی ہے۔ت) یا قول بیان کرکے سندیوں ذکر کرتے ہیں کہ حدثنی بذلك فلان عن فلان یا حدثنی فلان عن فلان مثلہ (مجھے فلاں سے فلاں نے بیان کیا یا فلاں نے فلاں سے اسی کی مثل بیان کیا۔ت) تاکہ اسنادِ مسند سے مرتبط ہوجائے نہ یوں کہ بالکل تغایر و انقطاع رہے کہ روی عن ابی حنیفۃ کذا وحدثنی فلان عن ابی حنیفۃ (امام ابوحنیفہ سے اسی طرح مروی ہے اور مجھے فلاں نے امام ابوحنیفہ سے فلاں کی مثل قول نقل کیا ہے۔ت)

چہاردہم اگر ایسا ہی مانئے تو ضرور ہے کہ قولِ ابی یوسف بھی جواز ہو حالانکہ قولِ ابی یوسف قطعاً تحریم ہے بلکہ قول درکنار شاید اُن سے کوئی روایت شاذہ بھی مثل روایت نوح نہیں۔

پانزدہم خود امام طحاوی چند سطر کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ قولِ ابی یوسف موالی پر بھی تحریم ہے نہ کہ خود اصول کے لیے جواز۔

شانزدہم اور چند سطر بعد فرمایا قولِ ابی یوسف میں ہاشمی کو شبہ زکوٰۃ بھی روا نہیں یعنی اپنے عمل کی اُجرت مالِ زکوٰۃ سے لینا پھر اجازت حقیقت چہ معنی، تو لاجرم قولِ ابی یوسف وہی تحریم ہے اور اس سند کا متن اسی پر محمول، اور وبہٖ بھذا ناخذ (اسی پر ہمارا عمل ہے۔ت) سے مذیل۔

ہفدہم اوپر سُن چکے کہ روایتِ جواز روایت نوح ابن ابی مریم ابوعصمہ مروزی تلمیذ امام ابوحنیفہ و امام ابی لیلٰی وکلبی ہے اور امام طحاوی اپنی روایتِ مختارہ کو بطریق سلسلۃ الذہب محمد عن ابی یوسف عن ابی حنیفۃ (امام محمد نے امام ابویوسف سے اور انھوں نے امام ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے۔ت) روایت فرماتے ہیں اگر وہی روایت اس طریق سے مروی ہوتی تو روی ابویوسف عن ابی حنیفۃ (امام ابویوسف نے امام ابوحنیفہ سے روایت کیا۔ت) کہا جاتا، نہ روی ابوعصمۃ (شیخ ابوعصمہ نے روایت کیا۔ت) کہ مہرِ عالم افروز کو چھوڑ کر چراغ کی طرف نہیں جاتے نہ ہرگز فقہاء کا داب کہ امام کی وُہ روایتیں جو بطریق صاحبین مروی ہیں کسی اور کے نام سے منسوب کیا کریں خصوصاً وُہ صاحب بھی ایسے کہ جن کی نسبت کلامِ ائمہ معلوم ہے، نہیں نہیں بلکہ بیشک یہ روایت جسے بھذا ناخذ (اسی پر ہمارا عمل ہے۔ت) فرمایا، انھی روایاتِ اصول سے ہے جو

اس طریقہ انیقہ صاحبین سے آتی ہیں۔ یہ مجموع اٹھارہ باتیں تو اس نفس عبارت میں ہیں جن کے بعد ان شاء اللہ تعالٰی وضوح حقیقۃ الامر میں اصلاً مجالِ کلام نہیں اس کے سوا بعض دلائل قاہرہ و باہرہ اسی شرح معانی الآثار کے دوسرے مقام سے سُنیے جس سے یہ بھی ثابت ہُوا کہ امام طحاوی اُس روایت مردودہ کے اصل مبنی یعنی بنی ہاشم کے لیے خمس الخمس عوض صدقات ہونے ہی کا بہ نہایت شدومد انکار بلیغ فرماتے ہیں کتاب وجوہ الفیئ وخمس المغانم میں ایک قول فرمایا کہ بعض کے نزدیک آیۂ کریمہ میں ذوی القربٰی سے صرف بنی ہاشم مراد ہیں کہ اللہ تعالٰی نے جبکہ ان پر صدقہ حرام کیا یہ خمس کا حصہ اس کا عوض دیا، پھر اس کا رَد فرماتے ہیں کہ:

ان قولهم هذا عندنا فاسد لان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم لما حرمت الصدقة علی بنی هاشم قد حرمها علی موالیهم کتحریمه ایاها علیهم و تواترت عنه الأثار بذلك[1]

علماء کا قول ہے کہ یہ ہمارے نزدیک فاسد ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جب صدقہ بنو ہاشم پر حرام فرمایا تو آپ نے ان کے غلاموں پر بھی اسی طرح حرام فرمایا جس طرح بنو ہاشم پر حرام ہے اور اس پر آپ سے متواتر آثار ہیں۔ (ت)

پھر احادیثِ ابن عباس و ابورافع و ہرمز یا کیسان رضی اللہ تعالٰی عنہم ذکر کرکے فرمایا:

فلما کانت الصدقة المحرمة علی بنی هاشم قد دخل فیهم موالیهم و لم یدخل موالیهم معهم فی سهم ذوی القربٰی باتفاق المسلمین ثبت بذلك فساد قول من قال انما جعلت لذی القربٰی فی اٰیة الفیئ وفی اٰیة خمس الغنیمة بدلا مما حرم علیهم الصدقة[2]

صدقہ کی حُرمت میں بنو ہاشم کے ساتھ ان کے غلام بھی شامل تو ہیں مگر ذوی القربٰی کے حصہ میں بالاتفاق بنو ہاشم کے ساتھ شامل نہیں اس سے ان لوگوں کے قول کا فساد واضح ہوگیا جو کہتے ہیں کہ ایک آیت فیئ اور ایک آیت خمسِ غنیمت میں جو کچھ حضور کے رشتہ داروں کے لیے مقرر کیا گیا یہ اس صدقہ کے عوض ہے جو ان پر حرام کردیا گیا ہے (ت)

پھر دوسری دلیل نظری سے اس عوض ہونے کا فساد ثابت کرکے فرمایا:

فدل ذلك ان سهم ذوی القربٰی لم یجعل لمن یجعل له خلفا من الصدقة التی

یہ اس پر دال ہے کہ ذوی القربٰی کا حصہ جن لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا ہے وہ ان پر حرام کردہ

---

[1] شرح معانی الآثار کتاب وجوہ الفیئ الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۱۸۴

[2] ایضاً

حرمت علیہ[1] صدقہ کا عوض نہیں۔(ت)

پھر تصریح کی کہ بنی ہاشم پر صدقہ حرام ہے اور اسے احادیثِ متعددہ سے ثابت فرماکر ارشاد کیا،

افلا یری ان الصدقۃ التی تحل لسائر الفقراء من غیر بنی ھاشم من جھۃ الفقر لا تحل لبنی ھاشم من حیث تحل لغیرھم فکذٰلک الفیئ والغنیمۃ لوکان مایعطون منھا علی جھۃ الفقر اذا ماحل لھم[2]۔

کیا وہ یہ ملاحظہ نہیں کرتے کہ بنوہاشم کے علاوہ فقر کی وجہ سے تمام فقراء کے لیے صدقہ حلال ہے، لیکن بنوہاشم پر اس علت کی بنا پر حلال نہیں جس کی بنا پر اوروں کے لیے حلال ہے تو اسی طرح فیئ اور غنیمت اگر یہ فقر کی وجہ سے انھیں عطا کئے جائیں تو یہ بھی ان کے لیے حلال نہ ہونگے۔(ت)

اب بھی کچھ خفاءِ حق باقی رہا، وللہ الحمد ھٰکذا ینبغی التحقیق واللہ سبحانہ ولی التوفیق
(اللہ تعالٰی ہی کے لیے ہے حمد وثناء، اور تحقیق کے لیے ہی مناسب ہے اللہ سبحانہٗ وتعالٰی ہی توفیق کا مالک ہے۔ ت) رہا یہ کہ امام طحاوی ضمن کلام میں اُس روایت کی ایک توجیہ ذکر فرماگئے کہ ہمارے خیال میں اس روایت کی بنا پر امام کی نظر اس طرف گئی، حاشا یہ اصلاً اس کے اختیار سے علاقہ نہیں رکھتا، علماء کا داب ہے کہ اقوال مختلفہ میں ہر ایک کی دلیل ذکر فرماتے ہیں ہدایہ وکافی وغیرہما اس رنگ کی کتابیں اسی انداز پر ہیں پھر مختار وہی ہے جو مختار ہے اور قول کو صرف ابویوسف کی طرف نسبت کرنا کچھ مستغرب نہیں کہ امام سے تو اختلاف روایت کا بیان ہی ہے اور صاحبین میں اعظم واقدم ابویوسف ہیں معہذا مذہب تو سب کا اوپر لکھ ہی چکے یہاں فقط بتا دینا تھا بالجملہ کلام امام طحاوی بہ اعلٰی ندا منادی کہ وہ ہرگز اس روایت ضعیفہ کی ترجیح وتصحیح کے پاس بھی نہیں بلکہ قطعاً تحریم پر جازم، اور اس میں بھی یہاں تک جازم کہ تحریم نافلہ پر بھی حاکم، کما ھو المرجح عند المحقق علی الاطلاق والبعض الاٰخرین من الحذاق (جیسا کہ محقق علی الاطلاق اور بعض دیگر اکابرین کے نزدیک راجح ہے۔ ت) غالباً ابتداء میں بمقتضائے یابی اللہ العصمۃ الا لکلامہ وکلام رسولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (عصمت صرف کلام اللہ اور کلامِ رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ہی حاصل ہے۔ ت) بعض علمائے ناقلین کی نظر نے لغزش فرمائی اور وجھذا ناخذ (اسی پر ہمارا عمل ہے۔ ت) کی مشارالیہ وُہ روایت ضعیفہ خیال میں آئی پھر علمائے مابعد نقل در نقل فرماتے چلے آئے نقد یا مراجعت کا اتفاق نہ ہُوا

---

[1] شرح معانی الآثار کتاب وجوہ الفیئ وقسم الغنائم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۸۴

[2] " " " ۲/ ۱۹۴

ورنہ حاش للہ ان کی جلیل شان اس سے بس ارفع ہیں کہ بامعاون وتدبر شرح آثار پر نظر فرماتے اور اس کی عبارت کے یہ معنی ٹھہراتے، علامہ زین نجیم مصری بحرالرائق میں فرماتے ہیں:

قد یقع کثیرا ان مولفا یذکر شیئا خطأ فی کتابہ فیأتی من بعدہ من المشائخ فینقلون تلک العبارۃ من غیر تغییر فیکثر الناقلون لھا واصلھا الواحد مخطئ[1] الخ

بہت دفعہ ایسا ہوجاتا ہے کہ ایک مصنف اپنی کتاب میں خطا کرتا ہے تو بعد کے مشائخ اسے بغیر کسی تبدیلی کے نقل کردیتے ہیں، ناقلین کثیر ہوجاتے ہیں حالانکہ اصل خطا کرنے والا ایک ہی تھا الخ (ت)

مشتغل علم اگرچہ میری اس طویل تقریر کو بالکل گوش ناآشنا پائے گا مگر امید کرتا ہوں کہ ان شاء اللہ تعالٰی اس مقام کی تنقیح جمیل وتنقید جلیل برکات علماء سے اس بے بضاعت کا حصہ تھا ؎

وللارض من کاس الکرام نصیب

(زمین کے لیے بھی سخیوں کے دسترخوان سے حصہ ہوتا ہے)

فتبصر وتشکر والحمدللہ الاکبر، وانما اطلنا الکلام فی ھذا المقام لما بلغنا عن بعض علماء العصر من اجلۃ رامفور من اباحۃ الزکوٰۃ لحضرات الاشراف اغترارا بتلک الروایۃ وذلک الاختیار وما العصمۃ الا باللہ العزیز الغفار۔

غور کر، شکر کر، حمد اللہ کے لیے جو سب سے بڑا ہے، ہم نے اس مقام پر خوب طویل گفتگو اس لیے کی ہے کہ بعض معاصرین علمائے رامپور نے اس روایت کی بنا پر غلط فہمی کا شکار سادات کرام کے لیے زکوٰۃ کو مباح قرار دیا ہے، عصمت اللہ غالب غفار کے لیے ہی ہے (ت)

غرض میں جزم کرتا ہوں کہ بے شک بنی ہاشم پر زکوٰۃ حرام ہے اور بیشک اسی پر افتاء واجب اور بیشک اس سے عدول ناجائز، اور بے شک وہ روایت روایۃً مرجوح اور درایۃً مجروح اور بیشک امام طحاوی اس کے خلاف پر قاطع، اور بے شک اُن کی تصحیح جانب ظاہر الروایۃ راجع، والی اللہ الرجعی والیہ مناب (اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے اور وہی ماوٰی وملجا ہے۔ ت) واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم بالصواب۔

مسئلہ ۱۲۹: مرسلہ مولوی حافظ محمد امیر اللہ صاحب ۲ جمادی الاولٰی ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زکوٰۃ احوج کو دینا اولٰی ہے خصوصاً جو احوج اپنا قریب ہو یہ حکم مطلق ہے مثلاً بنی ہاشم اپنے اقارب احوجین کو زکوٰۃ دیں یا یہ مخصوص ہیں بوجہ حدیث:

---

[1] بحرالرائق کتاب البیوع باب المتفرقات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۸۵

یا بنی هاشم حرم اللّٰہ تعالٰی علیکم غسالۃ الناس واوساخھم[1]۔ | اے بنی ہاشم ! اللہ تعالٰی نے تم پر لوگوں کا بچا ہوا اور ان کی میل حرام کر دی ہے الخ (ت)

کے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

بیشک زکوٰۃ اور سب صدقات اپنے عزیزوں قریبوں کو دینا افضل اور دوچند اجر کا باعث ہے، زینب ثقفیہ زوجہ عبداللہ بن مسعود اور ایک بی بی انصاریہ رضی اللہ تعالٰی عنہم دراقدس پر حاضر ہوئیں اور حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کی زبانی عرض کرا بھیجا کہ ہم اپنے صدقات اپنے اقارب کو دیں، حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

لھما اجران اجر القرابۃ واجر الصدقۃ[2]۔ رواہ احمد والشیخان عن زینب رضی اللّٰہ تعالٰی عنھا۔

ان کے لیے دو ثواب ہوں گے ایک ثواب قرابت اور دوسرا تصدق کا (اسے امام احمد، بخاری اور مسلم نے حضرت زینب رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔ ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الصدقۃ علی المسکین صدقۃ وعلٰی ذی الرحم ثنتان صدقۃ وصلۃ[3]۔ اخرجہ النسائی والترمذی وحسنہ وابن خزیمۃ و ابن حبان فی صحیحھما والحاکم وقال صحیح الاسناد۔

مسکین کو دینا اکہرا صدقہ ہے اور رشتہ دار کو دینا دوہرا، ایک تصدق اور ایک صلہ رحم (اسے نسائی اور ترمذی نے بیان کیا اور اسے حسن کہا۔ ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں اور حاکم نے روایت کیا اور کہا اس کی سند صحیح ہے۔ ت)

بلکہ حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

یا امۃ محمد والذی بعثنی بالحق لایقبل اللّٰہ صدقۃ من رجل ولہ قرابۃ محتاجون الی صلتہ ویصرفھا الی غیرھم

اے امتِ محمد (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) قسم اس کی جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا اللہ تعالٰی اس کا صدقہ قبول نہیں فرماتا جس کے رشتہ دار اس کے

---

[1] نصب الرایۃ لاحادیث الھدایۃ کتاب الزکوٰۃ المکتبۃ الاسلامیہ صاحبہا الحاج ریاض الشیخ ۲/ ۴۰۳

[2] صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ فصل النفقۃ والصدقۃ علی الاقربین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۳

[3] جامع الترمذی ابواب الزکوٰۃ باب ماجاء فی الصدقۃ علٰی ذی القرابۃ امین کمپنی دہلی ۱/ ۸۳

والذی نفسی بیدہ لاینظر اللہ الیہ یوم القیامۃ[1] اخرجہ الطبرانی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

سلوک کی حاجت رکھیں اور وہ انھیں چھوڑ کر اوروں پر تصدق کرے، قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اللہ تعالٰی روزِ قیامت اُس پر نظر نہ فرمائے گا۔ (اسے طبرانی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

مگر یہ اسی صورت میں ہے کہ وہ صدقہ اس کے قریبوں کو جائز ہو، زکوٰۃ کے لیے شریعتِ مطہرہ نے مصارف معین فرما دیے ہیں اور جن جن کو دینا جائز ہے صاف بتا دیے، اس کے رشتہ داروں میں وہ لوگ جنھیں دینے سے ممانعت ہے ہرگز استحقاق نہیں رکھتے، نہ اُن کے دیے زکوٰۃ ادا ہو جیسے اپنے غنی بھائی یا فقیر بیٹے کو دینا، یونہی اپنا قریب ہاشمی کہ شریعت مطہرہ نے بنی ہاشم کو صراحۃً مستثنیٰ فرمالیا ہے اور بیشک نصوص مطلق ہیں۔

الشیخان واللفظ لمسلم عن ابی ھریرہ(ف) رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انا لاتحل لنا الصدقۃ[2] احمد وابوداؤد والترمذی وصححہ والنسائی والحاکم وقال علی شرط الشیخین واقروہ وابن خزیمۃ و ابن حبان والطحاوی عن ابی رافع مولٰی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان الصدقۃ لاتحل لنا[3] احمد وابن حبان بسند صحیح عن الحسن بن علی رضی اللہ تعالٰی

الشیخان، اور الفاظِ مسلم میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارے لیے صدقہ حلال نہیں۔ مسند احمد، ابوداؤد اور ترمذی نے صحیح کہا۔ نسائی، حاکم نے کہا یہ شیخین کے شرائط پر ہے۔ محدثین نے اسے ثابت رکھا۔ ابن خزیمہ، ابن حبان اور طحاوی نے حضرت ابورافع (جو رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں) نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بیان کیا کہ صدقہ ہمارے لیے حلال نہیں۔ مسند احمد اور ابن حبان نے سندِ صحیح کے ساتھ حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالٰی عنہما سے

---

[1] مجمع الزوائد بحوالہ معجم اوسط باب الصدقۃ علی الاقارب الخ دار الکتاب العربی بیروت ۳/ ۱۱۷

[2] صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۴۴

[3] جامع الترمذی ابواب الزکوٰۃ باب ماجاء فی کراہیۃ الصدقۃ للنبی الخ امین کمپنی دہلی ۱/ ۸۳

ف: صحیح مسلم میں مذکورہ حوالہ میں "عن ابی ھریرۃ" کی جگہ "عن شعبۃ بھذا الاسناد" ہے۔

عنهما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انا اٰل محمد لاتحل لنا الصدقة[1]، احمد عن ام کلثوم رضی اللہ تعالٰی عنہا ومسلم عن مہران مولٰی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مثلہ وھو عند الطحاوی عن ام کلثوم ان مولی لنا یقال لہ ھرمز او کیسان[2] الحدیث الطبرانی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ لا یحل لکما اھل البیت من الصدقات شیئ[3] احمد وابوداؤد والنسائی والحاکم وصححہ والطحاوی عن بھز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لا یحل لاٰل محمد منہا شیئ۔[4] الٰی غیر ذٰلک من العمومات والاطلاقات التی لاتکاد تحصی لکثرتھا۔

مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا آلِ محمد کے لیے صدقہ حلال نہیں۔ مسند احمد میں حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالٰی عنہا اور مسلم میں حضرت مہران (رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام) سے انھوں نے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اسی کی مثل روایت کیا ہے، امام طحاوی کے نزدیک یہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالٰی عنہا سے مروی ہے کہ ہمارے آزاد شدہ غلام تھے جنھیں ہرمز یا کیسان کہا جاتا ہے الحدیث، طبرانی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اے اہل بیت! تمھارے لیے صدقات میں سے کوئی شَے حلال نہیں۔ مسند احمد، ابوداود، نسائی اور حاکم نے اسے صحیح کہا۔ طحاوی نے حضرت بہز بن حکیم انھوں نے اپنے دادا سے انھوں نے رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آلِ محمد کے لیے صدقات میں سے کوئی شَے حلال نہیں۔ اور ان کے علاوہ دیگر عمومی اور اطلاقی دلائل جن کا احصا کثرت کی وجہ سے دشوار ہے۔ (ت)

تو بیشک حکم احادیث ہاشمیوں پر مطلق زکوٰۃ کی تحریم ہے خواہ ہاشمی کی ہو یا غیر ہاشمی کی، اور یہی مذہب امام کا ہے اور یہی اُن سے ظاہر الروایۃ اور اسی پر متون، تو یہی معتمد ہے،

فی الدرالمختار ظاھر المذھب اطلاق المنع وقول العینی والھاشمی یجوز لہ دفع زکوتہ

درمختار میں ہے ظاہر مذہب یہی ہے کہ سادات کو صدقہ دینا ہر حال میں منع ہے، امام عینی کا قول کہ ہاشمی

---

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از حسن بن علی رضی اللہ عنہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۲۰۰
[2] شرح معانی الآثار کتاب وجوہ الفیئ وقسم الغنائم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۱۸۴
[3] المعجم الکبیر حدیث ۱۱۵۴۳ مروی از عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱۱/۲۱۷
[4] مسند احمد بن حنبل حدیث بہز بن حکیم الخ دارالفکر بیروت ۵/۴۹۲

19
19

لعلہ صوابہ لا یجوز نھواﷲ واﷲ سبحانہ و تعالٰی اعلم۔ | اپنی زکوٰۃ ہاشمی کو دے سکتا ہے، اسے درست قرار دینا جائز نہیں، نہر اھ واﷲ سبحانہٗ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۰: از شہر بریلی مسئولہ منشی شوکت علی صاحب محرر چونگی شب ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زکوٰۃ کا روپیہ کافر، مشرک، وہابی، رافضی، قادیانی وغیرہ کو دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

ان کو دینا حرام ہے اور ان کو دئے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، واﷲ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۱: از پنڈول بزرگ ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور مرسلہ نعمت علی صاحب ۱۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خالصاً ﷲ ولوجہ اﷲ جو چیز دی جائے اس کا کھانا امیر و غنی کو کیسا ہے؟

الجواب

صدقہ واجبہ جیسے زکوٰۃ وصدقہ فطر غنی پر حرام ہے اور صدقہ نافلہ جیسے حوض یا سقایہ کا پانی یا مسافر خانے کا مکان غنی کو بھی جائز ہے، مگر میت کی طرف سے جو صدقہ ہوتا ہے غنی نہ لے، نہ غنی کو دیں۔ واﷲ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۲: از راندیریہ ضلع سورت ڈاکخانہ خاص مسئولہ جناب مولٰنا مولوی فقیر غلام محی الدین صاحب ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آج کل سمرنا فنڈ میں صاحب زکوٰۃ سے زکوٰۃ اور جن پر قربانی واجب ہے اُن سے قربانی کی قیمت طلب کر رہے ہیں اور اس کے لیے گجراتی بڑے لمبے چوڑے اشتہار چھپے ہیں کیا صاحب زکوٰۃ کی زکوٰۃ اور جن پر قربانی واجب ہے اُن کی قربانی سمرنا فنڈ میں دینے سے ہوجائے گی؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جس پر قربانی واجب ہے اُسے حرام ہے کہ قربانی نہ کرے اور اس کی قیمت کسی فنڈ میں دے دے اس سے ہرگز قربانی ادا نہ ہوگی واجب کا تارک ہوگا اور عذاب کا مستحق، اور ایسے چندوں میں دینے سے کہ لوگ بطور خود کرتے ہیں اور سب کے چندے زکوٰۃ وغیر زکوٰۃ کے بلکہ مرتدین نااہل زکوٰۃ مثل وہابیہ وغیرہم کے سب خلط کرلیتے ہیں

ے درمختار | باب المصرف | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۴۱

زکوٰۃ ادا نہیں ہوسکتی، ہاں اعانتِ مسلمین کی نیت پر ثواب پائے گا مگر فرضِ زکوٰۃ سر پر باقی رہے گا واللہ تعالٰی اعلم۔

صدقہ فطر کا بیان

مسئلہ ۱۳۳ از نینی تال مرسلہ شیخ عنایت حسین صاحب ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ واقعہ کانپور میں مسلمانوں سے دربارہ مسجد پولیس سے فساد ہوگیا، پولیس نے انھیں نشانۂ بندوق بنایا، اب ان کے غریب بچّے یتیم ہوگئے اور نادار مسلمان زخمی ہوکر گرفتار کرلیے گئے، اب ان کی رہائی اور پرورش حفاظت جان و عزّت کے لیے روپے کی ضرورت ہے، مسلمان چاہتے ہیں کہ صدقہ فطر رمضان المبارک اس کارِ خیر کے متعلق دے دیا جائے عندالشرع دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

صدقۂ فطر میں مسلمان فقیر کو دے کر مالک کر دینا شرط ہے، تو اگر غرباء کو دے کر مالک کردیں تو جائز ہے یا فقیر کو دیں اور وہ اپنی طرف سے مقدمہ میں لگانے کو دے دیں تو جائز ہے، ورنہ مقدمے میں اٹھانے یا وکیلوں کو دینے سے صدقہ ادا نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے:

صدقۃ الفطر کالزکوٰۃ فی المصارف و فی کل حال[1]

صدقۂ فطر مصارف اور تمام احوال میں زکوٰۃ کی طرح ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

من اشتراط النیۃ واشتراط التملیک فلا تکفی الاباحۃ کما فی البدائع[2]

یعنی نیت اور تملیک دونوں شرائط ہیں تو محض اباحت کفایت نہ کرے گی کما فی البدائع۔ (ت)

واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم و احکم۔

مسئلہ ۱۳۴، ۱۳۵ از راولپنڈی لال کرتی مرسلہ دین محمد صاحب فروش ۲۱ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) صدقۂ فطر لینا امام مسجد کو جائز ہے یا نہیں؟

---

[1] درمختار باب صدقۃ الفطر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۵

[2] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۲/۸۶

(۲) مُردوں کے مال یعنی صدقہ وغیرہ لینا بالامذکور کو جائز ہے یا نہیں؟ حالانکہ امام مسجد صاحب زکوٰۃ وصاحب مال ہو، دیگر امام مسجد کو ہر جمعرات کو برائے تیل کے نقد و تیل منگانا اور اپنے ذاتی مصرف میں لانا جائز ہے یا نہیں؟ قربانیوں کی کھالیں وغیرہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

صاحبِ نصاب کو اگرچہ امام مسجد ہو کوئی صدقہ واجبہ مثل زکوٰۃ یا صدقات عید الفطر یا کفارات جائز نہیں حرام ہے، اور اس کے دئے وہ زکوٰۃ وصدقہ ادا نہ ہوں گے۔ قربانی کی کھال اگر لوگ اپنی خوشی سے دیں لے سکتا ہے مانگ کر اپنا حق قرار دے کر لینا جائز نہیں۔ اموات کی طرف سے جو نفل صدقہ دیا جاتا ہے اگر دینے والے نے اسے فقیر سمجھ کر دیا اور اس نے اپنا صاحبِ نصاب ہونا چھپایا تو یہ بھی حرام ہے ورنہ مکروہ و ناپسند۔ تیل وغیرہ کے لیے نقد منگا کر جو بچے اپنے صرف میں کرنا بھی حرام ہے مگر اس صورت میں کہ دینے والے اس بات سے آگاہ اور اس پر راضی ہوں تو کچھ مضائقہ نہیں۔ بقولہ تعالٰی عن تراض منکم[1] (اللہ تعالٰی کا فرمان ہے تمہاری رضامندی سے ہو۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۶: از دیوبند ضلع سہارنپور مسجد جامع مرسلہ مولوی اظہار الدین بنگالی ۹ ذی القعدہ ۱۳۲۲ھ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ جس ملک میں چاول کثرت سے پیدا ہوں اور وہاں کے باشندوں کی غذا چاول ہی ہو اور گندم مطلقاً پیدا نہ ہو مگر دوسرے ملکوں سے کچھ آتا ہے لیکن وہ بھی ہر جگہ نہیں ملتا ہے بلکہ شہر وقصبہ میں ملتا ہے اور اس کو کوئی غذا کھاتا بھی نہیں بلکہ دوامی اتفاقاً استعمال میں لاتے ہیں اور جو بھی بہت قلت طور پر پیدا ہو مثلاً چار پانسو یا ہزار دو ہزار بیگھہ میں سے کسی نے ایک آدھ بیگھہ میں بولیا اور اس کو ستو بنا کر برس چھ ماہ میں کبھی ناشتہ کے طور پر کھالیتے ہیں اور خرما ناپید ہے اور نہ کہیں ملتا ہے، پس ایسے ملک کے باشندوں پر صدقہ فطر نصف صاع گندم کی قیمت میں جس قدر چاول آئے وہ واجب ہوگا یا ایک صاع چاول واجب ہوگا بینوا بالدلیل جزاکم اللہ الجلیل (دلیل کے ساتھ بیان کیجئے اللہ تعالٰی آپ کو جزا دے۔ ت)

الجواب

شرع مطہر نے یہ صدقہ صرف چار چیزوں سے مقرر فرمایا ہے: گیہوں، جَو، خُرما، زبیب۔ ان کے سوا پانچویں کوئی چیز چاول ہو یا دھان یا کپڑا وہ انھی میں ایک کی قیمت کے اعتبار سے جائز ہے ورنہ نہیں،

---

[1] القرآن ۴/ ۲۹

گیہوں سے نیم صاع واجب ہے یعنی ایک سو پینتیس تولے کہ انگریزی روپیہ سے ایک سو چالیس روپیہ بھر ہُوا، اور رانشی روپیہ کے سیر سے پونے دو سیر اور پون چھٹانک اور بیسواں حصہ چھٹانک کا، اور جَو سے اس کا دونا گیہوں یا جَو کا وہاں کم پیدا ہونا یا غذا میں مستعمل نہ ہونا یا دیہات میں نہ ملنا چاول کو بے لحاظ قیمت صرف صاع یا نیم صاع دے دینے کے قابل نہیں کر سکتا بلکہ واجب ہے کہ اپنے ضلع میں گیہوں نیم صاع یا جَو، ایک صاع کی جو قیمت ہو اُس قدر دام یا اُتنے دام کے چاول یا اور چیز ادا کریں۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

انما تجب من اربعة اشیاء من الحنطة و الشعیر والتمر والزبیب وماسواہ من الحبوب لایجوز الا بالقیمة[1] اھ بالالتقاط

چار اشیاء میں واجب ہے: گندم، جَو، کھجور اور زبیب۔ ان کے ماسوا میں قیمت کے علاوہ جائز نہیں اھ اختصاراً (ت)

منسک متوسط میں ہے:

ھذہ اربعة انواع لاخامس لها واما غیرها من انواع الحبوب فلا یجوز الا باعتبار القیمة کالارز والذرة والماش والعدس والحمص وغیر ذٰلك[2]۔

یہ چار انواع ہیں ان کی پانچویں نہیں اور ان کے علاوہ دانوں میں قیمت کے علاوہ کسی کا اعتبار نہیں مثلاً چاول، باجرہ، مسور اور چنے وغیرہ۔ (ت)

درمختار میں ہے:

مالم ینص علیه کذرة وخبز یعتبر فیه القیمة[3] واللّٰه تعالٰی اعلم۔

جس پر نص نہیں مثلاً باجرہ اور روٹی، ان میں قیمت کا اعتبار ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۷: ۷ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۱ھ

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ اگر در خانہ کسے مثلاً دہ کس موجود باشند بعض از ان غلام وپسر صغیر وبعض زوجہ خود وپسر کبیر پس صدقہ فطر ہفت کس یا ہشت کس ادا کردہ شود

علمائے دین اور مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ اگر کسی کے گھر میں دس افراد ہوں بعض ان میں سے غلام، بعض چھوٹے بچے، بعض کے ساتھ بیوی اور بڑے بچے ہوں تو صدقہ فطر

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب الثامن فی صدقۃ الفطر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۹۲-۱۹۱
[2] منسک متوسط متن مسلک متقسط مع ارشاد الساری فصل فی الجزاء اللبس التغطیۃ دار الکتاب العربی بیروت ص ۲۶۴
[3] درمختار باب صدقۃ الفطر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۵

وصدقہ دو آدمی یا سہ آدمی از غلام و پسر صغیر باشد یا غیر آں دادہ نہ شود پس صدقہ کسانے کہ ادا کردہ شد شرعاً صحیح و درست خواہد شد یا نہ؟ بیّنوا بالکتاب توجروا یوم الحساب۔

سات افراد کا ہوگا یا آٹھ کا، دو آدمیوں یا تین غلام اور چھوٹے بچوں کا صدقہ نہ دیا ہو، جن اشخاص کا صدقہ دیا ہے وہ شرعاً درست ہوگا یا نہیں؟ کتاب سے جواب دے کر روزِ حساب اجر پاؤ۔ (ت)

الجواب

ہرچہ مؤدی از اطفال صغار خود ادا کرد ادا شد کہ وجوب ہم بروست نہ بر اطفال و انچہ از زوجہ و اولاد کبار عاقلین ادا کرد اگر باذن ایشاں بود نیز از ایشاں ادا شد ورنہ نہ فی ردالمحتار عن البحر لو ادی زکوٰۃ غیرہ بغیر امرہ فبلغہ فاجاز لم یجز لانہا وجدت نفاذا علی المتصدق لانہا ملکہ ولم یصر نائبا عن غیرہ فنفذت علیہ ولو تصدق عنہ بامرہ جاز[1] (ملخصا) واللہ تعالٰی سبحٰنہ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

چھوٹے بچوں کی طرف سے جو ادا کیا وہ ادا ہوجائے گا کیونکہ وہ واجب ہی والد پر تھا، اور جو بیوی اور بڑی اولاد کی طرف سے ادا کیا اگر ان کا اذن تھا تو بھی ادا ہوجائیگا اور اگر اذن نہ تھا تو صدقہ ادا نہ ہوگا۔ ردالمحتار میں بحر سے ہے: اگر کسی نے دوسرے کی طرف سے اس کی اجازت کے بغیر زکوٰۃ ادا کردی پھر دوسرے تک خبر پہنچی اور اس نے اسے جائز بھی رکھا تب بھی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی کیونکہ اس کا نفاذ صدقہ کرنے والے پر ہے، کیونکہ وہ زکوٰۃ اس کی ملکیت ہے اور غیر سے نائب بن نہیں سکتا کہ اس کی اجازت کا نفاذ ہو، ہاں اگر اجازت سے زکوٰۃ ادا کی ہو تو پھر جائز ہوگا (ملخصاً) واللہ سبحانہ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۱۳۸: ۲۸ جمادی الاولٰی ۱۳۲۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زکوٰۃ اور صدقۂ فطر کا نصاب برابر ہے یا کچھ فرق ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

مقدارِ نصاب سب کے لیے ایک ہے کچھ فرق نہیں، ہاں زکوٰۃ میں مال نامی ہونا شرط ہے کہ سونا چاندی چرائی پر چھوٹے جانور تجارت کا مال ہے وبس، اور سال گزرنا شرط ہے صدقۂ فطر و قربانی میں یہ کچھ

---

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ مصطفی البابی مصر ۲/۱۲

درکار نہیں کما فی جمیع الکتب (جیسا کہ سب کتابوں میں ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۹ از شہر بریلی محلہ ملوکپور مرسلہ جناب سید محمد علی صاحب نائب ناظر فرید پور رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ

صدقۂ فطر کی مقدار فی کس کیا ہے؟

الجواب

تین سو اکاون روپے بھر جَو یا اُس کے آدھے گیہوں کہ بریلی کی تول سے پونے دو سیر اور ایک اٹھنی بھر ہُوئی۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۴۰ تا ۱۴۱ از کمریٹ روٹی گودام چھاؤنی لکھنؤ مرسلہ مولوی سید باسط احمد ۲ شوال المکرم ۱۳۳۶ھ

(۱) وزن فطرہ بحساب سیر لکھنؤ کتنا دینا چاہیے؟ نصف صاع بوزن سیر لکھنؤ کتنا ہوتا ہے؟

(۲) گز شرعی بحساب گز نمبری مروجہ لکھنؤ کس قدر ہے؟

الجواب

(۱) گیہوں کا صاع دو سو ستر ۲۷۰ تولے ہے کہ انگریزی روپے سے دو سو اٹھاسی ۲۸۸ روپے بھر ہوئے۔ نصف صاع کے ایک سو چوالیس ۱۴۴ روپے بھر گیہوں۔ لکھنؤ کا سیر اسّی روپے بھر کا ہے تو اس سے دو سیر ہوئے، سیر کا ۱/۵ کم یعنی پونے دو سیر سے چار روپے بھر اوپر، لیکن زیادہ احتیاط یہ ہے کہ جَو کے صاع سے گیہوں دیے جائیں، جَو کے صاع میں گیہوں تین سو اکاون ۳۵۱ روپے بھر آتے ہیں تو نصف صاع ایک سو پچھتر ۱۷۵ روپے آٹھ آنے بھر ہوا، لکھنؤ کا سوا دو سیر اٹھنی بھر کم۔

(۲) نمبری گز کہ تین فٹ کا ہے، ہر فٹ بارہ ۱۲ انچ گز شرعی جسے ذراع کرباس کہتے ہیں، اس کا نصف یعنی آٹھ گرہ کے برابر ہے کہ وہ چوبیس انگل ہے اور ہر گرہ تین انگل۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۲ تا ۱۴۳ از موضع خورد مئو ڈاکخانہ بدوسرائے ضلع بارہ بنکی مرسلہ سید صفدر علی صاحب ۱۱ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین امورِ ذیل میں:

(۱) زید کی بیوی ہندہ جو مالکِ نصاب نہیں ہے مع اپنے ایک خورد سال بچّے کے اپنے باپ بکر کے یہاں یعنی میکے میں عید الفطر کو قیام رکھتی ہے تو اُس کا اور اس کے لڑکے کا صدقہ کس کو دینا چاہئے، آیا زید کو جو ہندہ کا شوہر ہے یا بکر کو جو ہندہ کا باپ ہے۔

(۲) اگر کوئی مہمان یہاں ۲۷ یا ۲۸ رمضان شریف سے مقیم ہے یا قبل طلوعِ فجر عید الفطر آیا تو کیا ان مہمانوں کا صدقہ شرعاً میزبان کو ادا کرنا چاہئے یا مہمان اپنا صدقہ خود ادا کریں؟

الجواب

(۱) خوردسال بچے کا صدقۂ فطر اُس کے باپ پر ہے، اور عورت کا نہ باپ پر نہ شوہر پر، صاحبِ نصاب ہوتی تو اس کا صدقہ اسی پر ہوتا ہے۔

(۲) مہمان کا صدقہ میزبان پر نہیں، وہ اگر صاحبِ نصاب ہیں اپنا صدقہ آپ دیں۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۴۴ ۲۸ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

فطرۂ رمضان کے نصف صاع آٹے کے عوض میں اگر نصف صاع چاول دے دے تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

چاول کی قیمت کا اعتبار ہے دئے جائیں گے خواہ وزن میں نصف صاع ہوں یا زیادہ یا کم یعنی نصف صاع گندم کی قیمت میں جتنے چاول آئیں اتنے دئے جائیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۴۵ (جلد میں سوال نہیں)

الجواب

صاع چار مُد ہے اور مد دو رطل اور رطل بیس استار، اور استار ساڑھے چار مثقال، اور مثقال ساڑھے چار ماشے، اور تولہ بارہ[۱۲] ماشے، اور انگریزی روپیہ سوا گیارہ ماشے، تو صاع دو سو ستر[۲۷۰] تولے، اور روپوں سے دو سو اٹھاسی[۲۸۸] روپے بھر، تو اسّی روپے کے سیر سے ۳ سیر ۹ چھٹانک اور ۳/۵ چھٹانک، یا یُوں کہئے کہ ساڑھے تین سیر ڈیڑھ چھٹانک اور ۱/۱۰ چھٹانک۔ اس حساب میں کوئی شک نہیں، اسی تول کے گیہوں دئے جاتے تھے۔

لما فی الفتح یعتبر نصف صاع من بر من حیث الوزن عند ابی حنیفۃ[۱]۔ کیونکہ فتح میں ہے کہ امام ابوحنیفہ کے ہاں وزن کے اعتبار سے نصف صاع گندم کا اعتبار ہے (ت)

رمضان المبارک ۱۳۲۷ھ سے علامہ شامی کی یہ احتیاط زیادہ پسند آئی کہ صاع لیا جائے جَو کا، اور اس کے وزن کے گیہوں دئے جائیں، ظاہر ہے کہ جو ہلکا ہو جتنے برتن میں دو سو ستر[۲۷۰] تولے جَو آئیں گے جب وہ گیہوں سے بھرا جائے گا تول میں زیادہ چڑھیں گے، اس میں فقیروں کا نفع زیادہ ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

علی ھذا الاحوط تقدیرہ بالشعیر ولھذا اس بنا پر احتیاط اسی میں ہے کہ اس کا تقرر جَو

---

[۱] فتح القدیر فصل فی مقدار الواجب ووقتہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۲۲۹

نقل بعض المحشین عن حاشیۃ الزیلعی للسید محمد امین میرغنی ان الذی علیہ مشائخنا بالحرم الشریف المکی و من قبلھم من مشائخھم وبہ کانوا یفتون تقدیرہ بثمانیۃ ارطال من الشعیر ولعل ذٰلک لیحتاطوا فی الخروج عن الواجب بیقین لما فی مبسوط السرخسی من ان الاخذ بالاحتیاط فی باب العبادات واجب اھ فاذا قدر بذٰلک یسع ثمانیۃ ارطال من العدس ومن الماش وھی مما یتساوی کیلہا ووزنہا بخلاف العکس فلذا کان تقدیر الصاع بالشعیر احوط اھ[1] الخ

بعض محشین نے حاشیہ زیلعی للسید محمد امین میرغنی سے نقل کیا، حرم مکی کے مشائخ اور ان سے پہلے ان کے مشائخ نے اسی پر اعتماد کیا اور وہ اسی پر فتوٰی دیا کرتے تھے کہ آٹھ رطل جَو کا اعتبار ہوگا اور شاید انھوں نے یہ اس لیے کیا تاکہ واجب کی ادائیگی بالیقین ہوجائے اور اس لیے بھی کہ مبسوط سرخسی میں ہے کہ عبادات کے معاملے میں احتیاط پر عمل واجب ہوتا ہے اھ جب صاع کا تقرر یُوں ہوا تو اب مسور اور گندم کے آٹھ رطل کی گنجائش بھی ہوگی اور یہ اس سے بہر صورت بڑھ جائیں گے بخلاف عکس کے۔ اسی لیے صاع کا تقرر جَو کے ساتھ کرنا احوط ہے اھ الخ (ت)

اس بنا پر بنظرِ احتیاط و زیادتِ نفعِ فقرا میں نے ۲۷ ماہ مبارک ۱۳۲۰ھ کو ایک سو چوالیس روپیہ بھر جَو وزن کئے کہ نصف صاع ہُوئے اور انھیں ایک پیالے میں بھرا، حُسنِ اتفاق کہ تام چینی کا ایک بڑا کاسہ گویا اسی پیمانہ کا ناپ کر بنایا گیا تھا وُہ جَو اس میں پوری سطح مستوی تک آگئے من دون تکویم ولا تقعیر (بغیر ابھار اور گہرائی کے۔ ت) تو وہی کاسہ نصف صاع شعیری ہُوا، پھر میں نے اُسی کاسہ میں گیہوں بھر کر تولے تو بریلی کے سیر سے ۱۰ ثار اور ایک اٹھنی بھر ہُوئے یعنی ایک سو پچھتّر روپے آٹھ آنہ بھر، تو یہ وزنِ گندم ہوا اور اس کا دوچند ۳۵۱ روپیہ بھر وزن جَو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۶: از ریاست کشمیر ضلع میرپور ڈاک خانہ نوشہرہ موضع پھڈہ مرسلہ مولوی محمد عبداللہ صاحب ۴ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ درمختار میں صاع ۱۰۴۰ درم کا لکھا ہے اور اکثر کتب میں من ۱۸۰ مثقال کا ہے وبقول معروف کل عشرۃ دراھم سبعۃ مثاقیل (معروف قول کے مطابق ہر دس دراہم کا وزن سات مثقال ہونا چاہیے۔ ت) ایک من ۱۸۲ مثقال کا ہوتا ہے تو صاع میں آٹھ مثقال زیادہ آئے، اور ایسے ہی شیخ دہلوی نے شرح سفر السعادۃ و شرح مشکوٰۃ میں وزن صاع لکھا ہے قاعدہ مذکور سے پورا موافق

---

[1] ردالمحتار باب صدقۃ الفطر مصطفی البابی مصر ۲/۸۴

نہیں آتا ہے، یہ تحقیق و تدقیق فرماکر جلد عنایت کیجئے۔

الجواب

صاع چار من ہے اور من چالیس استار، اور استار ساڑھے چار مثقال، اور مثقال ساڑھے چار ماشے، اور ماشہ آٹھ رتی، اور رتی آٹھ چاول، اور بارہ ماشے کا ایک تولہ، تو صاع دو سو ستر تولے ہے اور انگریزی روپیہ رائج ہے کہ روپیہ سوا گیارہ ماشے کا ہے، صاع دو سو اٹھاسی روپیہ بھر، اور من ایک سو اسی مثقال یعنی سترسٹھ تولے چھ ماشے، یعنی بہتر روپیہ بھر۔ یہ وزن محقق ہے جس میں اصلاً شبہہ نہیں، غرر الافکار شرح درر البحار میں ہے:

الصاع اربعۃ امداد والمد رطلان والرطل نصف من والمن باالاستار اربعون والاستار بالمثاقیل اربعۃ ونصف [1] اھ مختصرا۔

صاع چار مُد کا ہوتا ہے، اور مد دو رطل کا، رطل نصف من کا، من چالیس استار کا، اور استار ساڑھے چار مثقال کا ہوتا ہے اھ اختصاراً (ت)

کشف الغطاء میں ہے:

بدانکہ معتبر نزد ما عراقی ست وآں ہشت رطل ست ورطل بست استار واستار چار و نیم مثقال ومثقال بست قیراط یک جبہ وچہار خمس جبہ وجبہ کہ آنرا بفارسی سُرخ گویند ہشتم حصہ ماشہ است پس مثقال چہار و نیم ماشہ باشد [2]

واضح رہے کہ ہمارے نزدیک معتبر عراقی (صاع) ہے اور وہ آٹھ رطل کا ہوتا ہے، ایک رطل بیس استار اور استار ساڑھے چار مثقال، مثقال بیس قیراط ایک جبہ اور چہار خمس جبہ ہے۔ جبہ جسے فارسی میں "سُرخ" کہتے ہیں ماشہ کا آٹھواں حصہ ہوتا ہے، پس مثقال ساڑھے چار ماشہ ہوا۔ (ت)

حضرت شیخ محقق دہلوی قدس سرہ القوی کا بیان اصلاً اس سے مخالف نہیں، مثقالوں کا یہی حساب رکھا ہے کہ سات سو بیس مثقال کا صاع اکبری وجہانگیری سیروں سے اس کا اندازہ بتایا ہے۔ اکبری سیر تیس استار کا تھا اور صاع ایک سو ساٹھ استار، تو صاع ۱۶۰ ÷ ۳۰ = ۵ $\frac{1}{3}$ سیر اکبری ہوا، اور سیر جہانگیری ۳۶ استار، تو صاع ۱۶۰ ÷ ۳۶ = ۴ $\frac{4}{9}$ سیر جہانگیری ہوا۔ شرح صراط مستقیم فصل زکوٰۃ فطر میں فرماتے ہیں:

صاع عراقی ہشت رطل وصاع حجازی پنج رطل وثلث رطل

عراقی صاع آٹھ رطل اور حجازی پانچ رطل اور ثلث رطل

---

[1] ردالمحتار بحوالہ شرح درر البحار باب صدقۃ الفطر مصطفی البابی مصر ۸۳/۲

[2] کشف الغطاء فصل در احکام دعا وصدقہ وخواں از اعمال خیر برائے میّت مطبع احمدی، دہلی ص ۶۸

و واجب نزد شافعی صاع حجازی ست و نزد ما نصف صاع عراقی و آن دو من ست و من چہار استار و استار چہار و نیم مثقال۔ پس من صد و ہشتاد مثقال بود کذا قال شارح الوقایۃ واز کتب دیگر نیز ہمچنیں معلوم می گردد وچوں ایں حساب را بوزن دیار خود کار فرمائیم نصف صاع بوزن اکبر شاہی کہ سیرے سی سیر شاہی بود دو و نیم سیری می شود و پنج سیر شاہی، و بوزن حال جہانگیر شاہی ابد اللہ ملکہ وسلطنتہ کہ سیرے سی و شش سیر شاہی بود دو سیر و یک پاؤ می شود یک سیر شاہی کم، باین حساب کہ صاع ہفت صد و بست مثقال ست از انکہ صاع چہار من ست و من چہل استار و استار چہار و نیم مثقال پس ہر من صد و ہشتاد مثقال بود وچوں سیر شاہی ہم چہار و نیم مثقال ست لازم آید کہ نصف صاع ہشتاد سیر شاہی باشد و ہشتاد سیر شاہی دو و نیم سیر و پنج سیر شاہی شود بوزن قدیم، و دو سیر و یک پاؤ یک سیر شاہی کم بوزن حال۔ واللہ تعالٰی اعلم۱ھ[1]

اور ثلث رطل ہے۔ امام شافعی کے نزدیک صاع حجازی واجب ہے اور ہمارے نزدیک صاع عراقی، جو دو من کا ہوتا ہے، اور من چار استار، اور استار ساڑھے چار مثقال ہے، لہذا من ایک سو اسّی مثقال ہوا جیسا کہ شارح وقایہ نے کہا، اور دوسری کتب سے بھی اسی طرح معلوم ہوتا ہے، جب ہم اس کا حساب اپنے شہروں کے وزن کے اعتبار سے کرتے ہیں تو نصف صاع اکبری سیروں کے مطابق ۲½ سیر ۵ استار ہوگا اور جہانگیری (اللہ تعالٰی اس کے ملک و سلطنت کی حفاظت کرے) سیروں کے مطابق ۲¼ سیر اور ایک استار کم بن جاتا ہے یہ اس حساب سے کہ صاع ۷۲۰ مثقال ہو اور اگر صاع ۴ من، اور من ۴۰ استار اور استار ۴½ مثقال ہو تو ہر من ۱۸۰ مثقال ہوگا، جب استار ۴½ مثقال ہے تو لازم آیا کہ نصف صاع ۸۰ استار، اور ۸۰ استار ۲½ سیر اور ۵ استار قدیم وزن ہوا، اور ۲¼ سیر ایک استار کم موجودہ وزن ہوا۔ واللہ تعالٰی اعلم اھ (ت)

سیر شاہی اور پیسہ اور استار ایک ہی وزن ہے یعنی ساڑھے چار مثقال کہ سوا بیس ماشے ہوئے، اور وزن قدیم سے مراد اکبری اور حال سے جہانگیری۔ صدر باب طہارت میں بھی یہی حساب افادہ فرمایا ہے۔ اتنا ہے کہ وہاں مُد عراقی و مُد حجازی دونوں کا ان سیروں سے اندازہ کیا اور بعض جگہ تہائی پیسہ کی کسر کو کہ ڈیڑھ ماشہ ہوئی مساہلۃً ترک فرما دیا ہے حیث قال صاع چہار مُد ست و مُد بقولے دو رطل ست (یہاں انھوں نے کہا کہ صاع چار مُد ہے اور مُد دو رطل کا ہوتا ہے۔ ت) (یہ قول ہمارے ائمہ کا ہے کہ صاع کو آٹھ رطل لیتے ہیں)

---

[1] شرح سفر السعادۃ فصل در زکوٰۃ فطر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ص ۸۷۔ ۲۸۶

و دلالت ظاہر احادیث ہم برین است چہ در بعض احادیث وضو بمد واقع شدہ و در بعضے بدو رطل و تطبیق دراں است کہ مصداق ہر دو یکے باشد و بقولے مد رطل و ثلث رطل عراقی ست۔

(یہ قول شافعیہ ہے کہ صاع ۵ ۱/۳ رطل ÷ ۴ = ۱ ۱/۳ رطل)

و رطل بست استار ست و استار چہار و نیم مثقال کہ وزن یک پیسہ است و ایں حساب ابہامے دارد و ما آنرا بوزن ایں دیار فرود آریم تا واضح گردد بدانکہ مد بقول اول (حنفی) یک من شرعی ست

و من شرعی چہل استار و آں بوزن اکبری کہ سیر سی پیسہ است یک سیر و ثلث سیر بوزن جہانگیر شاہی ابد اللہ فی مراضیہ ملکہ و سلطنتہ کہ سیرے سی و شش پیسہ است یک سیر و چہار پیسہ پس صاع (یعنی عراقی) کہ چہار مد ست پنج سیر و ثلث سیر اکبری باشد و بوزن جہانگیری چہار سیر و نیم سیر دو پیسہ کم و مد بقول ثانی (شافعی) یک سیر اکبری سہ پیسہ و چیزے کم (یعنی ۳ ۱/۳ پیسہ کم ۲۶ ۲/۳ پیسہ ہوا) و سہ ربع سیر جہانگیری چیزے کم (یعنی ثلث پیسہ کم کہ جہانگیری تین پاؤ ۲۷ پیسہ ہے) و صاع (یعنی حجازی) بوزن اکبری سہ و نیم سیر و دو پیسہ (یعنی تہائی پیسہ کم کہ ساڑھے تین سیر اکبری اور دو پیسے کے ۱۰۷ پیسے ہوئے اور صاع حجازی ۱۰۶ ۲/۳ پیسہ) و بوزن جہانگیری سہ سیر یک پیسہ کم[1] (بلکہ ۱ ۱/۳ پیسہ کم) کہ

ظاہر احادیث کی دلالت بھی اسی پر ہے کیونکہ بعض احادیث وضو میں ہے کہ اس کے لیے ایک مُد کافی ہے اور بعض احادیث میں دو رطل کا تذکرہ ہے، ان میں تطبیق یوں ہے کہ دونوں کا مصداق ایک ہی ہے۔ ایک قول کے مطابق مد رطل اور ثلث رطل عراقی ہے (ت)

(یہ قول شافعیہ ہے کہ صاع ۵ ۱/۳ رطل ÷ ۴ = ۱ ۱/۳ رطل)

اور رطل بیس[20] استار اور استار ۴ ۱/۲ مثقال جو کہ ایک پیسہ کا وزن ہے، اس حساب میں ابہام ہے ہم اس کو اپنے علاقہ کے حساب سے بناتے ہیں تاکہ واضح ہو جائے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ مُد پہلے (حنفی) قول پر ایک من ہے اور شرعی من چالیس[40] استار ہے، یہ اکبری وزن ہے جس میں سیر تیس[30] پیسہ برابر ہے تو مُد ایک سیر اور سیر کا ثلث ہوا۔ جہانگیر بادشاہ اللہ تعالٰی اس کے ملک و سلطنت کو ہمیشہ پسندیدہ فرمائے، کہ اس کا سیر چھتیس[36] پیسہ، تو مُد ایک سیر اور چار پیسہ برابر ہوا، پس صاع عراقی جو چار مُد ہے پانچ سیر اور ایک سیر کا ثلث اکبری حساب سے ہوا۔ اور جہانگیری حساب سے چار سیر اور دو پیسہ کم آدھ سیر ہوا۔ اور دوسرے قول (شافعی) کے مطابق مُد ایک اکبری سیر اور تین پیسے سے قدرے کم، یعنی ۳ ۱/۳ پیسہ کم ۲۶ ۲/۳ پیسہ ہوا۔ اور جہانگیری حساب سے تین پاؤ سے کم یعنی پیسے کا تہائی حصہ کم جو کہ تین پاؤ ۲۷ پیسہ ہے۔ اور صاع حجازی، اکبری حساب سے ۳ ۱/۲ سیر ایک پیسہ کم

[1] شرح سفر السعادۃ فصل در طہارت الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ص ۳۰

تین سیر جہانگیری ۱۰۸ پیسہ ہے) انتہی مزیدا مابین الہلالین منی۔ عبارت ختم ہوئی اور قوسین میں اضافہ میری طرف سے ہے۔ (ت)

البتہ اشعۃ اللمعات مطبع مصطفائی محمد حسین خاں باب الغسل میں سیر جہانگیری سے صاع عراقی کا حساب ظاہراً خطا سے کاتب سے غلط ہوگیا ہے حیث قال صاع بوزن اکبر شاہی کہ سیرے سی سیر شاہی بود پنج سیر و دہ سیر شاہی مے شود (اکبر شاہی کے حساب سے کہ ایک سیر تیس۳۰ استار کا ہے، صاع ۵ سیر ہوا اور دس۱۰ استار ہے۔ ت) یہ صحیح ہے اور حساب اول کے مطابق کہ دس سیر شاہی ثلث پیسا اکبری ہے کما لا یخفی جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ ت))

وبوزن حال جہانگیری ابد اللہ ملکہ وسلطنتہ کہ سیرے سی و شش سیر شاہی ست چہار سیر و یک پاؤ و ایک سیر می شود بیک سیر شاہی کم۔[1] اور جہانگیری حساب سے جس میں ایک سیر ۳۶ استار کا ہے، عراقی صاع چار سیر ایک پاؤ اور ایک سیر کم ہے۔ (ت)

(یہ غلط ہے کہ صاع ۱۶۰ پیسہ ہے اور سوا چار سیر جہانگیری ایک پیسہ کم کے ۱۵۲ ہی پیسے ہوئے آٹھ پیسے کا فرق ہے صحیح وہی ہے جو اوپر گزرا کہ ساڑھے چار سیر جہانگیری ہے دو پیسے کم)

مسئلہ ۱۴۷ تا ۱۴۹ از یہاں پورہ مکہرا اسٹیٹ مسئولہ مرتضےٰ خاں پی سارجنٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس آفس ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں عید الفطر کے خطبہ میں خالد نے فطرہ فی کس ایک سیر ساڑھے گیارہ آنے بھر مبلغ ایک سو پانچ روپیہ بھر کے حساب سے دینا بتایا، کیا یہ صحیح ہے؟

(۲) صاع کتنے سیر کا، سیر کتنے روپیہ بھر، روپیہ کتنے ماشے کا، اور کون روپیہ شرع سے، اس میں کیا حکم ہے؟

(۳) خطبہ علمی میں نصف صاع یعنی دو سیر جس کا وزن بریلی کے سیر سے ایک سیر نو چھٹانک سے کچھ بتایا کیا یہ صحیح ہے؟ رائج الوقت سیر سے فطرہ فی کس کتنا دینا چاہیے؟

الجواب

(۱) خالد کا یہ قول محض غلط ہے، گیہوں صدقۃ الفطر ایک سو چالیس روپیہ بھر ہے اور زیادہ احتیاط اٹھنی اوپر ایک سو چھتر روپے بھر، کما بیناہ فی فتاونا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اسے بیان

---

[1] اشعۃ اللمعات باب الغسل فصل ثانی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۲۳

کیا ہے ۔ ت) ایک سو پانچ روپے ساڑھے گیارہ آنے بھر سے کسی طرح صدقہ ادا نہیں ہوسکتا ۔

(۲) سیر مختلف ہوتے ہیں، صاع کا حساب ہر جگہ کے سیر سے بدلے گا، صاع اس انگریزی روپیہ رائج الوقت سے دو سو اٹھاسی روپے بھر ہے، اور تولوں سے دو سو ستر تولے ۔ یہ روپیہ سوا گیارہ ماشہ بھر ہے ۔

(۳) گیہوں کا فطرہ انگریزی روپے سے ایک سو چوالیس روپے بھر ہے جو بریلی کے سیر سے کہ نٹو روپیہ بھر کا ہے چھٹانک کم ڈیڑھ سیر ہوا سیر کا پانچواں حصہ کم ۔ حساب صحیح ومنقح یہ ہے زیادہ احتیاط وہ ہے جو اوپر گزری کہ گیہوں بریلی کے سیر سے پونے دو سیر دس اٹھنی بھر اوپر اور انٹی کے سیر سے تین چھٹانک دو سیر دس اٹھنی بھر اوپر ۔ واللہ تعالٰی اعلم

سوال کیسے جائز ہے کیسے ناجائز

مسئلہ ۱۵۰ از مولوی محمد اسمٰعیل محمود آبادی ۷ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ

اس ملک میں رواج ہے کہ بعد نماز قبل فاتحہ اخیرہ کے ایک شخص اُٹھ کر مسافروں مسکینوں کے واسطے مسجد کے اندر مقتدیوں میں چندہ کرتا ہے بعد ہوجانے کے فاتحہ پڑھی جاتی ہے بعدہٗ جو کچھ رقم بذریعہ چندہ جمع ہوتی ہے اس کو مسافروں اور مسکینوں میں تقسیم کردیتے ہیں، آیا یہ امر اس طرح مسجد کے اندر جائز ہے ؟

الجواب

جائز ہے جبکہ وہ چندہ کرنے والا خود اس میں سے نہ لیتا ہو، بلکہ مسجد میں مساکین کے لیے اس طرح چندہ کرنا خود سنّت سے ثابت ہے ۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر لوگ جو صحیح وسالم جوان تندرست ہیں مگر بوجہ آرام طلبی کے طلب معاش کی محنت سے جی چُرا کر سوال کو کہ بظاہر آسان ہے پیشہ اپنا مقرر کیا ہے، چنانچہ بعض نے تو چند کتابیں فارسی اردو وغیرہ کی دیکھ کر وعظ گوئی اختیار کی ہے اور دوسرے وطنوں میں جاکر اسی کے ذریعہ سے سوال کرتے ہیں اور بعض مشائخین کی شکل بنا کر کماتے ہیں اور بعضے مسافر بن کر مسجدوں میں ٹھہرتے ہیں اور اقسام اقسام کی حاجتیں ظاہر کرکے سوال کرتے ہیں اور بہ سبب کثرت اور رواج اس قسم کے لوگوں کی جو کوئی محتاج سچی حالت والا مسکین اور مسافر مصیبت زدہ ہوتا ہے، اس کی تصدیق اور شناخت بھی کم ہوتی ہے، علاوہ سوال کرنے کے یہ بھی ہوتا ہے کہ جس شہر یا محلہ میں پہنچے ہیں وہاں کے باشندوں سے وہاں کے لوگوں کا حال معلوم کرکے جس کسی کو اہلِ شہر یا محلہ سے ذی وجاہت معلوم کرتے ہیں اس کو جا گھیرتے ہیں

اور کہتے ہیں کہ ہمارے واسطے تم اپنے محلہ یا شہر سے آگاہ کرادو بعض لوگ ان کی باتوں میں آکر ان کی طرف سے لوگوں سے مانگ مانگ کر ان کے واسطے کچھ فراہم کرادیتے ہیں، ایسا شخص جو ایسے لوگوں کے واسطے کوشش کرکے کچھ دلوادے تو بمقتضائے اس حدیث شریف کے الدال علی الخیر کفاعلہ[1] (بھلائی پر رہنمائی کرنے والا اسے بجالانے والے کی طرح ہوتا ہے۔ ت) ثواب پائے گا اور یہ فعل اس کا موجب اجر ہوگا یا بحکم ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان[2] (گناہ اور زیادتی پر تعاون نہ کرو۔ ت) کے سوال حرام کے معاونت کا مرتکب ہوگا اور ایسے لوگوں کو دینے والا بھی ثواب پائے گا یا نہیں یا گنہگار ہوگا۔ بینوا توجروا

الجواب

بے ضرورتِ شرعی سوال کرنا حرام ہے، اور جن لوگوں نے باوجود قدرت کسب بلاضرورت سوال کرنا اپنا پیشہ کرلیا وہ جو کچھ اس سے جمع کرتے ہیں سب ناپاک وخبیث ہے اور ان کا یہ حال جان کر اُن کے سوال پر کچھ دینا داخلِ ثواب نہیں بلکہ ناجائز وگناہ، اور گناہ میں مدد کرنا ہے۔ اور جب انھیں دینا ناجائز تو دلانے والا بھی دال علی الخیر نہیں بلکہ دال علی الشر ہے، اس مسئلہ کی تفصیل فقیر غفر اللہ تعالٰی نے اپنے مجموعہ فتاوٰی میں ذکر کی، لیکن اگر بے سوال کوئی کچھ دے جیسے لوگ علماء ومشائخ کی خدمت کرتے ہیں تو اس کے لے لینے میں کوئی حرج نہیں بلکہ نیت نیک ہو تو دینے اور لینے والے دونوں داخلِ ثواب ہیں خصوصاً جبکہ لینے والا حاجت رکھتا ہو، سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو کچھ عطا بھیجی اُنھوں نے واپس حاضر کی کہ حضور نے ہمیں حکم دیا تھا کہ کسی سے کچھ نہ لینے میں بھلائی ہے، فرمایا یہ بحالتِ سوال ہے اور جو بے سوال آئے وُہ تو ایک رزق ہے کہ مولٰی تعالٰی نے تجھے بھیجا، امیر المومنین نے عرض کی واللہ اب کسی سے کچھ سوال نہ کروں گا اور بے سوال جو چیز آئے گی لے لوں گا۔[3]

رواہ مالک فی الموطا واصل الحدیث   اسے موطا میں امام مالک نے روایت کیا ہے اور اصل

---

[1] المعجم الکبیر   مروی از ابو مسعود الانصاری   المکتبۃ الفیصلیہ بیروت   ۱۷/ ۲۸-۲۲۷
[2] القرآن   ۵/ ۲
[3] صحیح البخاری   باب من اعطاہ اللہ شیئا من غیر مسئلۃ   قدیمی کتب خانہ کراچی   ۱/ ۱۹۹
صحیح مسلم   باب جواز الاخذ بغیر سوال الخ   "   ۱/ ۳۳۴
مسند احمد بن حنبل   مروی از عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ   دار الفکر بیروت   ۱/ ۱۷ و ۴۰
مصنف ابن ابی شیبہ   کتاب البیوع والاقضیۃ   حدیث ۲۰۱۶   ادارہ علوم القرآن والعلوم الاسلامیہ   ۶/ ۵۵۲

عند الشيخين من حديث ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما وفی الباب عن ام المؤمنین الصدیقۃ عند احمد والبیہقی وعن واصل بن الخطاب عند ابی یعلٰی وعن خالد بن عدی الجھنی عند احمد وابی یعلٰی والطبرانی وابن حبان والحاکم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عند الامام احمد وعن عائذ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھم عند احمد والطبرانی والبیہقی وھذہ کلھا احادیث قویۃ باسانید جیاد۔

حدیث بخاری ومسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی ہے، اور اس بارے میں امام احمد اور بیہقی نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے، ابویعلٰی نے حضرت واصل بن خطاب سے، امام احمد، ابویعلٰی، طبرانی، ابن حبان اور حاکم نے حضرت خالد بن عدی الجہنی سے، امام احمد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، امام احمد طبرانی اور بیہقی نے حضرت عائذ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا ہے، اور یہ تمام احادیث جیّد اسناد کی وجہ سے قوی ہیں۔ (ت)

حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ماالمعطی من سعۃ بافضل من الاٰخذ اذا کان محتاجا[1] رواہ الطبرانی فی الکبیر عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما وشاھدہ عندہ فی الاوسط کابن حبان فی الضعفاء من حدیث انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

تونگری سے دینے والا کچھ لینے والے سے افضل نہیں جبکہ وہ حاجت رکھتا ہو (اسے طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا اور اوسط میں ان کے ہاں اس کا شاہد بھی ہے جیسا کہ ابن حبان نے الضعفاء میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث روایت کی ہے۔ ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۲: از کھیرا محلہ نورالحلیم شاہ شریف آباد رائے پور ضلع مظفر پور مرسلہ شریف الرحمٰن صاحب ۳ شعبان ۱۳۳۶ھ

زید مالدار ہے چھ سات ہزار روپے یا کچھ کم وبیش کی زمین رکھتا ہے اور اس کو پانچ چھ سو روپیہ قرض ہے آیا وہ زمین بیچ کر ادا کرے یا بھیک مانگ کر، شرعًا اس کو اس غرض سے بھیک مانگنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر اس کا ذریعہ رزق اس زمین کے سوا اور نہیں، نہ وہ کسی کسب پر قادر ہے نہ اس زمین کا کوئی حصہ

[1] المعجم الکبیر مروی از عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱۲/۴۲۳

جدا کرکے باقی لائق کفایت بچے یا کوئی ایک حصہ لینے پر راضی نہ ہو، غرض یہ کہ سوائے سوال جمیع اسباب بند ہوں تو بحکم ضرورت بقدرِ ضرورت سوال حلال ورنہ حرام،

فان الضرورة تبیح المحظورات وماکان لضرورة تقدر بقدرھا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

ضرورت ممنوعات کو مباح کردیتی ہے اور ضرورت کے پیشِ نظر اتنی ہی مقدار جائز ہوگی (ت) واللہ تعالٰی اعلم

صدقات نفل کا بیان

مسئلہ ۱۵۳ از سرکار مارہرہ مطہرہ از درگاہ مسکین پناہ مسئولہ حضرت سید شاہ حامد حسین میاں صاحب قبلہ دامت برکاتہم ۸ شعبان ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک صاحب بغرض ثواب اپنے جائز روپے سے ماہواری یا سالانہ کھانا پکواکر فاتحہ حضور پُرنور سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کیا کرتے ہیں اور کھانا مساکین وغیر مساکین کو کھلادیتے ہیں یا تقسیم کردیتے ہیں ایک طالبعلم حنفی قادری سنّی سیّد کہ جس کی تعلیم دینی بوجہ نہ استطاعت ہونے کے اُس کے ولی کے غیر مکمل رہی جاتی ہو اور علومِ دینی حاصل نہ کرنے کی وجہ سے اُس طالب علم آلِ مصطفٰی صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بدعقیدہ ہوجانے کا اندیشہ ہو اس صورت میں اگر وہ روپیہ کو جو فاتحہ میں صرف کیا جاتا ہے اگر اس طالب علم کے تعلیم دینی میں بہ نیت ثواب فاتحہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صرف کردیا جائے تو بدل اُس فاتحہ سالانہ یا ماہواری کا ہوکر باعثِ خوشنودی سردارِ دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہوگا یا نہیں اور ثواب میں کمی تو نہ ہوگی؟

الجواب

یہ اُس کا نعم البدل ہوگا اور ثواب میں کمی کیا معنی، اُس سے ستر گنا ثواب کی زیادہ اُمید ہے بطور مذکور کھانا پکاکر کھلانے یا بانٹنے میں ایک کے دس ہیں۔

قال اللہ تعالٰی من جاء بالحسنة فله عشر امثالها[1]۔

اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے جو نیکی بجالاتا ہے اس کے لئے اس کی دس مثل ہیں۔ (ت)

اور طالبِ علمِ دین کی اعانت میں کم سے کم ایک کے سات سو۔

قال اللہ تعالٰی مثل الذین ینفقون اموالهم

اللہ تعالٰی کا فرمان عالی ہے: ان کی کہاوت جو اپنے

---

[1] القرآن ۶/ ۱۶۱

فی سبیل اللہ کمثل حبۃ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃ مائۃ حبۃ واللہ یضعف لمن یشاء ط واللہ واسع علیم[1]

مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اُس دانہ کی طرح جس نے اگائیں سات بالیاں، ہر بالی میں سو دانے، اور اللہ اس سے بھی زیادہ بڑھائے جس کے لیے چاہے، اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

فی سبیل اللہ ھو منقطع الغزاۃ وقیل الحاج وقیل طلبۃ العلم خصوصاً[2]

فی سبیل اللہ سے مراد وہ غازی ہیں جن کے پاس خرچہ اسلحہ نہ ہو، بعض نے کہا حاجی، اور بعض نے کہا اس سے خصوصاً طلبۂ علم مراد ہیں (ت)

جبکہ اس میں نفع ہدایت ہو صحیح حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لان یھدی اللہ بک رجلا خیر لک مما طلعت علیک شمس وغربت[3]

تیری وجہ سے کسی ایک کا ہدایت پاجانا ہر اس شئی سے بہتر ہے جس پر طلوعِ آفتاب ہو۔ (ت)

واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہٗ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۵۴: از رامپور چاہ شور مرسلہ مولوی عبدالصمد صاحب ۱۸ محرم ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ جو لوگ تندرست وتوانگر کھاتے پیتے ہیں انھوں نے اپنا پیشہ گدائی اور فقیری اور محتاجگی کا مقرر کیا ہے اور در بدر شہر بہ شہر بھیک مانگتے سوال کرتے پھرتے ہیں اور ہرگز محنت مزدوری نہیں کرتے اگرچہ مالدار آسودہ حال ہیں ایسے لوگوں کو بھیک مانگنا اور سوال کرنا حلال ہے یا حرام؟ اور اگر حرام ہے تو دینا بھی بوجہ اعانت علی الحرمۃ حرام اور ممنوع ہے یا نہیں؟ جبکہ مسجد میں سوال اور اس عطا کو کتبِ فقہ میں حرام ومکروہ فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ درمختار میں مرقوم ہے: ویحرم فیہ السوال ویکرہ الاعطاء[4] (مسجد میں مانگنا حرام اور دینا مکروہ ہے۔ ت) بینوا بالکتاب وتوجروا بیوم الحساب (کتاب سے بیان کرو اور روزِ حساب اجر پاؤ۔ ت)

---

[1] القرآن ۲/ ۲۶۱

[2] درمختار باب المصرف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۰

[3] الجامع الصغیر مع فیض القدیر حدیث ۷۲۱۹ دار المعرفۃ بیروت ۵/ ۲۵۹
اتحاف السادۃ المتقین بیان ترک الطاعات خوفاً من الریاء دار الفکر بیروت ۸/ ۳۲۰

[4] درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ الخ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۳

الجواب

جو اپنی ضروریات شرعیہ کے لائق مال رکھتا ہے یا اس کے کسب پر قادر ہے اُسے سوال حرام ہے اور جو اس مال سے آگاہ ہو اُسے دینا حرام، اور لینے اور دینے والا دونوں گنہگار و مبتلائے آثام۔ صحاح میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لا تحل الصدقۃ لغنی ولذی مرۃ سوی[1]۔ رواہ الائمۃ احمد والدارمی والاربعۃ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

صدقہ حلال نہیں ہے کسی غنی کے لیے، نہ کسی تندرست کے لیے (اسے امام احمد، دارمی اور چاروں ائمہ نے حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

نیز صحاح میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من سأل الناس ولہ ما یغنیہ جاء یوم القیامۃ ومسئلتہ فی وجہہ خموش[2]۔ رواہ الدارمی والاربعۃ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

جو لوگوں سے سوال کرے اور اس کے پاس وہ شئے ہو جو اُسے بے نیاز کرتی ہو روزِ قیامت اس حال پر آئیگا کہ اُس کا وہ سوال اس کے چہرہ پر خراش و زخم ہو (اسے دارمی اور چاروں ائمہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

نیز فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من سأل الناس اموالھم تکثرا فانما یسأل جمر جہنم فلیستقل منہ او یستکثر[3]۔ رواہ احمد ومسلم وابن ماجۃ عن

جو اپنا مال بڑھانے کے لیے لوگوں سے اُن کے مال کا سوال کرتا ہے وہ جہنم کی آگ کا ٹکڑا مانگتا ہے، اب چاہے تھوڑی لے یا بہت۔ (اسے امام احمد،

---

[1] سنن الدارمی ج ۱ باب من تحل لہ الصدقۃ نشر السنۃ ملتان ۱/۳۲۵
جامع الترمذی ابواب الزکوٰۃ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۸۳

[2] سنن الدارمی ج ۱ باب من تحل لہ الصدقۃ نشر السنۃ ملتان ۱/۳۲۵
جامع الترمذی ابواب الزکوٰۃ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۸۲

[3] مسند احمد بن حنبل مروی از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ۲/۲۳۱
صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۳۳
سنن ابن ماجہ باب من سأل عن ظہر غنی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۳۳

ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

مسلم اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

نیز فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من سأل من غیر فقر فانما یاکل الجمر[1] رواہ احمد وابن خزیمۃ وایضا فی المختارۃ عن جبشی بن جنادۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند صحیح۔

جو بے حاجت وضرورتِ شرعیہ سوال کرے وہ جہنم کی آگ کھاتا ہے (اسے امام احمد اور ابن خزیمہ نے روایت کیا ہے اور المختارۃ میں حضرت جبشی بن جنادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے۔ ت)

تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

لایحل ان یسئل شیئا من القوت من لہ قوت یومہ بالفعل او بالقوۃ کالصحیح المکتسب ویاثم معطیہ ان علم بحالہ لاعانتہ علی المحرم[2] اھ۔

جس شخص کے پاس عملاً ایک دن کی روزی موجود ہو یا وہ روزی کمانے کی صحیح طاقت رکھتا ہو (یعنی وہ تندرست و توانا ہو تو) اس کے لیے روزی کا سوال جائز نہیں، اس کے حال سے آگاہ شخص اگر اسے کچھ دے گا تو وہ گنہگار ہوگا کیونکہ وہ حرام پر اس کی مدد کررہا ہے اھ (ت)

وتمام الکلام فی ھذا المقام مع دفع الاوھام فی فتاونا وقد ذکرنا شیئا منہ فیما علقنا علی رد المحتار واللہ تعالٰی یقول جل مجدہ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان، واللہ تعالٰی اعلم۔

اور اس پر ایسی تفصیلی گفتگو جس سے تمام اوہام کا رد ہوجائے ہم نے اپنے فتاوٰی میں کی ہے اور اس میں کچھ ردالمحتار کے حاشیہ میں بھی ذکر کی ہے اور اللہ تعالٰی سبحانہ کا مبارک فرمان ہے: گناہ اور زیادتی پر مدد نہ کرو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۵۵: مرسلہ سید مظفر علی ساکن قصبہ شاہ آباد ضلع ہردوئی محلہ سید باڑہ ۱۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۰ھ

میلاد شریف اور گیارھویں شریف اور فاتحہ اولیاء اللہ کی شیرینی کھانا اور شربت محرم کا پینا درست ہے یا نہیں اور ان کا حرام جاننے والا اور مثل زکوٰۃ کے مال کے بجز مساکین اور سب کے واسطے حرام قطعی بتانے والا

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث جبشی بن جنادۃ السلولی رضی اللہ عنہ دارالفکر بیروت ۴/ ۱۶۵
صحیح ابن خزیمہ ۲۴۴۶ باب التغلیظ فی مسألۃ الغنی من الصدقۃ حدیث ۲۴۴۶ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۱۰۰
[2] درمختار شرح تنویر الابصار باب المصرف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۲

حنفی مقلد ہے یا نہیں؟ اور ایسا شخص حنفی مقلد اشخاص میں قابلِ امامت ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

اشیاءِ مذکورہ سے کوئی چیز نہ زکوٰۃ ہے نہ صدقہ واجبہ، اس کا کھانا غنی، فقیر، سید وغیرہ سب کو بالاتفاق حلال ہے اُسے سوائے مساکین اوروں پر حرام بتانے والا اللہ عزوجل پر افتراء کرتا ہے اور سخت عذاب شدید کا مستحق ہے، اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

ولا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب ھذا حلال وھذا حرام لتفتروا علی اللہ الکذب ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لا یفلحون متاع قلیل ولھم عذاب الیم[1]

اور نہ کہو اپنی زبانی جھوٹ بناوٹوں سے کہ یہ چیز حلال ہے اور یہ چیز حرام کہ اللہ پر جھوٹ باندھو بیشک جو اللہ پر جُھوٹ باندھتے ہیں فلاح نہ پائیں گے دنیا میں تھوڑا سا کھا پہن لیں پھر آخرت میں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

فتاوٰی عتابیہ پھر نہایہ شرح ہدایہ پھر سعدی آفندی علی العنایہ میں ہے:

یجوز النفل للھاشمی مطلقا بالاجماع وکذا یجوز النفل للغنی[2]

ہر نفلی صدقہ بالاتفاق ہاشمی کے لیے جائز ہے اور اسی طرح نفلی صدقہ غنی کے لیے بھی جائز ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

جازت التطوعات من الصدقات وغلۃ الاوقاف لھم[3]

نفلی صدقات اور غلہ اوقاف ان (اغنیاء) کے لیے جائز ہے۔ (ت)

ذخیرہ پھر ردالمحتار میں ہے:

ان فی التصدق علی الغنی نوع قربۃ دون قربۃ الفقیر[4]

غنی پر صدقہ کی صورت میں وہ قربت ہوتی ہے جو فقیر پر صدقہ سے کم ہے۔ (ت)

معہذا ان اشیاء میں تصدق کی نیت نہیں ہوتی بلکہ عام حاضرین پر ہدیہ تقسیم اور ہدیہ یقیناً مطلقاً سب کے لیے جائز

---

[1] القرآن ۱۶/ ۱۱۶ و ۱۱۷

[2] حاشیۃ سعدی آفندی علی العنایہ مع فتح القدیر باب من یجوز دفع الصدقۃ الیہ الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۱۱

[3] درمختار باب المصرف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۱

[4] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۵۷

اور زمانۂ رسالت سے علی العموم بلاتخصیصِ مساکین رائج ہے، ایسا شخص کہ صراحۃً اللہ و رسول پر افترا کرتا ہے اور حلالِ خدا کو حرام بتاتا ہے، اگر جاہل بے علم ہے اور اپنے قولِ باطل پر مُصر ہے تو دو وجہ سے فاسق ہے:

اوّلاً حلال کو حرام کرنا،

دوسرے بے علم فتوٰی دینا، حلال حرام میں زبان کھولنا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

افتوا بغیر علم فضلوا واضلوا[1]۔ رواہ البخاری واحمد ومسلم والترمذی وابن ماجۃ عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

بے علم کہ شرعی حکم لگا بیٹھے تو آپ بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا (اسے امام بخاری، احمد، مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ ت)

نیز حدیث میں ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من افتی بغیر علم لعنتہ ملئکۃ السماء والارض[2]۔ رواہ ابن عساکر عن امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ۔

جو بغیر علم کے کوئی حکمِ شرعی بتائے اس پر آسمان و زمین کے فرشتے لعنت کریں (اسے ابن عساکر نے امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ تعالٰے وجہہ سے روایت کیا۔ ت)

اور فاسق کی امامت مکروہِ تحریمی ہے،

کما فی الحجۃ الغنیۃ والتبیین والطحطاوی علی المراقی وغیرھا وقد حققنا فی النھی الاکید۔

جیسا کہ حجہ، غنیہ، تبیین اور طحطاوی علی المراقی وغیرہ میں ہے اور ہم نے اپنے رسالہ "النھی الاکید" میں اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ (ت)

اور اگر ذی علم ہے تو اُس کا حکم اور سخت تر ہے کہ وہ دانستہ اللہ عزوجل پر افترا کرتا ہے اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

انما یفتری الکذب الذین لا یؤمنون[3]۔

جھُوٹے افترا وہی باندھتے ہیں جو ایمان نہیں لاتے۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب العلم باب کیف یقبض العلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰

[2] کنز العمال بحوالہ ابن عساکر عن علی کرم اللہ وجہہ حدیث ۲۹۰۱۸ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۱۹۳

[3] القرآن ۱۶/ ۱۰۵

اور اس کے غیر مقلد ہونے میں شک نہیں، وُہ نہ حنفی ہے نہ شافعی نہ مالکی نہ حنبلی کہ کسی مذہب میں مدیۂ تقسیم اغنیاء پر حرام نہیں، ہاں وہ شیطان کا مقلد ہے، جس نے صحابہ کرام کے زمانہ سے اس وقت تک تمام مسلمانوں کو مرتکب حرام واکل حرام بنانے کا ناپاک وسوسہ اُس کے بے باک دل میں ڈالا اور غیر مقلد کے پیچھے نماز حرام، بلکہ محض باطل ہے کما حققناہ فی کتابنا النھی الاکید (جیسا ہم نے اپنی کتاب مذکور میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت)

فتح القدیر میں ہے:

الصلٰوۃ خلف اھل الاھواء لاتجوز[1]۔ اہلِ ہوا کے پیچھے نماز جائز نہیں۔(ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۶: از کلکتہ کولوٹولہ اسٹریٹ نمبر ۶۵ مرسلہ حاجی محمد لعل خاں صاحب ۲۰ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ

قبلہ و کعبہ حضرت مولائی مرشدی مدظلہ العالی تمنائے قدم بوسی کے بعد مؤدبانہ گزارش ہے کہ ایک شخص جو اہل وعیال رکھتا ہے اپنی ماہانہ یا سالانہ آمدنی سے بلاافراط وتفریط اپنے بال بچوں پر خرچ کرکے بقایا خدا کی راہ میں دیتا ہے آئندہ کو اہل وعیال کے واسطے کچھ نہیں رکھتا، دوسری اپنی آمدنی سے بچوں پر ایک حصہ خرچ کرکے دوسرا حصہ خیرات کرتا اور تیسرا حصہ آئندہ ان کی ضرورتوں میں کام آنے کی غرض سے رکھ چھوڑنے کو اچھا جانتا ہے، ان دونوں میں افضل کون ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

حُسنِ نیت سے دونوں صورتیں محمود ہیں، اور باختلافِ احوال ہر ایک افضل، کبھی واجب، ولہذا اس بارہ میں احادیث بھی مختلف آئیں اور سلف صالح کا عمل بھی مختلف رہا۔

اقول وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) اس میں قول موجز وجامع ان شاء اللہ تعالٰی یہ ہے کہ آدمی دو قسم ہیں منفرد کہ تنہا ہو اور معیل کہ عیال رکھتا ہو، سوال اگرچہ معیل سے متعلق ہے مگر ہر معیل اپنے حق نفس میں منفرد اور اس پر اپنے نفس کے لحاظ سے وہی احکام ہیں جو منفرد پر ہیں، لہذا دونوں کے احکام سے بحث درکار۔

اوّل وُہ اہلِ انقطاع وتبتّل الی اللہ اصحاب تجرید وتفرید جنھوں نے اپنے رب سے کچھ نہ رکھنے کا عہد باندھا ان پر اپنے عہد کے سبب ترک ادخار لازم ہوتا ہے اگر بچا رکھیں تو نقضِ عہد ہے اور بعد عہد پھر جمع کرنا ضرور ضعفِ یقین سے ناشی یا اُس کا موہم ہوگا، ایسے اگر کچھ بھی ذخیرہ کریں مستحقِ عقاب ہوں، حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی

---

[1] فتح القدیر باب الامامۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۰۴

علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس کچھ خُرمے جمع دیکھے، فرمایا: یہ کیا ہے؟ عرض کی: شیئ ادخرتہ لغد میں نے آئندہ کے لیے جمع کر رکھے ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے: اعدد ذٰلک لاضیافک حضور کے مہمانوں کے خیال سے انھیں رکھا ہے۔ فرمایا:

اما تخشی ان یکون لک دخان فی نار جھنم انفق یا بلال ولا تخشی من ذی العرش اقلالا[1] رواہ البزار بسند حسن و الطبرانی فی الکبیر عن ابن مسعود وابو یعلی والطبرانی فی الکبیر والاوسط بسند حسن والبیھقی فی شعب الایمان واللفظ الاول لہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	کیا ڈرتا نہیں کہ تیرے آتش دوزخ کا دھواں ہو؟ اے بلال! خرچ کر اور عرش کے مالک سے کمی کا اندیشہ نہ کرو۔ اسے بزار نے سند حسن سے، طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے، ابو یعلٰی اور طبرانی نے المعجم الکبیر اور اوسط میں سند حسن سے، اور بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے پہلے الفاظ اسی کے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہیں۔

ایک بار انھی بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا: "اے بلال! فقیر مرنا اور غنی ہو کر نہ مرنا۔" عرض کی: اس کی کیا سبیل ہے؟ فرمایا: جو ملے نہ چھپانا اور جو مانگا جائے منع نہ کرنا (ظاہر ہے کہ جب نہ مال چھپانا ہو نہ کسی کا سوال رَد کیا جائے تو سائلین کسی وقت بھی کچھ پاس نہ چھوڑیں گے) عرض کی: ایسا کیونکر کروں؟ فرمایا:

ھو ذاک اوالنار[2] والعیاذ باللہ تعالٰی رواہ الطبرانی فی الکبیر وابو الشیخ فی الثواب والحاکم فی المستدرک عن بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	یا تو یونہی کرنا ہوگا یا آگ۔ (اللہ تعالٰی کے دامنِ رحمت میں پناہ لیتا ہوں۔ اسے طبرانی نے المعجم الکبیر میں ابو الشیخ نے الثواب میں اور حاکم نے المستدرک میں حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

دوم فقر و توکل ظاہر کرکے صدقات لینے والا اگر یہ حالت مستمر رکھنا چاہے تو اُن صدقات میں سے کچھ جمع کر رکھنا

---

[1] شعب الایمان باب فی الزکوٰۃ حدیث ۳۳۴۸ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۲۰۹
المعجم الکبیر مروی از بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ حدیث ۱۰۲۰ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱/ ۳۴۰
مجمع الزوائد بحوالہ البزار باب فی الانفاق والامساک دار الکتاب العربی بیروت ۱۰/ ۲۴۱
[2] المعجم الکبیر مروی از بلال رضی اللہ عنہ حدیث ۱۰۲۱ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱/ ۳۴۱

اُسے ناجائز ہوگا کہ یہ دھوکا ہوگا اور اب جو صدقہ لے گا حرام وخبیث ہوگا، انہی دونوں باب سے ہیں وہ احادیث جن میں ایک اشرفی ترکہ چھوڑنے والے کو ایک داغ فرمایا، دو پر دو، تین پر تین یعنی فی اشرفی ایک داغ دیا جائیگا۔

فلاحمد والطبرانی عن ابی امامة رضی اللہ تعالٰی عنه توفی رجل من اھل الصفة فوجد فی مئزرہ دینار فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کیة ثم توفی اٰخر فوجد فی مئزرہ دیناران فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کیتان[1] ولاحمد وابن حبان عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنه قال توفی رجل من اھل الصفة فوجدوا فی شملته دینارین فذکروا ذٰلك للنبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فقال کیتان[2] ولھما وللبخاری عن سلمة بن الاکوع رضی اللہ تعالٰی عنه کنت جالسا عند النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فاتی بجنازة فقال ھل ترك من شیئ قالوا نعم ثلثة دنانیر فقال باصابعه ثلث کیات[3] مختصرًا۔

امام احمد اور طبرانی نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے اصحابِ صفہ میں سے ایک فوت ہُوئے ان کے پلّے میں ایک دینار پایا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا، اس کے لیے ایک داغ ہے۔ دوسرا فوت ہوا اس کے دامن میں دو دینار تھے، رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا، یہ دو داغ ہیں۔ امام احمد اور ابن حبان نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اصحابِ صفہ میں سے ایک فوت ہوئے ان کے شملہ میں دو دینار پائے گئے تو لوگوں نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا تو آپ نے فرمایا، یہ دو داغ ہیں۔ احمد، ابن حبان اور بخاری میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے کہ میں رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہُوا تھا ایک جنازہ لایا گیا، آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے کچھ چھوڑا ہے؟ عرض کیا: ہاں اس نے تین دراہم چھوڑے ہیں۔ آپ نے مبارک انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: یہ تین داغ ہیں (ت)

ظاہر ہے کہ ان حدیثوں کا محل وہ نہیں ہوسکتا جو آیۂ کریمہ:

والذین یکنزون الذھب والفضة ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم ○

جو لوگ سونا وچاندی جمع کرتے رہتے ہیں اور راہ اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انھیں دردناک عذاب کی

---

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از ابوامامہ دارالفکر بیروت ۵/۲۵۳
[2] " مروی از عبداللہ ابن مسعود " ۱/۴۵۷
[3] " مروی از سلمہ بن اکوع " ۴/۴۷

یوم یحمی علیھا فی نار جھنم فتکوی بھا جباھھم وجنوبھم وظھورھم ھذا ماکنزتم لانفسکم فذوقوا ماکنتم تکنزون[1]۔

بشارت دیجئے کہ جس دن جہنم کی آگ میں انھیں پگھلایا جائے گا اور ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا (اور کہا جائے گا) یہ ہے وہ خزانہ جسے تم اپنے لیے جمع کرتے تھے اب اپنے جمع کئے ہوئے کا عذاب چکھو۔ (ت)

وحدیث صحیح:

من اوکی علی ذھب اوفضۃ ولم ینفقہ فی سبیل اللہ کان جمرا یوم القیامۃ یکوی بہ[2]۔ رواہ احمد والطبرانی واللفظ لہ کلاھما بسند صحیح عن ابی ذر رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

جس نے سونا وچاندی جمع کیا اور اسے راہِ خدا میں خرچ نہ کیا وہ روزِ قیامت اس کے لیے آگ کا انگارہ بن جائیگا اور اس سے مالک داغا جائے گا۔ اسے امام احمد اور طبرانی (الفاظ اسی کے ہیں) نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے (ت)

کا محل ہے کہ جب زکوٰۃ دے دے حقوق واجبہ شرعیہ ادا کرے کنز نہ رہا اور سبیل اللہ میں خرچ نہ کرنا صادق نہ آیا لہذا استحقاقِ داغ نہ رہا،

فالبیھقی فی سننہ عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما موقوفا ومرفوعا الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کلما ادی زکوتہ فلیس بکنز وان کان مدفونا تحت الارض وکلما لاتؤدی زکوتہ فھو کنز وان کان ظاھرا[3] ولابی داؤد عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما قال لما نزلت ھذہ الاٰیۃ والذین یکنزون الذھب والفضۃ کبر ذٰلک علی المسلمین فقال عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ انا

بیہقی نے سنن میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے موقوفاً اور مرفوعاً نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بیان کیا ہر وہ مال جس کی زکوٰۃ دے دی جائے وہ کنز نہیں کہلاتا اگرچہ وہ زمین میں مدفون ہو اور ہر مال جس کی زکوٰۃ نہ دی گئی ہو وہ کنز ہے اگرچہ ظاہر ہو۔ ابوداؤد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے کہ جب یہ آیہ کریمہ والذین یکنزون الذھب والفضۃ نازل ہوئی تو مسلمان پریشان ہوئے، حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا میں

---

[1] القرآن ۹/ ۳۴ و ۳۵

[2] المعجم الکبیر مروی از ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ حدیث ۱۶۴۱ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۲/ ۱۵۳

[3] السنن الکبرٰی للبیہقی کتاب الزکوٰۃ باب التفسیر الکنز الخ دارصادر بیروت ۴/ ۸۳

افرج عنکم فانطلق فقال یا نبی اللہ انہ کبر علی اصحابک ھذہ الاٰیۃ فقال ان اللہ لم یفرض الزکوٰۃ الا لیطیب ما بقی من اموالکم وانما فرض المواریث لتکون لمن بعدکم قال فکبر عمر رضی اللہ عنہ۔[1]

تمھاری یہ پریشانی دُور کرتا ہُوں، حضور کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور عرض کیا، یانبی اللہ! اس آیہ مبارکہ نے آپ کے اصحاب کو پریشان کردیا ہے۔ آپ نے فرمایا، اللہ تعالٰی نے زکوٰۃ فقط اسی لیے فرض فرمائی تاکہ تمھارا باقی مال پاک ہوجائے اور وراثت اس لیے فرض کی ہے تاکہ بعد کے لوگوں کو مال ملے۔ راوی کہتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اللہ کی بڑائی بیان کی۔ (ت)

اور یہ اس لیے کہ بیس دینار سے کم پر نہ زکوٰۃ ہے نہ کوئی صدقہ واجبہ۔ لاجرم یہاں استحقاقِ داغ انھی دُو وجہ سے ایک پر ہو،

قال اللہ تعالٰی واوفوا بالعھد ان العھد کان مسئولا۔[2]

اللہ تعالٰی کا فرمان ہے، عہد پُورا کرو عہد کے بارے میں پُوچھا جائے گا۔ (ت)

وفی قوت القلوب والترغیب وغیرھما انما کان کذلک لانہ ادخر مع تلبسہ بالفقر ظاھرا ومشارکتہ الفقراء فیما یأتیھم من الصدقۃ۔[3]

قوت القلوب اور ترغیب وغیرہ میں ہے یہ داغ اس لیے ہے کہ ذخیرہ کرنے کے ساتھ اس نے ظاہراً فقر کا اظہار کیا اور وہ صدقات میں فقراء کے ساتھ شریک ہوگیا۔ (ت)

یہ اُسی تقدیر پر ہے کہ داغ سے مراد عیاذاً باللہ آتشِ دوزخ میں تپاکر داغ دینا ہو، اور اگر اس سے دھبا مراد ہو یعنی اس کے جمال و نورانیت میں وُہ ایسے معلوم ہوں گے جیسے چہرہ پر چیچک وغیرہ کا داغ، اور جن موردوں کے بارے میں یہ حدیثیں آئیں وہاں بلاشبہہ یہی معنی دوم انسب و اقرب ہیں تو وہ ان دونوں قسموں سے الگ ہیں، امام حجۃ الاسلام نے احیاء میں بعد ذکرِ وجہ اول فرمایا:

الثانی ان لایکون ذلک عن تلبیس، فیکون المعنی بہ النقصان عن درجتہ فی الاٰخرۃ اذلا یؤتی احد من الدنیا شیئا الا نقص

دوسرا یہ کہ دھوکا کی بنا پر نہ ہو، اب معنٰی یہ ہوگا کہ آخرت کے درجات میں کمی ہوجائے گی کیونکہ دنیا میں جس کو بھی کچھ دیا گیا ہے اس کے عوض آخرت

---

[1] سنن ابو داؤد کتاب الزکوٰۃ باب حقوق المال آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۳۴

[2] القرآن ۱۷/۳۴

[3] الترغیب والترھیب کتاب الصدقات الترغیب فی الانفاق فی وجوہ الخیر الخ مصطفی البابی مصر ۲/۵۸

بقدرہ من الاخرۃ[1] (ملخصا)

میں کمی ہوجائے گی (ملخصًا) (ت)

زبیدی نے اتحاف السادہ میں فرمایا:

وھذا الوجہ ھو اللائق بمقام الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم کما لایخفی[2]

صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے مقام کے یہی وجہ مناسب ہے، جیسا کہ مخفی نہیں۔ (ت)

سوم جسے اپنی حالت معلوم ہو کہ حاجت سے زائد جو کچھ بچا کر رکھتا ہے نفس اُسے طغیان وعصیان پر حامل ہوتا یا کسی معصیت کی عادت پڑی ہے اس میں خرچ کرتا ہے تو اس پر معصیت سے بچنا فرض ہے اور جب اُس کا یہی طریقہ معین ہو کہ باقی مال اپنے پاس رکھے تو اس حالت میں اس پر حاجت سے زائد سب آمدنی کو مصارفِ خیر میں صرف کردینا لازم ہوگا،

وذلک لان فقدان الالۃ احد العصمتین وما تعین طریقا لواجب وجب۔

یہ اس لیے کہ ذریعہ کا مفقود ہوجانا بھی عصمت کی ایک صورت ہے اور جو شئی کسی واجب کا ذریعہ بن رہی ہو وہ بھی واجب ہوجاتی ہے۔ (ت)

چہارم جو ایسا بے صبرا ہو کہ اگر اُسے فاقہ پہنچے تو معاذ اللہ رب عزوجل کی شکایت کرنے لگے اگرچہ صرف دل میں، نہ زبان سے، یا طرق ناجائزہ مثل سرقہ یا بھیک وغیرہ کا مرتکب ہو اس پر لازم ہے کہ حاجت کے قدر جمع رکھے، اگر پیشہ ور ہے کہ روز کا روز کھاتا ہے تو ایک دن کا، اور ملازم ہے کہ ماہوار ملتا ہے یا مکانوں دکانوں کے کرایہ پر بسر ہے کہ مہینہ پیچھے آتا ہے تو ایک مہینہ کا، اور زمیندار ہے کہ فصل یا سال پر پاتا ہے تو چھ مہینہ یا سال بھر کا، فان درء المفاسد اھم من جلب المصالح (مصالح کے حصول سے مفاسد کا ختم کرنا اہم ہوتا ہے۔ ت) اور اصل ذریعہ معاش مثلاً آلاتِ حرفت یا دکان مکان دیہات بقدر کفایت کا باقی رکھنا تو مطلقاً اس پر لازم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من رزق فی شیئ فلیلزمہ[3]۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔

جو شئی کسی کا ذریعہ رزق ہو وہ اسے لازم پکڑے۔ امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسند حسن بیان کیا ہے۔ (ت)

---

[1] احیاء العلوم کتاب التوحید والتوکل الفن الثانی فی التعرض لاسباب الادخار مکتبہ ومطبعۃ المشہد الحسینی قاہرہ ۴/ ۲۷۸

[2] اتحاف السادۃ المتقین " " " " " " دارالفکر بیروت ۹/ ۵۰۵

[3] شعب الایمان باب التوکل والتسلیم حدیث ۱۲۴۱ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۸۹

دوسری حدیث میں ہے فرماتے ہیں صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

مامن عبد یبیع تالدًا الاسلط اللّٰه علیہ تالفًا[1]۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر عن عمران بن حصین رضی اللّٰه تعالٰی عنہ وعن الصحابۃ جمیعا عہ المال القدیم۔

جو بندہ قدیم جائداد کو بیچ دے اللہ تعالٰی اس پر تلف کرنے والا مسلط کر دیتا ہے۔ اسے طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بیان کیا ہے اور تمام صحابہ سے منقول ہے، 'تالد' قدیم مال کو کہتے ہیں (ت)

تیسری حدیث میں ہے فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من باع عقر دار من غیر ضرورۃ سلط اللّٰه علٰی ثمنہا تالفا یتلفہ[2]۔ رواہ فی الاوسط عن معقل بن یسار رضی اللّٰه تعالٰی عنہ العقر بالفتح الاصل۔

جس نے بغیر ضرورت اصل دار کو بیچا اللہ تعالٰی اس کے ثمنوں پر کسی تلف کرنیوالے کو مسلط کر دیتا ہے۔ اسے طبرانی نے المعجم الاوسط میں حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ لفظ عقر بالفتح ہے اس کے معنی اصل کے ہیں (ت)

پنجم جو عالم دین مفتیِ شرع یا مدافعِ بدع ہو اور بیت المال سے رزق نہیں پاتا، جیسا یہاں ہے، اور وہاں اس کا غیر ان مناصب دینیہ پر قیام نہ کرسکے کہ افتایا دفع بدعات میں اپنے اوقات کا صرف کرنا اس پر فرض عین ہو اور وہ مال وجائداد رکھتا ہے جس کے باعث اسے غنا اور ان فرائض دینیہ کے لیے فارغ البالی ہے کہ اگر خرچ کر دے محتاجِ کسب ہو اور ان امور میں خلل پڑے، اس پر بھی اصل ذریعہ کا ابقا اور آمدنی کا بقدر مذکور جمع رکھنا واجب ہے فان مقدمۃ الفریضۃ فریضۃ (کسی فریضہ کا مقدمہ فرض ہوتا ہے۔ ت) ایسے عالم کو جہاد کے لیے جانے کی اجازت نہیں کسبِ مال میں وقت صرف کرنے کی کیونکر اجازت ہو سکتی ہے، تنویر و درمختار میں ہے:

عالم لیس فی البلدۃ افقہ منہ فلیس لہ الغزو[3]۔

کسی شہر میں فقیہ ہو اور وہاں اس سے بڑھ کر دین جاننے والا نہ ہو تو ایسا شخص جہاد پر نہیں جا سکتا۔ (ت)

ششم اگر وہاں اور بھی عالم یہ کام کرسکتے ہوں تو ابقاء وجمع مذکور اگرچہ واجب نہیں مگر اہم و موکد

---

[1] المعجم الکبیر مروی از عمران بن حصین حدیث ۵۵۵ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱۸/۲۲۲
[2] الجامع الصغیر بحوالہ الطبرانی اوسط حدیث ۸۵۵۳ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/۵۲۰
[3] درمختار کتاب الجہاد مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۳۹

بیشک ہے کہ علمِ دین وحمایتِ دین کے لیے فراغ بال، کسبِ مال میں اشتغال سے لاکھوں درجے افضل ہے معہذا ایک سے دو اور دو سے چار بھلے ہوتے ہیں، ایک کی نظر کبھی خطا کرے تو دوسرے اسے صواب کی طرف پھیر دیں گے، ایک کو مرض وغیرہ کے باعث کچھ عذر پیش آئے تو جب اور موجود ہیں کام بند نہ رہے گا لہذا تعدد علمائے دین کی طرف ضرورحاجت ہے۔

ہفتم عالم نہیں مگر طلبِ علمِ دین میں مشغول ہے اور کسب میں اشتغال اُس سے مانع ہوگا تو اس پر بھی اُسی طرح ابقاء وجمع مسطور آکد واہم ہے۔

ہشتم تین صورتوں میں جمع منع ہوئی، دو میں واجب، دو میں مؤکد۔ جو ان آٹھ سے خارج ہو وہ اپنی حالت پر نظر کرے اگر جمع نہ رکھنے میں اس کا قلب پریشان ہو توجہ بعبادت و ذکرِ الٰہی میں خلل پڑے تو بعینی مذکور بقدرِ حاجت جمع رکھنا ہی افضل ہے اور اکثر لوگ اسی قسم کے ہیں ؂

پراگندہ روزی پراگندہ دل

(روزی پراگندہ ہو تو دل بھی پراگندہ ہوتا ہے۔ت)

؂ شب چو عقد نماز بر بندم
چہ خورد بامداد فرزندم

(رات کو نماز میں دل کیا لگے جب یہ پریشانی ہو کہ صبح بچے کیا کھائیں گے۔ت)

عین العلم میں ہے:

يترك المضطرب طريق المتوكل بالادخار لان الغرض صلاح القلب[1]

مضطرب ذخیرہ کے ذریعے متوکل کا طریق ترک کردے کیونکہ مقصد اصلاحِ قلب ہے (ت)

احیاء العلوم میں ہے:

بل لو امسك ضيعة يكون دخلها وافيا بقدر كفايته وكان لايتضرع قلبه الا به فذلك له اولى[2]

بلکہ اگر قدرِ کفایت کو پورا کرنے والی جائیداد کو محفوظ کرے جبکہ (عبادت میں) تضرع اسی سے حاصل رہتا ہے تو یہ بہتر ہے۔ (ت)

یہاں وہ لوگ مراد ہیں جن کو توجہ بخدا کا قصد ہے ورنہ منہمکین فی الدنیا تو کسی وقت بھی متوجہ نہیں ہوتے، غنی

---

[1] عین العلم الباب العشرون فی التوحید والتوکل الخ مطبع اسلامیہ لاہور ص ۳۳۸

[2] احیاء العلوم " " " مکتبہ ومطبعۃ المشہد الحسینی قاہرہ ۴/ ۲۷۷

ہوں تو بُھول جائیں اللھم انّا نعوذ بك من غنی یطغی ومن فقر ینسی (اے اللہ! ہم تیری پناہ مانگتے ہیں اس غنا سے جو تیرا باغی بنادے اور اس فقر سے جو تجھے بُھلا دے۔ ت)

نہم اگر جمع رکھنے میں اس کا دل متفرق اور مال کے حفظ یا اس کی طرف میلان سے متعلق ہو تو جمع نہ رکھنا ہی افضل ہے کہ اصل مقصود ذکرِ الٰہی کے لیے فراغ بال ہے جو اُس میں مخل ہو وہی مذموم ہے ان ہی دونوں مقاموں کی طرف حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اُس دُعا میں اشارہ فرمایا جو اپنی اُمّت کو تعلیم فرمائی کہ:

اللھم ما رزقتنی مما احب فاجعله قوۃ لی فیما تحب اللھم وما زویت عنی مما احب فاجعله فراغا لی فیما تحب[1] ۔ رواہ الترمذی عن عبداللہ بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنه وحسنه۔

اے اللہ! تُو نے جو مجھے میرا پسندیدہ رزق دیا ہے تو اسے اپنے پسندیدہ کاموں میں میرے لیے قوت کا ذریعہ بنا دے، اور وُہ پسندیدہ رزق جو تُو نے مجھ سے روک رکھا ہے تو اسے اپنے پسندیدہ کاموں میں میرے لیے ذریعہ فراغت بنادے۔ اسے امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرکے حسن قرار دیا ہے۔ (ت)

امام حجۃ الاسلام بعد عبارتِ مذکورہ فرماتے ہیں:

المقصود اصلاح القلب لیتجرد لذکر اللہ، ورب شخص یشغله وجود المال ورب شخص یشغله عدمه والمحذور ما یشغل عن اللہ عزوجل، والا فالدنیا فی عینها غیر محذورۃ لا وجودھا ولا عدمھا[2] ۔

مقصود تو دل کی اصلاح ہے تاکہ وہ ذکرِ الٰہی کے لیے خالی ہوجائے اور بہت سے لوگوں کو مال کا ہونا اللہ تعالٰی سے غافل کردیتا ہے اور بہت سے لوگوں کو مال کا نہ ہونا غافل کردیتا ہے، اور منع تو وُہ ہے جو اللہ عزوجل سے غافل کردے ورنہ فی نفسہٖ دنیا کا وجود وعدم ممنوع نہیں۔ (ت)

دہم اصحاب نفوس مطمئنہ ہوں نہ عدم مال سے اُن کا دل پریشان نہ وجود مال سے ان کی نظر، وہ مختار ہیں۔ حق سبحانہٗ اپنے نبی سیدنا سلیمان علیہ السلام سے فرماتا ہے:

ھذا عطاؤنا فامنن او امسك بغیر حساب[3] ۔

یہ ہماری عطا ہے اب تُو چاہے تو احسان کر یا روک رکھ، تجھ پر کچھ حساب نہیں۔ (ت)

---

[1] جامع الترمذی ابواب الدعوات امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱۸۷/۲
[2] احیاء العلوم کتاب التوحید والتوکل، احوال المتوکلین الخ مکتبہ ومطبعۃ المشہد الحسینی قاہرہ ۲۷۷/۴
[3] القرآن ۳۸/ ۳۹

اور کچھ نہ کہنا افضل کہ عباد اللہ کا فائدہ ہے۔ احیاء کتاب الزکوٰۃ وظیفہ سادسہ مزکی میں ہے:

المال کله لله عزوجل وبذل جمیعه هو الاحب عند الله سبحٰنه وانما لم یأمر به عبده لانه یشق علیه بسبب بخله کما قال عزوجل "فیحفکم تبخلوا"[1]

تمام مال اللہ عزوجل کے لیے ہے اور تمام کا تمام خرچ کر دینا اللہ سبحانہ کے ہاں پسندیدہ عمل ہے باقی تمام کو خرچ کر دینے کا اللہ تعالیٰ نے اس لیے حکم نہیں دیا کہ بندے پر بخل کی وجہ سے ایسا کرنا مشکل تھا جیسا کہ باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: تم سے زیادہ طلب کرے تو تم بخل کرو گے۔ (ت)

یازدہم حاجت سے زیادہ کا مصارفِ خیر میں صرف کر دینا اور جمع نہ رکھنا صورتِ سوم میں تو واجب تھا باقی جملہ صُوَر میں ضرور مطلوب، اور جوڑ کر رکھنا اس کے حق میں ناپسند و معیوب کہ منفرد کو اس کا جوڑنا طولِ امل یا حُبِّ دنیا ہی سے ناشی ہوگا اور طولِ امل غرور ہے، اور حُبِّ دُنیا اشر الشرور۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کن فی الدنیا کانك غریب او عابر سبیل وعد نفسك من اصحاب القبور اذا اصبحت فلا تحدث نفسك بالمساء واذا امسیت فلا تحدث نفسك بالصباح[2] رواه الترمذی والبیهقی عن ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهما وهو فی صحیح البخاری برفع اوله ووقف اٰخره۔

دنیا میں یوں رہ گویا تو مسافر بلکہ راہ چلتا ہے اور اپنے آپ کو قبر میں سمجھ کر صبح کرے تو دل میں یہ خیال نہ لا کہ شام ہوگی، اور شام ہو تو یہ نہ سمجھ کہ صبح ہوگی۔ (اسے ترمذی اور بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے۔ صحیح البخاری میں اس کا اول حصہ مرفوعاً اور آخری موقوفاً مروی ہے۔ ت)

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: یایها الناس اما تستحیون اے لوگو! کیا تمھیں شرم نہیں آتی؟ حاضرین نے عرض کی: یارسول اللہ! کس بات سے۔ فرمایا:

تجمعون مالا تاکلون وتبنون مالا تعمرون وتاملون مالا تدرکون الا تستحیون

جمع کرتے ہو جو نہ کھاؤ گے اور عمارت بناتے ہو جس میں نہ رہو گے اور وہ آرزوئیں باندھتے ہو جن تک

---

[1] احیاء العلوم کتاب اسرار الزکوٰۃ بیان دقائق الآداب الباطنۃ الخ مکتبۃ و مطبعۃ المشہد الحسینی قاہرہ ۱/۲۱۸
القرآن ۴۷/۳۷

[2] جامع الترمذی ابواب الزہد باب ماجاء فی قصر الامل امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/۵۷

21 ذٰلک[1] رواہ الطبرانی عن ام الولید بنت عمر الفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

نہ پہنچو گے اس سے شرماتے نہیں۔ (اسے طبرانی نے حضرت ام الولید دختر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ ت)

ایک حدیث میں ہے اسامہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہما نے ایک مہینے کے وعدے پر ایک کنیز سَو دینار کو خریدی، رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا:

الا تعجبون من اسامۃ یشتری الی شھران اسامۃ طویل الامل، والذی نفسی بیدہ ماطرفت عینای الا ظننت ان شفری لایلتقیان حتی یقبض اللہ روحی ولا رفعت قدحالی فظننت انی واضعہ حتی اقبض ولا لقمت لقمۃ الا ظننت انی لا اسیغھا حتی اعض بھا من الموت والذی نفسی بیدہ ان ماتوعدون لات وما انتم بمعجزین[2]۔ رواہ ابن ابی الدنیا فی قصر الامل وابونعیم فی الحلیۃ والاصبھانی فی الترغیب والبیھقی عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

کیا اسامہ سے تعجب نہیں کرتے جس نے ایک مہینے کے وعدے پر (کنیز) خریدی، بیشک اسامہ کی امید لمبی ہے قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں تو جب آنکھ کھولتا ہوں یہ گمان ہوتا ہے کہ پلک جھپکنے سے پہلے موت آجائیگی، اور جب پیالہ منہ تک لے جاتا ہوں کبھی یہ گمان نہیں کرتا کہ اس کے رکھنے تک زندہ رہوں گا، اور جب کوئی لقمہ لیتا ہوں گمان ہوتا ہے کہ اسے حلق سے اتارنے نہ پاؤں گا کہ موت اسے گلے میں روک دے گی، قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے بیشک جس بات کا تمھیں وعدہ دیا جاتا ہے ضرور آنے والی ہے اور تم تھکا نہ سکوگے۔ اسے ابن ابی الدنیا نے باب فی قصر الامل میں، ابونعیم نے حلیہ میں، اصبہانی نے ترغیب میں اور بیہقی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰے عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کو دیوار پر کہگل اور ٹٹی درست کرتے دیکھا، فرمایا، اے عبداللہ! کیا ہے؟ عرض کی: درست کرتا ہوں۔ فرمایا:

---

[1] المعجم الکبیر مروی از ام الولید بنت عمر بن خطاب حدیث ۴۲۱ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۲۵/۱۷۲

[2] حلیۃ الاولیاء ابوبکر بن ابی مریم الغسانی ۳۳۴ دار الکتاب العربی بیروت ۶/۹۱

الترغیب والترہیب کتاب التوبۃ والزہد مصطفی البابی مصر ۴/۲۴۲

الامر اسرع من ذٰلک[1] رواہ ابوداؤد والترمذی وحسنہ وصححہ وابن ماجۃ وابن حبان عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

معاملہ اس سے قریب تر ہے (اسے ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کرکے حسن اور صحیح کہا۔ ابن ماجہ اور ابن حبان نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ ت)

ایک بار حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے گردن مبارک پر دستِ اقدس رکھ کر فرمایا:

ھذا ابن اٰدم وھذا اجلہ یہ ابن آدم ہے اور یہ اس کی موت ہے۔

پھر دستِ انور پھیلا کر فرمایا:

وثم املہ وثم املہ[2] رواہ الترمذی وابن حبان وبنحوہ النسائی وابن ماجۃ عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

اور وہ اتنی دور اس کی امید ہے اتنی دور اس کی امید ہے۔ (اسے ترمذی، ابن حبان اور اسی کی مثل نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

ایک حدیث میں ہے:

الدنیا دار من لا دار لہ ولھا یجمع من لا عقل لہ[3] رواہ احمد والبیھقی فی شعب الایمان عن ام المومنین وھذا عن ابن مسعود من قولہ رضی اللہ تعالٰی عنھما۔

دُنیا بے گھروں کا گھر ہے اور اس کے لیے وُہ جمع کرتا ہے جو بے عقل ہے۔ (اسے امام احمد اور بیہقی نے شعب الایمان میں اُم المومنین سے روایت کیا ہے اور اسے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول کے طور پر نقل کیا ہے۔ ت)

ایک حدیث میں فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من کنز دنیا یرید حیاۃ باقیۃ فان الحیاۃ بید اللہ الا وانی لا اکنز دینارا

جو دنیا جوڑ کر رکھے کہ بقائے زندگی چاہتا ہو تو زندگی تو اللہ کے ہاتھ میں ہے، سُن لو میں نہ اشرفی

---

[1] جامع الترمذی ابواب الزہد باب ماجاء فی قصر الامل امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۵۷
سنن ابن ماجہ ابواب الزہد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۱۷

[2] جامع الترمذی ابواب الزہد باب ماجاء فی قصر الامل امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۵۷

[3] مسند احمد بن حنبل مروی از عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دار الفکر بیروت ۶/ ۷۱

ف: جامع الترمذی اور سنن ابن ماجہ میں حدیث کے الفاظ یوں ہیں: ما اری الامر الا اعجل من ذٰلک۔ نذیر احمد

ولا ادخرهما ولا اخبأ من قال لغد[1]۔ رواہ ابو الشیخ فی الثواب عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

جوڑ کر رکھتا ہوں نہ روپیہ، نہ کل کے لیے کھانا اٹھا کر رکھوں۔ (اسے ابوالشیخ نے الثواب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ت)

یہ سب منفرد کا بیان، رہا عیالدار ظاہر ہے کہ وہ اپنے نفس کے حق میں منفرد ہے، تو خود اپنی ذات کے لیے اُسے انھیں احکام کا لحاظ چاہیے اور عیال کی نظر سے اس کی صورتیں اور ہیں ان کا بیان کریں۔

دوازدہم عیال کی کفایت شرع نے اس پر فرض کی وہ ان کو توکل وتبتل وصبر علی الفاقہ پر مجبور نہیں کرسکتا، اپنی جان کو جتنا چاہے کَسے مگر ان کو خالی چھوڑنا اس پر حرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کفی بالمرء اثما ان یضیع من یقوت[2] رواہ الامام احمد وابوداؤد والنسائی والحاکم والبیہقی بسند صحیح عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما وعزاہ فی المقاصد لمسلم۔

آدمی کو گناہ کافی ہے کہ جس کا قوت اس کے ذمہ ہے اُسے ضائع چھوڑے۔ (اسے امام احمد، ابوداؤد، نسائی، حاکم اور بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے بسند حسن روایت کیا ہے۔ مقاصد میں اس کی نسبت مسلم کی طرف ہے۔ت)

حجۃ الاسلام فرماتے ہیں قدس سرہ:

لایجوز تکلیف العیال الصبر علی الجوع فلا یمکنہ فی حقھم ولا توکل المکتسب فاما ترک العیال توکلا فی حقھم او القعود عن الاھتمام بامرھم توکلا فھذا حرام وقد یفضی الی ھلاکھم ویکون ھو ماخوذا بھم[3]۔ (ملخصا)

عیال کو بھوک پر قائم رکھنا جائز نہیں اس کو ان کے حق میں ایسا ممکن نہیں اور اسی طرح کمانے والے کو توکل کرلینا بھی جائز نہیں، عیال کے حق میں توکل کرتے ہوئے انھیں چھوڑ دینا یا توکل کرتے ہوئے ان کے اخراجات کا اہتمام نہ کرتے ہوئے بیٹھ جانا حرام ہے اور اگر یہ ان کی ہلاکت کا سبب بن گیا تو یہ شخص پکڑا جائے گا۔ (ت)

---

[1] الترغیب والترھیب بحوالہ ابی الشیخ فی کتاب الثواب کتاب التوبۃ والزھد مصطفی البابی مصر ۴/ ۱۸۹

[2] سنن ابی داؤد کتاب الزکوٰۃ باب فی صلۃ الرحم آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۳۸

مسند احمد بن حنبل مروی از عبداللہ بن عمرو دارالفکر بیروت ۲/ ۱۶۰، ۱۹۴، ۱۹۵

[3] احیاء العلوم کتاب التوحید والتوکل مکتبہ ومطبعۃ المشہد الحسینی قاہرہ ۴/ ۲۶۲

حضور پُرنور سید المتوکلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے نفس کریم کے لیے کل کا کھانا بچا رکھنا پسند نہ فرماتے۔ ایک بار خادمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے پرند کا گوشت کہ آج تناول تو فرمایا تھا بچا ہُوا دوسرے دن حاضر کیا، فرمایا:

الم انھك ان ترفعی شیئًا لغد، فان اللّٰہ یأتی برزق غد[1]۔ رواہ ابو یعلٰی بسند صحیح والبیھقی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

کیا ہم نے منع نہ فرمایا کہ کل کے لیے کچھ اٹھا کر نہ رکھنا کل کی روزی اللہ کل دے گا۔ (اسے ابو یعلٰی نے سند صحیح کے ساتھ اور بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

اور اپنی عیال کریم کے لیے سال بھر کا قُوت جمع فرمادیتے۔ صحیحین میں امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

کان صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ینفق منہ (ای مما افاء اللہ علٰی رسولہ من اموال بنی النضیر) علٰی اھلہ نفقۃ سنۃ ثم یجعل ما بقی منہ مجعل مال اللہ عزوجل[2]۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے اس (مال فے جو اللہ تعالٰی نے بنو نضیر کے اموال سے حضور کو عطا کیا تھا) سے سال بھر اپنے اہل پر خرچ کرتے پھر باقی کو جمع کرکے بیت المال میں دے دیتے۔ (ت)

سیزدہم وہ جس کی عیال میں صورت چہارم کی طرح بے صبرا ہو اور بے شک بہت عوام ایسے نکلیں گے تو اس کے لحاظ سے تو اس پر دوسرا وجوب ہوگا کہ قدرِ حاجت جمع رکھے،

قال اللہ تعالٰی قوا انفسکم واھلیکم نارا[3]۔

اللہ تعالٰی کا ارشاد مبارک ہے: اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو آگ سے بچاؤ۔ (ت)

چہاردہم ہاں جس کی سب عیال صابر و متوکل ہوں اسے روا ہوگا کہ سب راہِ خدا میں خرچ کردے۔ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک بار صدقہ کا حکم فرمایا، امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں میں خوش ہُوا کہ اگر صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ پر سبقت لے جاؤں گا تو اس بار کہ میرے پاس مال بہت ہے اور ان کے پاس کم۔ فاروق اپنے تمام مال کا نصف حاضر لائے۔ ارشاد ہُوا: عیال کے لیے کیا چھوڑا؟ عرض کی، اتنا ہی۔

---

[1] مسند ابی یعلٰی از مسند انس بن مالک حدیث ۴۲۰۸ مؤسسۃ علوم القرآن بیروت ۴/ ۱۹۲
شعب الایمان باب التوکل والتسلیم حدیث ۱۳۴۸ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۱۱۹

[2] صحیح البخاری کتاب النفقات ۲/ ۸۰۶ و کتاب الفرائض ۲/ ۹۹۶ و کتاب الاعتصام ۲/ ۱۰۸۶ قدیمی کتب خانہ کراچی
صحیح مسلم باب حکم الفئ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۹ و ۹۱

[3] القرآن ۶۶/ ۶

صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ تمام وکمال اتنا اپنا سارا مال حاضر لاتے، ارشاد ہُوا: عیال کے لیے کیا چھوڑا؟ عرض کی: اللہ و رسول جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ حضور اقدس نے فرمایا[عہ۱]:

بینکما مابین کلمتیکما (تم دونوں کے مرتبوں میں وہ فرق ہے جو تمہاری ان باتوں میں ہے) اگر صاحبِ عیال[عہ۲] جدا ہے اور اسکی آمدنی خرچ سے زائد ہے تو اس کی آمدنی سے بقدر خرچ رکھ کر باقی کا تصدق مطلقاً افضل ہے، اگر دخل ماہانہ ہے تو ایک مہینہ کا خرچ رکھ کر اور سالانہ تو ایک سال کا، اس سے زائد کا جمع رکھنا حرص وحُبِّ دنیا سے ناشی ہوتا ہے، اور حُبِّ دنیا خطا کی جڑ ہے۔ صحیحین میں امیر المومنین فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان ینفق علٰی اھلہ نفقۃ سنتھم من ھذا المال ثم یاخذ ما بقی فیجعلہ مجعل مال اللہ[۱]۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اسی مال سے اپنے اہل پر سال بھر خرچ کرتے پھر بقیہ کو اللہ کے راہ میں خرچ کر دیتے۔ (ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الدنیا دار من لادار لہ ولھا یجمع من لاعقل لہ[۲]۔ رواہ الامام احمد والبیھقی فی الشعب عن ام المومنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا بسند صحیح۔

دنیا بے گھروں کا گھر ہے اور اُس کے لیے احمق ہی جمع کرے گا۔ (اسے امام احمد، بیہقی نے شعب الایمان میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے بسندِ صحیح روایت کیا ہے۔ ت)

احیاء العلوم شریف میں ہے:

ماوراء السنۃ لاید خرلہ الابحکم ضعف القلب فھو غیر واثق بتدبیر الحق فان اسباب الدخر تتکرر بتکرر السنین[۳] ملخصًا۔

سال سے زائد رزق جمع نہ کیا جائے مگر اس صورت میں دل ضعیف ہو اور تدبیر حق کے ساتھ واثق نہ ہو کیونکہ اسباب جمع مختلف سالوں کی وجہ سے مختلف ہونگے (ت)

اور اگر جائداد نہیں رکھتا عیال کے لیے اتنا پس انداز کرنا کہ اگر یہ مرجائے تو وہ اس بقیہ سے منتفع ہوں اور انھیں بھیک مانگنی نہ پڑے افضل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عہ۱: یہاں تک یہ جواب دستیاب ہوا (اس سے آگے عربی جملہ اور اسکا ترجمہ "جواہر البیان فی اسرار الارکان" ص ۱۰۶ میں اسی حدیث کے تحت ملا ہے)

عہ۲: یہاں سے سوال مذکور کا یہ مختصر جواب ہے ۱۲

---

[۱] صحیح البخاری کتاب النفقات ۲/ ۸۰۶ وکتاب الفرائض ۲/ ۹۹۶ وکتاب الاعتصام ۲/ ۱۰۸۶ قدیمی کتب خانہ کراچی
صحیح مسلم باب حکم الفئی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۹ و ۹۱

[۲] مسند احمد بن حنبل مروی از عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دار الفکر بیروت ۶/ ۷۱

[۳] احیاء العلوم کتاب التوحید والتوکل بیان احوال المتوکلین مکتبہ ومطبعۃ المشھد الحسینی قاہرہ ۴/ ۲۷۷

انک ان تذر ورثتک اغنیاء خیر من ان تذرھم عالۃ یتکففون الناس فی ایدیھم[1]۔ رواہ الشیخان عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

تیرا ورثاء کو غنی چھوڑنا اس سے کہیں بہتر ہے کہ محتاجی میں لوگوں سے مانگتے پھریں۔ اسے بخاری و مسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

اور اس کی مقدار جو اُن کے لیے چھوڑنا مناسب ہے ہمارے امام رضی اللہ تعالٰی عنہ سے چار ہزار درہم مروی ہے یعنی ہر ایک کو اتنا حصہ پہنچے، اور امام ابوبکر فضل سے دس ہزار درہم، اور اگر ان کے حصّے مختلف ہیں تو لحاظ اس کا کیا جائیگا جس کا حصہ سب سے کم ہے، اور اس سے زیادہ پھر ہوس ہے، درمختار میں ہے:

ندبت (ای الوصیۃ) باقل منہ (ای من الثلث) ولو عند غنی ورثتہ او استغناءھم بحصتھم، کما ندب ترکھا بلا غنی و استغناء[2] (ملخصًا)

جب ورثا غنی یا اپنے حصہ کے سبب مستغنی ہوں تو تیسرے حصہ وراثت سے کم میں وصیت کرنا مستحب ہوتا ہے جیسا کہ ورثا غنی و مستغنی نہ ہوں تو ترکِ وصیت مستحب ہے (ملخصًا)۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

استغناؤھم بحصتھم بان یرث کل منھم اربعۃ الاف درھم علی ماروی عن الامام او یرث عشرۃ الاف درھم علی ماروی عن الفضلی قھستانی عن الظھیریۃ واقتصر الاتقانی علی الاول[3]۔

ورثاء کا اپنے حصہ کے ساتھ مستغنی ہونا یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک چار ہزار درہم کا وارث بنے، جیسا کہ امام صاحب سے مروی ہے۔ یا دس ہزار، جیسا کہ فضلی قہستانی نے ظہیریہ سے نقل کیا ہے۔ اتقانی نے پہلے قول پر ہی اکتفاء کیا ہے۔ (ت)

چار ہزار درہم کے انگریزی روپے سے گیارہ سو بیس ہوئے اور دس ہزار کے دو ہزار آٹھ سو۔ ہاں اگر عیال خود غنی ہوں تو پس انداز نہ کرنا ہی افضل، یونہی اگر فاسق ہوں کہ مال معصیت میں خرچ کریں گے تو ان کے لیے کچھ نہ چھوڑنا ہی بہتر۔ فتاوٰی خلاصہ و لسان العلوم و فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

لوکان ولدہ فاسقا وارادان یصرف مالہ

اگر اولاد فاسق و فاجر ہے اور وہ چاہتا ہے کہ میں اسے

---

[1] صحیح البخاری کتاب النفقات باب فضل النفقۃ علی الاہل قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۸۰۶
صحیح مسلم کتاب الوصیۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۳۹
[2] درمختار کتاب المعاقل مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۱۸
[3] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۵/۴۶۱

الٰی وجوہ الخیر و یحرمہ عن المیراث ھذا خیرمن ترکہ[1] واللہ تعالٰی اعلم

وراثت سے محروم کرکے مال کو اچھے کاموں پر خرچ کردینا تو وراثت چھوڑنے سے بہتر ہے (ت)۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۷: از جبلپور ضلع سیلی بھیت مرسلہ محمد حسین احمد صاحب اسٹیشن ماسٹر ۶ ربیع الآخر ۱۳۳۱ھ

مخزن علوم حقانی و ربانی ادام اللہ فیوضہم، تسلیم بعد تعظیم میری اہلیہ عرصہ سے ہر سال حضرت غوث الاعظم کی گیارھویں میں سوامن بریانی پکواکر نیاز دلاتی ہے اور مساکین کو تقسیم کی جاتی ہے کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ یہ رقم امسال شہدا و یتامٰی عساکر عثمانیہ کی امداد کے لیے بھیجی جائے اور گیارھویں شریف معمولاً قدرے شیرینی یا طعام پر دلادی جائے؛ زیادہ نیاز

الجواب

اگر دونوں باتیں نہ ہوں تو یہی بہتر ہے کہ قدرے نیاز دے کر وہ تمام قیمت امداد مجاہدین میں بھیج دی جائے اور اس کا ثواب بھی نذر روح اقدس حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کیا جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۸: از بلتھرا بازار ضلع بلیا مرسلہ شیخ واجد علی محمد سلطان سوداگر چرم ۱۶ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید شخص مالدار ہے اور سالانہ مدزکوٰۃ میں ہزاروں روپیہ نکال کر مستحقین میں تقسیم کرتا ہے مگر سوال یہ ہے کہ کیا اس رقم زکوٰۃ سے زید حقیقت زمینداری خرید کر اس کے خالص منافع کو مستقل طور پر مستحقین اور طالب علم دینیات کو دے سکتا ہے، کیا اس کے جواز کی کوئی صورت ہے، چونکہ زید اپنے کاروبار تجارت کو بہ مقابلہ حقیت زمینداری کے مستحکم نہیں خیال کرتا وہ چاہتا ہے کہ اس صورت میں ہمیشہ وہ زکوٰۃ سے مستحقین میں اس کا نفاذ رکھے۔

الجواب

زکوٰۃ تملیک فقیر ہے، نہ جائداد خریدنے سے ادا ہوسکتی ہے نہ جائداد فقراء پر وقف کردینے سے، ہاں اگر وہ روپیہ کسی فقیر مصرف زکوٰۃ کو باجازت شرعی دے کر بہ نیت زکوٰۃ مالک کردے تو اس فقیر کی اجازت سے اس کی جائداد خرید کر وقف فقراء کرے تو یہ صورت بہت مستحسن ہے اور اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ مثلاً دس ہزار روپیہ زکوٰۃ کے دینے ہیں اور چاہتا ہے کہ ان کی جائداد خرید کر وقف فقراء کرے تو کسی فقیر مصرف زکوٰۃ کے ہاتھ مثلاً سو پچاس روپیہ کا مال دس ہزار روپیہ کو بیچے اور وہ قبول کرلے تو دس ہزار روپیہ اس کو بہ نیت زکوٰۃ دے اور اس قیمت کے مطالبہ میں واپس لے کر اس کی جائداد خرید کر وقف فقراء کردے، یوں وقف بھی

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب السادس فی الھبۃ للصغیر نورانی کتب خانہ پشاور ۳۹۱/۴

ہوجائیگا اور زکوٰۃ بھی ادا ہوجائے گی اور اس فقیر کو بھی سو پچاس روپیہ کا مال مل جائے گا اور وہ بعد دلائے زکوٰۃ دس ہزار روپیہ واپس دینا نہ چاہے یہ جبراً لے سکتا ہے کہ اس کا اتنا اس پر آتا ہے۔ درمختار میں ہے:

ولو امتنع المدیون مدہ و اخذ ھا لکونہ ظفر بجنس حقہ[1] واللہ تعالٰی اعلم
اگر مدیون نہیں دیتا تو اسے چھین لے کیونکہ یہ اپنے حق کے حصول پر قدرت پاتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۵۹: از کانپور محلہ فیل خانہ قدیم مرسلہ مولانا مولوی سید محمد آصف صاحب زید فیضہم ۲۷ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

کتاب کنوز الحقائق میں یہ حدیث شریف ہے: تصدقوا علی اھل الادیان کلھا[2] (تمام دینوں والوں پر صدقہ کرو۔ ت) اور دوسری حدیث سے ثابت ہے کہ ہر جاندار سے بھلائی صدقہ ہے۔ ائمہ کرام کفار حربی سے سلوک کو کیوں منع کرتے ہیں، ان کے کیا دلائل ہیں اور احادیث کے کیا جواب؟ کتاب السنیۃ الانیقہ میں ہے:

لاتکون براشرعا ولذا لم یجز التطوع الیہ فلم یقع قربۃ[3]
یہ شرعاً نیکی نہیں ہوگی اسی وجہ سے ایسے کافر پر نفلی صدقہ جائز نہیں اور نہ وہ قربت بنے گا۔ (ت)

الجواب

بملاحظہ مولانا المکرم ذی المجد والکرام مولانا مولوی سید آصف صاحب دامت فضائلہم، تصدقوا علی اھل الادیان کلھا میں امر بتصدق ہے اور تصدق قربت جہاں قربت نہ ہو صدق تصدق محال ہے اور بہ تصریح ائمہ اہل حرب کو کچھ دینا اصلاً قربت نہیں تو وہاں صدق تصدق نا ممکن اور قطعاً حاصلِ حدیث یہ کہ جن کو دینا قربت ہے وہ کسی دین کے ہوں ان پر تصدق کرو یہ ضرور صحیح ہے اور صرف اہل ذمہ کو شامل نصرانی ہوں خواہ یہودی خواہ مجوسی خواہ وثنی، کسی دین کے ہوں، اگر وہ قول لیں کہ غنی کو دینا صدقہ نہیں ہوسکتا تو مسلمان غنی بھی اس عموم اہل الادیان کلھا میں نہیں آسکا کہ وہ محلِ صدق ہی نہیں اور کلام تصدق میں ہے، یہی جواب اس حدیث سے ہے کہ ہر جاندار سے بھلائی صدقہ ہے، ورنہ صحیح مسلم شریف کی صحیح حدیث میں فرمایا کہ جو وزغ کو ایک ضرب مارے سو نیکیاں پائے[4]۔ دوسری حدیث میں ہے: جس نے سانپ کو قتل کیا اس نے گویا ایک مشرک حلال الدم کو قتل کیا[5]۔ رواہ الامام احمد عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ (اسے امام احمد نے حضرت عبد اللہ بن مسعود سے

---

[1] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۰
[2] کنوز الحقائق حدیث نمبر ۲۹۴۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/۲۳۲ [3] السنیۃ الانیقہ
[4] صحیح مسلم کتاب قتل الحیات باب استحباب قتل الوزغ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۲۳۶
[5] مسند احمد بن حنبل مروی از عبد اللہ بن مسعود دار الفکر بیروت ۱/۳۹۵

روایت کیا ہے۔ت)

تیسری حدیث میں ہے:

اقتلوا الحیات کلھن فمن خاف ثأرھن فلیس منا[1]۔ رواہ ابوداؤد والنسائی و الطبرانی فی الکبیر عن جریر بن عبداللہ و عن عثمٰن بن ابی العاص رضی اللہ تعالٰی عنھم۔

سب سانپوں کو قتل کرو، جو ان کے بدلہ لینے سے ڈرے وہ ہمارے گروہ سے نہیں۔(اسے ابوداؤد، نسائی اور طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اور حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا۔ت)

ایک حدیث میں ہے:

من قتل حیۃ او عقربا فکانما قتل کافرا[2]۔ رواہ الخطیب عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

جس نے سانپ یا بچھو مارا گویا ایک کافر مارا(اسے خطیب نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

کفار کی نسبت خود قرآن عظیم میں ہے: فاقتلوھم حیث ثقفتموھم[3] (اور ان کو جہاں پاؤ مارو۔ت) اور فرمایا: اینما ثقفوا اخذوا وقتلوا تقتیلا[4] (جہاں کہیں ملیں پکڑے جائیں اور گن گن کر قتل کئے جائیں۔ت) اور فرمایا: واغلظ علیھم[5] (ان پر سختی کرو۔ت) اور فرمایا: ولیجدوا فیکم غلظۃ[6] (وہ پائیں تمہارے اندر سختی۔ت) تو وہ اصلاً محلِ احسان نہیں۔ ابتدائے اسلام میں غیر محارب و محارب کفار میں فرق فرمایا تھا اُن سے نیک سلوک اور برابری کا برتاؤ جائز تھا اور ان سے منع اور اسی کو ان سے دوستی رکھنے سے تعبیر فرمایا تھا ورنہ دوستی تو کسی کافر سے کبھی حلال نہ تھی۔

قال اللہ تعالٰی لاینھٰکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ

اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے: اللہ تمہیں ان سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین میں نہ لڑے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہ نکالا کہ ان کے ساتھ احسان کرو اور ان سے

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی قتل الحیات آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۵۶

[2] تاریخ بغداد ترجمہ نمبر ۶۹ محمد بن الحسین الخثعمی الاشنانی دارالکتاب العربی بیروت ۲/ ۲۳۴

[3] القرآن ۲/ ۱۹۱ و ۴/ ۹۱

[4] القرآن ۳۳/ ۶۱

[5] القرآن ۹/ ۷۳

[6] القرآن ۹/ ۱۲۳

یحب المقسطین ○ انما ینھٰکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظٰھروا علٰی اخراجکم اَنْ تولوھم ج ومن یتولھم فاولٰئک ھم الظّٰلمون○[1]

انصاف کا برتاؤ برتو، بیشک انصاف والے اللہ کو محبوب ہیں، اللہ تمھیں انھی سے منع کرتا ہے جو تم سے دین میں لڑے یا تمھیں تمھارے گھروں سے نکالا یا تمھارے نکالنے پر مدد کی کہ ان سے دوستی کرو، اور جو ان سے دوستی کریں تو وہی ستمگار ہیں۔ (ت)

معالم شریف وغیرہ میں ہے:

ثم ذکر الذین نھاھم عن صلتھم فقال انما ینھٰکم اللہ[2] الاٰیۃ

پھر اللہ تعالٰی نے ان لوگوں کا ذکر کیا جن سے احسان سے منع فرمایا، تو فرمایا انما ینھٰکم اللہ۔ (ت)

خازن میں ہے:

ثم ذکر الذین نھی عن صلتھم وبرھم فقال تعالٰی انما ینھٰکم اللہ[3]

پھر ان لوگوں کا ذکر کیا جن سے نیکی واحسان منع ہے تو فرمایا انما ینھٰکم اللہ۔ (ت)

تو معلوم ہوا کہ ان کے ساتھ نیک سلوک موالات ہے اور ان سے موالات مطلقاً کثیر آیات میں حرام فرمائی۔ اسی سورۂ کریمہ کے آخر میں ہے:

یایھا الذین اٰمنوا لاتتولوا قوما غضب اللہ علیھم[4]

اے ایمان والو! ان لوگوں سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ کا غضب ہے۔ (ت)

لاجرم کبیر میں ہے: قال قتادۃ نسختھا اٰیۃ القتال[5] (حضرت قتادہ نے فرمایا اس آیت کو آیتِ قتال نے منسوخ کردیا ہے۔ ت) تو اب کسی کافر حربی سے بِرّ وصلہ جائز نہ رہا اگرچہ اس نے بالفعل محاربہ نہ کیا ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] القرآن ۶۰/ ۸ و ۹
[2] تفسیر معالم التنزیل مع الخازن زیر آیت لاینھٰکم اللہ الخ مصطفی البابی مصر ۷/ ۷۷
[3] تفسیر الخازن " " " " " ۷/ ۷۷
[4] القرآن ۶۰/ ۱۳
[5] تفسیر کبیر زیر آیت لاینھٰکم اللہ الخ المطبعۃ البھیۃ مصر ۲۹/ ۴

وبهذا حاول البحر التوفیق فحمل ما فی النهایة والعنایة علٰی ما اذا تقدم الولی بمحضر السلطان من دون اذنه وما فی السراج والمستصفی علٰی ما اذا تقدم وهم غیب ثم حضروا ونازعه فی النهر بان کلماتهم متفقة علٰی ان لاحق للسلطان فمن دونه قبل الولی الّا عند حضورهم فالخلاف انما هو اذا حضروا۔

اقول کیفما کان الامر فالذی یقول باعادة السلطان انما یقول اذا حضر وتقدم الولی بلا اذنه قال فی الحلیة فی تصویر هذا الخلاف صلی الولی والسلطان او امام الحی ومن بینهما حاضر ولم یتابعه[1] الخ وکذلک قید فی النافع بقوله ان حضر قال فی شرحه المستصفی انما قدم السلطان بعارض ولهذا قال ان حضر[2] اھ وفی المجتبٰی صلی الولی لم یجز ان یصلی احد بعده

اسی سے صاحبِ بحر نے تطبیق دینا چاہا ہے، انھوں نے نہایہ وغیرہ کی عبارت کو اس صورت پر محمول کیا ہے جب سلطان کے موجود ہوتے ہوئے اس کی اجازت کے بغیر ولی پڑھا دے ۔۔۔ اور سراج و مستصفی کے کلام کو اُس صورت پر محمول کیا ہے جب ولی ان کی غیر موجودگی میں پڑھا دے بعد میں وُہ آجائیں ۔۔۔ صاحبِ نہر نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ کلماتِ علماء اس بارے میں متفق ہیں کہ سلطان وغیرہ کو ولی پر حقِ تقدم اُسی وقت حاصل ہوتا ہے جب وُہ موجود ہوں تو اختلاف موجودگی ہی کی صورت میں ہوگا۔

اقول جیسا بھی ہو جو سلطان کے لئے دوبارہ پڑھنے کا حق مانتا ہے وُہ یہی کہتا ہے کہ جب سلطان موجود ہو اور ولی اس کی اجازت کے بغیر پڑھا دے تو وُہ پھر پڑھ سکتا ہے ۔۔۔ حلیہ میں اس اختلاف کی صورت یوں پیش کی ہے "ولی نے نماز پڑھائی اور سلطان یا امامِ محلّہ یا وُہ جن کا درجہ ان کے مابین ہے موجود ہیں اور انھوں نے ولی کی متابعت نہ کی" الخ۔ اسی طرح "نافع" میں یہ قید لگائی ہے کہ "اگر وُہ موجود ہو"۔ اس کی شرح مستصفٰی میں فرمایا: سلطان کو تقدم عارض کی وجہ سے ہے اسی لئے فرمایا: "اگر وُہ موجود ہو" اھ مجتبٰی میں ہے، "ولی نے پڑھ لی تو اس کے بعد کوئی نہیں پڑھ سکتا

---

[1] حلیة المحلی شرح غنیة المصلی
[2] المستصفٰی شرح الفقه النافع للنسفی

ایھا العلماء۔ اے علماء! جواب تحریر فرماکر اجر پاؤ۔ (ت)

الجواب

ختمِ قرآن در تراویح از سنتے بیش نیست و فرقے کہ از سنت تا فرض ست خود ہویداست چہ بلا و سفاہتے باشد ایں را بہر آں گذاشتن و کارِ دین را واژگونہ داشتن بلکہ ایں بہانہ دروغ خود بفہم درنمی آید زیرا کہ قرأتِ قرآن مانع روزہ نیست ھزاراں ہزار حافظانِ قرآن در اقطارِ عالم و اکنافِ زمین از پیران وبچگان وکم طاقتان ھم بروز روزہ مے دارند وہم بشب قرآن می خوانند و بدیں معنی ہیچ مضرتے بچشم ایشاں نمی رسد وچہ گونہ رسد کہ ہم روزہ صحت ست وہم قرآن شفا اما اعتقادے صحیح باید تا ازیں دادہائے الٰہی نفع رونماید۔

تراویح میں ختمِ قرآن سنّت سے بڑھ کر نہیں، سنت اور فرض میں جو فرق ہے وُہ نہایت ہی ظاہر و باہر ہے، یہ کتنی بیوقوفی اور کم عقلی ہے کہ سنت کی خاطر فرض چھوڑ دیا جائے، یہ دین سے برگشتگی بلکہ یہ جُھوٹا بہانہ سمجھ میں نہیں آتا کیونکہ قراءتِ قرآن روزہ رکھنے سے مانع نہیں ہوسکتی۔ پُوری دُنیا میں ہزار ہا حفاظِ قرآن جن میں بُوڑھے، بچے اور کمزور شامل ہیں دن کو روزہ رکھتے ہیں اور رات کو قرآن سناتے ہیں اور کبھی کسی کو ایسا معاملہ نقصان دہ نہیں ہُوا اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ روزہ بھی صحت ہے اور قرآن سراپا شفا ہے لیکن اعتقاد کا صحیح ہونا ضروری ہے تاکہ اللہ تعالٰی یہ نفع عطا فرمائے۔

قال اللہ تعالٰی ونُنزل من القراٰن ماھو شفاء ورحمۃ للمؤمنین ولا یزید الظلمین الا خسارا[1]

اللہ تعالٰی کا فرمانِ مبارک ہے: ہم نے قرآن نازل کیا جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کے خسارہ میں اضافہ ہی کرتا ہے۔

وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اغزوا تغنموا وتصوموا تصحوا وسافروا تستغنوا[2]۔ اخرجہ الطبرانی فی المعجم الاوسط من طریق زھیر بن محمد عن سھیل بن ابی صالح عن ابیہ

حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جہاد کرو غنیمت حاصل کرو، روزہ رکھو صحت حاصل کرو، بغرضِ تجارت سفر کرو اور نفع حاصل کرکے غنا حاصل کرو۔ اسے طبرانی نے معجم اوسط میں زہیر بن محمد سے، انھوں نے سہیل بن ابی صالح سے، انھوں نے اپنے والد سے،

---

[1] القرآن ۷/ ۸۲

[2] مجمع الزوائد بحوالہ المعجم الاوسط باب اغزوا تغنموا الخ دار الکتاب العربی بیروت ۵/ ۳۲۴
مقاصد الحسنۃ حرف السین المہملۃ حدیث ۵۴۹ دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۲۳۶

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ کما فی المقاصد الحسنۃ وروایۃ ثقات کما فی ترغیب المنذری واخرجہ الامام احمد ایضا کما قال السخاوی وروی قولہ صوموا تصحوا[1] عن ام المومنین عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اخرجہ ابن السنی و ابونعیم فی الطب النبوی کما فی الجامع الصغیر للسیوطی لکن اسنادہ ضعیف[2] کما قال المناوی قلت ولا یضر لثبوتہ برجال ثقات مع ان الضعیف معمول بہ فی الفضائل اجماعا کما افاد النووی وغیرہ۔

ہیچ باور نمی آید کہ ایں کس را قرآن خواندن از روزہ باز می دارد پس نباشد مگر عذر باطل و دون ہمتی و نفس پروری والعیاذ باللہ اگر بالفرض ہمچناں ست کہ قرآن خواندن اورا بہ حدے ناتواں می کند کہ طاقت روزہ طاق می گردد تا دریں صورت ایں قرآن خواندن درحق وے نہ سنت و باعثِ ثواب باشد بلکہ حرام و موجبِ عذاب و رنگ کسیکہ تلاوتِ قرآن دراز کرد تا آنکہ وقتِ نماز از دست رفت ایں چنیں قرآن خواندن درآں قولِ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم داخل است کہ فرمود رب تالی القرآن والقرآن یلعنہ[3]

انھوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بیان کیا ہے، جیسا کہ مقاصد حسنہ میں ہے اور یہ ثقہ لوگوں کی روایت ہے جیسا کہ ترغیب منذری میں ہے، اور اسے امام احمد نے بھی تخریج کیا جیسا کہ سخاوی نے کہا اور یہ الفاظ بھی ام المومنین نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیے کہ روزہ رکھو اور صحت پاؤ۔ اسے ابن سنی نے اور ابونعیم نے طب نبوی میں روایت کیا، جیسا کہ جامع الصغیر للسیوطی میں ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے، جیسا کہ مناوی نے کہا قلت اس کا ضعیف ہونا نقصان دہ نہیں کیونکہ ثقہ لوگوں سے مروی ہے، علاوہ ازیں ضعیف پر فضائل میں عمل بالاتفاق جائز ہے جیسا کہ نووی وغیرہ نے بیان کیا ہے۔

کسی طرح بھی یہ باور نہیں کیا جاسکتا کہ اس شخص کو قرأتِ قرآن روزہ رکھنے سے مانع ہے، یہ صرف عذر باطل، کم ہمتی اور العیاذ باللہ اگر بالفرض قرآن پڑھنا اتنا کمزور کردیتا ہے کہ اسے روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رہتی تو اس صورت میں اس کے لیے قرآن پڑھنا نہ سنت ہے نہ باعثِ ثواب، بلکہ حرام اور موجبِ عذاب ہے جس طرح کوئی شخص قرآن کی تلاوت اتنی طویل کرے کہ نماز کا وقت ہی فوت ہوجائے تو وہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کے تحت داخل ہوگا: "بہت سے لوگ قرآن پڑھتے ہیں مگر قرآن ان پر لعنت

---

[1] الجامع الصغیر مع التیسیر تحت حدیث صوموا تصحوا مکتبۃ الامام الشافعی ریاض سعودیہ ۲/ ۹۵

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر " " " ۲/ ۹۵

[3] المدخل لابن الحاج بیان فضل تلاوۃ القرآن الخ دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۸۵

ای لبسا قرآن خواناں کہ قرآن ایشاں را لعنت مے کند، علماء مطلق فرمودہ اند ہر عملے کہ ضعیف و از روزہ باز دارد روا نیست فی الدر المختار لا یجوز ان یعمل عملا یصل بہ الی الضعف[1] واگر مردے را حالتے باشد کہ چوں روزہ دارد قیام در نماز نہ تواند اُورا روا نیست کہ روزۂ رمضان ترک دہد بلکہ روزہ دارد و نماز نشستہ گزارد فی الدر المختار عن

البزازیۃ لو صام عجز عن القیام صام و صلی قاعدا جمعا بین العبادتین[2] سبحان اللہ! نزد علماء قیام نماز کہ خود فرض است بغرض مراعات روزہ ساقط گردد اینجا روزۂ رمضان بہر ادائے سنتے حاشا بلکہ بہر تفاخرے بہ حصول امامتے بلکہ بہر فعلے ناجائزے گناہے حرامے عفو مے شود ان ھذا الاجھل صریح او عناد قبیح ایں عزیز را گویند کہ حق سبحانہٗ و تعالٰی صومِ رمضان بر تو و ہمگناں فرض عین فرمودہ است و قرآن در تراویح ختم کردن نہ فرض ست و نہ سنتِ عین، اگر بسببِ تکثیر تلاوت ہنگام دور کہ اکثر حافظاں را ازاں ناگزیر ست ضعفے بتو راہ می یابد ایں خود بر گردن تو نہادہ اند بحافظے دیگر اقتدا کن و تراویح گزار و روزہ دار ہم فرض بیابے و ہم بہ سنت شتابے و ایں قدر تیز نمے توانی

کرتا ہے۔" علماء نے مطلقاً فرمایا ہے کہ جو بھی عمل روزہ رکھنے سے کمزور کرے یا مانع ہو وہ جائز نہیں، درمختار میں ہے کہ ہر وُہ عمل جو انسان کو کمزور کر دے وُہ جائز نہیں ہوتا۔ اگر روزے کی وجہ سے کوئی شخص اتنا کمزور ہو جاتا ہے کہ نماز میں قیام کی طاقت نہیں رکھتا تو اس کے لیے رمضان کا روزہ چھوڑنا جائز نہیں بلکہ وہ روزہ رکھے اور نماز بیٹھ کر ادا کرے۔ درمختار میں بزازیہ سے ہے اگر کسی نے روزہ رکھا اور وہ نماز میں قیام سے عاجز ہو گیا تو دونوں عبادات کو جمع کرتے ہوئے روزہ رکھے اور نماز بیٹھ کر ادا کرے۔ سبحان اللہ! علماء کے نزدیک روزہ کی خاطر نماز میں قیام ساقط ہو جاتا ہے حالانکہ یہ قیام فرض ہے، صورتِ مذکورہ میں تو سنت کی خاطر نہیں بلکہ حصول امامت پر تفاخر کے لیے روزۂ رمضان ترک کیا جارہا ہے بلکہ ناجائز، حرام اور گناہ فعل کے لیے ترک ہے، اللہ تعالٰی معاف فرمائے۔ یہ تو جہالت صریح اور عناد قبیح ہے، اس عزیز سے کہا جائے کہ اللہ سبحانہٗ و تعالٰی نے تجھ پر روزۂ رمضان فرضِ عین فرمایا ہے اور تراویح میں قرآن ختم کرنا نہ فرض نہ سنّتِ عین۔ اگر بسببِ کثرت تلاوت دور کی وجہ سے جو حفاظ کے لیے ناگزیر ہوتا ہے ایسا ضُعف لاحق ہونے کا خطرہ ہے تو یہ بوجھ اپنے اوپر نہ لے بلکہ کسی دوسرے حافظ کی اقتداء کرے، تراویح ادا کرے اور روزہ رکھے، فرض کو بجالائے، اور سنّت بھی حاصل کرے، اور اگر اس قدر کی بھی طاقت نہیں تو

---

[1] و [2] درمختار باب ما یفسد الصوم و ما لا یفسد مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۵۲

تمام قرآن در تراویح مخواں و مشنو ہمیں بست
رکعت بہ نہجیکہ قادر باشی بجا آور و روزہ از دست
وادہ مستحق نارِ جحیم و عذابِ الیم مباش اے
برادر! روزہ فرضِ عین ست و فرضِ عین بر فرضِ
کفایہ مقدم و ختمِ قرآن در تراویح سنتِ کفایہ
است و سنتِ کفایہ از سنتِ عین مؤخر ایں
چہ ستم بے خردی باشد کہ سنتِ کفایہ بر فرضِ عین
مقدم [illegible] وسع فی
ترک الختم لکسل القوم قال ان من
لم یکن عالما باھل زمانہ فھو جاھل[1]
کما فی الدر المختار عن الزاھدی
عن الوبری والکرمانی وفیہ
عن الاختیار الافضل فی زماننا قدر
ما لا یثقل علیھم قال اقرہ المصنف یعنی
الغزی وغیرہ وعن المجتبیٰ عن الامام
لو قرأ ثلاثا قصارا او اٰیۃ طویلۃ فی الفرض
فقد احسن ولم یسئ
قال الزاھدی فما ظنک
بالتراویح[2] قلت فانظر الی
جھل ھذا الذی یترک صوم
رمضان لشیٔ یرخص فی
ترکہ لمثل ھذا روزے امیر المومنین

تو تمام قرآن تراویح میں نہ پڑھے اور نہ سُنے، جس طریقہ
سے بیس تراویح ادا کرنے پر قادر ہے ادا کرے،
روزہ اگر نہ رکھا تو نارِ جہنم اور عذابِ الیم کا مستحق ٹھہرے گا،
اے میرے بھائی! روزہ فرضِ عین ہے اور فرضِ عین
فرضِ کفایہ پر مقدم ہوتا ہے، اور ختمِ قرآن تراویح میں
سنتِ کفایہ ہے اور سنتِ کفایہ سنتِ عین سے مؤخر
ہوتی ہے، یہ کیا ظلم ہے کہ سنتِ کفایہ کو فرضِ عین پر
مقدم کر دیا گیا ہے، بعض علماء نے قوم میں سستی و
کاہلی پیدا ہو جانے کی وجہ سے ختمِ قرآن کو ترک کر دینے
کی بھی گنجائش یہ کہتے ہوئے روا رکھی ہے کہ جو شخص
اپنے زمانے کے حالات سے آگاہ نہیں وُہ جاہل ہے
جیساکہ درمختار میں زاہدی سے اور وہاں وبری اور کرمانی کے
حوالے سے ہے اور اسی میں الاختیار سے ہے کہ ہمارے
زمانے میں اتنی مقدار افضل ہے جو بوجھ نہ بنے، اور کہا
کہ اسے ہی مصنف الغزی وغیرہ نے ثابت رکھا ہے،
المجتبیٰ میں امام صاحب سے منقول ہے کہ اگر کسی نے
فرائض میں تین آیات چھوٹی یا بڑی پڑھیں تو اس نے
بہت اچھا کیا اور وہ گنہ گار نہیں۔ زاہدی کہتے ہیں
کہ پھر تراویح کے معاملہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟
میں کہتا ہوں اس جاہل کو دیکھو جو رمضان کا روزہ ایسے
عمل کی خاطر ترک کر رہا ہے جس کا ترک روزے کی خاطر
کیا جا سکتا تھا۔ ایک دن امیر المومنین حضرت

---

[1] درمختار باب الوتر والنوافل مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۹
[2] " " " ۱/۹۸

فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سلیمان بن ابی حثمہ را درجماعت صبح نہ دید مادرش را پرسید عرض داد او ہمہ شب نماز گزاردہ است صبح دم خوابش برد وحضور جماعت نتوانست امیر المؤمنین فرمود مرا درجماعت صبح حاضر شدن محبوب تر ست از شب زندہ داشتن

مالك فی الموطا عن شھاب عن ابی بکر بن سلیمان بن ابی حثمۃ عن عمر بن الخطاب فقد سلیمان بن ابی حثمۃ فی صلٰوۃ الصبح وان عمر بن الخطاب غدا الی السوق وسکن سلیمان بین السوق والمسجد فمر علی الشفاء ام سلیمان فقال لھا لم ار سلیمان فی صلٰوۃ الصبح فقالت انہ بات یصلی فغلبتہ عیناہ فقال عمر لان اشھد صلٰوۃ الصبح فی الجماعۃ احب الی ان اقوم لیلۃ[1] اھ ورواہ ابوبکر بن ابی شیبۃ عن عبد الرحمٰن عن عمر ولفظہ لان اصلیھما فی جماعۃ احب الی من احیی ما بینھما[2] یعنی الصبح والعشاء

فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت سلیمان بن ابی حثمہ کو صبح کی جماعت میں نہ دیکھا آپ نے ان کی والدہ سے وجہ پوچھی تو انھوں نے عرض کیا وہ تمام رات نماز پڑھتے رہے صبح کے وقت انھیں نیند آگئی جس کی وجہ سے وُہ جماعت میں شریک نہ ہوسکے، امیر المومنین نے فرمایا: میرے نزدیک صبح کی نماز میں شریک ہونا تمام رات کی عبادت سے کہیں افضل ہے۔

مؤطا میں امام مالک نے شہاب سے انھوں نے ابوبکر بن سلیمان بن ابی حثمہ سے انھوں نے حضرت عمر بن خطاب سے بیان کیا کہ انھوں نے سلیمان بن ابی حثمہ کو نمازِ صبح میں غائب پایا، دوسرے دن حضرت عمر بازار کی طرف تشریف لے گئے سلیمان مسجد اور بازار کی درمیانی جگہ پر رہائش پذیر تھے، آپ سلیمان کی والدہ حضرت شفا کے پاس سے گزرے تو فرمایا: میں نے سلیمان کو نمازِ صبح میں نہیں دیکھا وُہ کہنے لگیں: وہ ساری رات نماز پڑھتا رہا صبح اس پر نیند کا غلبہ ہوگیا۔ آپ نے فرمایا: نمازِ صبح کیلئے حاضر ہونا مجھے تمام رات قیام سے زیادہ محبوب ہے۔

اسے ابوبکر ابن ابی شیبہ نے عبدالرحمٰن سے، انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور اس کے الفاظ یہ ہیں: "مجھے جماعت کے ساتھ دونوں نمازیں ادا کرنا ان دونوں (عشاء اور صبح) کے درمیان

---

[1] موطا امام مالک باب ماجاء فی العتمۃ والصبح میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۱۱۵

[2] مصنف ابن ابی شیبہ فی التخلف فی العشاء والفجر الخ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۳۳۳

22

حضور پُرنور سیدنا غوث الثقلین پیر دستگیر محی الدین
ابو محمد عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالٰے عنہ
در کتاب مستطاب فتوح الغیب شریف
مقالۂ در ترتیب عبادات فرمود آنجا بر بیچو جاہلے
کہ در حفظ سنّت و نفل فرائض را از دست می دہد
اقامت قیامتِ کُبرٰی نمود، فقیر غفر اللہ تعالٰے
برخے ازاں سخن کریم مع ترجمۂ شیخ محقق مولانا
عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالٰے علیہ
نقل کنم باشد کہ جاہلاں را از خوابِ غفلت بیدار
سازد واللہ الہادی مے فرماید رضی اللہ تعالٰی
عنہ ینبغی للمومن ان یشتغل اولا
بالفرائض مے باید و سر زدم مسلمان
را کہ کاربند و نخست بہ چیز ہائے کہ فرض و
واجب گردانیدہ است حق تعالٰے از
عبادت کہ ترک آنہا آثم و معاقب می گردد
فاذا فرغ منہا اشتغل بالسنن
چوں بہ پرداز داز فرائض مشغول گردد بسنتہائے
راتب را کہ معین و مؤکدہ شدہ است
ہمراہ فرائض و ترک آں سبب اساءت
و عتاب ست ثم یشتغل بالنوافل و
الفضائل پس مشغول گردد بعبادت ہائے
نافلہ کہ زیادت ست بر آں و فضیلت دارد
و فعل آنہا ثواب ست و بترک آں اثمی و اساءتے
نے فمالم یفرغ من الفرائض فاشتغال
بالسنن حمق و رعونۃ پس مادام کہ

قیام سے محبوب ہے۔ حضور پُرنور سیدنا غوث الثقلین
پیر دستگیر محی الدین ابو محمد عبد القادر جیلانی رضی اللہ
تعالٰی عنہ اپنی مبارک کتاب فتوح الغیب شریف کے
ترتیب عبادات کے مقالہ میں فرماتے ہیں اور ایسے
جاہل پر جو سنّت و نفل کی وجہ سے فرائض ترک کر دیتا
ہے قیامتِ کبرٰی برپا فرماتے ہیں (فقیر (اللہ تعالٰے
اسے بخش دے) اس مبارک گفتگو سے کچھ حصہ مع
ترجمہ شیخ محقق مولانا عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ
تعالٰے علیہ نقل کرتا ہے تاکہ جاہل لوگ خوابِ غفلت
سے بیدار ہوں، اور اللہ تعالٰی ہی ہدایت عطا فرمانے
والا ہے، حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالٰے عنہ فرماتے
ہیں کہ "مومن کو چاہیئے کہ وُہ پہلے فرائض بجا لائے"
مسلمانوں کو چاہیئے کہ وُہ پہلے ان عبادات کو بجالائے
جو اللہ تعالٰی نے ان پر فرض و واجب کی ہیں جن کے
ترک سے وہ گنہگار اور قابل گرفت بن جاتے ہیں
"جب ان فرائض سے فراغت ہو جائے تو پھر سُنن
میں مشغول ہو" جب مسلمان ان فرائض سے فارغ
ہو جائے تو پھر ان سُنن میں مشغول ہو جو فرائض کے
ہمراہ معین مؤکدہ ہیں جن کا ترک اساءت اور عتاب کا
سبب ہے" پھر نوافل و فضائل میں مشغول ہو"
پھر ان نفلی عبادات میں مشغول ہو جو ان فرائض و
سُنن سے زائد ہیں اور فضیلت رکھتے ہیں، ان کا
بجالانا ثواب لیکن ان کا ترک گناہ نہیں" جب تک
فرائض سے فراغت نہ ہو سُنن میں مشغول ہونا
بیوقوفی اور رعونت ہے) تو جب تک فرائض

نپردازد از فرائض وتمام نکند آنہا را پس مشغول شدن
بسنتہا نشان جہل و بے خردی وسبک عقلی ست چہ
ترک آنچہ لازم وضروری ست واہتمام بہ آنچہ نہ ضروری ست از
قاعدۂ عقل وخرد دور ست چہ دفع ضرر اہم است بر عاقل از جلب نفع
بلکہ بحقیقت نفع دریں صورت منتفی ست و
بایں قیاس کردن نوافل با ترک فرائض نیز نامقبول و
باطل ست چنانچہ مے فرمایند فان اشتغل
بالسنن والنوافل قبل الفرائض
پس اگر مشغول گردد بسنتہا ونفلہا پیش از اتیان
فرائض لم تقبل منہ واہین در پذیرفتہ
نشود از و بلکہ خوار کردہ شود وگفتہ اند کہ اتیان
نوافل با ترک فرائض بداں ماند کہ یکے ہدیہ برد
کسے کہ دام وے دارد و دام ندہد ایں ہرگز قبول
نیفتد ونیز گفتہ اند کہ ہر کہ نوافل نزد وے
اہم از فرائض باشد وے مخدوع و مکور ست
ونیز گفتہ اند ہلاک مردم دو چیز ست اشتغال
نافل با تضییع فرائض وعمل جوارح بے مواطات
قلب فمثلہ کمثل رجل یدعوہ الملک
الی خدمتہ پس حال وقصہ غریب آں
کسے کہ ترک مے کند فرائض را با تیان سنن و
نوافل ہمچو حال مردے ست کہ مے خواند او را
بادشاہ بخدمت خود کنایت ست از اتیان
فرائض کہ پروردگار تعالے کہ حاکم و بادشاہ
علی الاطلاق ست بداں خواندہ و
امر کردہ است فلا یأتی الیہ

مکمل نہ ہو جائیں سنتوں میں مشغول ہونا جہالت اور بے عقلی
ہے کیونکہ ایسی چیز کا ترک کرنا جو لازم وضروری تھی اور ایسی چیز
کا اہتمام جو ضروری نہیں تھی عقل وخرد کے قاعدے سے
دُور ہے کیونکہ عاقل کے لیے منافع کے حصول سے ضرر
کا دُور کرنا اہم وواجب ہوتا ہے بلکہ حقیقۃً اس صورت
میں نفع ہے ہی نہیں۔ اسی پر قیاس نوافل ادا کرنا
اور فرائض ترک کردینا بھی نامقبول و باطل ہے جیسا کہ فرمایا
"پس اگر سنن ونوافل میں فرائض سے پہلے مشغول ہوگیا"
یعنی اگر فرض کی ادائیگی سے پہلے ہی سُنن ونوافل میں
مصروف ہوگیا تو "وہ مقبول نہ ہوں گے بلکہ ذلت ورسوائی
ہوگی"۔ علماء فرماتے ہیں کہ نوافل کا بجالانا اور فرائض
کو ترک کردینا ایسے ہی جیسے کوئی اپنے قرض خواہ کو ہدیہ
دے دے مگر اس کا قرض ادا نہ کرے تو یہ ہدیہ ہرگز
مقبول نہ ہوگا۔ یہ بھی کہا گیا کہ جس کے نزدیک نوافل
فرائض کی نسبت اہم ہوں وہ دھوکا و فریب زدہ ہے۔
یہ بھی کہا گیا ہے کہ دو چیزیں لوگوں کو ہلاک کر دینے والی
ہیں نفلی عبادات میں مشغول ہو کر فرائض کو ضائع کر دینا
اور قلب کی موافقت کے بغیر ظاہری اعضاء کا عمل کرنا
"اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جسے بادشاہ
اپنی خدمت میں بلائے" یعنی اس شخص کا حال جو فرائض
ترک کرکے سُنن ونوافل بجالائے اس کا حال اس شخص
کی طرح ہے جسے بادشاہ اپنی خدمت میں طلب کرے،
اس سے مراد وہ فرائض ہیں جن کا حکم اللہ تعالے نے
دیا ہے جو علی الاطلاق حاکم و بادشاہ ہے اور وہ اس
اعلیٰ طریقے پر بندے کو بلاتا ہے" پس وہ اس کی طرف

پس نمی آید آں مرد بسوئے بادشاہ و یقف
بخدمۃ الامیر الذی ھو غلام
الملک و خادمہ و می ایستد در چاکری یکے از
امرائے بادشاہ کہ غلام بادشاہ و چاکر اوست و
تحت یدہ و ولایتہ و زیر دستِ قدرت
و تصرف اوست ایں مثال اتیان سنن و نوافل
ست کہ بر طریقہ رسولِ خدا صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم
کہ بندہ و امیر و وزیر خاص درگاہِ اوست و باستحسان
و استحباب علماء کہ بندگان و غلامان اویند عمل
کردن ست اگرچہ ہمہ بحکم حضرت پروردگار تعالٰی
و تشریع اوست ، ولیکن فرائض را بہ جہت
الزام و ایجاب نسبت بجناب ایزدی کنند و سُنن
نوافل را کہ نہ دراں مرتبہ اند بخدمتِ رسول و
اصحاب و اتباعِ او صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم
وعلیہم اجمعین عن علی بن ابی طالب روایت ست؛
از امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ قال قال
رسول اللہ گفت پیغمبرِ خدا صلی اللہ تعالٰے
علیہ وسلم ان مثل مصلی النوافل بدرستیکہ
قصہ و حال گزارندۂ نفلہا و علیہ فریضۃ
و حال آنکہ بر ذمۂ او فرضی ست کہ نہ گزاردہ است
آں را کمثل حبلی حملت ہمچو قصہ و حال
زنے باردار ست کہ تمام شدہ است مدتِ حمل او
فلما دنی نفاسھا اسقطت پس ہرگاہ نزدیک شد
وقت زائیدن وے افگند بچہ را ناتمام از شکم و وجہ تشبیہ
رنج دیدن و مشقت کشیدن ست بے فائدہ زیرا کہ چوں

نہیں آتا" یعنی وہ آدمی بادشاہ کی طرف نہیں آتا
"اور وہ بادشاہ کے ایسے امیر کے پاس کھڑا رہے
جیسے اس کا غلام اور خادم ہو) یعنی وہ ایسے چاکر کے
پاس کھڑا رہتا ہے جو بادشاہ کا غلام ہے" اور
اس کے قبضہ و ولایت میں ہے" وہ اس کے تصرف
اور قدرت کے تحت ہے، یہ ان سنن و نوافل کی مثال
ہے جو رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم (جو بارگاہِ
خداوندی میں امیر اور خصوصی وزیر ہیں) کے طریقہ پر
یا علماء کے استحباب پر (جو اللہ تعالٰی کے غلام اور بندے
ہیں) کے طریقہ پر عمل پیرا ہوتا ہے اگرچہ تمام پروردگار کے
حکم سے ہی لیکن فرائض کی نسبت الزام و ایجاب کی
وجہ سے اللہ تعالٰی کی طرف کی جاتی ہے اور وہ سنن و
نوافل جن کا درجہ یہ نہیں ان کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ
تعالٰی علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب و اتباع کی طرف
کر دی جاتی ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب سے مروی ہے،
امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ تعالٰے وجہہ بیان کرتے
ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا،
"نوافل ادا کرنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے
جو نوافل ادا کرتا ہے حالانکہ اس پر فرائض ہیں" حالانکہ
اس کے ذمہ ایسے فرائض ہیں جنہیں اس نے ادا نہیں
کیا" اس حاملہ خاتون کی طرح ہے" جس کی مدت حمل
مکمل ہو گئی" جب ولادت کا وقت آیا تو اس نے
بچے کو گرا دیا) یعنی ناتمام بچے کو اس نے جننے کے وقت
گرا دیا۔ وجہ تشبیہ بے فائدہ تکلیف و مشقت اٹھانا ہے
کیونکہ جب وہ نوافل عدمِ ادائیگیِ فرائض مقبول ہی نہیں

قبول نیفتاد آں نوافل بجہت عدم ادائے فرائض حاصل شد مر آں مصلی را رنج ومشقت بے فائدہ چنانچہ حاصل شد آں زن حاملہ را کہ مدت مدید گزشت ومشقت کشید فائدہ کہ حصول ولدست بر آں مراتب نگشت فلا ھی ذات حمل پس آں زن نہ خداوند حمل ست باعتبار انتفائے مقصود کہ ولدست ولا ھی ذات ولاد نہ خداوند ولادست بجہت اسقاطِ حمل وکذٰلک المصلی لا یقبل اللّٰہ لہ نافلۃ حتی یؤدی الفریضۃ وہمچنیں مصلی مذکور در نمی پذیرد خدائے تعالٰی مر او را نمازِ نفل را تا آنکہ بجا آرد فرض را پس نہ فرض باشد او را ونہ نفل و مثالِ دیگر مصلی نفل را بے ادائے فرائض مثل تاجراست کہ سود می خواہد بے سرمایہ چنانچہ می فرمایند ومثل المصلی کمثل التاجر وحال مصلی مذکور حال سوداگرست کہ لا یحصل لہ ربحہ حاصل نمی شود مر او را سود در سودا حتی یاخذ راس مالہ تا آنکہ بگیرد سرمایہ خود را فکذٰلک المصلی بالنوافل لا یقبل لہ نافلۃ حتی یؤدی الفریضۃ ہمچنیں حال مشغول شوندہ بہ نوافل پذیرفتہ نمی شود مر او را نفل کہ بمنزلہ سود است تا آنکہ ادا کند فرض را کہ بمشابہ سرمایہ است[1] اھ مع اختصار فی کلمات الشرح۔

بالجملہ ایں کسے باجماعِ علماء فاسق و فاجر و مرتکب کبیرہ و مستحق عذاب الیم وخزی عظیم است۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قومے را دید کہ

تو وہ نمازی بے فائدہ مشقت اٹھا رہا ہے جیسے کہ حاملہ خاتون نے کتنی طویل مدت تکلیف اٹھائی مگر اس پر فائدہ بصورتِ اولاد مرتب نہ ہوا" پس اب یہ حاملہ نہیں ہے" کیونکہ مقصود فوت ہوگیا" نہ ہی یہ صاحبِ اولاد ہے" کیونکہ حمل ساقط ہوگیا" اسی طرح وہ نمازی جب تک فرائض ادا نہیں کرے گا اللہ تعالٰی اس کے نوافل قبول نہیں فرمائے گا" تو جب تک نمازی فرائض بجا نہیں لاتا نہ اس کے نوافل ہوں گے نہ فرائض۔ بے ادا فرائض کے نوافل ادا کرنے والے نمازی کی دوسری مثال یوں ہے جیسے کوئی تاجر بغیر سرمایہ کے نفع حاصل کرنا چاہے، لہذا فرمایا "نمازی کی مثال تاجر کی طرح ہے" یعنی مذکور مصلی کا حال سوداگر کی طرح ہے" اسے تجارت میں نفع حاصل نہیں ہوتا" یعنی اسے سوداگری میں اس وقت تک نفع نہیں ہوسکتا" یہاں تک کہ وہ اپنا سرمایہ حاصل کرے" جب تک وہ سرمایہ نہیں لگائے گا اسے نفع کیسے ہوگا" اسی طرح معاملہ ہے نوافل ادا کرنے والے نمازی کا، اس کے نفل ادائیگیِ فرائض کے بغیر مقبول نہیں ہوسکتے" کیونکہ نفل بمنزلہ نفع کے اور فرض بمنزلہ سرمایہ کے ہیں اھ کلماتِ شرح میں کچھ اختصار کیا گیا ہے۔

بالجملہ یہ شخص باجماعِ علماء فاسق، فاجر، مرتکبِ کبیرہ، عذابِ الیم اور ذلتِ عظیم کا مستحق ہے۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ

---

[1] فتوح الغیب مع شرح فارسی مقالہ ۴۸ منشی نولکشور لکھنؤ ص ۲۷۳ تا ۲۷۵

ایشاں را سرنگوں آویختہ اند وکنجہائے دہان ایشاں
دریدہ کہ ازآنہا خون می ریزد فرمود ایناں چہ
باشند، فرشتہ عرضداشت کسانیکہ قبل از وقت
افطار رمضان مے کنند اخرجہ ابن
خزیمۃ وابن حبان فی صحیحہما عن ابی امامۃ
الباھلی رضی اللہ تعالٰی عنہ قال سمعت
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم
یقول بینا انا نائم اذ اتانی رجلان فاخذا
بضبعیّ فاتیا بی جبلا وعرا وساق الحدیث
الی ان قال ثم انطلقا بی فاذا انا بقوم
معلقین بعراقیبھم مشققۃ اشداقھم
دما قال قلت من ھؤلاء، قال
الذین یفطرون رمضان
قبل تحلۃ صومھم[1] چوں پیش
از وقت افطار را ایں عذاب ست اصلاً روزہ
نہ داشتن را خود قیاس کن کہ چنداں باشد والعیاذ باللہ
نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماید رسن ہائے اسلام
وبنیاد ہائے دین سہ چیز ست کہ بر ایشاں بنائے
اسلام نہادہ اند ہر کہ ازآنہا یکے را ترک دہد کافرست
بداں خون او حلال، یکے شہادت کلمہ توحید، دوم
نماز فرض، سوم روزہ رمضان، و در روایتے فرماید
ہر کہ ازانہا یکے بگزارد ویس آں کافرست بخدا و
نہ پذیرند ازو ہیچ فرض و نہ نفل و

اُلٹے لٹکے ہوئے ہیں اور ان کی باچھوں کو چیرا جارہا ہے
اور اُن سے خون بہہ رہا ہے، آپ نے پوچھا یہ کون
لوگ ہیں؟ فرشتے نے عرض کیا، یارسول اللہ! یہ لوگ
رمضان کا روزہ قبل از وقت افطار کرلیتے تھے۔ ابن خزیمہ
اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت ابوامامہ باہلی
رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ
صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے
کہ میں سویا ہُوا تھا میرے پاس دو آدمی آئے وُہ
مجھے اٹھا کر ایک پہاڑ پر لے گئے (تفصیلاً حدیث
بیان کی جس کا ایک حصہ یہ ہے) پھر مجھے آگے لے گئے
تو وہاں ایک قوم اُلٹی لٹکی ہوئی تھی ان کی باچھوں کو چیرا
جارہا تھا جن سے خُون بہہ رہا تھا، فرمایا: میں نے پوچھا
یہ کون لوگ ہیں؟ بتایا گیا: یہ رمضان کا روزہ وقت آنے
سے پہلے ہی افطار کرلیتے تھے۔ جب قبل از وقت روزہ
افطار کرنے پر یہ عذاب ہے تو خود سوچئے بالکل روزہ
نہ رکھنے پر کتنا عذاب ہوگا العیاذ باللہ، نبی صلی اللہ تعالٰی
علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام اور دین کی بنیاد تین چیزیں
ہیں جن پر اسلام کی عمارت کھڑی ہے ان میں سے
اگر کسی نے ایک کو ترک کردیا تو وہ کافر ہوگا اور اس کا
خُون مباح ہوگا، ان میں سے ایک کلمہ توحید کی شہادت،
دوم نماز فرض، سوم روزہ رمضان۔ اور ایک
روایت میں ہے کہ جو ان میں سے کسی کو بجا نہ لایا وُہ
خدا کا منکر ہے، اس کا کوئی نفل وفرض قبول نہیں

---

[1] صحیح ابن خزیمہ باب تعلیق المفطرین قبل وقت الافطار حدیث ۱۹۸۶ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۲۳۷

بدرستی کہ روا باشد خون و مال او ابو یعلی باسناد
حسن وقال المنذری ایضا اسنادہ حسن عن ابن عباس رضی اللہ
تعالٰی عنہما قال حماد بن زید ولا اعلمہ
الا قد رفعہ الی النبی صلی اللہ
تعالٰی علیہ وسلم قال عری
الاسلام وقواعد الدین ثلثۃ
علیہن اسس الاسلام من ترک
منہن واحدۃ فھو بھا کافر
حلال الدم شہادۃ ان لا الہ الا اللہ
والصلوۃ المکتوبۃ وصوم رمضان[1]۔
وفی روایۃ من ترک منہن واحدۃ
فھو باللہ کافر ولا یقبل منہ صرف
ولا عدل وقد حل دمہ ومالہ
وروی ھذہ سعید بن زید بن عمرو
بن مالک النکری عن ابی الجوزاء عن ابن
عباس عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ
وسلم ولم یشک فی رفعہ[2]،
وھم منقول باشد آں حضرت علیہ
علیہ الصلوۃ والتحیۃ کہ فرمود حق تعالٰی در دین
اسلام چہار چیز را فرض کردہ است ہر کہ
از انہا سہ بجا آرد و او را ہیچ بکار نیاید تا ہمہ
ہمہ چہار را ادا سازد، نماز و زکوۃ و

کیا جائے گا اور اس کا خون و مال مباح ہوگا۔ اسے
ابو یعلٰی نے اسنادِ حسن کے ساتھ ذکر کیا، منذری نے بھی اسے
سندِ حسن کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے
روایت کیا ہے، حماد بن زید کہتے ہیں کہ میں لئے نہیں
جانتا مگر یہ کہ اس کی نسبت رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی
علیہ وسلم کی طرف ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اسلام کے
رسے اور دین کے ستون تین ہیں جن پر اسلام کی
بنیاد ہیں جس نے بھی ان میں سے کسی ایک کو ترک
کیا وہ کافر ہے اور اس کا خون مباح ہے۔ پہلی
لا الٰہ الا اللہ کی شہادت، دوسری نماز فرض، تیسری
رمضان کا روزہ۔ دوسری روایت میں ہے کہ جس نے
ان میں سے کسی ایک کو چھوڑا وہ اللہ کا منکر ہے اس
کا کوئی نفل و فرض قبول نہیں، اس کا خون و مال مباح
ہے۔ یہ روایت سعید بن زید نے عمرو بن مالک النکری
سے انھوں نے ابو الجوزا سے انھوں نے حضرت
ابن عباس سے انھوں نے رسولِ خدا صلی اللہ تعالٰی
علیہ وسلم سے روایت کیا ہے اور اس کے مرفوع
ہونے میں شک نہیں کیا۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم
سے یہ بھی منقول ہے کہ حق تعالٰی نے
دین اسلام میں چار چیزوں کو فرض کیا ہے ان میں
سے اگر کوئی تین بجا لاتا ہے تو وہ اس کے کسی کام
نہیں آسکتے یہاں تک کہ وہ چاروں کو بجا لائے (وہ

---

[1] مسند ابو یعلی الموصلی ترجمہ ۲۳۴۵ مؤسسۃ علوم القرآن بیروت ۳/ ۱۳
[2] الترغیب والترہیب من ترک الصلوۃ عمداً الخ مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۸۲ و ۲/ ۱۱۰

روزۂ رمضان وحج کعبہ الامام احمد عن
زیاد بن نعیم الحضرمی مرسلا قال قال
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم
اربع فرضھن اللہ فی الاسلام فمن جاء
بثلاث لم یغنین عنہ شیئا حتی یأتی
بھن جمیعا الصلٰوۃ والزکٰوۃ وصیام
رمضان وحج البیت[1] ونیز مروی شد
ازاں سرور علیہ افضل الصلٰوۃ والسلام کہ فرمود
ہر کہ یک روز از رمضان بے رخصت شرع
وبے مرض روزہ ندارد اگر ہمہ عمر خودش روزہ خواہد
داشت عوض آں یک روزہ نخواہد شد فقد اخرج
الترمذی واللفظ لہ وابوداؤد والنسائی و
ابن ماجۃ والبیہقی وابن خزیمۃ فی صحیحہ
والبخاری تعلیقا عن ابی ھریرۃ رضی اللہ
تعالٰی عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ
تعالٰی علیہ وسلم قال من افطر یوما من
رمضان من غیر رخصۃ ولا مرض
لم یقض عنہ صوم الدھر کلہ وان
صامہ[2] مسلماناں را باید کہ پس ایں کس تراویح نگزارند
بدو وجہ **اولا** او فاسق ست و نماز پس فاسق مکروہ
کما صرحت بہ المتون والشروح والفتاوٰی

چار یہ ہیں) نماز، زکوٰۃ، روزۂ رمضان، حج کعبہ۔
امام احمد نے زیاد بن نعیم الحضرمی سے مرسلاً مروی ہے
کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: چار
چیزوں کو اللہ تعالٰی نے ایمان میں فرض فرمایا ہے
جو ان میں سے تین بجالائے گا وہ اسے کسی شَے کا
فائدہ نہیں دیں گے حتّٰی کہ تمام کو بجالائے، وہ نماز،
زکوٰۃ، روزۂ رمضان اور حج کعبہ ہے نیز حضور سرورِ عالم
صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے یہ مروی ہے کہ اگر کسی
نے شریعت کی اجازت اور مرض کے بغیر روزۂ رمضان
نہ رکھا اگر ساری عمر روزہ رکھے تب بھی اس کا عوض
نہیں ہوسکتا، ترمذی نے روایت کیا یہ الفاظ اسی
کے ہیں، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، بیہقی، ابن خزیمہ
نے صحیح میں اور بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ
تعالٰی عنہ سے تعلیقاً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے بغیر رخصت
اور مرض کے ایک دن رمضان کا روزہ چھوڑ دیا اب
اگر سارا زمانہ روزہ رکھتا رہے تو اس کا ازالہ
نہیں ہوسکتا، مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ دو وجوہ کی
بنا پر ایسے شخص کو تراویح نہ پڑھانے دیں، **اولاً** یہ
فاسق ہے اور فاسق کی اقتداء میں نماز مکروہ ہوتی
ہے جیسا کہ اس پر متون، شروحات اور فتاوٰی کی

---

[1] مسند احمد بن حنبل — حدیث زیاد ابن نعیم الحضرمی — المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۲۰۱
[2] صحیح بخاری — باب اذا جامع فی رمضان — قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۵۹
جامع الترمذی — ابواب الصیام — امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۹۰

قاطبۃً ثانیًا غالب آنست کہ ایں کس بغایت پست ہمت و بد شوق درامورِ دینیہ است و خواندن قرآن در تراویح ہمیں بغرضِ تحصیل امامت و تقدم و تفاخر بروجہ ریاء و سمعہ اختیار کردہ است پس باید کہ غرضش را حاصل شدن نہ دہند وچوں کسے اقتدا نہ کند، لاجرم ایں فعل حرام را گزاردو ان شاء اللہ تعالٰی رجوع بروزہ آرد قال تعالٰی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان[1] ایں قرآن خوانی ازاں کس گناہِ عظیم ست و مقتدیان باقتدائے اعانت بر گناہ می کنند پس خود آثم باشد ہر چند سخن قدرے دراز شد اما بحمد اللہ خالی از نفع نیست یکے از جہت تحقیق مسئلہ دوم از روئے ذکر شریف و نقل کلام لطیف حضور پُر نور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ فان عند ذکر الصالحین تنزل الرحمۃ[2]، لاسیما ھذا السید رأس الاولیاء و تاج الاقطاب و سید الصلحاء رضی اللہ عنہ وعنھم اجمعین، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم۔

قطعی تصریحات ہیں ثانیًا غالب گمان یہ ہے کہ یہ شخص انتہائی درجہ کا کم ہمت اور امورِ دینیہ کے معاملے میں بدذوق ہے اور وہ تراویح میں قرآن محض حصولِ امامت کیلئے سُنا رہا ہے اور ریاکاری کرتے ہوئے تقدم و تفاخر پر عمل پیرا ہے لہذا اسے اس مقصد میں کامیاب نہ ہونے دیں، جب کوئی اس کی اقتداء نہیں کرے گا تو ان شاء اللہ تعالٰی وہ اس فعلِ حرام سے رجوع کرے گا، اللہ تعالٰی کا فرمان ہے، گناہ اور زیادتی پر ہرگز تعاون نہ کرو۔ ایسے شخص سے قرآن پڑھوانا گناہِ عظیم ہے، اور اقتداء کی صورت میں مقتدی گناہ پر اس کی اعانت کرنے والے ہوں گے لہذا یہ بھی گنہگار ہوں گے ہر چند گفتگو قدرے طویل ہوگئی ہے بحمد اللہ نفع سے خالی نہیں، ایک تو تحقیقِ مسئلہ کی وجہ سے اور دوسرا حضور پُر نور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے کلام و ذکر شریف کے نقل کرنے کی وجہ سے، کیونکہ صالحین کے تذکرہ سے خصوصًا اس اولیاء کے سربراہ، اقطاب کے تاج اور سید الصلحاء رضی اللہ تعالٰی عنہ وعنہم اجمعین کے تذکرے پر رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم۔ (ت)

مسئلہ ۱۶۲: از میرٹھ کمبوہ دروازہ مکان داروغہ یاد الٰہی صاحب مرسلہ مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۱۲ رمضان ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نابالغ لڑکا کہ نوافل میں قرآن شریف پڑھتا ہے اگر

---

[1] القرآن ۵/۲

[2] مرقات شرح مشکوٰۃ الفصل الثانی من باب الصلوٰۃ علی الجنازۃ مکتبہ امدادیہ ملتان ۴/۶۱

بوجہ کثرت ضعف و محنت دُور روزہ افطار کرے تو جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب

نابالغ پر تو قلمِ شرع جاری ہی نہیں وُہ اگر بے عذر بھی افطار کرے اُسے گنہگار نہ کہیں گے۔

لقولہ[ع] صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رفع القلم عن ثلثۃ الی قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعن الصبی حتی یحتلم[1]۔

حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: تین افراد سے قلم اٹھالیا گیا ہے۔ ان میں آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس بچّے کا بھی ذکر فرمایا ہے جو ابھی بلوغت کو نہیں پہنچا۔ (ت)

مگر بیان کرنا اس کا ہے کہ بچہ جیسے آٹھویں سال میں قدم رکھے اُس کے ولی پر لازم ہے کہ اسے نماز روزے کا حکم دے، اور جب اُسے گیارھواں سال شروع ہو تو ولی پر واجب ہے کہ صوم وصلوٰۃ پر مارے بشرطیکہ روزے کی طاقت ہو اور روزہ ضرر نہ کرے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مروا اولادکم بالصلوٰۃ وھم ابناء سبع سنین واضربوھم علیھا وھم ابناء عشر[2]۔

جب بچّے سات سال کے ہوجائیں تو انھیں نماز کا کہو اور دس سال کے ہوجائیں تو انھیں ترکِ نماز پر سزا دو۔ (ت)

تنویر الابصار میں ہے:

وجب ضرب ابن عشر علیھا[3]۔

ترکِ نماز پر دس سال کے بچّے کو سزا دینا واجب ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

[ع] رواہ احمد وابوداؤد والحاکم عن امیر المؤمنین عمر وعلی وکالنسائی وابن ماجۃ عن ام المؤمنین عائشۃ الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم ۱۲ منہ غفرلہ (م)

اسے امام احمد، ابوداؤد اور حاکم نے امیر المؤمنین حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا، اور نسائی وابن ماجہ نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[1] المستدرک للحاکم رفع القلم عن الثلاث دارالفکر بیروت ۱/۲۵۸

[2] سنن ابی داؤد باب متی یؤمر الغلام الخ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۷۱

[3] تنویر الابصار مع درمختار کتاب الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۵۸

ظاھر الحدیث ان الامر لابن سبع واجب کالضرب والظاھر ایضا ان الوجوب بالمعنی المصطلح علیہ لابمعنی الافتراض لان الحدیث ظنی فافھم[1]۔

ظاہر حدیث میں ہے کہ سات سال کے بچے کو نماز کا کہنا اسی طرح واجب ہے جیسے دس سال کے بچے کو سزا دینا واجب ہے، اور یہ بھی واضح ہے کہ یہاں وجوب سے اصطلاحی وجوب مراد ہے نہ کہ بمعنی فرض، کیونکہ حدیث ظنی ہے۔ پس غور کیجئے۔ (ت)

درمختار میں ہے: والصوم کالصلٰوۃ علی الصحیح[2] (صحیح قول کے مطابق روزہ کا حکم نماز ہی کی طرح ہے۔ ت) عالمگیری میں ہے: قال الرازی یؤمر الصبی اذا اطاقہ[3] (امام رازی نے فرمایا: جب بچہ توانا ہوجائے تو اسے (نماز روزہ کا) حکم دیا جائے۔ ت) اُسی میں ہے:

ھذا اذا لم یضر الصوم ببدنہ فان اضر لایؤمر بہ[4]

یہ اُس وقت ہے جب روزہ جسمانی تکلیف کا سبب نہ بن رہا ہو، اگر بن رہا ہو تو پھر اسے نہ کہا جائے (ت)

اور پُر ظاہر کہ یہ احکام حدیث وفقہ میں مطلق وعام، تو ولی نابالغ ہفت سالہ یا اس سے بڑے کر اُسی وقت ترکِ صوم کی اجازت دے سکتا ہے جبکہ فی نفسہٖ روزہ اُسے ضرر پہنچائے ورنہ بلاعذر شرعی اگر روزہ چھڑائے گا یا چھوڑنے پر سکوت کرے گا گنہگار ہوگا کہ اس پر امر یا ضرب شرعاً لازم اور تارکِ واجب بزہ کار و آثم، اور دَور کلام اللہ کی محنت عذرِ افطار نہیں۔ اوّلاً اکثر ہوتا ہے کہ بچے بہت جوان قوی تندرست لوگ ایسے امور میں کم ہمتی کو بے قدرتی سمجھ لیتے حالانکہ کمرِ ہمت چست باندھیں تو کھل جائے کہ عجز سمجھنا صرف وسوسہ تھا اور واقع میں عجز ہو بھی یعنی روزہ رکھ کر کلام اللہ شریف پر محنت شاقہ نہیں ہوسکتی تو راہ یہ ہے کہ روزہ رکھوائیں اور قرآن مجید کا جتنا شغل بے کلفت ہوسکے لیں، اور جس قدر کی طاقت نہ دیکھیں بعد رمضان دَورِ آئندہ پر ملتوی رکھیں کہ شرعاً صیام کے لیے ایام معیّن ہیں جن کے فوت سے ادا فوت ہوگی اور دَور کے لیے کوئی دن مقرر نہیں ہمیشہ وہر وقت کرسکتے ہیں فرض کیجئے اگر مرد نوجوان تندرست مقیم کی یہی حالت ہوتی ہے کہ روزے کے ساتھ محنت دَور نہ کرسکتا تو کیا شرع اسے اجازت دیتی کہ دَور کے لیے روزہ ترک کرے، حاشا وکلّا، بلکہ لازم فرماتی کہ روزہ رکھ اور دَور دیگر پر موقوف رکھ، تو معلوم ہوا اسی میں

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۲۳۵
[2] دُرمختار 〃 مطبع مجتبائی دہلی ۱/۵۸
[3] فتاوٰی ہندیۃ المتفرقات من باب الاعتکاف نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۱۴
[4] ایضاً

خیر ہے، اور اس کے عکس میں شر، اور ولی کو چاہئے بچے کو ہر خیر کا حکم دے اور ہر شر سے باز رکھے۔ محشیانِ دُر ساداتنا حلبی و طحطاوی و شامی رحمہم اللہ تعالٰی فرماتے ہیں:

مرادہ من ھذین النقلین بیان ان الصبی ینبغی ان یؤمر لجمیع المأمورات و ینھی عن جمیع المنہیات[1]

ان دونوں تصریحات کا مقصد یہ ہے کہ ولی پر لازم ہے کہ وُہ بچے کو تمام اوامر کو بجالانے اور تمام منہیات سے باز رہنے کا کہے۔ (ت)

علامہ طحطاوی نے فرمایا:

فلا خصوصیۃ للصلٰوۃ والصوم والخمر کما یرشد الیہ التعلیل[2] اھ ھذا ما عندی والعلم بالحق عند ربی سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

اس میں نماز، روزہ اور شراب ہی مخصوص نہیں جیسا کہ علت کا بیان اسے واضح کر رہا ہے اھ۔ یہ مجھ پر واضح ہوا ہے اور علمِ حق میرے رب کے پاس ہے، اللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۶۳ ازکمپ معرفت حکیم سید نور الحسن صاحب دہلوی ۴ شوال ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ بوجہ اختلاف ہونے رؤیت ہلال کے ۳۰ تاریخ رمضان المبارک کو روزہ افطار کیا گیا اور بعد معلوم ہو جانے خبر تکذیب رؤیت کے روزہ قائم نہیں کیا گیا اور اکل و شرب برابر رکھا، اب اس روزے کے واسطے کفارہ لازم ہے یا قضا و نیز جن صاحبوں نے بعد خبر پانے تکذیب رؤیت کے پھر اپنے صوم کو کلی غرارہ سے دہن کو پاک کرکے قائم کر لیا ہے اُن کو کیا امر لازم ہے آیا کفارہ یا قضا؟

الجواب

جنھوں نے اکل و شرب قائم رکھا حالانکہ کذب پر مطلع ہو چکے تھے وُہ گنہ گار ہُوئے لیکن کفارہ ان پر بھی نہیں جنھوں نے فوراً کلی غرارہ کر لیا وُہ ثواب پائیں گے اور ایک روزہ اُس کے عوض کا وُہ بھی رکھیں، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۶۴ ازگلگٹ چھاؤنی جونال مرسلہ سردار امیر خاں ملازم کپتان اسٹوٹ ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سفر میں روزہ رکھنا کیسا ہے؟ خاص کر کے لڑائی کے موقع پر جانا ہے۔ بینوا توجروا

الجواب

جو اپنے گھر سے تین منزل کامل یا زیادہ کی راہ کا ارادہ کرکے چلے خواہ کسی نیت اچھی یا بُری سے جانا ہو، وُہ

---

[1] رد المحتار — کتاب الصلٰوۃ — مصطفی البابی مصر — ۱/۲۵۹

[2] حاشیہ طحطاوی علی الدر المختار — " — دار المعرفت بیروت — ۱/۱۷۰

جب تک مکان کو پلٹ کر نہ آئے یا بیچ میں کہیں ٹھہرنے کی جگہ پندرہ دن قیام کی نیت نہ کرلے مسافر ہے، ایسے شخص کو جس دن کی صبح صادق مسافرت کے حال میں آئے اُس دن کا روزہ ناغہ کرنا اور پھر کبھی اس کی قضا رکھ لینا جائز ہے، پھر اگر روزہ اسے نقصان نہ کرے نہ اُس کے رفیق کو اُس کے روزہ سے ایذا ہو جب تو روزہ رکھنا ہی بہتر ہے ورنہ قضا کرنا بہتر ہے،

فی الدرالمختار المسافر سفرا شرعیا ولو بمعصیۃ الفطر، ویندب الصوم ان لم یضرہ فان شق علیہ او علی رفیقہ فالفطر افضل لموافقۃ الجماعۃ، ویجب علی مقیم اتمام صوم یوم منہ رمضان سافر فی ذٰلک الیوم[1] اھ ملتقطا

درمختار میں ہے وہ مسافر جس کا سفر شرعی (مقدار کے برابر) ہو خواہ گناہ کی خاطر ہو روزہ چھوڑ سکتا ہے اور اگر اسے روزہ تکلیف نہ دے تو روزہ رکھنا مستحب ہے، اور اگر روزہ مشکل ہو یا اس کے ساتھی پر مشکل ہو تو پھر جماعت کی موافقت میں افطار افضل ہے مقیم پر اس روزہ رمضان کا اتمام لازم ہے جس دن اس نے سفر شروع کیا اھ مختصراً (ت)

یونہی غازی اگر یقیناً جانے کہ اب دشمن سے مقابلہ ہونے والا ہے اور روزہ رکھوں گا تو ضعف کا اندیشہ ہے تو وہ بھی ناغہ کرے اگرچہ سفر میں نہ ہو۔

فی ردالمحتار عن النہر عن الخلاصۃ الغازی اذا کان یعلم یقینا انہ یقاتل العدو فی رمضان ویخاف الضعف ان لم یفطر افطر[2]۔

ردالمحتار میں نہر سے خلاصہ سے ہے کہ غازی کو جب یقین ہو کہ رمضان میں دشمن سے مقابلہ ہوگا اور اگر روزہ رکھا تو کمزور ہو جائے گا تو روزہ نہ رکھے (ت)

مگر یہ اجازت بلا سفر صرف اُسی کو مل سکتی ہے جو حمایت یا اعانتِ دینِ اسلام میں لڑتا ہو، باقی ملکی لڑائیاں یا معاذ اللہ کفر کی حمایت یا کافر کی طرف ہو کر اگرچہ دوسرے کافر ہی سے لڑنا، یہ سب گناہ ہیں۔ گناہ پر طاقت کے لیے روزہ قضا کرنے کی اجازت ممکن نہیں۔

فی مستامن فتح القدیر فرع نفیس فی المبسوط لو اغار قوم من اھل الحرب

فتح القدیر کے باب المستامن میں ہے کہ مبسوط میں نہایت نفیس جزئیہ ہے کہ اگر اہلِ حرب میں سے

---

[1] درمختار باب مایفسد الصوم فصل فی العوارض مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۵۲ تا ۱۵۴

[2] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۲/۱۲۶

علی اھل الدار التی فیھم المسلم المستامن لایحل لہ قتال ھٰؤلاء الکفار الا ان خاف علٰی نفسہ لان القتال لماکان تعریضا لنفسہ علی الھلاک لایحل الا لذٰلک اولاعلاء کلمۃ اللہ تعالٰی وھو اذا لم یخف علی نفسہ لیس قتالہ لھٰؤلاء الا اعلاء لکفر[1]

کچھ لوگوں نے کسی ایسے علاقے پر حملہ کردیا جس میں کسی مسلمان نے پناہ لے رکھی تھی تو اس مسلمان کے لیے ان کفار کے ساتھ لڑائی کرنا جائز نہ ہوگا، البتہ اس صورت میں جب اسے اپنی جان کا خوف ہو، کیونکہ قتال میں اپنے آپ کو ہلاکت پر پیش کرنا ہوتا ہے اور یہ جائز نہیں مگر اس صورت میں جب اپنی جان کا خوف ہو یا کلمۃ اللہ تعالٰی کی سربلندی کے لیے ہو، اور جب اسے اپنے نفس کا خوف نہیں تو اب اس کا قتال سوائے کفر کی بلندی کے کچھ نہ ہوگا۔(ت)

ہاں جب یہ لوگ سفر میں ہوں تو بوجہ سفر اجازت ہوگی اگرچہ وُہ سفر جانبِ سقر ہو۔

کماقدمنا عن الدرالمختار و الخلاف فیہ معروف بیننا وبین الشافعی رضی اللہ تعالٰی عن الجمیع۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

جیسا کہ ہم نے دُرمختار کے حوالے سے پیچھے بیان کیا ہے اور اس میں ہمارے اور امام شافعی (اللہ تعالٰی ان تمام سے راضی ہو) کے درمیان مشہور اختلاف ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۶۵ عرفان علی صاحب رضوی بیسلپوری ملازم کچہری کلکٹر پیلی بھیت ۱۶ شعبان ۱۳۳۲ھ

ماہ رمضان شریف کبھی موسم گرما میں ہوتا ہے کبھی موسم سرما میں، کبھی موسم بہار میں کبھی برسات میں۔ فرض کیجئے کہ ایک مرتبہ ماہِ رمضان گرمیوں میں ہو تو دوسرے سال بھی گرمیوں میں ہونا چاہئے کیونکہ وہی موسم دوبارہ سال بھر بعد آتا ہے، شمسی مہینے کے حساب سے کبھی رمضان موسمِ گرما میں ہوتا ہے اور کبھی موسمِ سرما میں، اس کی وجہ کیا ہے؟ چونکہ حضور علمِ ہیأت میں یدطولٰی رکھتے ہیں پس سوائے حضور کے کسی اور سے اس کا حل ہونا غیر ممکن۔ بینوا توجروا

الجواب

موسموں کی تبدیلی خالق عزوجل نے گردشِ آفتاب پر رکھی ہے مثلاً تحویل برج حمل سے ختم جوزا تک فصل ربیع ہے، پھر تحویلِ سرطان سے ختم سنبلہ تک گرمی، پھر تحویلِ میزان سے ختم قوس تک خریف، پھر تحویل جدی سے ختمِ حوت تک جاڑا، یہ آفتاب کا ایک دَور ہے کہ تقریباً ۳۶۵ دن اور پونے چھ گھنٹے ہیں کہ پاؤ دن کے قریب ہُوا پُورا ہوتا ہے۔ اور عربی شرعی مہینے قمری ہیں کہ ہلال سے شروع اور ۳۰ یا ۲۹ دن میں ختم ہوتے ہیں۔ یہ بارہ[12] مہینے

---

[1] فتح القدیر باب المستامن مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/۲۶۷

یعنی قمری سال ۳۵۴ یا ۳۵۵ دن کا ہوتا ہے تو شمسی سال سے دس گیارہ دن چھوٹا ہے، سمجھنے کے لیے کسرات چھوڑ کر شمسی سال ۳۶۵ قمری ۳۵۵ میں رکھیے کہ دس دن کا فرق ہوا، اب فرض کیجئے کہ کسی سال یکم رمضان شریف یکم جنوری کو ہوئی تو آئندہ سال ۲۲ دسمبر کو یکم رمضان ہوگی کہ قمری ۱۲ مہینے ۳۵۵ دن میں ختم ہوجائیں گے اور شمسی سال پورا ہونے کو ابھی دس دن اور درکار ہیں، پھر تیسرے سال یکم رمضان ۱۲ دسمبر کو ہوگی، چوتھے سال یکم دسمبر کو ہوگی، تین برس میں ایک مہینہ بدل گیا، پہلے یکم جنوری کو تھی اب یکم دسمبر کو ہوئی، یونہی ہر تین برس میں ایک مہینہ بدلے گا، اور رمضان المبارک ہر شمسی مہینہ میں دورہ فرمائے گا، بعینہٖ یہی حالت ہندی مہینوں کی ہوگی، اگر وہ لوند نہ لیتے، انھوں نے سال رکھا شمسی اور مہینے لیے قمری، تو ہر برس دس دن گھٹ گھٹ کر تین سال بعد ایک مہینہ گھٹ گیا، لہٰذا ہر تین سال پر دو ایک مہینہ بڑھا کر لیتے ہیں تاکہ شمسی سال سے مطابقت رہے، ورنہ کبھی جیٹھ جاڑوں میں آتا اور پوس گرمیوں میں، بلکہ نصارٰی جنھوں نے سال و ماہ سب شمسی لیے اگر یہ چوتھے سال ایک دن بڑھا کر فروری ۲۹ کا نہ کرتے تو ان کو بھی یہی صورت پیش آتی کہ کبھی جون کا مہینہ جاڑوں میں ہوتا اور دسمبر گرمیوں میں، یوں کہ سال ۳۶۵ دن کا لیا اور آفتاب کا دورہ ابھی چند گھنٹے بعد پورا ہوگا کہ جس کی مقدار تقریباً چھ گھنٹے، تو پہلے سال شمسی سال دورہ یافتہ سے ۶ گھنٹے پہلے ختم ہوا، دوسرے سال ۱۲ گھنٹے پہلے، تیسرے سال ۱۸ گھنٹے پہلے، چوتھے سال تقریباً ۲۴ گھنٹے، اور ۲۴ گھنٹے کا ایک دن رات ہوتا ہے، لہٰذا ہر چوتھے سال ایک دن بڑھا دیا کہ دورۂ آفتاب سے مطابقت رہے، لیکن دورۂ آفتاب پورے چھ گھنٹے زائد نہ تھا بلکہ تقریباً پونے چھ گھنٹے، تو چوتھے سال پورے ۲۴ گھنٹے کا فرق نہ پڑا تھا بلکہ تقریباً ۲۳ گھنٹے کا اور بڑھالیا ایک ایک کر ۲۴ گھنٹے ہے، تو یوں ہر سال میں شمسی سال دورۂ آفتاب سے کچھ کم ایک گھنٹہ بڑھے گا، سو برس بعد تقریباً ایک دن، لہٰذا صدی بعد ایک دن گھٹا کر پھر فروری ۲۸ دن کا کرلیا، اسی طرح اور دقیق کسرات کا حساب ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۶۶ از رائے پور سی پی محلہ بیجناتھ پارہ مرسلہ بہادر علی خاں سپرنٹنڈنٹ پنشنر محکمہ بندوبست

۲۴ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

شعبان کی ۲۹ کو اگر چاند نظر نہ آئے تو ۳۰ کو علاوہ قاضی و مفتی کے عوام کو روزہ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جائز ہے تو کس نیت سے؟

الجواب

اگر ۲۹ کی شام کو مطلع صاف ہو اور چاند نظر نہ آئے تو ۳۰ کو قاضی مفتی کوئی بھی روزہ نہ رکھے اور اگر مطلع پر ابر و غبار ہو تو مفتی کو چاہیے کہ عوام کو ضحوۂ کبرٰی یعنی نصف النہار شرعی تک انتظار کا حکم دے کہ جب تک کچھ نہ کھائیں پئیں، نہ روزے کی نیت کریں، بلا نیت روزہ مثل روزہ رہیں، اس بیچ میں اگر ثبوت شرعی سے

رویت ثابت ہوجائے تو سب روزے کی نیت کرلیں روزۂ رمضان ہوجائے گا، اور اگر یہ وقت گزر جائے کہیں سے ثبوت نہ آئے تو مفتی عوام کو حکم دے کہ کھائیں پئیں، ہاں جو شخص جو کسی خاص دن کے روزے کا عادی ہو، اور اگر اس تاریخ وُہ دن آکر پڑے مثلاً ایک شخص ہر پیر کو روزہ رکھتا ہے اور یہ دن پیر کا ہو تو وُہ اپنے اسی نفلی روزے کی نیت کرسکتا ہے شک کی وجہ سے رمضان کے روزے کی نیت کرے گا یا یہ کہ چاند ہوگیا تو آج رمضان کا روزہ رکھتا ہوں ورنہ نفل، تو گنہگار ہوگا۔ حدیث میں ہے:

من صام یوم الشك فقد عصی ابا القاسم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ واللہ تعالٰی اعلم

جس نے یوم شک کا روزہ رکھا اس نے حضرت ابوالقاسم محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۶۷:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ سائل دریافت کرتا ہے کہ بروز پیر روزہ رکھنا چاہئے یا نہیں کیونکہ اگر ابر رہا تو چاند کا ثبوت ہونا غیر ممکن ہے اور اگر مطلع صاف ہوا تو دیکھ کر چاند روزہ ہوگا' اس غرض سے دریافت کیا گیا ہے بغیر چاند دیکھنے کے روزہ ناجائز ہوگا، حضور تحریر فرمادیجئے تاکہ دیہات میں خبر کردی جائے، جیسا بھی تحریر ہوگا ویسا کیا جائے گا۔

الجواب

اگر چاند ہوجائے یا شرعی شہادت گزر جائے تو کل کا روزہ ہے ورنہ دوپہر تک کچھ کھائیں پئیں نہیں اس خیال سے کہ شاید چاند ثابت ہوجائے، پھر اگر ثابت ہوجائے تو روزہ کی نیت کرلیں ورنہ کھانا کھالیں اور جب تک رویت یا ثبوتِ رویت نہ ہوجائے رمضان کی نیت سے کل کا روزہ رکھنا حرام ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۶۸: مرسلہ احمد شاہ خاں از موضع نگریا سادات

ان پانچ روزوں میں جو روزہ رکھنا منع ہے یعنی ایک خاص عید الفطر اور عید الاضحٰی کے، تو اس کی کیا وجہ ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

یہ دن اللہ عزوجل کی طرف سے بندوں کی دعوت کے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۶۹:

ماہ رمضان المبارک اور غیر رمضان المبارک میں قرآن خوانی یا اور کوئی ختم مثلاً تسبیح وتہلیل کے کوئی شخص پڑھے یا پڑھائے تو دونوں میں ثواب برابر ہے یا کم وبیش ہے، تو کیا وجہ ہے؟ بینوا توجروا

---

[1] صحیح بخاری باب اذا رأیتم الہلال فصوموا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۶

الجواب

رمضان المبارک میں ہر عمل نیک کا ثواب باقی مہینوں کے عمل سے اکثر و اوفر ہے، رمضان کا نفل اور مہینوں کے فرض اور اس کا فرض اور مہینوں کے ستر فرض کے برابر ہے۔ اور اللہ عزوجل کا فضل اوسع و اکبر ہے۔ سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے شہر مبارک کی نسبت فرمایا:

من تقرب فیہ بخصلۃ من الخیر کان کمن ادی فریضۃ فیما سواہ، ومن ادی فیہ فریضۃ کان کمن ادی سبعین فریضۃ فیما سواہ[1]۔ الحدیث رواہ ابن خزیمۃ والبیھقی، واللہ تعالٰی اعلم

جس نے رمضان میں کوئی نفل نیکی کا کام کیا اسے اس شخص جیسا ثواب ملے گا جس نے رمضان کے علاوہ میں فرض ادا کیا، اور جس نے اس میں فرض ادا کیا وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے رمضان کے علاوہ میں ستر فرض ادا کیے، الحدیث، اسے ابن خزیمہ اور بیہقی نے روایت کیا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۷۱: از مونگیر ملک بہار مرسلہ مولوی محمد عمر صاحب ولایتی مقیم مونگیر مسجد ٹوٹی ۵ شوال ۱۳۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مونگیر میں ۲۹ رمضان روز یکشنبہ کو باوجود صفائے مطلع چاند نظر نہ آیا مگر کلکتہ سے بذریعہ تار برقی خبر آئی کہ یہاں ۲۹ رمضان روز یکشنبہ چاند دیکھا گیا بعد اس کے یہاں کے ایک رئیس نے کلکتہ کے امام جامع مسجد سے بذریعہ تار برقی دریافت کیا امام صاحب نے بھی یہی جواب دیا کہ کلکتہ میں بتاریخ ۲۹ رمضان چاند دیکھا گیا اس پر اُس رئیس نے مع اور چند آدمیوں کے روزے توڑ ڈالے مگر کسی ذی علم نے ان کی موافقت نہ کی ان اشخاص مفطرین کی نسبت درصورتِ صحت خبر مذکور کیا حکم ہے اور درصورت عدمِ صحت صرف اس روزے کی قضا اُن اشخاص پر لازم ہوگی یا کفارہ اور تعزیر بھی کسی قسم کی؟ بیّنوا توجروا

الجواب

تار کی خبر شرعاً محض نامعتبر کما حققناہ فی فتوٰی مفصلۃ بما لا مزید علیہ (جیسا کہ ہم نے اپنے فتوٰی میں اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے جس پر اضافہ نہیں ہوسکتا۔ ت) اس کی بنا پر افطار محض ناجائز واقع ہوئی اور اشخاص مذکورین بیشک مرتکب گناہ ہوئے اگرچہ بعد کو تحقیق ہوجائے کہ اس دن واقعی عید ہی تھی کہ جب تک انھوں نے روزے توڑے اصلاً ثبوتِ شرعی نہ تھا اور انھوں نے بے اذنِ شرع افطار پر اقدام کیا اور یہ قطعاً گناہ ہے۔ شرع مطہر نے صوم و افطار کو رؤیت پر معلق فرمایا۔

---

[1] صحیح ابن خزیمہ باب فضائل شہر رمضان حدیث ۱۸۸۷ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۱۹۱-۹۲

2: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ[1]۔ اخرجہ الشیخان عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ والحدیث مشہور۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا چاند دیکھنے پر روزہ رکھو اور چاند دیکھنے پر عید کرو۔ اسے بخاری ومسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے اور یہ حدیث مشہور ہے۔ (ت)

انھوں نے بے ثبوتِ رؤیت عید کرلی اور حکم احکم حاکم اعظم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مخالفت کی ہم نے فتوٰی مفصلہ میں ثابت کیا کہ تار کی خبر مجہولین وفساق بلکہ بعض کفار کی وساطت سے آتی ہے اور ایسی خبر میں شرع نے فرض کیا تھا کہ زنہار بے تحقیق عمل نہ کریں۔

قال اللہ تعالٰی یایھا الذین اٰمنوا ان جاءکم فاسق بنباءٍ فتبینوا ان تصیبوا قوما بجہالۃ فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین[2] o

اللہ تعالٰی نے فرمایا اے اہل ایمان! اگر تمھارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو اس کی تحقیق کرلو کہ کہیں تم کسی قوم کو بے جانے ایذا نہ دے بیٹھو، پھر اپنے کئے پر پچھتاتے رہو۔ (ت)

انھوں نے صرف اُسی کے اعتماد پر کاربندی کرلی شرع مطہر نے حکم دیا تھا تمھیں علم نہ ہو تو علم والوں سے پوچھو۔

قال اللہ تعالٰی فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون[3]۔

اللہ تعالٰی کا مبارک فرمان ہے: اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمھیں علم نہیں۔ (ت)

انھوں نے اہلِ علم سے بے پُوچھے کارروائی کی، قرآن عظیم نے ارشاد کیا تھا جو بات پیش آئے علماء سے عرض کرو وہ حقیقتِ کار تک پہنچ جائیں گے۔

قال اللہ تعالٰی واذا جاءھم امر من الامن اوالخوف اذاعوا بہ ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم[4]۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جب ان کے پاس کوئی بات اطمینان یا ڈر کی آتی ہے اس کا چرچا کر بیٹھتے ہیں اور اگر اس میں رسول اور اپنے ذی اختیار لوگوں کی طرف رجوع لاتے تو ضرور اس کی حقیقت جان لیتے ان لوگوں سے جو ان میں سے اجتہاد کرتے ہیں (ت)

---

[1] صحیح بخاری باب اذا رأیتم الھلال فصوموا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۶
[2] القرآن ۴۹/ ۶
[3] القرآن ۲۱/ ۷
[4] القرآن ۴/ ۸۳

انھوں نے اپنی رائے مستقل سمجھی فرقانِ حکیم نے حکم فرمایا تھا جب تک شرع اجازت نہ دے آپ کچھ نہ کر بیٹھو

قال اللہ تعالٰی یٰایھا الذین اٰمنوا لاتقدموا بین یدی اللہ ورسولہ واتقوا اللہ ان اللہ سمیع علیم[1]۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا، اے اہلِ ایمان! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ تعالٰی سے ڈرو یقیناً اللہ سُننے جاننے والا ہے (ت)

انھوں نے بے ثبوت شرعی جسارت کی، رمضان شریف بالیقین ثابت تھا اور مسلمانوں کو شرع مطہر نے بحکم فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ[2] (جو ماہِ رمضان کو پائے وہ ضرور اس کے روزے رکھے۔ ت) روزے پر جمع فرمایا تھا واجب تھا کہ جب شرع اِذن دیتی کہ اب وُہ کام ختم ہوا اُس وقت روزہ چھوڑتے،

قال اللہ تعالٰی انما المؤمنون الذین اٰمنوا باللہ ورسولہ واذا کانوا معہ علی امر جامع لم یذھبوا حتی یستاذنوہ[3]۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا: بلاشبہ ایمان والے تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر یقین لائے اور وہ جب حضور کے پاس کسی معاملہ میں حاضر ہوتے ہوں جس کیلئے جمع کیے گئے ہوں تو آپ کی اجازت کے بغیر وہاں سے نہیں جاتے۔ (ت)

انھوں نے بے اذن شرع کہ ہنوز اس تاریخ رمضان کا ختم ہوجانا دلیل شرعی سے ثابت نہ ہوا تھا اُس امر جامع سے جدائی کی، مانا کہ بعد کو عید ہی ظاہر ہو مگر اُس وقت تک اُن کے شہر میں تو رمضان ہی معلوم تھا، انھوں نے قطعاً امرِ دین میں ناواقفانہ جسارت اور احکام شرع سے جاہلانہ مخالفت کی، تو یہ اگرچہ نفس الامر میں مصیب ہوں عند الشرع خطاوار ہوئے،

کما قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من قال فی القراٰن برأیہ فاصاب فقد اخطأ[4]۔ اخرجہ ابوداؤد والترمذی والنسائی عن جندب رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

جیسا کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے قرآن پاک کی تفسیر اپنی رائے سے کی وہ درست بھی ہو تو پھر بھی اس نے خطا کی۔ اسے ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے حضرت جندب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بیان کیا۔ (ت)

اور یہیں سے ثابت کہ وہ بہر تقدیر اپنی بے باکی وجرأت واستقلال بالرائے ومخالفتِ اہلِ علم واختراعِ حکم

---

[1] القرآن ۴۹/۱ [2] القرآن ۲/۱۸۵

[3] القرآن ۲۴/۶۲

[4] سنن ابی داؤد باب الکلام فی کتاب اللہ بلاعلم آفتاب عالم پریس، لاہور ۲/۱۵۸

کے باعث مستحقِ تعزیر ہوئے کہ یہ سب گناہ ہیں اور ہر گناہ جس میں حد نہیں اس میں تعزیر ہے،

فی الاشباہ کل معصیۃ لیس فیہا حد مقدر ففیہ التعزیر[1]

اشباہ میں ہے جس معصیت پر کوئی حد متعین نہ ہو اس میں تعزیر ہوگی (ت)

اور اس کی تعیینِ قسم حاکمِ شرع ایدہ اللہ تعالٰی کی رائے پر ہے، ضرب، حبس، گوشمال، سخت کلام، تیز نگاہ وغیرہا جس طریقہ سے مصلحت جانے زجر فرمائے اور ضرب اختیار کرے تو انتالیس کوڑے سے زیادہ نہ ہو۔

فی شرح التنویر التعزیر لیس فیہ تقدیر بل ہو مفوض الٰی رأی القاضی وعلیہ مشائخنا زیلعی لان المقصود منہ الزجر واحوال الناس فیہ مختلفۃ، بحر[2]۔

شرح تنویر میں ہے کہ تعزیر مقدر نہیں بلکہ قاضی کی رائے کے مطابق ہوگی، اور ہمارے مشائخ اسی پر ہیں، زیلعی، کیونکہ اس سے مقصود زجر ہے اور اس بارے میں لوگوں کے طبائع مختلف ہوتے ہیں، بحر۔ (ت)

اسی میں ہے:

اکثرہ تسعۃ وثلثون سوطا لو بالضرب[3]۔

تعزیر زیادہ سے زیادہ انتالیس کوڑے ہے اگر ضرب کرنی ہو (ت)

اور جہاں والیِ شرع نہ ہو جیسے ہمارے بلاد، وہاں یہ لوگ تعزیر سے محفوظی پر خوش نہ ہوں کہ یہ خوشی اُن کے گناہ کو ہزار چند کردے گی، بلکہ اس سے ڈریں جس کی حکومت ہر جگہ ہے اور ہر وقت ہر بات پر قادر ہے اور اسی کی طرف پھر کر جانا ہے۔ فوراً صدقِ دل سے تائب ہوں، اور جیسے یہ معصیت اعلانیہ کی توبہ بھی بالاعلان کریں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا عملت سیئۃ فاحدث عندہا توبۃ السر بالسر والعلانیۃ بالعلانیۃ[4] اخرجہ الامام احمد فی الزھد والطبرانی فی المعجم الکبیر عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ باسناد حسن۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم کوئی بُرائی کرو تو اس پر توبہ کرو، اگر گناہ خفیہ ہے تو توبہ بھی خفیہ طور پر کی جائے اور اگر گناہ اعلانیہ ہے تو توبہ بھی اعلانیہ کی جائے۔ اسے امام احمد نے زہد میں اور طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (ت)

---

[1] الاشباہ والنظائر کتاب الحدود والتعزیر ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۲۸۵

[2] و [3] درمختار باب التعزیر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۲۶

[4] کنز العمال حدیث ۱۰۱۸۰ بحوالہ احمد فی الزہد عن عطا بن یسار، باب التعزیر موسسۃ الرسالۃ بیروت ۴/۲۰۹
المعجم الکبیر حدیث ۳۳۱ مروی از معاذ بن جبل المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۲۰/۱۵۹

آئندہ کے لیے عہد واثق ہو کر کبھی امورِ دین میں بیبا کی وجرأت نہ کرینگے اور بے ارشادِ علماء اپنی رائے سے قدم نہ رکھیں گے،

ویتوب اللّٰہ علی من یشاء[1]، ویھدی الیہ من اناب[2]۔ اللہ تعالٰی جس کی چاہے توبہ قبول فرمائے۔ اور اپنی طرف اسی کو ہدایت دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع لائے (ت)

پھر اگر طرق مقبولہ شرع سے ثابت ہو جائے کہ وہ خبر سچی اور عید واقعی تھی تو ان پر اس روزے کی قضا نہیں کہ تحقیق ہوا وہ دن روزے کا نہ تھا،

ولا قضاء الا عن وجوب وافساد النفل بعد الشروع وان اوجب القضاء لکن ھذا فی غیر صوم الایام الخمسۃ کما فی التنویر وشرحہ للعلائی علی ان محلہ فی الشروع قصدا الا تری ان من شرع فی صلوۃ ظانا انہ لم یصلہا ثم تذکر فقطع لا قضاء علیہ۔ وجوب کے سوا کسی کی قضا نہیں، نفلی روزہ شروع کرکے توڑ دینے سے روزہ واجب تو ہو جاتا ہے لیکن حکم ان پانچ دنوں کے علاوہ میں ہے جیسا کہ تنویر اور اس کی شرح للعلائی میں ہے، علاوہ ازیں اس کا محل قصداً شروع کرنا ہے کیا آپ نہیں جانتے کہ جو شخص کسی نماز میں یہ گمان کرتے ہوئے شروع ہوا کہ اس نے ادا نہیں کی تھی، پھر اسے یاد آگیا کہ اس نے ادا کرلی ہے تو اس نے نماز توڑ دی تو اب اس پر قضا نہیں۔ (ت)

نظیر اس کی یہ ہے کہ ابھی غروبِ شمس متحقق نہ ہوا اور کسی شخص نے جزافاً روزہ کھول لیا یہ امر اسے روا نہ تھا کما فی السراج الوھاج والبحر الرائق ووجیز الکردری (جیسا کہ سراج الوہاج، بحر الرائق اور وجیز کردری میں ہے۔ ت) لیکن اگر بعد کو ثابت ہو کہ فی الواقع اُس وقت آفتاب ڈوب ہو چکا تھا تو روزے کی قضا نہیں، کما نص علیہ الامام الزیلعی ثم الطحطاوی ثم الشامی (جیسا کہ اس پر امام زیلعی نے پھر طحطاوی اور پھر شامی نے تصریح کی ہے۔ ت) کہ ظاہر ہُوا کہ وقوعِ افطار اپنے محل میں تھا اور اگر منکشف ہو کہ خبر غلط تھی اور وہ دن رمضان کا تھا یا کچھ تحقیق نہ ہو تو بے شک اُس روزے کی قضا لازم ہے، تقدیرِ اول پر تو وجہ واضح اور برتقدیرِ ثانی رمضان کا آنا یقینی تھا اور اُس کا جانا شرعاً ثابت نہ ہوا والیقین لا یزول بالشک (یقین شک سے زائل نہیں ہُوا کرتا۔ ت) تو وہ دن عند الشرع رمضان ہی کا تھا کہ شرع نے عدمِ رؤیت میں تیس دن پُورے کا مہینہ رکھا ہے،

---

[1] القرآن ۹/ ۱۵

[2] القرآن ۱۳/ ۲۷

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فان غم علیکم فاکملوا العدۃ ثلثین[1] اخرجہ البخاری ونحوہ مسلم عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما۔

رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم پر چاند (بادل کی وجہ سے) مخفی رہے تو تم تیس دن مکمل کرو۔ اسے امام بخاری نے اور اس کی مثل امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما سے روایت کیا ہے(ت)

نظیر اس کی یہ ہے کہ بے تحقیقِ غروب افطار کرلیا پھر ثابت ہُوا کہ آفتاب باقی تھا یا کچھ نہ کُھلا، دونوں حالت میں قضا ہے کما صرح بہ الزیلعی ومن بعدہ (جیسا کہ اس پر زیلعی اور ان کے بعد آنے والوں نے تصریح کی ہے۔ت) بایں ہمہ مانحن فیہ میں کفارہ کسی تقدیر پر نہیں کہ آخر انھوں نے اپنے نزدیک عید ہی جان کر روزے توڑے اور وُہ خبریں اگرچہ شرعاً نامقبول ہیں۔ مگر ان عامیوں کے لیے مورثِ ظن بلکہ اُن کے گمان میں موجب یقین ہوچکی تھیں تو اُن کی طرف سے جنایت کاملہ نہ پائی گئی وانما تجتنی الکفارۃ علیھا (اور کفارہ جنایت کاملہ پر ہوتا ہے۔ت) نظیر اس کی وہ شخص ہے جس کے ایک دوست نے اُس سے بیان کیا میں نے عید کا چاند دیکھا اس نے اُسے معتمد سمجھ کر روزہ توڑ ڈالا اگرچہ گنہ گار ہُوا کہ ایک کی خبر ہلالِ عید میں محض نامعتبر، اور اسی وجہ سے قضا بھی آئی مگر کفارہ نہیں، علامہ حسن شرنبلالی نورالایضاح اور اس کی شرح مراقی الفلاح میں فرماتے ہیں:

ان افطر من رأی الھلال وحدہ فی شوال قضی ولاکفارۃ علیہ ولاعلی صدیق للرائی ان شھد عندہ بھلال الفطر وصدقہ فافطر لانہ یوم عید عندہ فیکون شبھۃ[2]

جس نے شوال کا چاند تنہا دیکھا اور روزہ نہ رکھا تو وُہ قضا کرے اس پر کفارہ نہیں اسی طرح جس نے اس کی گواہی کی تصدیق کی عید الفطر کے چاند میں اور روزہ نہ رکھا کیونکہ اس کے نزدیک یہ عید کا دن ہے لہذا یہاں شبہہ کا وقوع ہوگیا ہے (لہذا قضا ہوگی کفارہ نہیں۔(ت)

اسی طرح فتح القدیر وہندیہ وغیرہا میں ہے، بلکہ علماء تصریح فرماتے ہیں اگر گاؤں والوں نے تیسویں رمضان کو شہر سے نقارے کی آواز سُنی اور وُہ سمجھے کہ نقارہ عید کا ہے روزے توڑ دئے، حالانکہ وہ نقارہ کسی اور بات کا تھا کفارہ لازم نہیں، فتاوی منہیہ پھر شرح نقایہ پھر مجمع الانہر پھر ردالمحتار میں ہے:

---

[1] صحیح بخاری باب اذا رأیتم الھلال فصوموا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۵۶

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی فصل فیما ثبت بہ الھلال نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۵۰

کوئی صاحب صحابہ میں یاد نہیں۔[1] اثرہ فی المیزان (اسے ذہبی نے میزان میں نقل کیا۔ ت)

ثانیاً فرض کیجئے کہ یہ حدیث اپنے طُرق سے ضعیف نہ رہے کما اختارہ الحافظ فی الفتح (جیسا کہ حافظ ابن حجر نے اسے فتح الباری میں اختیار کیا ہے۔ ت) یا بفرض غلط لذاتہٖ صحیح سہی پھر اس میں کیا ہے خود اسی میں تصریح ہے کہ جنازہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پیش نظر انور کردیا گیا تھا تو نمازِ جنازہ حاضر پر ہوئی نہ کہ غائب پر۔ حدیث ابی امامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لفظ طبرانی کے یہاں یہ ہیں۔ جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حاضر ہوکر عرض کی: یارسول اللہ! معاویہ بن معاویہ مزنی نے مدینہ میں انتقال کیا۔

اتحب ان اطوی لك الارض، فتصلی علیہ قال نعم، فضرب بجناحہ علی الارض فرفع لہ سریرہ فصلی علیہ، و خلفہ صفان من الملائکۃ کل صف سبعون

کیا حضور چاہتے ہیں کہ حضور کے لیے زمین لپیٹ دوں تاکہ حضور ان پر نماز پڑھیں۔ فرمایا: ہاں۔ جبریل نے اپنا پَر زمین پر مارا جنازہ حضور کے سامنے ہوگیا اس وقت حضور نے ان پر نماز پڑھی، اور فرشتوں کی دو صفیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

استیعاب میں اس قصہ کا مثل معاویہ بن مقرن کے حق میں ابوامامہ سے روایت کیا۔ پھر کہا نیز اس کا مثل انس سے ترجمہ معاویہ بھی معاویہ مزنی میں روایت کیا[2]۔ اس میں یہ وہم لاتا ہے کہ گویا تین صحابی جدا جدا ہیں جن پر نماز غائب مروی ہے، حالانکہ یہ محض جہل یا تجاہل ہے وہ ایک ہی صحابی ہیں معاویہ نام جن کے نسب و نسبت میں راویوں سے اضطراب واقع ہوا، کسی نے مزنی کہا، کسی نے لیثی، کسی نے معاویہ بن معاویہ کسی نے معاویہ بن مقرن، ابوعمر نے معاویہ بن مقرن مزنی کو ترجیح دی کہ صحابہ میں معاویہ بن معاویہ کوئی معلوم نہیں، اور حافظ نے اصابہ میں معاویہ بن معاویہ مزنی کو ترجیح دی اور لیثی کہنے کو علاء ثقفی کی خطا بتایا اور معاویہ بن مقرن کو ایک اور صحابی مانا جن کے لیے یہ روایت نہیں، بہرحال صاحبِ قصہ شخص واحد ہیں۔ اور شوکانی کا ایہام تثلیث محض باطل۔ ابن الاثیر نے اسد الغابہ میں فرمایا: معاویۃ بن معاویۃ المزنی ویقال اللیثی ویقال معاویۃ بن مقرن المزنی قال ابوعمر وھو اولی بالصواب[3] اھ یعنی معاویہ بن معاویہ مزنی، اور کوئی کہتا ہے معاویہ بن مقرن مزنی، ابوعمرو نے کہا یہی صواب سے نزدیک تر ہے۔ پھر حدیث انس کے طریق اول سے پہلے طور پر نام ذکر کیا اور طریق دوم سے دوسرے طور پر اور حدیث ابوامامہ سے تیسرے طور پر۔ ۱۲ منہ۔

---

[1] میزان الاعتدال ترجمہ ۵۷۳۰ العلاء بن زید الثقفی دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۹۹

[2] نیل الاوطار الصلوٰۃ علی الغائب بالنیۃ مصطفی البابی مصر ۴/ ۵۷

[3] اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ ترجمہ معاویہ بن معاویہ مزنی المکتبۃ الاسلامیۃ بیروت ۴/ ۳۸۸

بدرا والصّلوٰۃ والسلام علی اجل شموس الرسالۃ قدرا وعلٰی اٰلہ وصحبہ نجوم الھدی واقمار التقی ما اتی البرق بخبر الودق فصدق مرۃ وکذب اخری اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔

بدر بن جاتا ہے، صلوٰۃ وسلام اس ذات پر جو قدر ومنزلت میں رسالت کا سب سے اعلٰی آفتاب ہیں، آپ کے آل واصحاب پر جو ہدایت کے ستارے اور تقوٰی کے چاند ہیں جب تک بجلی کی چمک بارش کی خبر دے کبھی وہ سچ ہو اور کبھی غلط، اے اللہ! حق وصواب کی ہدایت عطا فرما۔(ت)

امورِ شرعیہ میں تار کی خبر محض نامعتبر، اور یہ طریقہ کہ تحقیقِ ہلال کیلئے تراشا گیا باطل و بے اثر، مسلمانوں کو ایسے اعلان پر عمل حرام اور جو اس کی بنا پر مرتکبِ اعلان ہو سب سے زیادہ مبتلائے آثام۔ اس طریقے میں جو غلطیاں اور احکامِ شرع سے سخت بیگانگیاں ہیں۔ اُن کی تفصیل کو دفتر درکار، لہٰذا یہاں بقدرِ ضرورت وفہم مخاطب چند آسان تنبیہوں پر اقتصار۔

تنبیہ اول: شریعت مطہرہ نے دربارۂ ہلال دوسرے شہر کی خبر کو شہادت کا فیدیا تواتر شرعی پر بنا فرمایا اور ان میں بھی کافی وشرعی ہونے کے لیے بہت قیود وشرائط لگائیں جس کے بغیر ہرگز گواہی وشہرت بکار آمد نہیں اور پُرظاہر کہ تار نہ کوئی شہادتِ شرعیہ ہے نہ خبرِ متواتر، پھر اس پر اعتماد کیونکر حلال ہوسکتا ہے۔ فتح القدیر ودرمختار وحاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نورالایضاح میں ہے:

واللفظ للدر یلزم اھل المشرق برؤیۃ اھل المغرب اذا ثبت عندھم رؤیۃ اولٰئک بطریق موجب[1]۔

در کے الفاظ یہ ہیں اہلِ مشرق پر اہلِ مغرب کی رویت کی وجہ سے لازم ہوجاتا ہے بشرطیکہ جب اس رویت کا ثبوت ان کے ہاں بطریق موجب ہو۔(ت)

علامہ حلبی وعلامہ طحطاوی وعلامہ شامی حواشی در میں فرماتے ہیں:

بطریق موجب کان یتحمل اثنان الشھادۃ اویشھدا علی حکم القاضی اویستفیض الخبر بخلاف ما اذا اخبر ان اھل بلدۃ کذا راٰہ لانہ حکایۃ[2]۔

طریق موجب یہ ہے کہ شہادت لانے والے دو ہوں یا وہ قاضی کے فیصلہ پر گواہ ہوں یا خبر مشہور ہو بخلاف اس صورت کے جب دو نوں یہ خبر دی ہو کہ فلاں اہل شہر نے دیکھا ہے کیونکہ یہ تو حکایت ہے۔(ت)

جو یہاں تار کی خبر پر عمل چاہے اس پر لازم کہ شرعاً اس کا موجب وملزم ہونا ثابت کرے مگر حاشا نہ ثابت ہوگا جب تک ہلال مشرق اور بدر مغرب سے نہ چمکے، پھر شرع مطہر پر بے اصل زیادت اور منصب رفیع فتوٰی پر جرأت کس لیے والعیاذ

---

[1] درمختار | کتاب الصوم | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۴۹
[2] ردالمحتار | باب صدقۃ الفطر | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/۹۶

باللہ سبحانہ وتعالٰی اور یہ خیال کہ تار میں خبر تو شہادت کافیہ کی آتی محض نادانی کہ ہم تک تو نامعتبرہ طریقے سے پہنچی۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے زیادہ معتبر کس کی خبر، پھر جو حدیث نامعتبر راویوں کے ذریعہ سے آتی ہے کیوں پایہ اعتبار سے ساقط ہوجاتی ہے!

تنبیہ دوم: تار کی حالت خط سے زیادہ روی وسقیم کہ اس میں کاتب کا خط تو پہچانا جاتا ہے طرزِ عبارت شناخت میں آتا ہے، واقف کار دیگر قرائن سے اعانت پاتا ہے۔ بایں ہمہ ہمارے علماء نے تصریح فرمائی کہ امورِ شرعیہ میں ان خطوط و مراسلات کا کچھ اعتبار نہیں کہ خط خط کے مشابہ ہوتا ہے اور بن بھی سکتا ہے تو یقین شرعی نہیں ہوسکتا کہ یہ اُسی شخص کا لکھا ہُوا ہے۔ ائمہ دین کی عبارتیں لیجئے:

اشباہ میں ہے: لایعتمد علی الخط ولایعمل بہ[1] (خط پر نہ اعتماد کیا جائے گا نہ عمل۔ ت)

ہدایہ میں ہے: الخط یشبہ الخط فلم یحصل العلم[2] (خط دوسرے خط کے مشابہ ہوتا ہے لہذا اس سے علم حاصل نہ ہوگا۔ ت)

فتح القدیر میں ہے: الخط لاینطق وھو متشابہ[3] (خط بولتا نہیں اور اس میں مشابہت ہوتی ہے۔ ت)

درمختار میں ہے: لایعمل بالخط[4] الخ (خط پر عمل نہیں کیا جاسکتا الخ۔ ت)

فتاوٰی قاضیخاں میں ہے:

القاضی انما یقضی بالحجۃ والحجۃ ھی البینۃ اوالاقرار اما الصک فلایصلح حجۃ لان الخط یشبہ الخط[5] قاضی فیصلہ دلیل پر کرے اور دلیل گواہ ہیں یا اقرار پر فیصلہ کرے، اشٹام حجت نہیں کیونکہ خط دوسرے خط کے مشابہ ہوسکتا ہے (ت)

کافی شرح وافی میں ہے: الخط یشبہ الخط وقد یزور ویفتعل[6] (خط خط کے مشابہ ہوتا ہے اور

---

[1] الاشباہ والنظائر کتاب القضاء والشہادات والدعاوی ادارۃ القرآن وعلوم اسلامیہ کراچی ۱/۳۳۸
[2] ہدایہ کتاب الشہادات فصل مایتحملہ الشاہد مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/۱۵۷
[3] فتح القدیر
[4] درمختار کتاب القاضی الی القاضی وغیرہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۸۳
[5] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی دعوی الوقف الخ منشی نولکشور لکھنؤ ۴/۷۴۲
[6] کافی شرح وافی

یہ ان اشیاء میں سے ہے جن سے کسی کی طرف جھوٹ منسوب کیا جاتا اور جعلسازی کی جاتی ہے۔ت)

مختصر ظہیریہ پھر شرح الاشباہ للعلامۃ البیری پھر ردالمحتار میں ہے:

لایقضی القاضی بذلك عند المنازعۃ لان الخط مما یزور ویفتعل۔[1]

قاضی جھگڑے کے وقت اس پر فیصلہ نہ کرے کیونکہ خط میں کسی کی طرف جھوٹ منسوب کیا جاسکتا ہے اور بنالیا جاتا ہے۔(ت)

عینی شرح کنز میں ہے:

الخط یشبہ الخط فلایلزم حجۃ لانہ یحتمل التزویر۔[2]

خط خط کے مشابہ ہوتا ہے لہذا وہ دلیل نہیں بن سکتا کیونکہ اس میں جعلسازی کا احتمال ہوتا ہے۔(ت)

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے:

الشہادۃ والقضاء والرؤیۃ لایحل الاعن علم ولاعلم ھنا لان الخط یشبہ الخط۔[3]

شہادت اور قضا اور رؤیت یقین کے بغیر حلال نہیں اور یہاں یقین حاصل نہیں کیونکہ خط، خط کے مشابہ ہوتا ہے۔(ت)

فتاوٰی عالمگیری میں ملتقط سے ہے:

الکتاب قدیفتعل ویزور اذالخط یشبہ الخط والخاتم یشبہ الخاتم۔[4]

خط میں جعلسازی اور من گھڑت بات بھی ہوسکتی ہے اور خط، خط کے مشابہ ہوتا ہے۔ اسی طرح مُہر دوسری مُہر کے مشابہ ہوسکتی ہے۔(ت)

غمز العیون میں فتاوٰی امام اجل ظہیر الدین مرغینانی سے ہے:

العلۃ فی عدم العمل بالخط کونہ مما یزور ویفتعل ای من شانہ ذلك وکونہ من شانہ ذلك یقتضی عدم العمل بہ وعدم الاعتماد علیہ،

خط پر عمل نہ کرنے کی علت یہ ہے کہ اس کے ذریعے جعلسازی کی جاسکتی ہے یعنی اس کی یہ صفت بن سکتی ہے اور اس صفت کا ہونا تقاضا کرتا ہے کہ اس پر عمل نہ کیا جائے اور نہ اعتماد کیا جائے اگرچہ

---

[1] ردالمحتار باب کتاب القاضی الی القاضی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۵۲
[2] عینی شرح کنز رمز الحقائق شرح کنز الدقائق کتاب الشہادۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۸۰
[3] مجمع الانہر کتاب الشہادت داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۹۲
[4] فتاوٰی ہندیہ الباب الثالث والعشرون فی کتاب القاضی الی القاضی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۸۱

وان لم یکن مزورا فی نفس الامر کما هو ظاهر[1] — نفس الامر میں اس میں جعلسازی نہ کی گئی ہو جیسا کہ ظاہر ہے۔ (ت)

دیکھئے کس قدر روشن و واضح تصریحیں ہیں کہ خط پر اعتماد نہیں، نہ اس پر عمل نہ اس کے ذریعہ سے یقین حاصل ہو، نہ اس کی بنا پر حکم و گواہی حلال کہ خط خط کے مشابہ ہوتا ہے اور مُہر مُہر کے مانند ہو سکتی ہے، اور صاف ارشاد فرماتے ہیں کہ خط کا صرف اپنی ذات میں قابلِ تزویر ہونا ہی اس کی بے اعتباری کو کافی ہے اگرچہ یہ خاص خط واقع میں ٹھیک ہو، پھر یہ تار جس میں خبر بھیجنے والے کے دست و زبان کی کوئی علامت تک نام کو بھی نہیں اور اس میں خط کی بہ نسبت کذب و تزویر نہایت آسان کیونکر امورِ دینیہ کی بنا اس پر حرام قطعی نہ ہوگی۔ سبحان اللہ ائمہ دین کی وہ احتیاط کہ مُہر خط کو صرف گنجائشِ تزویر کے سبب لغو ٹھہرایا حالانکہ مُہر بنا لینا اور خط میں خط ملا دینا سہل نہیں شاید ہزار میں ایک ایسا لکھ سکتا ہو، اور یہاں تو اصلاً دشواری نہیں جو چاہے تار گھر میں جائے اور جس کے نام سے چاہے تار دے آئے، وہاں نام و نسب کی کوئی تحقیقات نہیں ہوتی، نہ رجسٹری کی طرح شناخت کے گواہ لیے جاتے ہیں، علاوہ بریں تار والوں کے وجوبِ صدق پر کون سی وحی نازل ہے کہ اُن کی بات خواہی نخواہی واجب القبول ہوگی اور اس پر احکام شرعیہ کی بنا ہونے لگی ہزار افسوس ذلتِ علم و قلتِ علماء پر، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تنبیہ سوم: قطع نظر اس سے کہ خبر شہادت منگانے کے لیے جنھیں مراسلات بھیجے جائیں گے غالباً ان کا بیان حکایت و اخبار محض سے کتنا جُدا ہوگا جس کی بے اعتباری تمام کتبِ مذہب میں مصرح۔ بالفرض اگر اصل خبر میں کوئی خلل شرعی نہ ہو تاہم اس کا جامۂ اعتبار تار میں آکر یکسر تار تار کہ وہ بیان ہم تک اصالۃً نہ پہنچا بلکہ نقل در نقل ہو کر آیا، صاحبِ خبر تو وہاں کے تار والے سے کہہ کر الگ ہو گیا اُس نے تار کو جنبش دی اور اس کے کھٹکوں سے جن کے اطوارِ مختلفہ کو اپنی اصطلاحوں میں علامتِ حروف قرار دے رکھا ہے اشاروں میں عبارت بتائی اب وہ بھی جُدا ہو گیا یہاں کے تار والے نے اُن کھٹکوں پر نظر کی، اور ضربات معلومہ سے جو فہم میں آیا نقوش معرفہ میں لایا اب یہ بھی الگ ہوا وہ کاغذ کا پرچہ کسی ہرکارے کے سپرد ہوا کہ یہاں پہنچا کر چلتا بنا۔ سبحان اللہ اس نفیس روایت کا سلسلۂ سند تو دیکھئے مجہول عن مجہول عن مجہول نامقبول از نامقبول از نامقبول، اس قدر وسائط تو لابدی ہیں پھر شاید کبھی نہ ہوتا ہو کہ معزز لوگ بذاتِ خود جا کر تار دیں، اب جس کے ہاتھ کہلا بھیجا مانیے وہ جدا واسطہ اس پر فارم کی حاجت ہوئی تو تحریر کا قدم درمیان آپ نہ آئے تو کسی انگریزی دان کی وساطت، اُدھر تار کا بابو اردو نہ لکھے تو یہاں مترجم کی جُدا ضرورت، بااینہمہ فصل ہزار ہوا اور تار و صل نہیں، جب تو نقل در نقل کی گنتی ہی کیا ہے، وائے بے انصافی

---

[1] غمز العیون مع الاشباہ والنظائر کتاب القضاء والشہادات الخ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۳۳۹

اس طریقہ تراشیدہ پر عمل کرنے والوں سے پُوچھا جائے ان سب وسائط کی عدالت وثقاہت سے کہاں تک آگاہ ہیں، حاش للہ نام بھی نہیں معلوم ہوتا، نام درکنار اصل شمار وسائط بتانا دشوار، سب جانے دیجئے اسلام پر بھی علم نہیں اکثر ہنود وغیرہم کفار ان خدمات پر معیّن، غرض کوئی موضوع سی حدیث اس نفیس سلسلے سے نہ آتی ہوگی، پھر ایسی خبر پر امور شرعیہ کی بنا کرنا استغفر اللہ علماء، تو علمائیں نہیں جانتا کہ کسی عاقل کا کام ہو۔

تنبیہ چہارم: علماء تصریح فرماتے ہیں کہ دوسرے شہر سے بذریعہ خط خبر شہادت دینا صرف قاضیِ شرع سے خاص جسے سلطان نے مقدمات پر والی فرمایا ہو، یہاں تک کہ حَکَم کا خط مقبول نہیں، درمختار میں ہے:

القاضی یکتب الی القاضی وھو نقل الشھادۃ حقیقۃ ولا یقبل من محکم بل من قاض مولی من قبل الامام[1] الخ ملتقطا۔

قاضی دوسرے قاضی کی طرف لکھ سکتا ہے اور یہ حقیقۃً نقلِ شہادت ہے اور یہ فیصل سے قبول نہیں بلکہ اس قاضی سے قبول ہے جسے حاکم نے مقرر کیا ہو الخ ملتقطا (ت)

فتح میں ہے:

ھذا النقل بمنزلۃ القضاء ولھذا لایصح الامن القاضی[2]۔

یہ نقل بمنزلہ قضاء کے ہے لہذا یہ قاضی کے علاوہ کسی سے صحیح نہیں۔ (ت)

غیر قضاۃ تو یہیں سے الگ ہُوئے، رہے قاضی، ان کی نسبت صریح ارشاد کہ اس بارے میں نامۂ قاضی کا قبول بھی اس وجہ سے ہے کہ صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے برخلاف قیاس اس کی اجازت پر اجماع فرمالیا ورنہ قاعدہ یہی چاہتا تھا کہ اس کا خط بھی اُنہی وجوہ سے جو اوپر گزریں مقبول نہ ہوا اور پُر ظاہر کہ جو حکم خلافِ قیاس مانا جاتا ہے مورد سے آگے تجاوز نہیں کرسکتا، اور دوسری جگہ اس کا اجرا محض باطل و فاحش خطا، پھر حکم قبول خط سے گزر کر تار تک پہنچا کیونکر روا۔ ائمہ دین تو یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ اگر قاضی اپنا آدمی بھیجے بلکہ بذاتِ خود ہی آکر بیان کرے کہ میرے سامنے گواہیاں گزریں ہرگز نہ سُنیں گے کہ اجماع تو صرف دربارۂ خط منعقد ہوا ہے، پیامِ ایلچی و خود بیانِ قاضی اس سے جدا ہے۔ امام محقق علی الاطلاق شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں:

الفرق بین رسول القاضی وکتابہ حیث

قاضی کے قاصد اور اس کے خط میں یہ فرق ہے کہ

---

[1] درمختار باب کتاب القاضی الی القاضی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۳-۸۴
[2] فتح القدیر " " " " مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۸۹

یقبل کتابہ ولایقبل رسولہ، فلان غایۃ رسولہ ان یکون کنفسہ، وقد منا انہ لوذکر مافی کتابہ لذلک القاضی بنفسہ لایقبلہ، وکان القیاس فی کتابہ کذلک، الا انہ اجیز باجماع التابعین علی خلاف القیاس فاقتصر علیہ۔[1]

خط قبول کیا جائے گا لیکن قاصد مقبول نہیں، زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ قاصد، قاضی کے قائم مقام ہے جبکہ ہم پہلے بیان کرچکے کہ اگر قاضی خود جاکر دوسرے قاضی کو خط والا مضمون بتائے تو دوسرا قاضی اسے قبول نہیں کرے گا، خط کے بارے میں قیاس کا تقاضا یہی ہے کہ قبول نہ ہو لیکن تابعین حضرات کے اجماع سے اس کو جائز و مقبول قرار دیا گیا جو کہ خلافِ قیاس ہے اسی لیے اسی میں اجازت محصور رہے گی۔ (ت)

سبحان اللہ! پھر تار بیچارے کی کیا حقیقت کہ اسے کتاب القاضی پر قیاس کریں اور جہاں خود بیان قاضی شرعاً بے اثر وہاں اس کے تر بنائے احکام دھریں ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تابکجا

(راستے کا تفاوت دیکھیں کہ کہاں سے کہاں تک ہے۔ ت)

اور جب شرعاً قاضی کا تار یُوں بے اعتبار، تو اوروں کے تار کی جو ہستی ہے وہ ہماری تقریر صدر سے آشکار کہ مقبول الکتاب کا تار ناچیز، تو مردود الکتاب کا تار کیا چیز، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ الملک العزیز۔

تنبیہ نجم: قاضی شرع کا نامہ بھی صرف اُسی وقت مقبول جب دو مرد ثقہ یا ایک مرد دو عورتیں عادل دارالقضا سے یہاں آکر شہادتِ شرعیہ دیں کہ یہ خط بالیقین اُسی قاضی کا ہے اور اس نے ہمارے سامنے لکھا ہے ورنہ ہرگز قبول نہ ہوگی اگرچہ ہم اس قاضی کا خط پہچانتے ہوں اور اس کی مُہر بھی لگی ہو اور اُس نے خاص اپنے آدمی کے ہاتھ بھیجا بھی ہو۔ ہدایہ میں ہے:

لایقبل الکتاب الابشھادۃ رجلین اورجل وامرأتین لان الکتاب یشبہ الکتاب فلایثبت الابحجۃ تامۃ وھذا لانہ ملزم فلابد من الحجۃ۔[2]

خط نہیں قبول کیا جائے گا مگر دو مرد یا ایک مرد اور دو خواتین کی گواہی پر قبول ہوگا کیونکہ خط، خط کے مشابہ ہوسکتا ہے لہذا اس حجتِ کاملہ کے بغیر خط کا ثبوت نہ ہوگا اور یہ اس لیے کہ خط کی وجہ سے حکم لازم ہوتا ہے اور اس لیے حجت کا ہونا ضروری ہوتا ہے (ت)

فتاوٰی ہندیہ میں ملتقط سے ہے:

---

[1] فتح القدیر شرح ہدایہ باب القاضی الی القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۸۶

[2] ہدایہ " مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۳۹

یجب ان یعلم ان کتاب القاضی الی القاضی صار حجة شرعا فی المعاملات بخلاف القیاس لان الکتاب قد یفتعل ویزوّر الخط یشبه الخط والخاتم یشبه الخاتم ولکن جعلنه حجة بالاجماع ولکن انما یقبله القاضی المکتوب الیه عند وجود شرائطه و من جملة الشرائط البینة حتی ان القاضی المکتوب الیه لایقبل کتاب القاضی مالم یثبت بالبینة انه کتاب القاضی[1]

یہ جان لینا ضروری ہے کہ قاضی کا خط دوسرے قاضی کی طرف معاملات میں شرعاً حجت ہے لیکن خلاف قیاس کیونکہ خط میں جعلسازی اور جھوٹ لکھا جاسکتا ہے، اور خط خط کے مشابہ، اسی طرح مہر دوسری مُہر کے مشابہ ہوسکتی ہے لیکن ہم نے اسے اجماع کی وجہ سے حجت مانا ہے، لیکن جس قاضی کی طرف لکھا گیا ہو تب قبول کرے جب اسکی شرائط پائی جائیں، اور ان شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ اس پر گواہ ہوں حتی کہ قاضی دوسرے قاضی کے خط کو اس وقت تک قبول نہیں کرسکتا جب تک گواہ گواہی نہ دیں کہ یہ قاضی کا خط ہے (ت)

عقود الدریہ میں فتاوٰی علامہ قاری الہدایہ سے ہے:

اذا شھدوا انه خطه من غیر ان یشاھدوا کتابته فلا یحکم بذلك[2]

جب وہ گواہی دیں کہ یہ اس کا خط ہے مگر انھوں نے لکھتے ہوئے نہیں دیکھا تو ایسے خط پر فیصلہ نہ دیا جائے (ت)

سبحان اللہ! یہ خطوط یا تار جو یہاں آتے ہیں اُن کے ساتھ کون سے دو گواہ عادل آکر گواہی دیتے ہیں کہ فلاں نے ہمارے سامنے لکھا یا تار دیا مگر ہے یہ کہ ناواقفی کے ساتھ امورِ شرع میں بے جا مداخلت سب کچھ کراتی ہے نسأل اللہ توفیق الصواب وبه نستعین فی کل باب (ہم اللہ تعالٰی سے توفیقِ صواب کا سوال کرتے ہیں اور ہر معاملہ میں اسی سے مدد چاہتے ہیں۔ ت)

اے عزیز! اس زمانہ فتن میں لوگوں کو احکام شرع پر سخت جرأت ہے خصوصاً ان مسائل میں جنھیں حوادث جدیدہ سے تعلق و نسبت ہے جیسے تار برقی وغیرہ سمجھتے ہیں کہ کتبِ ائمہ دین میں ان کا حکم نہ نکلے گا جو مخالفت شرع کا ہم پر الزام چلے گا مگر نہ جانا کہ علمائے دین شکر اللہ تعالٰی مساعیھم الجمیلة (اللہ تعالٰی ان کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے۔ ت) نے کوئی حرف ان عزیزوں کے اجتہاد کو اٹھا نہیں رکھا ہے تصریحاً تلویحاً تفریعاً تاصیلاً سب کچھ فرمادیا ہے زیادہ علم اسے ہے جسے زیادہ فہم ہے اور ان شاء اللہ العزیز زمانہ ان بندگانِ خدا سے خالی نہ ہوگا جو

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الثالث والعشرون فی کتاب القاضی الی القاضی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۸۱

[2] عقود الدریہ الکتابة علی ثلٰثة مراتب الخ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۱۹

مشکل کی تسہیل، معضل کی تحصیل، صعب کی تذلیل، مجمل کی تفصیل سے ماہر ہوں۔ بحر سے صدف، صدف سے گوہر، بذر سے درخت، درخت سے ثمر نکالنے پر باذن اللہ تعالٰی قادر ہوں۔

لاخلا الکون عن افضالھم وکثراللّٰہ فی بلادنا من امثالھم اٰمین اٰمین برحمتك یا ارحم الراحمین وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی خاتم النبیین سیدنا محمد و اٰلہ وصحبہ اجمعین واللّٰہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہٗ اتم وحکمہ عزشانہ احکم۔

زمانہ ان فضلاء سے خالی نہیں اور اللہ تعالٰی ایسے لوگوں کو ہمارے علاقوں میں زیادہ کرے آمین آمین برحمتک یا ارحم الراحمین وصلی اللہ تعالٰی علٰی خاتم النبیین سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم وحکمہ عزشانہ احکم۔ (ت)

مسئلہ ۱۶۷: از رامپور بوساطت مولوی بشیر احمد صاحب مدرس اول مدرسہ اہلسنت وجماعت بریلی

۴ ربیع الاول ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ۲۹ تاریخ کو کسی شہر میں چاند نظر آئے اور دُوسرے شہر میں وہی چاند ۳۰ کا نظر آیا اور وہاں کے لوگ ٹیلی فون یا ٹیلی گراف میں اطلاع دیں تو وہ خبر معتبر ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

ہرگز معتبر نہیں ہوسکتی، اصلاً قابلِ لحاظ نہیں ہوسکتی، تار کی سخت بے اعتباری میں فقیر کا فتوٰی مفصلہ طبع ہوچکا ہے، اُس کی حالت ٹیلی فون درکنار خط سے بہت گری ہوئی ہے کہ اس میں مرسل کے ہاتھ کی علامت تک نہیں ہوتی اور اکثر بنگالی بابُوں وغیرہم کفار کا توسط ہوتا ہے ورنہ مجاہیل ہونا ضروری ہے، اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ خط بھی معتبر نہیں، ہدایہ میں ہے: الخط یشبہ الخط[1] (تحریر ایک دوسرے کے مشابہ ہوسکتی ہے۔ ت) تو شرعاً تار پر عمل کیونکر ممکن! یُونہی ٹیلیفون کہ اس میں شاہد ومشہود نہیں ہوتا صرف آواز سنائی دیتی ہے، اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ آڑ سے جو آواز مسموع ہو اُس پر احکام شرعیہ کی بناء نہیں ہوسکتی کہ آواز آواز سے مشابہ ہوتی ہے۔ تبیین الحقائق امام زیلعی پھر فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لوسمع من وراء الحجاب لایسعہ ان یشھد لاحتمال ان یکون غیرہ

اگر کسی نے پردہ کے پیچھے سے سُنا تو اس کو گواہی دینا جائز نہیں کیونکہ وہ کوئی دوسرا بھی ہوسکتا ہے کیونکہ

[1] الہدایہ فصل مایتحملہ الشاہد مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۵۷

اذا النغمة تشبه النغمة[1] الخ وصورة الثنيا التی ذکرت لاتحقق لها فیمانحن فیہ کمالایخفی، واللہ تعالٰی اعلم۔

آواز ایک دوسرے کے مشابہ ہوسکتی ہے الخ اور جو صورت مستثنٰی قرار دی گئی ہے اس کا ہماری اس بحث میں تحقق نہیں ہے، جیسا کہ مخفی نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۷۳ مرسلہ منظور علی علوی کاکوروی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک جگہ پہاڑ میں ایسی ہے جہاں بغیر بہت دقت سے اونچی چوٹیوں پر گئے چاند نہیں دیکھا جاسکتا ہے اور جہاں جاکر بھی اکثر بسبب ابرغبار کے چاند نہیں دکھائی دیتا ہے ایسی جگہ میں مسلمانوں کو شوال کی رؤیت ہلال کی اطلاع بذریعہ تار کے پاکے روزہ افطار کردینا اور عید کی نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ تار اگر ایک ہو دو ہوں یا دس بارہ ہوں، کسی صورت میں ان پر اعتبار جائز ہے یا نہیں؟ اگر خبر بذریعہ تار کے نہ مانی جائے تو پہاڑوں میں (مثلاً نینی تال میں) کبھی رمضان کا مہینہ انتیس کو نہیں ختم ہوسکتا ہے، اس لیے کہ دس بارہ برس کا مشاہدہ ہے کہ ہمیشہ ابرغبار کی وجہ سے شوال کا چاند نہیں دیکھا جاسکتا ہے۔ بینوا توجروا

الجواب

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ[2] چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو۔ اور فرماتے ہیں: ان اللہ امدہ لرؤیتہ[3] اللہ تعالٰی نے اس کا مدار رؤیت پر رکھا ہے۔ تار اگرچہ دس بیس ہوں اصلاً شرعاً امورِ دینیہ میں قابلِ التفات نہیں کہ اس کی حالت خط سے بھی بدتر ہے اپنے شناسا کا خط پہچانا جاتا ہے، طرزِ عبارت سے پتا چلتا ہے، تار میں یہ کچھ بھی نہیں، پھر ہمارے تمام ائمہ نے عام کتبِ مذہب میں مثل ہدایہ ودرمختار واشباہ وخیریہ وعقود الدریہ وفتاوٰی قاضی خاں وفتاوٰی عالمگیری وغیرہا میں تصریح فرمائی کہ خط کا اعتبار نہیں بلکہ صاف فرمایا کہ مُہر کا بھی ان معاملات میں اعتبار نہیں ہوتا، پھر تار کیونکر قابلِ اعتبار ہوسکتا ہے، خصوصاً تار بابوؤں کی عدالت درکنار اسلام کا بھی علم نہیں، بلکہ اکثر ہنود وغیرہ ہوتے ہیں دس بیس جگہ سے آنا کافر یا فاسق مجہول کی خبر کو معتبر شرعی نہ کردے گا، نہ یہاں حدِّ تواتر تک پہنچا معقول کہ دس نہیں ہزار

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الثانی فی بیان تحمل الشہادۃ الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۵۲

[2] صحیح بخاری باب اذا رأیتموا الہلال فصوموا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۵۶

[3] سنن دارقطنی کتاب الصیام نمبر ۲۶ نشر السنۃ ملتان ۲/ ۱۶۲

جگہ سے تار آئیں ہم کو تو ایک ہی تار گھر سے ملیں گے اور کہیں دو چار بھی ہوئے تو یہ تواتر نہیں، اپنے دنیوی معاملات کو دیکھیے دو روپے کا دعوٰی ہو اور گواہ بیس دفعہ تار پر اپنی گواہی بھیجے کیا کچہریوں میں قبول ہو جائیگی، پھر عید کر لینا کیسے حلال ہو جائے گا! رہا یہ کہ اس صورت میں کہ انتیس کا چاند ہی وہاں نہ ہوگا، شعبان سے ذی الحجہ تک پانچ ہلالوں کا بغور دیکھنا تلاش کرنا ہر جگہ کے مسلمانوں پر واجب ہے اونچی چوٹیوں پر جانے کی دقت اگر صرف بوجہ تکلیف یا کاہلی ہو تو یہ عذر ہر گز نہ سُنا جائے گا، اور اوپر جا کر دیکھنا واجب ہوگا۔ اگر کوئی نہ جائے گا سب گنہگار رہیں گے اور اگر واقعی ناقابلِ برداشت تکلیف ہے تو معاف ہے۔ عـہ

فان غم علیکم فاکملوا العدۃ ثلثین [1] چاند تم پر پوشیدہ رہے تو تیس کی گنتی پوری کرو۔

مسلمانوں کو حکم سے غرض ہے۔ ۳۰، ۲۹ سے کیا کام! اور اگر یہ خیال ہے کہ ۲۹ کے رمضان کی خوشی زیادہ ہوتی ہے، یہ کیونکر ہوگی، تو یہ محض بے معنی خیال ہے، اور غور کریں تو اُس کی کسر اُدھر شعبان میں نکل جائیگی کہ وُہ بھی ۲۹ کا نہ ہوگا، تو رمضان کہ ۳۰ کا چاند وہاں ۲۹ کو نظر آئے گا اہتمام کریں تو ۲۹ تاریخ نزدیک کی آبادیوں میں دو چار معتبر مسلمان بھیج کر پہاڑ سے باہر بھی رؤیت کرا سکتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۷۴: از گونڈل کاٹھیاواڑ مرسلہ محمود میاں ابن قاضی عبدالغنی صاحب ۸ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

اس ریاست میں ٹیلیفون ہونے کی وجہ سے بذریعہ ٹیلیفون رؤیت ہلال رمضان یا عید رُوبرو آمنے سامنے دونوں مسلمان ہوں اور ایک جگہ کا مسلمان دوسرے کو خبر دے کہ میں نے چاند دیکھا اور دوسری جگہ والا بھی مسلمان ہو اور اس کی آواز پہچانتا ہو کہ فلاں شخص یہ خبر دے رہا ہے تو اس کی آواز پہچان کر ان کے قول پر عمل کیا جائیگا یا نہیں؟ یا ٹیلیفون دینے والا اور لینے والا دونوں ملازم مسلمان ہیں، ایک نے دوسرے کو بذریعہ ٹیلیفون خبر دی رؤیت ہلال کی، اس نے دوسرے سے کہا فلاں جگہ سے مجھ کو فلاں نے کہا کہ وہاں پر رؤیت ہلال ہوئی تو ایسی خبر پر اعتماد چاہئے یا نہیں؟

الجواب

ٹیلی فون دینے والا اگر سُننے والے کے پیشِ نظر نہ ہو تو امورِ شرعیہ میں اس کا کچھ اعتبار نہیں اگرچہ آواز پہچانی جائے کہ آواز مشابہ آواز ہوتی ہے، اگر وہ کوئی شہادت دے معتبر نہ ہوگی، اور اگر کسی بات کا اقرار کرے

عـہ اصل میں یہاں بیاض ہے ۱۲

---

[1] سنن دارقطنی کتاب الصیام نمبر ۲۹ نشر السنۃ ملتان ۱/۱۶۳

سننے والے کو اس پر گواہی دینے کی اجازت نہیں، ہاں اگر وہ اس کے پیش نظر ہے جسے دوبدو آمنے سامنے سے تعبیر کرتے ہیں، یعنی اس کی دونوں آنکھیں اس کی دونوں آنکھوں کے سامنے ہوں، ایک دوسرے کو دیکھ رہا ہو، اور ٹیلی فون کا واسطہ صرف بوجہ آسانیِ آواز رسانی کے لیے ہو کہ اتنی دُور سے آواز پہنچنا دشوار تھا، تو اس صورت میں اس کی بات جس حد تک شرعاً معتبر ہوتی اب بھی معتبر ہوگی، مثلاً خود اپنی رویت کی شہادت ادا کرے تو مانی جائے گی اگر وہ مقبول الشہادۃ ہے لیکن اتنی بات کہ فلاں جگہ رویت ہُوئی اگرچہ متصل آکر ادا کرے جب بھی معتبر نہیں کہ یہ محض حکایت ہے نہ کہ شہادت، اور یہ کہ فلاں نے مجھ سے کہا کہ فلاں جگہ ہُوئی، اور زیادہ مہمل کہ حکایت در حکایت ہے۔ تبیین الحقائق پھر فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

ولو سمع من وراء الحجاب لایسعہ ان یشھد لاحتمال ان یکون غیرہ اذا النغمۃ تشبہ النغمۃ الا اذا کان فی الداخل وحدہ ودخل وعلم الشاھد انہ لیس فیہ غیرہ ثم جلس علی المسلك ولیس لہ مسلك غیرہ فسمع اقرار الداخل ولا یراہ لانہ یحصل بہ العلم وینبغی للقاضی اذا فسرلہ ان لایقبلہ[1]

اگر کسی نے پردے کے پیچھے سے سُنا تو سننے والا گواہی نہیں دے سکتا، ممکن ہے کوئی اور شخص ہو، کیونکہ آواز آواز سے مشابہ ہوسکتی ہے مگر اس صورت میں جب داخل ہونے والا اکیلا ہو اور شاہد جانتا اور علم رکھتا ہو کہ اس کے علاوہ دوسرا نہیں، پھر وہ گواہ راستہ پر بیٹھتا ہے جبکہ اس راستہ کے علاوہ کوئی اور راستہ بھی نہیں، اور داخل ہونے والے کا اقرار سُنتا ہے اور اسے دیکھتا نہیں (تو اب گواہی قبول ہے) کیونکہ اب اسے یقین حاصل ہے۔ اور اگر گواہ پردے والے کی بات کی از خود تفسیر کرے تو قاضی کے لیے مناسب ہے کہ وہ تفسیر کو قبول نہ کرے۔ (ت)

ذخیرہ پھر ہندیہ میں ہے:

کان الفقیہ ابواللیث یقول اذا اقرت المرأۃ من وراء الحجاب وشھد عندہ اثنان انھا فلانۃ لایجوز لمن سمع اقرارھا ان یشھد علی اقرارھا الا اذا رأی شخصا یعنی حال ما اقرت فح یجوز لہ ان

فقیہ ابواللیث فرمایا کرتے تھے کہ جب پردہ کے پیچھے عورت نے اقرار کیا اور دو آدمیوں نے گواہی دی کہ یہ فلاں عورت ہے تو اقرار سننے والے کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس کے اقرار پر گواہی دے مگر اس صورت میں جب اس نے اس خاتون کو دیکھا ہو یعنی

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الثانی فی بیان تحمل الشہادۃ الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۴۵۲

یشھد علی اقرارھا شرط رؤیۃ شخصھا لارؤیۃ وجھھا۔[1]

اقرار کرتے وقت نواب اس کے لیے جائز ہے کہ اس کے اقرار پر گواہ بنے باقی شرط شخصیت کو دیکھنا ہے نہ کہ چہرے کو۔ (ت)

درمختار میں ہے:

شھدوا انہ شھد عند قاضی مصرکذا شاھدان برؤیۃ الھلال فی لیلۃ کذا وقضی القاضی بہ ووجد استجماع شرائط الدعوی جاز لھذا القاضی ان یحکم بشہادتھما لان قضاء القاضی حجۃ وقد شھدوا بہ لالوشھدوا برؤیۃ غیرھم لانہ حکایۃ[2] اھ وتمام تحقیقہ فی فتاوٰنا۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

گواہوں نے گواہی دی کہ قاضیِ مصر کے پاس فلاں رات چاند دیکھنے پر دو گواہوں نے گواہی دی ہے اور قاضی نے اس پر فیصلہ دیا اور شرائطِ دعوٰی پائی جائیں تو اس قاضی کے لیے دو گواہوں کی شہادت پر فیصلہ دینا جائز ہے کیونکہ قضاءِ قاضی حجت ہے اور گواہوں نے اس قضاء پر ہی گواہی دی ہے، ہاں اس صورت میں فیصلہ نہیں دے سکتا جب انھوں نے یہ گواہی دی ہو کہ فلاں نے چاند دیکھا ہے کیونکہ یہ حکایت ہے اھ اس کی تمام تحقیق ہمارے فتاوٰی میں ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۷۵: از دفتر صحیفہ حیدر آباد دکن مطبوعہ ۱۶ رمضان ۱۳۳۳ھ

تار اور ٹیلیفون زمانہ حال کی ایجاد ہے یعنی فقہائے ماسبق کے زمانہ میں یہ چیزیں ایجاد نہیں ہوئی تھیں اس لیے قدیم کتبِ فقہ اس تذکرے سے خالی ہیں کہ تار اور ٹیلیفون کے ذریعہ سے جو خبریں آتی ہیں وہ قابلِ تقسیم ہیں یا نہیں، اس مسئلہ کی نسبت علماء کے ایک عام اجماع و اتفاق کی ضرورت ہے، پس براہِ کرم بیان فرمایا جائے کہ تار اور ٹیلی فون کے ذریعہ سے جو خبر آئے وہ از روئے احکامِ شریعت قابلِ تسلیم ہے یا نہیں؟ اور ایسی خبر کی بناء پر احکامِ شرعیہ مثلاً ترک و اختیارِ صوم اور تقرر یوم حج وغیرہ کا تصفیہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

تار محض بے اعتبار، یونہی ٹیلی فون، اگر خبر دہندہ پیشِ نظر نہ ہو۔ تفصیل فقیر کے فتاوٰی مرسلہ سے معلوم ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الثانی فی بیان تحمل الشہادۃ الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۴۵۳

[2] درمختار کتاب الصیام مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹

مسئلہ ۱۷۶ تا ۱۷۸: مسئولہ عبدالعزیز تاجر چرم قصبہ ٹکاری محلہ تتا گنج ضلع گیا ۱۶ ذی القعدہ ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسائلِ مفصل ذیل میں بحوالگی کتبِ فقہ و فتاوٰی۔ بینوا توجروا۔

سوال اوّل: نمازِ عید کہ جس کی ادائیگی رؤیتِ ہلال پر موقوف ہے اگر اس کی رؤیت کی خبر ایسی بستی میں جہاں ابرو باد کی وجہ سے چاند نہ دیکھا گیا ہو اور معتبر شخص کی زبانی کہ اُس شخص کو بھی خبر غیر شہر میں بذریعہ تار کے ملی ہو اور وُہ شخص اپنے مکان پر نمازِ عید کی پڑھ کر آیا ہو اس شخص معتبر کے بیان پر روزہ افطار کرنا اور نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں، اور بعد پڑھنے نمازِ عید کے جو لوگ کہ سفر میں عید کے روز کلکتہ وغیرہ میں ہیں وہ لوگ یہاں آئے اور بیان کیا کہ ہم نے اور جماعت کثیرہ نے اپنی آنکھ سے چاند دیکھ کر نمازِ عید روزِ جمعہ کو پڑھی ہے ایسی صورت میں روزِ جمعہ کو افطار کرنا اور نمازِ عید جمعہ کو پڑھنا جائز ہوا یا نہیں، اور اطراف و جوانب میں بمعائنہ رویتِ ہلال عید روزِ جمعہ کو ہُوئی اس کے لیے شہادت کثیر ہے۔

سوال دوم: ایک بستی کے بعض افراد نے شخص معتبر کے بیان پر کہ جس کو خبر بذریعہ تار کے دوسرے شہر میں ملی ہو اُس شخص کے بیان پر جہاں بوجہ ابروباد رؤیت نہ ہوئی وہاں کے بعض افراد نے روزہ افطار کیا اور نمازِ عید پڑھی اور بعض افراد نے وہیں کے کہ جن کو اشتباہ ماہِ رمضان کی رؤیت میں تیس کا تھا اور اُن کے حساب سے انتیس رمضان پڑتا تھا اور خبر اُن لوگوں کو بھی قبل باقی رہنے پورے وقت نماز کے ملی مگر شخص معتبر کے قول و خبرِ تار پر اعتبار نہ کرکے روزِ جمعہ کو نہ روزہ افطار کیا اور نہ نمازِ عید پڑھی بلکہ سنیچر کے روز روزہ افطار کیا اور نمازِ عید پڑھی، جمعہ کا روزہ جائز ہولیا یا ناجائز؟

سوال سوم: ایک مسجد میں دُو روز نمازِ عید پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

جواب سوال اول: در بارۂ ہلالِ خط اور تار محض بے اعتبار، اور در بارۂ ہلالِ عید ایک عادل ثقہ کی خود اپنی رؤیت کی گواہی بھی مقبول نہیں جب تک پُورا نصابِ شہادت نہ ہو، درمختار میں ہے:

شرط للفطر مع العلۃ والعدالۃ نصاب الشھادۃ ولفظ اشھد[1]

عیدالفطر میں بادل عدالت کی موجودگی میں نصاب شہادت اور لفظ شہادت ضروری ہے (ت)

تو ایک معتبر شخص کی خبر محض اور وُہ بھی اپنی رؤیت کی نہیں دُوسرے کی، اور وُہ بھی تار کی معلوم ہوئی، چار وجہ سے

---

[1] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۸

مردود تھی اور اس کی بنا پر عید کرنا حرام، جن لوگوں نے اس بنا پر روزہ توڑا سخت گناہ شدید کے مرتکب ہوئے اور اس دن کی نماز عید بھی گناہ و مکروہ تحریمی و ناجائز ہوئی، اور دوسرے دن نمازِ عید نہ پڑھنے سے بھی ترکِ واجب کے گنہگار ہوئے اور بعد کو ثبوت کتنے ہی کثیر ہوجائیں اُن کے اُن گناہوں کو رفع نہیں کرسکتا کہ جس وقت تک انھوں نے یہ افعال کئے ثبوت شرعی نہ تھا تو ان پر سے مخالفتِ حکم شرع کا الزام بے توبہ زائل نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

جواب سوال دوم: جن لوگوں نے اُس خبر پر عمل نہ کیا اور روزہ قائم رکھا اور دوسرے دن نمازِ عید پڑھی انھوں نے مطابق حکمِ شرع کیا ایسا ہی کرنے کا شرعاً حکم تھا اگرچہ جمعہ ضرور روزِ عید تھا مگر وہاں نہ رویت نہ ثبوتِ شرعی گزرا تو اُن پر جمعہ کا روزہ ہی فرض تھا اور سنیچر کی عید واجب، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ[1] (چاند دیکھنے پر روزہ رکھو اور چاند دیکھنے پر عید کرو۔ ت)

جواب سوال سوم: بہ صورت دو روز نمازِ عید کی نہ تھی کہ وہاں جمعہ کو عید ناجائز تھی جنھوں نے پڑھی وہ ایک ناجائز نفل بھاری جماعت سے ادا کیا اور گنہگار ہوئے۔ درمختار میں ہے:

صلٰوۃ العید فی القری تکرہ تحریما ای لانہ اشتغال بما لایصح[2]۔ دیہاتوں میں نمازِ عید مکروہ تحریمی ہے کیونکہ یہ ایسی چیز میں مشغول ہونا ہے جو درست نہیں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ھو نفل مکروہ لادائہ بالجماعۃ ح[3]۔ یہ نوافل ہیں اور نوافل کی جماعت کے ساتھ ادائیگی مکروہ ہے۔ (ت)

نمازِ عید وہی ہوئی جو دوسرے گروہ نے روزِ شنبہ پڑھی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۷۹: از ضلع بتیا ڈاک خانہ ومقام رکسٹر رحیم اللہ وعبدالرحمٰن ۱۳ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں مسلمان باشندوں میں سے ایک شخص حاجی مصدی صاحب ہیں جو کہ احاطہ بنگلہ خطہ آسام ضلع تیزپور رہتے ہیں اور وہیں تجارت کرتے ہیں لہذا انھوں نے خط لکھا کہ یہاں کے لوگوں نے چاند ماہ رمضان المبارک کا روز سہ شنبہ یعنی منگل کے ہوا، قریب قریب پچاس آدمیوں نے دیکھا اور دو تین آدمی خاص ہمارے آدمیوں میں سے جو کہ کاروبار دکان کے کرتے ہیں دیکھا مگر جناب حاجی مصدی صاحب انکار

---

[1] صحیح بخاری باب اذا رأیتم الھلال فصوموا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۵۶
[2] درمختار باب العیدین مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۴
[3] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۱۱

کرتے ہیں کہ ہم نے بچشم خود نہیں دیکھا اور جتنے اُس اطراف کے ملک آسام میں رہتے ہیں کسی نے چاند نہیں دیکھا، جس وقت یہ خط آیا اُس وقت جناب مولانا مولوی عبدالغفار صاحب ساکن موضع اعظم گڈھی شاگرد مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی سلسلہ مدرسہ دیوبند تشریف لائے تھے انھوں نے خط دیکھ کر فرمایا کہ دوبارہ خط سے دریافت کرو کہ اگر واقعی ان لوگوں نے چاند دیکھا تو تم لوگ بھی جمعہ کی عید کرلینا پنجشنبہ کو چاہے چاند ہو یا نہ ہو اور ایک روزہ قضاء کا رکھ لینا، تو پھر جب دوبارہ لکھا گیا تو اسی مضمون کا جواب آیا کہ چاند کا دیکھنا سچ ہے ۵۰ آدمیوں نے باشندہ ملک آسام کے دیکھا لہٰذا محض ملک آسامیوں کا دیکھنا اور بہ موجب فتوٰی دینے مولوی عبدالغفار صاحب یہ قابلِ سند ہوسکتا ہے کہ نہیں اور جمعہ کو ہم لوگ عید کرسکتے ہیں کہ نہیں' برتقدیر نہ چاند ہونے پنجشنبہ کے عید جمعہ کو کرسکتے ہیں یا نہیں، اور واقعی ایسا ہُوا کہ پنجشنبہ کو عید کا چاند نہیں نظر پڑا، ہزاروں آدمیوں نے دیکھا اور نہ کہیں چاند دیکھنے کی خبر آئی جو لوگ کہ معتقد مولوی عبدالغفار صاحب کے نہیں تھے جبکہ دیکھا یہ لوگ نہیں مانیں گے تو محض رفع نزاع کے لیے انھی لوگوں کے ساتھ عید جمعہ کو کرلی بغیر چاند دیکھے تفریق جماعت اور دو فریق ہوجانے کے خیال سے، لہٰذا ازروئے شرع کے تفصیل بالا کی تحقیق۔ بینوا توجروا۔

الجواب

دربارۂ ہلال خط اور تار محض بے اعتبار،

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ[1]

رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: چاند دیکھنے پر روزہ شروع کرو اور چاند دیکھنے پر عید کرو۔ (ت)

ہدایہ و اشباہ و درمختار وغیرہ عام کتب میں ہے: الخط لایعمل بہ[2] (خط پر عمل نہیں کیا جاتا۔ ت)

دیوبندی کا فتوٰی محض باطل تھا اور بغیر رؤیت یا ثبوت شرعی جمعہ کو عید کرلینا حرام تھا اور تفریق جماعت سے بچنے کا خیال خام تھا اگر کچھ لوگ بے ثبوتِ شرعی جمعہ کو عید کرلیتے تو نہ وہ عید عید تھی نہ وہ نماز نماز، نہ وہ جماعت جماعت، تفریق کاہے کی ہُوتی! اب صورتِ تفریق تو نہ ہُوئی مگر حقیقۃً ابطال ہوگیا، نماز بھی گئی، سب گنہگار ہوئے، اگرچہ واقعہ میں عید جمعہ کی تھی۔ واللہ تعالٰے اعلم

مسئلہ ۱۸۰: از ریاست چھتاری ضلع بلند شہر مسئولہ عبدالغفور خاں صاحب محلہ کٹرہ ۱۵ صفر ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ ہمارے قصبہ میں ہلال رمضان شب پنجشنبہ میں دیکھا گیا اور پنجشنبہ کا روزہ ہوا، ۲۰ روز بعد مولوی ناظر حسن دیوبندی کا ایک خط بنام رئیس پہنچا جس کا مضمون یہ تھا کہ

---

[1] صحیح بخاری باب اذا رأیتم الھلال فصوموا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۶

[2] درمختار باب کتاب القاضی الی القاضی وغیرہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۸۳

الاشباہ والنظائر کتاب القضاء والشہادات الخ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۳۳۸

دیوبند میں کچھ آدمی بہرائچ کے آئے اور اُن سے تحقیق ہُوا کہ رؤیت ہلال شب چہارشنبہ میں ہُوئی اور روزہ چہارشنبہ کا ہوا، لہذا علمائے دیوبند نے حکم دیا کہ روزہ چہارشنبہ سے رکھا جائے، جن لوگوں نے جمعرات سے رکھا ہے وہ ایک روزہ قضا رکھیں، اسی بناء پر ۲۳ رمضان کے جمعہ کو اعلان کیا گیا کہ لوگ ایک روزہ قضا رکھیں اور بہر حال میں عید جمعہ سے متجاوز نہ ہوگی۔ جمعرات کو ۲۹ رمضان تھی باوجود صاف ہونے مطلع کے اور کمال کوشش کے چاند نہیں دکھائی دیا حالانکہ قصبہ نے مولوی صاحب کے خط پر استدلال کر کے جمعہ کو عید کا حکم دے دیا، آیا مولوی صاحب کا خط شرعاً قابلِ پابندی ہے اور اس کی بناء پر باوجود عدمِ رؤیت حکم فطر کا صحیح یا غلط ہے اور ہم لوگوں کو اب کیا کرنا چاہئے؟ بینوا رحمکم اللہ تعالٰی بالکتاب (اللہ تعالٰی آپ پر رحم کرے کتاب اللہ سے بیان کیجئے۔ ت) جواب تفصیلاً مع عباراتِ کتب مرحمت ہو اور حمایت فرمائی جائے۔

الجواب

در بارہ ہلال خط اور تار محض بے اعتبار،

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ[1] — حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: چاند دیکھنے پر روزہ رکھو اور چاند دیکھنے پر عید کرو (ت)

ہدایہ و اشباہ و درمختار وغیرہا عامہ کتب میں ہے: الخط لایعمل بہ[2] (خط پر عمل نہیں کیا جاتا۔ ت)

دیوبند والوں کے پاس بہرائچ کے آدمیوں نے اگر یہ بیان کیا کہ وہاں چاند ہُوا یا یہی کہا کہ بہت لوگوں نے دیکھا اور اپنی روایت کی شہادت نہ دی یا دی اور اُن میں کوئی شخص قابل قبول شرع نہ تھا جب تو دیوبندیوں کا وہ حکم ہی سرے سے باطل تھا، اور ایسا نہ بھی ہو تو اس قصبہ والوں کو اس کے خط پر عمل حرام تھا کہ اول تو خط در بارہ ہلال خود ہی مردود، دوسرے وہ بھی ایک ایسے فرقے کا جس کا پیشہ توہینِ خدا و رسول جل و علا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، بہر حال گناہ ہُوا اور توبہ لازم۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۸۱: از بلند شہر ڈاکخانہ چھتاری مدرسہ احمدیہ مسئولہ محمد محفوظ الحق قادری ۲۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۴ھ

حضرت مولٰنا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، معروض خدمت شریف ہے کہ جناب والا کا ایک مختصر سا پرچہ جس پر جناب کی مہر لگی ہوتی ہے اور ایک سطر میں یہ عبارت مرقوم ہے (میرے سامنے شہادتیں گزر گئیں کل جمعہ کو عید ہے) خاکسار کو موصول ہُوا اس کے متعلق فتوٰی شرعی دریافت طلب ہے کہ جس جگہ یہ پرچہ

---

[1] صحیح بخاری — باب اذا رأیتم الہلال فصوموا — قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۶

[2] درمختار — باب کتاب القاضی الی القاضی وغیرہ — مطبع مجتبائی دہلی ۲/۸۴

الاشباہ والنظائر — کتاب القضاء والشہادات الخ — ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۳۳۸

پہنچے تو وہاں کے لوگوں کو جمعہ کو عید کرنا لازم تھی یا نہیں اور روزے توڑ دینا ضرور تھے یا نہیں اور اس کی عام تشہیر اور دیگر بلاد میں اشاعت سے کیا مفاد تھا؟ بینوا توجروا

الجواب

وہ پرچے دیگر بلاد میں نہ بھیجے گئے، تقسیم کرنے والوں نے اسٹیشن پر بھی دئے، ان میں سے کوئی لے گیا ہوگا۔ بعض لوگوں نے پیلی بھیت کے واسطے چاہا اور ان کو جواب دے دیا گیا کہ جب تک دو شاہد عادل لے کر نہ جائیں پرچہ کافی نہ ہوگا اور بلاد بعیدہ کو کیونکر بھیجے جاتے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۸۲ تا ۱۸۴: از راجپوتانہ چتوڑگڑھ عبدالکریم ۱۰ شوال المکرم ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ان عبارات کی بنا پر

قال فی العیون والفتوی علی قولھما اذا تیقن انہ خطہ سواء کان فی القضاء اوالرؤیۃ او الشھادۃ فی الصك وان لم یکن الصك فی ید الشاھد لان الغلط نادر واثر التغییر یمکن الاطلاع علیہ وقلما یشتبہ الخط من کل وجہ فاذا تیقن ذٰلك جاز الاعتماد علیہ توسعۃ علی الناس[1]۔

عیون میں ہے فتوٰی اس وقت صاحبین کے قول پر ہے جب یہ یقین ہو کہ فلاں کا خط ہے خواہ قضاء کا معاملہ ہو یا رؤیت وشہادتِ اشٹام کا، اگرچہ اشٹام گواہ کے ہاتھ میں نہ ہو کیونکہ غلط ہونا نادر الوقوع ہے اور تبدیلی پر اطلاع ممکن ہے اور بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ تحریر دوسری تحریر کے کلیۃً مشابہ ہو تو جب اسے خط کا یقین ہو تو لوگوں پر آسانی کی خاطر اس پر اعتماد جائز ہے (ت)

اور اما خط البیاع والصراف والسمسار فھو حجۃ وان لم یکن مصدرا معنونا یعرف ظاھرا بین الناس وکذٰلك مایکتب الناس فیما بینھم یجب ان یکون حجۃ للعرف[2]۔

عام خرید وفروخت کرنے والے، سونے چاندی کا سودا کرنے والے اور دلال کا خط تمہید، تقریر اور عنوان کے بغیر بھی حجت ہے جو لوگوں میں واضح طور پر معروف ہیں، اور یونہی لوگوں کی آپس کی خط وکتابت عرف کی بناء پر حجت ہونا واجب ہے۔ (ت)

---

[1] غمز العیون البصائر مع الاشباہ کتاب القضاء والشہادات الخ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۳۳۸
ردالمحتار باب کتاب القاضی الی القاضی الخ مصطفی البابی مصر ۴/ ۳۹۳

[2] " " " " " ۴/ ۳۹۲

فتوٰی دیا جاسکتا ہے کہ رؤیت ہلال کی شہادت کے لیے کسی عزیز کا خط جو اس کی طرز عبارت اور رات دن کی تحریر سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ضرور اسی کا خط ہے معتبر ہوسکتا ہے یا نہیں؟

(۲) اگر کسی دینی معاملہ میں خط معتبر نہ ہوگا جو علماء دُور دراز سے فتوٰی تحریر کرتے ہیں اس پر کیسے اعتماد ہو؟

(۳) بالخصوص رمضان شریف کے چاند کے لیے بجائے شہادت کے صرف خبر ہی کافی ہے اس کے لیے بھی خط معتبر ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

حکم اللہ و رسول کے لیے (جل جلالہ، وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) تمام کتب میں تصریح ہے:

الخط لایعمل بہ، الخط یشبہ الخط، الخاتم یشبہ الخاتم[1] — خط پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔ خط، خط کے مشابہ اور مُہر مُہر کے مشابہ ہوتی ہے۔(ت)

بیاع وصراف وسمسار کے خطوط بالاجماع مستثنٰی ہیں علی خلاف القیاس لضرورۃ الناس وما کان خلاف القیاس لایجوز القیاس علیہ، مکاتبات ناس فیما بینھم (لوگوں کی ضرورت کے پیشِ نظر خلاف قیاس حجت ہیں اور جو خلافِ قیاس ہو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، لوگوں کی آپس کی خط و کتابت اور چیز ہے۔ت) دوسری چیز ہے، امر ہلال فیما بینھم و بین ربھم (ان کے اور ان کے رب کے درمیان معاملہ ہے۔ت)۔ متون و شروح و فتاوٰی تمام کتب معتمدہ مذہب دیکھ لیے جائیں جہاں یہ گنتی کے استثنا وہ بھی بہت مباحث کے ساتھ کرتے ہیں کہیں بھی ہلال کا استثنا ہے تو اپنی طرف سے زیادت فی الشرع کیونکر جائز ہوئی، قاضی الشرق والغرب نے شاہد کے اپنے خط کا استثنا فرمایا جس کے ساتھ سو وجوہ مذکور ہوسکتی ہیں اور اپنے خط کا اشتباہ بغایت بعید ہے انھوں نے بھی کہیں ہلال میں خط کا اعتبار فرمایا، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اللہ امدہ لرؤیتہ[2] (اللہ تعالٰی نے اس کا مدار رؤیت پر رکھا ہے۔ت)

اور فرماتے ہیں:

صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ[3] — چاند دیکھنے پر روزہ رکھو اور چاند دیکھنے پر عید کرو۔(ت)

---

[1] الاشباہ والنظائر ۱/۳۳۸ و الہدایۃ کتاب الشہادۃ ۳/۱۵۷ و فتاوٰی ہندیہ ۳/۳۸۱

[2] سنن الدارقطنی — کتاب الصیام حدیث ۲۶ — نشر السنۃ ملتان — ۲/۱۶۲

[3] صحیح بخاری — باب اذا رأیتم الہلال فصوموا — قدیمی کتب خانہ کراچی — ۱/۲۵۶

تمام کتب میں تصریح ہے کہ خود رؤیت ہو یا دوسری جگہ کی رؤیت بطریق موجب ثابت ہو اور ان طرق موجبہ کی بھی تفصیل فرماتے ہیں کہ شہادت ہو یا شہادۃ علی الشہادۃ یا شہادۃ علی الحکم یا استفاضہ مع تحقیق مجرد حکایت اگرچہ متعدد ثقات عدول کریں تصریح ہے کہ مقبول نہیں، حتی کہ ہلال رمضان میں لفظ اشہد کی حاجت نہیں پھر خط کہ حکایت مجردہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا بلکہ اکثر اوقات اسکے برابر بھی نہیں ہوسکتا جیسے ڈاک کا خط کہ وسائط مجاہیل بلکہ اکثر بذریعہ کفار آتا ہے کیونکر کوئی چیز ہوسکتا ہے والتفصیل فی رسائلنا (اور تفصیل ہمارے رسالوں میں ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۸۵ تا ۱۹۳ ازرائے پورسی پی محلہ بیجناتھ پارہ مرسلہ بہادر علی خاں سپرنٹنڈنٹ پنشنر محکمہ بندوبست
۲۴ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

(۱) رؤیت ہلال کے بارے میں تار اور خط کی خبریں معتبر ہیں یا نہیں؟

(۲) جہاں چاند ۲۹ کو نظر نہ آئے وہاں چاند کی رؤیت امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک کن کن ذرائع سے ثابت ہوسکتی ہے؟

(۳) اخباروں کے اندر جو لفظ تاریخ ماہ لکھی ہوتی ہے مثلاً ۲ شعبان یا ۱۵ رمضان یا ۳ ذی الحجہ، اور رؤیت ہلال کا ذکر نہیں ہوتا تو فقط تاریخ لکھ دینے سے وہاں جہاں ۲۹ کو رؤیت نہ ہوئی اُس ماہ کے ہلال کی رؤیت ثابت ہوسکتی ہے۔

(۴) یہ جو فقہاء نے فرمایا کہ ۲۹ کو اگر چاند نظر نہ آئے تو ۳۰ دن پُورے کرنا چاہئیں تو رمضان اور عید الفطر کے ساتھ خاص یا سب ماہ کے لئے ہے۔

(۵) جنتری کے حساب سے روزہ رکھنا یا عید کرنا یا کسی دیگر ماہ کی تاریخ مقرر کرنا درست ہے۔

(۶) شعبان کی ۲۹ کو چاند نظر نہ آئے اور افواہ ہو کہ چاند ہوگیا لیکن شہادت دینے والا نہ ملے تو شب کو تراویح مع جماعت کرنا جائز ہے یا نہیں اور صبح کو روزہ رکھنا درست ہے یا نہیں؟

(۷) یہ جو مشہور ہے کہ رجب کی چوتھی جس دن کی ہوتی ہے اُسی دن رمضان کی پہلی ہوتی ہے اور جو شوال کی پہلی ہوتی ہے اُسی روز عاشورہ ہوتا ہے یہ معتبر ہے یا نہیں؟

(۸) اگر کسی جگہ سے ایک یا دو آدمی آکر فقط اتنا کہیں کہ ہمارے شہر فلاں دن عید ہے اور چاند کی رؤیت کا ذکر نہ کریں نہ اپنا نہ دُوسروں کا، تو ان کی اس خبر پر اس شہر والے عید کرسکتے ہیں یا نہیں؟

(۹) اگر متواتر یا تین ماہ میں رؤیت کے دن ابر ہوجائے تو ایسے موقع پر ایک ماہ ۲۹ کا اور ایک ماہ تیس کا لے کر عید لوگ اپنی رائے سے مقرر کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر یُونہی مقرر کرکے عید کرلی تو نماز ہُوئی یا نہیں؟ اور اگر اکثر شہر کے لوگوں نے یونہی عید کی اور سو پچاس نے خلاف کیا اور دوسرے دن نماز عید پڑھی تو حق پر

کون ہے، کثیر یا قلیل؟

الجواب

(۱) رؤیت ہلال میں تار اور خط اصلاً معتبر نہیں، تار کی حالت تو خط سے بھی نہایت ردی ہے کہ وہ نہ مرسل کے ہاتھ کا لکھا ہوتا ہے نہ اُس پر اُس کے دستخط ہوتے ہیں نہ اُس کی مُہر ہوسکتی ہے اور ذرائع وصول مجاہیل بلکہ اکثر کفار ہوتے ہیں اور خط ان سب وجوہ سے اُس پر فائق ہوسکتا ہے باایں ہمہ تمام کتبِ مذہب میں تصریح ہے کہ خط کا اعتبار نہیں، نہ اس پر عمل ہوسکے کہ خط خط کے مشل ہوتا ہے اور مُہر مُہر کی مثل بن سکتی ہے۔ اشباہ میں ہے:

لایعتمد علی الخط و لا یعمل بہ[1]۔ خط پر نہ تو اعتماد کیا جائے گا اور نہ ہی عمل۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

الخط یشبہ الخط فلا یحصل العلم[2]۔ تحریر تحریر کے مشابہ ہوتی ہے تو اس سے علم یقینی حاصل نہ ہوگا۔ (ت)

عالمگیریہ میں ہے:

الکتاب قد یزور و یفتعل و الخط یشبہ الخط و الخاتم یشبہ الخاتم[3]۔ تحریر میں جھوٹ اور جعلسازی ہوسکتی ہے۔ خط خط کے اور مُہر مُہر کے مشابہ ہوسکتی ہے۔ (ت)

اس مسئلہ کی پُوری تفصیل ہمارے رسالہ ازکی الھلال بابطال ما احدث الناس فی امر الھلال میں ہے۔

(۲) ثبوتِ ہلال کے لیے ضرور ہے کہ یا تو رؤیت پر علینی شہادت ہو یا علینی شاہدوں نے جن شاہدوں کو حسبِ شرائطِ شرعیہ اپنی شہادت کا حامل کیا ہو اُن کی شہادت شہادت پر ہو یا حاکمِ شرعی کے حکمِ شرعی پر شہادت بروجہِ شرعی ہو یا شرائطِ معتبرہ فقیہہ کے ساتھ کتاب القاضی الی القاضی ہو یا جس شہر میں قاضیِ شرع ہو اور اس کے حکم سے وہاں روزہ و عید ہُوا کرتے ہیں وہاں سے لوگ گروہ کے گروہ آئیں اور بالاتفاق اُس حاکمِ شرع کا حکم بیان کریں، اور ان میں سے کچھ نہ ہو تو اخیر درجہ تیس کی گنتی پُوری کرنا ہے یعنی جب اگلے مہینہ کی رؤیت ہولی یا کافی ثبوتِ شرعی سے ثابت ہُوئی اور اس مہینے میں ۲۹ کو رؤیت نہ ہُوئی تو تیس دن پُورے ہوکر ہلال خواہی نخواہی ہوگا کہ شرعی مہینہ تیس سے زائد نہیں ہوسکتا، ان طریقوں اور ان کی شرائط کا مفصل اور مدلل بیان ہمارے رسالہ

---

[1] الاشباہ والنظائر کتاب القضاء والشہادات والدعاوی ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۳۳۸

[2] ہدایہ کتاب الشہادۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۵۷

[3] فتاوٰی ہندیہ الباب الثالث والعشرون فی کتاب القاضی الی القاضی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۸۱

طرق اثباتِ ہلال میں ہے۔

(۳) اخباروں کا صرف تاریخ لکھنا تو کوئی چیز نہیں، اخباروں میں اگر رؤیت کی خبر چھپے تو وہ بھی محض نامعتبر ہے کہ نہ شہادت علی الرؤیۃ ہے نہ شہادت علی الشہادت، نہ شہادت علی الحکم، پھرا خبار نہیں مگر ایک خط اور اُوپر گزرا کہ ان امور میں خط اصلاً معتبر نہیں، خصوصاً اخباری دُنیا کہ بے سروپا اُڑانے میں ضرب المثل ہے۔

(۴) یہ حکم بارہ مہینے کے لیے ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک بار دسوں انگشتانِ مبارک تین دفعہ اٹھاکر فرمایا: الشھر ھکذا وھکذا وھکذا[1] مہینہ اتنا اور اتنا اور اتنا ہوتا ہے، یعنی تیس۳۰ دن کا۔ اور ایک بار دسوں انگشت مبارک تین دفعہ اٹھائیں مگر اخیر میں ایک انگشت مبارک بند فرماکر فرمایا: الشھر ھکذا وھکذا وھکذا[2] مہینہ اتنا اور اتنا اور اتنا ہوتا ہے، یعنی ۲۹ دن کا۔ تو کوئی قمری عربی مہینہ کہ یہی شریعتِ مطہرہ میں معتبر ہیں نہ ۲۹ دن سے کم ہوسکتا ہے نہ تیس۳۰ سے زائد، جس مہینے کی رؤیت کافی ثبوتِ شرعی سے ثابت ہو اور اس کی ۲۹ کو رؤیت نہ ہو تو ۳۰ پورے کرکے خواہی نخواہی دوسرے مہینے کا ہلال ہے۔

(۵) شریعتِ مطہرہ میں جنتری کا حساب اصلاً معتبر نہیں، درمختار میں ہے: وقول اولی التوقیت لیس بموجب[3] (اہلِ توقیت کا قول سببِ وجوب نہیں بن سکتا۔ ت) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: انا امۃ امیۃ لانکتب ولا نحسب[4] (ہم بظاہر ان پڑھ ہیں نہ لکھتے ہیں نہ حساب کرتے ہیں۔ ت) یہ ان کے بارے میں ہے جو واقعی ہیئت داں تھے، نہ کہ آج کل کے جنتری والے جنھیں ہیئت کی ہوا بھی نہیں لگی، بڑے بڑے نامی جنتری دانوں کی نہایت واضح تقاویم شمسیہ میں وہ اغلاط فاحشہ دیکھے ہیں کہ مدہوش کے سوا دوسرے سے متوقع نہیں تا بہ حساب ہلال چہ رسد حساب ہلال وہ دشوار چیز ہے جہاں اہلِ ہیئت کے مسلم امام بطلیموس نے گھٹنے ٹیک دئے مجسطی میں ظہور وخفائے کواکب وثوابت تک کے لیے باب وضع کیا اور ظہور ہلال کو ہاتھ نہ لگایا۔

(۶) ایسی صورت میں نہ شب کو تراویح پڑھنی جائز، نہ صبح کو روزۂ رمضان رکھنا حلال، اما الثانی فللحدیث واما الاول فللتداعی فی النفل (دوسرا حدیث کی وجہ سے اور پہلا نفل کی طرف تداعی کی وجہ سے منع ہے۔ ت) بلکہ اگر جماعت نہ کریں اکیلے ہی اکیلے بیس۲۰ رکعتیں پڑھیں اور تراویح کی نیت کریں جب بھی شرع مطہر

---

[1] صحیح بخاری | باب اذا رأیتم الھلال فصوموا | قدیمی کتب خانہ کراچی | ۱/۲۵۶

[2] 〃 | 〃 〃 〃 | 〃 | ۱/۲۵۶

[3] درمختار | کتاب الصوم | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۴۸

[4] صحیح بخاری | باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لانکتب الخ | قدیمی کتب خانہ کراچی | ۱/۲۵۶

سنن ابی داؤد | باب الشھر یکون تسع وعشرین | آفتاب عالم پریس لاہور | ۱/۳۱۷

پر زیادت کرنے والے ہوں گے کہ تراویح شرع مطہر نے شب ہائے رمضان میں رکھی ہیں اور یہ رات اُن کے لیے شبِ رمضان نہیں۔

(۷) یہ محض بے اصل ہے اور تجربہ بھی اس کے خلاف پر شاہد، اور اس پر اعتماد شرعاً ہرگز جائز نہیں، والمسئلة فی البزازیة وخزانة المفتین وغیرھما (یہ مسئلہ بزازیہ اور خزانۃ المفتین وغیرہ میں ہے۔ت) تمام قیاسات وحسابات وقرائن کہ عوام میں مشہور ہیں شرعاً باطل ومہجور ہیں صرف انہی طریقوں پر اعتماد جائز ہے جو جوابِ سوال دوم میں گزرے اور ہمارے رسالہ طرق اثباتِ ہلال میں مفصل مذکور ہیں وبس۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۸) فقط اتنی خبر پر عید کرنا حرام ہے۔ فتح القدیر وبحرالرائق وعالمگیری میں ہے:

لوشھد جماعة ان اھل بلدة قد رأوا ھلال رمضان قبلکم بیوم فصاموا وھذا الیوم ثلثون بحسابھم ولم یر ھؤلاء الھلال لایباح فطر غد ولایترك التراویح فی ھذہ اللیلة لانھم لم یشھدوا بالرؤیة ولاعلی شھادة غیرھم وانما حکوا رؤیة غیرھم[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اگر کسی جماعت نے گواہی دی کہ فلاں اہلِ شہر نے تم سے پہلے ایک دن رمضان کا چاند دیکھا اور انھوں نے روزہ رکھا، ان کے حساب سے آج کا دن تیسواں ہے جبکہ خود ان لوگوں نے چاند نہیں دیکھا تھا تو ان کو آئندہ دن کا روزہ چھوڑنا جائز نہیں اور نہ ہی اس رات کی تراویح کو ترک کرنا مباح ہوگا کیونکہ گواہوں نے چاند کی رؤیت پر گواہی نہیں، اور نہ ہی غیر کی شہادت پر گواہی ہے بلکہ اُنھوں نے صرف غیر کی رؤیت حکایت کی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۹) جب تک رؤیت نہ ہو یا ثبوت صحیح شرعی سے ثابت نہ ہو ہر مہینہ تیس کا لیا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

فان غم علیکم فاکملوا العدة ثلاثین[2]۔ چاند تم پر پوشیدہ رہے تو تیس کی گنتی پوری کرو (ت)

یہ قاعدہ کہ ایک مہینہ ۳۰ اور ایک ۲۹ کا محض باطل ہے جس کے بطلان پر مشاہدہ شاہد عادل ہے کئی کئی مہینے متواتر ۳۰ کے ہوجاتے ہیں اور کئی کئی ۲۹ کے، اور علمِ ہیئت کی رُو سے ۴ مہینے پے درپے ۳۰ کے ہوسکتے ہیں اور تین ۲۹ کے،

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الثانی فی رؤیۃ الہلال الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۹۹

[2] سنن دارقطنی کتاب الصیام حدیث ۲۶ نشر السنۃ ملتان ۲/ ۱۶۲

كما هو مصرح به في الزيجات القديمة و الجديدة وشروحها واحالوه على التجربة والاستقراء ومنهم من تكلف بيانه بالاستدلال ولم يتم۔

جیسا کہ قدیم وجدید زائچوں اور ان کی شروح میں اس پر تصریح ہے اور انھوں نے اسے تجربہ اور تتبع کے سپرد کر دیا ہے بعض نے استدلال کرنے کی کوشش کی وُہ کامیاب نہ ہوسکے۔ (ت)

شریعت مطہرہ میں ہیئت والوں کی اس تحدید استقرائی کا بھی اعتبار نہیں۔ ثبوت شرعی سے اگر ۴ مہینے لگاتار ۲۹ کے ہوں تو مانے جائیں گے، اور مثلاً چھ مہینے متواتر روزِ ہلال ابر رہے اور ثبوت نہ ہو تو سب مہینے ۳۰ کے لیے جائیں گے لان الثابت لایزول بالشك (کیونکہ ثابت شدہ شئی کا زوال شک سے نہیں ہوتا۔ ت) جن لوگوں نے ایک مہینہ ۳۰ اور ایک ۲۹ کا لے کر عید کرلی اُن کی وُہ عید اور نماز سب باطل ہُوئی اور ان پر چار گناہ رہے:

اوّل گناہ عظیم روزہ رمضان کا عمداً ترک کہ وُہ اُن کے لیے رمضان تھا۔

دوم نفل کا بجماعت کثیرہ پڑھنا کہ وُہ نمازِ عید کہ اُنھوں نے پڑھی نمازِ عید نہ تھی نافلہ محضہ ہُوئی اور نفل کا جماعت کثیر کرکے پڑھنا گناہ۔

سوم واجب نمازِ عید کا ترک کہ دُوسرے دن اُن کے لیے عید تھی اُس دن نماز نہ پڑھی۔

چہارم شریعت میں دل سے نیا حکم گھڑنے کا وبال شدید سب سے علاوہ، اگرچہ بعد کو تحقیق ہوجائے کہ جس دن انھوں نے نماز پڑھی واقعی اُسی دن عید تھی، اگرچہ وہ سارا شہر ہو، اور جنھوں نے تیس تیس کی گنتی پُوری کرکے عید کی اُن کی عید اور نماز سب صحیح ہُوئی اور وُہ ان سب گناہوں سے بچے، اگرچہ بعد کو تحقیق ہو کہ عید ایک دن یا دو دن پہلے تھی اگرچہ صرف یہ دو ہی شخص ہوں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۹۴ ازکٹرہ مرسلہ حافظ جعفوخاں ۲۹ شعبان ۱۳۰۰ھ

بعد سلام مسنون کے گزارش یہ ہے تراویح اور روزہ کے بارے میں کیا حکم ہے بموجب شرع شریف کے کیفیت یہ ہے مولوی محمد شکر اللہ صاحب کا بیان ہے کہ گردونواح بنارس کے حساب سے آج تاریخ ۳۰ ہے مولوی صاحب تشریف بنارس لائے ہیں۔ مولوی محمد احسان کریم صاحب کا یہ بیان ہے کہ بچشم خود چاند شعبان کا دیکھا اُس کے حساب سے آج تیس ہے۔ حافظ حبیب الحسن صاحب کا بیان ہے دو شخصوں معتبر نے چاند شعبان کا بیان کیا دیکھا اُس کے حساب سے آج ۳۰ شعبان ہے، اور مولوی محمد شکر اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ چند صاحبان معتبر نے چاند شعبان کا دیکھنا بیان کیا اور میں بنارس میں موجود تھا۔

الجواب

بعد از ماھو المسنون، مولوی شکر اللہ صاحب کا پہلا بیان کہ گردونواح بنارس کے حساب سے

آج تیس۳۰ ہے مجرد حکایت ہے کہ شرعاً مقبول نہیں۔

فی الدرالمختار لا لوشھدوا برؤیۃ غیرھم لانہ حکایۃ۔[1]

درمختار میں ہے اگر غیر کے دیکھنے پر گواہی دی تو مقبول نہ ہوگی کیونکہ یہ حکایت ہے (ت)

مولوی احسان کریم صاحب تنہا ہیں اور ہلال شعبان میں ایک کی گواہی معتبر نہیں۔

فی ردالمحتار وبقیۃ الاشھر التسعۃ فلا یقبل فیھا الاشھادۃ رجلین اورجل و امرأتین عدول احرار غیرمحدود ین کما فی سائر الاحکام۔[2]

ردالمحتار میں ہے باقی نو مہینوں کے ثبوت کے لیے ایک کی گواہی معتبر نہیں بلکہ دو مرد یا ایک مرد اور دو خواتین جو عادل، آزاد ہوں اور حدِ قذف ان پر نافذ نہ ہوئی ہو جیسا کہ دیگر احکام میں ہے۔ (ت)

حافظ حبیب الحسن صاحب کا بیان اور مولوی شکر اللہ صاحب کی دوسری تقریر بالفرض اگر شہادت علی الشہادت مانی جائے تو عدد ناقص،

فی ردالمحتار لاتقبل مالم یشھد علی شھادۃ کل رجل رجلان او رجل وامرأتان۔[3]

ردالمحتار میں ہے اس وقت تک شہادت پر شہادت قبول نہیں کی جائے گی جب تک ایک شخص کی شہادت پر دو مرد یا ایک مرد اور دو خواتین شہادت نہ دیں (ت)

بالجملہ ان بیانوں میں ایک بھی قابلِ اعتبار شرعی نہیں اور حکم شرعی قاعدہ شرعیہ ہی کے طور پر ثابت ہو سکتا، نہ مجرد خیالات پر۔ مطلع شعبان کا نہایت صاف تھا اور بہت آدمی چاند دیکھتے رہے کسی کو نظر نہ آیا، اب اگرچہ عنداللہ آج ۳۰ ہی سہی مگر شرع بے ثبوت شرعی کیونکر حکم دے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۹۵: از کلکتہ دھرم تلا ۶ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں کلکتہ میں ۲۹ شعبان روز پنجشنبہ شام کو مطلع بالکل صاف تھا سب لوگوں نے چاند پر غور کیا رؤیت نہ ہوئی مگر ایک پیر صاحب نے پیش گوئی کی تھی کہ جمعہ کو یکم رمضان ہوگی اُن کے معتقدین نے بلا رؤیت جمعہ سے روزہ رکھ لیا اب ایک صاحب کہ شاید بغداد شریف کے ہیں یہاں آئے اُن پیر صاحب نے انہیں پیش کیا اپنی پیشگوئی کی تصدیق کے لیے انہوں نے اپنی رؤیت

---

[1] درمختار | کتاب الصوم | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/ ۱۴۹
[2] ردالمحتار | " | مصطفی البابی مصر | ۲/ ۱۰۳
[3] " | " | " | ۲/ ۹۹

نہر سویز میں شام پنجشنبہ کی بیان کی، پھر اُسی جلسہ میں دوسرا شخص کھڑا ہُوا کہ میں نے اور بہت آدمیوں نے امرتسر میں شام پنجشنبہ کو دیکھا، یونہی تیسرے شخص نے کہ وُہ بھی کہیں سے آیا ہے اُس جلسہ سے جُدا اپنی رؤیت بیان کی مگر یہ سب لوگ اُن پیر صاحب کے موافقین میں اس صورت میں رمضان شریف کی پہلی بروز جمعہ قرار پائیگی اور روزہ جمعہ کا کلکتہ والوں اور دوسرے ہندوستان پر فرض ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں وُہ پیشگوئی اور بلارؤیت اس پر عمل کرنے والے سب گنہگار ہُوئے اگرچہ اب کیسے ہی قطعی ثبوت سے یکم جمعہ کی ثابت ہوجائے کہ جس وقت انھوں نے حکم دیا اور عمل کیا تھا اُس وقت تو ثبوت شرعی نہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں، صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ[۱] (چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر ہی عید کرو۔ ت) دوسری حدیث میں ہے:

لاتقدموا الشھر حتی تروا الھلال وتکملوا العدۃ[۲] الحدیث رواہ ابوداؤد والنسائی۔

چاند دیکھنے سے پہلے مہینے کو شروع نہ کرو بلکہ گنتی پوری کرو، الحدیث، اسے ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے (ت)

جب صوم شک کے لیے ہے قد عصی اباالقاسم محمدا[۳] صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اُس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔ تو باوصف صفائی مطلع رؤیت نہ ہونے پر رمضان بنالینا کیسی سخت بیباکی و نافرمانی تھی، رہا ان گواہیوں کا حال مذہب مشہور و مختار متون و مصحح کبار ائمہ پر تو یہ شہادت محض مہمل و نامسموع ہیں کہ بحالت صفائی مطلع دو چار کی شہادت سے کچھ نہیں ہوتا جمع عظیم چاہئے، اور جبکہ مسلمین نے تلاش ہلال میں تقصیر و تکاسل کو راہ نہ دی جیسا کہ بحمداللہ تعالٰی اب یہاں مشاہد ہے تو ایسی جگہ اُس روایت پر عمل کی بھی ضرورت تحقیق نہیں کہ دو کافی ہیں۔

فی الدرالمختار قیل بلاعلۃ جمع عظیم لیقع العلم بخبرھم وھو مفوض الی رأی الامام من غیر تقدیر

درمختار میں ہے کہ اگر بادل وغیرہ نہ ہو تو ایک بڑی جماعت کی گواہی ضروری ہے تاکہ ان کی خبر سے یقین حاصل ہوجائے اور مذہب کے مطابق یہاں جماعت

---

[۱] صحیح بخاری — باب اذا رأیتم الہلال فصوموا — قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۶
[۲] سنن ابی داؤد — باب اذا اغمی الشھر — آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۳۱۸
[۳] صحیح البخاری — باب اذا رأیتم الہلال فصوموا — قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۶

2

بعدد علی المذهب وعن الامام انه یکتفی بشاهدین واختارہ فی البحر[1] اھ ملخصا فی ردالمحتار قوله وهو مفوض قال فی السراج الصحیح انه مفوض الی رأی الامام ان وقع فی قلبه صحة ماشهدوا به وکثرت الشهود امر بالصوم اھ وکذا صححه فی المواهب وتبعه الشرنبلالی وفی البحر عن الفتح والحق ان العبرة بمجیئ الخبر وتواتره من کل جانب اھ وفی النهر انه موافق لما صححه فی السراج تامل، قوله واختارہ فی البحر حیث قال وینبغی العمل علی هذه الروایة فی زماننا لان الناس تکاسلت عن ترائی الاهلة فانتفی قولهم مع توجههم طالبین لما توجه هو الیه فکان التفرد غیر ظاهر فی الغلط[2] الخ اھ ملخصا

کی تعداد کا کوئی تعین نہیں بلکہ قاضی کی رائے پر منحصر ہے اور امام سے یہ بھی مروی ہے کہ دو گواہ کافی ہیں، بحر میں اسے اختیار کیا گیا ہے اھ ملخصاً۔ ردالمحتار میں قولہ مفوض، سراج میں ہے کہ یہی صحیح ہے کہ قاضی کی رائے پر منحصر ہے کہ اگر گواہی اور کثرتِ شہود کی بنا پر اس کے دل میں اس کی صحت کا یقین ہوجائے تو وہ روزے کا حکم دے اھ مواہب میں اسی کی تصحیح کی ہے اور اسی کی اتباع شرنبلالی نے کی ہے، اور بحر میں فتح سے ہے کہ حق یہ ہے کہ ہر جانب سے خبر کے آنے اور تواتر سے اس کے ثبوت کا اعتبار ہے اھ اور نہر میں ہے کہ یہ اسی کے موافق ہے جس کی تصحیح سراج میں ہے تامل، قولہ بحر نے اسی کو اختیار کیا ہے، عبارتِ بحر یہ ہے ہمارے زمانے میں اس روایت پر عمل ہونا چاہئے، کیونکہ لوگ چاند دیکھنے میں سستی کرتے ہیں، تو اس سے فقہاء کا ایک شخص کے دیکھنے اور اس کی خبر کو رد کرنے کے متعلق یہ قول کہ کثیر لوگوں کی طلب وتلاش کے باوجود وہاں ایک شخص کو نظر آتا ہے تو اس ایک کی خبر کا غلط ہونا غیر ظاہر ہے، ختم ہوجاتا ہے الخ اھ ملخصا (ت)

مگر راجح یہ ہے کہ جب شاہد میں کوئی خصوصیتِ خاصہ ایسی ہو جس سے اُس کا دیکھنا اور اوروں کو نظر نہ آنا مستبعد نہ رہے، مثلاً عام لوگ شہر میں تھے اس نے جنگل میں دیکھا یا وہ زمین پر تھے اس نے بلندی پر دیکھا تو دربارہ ہلال رمضان المبارک ایسے ایک کی بھی گواہی مقبول ہوگی جبکہ وہ شرعاً قابلِ قبول شہادت ہو،

فی الدرالمختار وصحح فی الاقضیة الاکتفاء بواحد ان جاء من خارج البلد او

درمختار میں ہے اور الاقضیہ میں صحیح قرار دیا ہے کہ ایک کی گواہی پر اکتفا کر لیا جائے

---

[1] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱۴۸/۱

[2] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۱۰۱/۲

کان علی مکان مرتفع واختارہ ظہیر الدین[1]۔ جب وہ خارج شہر سے آیا ہو یا وُہ کسی بلند جگہ پر ہو اسے ظہیر الدین نے پسند کیا ہے (ت)

صورتِ مستفسرہ میں شاہد بغدادی میں خصوصیت مذکورہ تو بیشک ہے کہ اگر یہ بیان صحیح ہے تو ایک تو آبادی سے دور، دوسرے دریا کہ اُس کی ہوا گرد وغبار و دُخان سے صاف تر ہوتی ہے، پھر کلکتہ کا طول بلد نہر سویز سے اتنا زائد کہ کلکتہ میں پہر بھر رات سے زائد گزر لیتی ہے تو وہاں شام ہوتی ہے، اس مدت میں چاند آفتاب سے اور زیادہ ہٹ آئے گا اور رؤیت آسان تر ہوگی بلکہ یہ وجہ گواہِ امرتسری میں ہے کہ اقل درجہ بہتّر میل کے تفاوت طول پر ایسا فرق ممکن ہے،

کما اعتمد علیہ التاج التبریزی الشامی عن شرح المنہاج للرملی۔ جیسا کہ اس پر تاج تبریزی شامی نے رملی کی شرح منہاج سے نقل کرتے ہوئے اعتماد کیا ہے (ت)

بس یہ دیکھنا رہا کہ یہ گواہ خود بھی مقبول الشہادۃ ہیں یا نہیں، اگر خصوصیت مذکورہ کے ساتھ ایک گواہ بھی مستور الحال تک ہے یعنی اس کے وضع لباس حرفت معیشت کلام وغیرہ سے اُس کا مرتکب کبیرہ یا مصر صغیرہ یا خفیف الحرکات ہونا ظاہر نہیں، نہ کسی دوسرے طریقہ سے اس میں یہ امور معلوم تو ازانجا کہ ہلال رمضان مبارک میں مستور کی گواہی بھی مقبول ہے،

کما نص علیہ الامام ابو عبد اللہ الحاکم الشہید فی الکافی۔ جیسا کہ اس پر امام ابو عبد اللہ الحاکم شہید نے الکافی میں تصریح کی ہے (ت)

اُس کی شہادت مان کر روزۂ جمعہ کی قضاء کی جائے گی مگر جبکہ گواہ کی حالت اور پیر مسطور سے اُس کی شدتِ عقیدت پر نظر کرنے سے وہ اس کی بات سچی بنانے پر متہم ٹھہرتا ہو جیسا کہ آجکل بہت لاُابالی لوگوں کا اپنے ساختہ مشائخ کے ساتھ حال ہے تو البتہ اس کی گواہی نہ سُنی جائے گی کہ تہمت بھی اسبابِ ردِّ شہادت سے ہے،

فی الدر المختار امیر کبیر ادعی فشھد لہ عمالہ وتوابعہ ورعایاھم لاتقبل[2] اھ قال العلامۃ الرملی یؤخذ منہ ان شہادۃ خدامہ الملازمین لہ ملازمۃ کملازمۃ العبد لمولاہ کذلک لاتقبل وھو ظاھر درمختار میں ہے کسی بڑے امیر نے دعوٰی کیا اس کے عمال، نائبین اور رعایا اس پر گواہی دیں تو یہ مقبول نہ ہوگی اھ علامہ رملی کہتے ہیں کہ اس سے متفرع ہوجاتا ہے کہ اس کے خدام ملازمین کی گواہی اسی طرح ہے جیسے غلام کی گواہی اس کے مولٰی کے حق میں ہو تو وہ بھی مقبول

---

[1] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۸

[2] درمختار باب القبول وعدمہ " ۲/۹۴

لاسیما فی زماننا[1] اھ وفیہ ایضا عن الدرر لاتقبل شھادۃ الاجیر الخاص او الخادم اوالتابع اوالتلمیذ الخاص الذی یعد ضرر استاذہ ضرر نفسہ درر[2] اھ ملتقطا وانت تعلمان حال کثیر من عوام الزمان مع من شیخوہ علیھم ربما یبلغ اشد واکثر من حال النواب والامیر والمستاجر والاجیر فحدث وجد التھمۃ عدم القبول والحکم یدور مع علتہ۔

نہیں اور یہی ظاہر ہے خصوصاً ہمارے زمانے میں اھ اور اسی درمیں یہ بھی ہے کہ اجیر خاص یا خادم یا تابع یا وہ شاگرد جو استاد کی تکلیف کو اپنی تکلیف محسوس کرے، کی گواہی مقبول نہیں درر اھ اختصاراً، اور آپ جانتے ہیں کہ اس دور میں عوام کے ان لوگوں کے ساتھ جنھیں یہ اپنے شیخ بناتے ہیں بعض اوقات نواب، امیر اور مستاجر اور اجیر سے زیادہ شدید ہوتے ہیں تو مقامِ تہمت میں گواہی مقبول نہ ہوگی، اور حکم کا وُرود اس کی علت پر ہوتا ہے۔ (ت)

یُونہی اگر سب گواہ ظاہر الفسق ہیں مثلاً وُہ لوگ کہ جماعت کے پابند نہیں یا ناجائز تماشا دیکھا کرتے یا حرام نوکری یا پیشہ رکھتے یا داڑھی حدِشرع سے کم رکھواتے یا ریشمیں کپڑے یا سونے چاندی کے ناجائز لباس یا زیور پہنا کرتے یا ضروریاتِ دین سے غافل بے علم جاہل ہیں کہ نماز، روزہ، وضو، غسل کے فرائض و شرائط و مفسدات سے آگاہ نہیں یا تجارت کرتے ہیں اور بیع وشراء کے ضروری احکام نہ سیکھے وعلٰی ہذا القیاس جن مسائل کی ضرورت پڑے اُن کی تعلیم سے باز رہنے والے کہ یہ سب فساق مردود الشہادۃ ہیں تو ایسوں کی گواہی تو شرع مطہر میں اصلاً معتبر نہیں،

فی الدرالمختار لاتقبل شھادۃ الجاھل علی العالم لفسقہ بترک مایجب تعلمہ شرعا ومجازف فی کلامہ اویحلف فیہ کثیرا او اعتاد شتم اولادہ اوغیرھم لانہ معصیۃ کبیرۃ کترک جماعۃ وخروج لفرجۃ قدوم امیر ولبس حریر[3] اھ بالتقاط وفیہ سئل القاضی عما یجب علیہ من الفرائض فان لم یعرفھا

درمختار میں ہے جاہل شخص جو ضروری علم شرعی کے ترک، گپ بازی، زیادہ قسمیں کھانے کی عادت، اپنی اولاد اور غیر کو گالی دینے کی عادت جیسے گناہ کبیرہ، ترکِ جماعت، کسی حاکم کے آنے کی خوشی منانے اور ریشم پہننے جیسے امور کی وجہ سے فاسق شخص کی شہادت قبول نہ ہوگی اھ اختصاراً اور اسی میں ہے کہ قاضی کا ان چیزوں کے بارے میں امتحان لیا جائے گا جن سے اس کا

---

[1] منحۃ الخالق علی البحرالرائق بحوالہ الرملی باب من تقبل شہادتہ ۷/ ۹۶ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

[2] درمختار باب القبول وعدمہ ۲/ ۹۵ مطبع مجتبائی دہلی

[3] " " " "

ثبت فسقه لما فی المجتبٰی من ترک الاشتغال بالفقه لا تقبل شہادتہ والمراد ما یجب علیہ تفقہہ منہ نہر[1]۔

آگاہ ہونا لازم ہے، اگر وہ ان سے آگاہ نہ ہُوا تو فاسق ہوگا کیونکہ مجتبٰی میں ہے کہ جس نے فقہ میں دلچسپی نہ لی اس کی گواہی قبول نہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جس فقہ کی تعلیم ضروری تھی اگر اسے ترک کردیا تو پھر گواہی مقبول نہ ہوگی۔ نہر۔ (ت)

پھر جس صُورت میں کہ وُہ گواہی مقبول ہوگی اس کا اثر کلکتہ پر ہوگا نہ دیگر بلادِ ہند پر جب تک وہاں بھی یہ شہادت وثبوت بروجہ شرعی نہ پہنچے، خالی خط وحکایت سے کچھ نہیں ہوتا،

فی الدرالمختار یلزم اھل المشرق برؤیۃ اھل المغرب اذا ثبت عندھم رؤیۃ اولئک بطریق موجب[2] وفی ردالمحتار بطریق موجب کان یتحمل اثنان الشھادۃ اویشھدا علی حکم القاضی اویستفیض الخبر بخلاف ما اذا اخبران اھل بلدۃ کذا راوہ لانہ حکایۃ[3] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔

درمختار میں ہے اہلِ مشرق پر اہلِ مغرب کی رؤیت کی وجہ سے لزوم ہوگا بشرطیکہ ان کی رؤیت بطریقِ موجب ثابت ہُوئی ہو۔ ردالمحتار میں طریق موجب کا معنی یوں بیان ہُوا ہے کہ دو آدمی گواہی دیں یا قاضی کے فیصلہ پر گواہ ہوں یا خبر خوب مشہور ہو بخلاف اس صورت کے جب وُہ یہ خبر دیں کہ فلاں شہر کے لوگوں نے چاند دیکھا کیونکہ یہ حکایت ہے اھ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۹۲ ۳۰ رمضان المبارک ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین کہ اخیر تاریخ رمضان شریف کا روزہ چاند دیکھ کر افطار کرلینا جائز ہے یا نہیں یعنی تیسویں کا چاند اکثر تیسرے پہر سے نظر آتا ہے تو آیا اُسی وقت روزہ کھول لیں یا غروبِ آفتاب کے بعد؟ بینوا توجروا

الجواب

کسی تاریخ کا روزہ دن سے افطار کرلینا ہرگز جائز نہیں بلکہ حرام قطعی ہے، اللہ تعالٰی نے فرض کیا کہ روزہ رات تک پُورا کرو یعنی جب آفتاب ڈوبے اور دن ختم اور رات شروع ہو اُس وقت کھولو۔

قال اللہ تعالٰی ثم اتموا الصیام الی الّیل[4] اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: پھر روزہ کو شام تک پورا کرو۔ (ت)

---

[1] درمختار

[2] درمختار — کتاب الصوم — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/۱۴۹

[3] ردالمحتار — " — مصطفی البابی مصر — ۲/۱۰۵

[4] القرآن ۲/۱۸۷

درمختار میں ہے: (ف)

لاعبرة برؤية الهلال نهارا مطلقا على مذهب الامام الصحيح المعتمد، واما على قول الثاني من انه ان رأى قبل الزوال فللماضية[1]، فليس الافطار بمعنى نهار الصوم بل لثبوت العيد عنده بذالك وليس هذا معنى قوله صلى الله تعالٰى عليه وسلم صوموا لرؤيته وافطروا لرؤيته والا يوجب الصوم بمجرد رؤية الهلال بعد المغرب وهذا واضح جدا، والله تعالٰى اعلم وعلمه اتم واحکم۔

امام کے صحیح معتمد مذہب کے مطابق ہر حال میں دن کو چاند دیکھنے کا کوئی اعتبار نہیں، مگر امام ثانی (ابو یوسف) کے قول پر ہے کہ اگر زوال سے پہلے دیکھا تو یہ گزشتہ رات کا ہوگا تو اب افطار کا یہ معنٰی نہیں کہ یہ دن کے روزے کا افطار ہے بلکہ اس سے امام ثانی کے نزدیک ثبوت عید ہو رہا ہے کیونکہ گزشتہ رات کا چاند ہے تو عید کی وجہ سے افطار ہے اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے فرمان مبارک "چاند دیکھنے پر روزہ رکھو اور چاند دیکھنے پر عید کرو" کا معنٰی یہ نہیں کہ جب دیکھو تو افطار کرو ورنہ یہ لازم آئے گا کہ مغرب کے بعد محض چاند دیکھنے سے اُسی وقت روزہ لازم ہو جائے اور یہ نہایت ہی واضح ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۱۹۷

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نسبت رؤیت ہلال ماہ رمضان المبارک ہندوستان میں اختلاف ہے بذریعہ اخبار و دیگر تحریر معلوم ہوا کہ کلکتہ و دیگر جا میں رؤیت بروز دوشنبہ اور روزہ بروز سہ شنبہ ہوا و دیگر بلاد و امصار میں رؤیت بروز سہ شنبہ اور روزہ بروز چہارشنبہ اور بعض جا روز پنجشنبہ ہوا، پس اب فتوٰی علماء کا کیا ہے آیا بحالت عدم رؤیت ہلال شوال کے روزہ رمضان چارشنبہ آئندہ کو ختم کرکے پنجشنبہ کو عید کی جائے یا بروز چہارشنبہ عید ہو؟ بینوا توجروا

---

[1] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۹

ف: درمختار میں جو عبارت ملی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: "ورؤيته بالنهار لليلة الآتية مطلقا على المذهب ذكره الحدادی، واختلاف المطالع ورؤيته نهارا قبل الزوال او بعده غير معتبر على ظاهر المذهب" درمختار میں لاعبرة الخ کے الفاظ نہیں ہیں۔ نذیر احمد سعیدی

الجواب

واللہ الموفق المصدق و الصواب (اللہ تعالٰی ہی صدق و ثواب کی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔ت)

شارع علیہ الصلوۃ والتسلیم نے صوم و فطر کو منوط برؤیت فرمایا۔

قال اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ[1] کمافی الصحاح۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: چاند دیکھنے پر روزہ رکھو اور چاند دیکھنے پر عید کرو۔ جیسا کہ احادیث صحاح میں ہے(ت)

پس ہر شہر اور اس کی رؤیت اور اسی پر ابتنائے عدت مجرد اخبارات و خطوط ضائع تعویل و اعتماد نہیں نہ صرف شہرت افواہ (کہ فلاں بلدہ میں فلاں روز چاند ہوا جیسے بعض خبریں شہر میں مشتہر ہوجاتی ہیں اور اُن کا اشاعت کنندہ معلوم نہیں) قابل اعتبار ہاں اگر کسی شہر سے جماعات متعددہ آئیں اور ہر ایک بیان کرے کہ فلاں روز وہاں رؤیت ہوئی تو بیشک اس خبر مستفیض پر عمل واجب ہوگا اگرچہ ان دو بقاع میں بعد المشرقین ہو کہ مذہب معتمد پر اختلاف مطالع غیر معتبر ہے۔

قال العلامۃ المفتی عمدۃ المتاخرین محمد بن علی بن محمد علاء الدین الحصکفی رحمہ اللہ تعالٰی فی الدر المختار شرح تنویر الابصار: نعم لو استفاض الخبر فی البلدۃ الاخری لزمھم علی الصحیح من المذھب مجتبٰی وغیرہ انتھی وفیہ ایضا ان اختلاف المطالع غیر معتبر علی ظاھر المذھب وعلیہ اکثر المشائخ وعلیہ الفتوی بحر عن الخلاصۃ فیلزم اھل المشرق برؤیۃ اھل المغرب اذا ثبت عندھم رؤیۃ اولئک بطریق موجب کمامر وقال الزیلعی الاشبہ انہ یعتبر لکن قال الکمال الاخذ بظاھر الروایۃ

عمدۃ المتاخرین علامہ مفتی محمد بن علی بن محمد علاء الدین الحصکفی رحمہ اللہ تعالٰی نے درمختار شرح تنویر الابصار میں فرمایا: ہاں اگر ایک شہر کی رؤیت دوسرے شہر میں خبر مشہور کے طور پر ہوجائے تو ان پر صحیح مذہب کے مطابق روزہ رکھنا لازم ہوجائیگا مجتبٰی وغیرہ انتہی، اور اسی میں ہے کہ اختلاف مطالع ظاہر مذہب کے مطابق معتبر نہیں، اکثر مشائخ کا یہی موقف ہے اور اسی پر فتوٰی ہے، اسے بحر نے خلاصہ سے نقل کیا ہے، پس اہل مشرق پر اہل مغرب کی رؤیت سے روزہ یا افطار لازم ہوگا بشرطیکہ اہل مشرق کے ہاں یہ بات بطریق موجب ثابت ہو جیسا کہ سابق میں گزرا۔ امام زیلعی نے فرمایا مشابہ بحق یہ ہے کہ (اختلاف مطالع) معتبر ہے لیکن امام کمال

---

[1] صحیح بخاری باب اذا رأیتم الہلال فصوموا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۶

احوط[1] انتهی (ملخصا) **قلت** وقد ذکروا
ان الفتوی اکد من الاشبه وان الفتوی
متی اختلف رجح ظاهر الروایة[2] کما فی
البحر والدر وغیرهما وفی حاشیة رد المحتار
للفاضل السید محمد امین ابن عابدین
الشامی رحمه الله عن الشیخ مصطفی الرحمتی
الانصاری رحمه الله ان معنی الاستفاضة
ان تاتی من تلك البلدة جماعات متعددون
کل منهم یخبر عن اهل تلك البلدة انهم
صاموا عن رؤیة لامجرد الشیوع من غیر
علم بمن اشاعه کما قد تشیع اخبار
یتحدث بها سائر اهل البلدة ولایعلم
من اشاعها کما ورد ان فی اٰخر الزمان
یجلس الشیطان بین الجماعة فیتکلم
بالکلمة فیتحدثون بها ویقولون لاندری
من قالها فمثل هذا لاینبغی ان یسمع
فضلا من ان یثبت به حکم اھ (قال الشامی)
قلت وهو کلام حسن ویشیر الیه قول
الذخیرة اذا استفاض وتحقق فان التحقق
لایوجد بمجرد الشیوع[3] انتهی۔

کہتے ہیں کہ ظاہر الروایۃ پر عمل احوط ہے انتہی (ملخصاً)
قلت فقہاء نے ذکر کیا ہے کہ لفظ فتوٰی لفظ اشبہ
سے زیادہ مؤکد ہوتا ہے اور جب فتوٰی میں اختلاف
ہو تو ظاہر الروایۃ کو ترجیح حاصل ہوگی جیسا کہ بحر، در
وغیرہ میں ہے۔ فاضل سید محمد امین ابن عابدین
شامی رحمہ اللہ تعالٰی نے شیخ مصطفی رحمتی انصاری
رحمہ اللہ تعالٰی سے اپنے حاشیہ ردالمحتار میں
نقل کیا ہے مشہور ہونے کا معنی یہ ہے کہ اس
شہر سے متعدد جماعتیں آئیں اور وہ تمام اس بات
کی اطلاع دیں کہ وہاں لوگوں نے چاند دیکھ کر روزہ
رکھا ہے محض ایسی افواہ سے نہیں جس کے پھیلانے
والا معلوم نہ ہو، جیسا کہ کبھی کبھی بعض خبریں شہروں
میں پھیل جاتی ہیں اور ان کے پھیلانے والا معلوم
نہیں ہوتا، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ
آخری دور میں شیطان جماعت کے درمیان بیٹھ کر
کوئی بات کرے گا تو لوگ اسے بیان کریں گے اور
کہیں گے ہم نہیں جانتے اس کا قائل کون ہے،
تو ایسی باتیں سُننا ہی مناسب نہیں چہ جائیکہ
ان سے کوئی حکم ثابت کیا جائے اھ امام شامی کہتے
ہیں **قلت** یہ تمام گفتگو نہایت ہی خوب ہے اور
ذخیرہ کی یہ عبارت بھی اسی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ جب خبر مشہور اور متحقق ہوجائے، کیونکہ تحقق محض شہرت
اور پھیل جانے سے نہیں ہوتا انتہی (ت)

---

[1] درمختار — کتاب الصوم — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/۱۴۹
[2] بحر الرائق — کتاب الرضاع — ایچ ایم سعید کمپنی کراچی — ۳/۲۲۲
[3] ردالمحتار — کتاب الصوم — مصطفی البابی مصر — ۲/۱۰۲

پس ہر شہر میں اپنی رؤیت خواہ غیر شہر کی شرعاً معتبر خبر پر جو پہلی رمضان کی قرار پائے اسی پر بنائے کار رکھیں اور روزہ متروک ہوجانا ثابت ہو تو بعد رمضان قضا کریں اُسی یکم کے اعتبار سے شمار ثلثین کامل کرکے عید کرلیں لیکن اگر اکتیسویں شب کو باوجود صفائی مطلع چاند نظر نہ آئے اور ابتدائے صیام صرف ایک شاہد کی شہادت پر کی گئی ہو تو اس صورت میں تیس کے بعد عید حضرت امام اعظم و امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما ناروا فرماتے ہیں کہ کذب اُس شاہد واحد کا ظاہر ہوگیا اور یہی مذہب و مرجح،

هذا ما تحرر لنا من اقوال متشتتة وكلمات متشوشة ولنذكر طرفا من كلام الشامي في هذا المقام ليستبين لك ما لخصته عن الامام قال العلامة الشامي رحمه الله في الدر وبعد صوم ثلثين بقول عدلين حل الفطر وبقول عدل حيث يجوز وغم هلال الفطر لايحل على المذهب خلافا لمحمد كذا ذكره المصنف لكن نقل ابن الكمال عن الذخيرة ان غم هلال الفطر حل اتفاقا وفي الزيلعي الاشبه ان غم حل والالا انتهى مختصرا، قال الفاضل المحشي قوله حل الفطر اى اتفاقا ان كانت ليلة الحادى والثلثين متغيمة وكذا لو مصحية على ما صححه في الدراية والخلاصة والبزازية وصحح عدمه في مجموع النوازل والسيد الامام الاجل ناصر الدين

یہ وہ تمام گفتگو تھی جو متفرق اقوال اور تشویش میں ڈالنے والے کلمات سے اخذ کی گئی، یہاں امام شامی کی کچھ گفتگو نقل کرنا نہایت ہی مناسب ہے تاکہ وہ مقصد واضح ہوجائے جس کی خاطر میں نے یہ خلاصۂ گفتگو نقل کی ہے، علامہ شارح رحمہ اللہ تعالٰی نے دُر میں فرمایا جبکہ دو عادلوں کے قول سے روزہ رکھا ہو تو تیس دن کے بعد افطار حلال ہے یعنی جائز ہے، اور اگر ایک عادل کے قول سے رکھا ہو جبکہ یہ جائز ہو اور حال یہ ہو کہ عید کے چاند کے دن ابر ہو تو افطار حلال نہیں صحیح مذہب پر اس میں امام محمد کا اختلاف ہے جیسا کہ مصنف نے ذکر کیا ہے لیکن ابن کمال نے ذخیرہ سے نقل کیا ہے کہ اگر عید کے چاند کے دن بادل وغیرہ ہو تو بالاتفاق افطار حلال یعنی جائز ہے، زیلعی میں ہے اگر چاند بادل وغیرہ کی وجہ سے دکھائی نہ دے تو عید حلال ہے ورنہ نہیں انتہی اختصاراً۔ فاضل محشی نے کہا قولہ حل الفطر یعنی اگر اکتیسویں رات ابرآلود ہو تو بالاتفاق عید جائز ہوگی، اور درایہ، خلاصہ اور بزازیہ کی تصحیح کے مطابق اگر مطلع صاف ہو تب بھی یہی حکم ہے، مجموع النوازل میں اور سید امام اجل ناصر الدین نے

---

[1] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹

کما فی الامداد ونقل العلامۃ نوح الاتفاق علی حل الفطر فی الثانیۃ ایضا عن البدائع والسراج والجوھرۃ قال والمراد اتفاق ائمتنا الثلثۃ وما حکی فیہ من الخلاف انما ھو لبعض المشائخ قلت وفی الفیض الفتوی علی حل الفطر[1] الخ ثم قال قولہ لکن الخ استدراک علی ما ذکرہ المصنف من ان خلاف محمد فیما اذا غم ھلال الفطر بان المصرح بہ فی الذخیرۃ وکذا فی المعراج عن المجتبی ان حل الفطر ھنا محل وفاق وانما الخلاف فیما اذا لم یغم ولم یرالھلال فعندھما لا یحل الفطر وعند محمد یحل قال شمس الائمۃ الحلوانی وحررہ الشرنبلالی فی الامداد قال فی غایۃ البیان وجہ قول محمد وھو الاصح ان الفطر ما ثبت بقول الواحد ابتداء بل بناءً وتبعاً[2] الخ ثم قال قولہ وفی الزیلعی الخ نقلہ لبیان فائدۃ لم تعلم من کلام الذخیرۃ وھی ترجیح عدم الفطر ان لم یغم شوال لظھور غلط الشاھد لانہ الاشبہ من الفاظ الترجیح لکنہ مخالف لما علمتہ من تصحیح غایۃ البیان

اس کے برخلاف تصحیح کی ہے جیسا کہ امداد میں ہے، اور علامہ نوح نے بدائع، سراج اور جوہرہ سے نقل کیا ہے کہ دُوسری صورت میں بھی بالاتفاق عید جائز ہوگی، اور کہا کہ یہاں اتفاق سے مراد ہمارے تینوں ائمہ کا اتفاق ہے اور اس سلسلہ میں اختلاف جو منقول ہے تو وُہ بعض مشائخ کا ہے قلت فیض میں ہے فتوٰی عید کے جواز پر ہے الخ پھر کہا قولہ لکن الخ یہ استدراک ہے اس پر جو مصنف نے کہا کہ جب موسم ابر آلود ہو تو ہلال فطر کے بارے میں امام محمد کا اختلاف ہے، اسی طرح ذخیرہ میں اور معراج میں مجتبٰی سے تصریح ہے کہ افطار کی حلت بالاتفاق ہے اور اختلاف اسی صورت میں ہے جب موسم ابر آلود نہ ہو اور چاند دکھائی نہ دے تو اب شیخین کے نزدیک عید جائز نہیں اور امام محمد کے نزدیک جائز ہے، جیسا کہ شمس الائمہ حلوانی نے بیان کیا اور شرنبلالی نے امداد میں نقل کیا کہ غایۃ البیان میں کہا ہے کہ امام محمد کے قول کی دلیل اور وہی اصح ہے کہ افطار ایک شخص کے قول سے ابتداءً ثابت نہیں ہوتا بلکہ تبعاً اور بناءً ثابت ہوا ہے الخ پھر فرمایا قولہ وفی الزیلعی الخ یہ اس فائدہ کے لیے منقول ہے جو کلام ذخیرہ سے نہ جانا گیا اور وُہ یہ ہے کہ اگر شوال ابر آلود نہ ہو تو عدمِ افطار کو ترجیح ہوگی اس لیے کہ اس سے گواہ کا غلط ہونا واضح ہو گا کیونکہ لفظ اشبہ الفاظِ ترجیح میں سے ہے لیکن یہ اس کے مخالف ہے جو آپ غایۃ البیان

---

[1] رد المحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۰۲-۱۰۳

[2] " " " ۲/ ۱۰۳

لقول محمد بالحل، نعم حمل فی الامداد مافی غایۃ البیان علی قول محمد بالحل اذا غم شوال بناء علی تحقق الخلاف الذی نقلہ المصنف وقد علمت عدمہ فما فی غایۃ البیان فی غیر محلہ لانہ ترجیح لما ھو متفق علیہ[1] تامل انتہی ملتقطا۔ فعلیک بتلطیف القریحۃ فی ھذا الباب کیلا تغفل فیستزلک الاضطراب، واللہ تعالٰی اعلم بالصواب والیہ تعالٰی المرجع والمآب۔

کی تصحیح میں جان چکے ہیں جو امام محمد کے قول بالحل (جواز) سے متعلق تھی، ہاں امدادیہ میں غایۃ البیان کی عبارت کو امام محمد کے قول بالحل (جواز) پر محمول کیا جائے گا جبکہ شوال کا چاند ابر آلود ہو، اس بنا پر جو اختلاف مصنف نے نقل کیا ہے حالانکہ آپ نے جان لیا اختلاف نہیں ہے، اب جو کچھ غایۃ البیان میں ہے وہ بے محل ہے کیونکہ یہ تو متفق علیہ کو ترجیح دینا ہے، غور کرو انتہی ملتقطا اس معاملہ میں خوب باریک بینی سے کام لو تاکہ غفلت دُور ہو اور اضطراب ختم ہوجائے، واللہ تعالٰی اعلم بالصواب والیہ تعالٰی المرجع والمآب۔ (ت)

مسئلہ ۱۹۸: ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۰۹ھ مولوی سید شجاعت علی صاحب از شہر کہنہ بریلی

ماقولکم رضی اللہ تعالٰی عنکم اجمعین (اللہ تعالٰی تم سب سے راضی ہو تمہارا قول کیا ہے۔ ت) اس مسئلہ میں کہ غیر معتبر ہونا اختلاف المطالع کا جو اس عبارت تنویر الابصار سے ظاہر ہے واختلاف المطالع غیر معتبر علی المذھب فیلزم اھل المشرق برؤیۃ اھل المغرب (مطالع کا اختلاف ہمارے مذہب میں معتبر نہیں ہے تو اہل مغرب کی رؤیت سے اہلِ مشرق پر حکم لازم ہوگا۔ ت) عام ہے، شامل ہے حج واضحیہ کو، یا خاص بصوم یا بہ فطر ہے اور زیر یلزم کی ضمیر کا مرجع ثبوت ہلال عام ہے، شامل ہر حج واضحیہ کو یا صوم یا فطرہ سے خاص ہے، عام سمجھنا اس کو صواب ہے یا خطا، ایک شہر میں عید الاضحٰی سہ شنبہ کو ہُوئی بموجب رؤیت ہلال وہاں کی، اور دوسرے شہر میں چہارشنبہ کو ہُوئی بموجب رؤیتِ ہلال یہاں کی، اب قربانی کرنا دوسرے شہر والوں کو جمعہ کے آخر تک کہ وہ یوم رابع قربانی کا ہے باعتبار رؤیۃ اول کے، اور یومِ ثالث قربانی کا ہے باعتبار ثانی کے، جائز ہے یا نہیں؟ بینوا بسند الکتاب توجروا بیوم الحساب (کتاب کی سند کے ساتھ بیان کیجئے اور روزِ حساب اجر پائیے۔ ت) فقط

الجواب

علامہ سید حلبی وعلامہ سید طحطاوی وعلامہ سید شامی محشیانِ درمختار علیہم رحمۃ اللہ العزیز الغفار نے ضمیر

---

[1] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۰۳

یلزم کا مرجع ہلال صوم وفطر کو قرار دیا ،

وھذا عبارۃ الشامی قولہ فیلزم فاعلہ ضمیر یعود الی ثبوت الھلال ای ھلال الصوم او الفطر[1]

شامی کی عبارت یہ ہے قولہ فیلزم فاعلہ ، یہ ضمیر ثبوت ہلال کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی رمضان یا عید کا چاند ۔ (ت)

اس قدر چنداں قابلِ انکار نہیں ، نہ حج و اضحیہ سے نفی لزوم میں نص ، ہاں علامہ شامی نے تصریح فرمائی کہ کلمات ائمہ کرام سے حج میں اختلافِ مطالع کا معتبر ہونا مفہوم اور استظہار کیا کہ اضحیہ میں یہی معتبر ہونا چاہئے اس تقدیر پر اہلِ عید چارشنبہ کو جمعہ تک قربانی جائز ہوگی اگرچہ منگل والوں کے نزدیک وُہ روزِ چہارم ہو جبکہ مطالع بلدین کا مختلف ہونا وہاں کی رؤیت کو یہاں لازم نہ کرے ۔ ردالمحتار میں ہے :

تنبیہ یفھم من کلامھم فی کتاب الحج ان اختلاف المطالع فیہ معتبر فلا یلزمھم شیئ لوظھر انہ روی فی بلدۃ اخری قبلھم بیوم ، وھل یقال کذلک فی حق الاضحیۃ لغیر الحجاج لم ارہ ، والظاھر نعم لان اختلاف المطالع انما لم یعتبر فی الصوم لتعلقہ بمطلق الرؤیۃ وھذا بخلاف الاضحیۃ فالظاھر انھا کاوقات الصلوۃ یلزم کل قوم العمل بما عندھم فتجزئ الاضحیۃ فی الیوم الثالث عشر وان کان علی رؤیا غیرھم ھو الرابع عشر[2]

تنبیہ ، کتاب الحج میں فقہاء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اختلافِ مطالع کا حج میں اعتبار ہے تو ان حجاج پر کوئی شیئ لازم نہ ہوگی ، جب یہ ظاہر ہو جائے کہ دوسرے شہر میں چاند ان سے ایک دن پہلے دیکھا گیا ہے ، کیا حجاج کے علاوہ قربانی کے حق میں بھی یہی حکم ہوگا ؟ یہ مسئلہ میرے مطالعہ میں نہیں آیا ، ہاں ظاہراً یہی حکم معلوم ہوتا ہے کیونکہ اختلافِ مطالعہ کا اعتبار صوم (روزہ) اس لیے نہیں کیا جاتا کہ اس کا تعلق مطلق رؤیت سے ہے بخلاف قربانی کے ، تو اس میں ظاہر یہی ہے کہ یہ اوقاتِ نماز کی طرح ہے ، ہر قوم پر ان کے اپنے وقت میں نماز لازم ہوگی تو تیسرے دن کی قربانی کفایت کر جائے گی اگرچہ دوسروں کے اعتبار سے وہ چوتھا دن ہو ۔ (ت)

اُن کے خیال کا منشا یہ ہے کہ طلاق ، صلوٰۃ ، زکوٰۃ ، صوم ، نکاح ، عتق ، ایمان ، سیر ، بیع ، اجارہ ، شفعہ ، میراث وغیرہا تمام ابوابِ فقہ میں اختلافِ مطالع بلاشبہ معتبر ہے ، ہلالِ صوم و فطر میں اصح التصحیحین

---

[1] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ١٠٥/٢

[2] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍

پر اُس کا نہ ماننا بربنائے ورودِ نص ہے کہ،

صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ [1] چاند دیکھنے پر روزہ رکھو اور چاند دیکھنے پر افطار کرو۔ (ت)

مگر یہ علامہ ممدوح رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا اپنا خیال ہے جس پر انہوں نے کوئی نقل معتمد پیش نہ کی، نہ کلماتِ علماء اُس کی مساعدت کریں، مسئلہ حج کی بناء دفعِ حرج شدید پر ہے نہ کہ اختلافِ مطالع پر، اور یہاں عدمِ ورودِ نص ماننا بھی صحیح نہیں، خاص دربارۂ ذی الحجہ بھی حدیث صریح صحیح سے رؤیت پر تعلیق ثابت ہے اور ظاہر سیاق کلام ماتن وشارح رحمہما اللہ تعالٰی رجوع ضمیر مطلق ثبوت ہلال کی طرف جس میں ذی الحجہ بھی داخل ہے نظمِ عبارت یہ ہے:

وھلال الاضحٰی وبقیۃ الاشھر التسعۃ کالفطر علی المذھب ورؤیتہ بالنھار للیلۃ الاٰتیۃ مطلقا علی المذھب ذکرہ الحدادی، واختلاف المطالع ورؤیتہ نھارا قبل الزوال اوبعدہ غیر معتبر علٰی ظاھر المذھب، وعلیہ اکثر المشائخ وعلیہ الفتوٰی بحر عن الخلاصۃ فیلزم اھل المشرق [2] الخ

عید الاضحٰی اور باقی نو ماہ کا چاند صحیح مذہب پر عید الفطر کی طرح ہے، جو چاند دن کو نظر آئے ہر حال میں صحیح مذہب پر آنے والی رات کا شمار ہوگا، اسے حدادی نے ذکر کیا، ظاہر مذہب کے مطابق اختلافِ مطالع اور دن کو زوال سے پہلے یا بعد چاند کا نظر آنا غیر معتبر ہے اکثر مشائخ اسی پر ہیں اور اسی پر فتوٰی ہے، بحر عن الخلاصۃ، لہذا اہلِ مشرق پر لازم ہوگا الخ (ت)

وہ یہاں احکامِ عامہ کے بیان میں ہیں علی الخصوص اس تصریح کے بعد ذی الحجہ وغیرہ کہ سب مہینوں کے ہلال کا وہی حکم ہے جو رمضان وفطر کے تو عند التحقیق اگر دوسری جگہ کی رؤیت بطریق شرعی ثابت ہوجائے تو اُسی پر عمل واجب ہوگا،

والعبد الضعیف لطف بہ المولی اللطیف یرید ان یاتی بھذا التحقیق الجلیل الشریف ان شاء اللہ تعالٰی فی تحریر منفصل نفیس۔

عبد ضعیف اپنے مولٰی لطیف کے چاہتا ہے کہ اس پر مستقل تحریر میں تفصیلاً تحقیق کردی ان شاء اللہ تعالٰی۔ (ت)

ورنہ بے تحقیق یا توں پر اس نظر وبحث کی اصلاً گنجائش نہیں شرعاً نہ ہرگز خط پر عمل نہ پرچہ اشتہار کوئی چیز نہ ایسی مہمل دو ایک تحریروں سے استفاضۂ شرعی حاصل ہوسکے ایسے طریق کو موجب سمجھ لینا محض خطا وناواقفی اور ایسے

---

[1] صحیح بخاری باب اذا رأیتم الھلال فصوموا قدیمی کتب خانہ کراچی ١/٢٥٦

[2] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ١/١٤٩

بیہودہ ثبوتوں پر عید کرلینا مسلمانوں کی نماز و قربانی خراب کر دینا اور عرفہ کے روزے تڑوانا سخت جرأت وبیباکی ہے —

درمختار میں ہے :

یلزم اھل المشرق برؤیۃ اھل المغرب اذا ثبت عندھم رؤیۃ اولئک بطریق موجب کما مر[1]

اہل مشرق پر اہل مغرب کی رؤیت کی بنا پر روزہ یا افطار لازم ہوگا بشرطیکہ ان کے ہاں وہ رؤیت بطرق موجب ثابت ہو۔ جیسا کہ گزرا۔ (ت)

ایسی حالت میں ہم پر باتفاقِ علماء اپنی رؤیت پر عمل واجب ہے اور اُن بے اصل شوشوں کی طرف التفات ہی باطل و ذاہب واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۹ از شاہجہان پور محمد خلیل غربی ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

اوّلاً مرسلہ محمد اعزاز حسین بعبارت :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شاہجہان پور کے رہنے والے دو شخص ثقہ عادل بمبئی سے آئے اور انھوں نے بیان کیا ہم نے خود ۲۹ ذیقعدہ کو بمبئی میں چاند دیکھا تو بمبئی کے آئے ہُوئے لوگوں کی شہادۃ اہل شاہجہانپور پر عید الاضحٰی ۲۹ کے حساب سے ہوگی یا نہیں؟ مع حوالہ کتب فقہیہ حنفیہ معتبرہ جواب تحریر فرمائیے بینوا توجروا۔

ثانیاً مرسلہ مولوی ریاست علی خاں صاحب بعبارت :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو شخص کسی دوسرے شہر سے ۲۹ تاریخ کا چاند دیکھ کر آئیں، گو مسافت اُس شہر کی ایک ماہ سے زائد ہو تو گواہی اُن کی درباب رؤیت ہلال عید الاضحٰی معتبر ہوگی یا نہیں؟ اور اگر معتبر ہوگی تو قول شامی کا کہ :

یفھم من کلامھم فی کتاب الحج ان اختلاف المطالع فیہ معتبر فلا یلزمھم شیئ لو ظھر انہ رأی فی بلدۃ اخری قبلھم بیوم[2] الخ

کتاب الحج میں فقہاء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ حج میں اختلافِ مطالع معتبر ہے تو حجاج پر کوئی شَی لازم نہ ہوگی اگر دوسرے شہر میں ایک دن پہلے چاند کا دیکھنا ظاہر ہوجائے الخ (ت)

کیا مطلب ہے، اور یہ قول شامی کا معارض قول مفتی بہ اور ظاہر الروایۃ کے ہے تو ترجیح قول شامی کو دی جائیگی یا مفتی بہ قول کو کہ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اختلاف مطالع کا مطلقاً اعتبار نہیں ہے گو عید الاضحٰی کا ہو

---

[1] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹

[2] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۵

اور نیز فتوٰی مولوی عبدالحی صاحب کا کہ جو مؤید بحدیث ہے اعتبار کیا جائے گا یا ظاہر الروایۃ اور مفتی بہ قول کا کیونکہ مولوی عبدالحی اپنے مجموعہ فتاوٰی میں یہ لکھتے ہیں کہ ایک ماہ یا زائد کی مسافت کی گواہی در باب رؤیتِ ہلال معتبر اور مقبول نہ ہوگی۔ بینوا توجروا۔

الجواب

جواب سوال اول ان لوگوں کی شہادت عادلہ مستجمعہ شرائط شرعیہ واجب الاعتبار ہے اور اُس کا خلاف ناجائز، اور شاہجہان پور میں اس کی بنا پر ضرور ماہ ذیقعدہ ۲۹ کا ثبوت ہو کر اُس کے حساب سے چہارشنبہ کو عید اضحٰی کرنی لازم ہُوئی اور اسی حساب سے جو بارھویں تھی یعنی روز جمعہ اُسی تک میعاد قربانی رہی جس نے اُس کے بعد شنبہ کو قربانی کی وُہ قربانی نہ ہُوئی کہ مذہب حنفی میں اختلاف مطالع کا اصلاً اعتبار نہیں یہی ظاہر الروایۃ ہے اور اسی پر فتوٰی ہے اور علمائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ جو ظاہر الروایۃ سے خارج ہے وہ اصلاً مذہب ائمہ حنفیہ نہیں خصوصاً جب وہی مذیل بالفتوٰی ہو کر اب تو کسی طرح اس سے عدول روا نہیں۔ خلاصہ و بحرالرائق و تنویر الابصار و دُرمختار میں ہے:

واللفظ لهذين ملتقطا هلال الاضحٰی و بقية الاشهر التسعة كالفطر على المذهب واختلاف المطالع غير معتبر على ظاهر المذهب وعليه اكثر المشائخ وعليه الفتوٰی[1] (ملخصاً)

خلاصۃً ان دونوں کتابوں کے الفاظ میں صحیح مذہب پر عید الاضحٰی اور بقیہ نو ماہ کے چاند کا معاملہ عید الفطر کی طرح ہے، اختلافِ مطالع کا ظاہر مذہب کے مطابق اعتبار نہیں، اس پر اکثر مشائخ ہیں، اور اسی پر فتوٰی ہے۔ (ت)

فتاوٰی خیریہ میں ہے:

صرحوا بان ما خرج عن ظاهر الرواية ليس مذهبا لابی حنيفة ولا قولا له[2]

فقہائے نے تصریح کی ہے کہ جو ظاہر الروایۃ سے نکل جائے وہ امام ابوحنیفہ کا نہ مذہب ہوتا ہے نہ قول۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے:

ما خرج عن ظاهر الرواية فهو مرجوع عنه والمرجوع عنه لم يبق قولا له[3]

جو ظاہر الروایۃ سے نکل جائے اس سے رجوع کرلیا گیا ہوتا ہے اور مرجوع عنہ امام صاحب کا قول باقی نہیں رہتا۔ (ت)

---

[1] درمختار — کتاب الصوم — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/۱۴۹
[2] فتاوٰی خیریہ — کتاب الطلاق — دارالمعرفۃ الطباعۃ والنشر بیروت — ۱/۵۲
[3] بحرالرائق — فصل فی التقلید — ایچ ایم سعید کمپنی کراچی — ۶/۲۷۰

ردالمحتار میں ہے:

ماخالف ظاھر الروایۃ لیس مذھبا لاصحابنا۔[1]

جو ظاہر الروایت کے خلاف ہو وہ ہمارے احناف کا مذہب نہیں۔ (ت)

درمختار میں ہے:

الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق الاجماع۔[2]

مرجوح قول پر فتوٰی وفیصلہ جہالت اور اجماع کی مخالفت ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

کقول محمد مع وجود قول ابی یوسف اذالم یصحح اویقو وجہہ واولی من ھذا بالبطلان الافتاء بخلاف ظاھر الروایۃ اذالم یصحح والافتاء بالقول المرجوع عنہ۔[3] اھ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

جیسا کہ امام ابویوسف کے قول کے باوجود امام محمد کے قول پر جس کی تصحیح نہ کی گئی ہو یا اس کی تقویت بیان نہ کی گئی ہو، اس سے زیادہ باطل وہ فتوٰی ہوگا جو ظاہر الروایۃ کے خلاف ہو جبکہ اس خلاف کی تصحیح نہ کی گئی ہو، اور وہ فتوٰی جو مرجوع عنہ ہو اھ، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)

جوابِ سوال ثانی صورت مستفسرہ میں جب وہ شہادت شرعیہ عادلہ ہو تو ضرور معتبر ہوگی اگرچہ ہلال عید اضحٰی ہو اگرچہ اُن میں مسافت ایک ماہ سے زیادہ ہو، یہی ہمارے ائمہ کا مذہب ہے اور اسی پر فتوٰی اور اس سے عدول باطل و ناروا، علامہ شامی نور قبرہ السامی نے یہاں ظاہر الروایۃ و قول مفتٰی بہ کا معارضہ نہ چاہا بلکہ براہِ بشریت ایک خطائے فکری سے اُسے مختص بہ ہلال صوم وفطر سمجھا، فقط ہلال اضحٰی کو اُن نصوص سے مخصوص جانا اور یہ لغزش نظر تھی کہ اطلاقات بلکہ تنصیصات کتب معتمدہ مذہب کے مقابل اُس کی طرف التفات بھی ناممکن، چہ جائے اعتماد، علامہ ممدوح کا یفھم من کلامھم فرمانا اُسی لغزش فکر کے باعث ہے ورنہ وہ ہرگز ہمارے علماء کے کلام سے مفہوم بلکہ موہوم بھی نہیں اُن کے کلمات عالیات صاف اس مزعوم سے ابا فرمارہے ہیں۔ مولوی لکھنوی صاحب نے نہ صرف اضحٰی بلکہ صوم وفطر سب میں اختلافِ مطالع معتبر ٹھہرایا اور ضرور ظاہر الروایۃ اور مفتٰی بہ کا بالقصد معارضہ کیا اور

---

[1] ردالمحتار	کتاب احیاء الموات	داراحیاء التراث العربی بیروت	۵/ ۲۷۸
[2] درمختار	خطبہ کتاب	مطبع مجتبائی دہلی	۱/ ۱۵
[3] ردالمحتار	تحت عبارتِ مذکور	مصطفٰی البابی مصر	۱/ ۵۵

خود اپنی تصریحات کی رُو سے بوجوہ کثیرہ فاحش خطاؤں اور باطل بناؤں سے کام لیا علامہ شامی کی بحث سے جسے وہ فتویٰ نہیں بتاتے، اور مولوی لکھنوی صاحب کا فتویٰ جس پر وہ جزم و اعتماد کر رہے ہیں علمِ فقہ و علمِ حدیث و علمِ ہیئت تینوں علوم کی رُو سے صریح باطل ومحض نا قابل، اور خود ان دونوں حضرات کی دوسری تصریحات کے معارض ومناقض ومقابل ہیں، احادیث کی مخالفت تو دونوں صاحبوں نے یکساں کی ہے اگرچہ اس کا الزام بھی مولوی لکھنوی صاحب پر زائد و قوی ہے کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ایک متفقہ مقلد سے زیادہ نہیں بنتے اور فاضل لکھنوی ایک محقق محدّث اہلِ نظر و اعتبار نقّاد ارشادات ائمہ کبار بننا چاہتے ہیں حتی کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے معجزہ عظیمہ سراج الامہ کاشف الغمہ امام الائمہ نائل العلم والایمان من الثریا سیدنا امام اعظم ہمام اقدم رضی اللہ تعالٰی عنہ ارشادات عالیہ کو مکہ نقد نقض پر رکھتے ہیں کہ ابوحنیفہ نے یہ کہا اور حق یُوں ہے ابوحنیفہ کے دلائل یہ ہیں اور یہ سب باطل ہیں، ایسے جلیل الشان رفیع المکان محدّث، احادیث و آثار کے محیط وحاوی فخرِ بخاری و رشک طحاوی کا احادیث واضحہ مشہورہ معروفہ صحیحہ صریحہ سے مخالف پڑنا ضرور محل عجب ہے۔ فتوائے مولوی صاحب ہرگز مؤید بحدیث نہیں بلکہ صریح مخالف احادیث ہے اور اس کی شکایت بھی کچھ نہیں، بڑے بڑوں پر بھی بدنیانی کی ہے کہ ہمارے ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے کسی مذہب کو اپنے زعم ناقص میں مخالف حدیث سمجھے اور بعد تنقیح آفتاب کی طرح روشن ہُوا کہ یہ معترضین خود ہی حدیث نہ سمجھتے تھے، وللہ درمن قال (اور اللہ تعالٰی ہی کے لیے بھلائی ہے، جس نے یہ شعر کہا:) ؎

وکم من عائب قولا صحیحا وآفتہ من الفہم السقیم

(بہت سے لوگ صحیح بات کو معیوب قرار دیتے ہیں جبکہ یہ مصیبت کمزور فہم کی وجہ سے آتی ہے۔ ت)

اور مبارک فقیر کی مخالفت کا زیادہ حصّہ تو انہی فاضل محقق نے لیا۔ علامہ شامی پر اگر یہاں ایک اعتراض ہے تو ان پر چار، پھر جیسا کہ ہم اشارہ کر آئے ہیں اتنی مخالفات باوصف کثرت قصدیہ ہیں اور علامہ شامی سے ایک مسئلہ کے فہم میں لغزش ہُوئی جس پر اُنھوں نے بنائے کلام فرمائی تو وہ قاصد موافقت ہیں نہ مرتکب مخالفت، طرفہ یہ کہ یہ اپنی تصریحوں سے تعارض وتناقض میں بھی انہی ہمارے محقق مدقق معاصر کا پلہ بھاری ہے اور علمِ ہیئت سے یکسر بیگانگی کا الزام تو صرف انہی پر ہے کہ علامہ شامی کو ان فنون کی جانب التفات نہ تھا اور ہمارے محقق معاصر تو ہمہ داں ہیں، یہ سب اجمالی بیان بعونہٖ تعالٰی دربارہ اہلہ فقیر کی متفرق تحریرات سے واضح ہیں اور احباب کی خواہش ہُوئی تو فقیر بعون القدیر تفصیل کے لیے حاضر۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۰۱ از گیا محلہ بارہ قریب مسجد غلام مصطفٰی صاحب

مظہرِ انوارِ شریعت حضرت مولانا دامت برکاتکم وفیوضاتکم بعد سلام باکرام آنکہ ایک مسئلہ جو رمضان

کی تیس تاریخ پیش آیا تھا وہ دریافت طلب ہے امید کہ جواب باصواب زود تر ارسال فرما کر سرفراز و ممتاز فرما کر عنداللہ ماجور ہوں، بصورتِ فرصت و مہلت حدیث ماخذ و حوالہ کتاب بھی ارشاد فرما دیجئے گا فقط زیادہ آفتاب ہدایت تاباں و درخشاں باد۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں کہ ایک قصبہ میں جس روز رمضان شریف کی تیس تاریخ تھی اُسی روز ایک شہر کے مختار کچہری کے آئے اور انھوں نے کہا کہ آج ہم جس شہر سے آئے ہیں وہاں آج عید کی نماز ہوگی سامان نماز کا ہو رہا تھا، آپ لوگ بھی پڑھیے۔ مختار صاحب مذکور کسی عالم کے فرستادہ میں سے نہ تھے اور نہ کسی عالم صاحب کا خط لائے تھے اب قطع نظر امورِ خارجہ کے اور اس بات کے کہ آئندہ کیا متحقق ہوگا، صرف یہ ارشاد ہو کہ اس قصبہ میں ازروئے شریعت کے اس روز مختار صاحب موصوف کی خبر معتبر تھی یا نہیں اور مختار صاحب کی خبر کا اعتبار کرکے نمازِ عید کے واسطے فتوٰی دینا صحیح ہوگا یا نہیں، ارشاد فرما کر عنداللہ ماجور و داخلِ حسنات ہوں اور اس قصبہ کا ہندو تار بابو خبر دیتا تھا کہ تار آیا ہے آج عید فلاں شہر میں ہوگی، اب تار بابو کا خبر دینا معتبر تھا یا نہیں؟

الجواب

دربارۂ ہلال خط و تار محض بے اعتبار، اشباہ والنظائر میں ہے: لایعتمد علی الخط ولا یعمل بہ[1] (خط پر نہ تو اعتماد کیا جائے اور نہ ہی اس پر عمل کیا جائے۔ ت) مخبر واحد اور کچہری کے مختار اور وُہ بھی محض حکایت و اخبار کہ دو شاہدِ عدل بھی ایسی حکایت کرتے تو اصلاً معتبر نہ تھی۔ درمختار میں ہے:

شھدوا انہ شھد عند قاضی مصر کذا شاھدان بروٴیۃ الھلال وقضی بہ ووجد استجماع شرائط الدعوی قضی القاضی بشہادتھما لان قضاء القاضی حجۃ وقد شھدوا بہ لا لو شھدوا بروٴیۃ غیرھم لانہ حکایۃ[2] (ملخصاً)

گواہ کہتے ہیں کہ قاضی مصر کے پاس فلاں فلاں گواہوں نے فلاں تاریخ کو چاند دیکھنے پر گواہی دی ہے اور وہاں کہ قاضی نے اس پر فیصلہ کر دیا ہے اور شرائطِ دعوٰی ساری کی ساری پائی گئی ہوں تو اب قاضی کو جائز ہے ان کی گواہی پر فیصلہ کرے کیونکہ قاضی کی قضاء حجت ہے اور اسی پر وہاں کے گواہوں نے گواہی دی ہے، ہاں اگر وُہ دوسروں کی روٴیت پر گواہی دیتے تو قبول نہ ہوتی کیونکہ یہ حکایت ہے (ملخصاً)۔ (ت)

---

[1] الاشباہ والنظائر کتاب القضاء والشہادات والدعاوی ادارۃ القرآن العلوم اسلامیہ کراچی ۱/۳۳۸

[2] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹

صورتِ مذکورہ میں اہلِ قصبہ کو عید کرنی حرام تھی اگرچہ بعد کو عید ثابت ہی ہوجائے کہ انھوں نے قبل ثبوت عید کی اور ارشادِ حدیثِ صحیح صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ[1] (چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر عید کرو۔ ت) کے مخالف ہوئے جس نے بربنائے مذکور ہذیان تار وحکایت نامختار عید کا فتوٰی دیا سخت حرام ہوا ایسے فتوے پر کبھی عمل نہ کریں حدیث میں ہے: اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ[2] جب غیر اہل کو کام سپرد کردیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۰۲: از مقام سوجت مارواڑ بازار کے اندر مسئولہ شیخ ننے میاں کلاہ فروش داہن منڈی ۲۶ صفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ قصبہ سوجت مارواڑ میں ۲۹ شعبان کو چاند نظر نہیں آیا اور شعبان کے تیس روز پورے کرکے رمضان شریف کے روزے رکھنے شروع کئے، بعد میں کسی وجہ سے دو تین آدمی دہلی گئے، وہاں کے لوگوں نے ۲۹ شعبان کو چاند دیکھنے کے حساب سے روزے رکھے تھے اب وہ شخص اخیر رمضان مبارک میں سوجت واپس آگئے اور کہنے لگے کہ دہلی میں ۲۹ کے حساب سے روزہ رکھنا شروع ہُوا ہے ہم بھی وہاں کے حساب سے عید کرینگے سوجت کے چاند دیکھنے کا خیال نہیں کریں گے، اب سوجت کی ۲۹، اور دوسری جگہ ۳۰ کو کہا کہ کل عید کرینگے تو انھوں نے ضد اور نفسانیت کرکے روزہ نہیں رکھا، اور جن لوگوں نے روزہ رکھا تھا بہکا بہکا کر افطار کرا دیا اور بعض لوگوں نے کہا کہ بغیر چاند نظر آئے ہم روزہ افطار نہ کریں گے اور ۳۰ دن پُورے کرکے عید کریں گے کیونکہ ھم کو شرع شریف کا یہی حکم ہے اور ایک فتوٰی جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب کا دیکھا گیا تھا جس میں تحریر تھا کہ خطوط اور تار وغیرہ کی خبر سے روزہ افطار نہیں کرنا چاہئے اور پھر اسی قسم کی ایک حدیث بھی نظر آئی جس کا مضمون یہ ہے کہ حضرت کریب رضی اللہ تعالٰی عنہ ملک شام میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس گئے اور رمضان المبارک کا چاند اُن کو نظر آگیا تھا پھر اخیر رمضان شریف کو مدینہ منورہ میں آئے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اُن سے وہاں کے حالات دریافت کیے اور یہ بھی دریافت کیا کہ تم نے چاند کو دیکھا تھا انھوں نے کہا کہ جمعہ کی رات کو دیکھا تھا، پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ تم نے خود دیکھا تھا انھوں نے کہا کہ ہاں میں نے بھی دیکھا تھا اور دوسرے آدمیوں نے بھی دیکھا اور سب نے روزہ رکھا، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا کہ ہم نے تو ہفتے کی رات کو چاند دیکھا سو اسی حساب سے ہم روزہ رکھیں گے۔ پھر حضرت کریب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا کیا آپ

---

[1] صحیح بخاری باب اذا رأیتم الہلال فصوموا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۵۶

[2] " کتاب العلم " ۱/ ۱۴

حضرت معاویہ اور اُن کے روزہ رکھنے پر عمل نہیں کرینگے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا کہ نہیں کیونکہ اسی طرح حکم کیا ہم کو رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کہ اپنے اپنے ملک کی رؤیت لازم آتی ہے دوسرے ملک یا علاقہ والوں پر لازم نہیں ہوتی، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جن لوگوں نے روزہ توڑ دیا اور دُوسروں کے روزے قریب آٹھ بجے کے تُڑوا دے بغیر چاند دیکھے، تو اب ۲۹ روزے رکھنے والے کو توبہ کرنا اور روزہ کی قضاء رکھنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب

رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ فان غم علیکم فاکملوا عدۃ شعبان ثلثین[1]۔ چاند دیکھنے پر روزہ رکھو اور چاند دیکھنے پر عید کرو، اگر موسم ابر آلود ہو تو تم پر تیس دنوں کا پورا کرنا ضروری ہے (ت)

روزہ اور افطار دونوں کی بناء حضور نے رؤیت پر رکھی، تو خود رؤیت ہو یا دوسری جگہ کی رؤیت کا ثبوت شرعی ہو اگرچہ دونوں جگہ میں فاصلہ مشرق و مغرب کا ہو، یہی ظاہر الروایۃ ہے اور یہی صحیح و معتمد ہے۔ درمختار وغیرہ میں ہے:

یلزم اھل المشرق برؤیۃ اھل المغرب اذا ثبت ذلک عندھم رؤیۃ اولئک بطریق موجب شرعی[2]۔ اہلِ مشرق پر اہلِ مغرب کی رؤیت کی بناء پر روزہ وافطار لازم ہے بشرطیکہ ان کے ہاں چاند کا ثبوت بطریق موجب شرعی ہو۔ (ت)

اس کے ثبوت کے سات طریقے ہیں جو ہم نے اپنے فتاوٰی میں مفصل بیان کئے، یہ بات کہ ایک دو آدمی گئے اور دوسرے شہر سے خبر لائے کہ وہاں ۲۹ کا چاند ہوا نہ رؤیت ہے نہ شہادت ہے نہ شہادت علی الشہادت، نہ شہادت علی الحکم، غرض کوئی طریقہ شرعیہ نہیں محض حکایت ہے، اور وہ دربارۂ ہلال اصلاً معتبر نہیں کما نص علیہ فی الدر وغیرہ من الاسفار (جیسا کہ اس پر دُر وغیرہ کتب میں تصریح ہے۔ ت) اوروں کے روزے تُڑوانے میں یہ مرتکب کبیرہ ہوئے اور وہ روزہ توڑنے والے اور سخت کبیرہ کے مرتکب ہُوئے اور اُن پر قضاء لازم، اور اُن کو دہلی میں اگر کوئی ثبوتِ شرعی بہم نہ پہنچا تھا تو ان کا جُرم اور اشد ہے، اور ان پر بھی قضاء لازم، یہ ایسی صورت کا مطلق حکم ہے مگر اس سال کی نسبت کافی شرعی ثبوتوں سے ۲۹ دن کا ثابت ہوگیا، لہذا قضاء کی حاجت نہیں،

---

[1] صحیح بخاری باب اذا رأیتم الہلال فصوموا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۶

[2] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹

وقد انکشفت قدم لما انہدم جدار الحجرۃ الشریفۃ فی زمان الولید ففزع الناس وظنوا انہا قدم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فما وجدوا احدا یعلم ذٰلک حتی قال لہم عروۃ لا واللہ ماھی قدم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ماھی الا قدم عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ[1] کما فی صحیح البخاری عن ھشام عن ابیہ واخرج ابن زبالۃ وغیرہ ان قال عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالٰی عنہ لمن امرہ ببناء الحائط ان غط ما رأیت ففعلہ۔

ولید کے زمانے میں جب روضۂ پاک کی دیوار منہدم ہوئی تو ایک قدم کھُل گیا جس سے لوگ گھبرا اُٹھے، انھیں گمان ہوا کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا قدم مبارک ہے۔ کسی ایسے آدمی کو تلاش کیا جو اس سے آگاہ ہو یہاں تک کہ حضرت عروہ نے کہا بخدا یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قدم نہیں، یہ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ہی قدم ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہشام بن عروہ سے مروی ہے وہ اپنے والد سے راوی ہیں اور ابن زبالہ وغیرہ نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے جس کو دیوار تعمیر کرنے کا حکم دیا تھا اُس سے فرمایا جو تم نے دیکھا اُسے چھپا دو۔ اس نے تعمیل کی۔ (ت)

اور اس بارے میں کوئی صورت بیان میں نہ آئی ستر لازم ہے اور کشف ممنوع۔ اس طرح چھپائیں کہ زیادہ نہ کھولنا پڑے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۶ از کلکتہ زکریا اسٹریٹ نمبر ۲۲ مسئولہ مولوی عبدالحق و مولوی کریم صاحبان بمعرفت حاجی لعل خاں صاحب ۲۶ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک پیر نے اپنے مرض الموت میں اپنے وطن سے دُور ایک مرید سعید و رشید کے شہر میں اپنے دفن کی خواہش کی، بعد وصیت اور اسی مرض الموت میں وہاں پہنچ گئے اور بعد انتقال وہیں دفن ہوئے، اب چار برس چند ماہ کے بعد اُس پیر کا فرزند جس کے سامنے اس کے باپ نے اپنے مرید کو وصیت کی تھی کہ ہم تمہارے شہر میں دفن ہوں بسبب نزاع کے اُس مرید سے چاہتا ہے کہ نعش کو اُس حجرے سے اکھاڑ کر وطنِ شیخ یا اُسی شہر میں جہاں اب مزار ہے دوسری جگہ لے جا کر دفن کرے، آیا یہ امر ممکن ہے کہ نبش مسلم کیا جائے جس سے سراسر توہینِ میت متصور ہے اور وصیت متوفی کو جو اس اہتمام کے ساتھ کی، توڑ دیا جائے۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب الجنائز باب ماجاء فی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۶

جواب از لکھنؤ: ھوالمصوب، مالکِ زمین وحجرہ نے اپنی خوشی واجازت سے نعشِ شیخ کو دفن کیا، پس اب نبش قبر کا جائز نہیں بلکہ حرام ہے، جیسا کہ شامی میں مصرح ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔ حررہ محمد عبدالمجید۔

الجواب

صورتِ مذکورہ میں نبش حرام، حرام، سخت حرام، اور میّت کی اشد توہین وہتک سترِ رب العلمین ہے اور جو بیٹا باپ کے ساتھ ایسا چاہے عاق وناخلف ہے، اگرچہ وصیّت دربارۂ دفن واجب العمل نہیں، نہ یہاں دفن بے رضائے مالک کے مسئلہ کو کچھ دخل تھا کہ رضا پر تفریعِ حکم ہو۔ بالفرض اگر وقتِ دفن رضائے مالک نہ ہوتی تو اختیارِ نبش اُسے ہوتا نہ کہ اجنبی کو جس کا زمین میں کوئی حق نہیں۔ التجنیس والمزید میں ہے:

اذا دفن فی ارض غیرہ بغیر اذن مالکھا فالمالک بالخیار ان شاء امر باخراج المیت وان شاء سوی الارض وزرع فیھا[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اگر دوسرے کی زمین میں اس کے مالک کی اجازت کے بغیر دفن کردیا جائے تو مالک کو اختیار ہے اگر چاہے میت کو نکلوادے اور اگر چاہے تو زمین کے برابر کردے اور اس میں کھیتی کرے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۷: روز دوشنبہ ۲۳ صفر ۱۳۲۳ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی امرأۃ حاملۃ ماتت فی مدۃ کاملۃ ودفنت بدستور العمل فرأی رجل صالح فی المنام انھا ولدت ولدا احیا ایجوز ان یحفر قبرھا ویخرج الولد معھا اویخرج ولدھا فقط باعتماد منام الرجل المذکور ام لا، بینوا بالبرھان توجروا من الرحمان۔

اس بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک عورت پوری مدتِ حمل کے بعد بحالتِ حمل انتقال کرگئی، دستور کے مطابق اسے دفن کردیا گیا، ایک مردِ صالح نے خواب دیکھا کہ اس عورت کو زندہ بچہ پیدا ہوا ہے، اب شخص مذکور کے خواب پر اعتماد کرکے قبر کھود کر بچے کو عورت کے ساتھ نکالنا جائز ہے یا نہیں؟ دلیل کے ساتھ بیان فرمائیں خدا سے اجر پائیں (ت)

الجواب

لا، الا بدلیل جائز والستر مصون۔

جائز نہیں، مگر جب کوئی روشن دلیل ہو، پردہ محفوظ

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ التجنیس الفصل السادس فی القبر والدفن الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۶۷

طریق اوّل: خود شہادتِ رؤیت یعنی چاند دیکھنے والے کی گواہی ہلال رمضان مبارک کے لیے ایک ہی مسلمان عاقل، بالغ، غیر فاسق کا مجرد بیان کافی ہے کہ میں نے اس رمضان شریف کا ہلال فلاں دن کی شام کو دیکھا اگرچہ کنیز ہو اگرچہ مستور الحال ہو، جس کی عدالت باطنی معلوم نہیں ظاہر حال پابندِ شرع ہے اگرچہ اس کا یہ بیان مجلسِ قضا میں نہ ہو اگرچہ گواہی دیتا ہوں نہ کہے، نہ دیکھنے کی کیفیت بیان کرے کہ کہاں سے دیکھا کدھر کو تھا کتنا اونچا تھا وغیر ذٰلک۔ یہ اس صورت میں ہے کہ ۲۹ شعبان کو مطلع صاف نہ ہو، چاند کی جگہ ابر یا غبار ہو اور بحالِ صفائی مطلع اگر ویسا ایک شخص جنگل سے آیا یا بلند مکان پر تھا تو بھی ایک ہی کا بیان کافی ہو جائے گا' ورنہ دیکھیں گے کہ وہاں کے مسلمان چاند دیکھنے میں کوشش رکھتے ہیں، بکثرت لوگ متوجہ ہوتے ہیں یا کاہل ہیں دیکھنے کی پروا نہیں، بے پروائی کی صورت میں کم سے کم دو درکار ہوں گے اگرچہ مستور الحال ہوں، ورنہ ایک جماعتِ عظیم چاہیے کہ اپنی آنکھ سے چاند دیکھنا بیان کرے جس کے بیان سے خوب غالب ظن حاصل ہو جائے کہ وہ چاند ہوا اگرچہ غلام یا کھلے فساق ہوں، اور اگر کثرت حدِ تواتر کو پہنچ جائے کہ عقل اتنے شخصوں کا غلط خبر پر اتفاق محال جانے تو ایسی خبر مسلم و کافر سب کی مقبول ہے۔ **باقی گیارہ ہلالوں** کے واسطے مطلقاً ہر حال میں ضرور ہے کہ دو مرد عادل یا ایک مرد دو عورتیں عادل آزاد جن کا ظاہری و باطنی حال تحقیق ہو کہ پابند شرع ہیں، قاضیِ شرع کے حضور بلفظ اشہد گواہی دیں یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے اس مہینے کا ہلال فلاں دن کی شام کو دیکھا اور جہاں قاضیِ شرع نہ ہو تو مفتیِ اسلام اُس کا قائم مقام ہے جبکہ تمام اہل شہر سے علم فقہ میں زائد ہو اُس کے حضور گواہی دیں اور اگر کہیں قاضی و مفتی کوئی نہ ہو تو مجبوری کو اور مسلمانوں کے سامنے ایسے عادل دو مرد یا ایک مرد دو عورتوں کا بیان بے لفظ اشہد بھی کافی سمجھا جائے گا، ان گیارہ ہلالوں میں ہمیشہ یہی حکم ہے مگر عیدین میں اگر مطلع صاف ہو اور مسلمان رؤیتِ ہلال میں کاہلی نہ کرتے ہوں' وہ دو گواہ جنگل یا بلندی سے نہ آئے ہوں تو اس صورت میں وہی جماعتِ عظیم درکار ہے، اسی طرح جہاں اور کسی چاند مثلاً ہلالِ محرم کا عام مسلمان پورا اہتمام کرتے ہوں تو بحالتِ صفائیِ مطلع جبکہ شاہدین جنگل یا بلندی سے نہ آئیں ظاہراً جماعت عظیم ہی چاہیے کہ جس وجہ سے اُس کا ایجاب رمضان و عیدین میں کیا گیا تھا یہاں بھی حاصل ہے۔ درمختار میں ہے:

قبل بلا دعوی و بلا لفظ اشهد و حكم و مجلس قضاء للصوم مع علة كغيم و غبار خبر عدل او مستور لا فاسق اتفاقا ولو قنا او انثى بيّن كيفية الرؤية اولا على

ابر و غبار کی حالت میں ہلال رمضان کے لیے ایک عادل یا مستور الحال کی خبر کافی ہے اگرچہ غلام یا عورت ہو رؤیت کی کیفیت بیان کرے خواہ نہ کرے دعویٰ یا لفظ اشہد یا حکم یا مجلس قاضی کسی کی شرط نہیں مگر فاسق کا بیان بالاتفاق مردود ہے اور عید

المذھب، وشرط للفطر مع العلۃ العدالۃ و نصاب الشھادۃ ولفظ اشھد ولو کانوا ببلدۃ لاحاکم فیھا صاموا بقول ثقۃ وافطروا باخبار عدلین مع العلۃ للضرورۃ وقیل بلاعلۃ جمع عظیم یقع غلبۃ الظن بخبرھم وعن الامام یکتفی بشاھدین واختارہ فی البحر وصحح فی الاقضیۃ الاکتفاء بواحد ان جاء من خارج البلد او کان علی مکان مرتفع واختارہ ظھیر الدین وھلال الاضحی وبقیۃ الاشھر التسعۃ کالفطر علی المذھب[1] اھ مختصرا۔

کے لیے بحالِ ناصافی مطلع عدالت کے ساتھ دو مرد یا ایک مرد دو عورت کی گواہی بلفظ اشھد ضرور ہے اور اگر ایسے شہر میں ہوں جہاں کوئی حاکمِ اسلام نہیں تو بوجہ ضرورت بحالِ ابر وغبار ایک ثقہ شخص کے بیان پر روزہ رکھیں اور دو عادلوں کی خبر پر عید کرلیں، اور جب ابر وغبار نہ ہو تو ایسی بڑی جماعت کی خبر مقبول ہوگی جس سے ظنِ غالب حاصل ہوجائے اور امام سے مروی ہوا کہ دو گواہ کافی ہیں اور اسی کو بحرالرائق میں اختیار کیا، اور کتاب الاقضیہ میں فرمایا صحیح یہ ہے کہ ایک بھی کافی ہے اگر جنگل سے آئے یا بلند مکان پر تھا اور اسی کو امام ظہیر الدین نے اختیار فرمایا اور ذی الحجہ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا وہی حکم ہے جو ہلالِ عید الفطر کا۔ اھ مختصراً

ردالمحتار میں ہے:

شرط القبول عند عدم علۃ فی السماء لھلال الصوم او الفطر اخبار جمع عظیم لان التفرد من بین الجم الغفیر بالرؤیۃ مع توجھھم طالبین لما توجہ ھو الیہ مع فرض عدم المانع ظاھر فی غلطۃ بحر، ولا یشترط فیھم العدالۃ امداد ولا الحریۃ قھستانی، قولہ واختارہ فی البحر حیث قال ینبغی العمل علی ھذہ الروایۃ فی زماننا لان الناس تکاسلت عن ترائی الاھلۃ فانتفی قولھم مع توجھھم طالبین و

جب آسمان صاف ہو تو ہلالِ روزہ وعید کے قبول کو جماعتِ عظیم کی خبر شرط ہے اس لیے کہ بڑی جماعت کہ وُہ بھی چاند دیکھنے میں مصروف تھی اُس میں صرف دو ایک شخص کو نظر آنا حالانکہ مطلع صاف ہے ان دو ایک کی خطا میں ظاہر ہے، ایسا ہی بحرالرائق میں ہے اور جماعتِ عظیم میں عدالت شرط نہیں، ایسا ہی امداد الفتاح میں ہے، نہ آزادی شرط ہے ایسا ہی قہستانی میں ہے، اور بحرالرائق میں فرمایا کہ جب لوگ چاند دیکھنے میں کاہلی کریں تو اس روایت پر عمل چاہیے کہ دو گواہ کافی ہیں کہ اب وُہ وجہ نہ رہی کہ سب چاند دیکھنے میں مصروف تھے اور مطلع صاف تھا تو فقط انہی دو کو نظر آنا

---

[1] درمختار | کتاب الصوم | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۴۸-۴۹

[2] ردالمحتار | | مصطفی البابی مصر | ۲/۱۰۰

ظاہر الولوالجیۃ والظہیریۃ یدل علی ان ظاہر الروایۃ ھو اشتراط العدد والعدد یصدق باثنین اھ وفی زماننا مشاھد من تکاسل الناس فلیس فی شہادۃ الاثنین تفرد من بین الجم الغفیر حتی یظہر غلط الشاھد فانتفت علۃ ظاہر الروایۃ فتعین الافتاء بالروایۃ الاخری[1]، وفی کافی الحاکم الذی ھو جمع کلام محمد فی کتبہ ظاہر الروایۃ وتقبل شہادۃ المسلم والمسلمۃ عدلا کان او غیر عدل بعد ان یشہد انہ رأی خارج المصر اوانہ رأہ فی المصر وفی المصر علۃ تمنع العامۃ من التساوی فی رؤیتہ اھ ولا منافاۃ بینہما لان اشتراط الجمع العظیم اذا کان الشاھد من المصر فی مکان غیر مرتفع، فالثانیۃ مقیدۃ لاطلاق الاولی بدلیل ان الاولی علل فیہا رد الشہادۃ بان التفرد ظاہر فی الغلط وعلی ما فی الثانیۃ لم توجد علۃ الرد ولہذا قال فی المحیط فلا یکون تفردہ بالرؤیۃ خلاف الظاہر[2] الخ قولہ وبقیۃ الاشہر التسعۃ لایقبل فیہا الاشہادۃ رجلین اورجل وامرأتین عدول احرار غیر محدودین کما فی سائر الاحکام بحر عن شرح

بعید از قیاس ہے، اور ولوالجیہ وظہیریہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ظاہر الروایۃ میں صرف تعددِ گواہان کی شرط ہے اور تعدد دو سے بھی ہوگیا انتہی اور ہمارے زمانے میں لوگوں کا کسل آنکھوں دیکھا ہے تو دو کی گواہی کو یہ نہ کہیں گے کہ جمہور کے خلاف انہی کو کیسے نظر آگیا جس سے گواہ کی غلطی ظاہر ہو تو ظاہر الروایۃ کی وجہ نہ رہی تو اس دوسری روایت پر فتوٰی دینا لازم ہوا اور کافی حاکم جس میں امام محمد کا تمام کلام کتب ظاہر الروایۃ کا جمع فرمادیا ہے یوں ہے کہ رمضان میں ایک مسلمان مرد یا عورت عادل یا مستور الحال کی گواہی مقبول ہے جبکہ یہ گواہی دے کہ اس نے جنگل میں دیکھا یا شہر میں دیکھا اور کوئی سبب ایسا تھا جس کے باعث اوروں کو نظر نہ آیا انتہی اور ان دونوں روایتوں میں منافات نہیں اس لیے کہ جماعت عظیم کی شرط وہاں ہے کہ گواہ شہر میں غیر مکان بلند پر ہو تو یہ پچھلی روایت اُس پہلی کے اطلاق کی قید بتاتی ہے اور اس پر دلیل یہ کہ پہلی میں ایک کی گواہی نہ ماننے کی وجہ یہ فرمائی تھی کہ تنہا اُس کا دیکھنا غلطی میں ظاہر ہے اور اُس پچھلی صورت یعنی جبکہ وُہ جنگل میں یا بلند مکان پر تھا وہ رَد کی وجہ نہ پائی گئی اس لیے محیط میں فرمایا کہ اس حالت میں تنہا اُس کا دیکھنا خلاف ظاہر نہ ہوگا الخ اور باقی نو مہینوں میں مقبول نہ ہوگی مگر گواہی دو[2] مردوں یا ایک مرد دو عورتوں عادل آزاد کی جن پر حدِ قذف نہ لگ چکی ہو جیسے باقی تمام معاملات میں۔ اسی طرح

---

[1] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۰۱
[2] ؎ ؎ ؎ ؎

مختصر الطحاوی للامام الاسبیجابی والظاھر انہ فی الاھلۃ التسعۃ لافرق بین الغیم والصحو فی قبول الرجلین لفقد العلۃ الموجبۃ لاشتراط الجمع الکثیر وھی توجہ الکل طالبین ویؤیدہ[1] قولہ کما فی سائر الاحکام اھ ملتقطا۔

بحرالرائق میں امام اسبیجابی کی شرح مختصر طحاوی سے ہے اور ظاہر یہ ہے کہ ان نوچاندوں میں صفائی وعدم صفائی مطلع کا کچھ فرق نہیں ہر حال میں دو کی گواہی قبول ہوگی کہ وہ وجہ جو وہاں شرط جماعت عظیم کی باعث تھی کہ سب ہلال کو تلاش کرتے ہیں یہاں موجود نہیں کہ ان نومہینوں کا چاند عام لوگ تلاش نہیں کرتے ہیں، اور اس کی تائید کرتا ہے امام اسبیجابی کا وہ فرمانا کہ اُن میں وہ درکار ہے جو باقی تمام معاملات میں اھ ملتقطا

حدیقہ ندیہ میں ہے :

اذا خلا الزمان من سلطان ذی کفایۃ فالامور موکلۃ الی العلماء ویلزم الامۃ الرجوع الیھم ویصیرون ولاۃ فاذا عسر جمعھم علی واحد استقل کل قطر باتباع علمائہ فان کثروا فالمتبع اعلمھم فان استووا اقرع بینھم[2]۔

جب زمانہ ایسے سلطان سے خالی ہو جو معاملاتِ شرعیہ میں کفایت کرسکے تو شرعی سب کام علماء کو سپرد ہونگے اور مسلمانوں پر لازم ہوگا کہ اپنے ہر معاملہ شرعیہ میں اُن کی طرف رجوع کریں وہ علماء ہی قاضی وحاکم سمجھے جائیں گے پھر اگر سب مسلمانوں کا ایک عالم پر اتفاق مشکل ہو تو ہر ضلع کے لوگ اپنے علماء کا اتباع کریں، اگر ضلع میں عالم کثیر ہوں تو جو سب میں زیادہ احکامِ شریعت کا علم رکھتا ہے اُس کی پیروی ہوگی، اور اگر علم میں برابر ہوں تو اُن میں قرعہ ڈالیں ۱۲ منہ غفرلہ

طریق دوم : شہادۃ علی الشہادۃ یعنی گواہوں نے چاند خود نہ دیکھا بلکہ دیکھنے والوں نے ان کے سامنے گواہی دی اور اپنی گواہی پر انھیں گواہ کیا، انھوں نے اُس گواہی کی گواہی دی، یہ وہاں ہے کہ گواہان اصل حاضری سے معذور ہوں اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ گواہ اصل گواہ سے کہے میری اس گواہی پر گواہ ہوجا کہ میں گواہی دیتا ہوں میں نے ماہ فلاں سنہ فلاں کا ہلال فلاں دن کی شام کو دیکھا۔ گواہانِ فرع یہاں آکر یُوں شہادت دیں کہ میں گواہی دیتا ہُوں کہ فلاں بن فلاں نے مجھے اپنی اس گواہی پر گواہ کیا کہ فلاں بن فلاں مذکور نے ماہ فلاں سنہ فلاں کا ہلال فلاں دن کی شام کو دیکھا اور فلاں بن فلاں مذکور نے مجھ سے کہا کہ میری اس گواہی پر گواہ ہوجا پھر اصل شہادت رؤیت میں اختلافِ احوال کے ساتھ جو احکام گزرے ان کا لحاظ ضرور رہے، مثلاً ماہ رمضان میں مطلع صاف تھا

---

[1] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۰۳

[2] الحدیقۃ الندیۃ النوع الثالث من انواع العلوم الثلاثۃ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۳۵۱

توصرف ایک کی گواہی مسموع نہ ہونی چاہئے جب تک جنگل میں یا بلند مکان پر دیکھانہ بیان کرے ورنہ ایک کی شہادت اور اس کی شہادت پر بھی صرف ایک ہی شاہد اگرچہ کنیز مستورۃ الحال ہو بس ہے اور باقی مہینوں میں یہ تو ہمیشہ ضرور ہے کہ ہر گواہ کی گواہی پر ۲ مرد یا ایک مرد دو عورت عادل گواہ ہوں اگرچہ یہی دو مرد اُن دو اصل میں ہر ایک کے شاہد ہوں، مثلاً جہاں عیدین میں صرف ۲ عادلوں کی گواہی مقبول ہے زید و عمرو ۲ عادلوں نے چاند دیکھا اور ہر ایک نے اپنی شہادت پر بکر و خالد دو مرد عادل کو گواہ کردیا کہ یہاں آکر بکر اور خالد ہر ایک نے زید و عمرو دونوں کی گواہی پر گواہی دی کافی ہے یہ ضرور نہیں کہ ہر گواہ کے جدا جدا ۲ گواہ ہوں، اور یہ بھی جائز ہے کہ ایک اصل خود آکر گواہی دے اور دوسرا گواہ اپنی گواہی پر دو گواہ جداگانہ کر بھیجے، ہاں یہ جائز نہیں کہ ایک گواہ اصل کے ۲ گواہ ہوں اور انھیں دونوں میں سے ایک خود اپنی شہادت ذاتی بھی دے۔ درمختار میں ہے:

الشہادۃ علی الشہادۃ مقبولۃ وان کثرت استحسانا فی کل حق علی الصحیح الافی حد وقود بشرط تعذر حضور الاصل بمرض او سفر واکتفی الثانی بغیبۃ بحیث یتعذر ان یبیت باھلہ واستحسنہ غیر واحد وفی القھستانی والسراجیۃ وعلیہ الفتوی واقرہ المصنف اوکون المرأۃ مخدرۃ لاتخالط الرجال وان خرجت لحاجۃ وحمام قنیۃ، عند الشہادۃ عند القاضی قید للکل، وبشرط شہادۃ عدد نصاب ولو رجلا وامرأتین عن کل اصل، ولو امرأۃ لاتغایر فرعی ھذا وذاک وکیفیتھا ان یقول الاصل مخاطبا للفرع ولو ابنہ بحرا شہد علی شہادتی انی اشہد بکذا ویقول الفرع اشہد ان فلانا اشہدنی علی شہادتہ بکذا وقال لی اشہد علی شہادتی

گواہی مقبول ہے اگرچہ یکے بعد دیگرے کتنے ہی درجے تک پہنچے (مثلاً گواہانِ اصل نے زید و عمرو کو گواہ بنایا انھوں نے اپنی اس شہادت علی الشہادت پر بکر و خالد کو گواہ کردیا خالد نے اپنی اس شہادت علی الشہادت پر سعید و حمید کو شاہد بنالیا وعلٰی ہذا القیاس) اور مذہب صحیح پر یہ امر حدود و قصاص کے سوا ہر حق میں جائز ہے اس شرط سے کہ جس وقت قاضی کے حضور ادائے شہادت ہُوئی اُس وقت وہاں اصل گواہ کا آنا مرض یا سفر یا زن پردہ نشین ہونے کے باعث متعذر ہو اور امام ابی یوسف کے نزدیک تین منزل دُور ہونا ضرور نہیں بلکہ اتنی دُوری کافی ہے کہ گواہی دے کر رات کو اپنے گھر نہ پہنچ سکے بکثرت مشائخ نے اسی قول کو پسند کیا اور قہستانی و سراجیہ میں ہے کہ اسی پر فتوٰی ہے۔ مصنّف نے اسے مسلّم رکھا اور عورت کی پردہ نشینی یہ کہ مردوں کے مجمع سے بچتی ہو اگرچہ اپنی کسی ضرورت کے لیے باہر نکلے یا حمام جائے، ایسا ہی قنیہ میں ہے۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ ہر اصل

بذالک[1] اھ مختصرا۔ گواہ اگرچہ عورت کی گواہی پر پورا نصاب شہادۃ ہو یعنی دو مرد یا ایک مرد دو[2] عورتیں گواہی دیں، ہاں یہ ضرور نہیں کہ ہر گواہ اصل کے دو دو جُدا گانہ گواہ ہوں اور اس کی کیفیت یہ ہے کہ گواہِ اصل گواہِ فرع سے اگرچہ وہ اس کا بیٹا ہو خطاب کرکے کہے تو میری اس گواہی پر گواہ ہوجا کہ میں یہ گواہی دیتا ہوں اور گواہِ فرع یُوں اداۓ شہادت کرے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ فلاں نے مجھے اپنی گواہی پر گواہ کیا اور مجھ سے کہا کہ میری اس گواہی پر گواہ ہوجا۔ اھ مختصراً

اُسی کے بیان ہلال رمضان میں ہے:

وتقبل شہادۃ واحد علی اٰخر کعبد وانثی ولو علی مثلھما[2]۔

ایک کی گواہی دوسرے پر مثلاً غلام یا عورت کی شہادت اگرچہ اپنی ہی جیسے پر ہلالِ رمضان میں مقبول ہے جبکہ ایک کی گواہی وہاں مسموع ہونے کے قابل ہو جیسے بحالت ناصافی مطلع۔

ردالمحتار میں ہے:

لو شھدا علی شھادۃ رجل واحد ھما یشھد بنفسہ ایضالم یجز کذا فی المحیط السرخسی فتاوی الھندیۃ ولو شھد واحد علی شھادۃ نفسہ واٰخران علی شھادۃ غیرہ یصح وصرح بہ فی البزازیۃ اھ[3] مختصرا

اگر دو گواہوں نے ایک مرد کی شہادت پر شہادت کی اور اُن میں ایک خود بذاتہ گواہ ہے تو یہ جائز نہیں، ایسا ہی فتاوٰی عالمگیری میں محیط امام سرخسی سے ہے اور اگر ایک نے خود گواہی دی اور دوسرے دو نے اور شخص کی شہادت پر شہادت ادا کی تو یہ درست ہے، بزازیہ میں اس کی تصریح ہے ۱۲

فتاوٰی عالمگیریہ میں ذخیرہ سے ہے:

ینبغی ان یذکر الفرع اسم الشاھد الاصل واسم ابیہ وجدہ حتی لو ترک ذلک فالقاضی لایقبل شھادتھما کذا فی الذخیرۃ[4]۔

گواہِ فرع کو چاہئے کہ گواہ اصل اور اس کے باپ اور دادا سب کا نام ذکر کرے یہاں تک کہ اسے چھوڑ دے گا تو حاکم اس کی گواہی قبول نہ کرے گا کذا فی الذخیرۃ ۱۲

---

[1] دُرمختار	باب الشہادۃ علی الشہادت	مطبع مجتبائی دہلی	۲/ ۱۰۰
[2] "	کتاب الصوم	" " "	۱/ ۱۴۸
[3] ردالمحتار	باب الشہادۃ علی الشہادۃ	مصطفی البابی مصر	۴/ ۴۳۷
[4] فتاوٰی ہندیۃ	الباب الحادی عشر فی الشہادۃ علی الشہادۃ	نورانی کتب خانہ پشاور	۳/ ۵۲۴

شہادۃ علی الشہادۃ میں یہ بھی ضرور ہے کہ اُس کے مطابق حکم ہونے تک گواہانِ اصل بھی اہلیت شہادت پر باقی رہیں اور شہادت کی تکذیب نہ کریں مثلاً گواہانِ فرع نے ابھی گواہی نہ دی یا دی اور اس پر ہنوز حکم نہ ہوا تھا کہ گواہانِ اصل سے کوئی گواہ اندھا یا گونگا یا مجنون یا معاذ اللہ مرتد ہوگیا یا کہا کہ میں نے توان گواہوں کو اپنی شہادت کا گواہ نہ کیا تھا یا غلطی سے گواہ کر دیا تھا تو یہ شہادت باطل ہوجائے گی۔ درمختار میں ہے:

تبطل شہادۃ الفروع بخروج اصلہ عن اہلیتہا لخرس وعمی، وبانکار اصلہ الشہادۃ کقولہم مالنا شہادۃ اولم نشہد او اشہدناھم وغلطنا[1] اھ مختصرا

اصل شاہد کے اہلیت سے نکل جانے کے سبب فروع کی شہادت باطل ہوجاتی ہے مثلاً اصل شاہد گونگا یا نابینا ہوگیا یا اصل شاہد شہادت سے انکاری ہو، مثلاً اصول یُوں کہیں ہم گواہ نہیں یا ہم نے ان کو گواہ نہیں کیا یا ہم نے ان کو گواہ کیا اور غلط کہا۔ (ت)

طریق سوم: شہادۃ علی القضاء یعنی دوسرے کسی اسلامی شہر میں حاکم اسلام قاضی شرع کے حضور رؤیت ہلال پر شہادتیں گزریں اور اُس نے ثبوتِ ہلال کا حکم دیا، دو شاہدانِ عادل اس گواہی وحکم کے وقت حاضر دار القضاء تھے، انھوں نے یہاں حاکم اسلام قاضی شرع یا وُہ نہ ہو تو مفتی کے حضور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں ہمارے سامنے فلاں شہر کے فلاں حاکم کے حضور فلاں ہلال کی نسبت فلاں دن کی شام کو ہونے کی گواہیاں گزریں اور حاکم موصوف نے اُن گواہیوں پر ثبوت ہلال مذکور شام فلاں روز کا حکم دیا، فتح القدیر شرح ہدایہ میں ہے:

لوشہدوا ان قاضی بلد کذا شہد عندہ اثنان برؤیۃ الہلال فی لیلۃ کذا وقضی بشہادتہما جاز لہذا القاضی ان یحکم بشہادتہما لان قضاء القاضی حجۃ وقد شہدوا بہ[2]

اگر گواہوں نے گواہی دی کہ فلاں شہر کے فلاں قاضی کے پاس فلاں رات میں چاند دیکھنے پر دو آدمیوں نے گواہی دی تو قاضی نے ان کی شہادت پر فیصلہ دے دیا ہے تو اس قاضی کے لیے ان دونوں کی شہادت کی وجہ سے فیصلہ دینا جائز ہے کیونکہ قضائے قاضی حجت ہے اور انھوں نے اس پر گواہی دی ہے۔ (ت)

اسی طرح فتاوٰی قاضیخاں وفتاوٰی خلاصہ وغیرہما میں ہے۔

قلت وقیدہ فی التنویر تبعا للذخیرۃ عن مجموع النوازل باستجماع شرائط

قلت تنویر میں ذخیرہ کی اتباع کرتے ہوئے مجموع النوازل کے حوالے سے نقل کرتے ہوئے یہ قید لگائی کہ دعوٰی

---

[1] درمختار | باب الشہادۃ علی الشہادۃ | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/ ۱۰۰

[2] فتح القدیر | کتاب الصوم | مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر | ۲/ ۲۴۳

الدعوی ووجهه العلامة الشامی بتوجیهین، لنا فی کل منهما کلام حققناہ فیما علیہ علقناہ فراجعہ ثمہ فانہ من الفوائد المھمۃ۔

کے تمام شرائط کا پایا جانا ضروری ہے اور علامہ شامی نے اس کی دو توجیہات بیان کی ہیں ان میں سے ہر ایک پر ہمیں کلام ہے، اس کی پوری تفصیل ہم نے حاشیہ ردالمحتار میں بیان کر دی ہے وہاں سے ملاحظہ کریں وہ نہایت ہی اہم ہے (ت)

طریق چہارم: کتاب القاضی الی القاضی یعنی قاضی شرع جسے سلطان اسلام نے فصل مقدمات کے لئے مقرر کیا ہو اس کے سامنے شرعی گواہی گزری اُس نے دوسرے شہر کے قاضی شرع کے نام خط لکھا کہ میرے سامنے اس مضمون پر شہادت شرعیہ قائم ہوئی اور اُس خط میں اپنا اور مکتوب الیہ کا نام ونشان پورا لکھا جس سے امتیاز کافی واقع ہو اور وہ خط دو گواہان عادل کے سپرد کیا کہ یہ میرا خط قاضی فلاں شہر کے نام ہے وہ باحتیاط اس قاضی کے پاس لائے اور شہادت ادا کی کہ آپ کے نام یہ خط فلاں قاضی فلاں شہر نے ہم کو دیا اور ہمیں گواہ کیا کہ یہ خط اس کا ہے اب یہ قاضی اگر اُس شہادت کو اپنے مذہب کے مطابق ثبوت کے لیے کافی سمجھے تو اس پر عمل کر سکتا ہے (اور بہتر یہ ہے کہ قاضی کاتب خط لکھ کر ان گواہوں کو سُنا دے یا اس کا مضمون بتا دے اور خط بند کر کے اُن کے سامنے سربمہر کرے، اور اولیٰ یہ کہ اُس کا مضمون ایک کھلے ہوئے پرچے پر الگ لکھ کر بھی ان شہود کو دے دے کہ اُسے یاد کرتے رہیں یہ آکر مضمون پر بھی گواہی دیں کہ خط میں یہ لکھا ہے اور سربمہر خط اس قاضی کے حوالہ کریں یہ زیادہ احتیاط کے لیے ہے ورنہ خیر اُسی قدر کافی ہے کہ دو مردوں یا ایک مرد دو عورتیں عادل کو خط سپرد کر کے گواہ کرلے اور وہ باحتیاط یہاں لاکر شہادت دیں) بغیر اس کے اگر خط ڈاک میں ڈال دیا یا اپنے آدمی کے ہاتھ بھیج دیا تو ہرگز مقبول نہیں اگرچہ وہ خط اُسی قاضی کا معلوم ہوتا ہو اور اس پر اس کی اور اس کے محکمۂ قضا کی مہر بھی لگی ہو (اور یہ بھی ضرور ہے کہ جب تک یہ خط قاضی مکتوب الیہ کو پہنچے اور وہ اُسے پڑھ لے اُس وقت تک کاتب زندہ رہے اور معزول نہ ہو ورنہ اگر خط پڑھے جانے سے پہلے مرگیا یا برخاست ہوگیا تو اس پر عمل نہ ہوگا اور بحالت زندگی یہ بھی ضرور ہے کہ جب تک مکتوب الیہ اس خط کے مطابق حکم نہ کرلے اُس وقت تک کاتب عہدۂ قضا کا اہل رہے ورنہ اگر حکم سے پہلے کاتب مثلاً مجنون یا مرتد یا اندھا ہوگیا تو بھی خط بیکار ہو جائے گا۔ درمختار میں ہے:

القاضی یکتب الی القاضی بحکمہ وان لم یکن الخصم حاضرا لم یحکم وکتب الشھادۃ لیحکم المکتوب الیہ بھا علی رأیہ وقرأ الکتاب علیھم او اعلمھم بہ

ایک قاضی دوسرے قاضی کی طرف حکم نامہ لکھے، اگر خصم حاضر نہ ہو تو قاضی فیصلہ نہ کرے اور گواہی لکھ لے تاکہ قاضی مکتوب الیہ گواہی کے ذریعے اپنی رائے کے مطابق فیصلہ صادر کرے اور قاضی کاتب خط مذکور کو شہود پر

وختم عندھم وسلم الیھم بعد کتابۃ عنوانہ وھو ان یکتب فیہ اسمہ و اسم المکتوب الیہ وشھرتھما واکتفی الثانی بان یشھدھم انہ کتابہ وعلیہ الفتوٰی ویبطل الکتاب بموت الکاتب وعزلہ قبل القراءۃ وبجنون الکاتب وردتہ وحدہ لقذف و عمائہ لخروجہ عن الاھلیۃ وکذا بموت المکتوب الیہ لخروجہ عن الاھلیۃ الا اذا عمم ولا یقبل کتاب القاضی من محکم بل من قاض مولی من قبل الامام[1] (ملخصًا)۔

پڑھے یا انھیں اس کے مضمون سے آگاہ کرے، پھر خط پر پتا یوں تحریر کرے کہ اپنا اور مکتوب الیہ کا نام اور دونوں کی شہرت یعنی وہ لفظ یا لقب ضرور لکھے جس سے وہ مشہور ہوں۔ اور امام ابو یوسف نے اس پر اکتفاء کیا ہے کہ قاضی کاتب شاہدوں کو صرف اس پر گواہ کرلے کہ وہ اس کا خط ہے۔ فتوٰی اسی قول پر ہے اور خط پڑھے جانے سے قبل قاضی کاتب کی موت اور اس کی معزولی کے سبب باطل ہوجاتا ہے۔ اسی طرح قاضی کاتب کے مجنون، مرتد، محدود فی القذف اور نابینا ہوجانے پر بسبب نکل جانے اہلیت قضاء سے خط باطل ہوجاتا ہے، یوں ہی مکتوب الیہ قاضی کی موت سے بسبب نکل جانے اہلیت قضا سے خط باطل ہوجاتا ہے مگر اس صورت میں مکتوب الیہ قاضی کی موت سے خط باطل نہیں ہوتا جب کاتب قاضی تعمیم کرے مثلاً یوں کہ جو وہاں کا قاضی ہو یہ خط اس کی طرف ہے، اور خط حکم کی طرف سے مقبول نہیں بلکہ اس قاضی کی طرف سے مقبول ہے جو سلطان کی طرف سے معین ہو (ملخصًا) (ت)

درر وغرر میں ہے:

لایقبلہ ایضا الا بشھادۃ رجلین او رجل وامرأتین لان الکتاب قد یزور اذا الخط یشبہ الخط والخاتم یشبہ الخط فلا یثبت الابحجۃ تامۃ[2]۔

تحریر مقبول نہ ہوگی مگر دو مردوں کی گواہی یا ایک مرد اور خواتین کی گواہی کے بعد، کیونکہ تحریریں جعلسازی ہوجاتی ہے اور تحریر دوسری تحریر کی مشابہ ہوسکتی ہے اسی طرح مُہر دوسری مُہر کے مشابہ ہوسکتی ہے لہذا حجت کاملہ کے بغیر تحریر کا ثبوت نہ ہوگا۔ (ت)

طریق پنجم: استفاضہ یعنی جس اسلامی شہر میں حاکم شرع قاضی اسلام ہو کہ احکام ہلال اُسی کے یہاں سے صادر ہوتے ہیں اور خود عالم اور ان احکام میں علم پر عامل و قائم یا کسی عالم دین محقق معتمد پر اعتماد کا ملتزم

---

[1] درمختار | باب کتاب القاضی الی القاضی | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/ ۸۴-۸۳

[2] درر غرر | " " | مطبعہ احمد کامل الکائنہ دار صادر بیروت | ۲/ ۴۱۴

ملازم ہے یا جہاں قاضیِ شرع نہیں تو مفتیِ اسلام مرجع عوام و متبع الاحکام ہو کہ احکامِ روزہ و عیدین اُسی کے فتوے سے نفاذ پاتے ہیں عوام کالانعام بطورِ خود عید و رمضان نہیں ٹھہرالیتے وہاں سے متعدد جماعتیں آئیں اور سب یک زبان اپنے علم سے خبر دیں کہ وہاں فلاں دن بربنائے رؤیت روزہ ہُوا یا عید کی گئی مجرد بازاری افواہ کہ خبر اُڑگئی اور قائل کا پتا نہیں۔ پُوچھے تو یہی جواب ملتا ہے کہ سُنا ہے یا لوگ کہتے ہیں، یا بہت پتا چلا تو کسی مجہول کا انتہا درجہ، منتہائے سند دو ایک شخصوں کے محض حکایت کہ اُنھوں نے بیان کیا اور شدہ شدہ شائع ہوگئی، ایسی خبر ہرگز استفاضہ نہیں بلکہ خود وہاں کی آئی ہُوئی متعدد جماعتیں درکار ہیں جو بالاتفاق وُہ خبر دیں، یہ خبر اگرچہ نہ خود اپنی رؤیت کی شہادت ہے نہ کسی شہادت پر شہادت، نہ بالتصریح قضائے قاضی پر شہادت نہ کتاب قاضی پر شہادت، مگر اس مستفیض خبر سے بالیقین یا بہ غلبۂ ظن ملتحق بالیقین وہاں رؤیت و صوم و عید کا ہونا ثابت ہوگا اور جبکہ وُہ شہر اسلامی اور احکام و حکام کی وہاں پابندی دوامی ہے تو ضرور مظنون ہوگا کہ امر بحکم واقع ہُوا تو اس طریق سے قضائے قاضی کہ حجتِ شرعیہ ہے ثابت ہوجائیگی اور یہیں سے واضح ہُوا کہ تاریک شہر جہاں نہ کوئی قاضیِ شرع نہ مفتیِ اسلام، یا مفتی ہے مگر نااہل جسے خود احکامِ شرع کی تمیز نہیں، جیسے آج کل کے بہت مدعیان خامکار، خصوصاً وہابیہ، خصوصاً غیر مقلدین وغیرہم فجار، یا بعض سلیم الطبع سُنّی ناقص العلم ناتجربہ کار، یا مفتی محقق معتمد عالم مستند ہے مگر عوام خود سر اس کے منتظر احکام نہیں، پیش خویش اپنے قیاساتِ فاسدہ پر جب چاہیں عید و رمضان قرار دے لیتے ہیں، ایسے شہروں کی شہرت بلکہ تواتر بھی اصلاً قابلِ قبول نہیں کہ اس سے کسی حجتِ شرعیہ کا ثبوت نہ ہُوا، درمختار میں ہے:

شھدوا انہ شھد عند قاضی مصر کذا شاھدان برؤیۃ الھلال وقضی بہ[1] قضی القاضی بشھادتھما لان قضاء القاضی حجۃ وشھدوا بہ لا لوشھدوا برؤیۃ غیرھم لانہ حکایۃ نعم لواستفاض الخبر فی البلدۃ الاخری لزمھم علی الصحیح من المذھب مجتبی[1] وغیرہ (ملخصًا)

دو گواہوں نے گواہی دی کہ فلاں شہر کے قاضی کے پاس چاند دیکھنے کی فلاں دو گواہوں نے گواہی دی ہے اور قاضی نے اس پر فیصلہ صادر فرما دیا ہے تو ان کی گواہی کی بنا پر یہ قاضی بھی فیصلہ دے سکتا ہے کیونکہ قاضی کی قضا حجت ہے اور اس پر وہ گواہ موجود ہیں البتہ اس صورت میں قاضی فیصلہ نہیں دے سکتا جب وُہ صرف غیر کی رؤیت پر گواہی دیں کیونکہ یہ محض حکایت ہے، ہاں اگر خبر دوسرے شہر میں مشہور ہوجاتی ہو تو پھر صحیح مذہب کے مطابق ان پر روزہ لازم ہوجائے گا، مجتبٰی وغیرہ (ملخصًا) (ت)

ردالمحتار میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹

هذہ الاستفاضۃ لیس فیہا شہادۃ علی قضاء قاض ولا علی شہادۃ لکن لما کانت بمنزلۃ الخبر المتواتر وقد ثبت بہا ان اہل تلک البلدۃ صاموا یوم کذا لزم العمل بہا لان البلدۃ لا تخلو عن حاکم شرعی عادۃ فلابد من ان یکون صومہم مبنیا علی حکم حاکمہم الشرعی فکانت تلک الاستفاضۃ بمعنی نقل الحکم المذکور[1] الخ

یہ شہرت نہ تو قضاءِ قاضی پر شہادت ہے اور نہ ہی کسی اور شہادت پر، لیکن یہ خبرِ متواتر کے درجہ پر فائز ہے اور اس سے یہ ثابت ہوا ہے کہ فلاں شہر کے لوگوں نے اس دن روزہ رکھا تو اس پر عمل لازم ہوگا کیونکہ ہر شہر عادۃً حاکمِ شرعی سے خالی نہیں ہوتا تو اب ان کا روزہ ان کے حاکمِ شرعی کے حکم کی بنا پر ہی ہوگا گویا وہ شہرت حکمِ قاضی کا منقول ہونا ہے۔ الخ (ت)

اُسی میں ہے:

قال الرحمتی معنی الاستفاضۃ ان تاتی من تلک بلدۃ جماعات متعددون کل منہم یخبر عن اہل تلک البلدۃ انہم صاموا عن رؤیۃ لامجرد الشیوع من غیر علم بمن اشاعہ کما قد تشیع اخبار یتحدث بہا سائر اہل البلدۃ ولا یعلم من اشاعہا کما ورد ان فی اٰخر الزمان یجلس الشیطان بین الجماعۃ ویتکلم بالکلمۃ فیتحدثون بہا ویقولون لا ندری من قالہا فمن ہذا لاینبغی ان یسمع فضلا من ان یثبت بہ حکم اھ قلت وھو کلام حسن و یشیر الیہ قول الذخیرۃ اذا استفاض وتحقق فان التحقق لایوجد بمجرد الشیوع[2]۔

امام رحمتی نے فرمایا: شہرت کا معنی یہ ہے کہ اس شہر سے متعدد جماعتیں آئیں اور وہ تمام یہ اطلاع دیں کہ اس شہر میں لوگوں نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا ہے محض ایسی افواہ سے نہیں جس کے پھیلانے والا معلوم نہ ہو، جیسا کہ اکثر ہوتا رہتا ہے کہ بہت سی خبریں شہر میں پھیل جاتی ہیں اور ان کے پھیلانے والا معلوم نہیں ہوتا، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ آخری زمانے میں شیطان لوگوں کے درمیان آکر بیٹھے گا اور بات کرے گا لوگ اسے بیان کریں گے اور کہیں گے ہم نہیں جانتے یہ بات کس نے کہی، تو ایسی باتیں تو سننا ہی مناسب نہیں چہ جائیکہ ان سے حکم ثابت کیا جائے اھ قلت یہ کلام بہت اچھا ہے اور اسی کی طرف قولِ ذخیرہ کا اشارہ ہے کہ جب خبر مشہور اور ثابت ہو، کیونکہ ثبوت محض افواہ کی بنا پر نہیں ہوتا۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۰۲

[2] ایضاً

تنبیہ الغافل والوسنان علی احکام ہلال رمضان میں ہے :

لماکانت الاستفاضۃ بمنزلۃ الخبر المتواتر وقد ثبت بھا ان اھل تلك البلدۃ صاموا یوم کذا لزم العمل بھا لان المراد بھا بلدۃ فیھا حاکم شرعی[1] الخ

جب چاند نظر آنے کی خبر، خبر متواتر کی طرح مشہور ہو اور اس سے ثابت ہو جائے کہ فلاں شہر کے لوگوں نے چاند نظر آنے پر روزہ رکھا ہے تو ایسی خبر پر عمل لازم ہوگا کیونکہ اس سے وہ شہر مراد ہوگا جس میں حاکم شرعی ہوگا الخ (ت)

دربارہ استفاضہ یہ تحقیق علامہ شامی کی ہے اور اس تقدیر پر وہ شرائط ضرور ہیں کہ عموم وخیدبنائے حکم حاکم شرع عالم متبع احکام ہوا کرتا ہو، اور ایک صورت یہ بھی متصور کہ دوسرے شہر سے جماعات کثیرہ آئیں اور سب بالاتفاق بیان کریں کہ وہاں ہمارے سامنے لوگ اپنی آنکھ سے چاند دیکھنا بیان کرتے تھے جن کا بیان مورث یقین شرعی تھا ظاہر اس تقدیر پر وہاں کسی ایسے حاکم شرع کا ہونا ضرور نہیں کہ رؤیت فی نفسہا حجت شرعیہ ہے۔

لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ[2]

حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے کہ چاند دیکھنے پر روزہ رکھو اور چاند دیکھنے پر عید کرو۔ (ت)

جب جماعت تواتر جماعت تواتر سے اُن کی رؤیت کی ناقل ہے تو رؤیت بالیقین ثابت ہوگئی اور شہادت کی حاجت نہ رہی کہ اثبات احکام میں تواتر بھی قائم مقام شہادت بلکہ اُس سے اقوی ہے کہ شہادت بر خلاف تواتر آئے تو رد کردی جائے اور نفی پر تواتر مقبول ہے اور شہادت نامسموع۔ عالمگیریہ میں محیط سے ہے :

ان وجد کلھم غیر ثقات یعتمد علی ذلك بتواتر الاخبار[3]۔

اگر وہ تمام غیر ثقہ ہوں تب بھی تواتر خبر کی بنا پر اعتماد کیا جائے گا۔ (ت)

درمختار میں ہے :

شھادۃ النفی المتواتر مقبولۃ[4]۔ (نفی متواتر کی گواہی مقبول ہے۔ ت)

ردالمحتار میں ہے :

فی النوادر عن الثانی شھدا علیہ بقول او

نوادر میں امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ دو گواہوں نے

---

[1] تنبیہ الغافل والوسنان رسالہ من رسائل ابن عابدین الرسالۃ الثالثۃ سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۲۵۲
[2] صحیح بخاری باب اذا رأیتم الہلال فصوموا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۶
[3] فتاوٰی ہندیۃ الباب الثانی عشر فی الجرح والتعدیل نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۵۲۹
[4] درمختار باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۹۸

فعل یلزم علیه بذلك اجارۃ او بیع او کتابۃ او طلاق او عتاق او قتل او قصاص فی مکان او زمان او صفات فبرھن المشھود علیہ انہ لم یکن ثمہ یومئذ لاتقبل لکن قال المحیط فی الحادی والخمسین ان تواتر عند الناس وعلم الکل عدم کونہ فی ذلك المکان والزمان لاتسمع الدعوی ویقضی بفراغ الذمۃ لانہ یلزم تکذیب الثابت بالضرورۃ۔[1]

کسی کے خلاف اس کے قول یا فعل پر گواہی دی تو مکان، وقت اور صفات کو بیان کرنے سے مدعا علیہ پر الزام ثابت ہوجائے گا۔ جب یہ گواہی اجارہ، بیع، کتابت، طلاق، عتاق، قتل اور قصاص سے متعلق ہو، اور اگر مشہود علیہ گواہ قائم کرکے ثابت کرے کہ اس دن وہ وہاں موجود نہ تھا تو پھر گواہی مقبول نہ ہوگی۔ لیکن محیط میں مسئلہ ۵۱ کے تحت کہا کہ اگر لوگوں سے متواتر ثابت ہو اور ہر کوئی جانتا ہو کہ یہ شخص اس وقت تک اس جگہ موجود نہ تھا تو اب دعوٰی قابلِ سماعت نہ ہوگا اور اسے بری الذمہ قرار دیا جائے گا ورنہ ثابت بالبداہت کی تکذیب لازم آئیگی (ت)

عقود الدریہ میں فتاوٰی صغرٰی سے ہے،

البینۃ اذا قامت علی خلاف المشھور المتواتر لاتقبل وھو ان یشتھر ویسمع من قوم کثیر لایتصور اجتماعھم علی الکذب۔[2]

جب مشہور متواتر کے خلاف گواہ قائم ہوں تو انکی گواہی مقبول نہیں، مشہور متواتر وہ خبر ہے کہ اتنی کثیر قوم وکثیر لوگوں میں مشہور و مسموع ہو جن کا جھوٹا ہونا متصور نہ ہوسکتا ہو۔ (ت)

کلام علماء مثلاً قول مذکور درمختار کہ "لو استفاض الخبر فی البلدۃ الاخری"[3] (اگر دوسرے شہر میں خبر مشہور ہوجائے۔ ت) اور قولِ ذخیرہ:

قال شمس الائمۃ الحلوانی الصحیح من مذھب اصحابنا ان الخبر اذا استفاض وتحقق فیما بین اھل البلدۃ الاخری یلزمھم حکم ھذہ البلدۃ[4] اھ وغیرذلك۔

شمس الائمہ حلوانی نے کہا کہ ہمارے احناف کا صحیح مسلک یہ ہے کہ جب خبر مشہور و متحقق ہوجائے تو اس شہر والوں پر بھی وہ حکم لازم ہوجاتا ہے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار | باب القبول وعدمہ | مصطفی البابی مصر | ۴/۴۳۱

[2] العقود الدریۃ | کتاب الشہادۃ ومطالبہ | ارگ بازار قندھار | ۱/۳۶۱

[3] درمختار | کتاب الصوم | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۴۹

[4] ردالمحتار بحوالہ الذخیرہ | کتاب الصوم | مصطفی البابی مصر | ۲/۱۰۲

بلاشبہ اس صورت کو بھی شامل ، واللہ تعالٰی اعلم باحکامہ۔

طریق ششم : اکمالِ عدت یعنی جب ایک مہینے کے تیس دن کامل ہوجائیں تو ماہِ متصل کا ہلال آپ ہی ثابت ہوجائیگا اگرچہ اس کے لیے رویت، شہادت، حکم، استفاضہ وغیرہ کچھ نہ ہو کہ مہینہ تیس سے زائد کا نہ ہونا یقینی ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں :

فان غم علیکم فاکملوا العدۃ ثلثین[1]۔ رواہ الشیخان عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

اگر مطلع ابر آلود ہو تو تیس کی تعداد مکمل کرو۔ اسے بخاری و مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ (ت)

یہ طریقہ صفائی مطلع کی حالت میں کافی ہے اگرچہ ہلال نظر نہ آئے جبکہ گزشتہ ہلال رویت واضحہ یا دو گواہان عادل کی شہادت سے ثابت ہولیا ہو، ہاں اگر ایک گواہ کی شہادت پر ہلالِ رمضان مان لیا اور اُس حساب سے تیس دن آج پُورے ہوگئے اور اب مطلع روشن ہے اور عید کا چاند نظر نہیں آتا تو یہ اکمالِ عدت کافی نہ ہوگا بلکہ صبح ایک روزہ اور رکھیں کہ اگلے ہلال کا ثبوت حجتِ تامہ سے نہ تھا اور باوصف صفائی مطلع تیس کے بعد بھی چاند نظر نہ آنا صاف گواہ ہے کہ اس گواہ نے غلطی کی اور جب کہ وہ ہلال حجت تامہ دو گواہوں عادل سے ثابت تھا تو آج بوصف صفائی مطلع نظر نہ آنا اس پر محمول ہوگا کہ ہلال بہت باریک ہے اور کوئی بخار قلیل المقدار خاص اُسی کے سامنے حاجب ہے جسے صفائی عامہ افق کے سبب نظر صفائی مطلع گمان کرتی ہے یا اس کے سوا کوئی اور مانع خفی خلاف معتاد ہے، ہاں اگر آج ابر و غبار ہے تو مطلقاً تیس پُورے کرکے عید کرلیں گے اگرچہ ہلالِ رمضان ایک ہی شاہد کی شہادت سے مانا ہو کہ اب اس کی غلطی ظاہر نہ ہُوئی۔ تنویر میں ہے :

بعد صوم ثلثین بقول عدلین حل الفطر وبقول عدل لا[2]۔

دو عادل گواہوں کی بنا پر رمضان کے روزے تیس ہوجانے پر عید الفطر جائز ہے اور ایک عادل کی شہادت پر جائز نہیں (ت)

درمختار میں ہے :

نقل ابن الکمال عن الذخیرۃ انہ ان غم ھلال الفطر حل اتفاقا الخ[3]

ابن کمال نے ذخیرہ سے نقل کیا کہ اگر مطلع ابر آلود ہُوا تو عید بالاتفاق جائز الخ (ت)

وتمام تحقیقہ فی ردالمحتار وما علقنا علیہ۔

اسکی تمام تفصیل ردالمحتار اور اس پر ہمارے حاشیہ میں ہے (ت)

---

[1] صحیح بخاری باب اذا رأیتم الھلال فصوموا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۶

[2] تنویر الابصار مع درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹

[3] درمختار شرح تنویر الابصار 〃 〃 ۱/۱۴۹

طریق ہفتم: علامہ شامی رحمہ اللہ تعالٰی نے توپیں سُننے کو بھی حوالی شہر کے دیہات والوں کے واسطے دلائل ثبوت ہلال سے گنا۔ ظاہر ہے کہ یہاں بھی وہی شرائط مشروط ہوں گے کہ اسلامی شہر میں حاکم شرع معتمد کے حکم سے انتیس کی شام کو توپوں کے فائر صرف بحالتِ ثبوت شرعی رویت ہلال ہوا کرتے ہوں کسی کے آنے جانے کی سلامی وغیرہ کا اصلاً احتمال نہ ہو ورنہ شہر اگرچہ اسلامی ہو مگر وہاں احکام شرعیہ کی قدر نہیں احکام جہال بے خرد یا نیچری رافضی وغیرہم بدمذہبوں کے حوالے ہیں جنھیں نہ قواعد شرعیہ معلوم نہ اُن کے اتباع کی پروا، اپنی رائے ناقص میں جو آیا اس پر حکم لگا دیا، توپیں چل گئیں، تو ایسی بے سروپا باتیں کیا قابلِ لحاظ ہوسکتی ہیں کما لایخفی، پھر جہاں کی توپیں شرعاً قابلِ اعتماد ہوں اُن پر عمل اہلِ دیہات ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عند التحقیق خاص اس شہر والوں کو بھی اُن پر اعتماد سے مفر نہیں کہ حاکمِ شرع کے حضور شہادتیں گزرنا اس کا اُن پر حکم نافذ کرنا ہر شخص کہاں دیکھتا سُنتا ہے بحکم حاکمِ اسلام اعلانِ عام کے لیے ایسی ہی کوئی علامتِ معہودہ معروفہ قائم کی جاتی ہے جیسے توپوں کے فائر یا ڈھنڈورا وغیرہ۔

اقول یہیں سے ظاہر ہوا کہ ایسے اسلامی شہر میں منادی پر بھی عمل ہوگا حتی کہ اس کی عدالت بھی شرط نہیں جبکہ معلوم ہو کہ بے حکم سلطانی ایسا اعلان نہیں ہوسکتا۔ عالمگیریہ میں ہے:

خبر منادی السلطان مقبول عدلا کان او فاسقا کذا فی جواھر الاخلاطی[1]

سلطان کے منادی کی خبر مقبول ہوگی خواہ منادی عادل ہو یا فاسق، جیسا کہ جواہر اخلاطی میں ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قلت والظاھر انہ یلزم اھل القری الصوم بسماع المدافع او رؤیۃ القنادیل من المصر لانہ علامۃ ظاھرۃ تفید غلبۃ الظن و غلبۃ الظن حجۃ موجبۃ للعمل کما صرحوا بہ و احتمال کون ذلک لغیر رمضان بعید اذ لا یفعل مثل ذلک عادۃ فی لیلۃ الشک الا لثبوت رمضان[2]

قلت اور ظاہر یہی ہے کہ اہلِ دیہات پر شہر سے توپوں کی آواز اور قندیلوں کو دیکھنے سے روزہ لازم ہوجاتا ہے کیونکہ یہ علامت ظاہرہ ہے اس سے غلبۂ ظن حاصل ہوتا ہے اور غلبۂ ظن عمل کا موجب ہوتا ہے جیسا کہ فقہاء نے اس پر تصریح کی ہے اور یہ احتمال کہ یہ عمل رمضان کے علاوہ کسی کام کے لیے ہو بعید ہے کیونکہ شک کی رات یہ عمل ثبوتِ رمضان کے علاوہ کسی اور کام کے لیے عادۃً نہیں ہوتا۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب الاول فی العمل بخبر واحد نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۰۹

[2] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/ ۹۹

منحۃ الخالق میں ہے :

لم یذکروا عندنا العمل بالامارات الظاھرۃ الدالۃ علی ثبوت الشھر کضرب المدافع فی زماننا والظاھر وجوب العمل بھا علی من سمعھا ممن کان غائبا عن المصر کاھل القری ونحوھا کما یجب العمل بھا علی اھل المصر الذین لم یروا الحاکم قبل شھادۃ الشھود وقد ذکر ھذا الفرع الشافعیۃ ونص ابن حجر فی التحفۃ انہ یثبت بالامارۃ الظاھرۃ الدالۃ التی لا تتخلف عادۃ کرؤیۃ القنادیل المعلقۃ بالمنابر قال ومخالفۃ جمع فی ذلک غیر صحیحۃ اھ[1]

علماء نے یہ ذکر نہیں کیا کہ ہمارے نزدیک امارات ظاہر مثلاً ہمارے دَور میں توپوں کا چلنا جو ثبوتِ ماہ پر دال ہیں، پر عمل لازم ہے، اور ظاہر یہی ہے کہ اس پر شہر سے غائب آواز سُننے والے پر عمل واجب ہے مثلاً اہلِ دیہات وغیرہ پر جیسا کہ اس پر عمل کرنا ان اہل شہر کیلئے واجب ہے جنھوں نے گواہوں کی گواہی سے پہلے حاکم کو نہ دیکھا ہو، اور یہ جزئیہ شوافع نے بھی بیان کیا ہے ابن حجر نے تحفہ میں تصریح کی ہے کہ روزے کا ثبوت ان علاماتِ ظاہرہ سے ہوجاتا ہے جو عادۃً اس موقع پر معروف ہوں مثلاً مناروں پر معلق قنادیل روشن کا دیکھنا، اور کہا کہ ایک جماعت نے اس کی مخالفت کی ہے جو صحیح نہیں اھ (ت)

تنبیہ دربارۂ ہلال غیر رمضان وشوال : جہاں دوسرے شہر کی رؤیت سے یہاں حکم ثابت کیا جائے جیسے دوم سے پنجم تک چار طریقوں میں اُن کے بارے میں علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی رائے یہ ہے کہ اگر وُہ دوسرا شہر اس شہر سے اس قدر مغرب کو نہ ہٹا ہو جس کے باعث رؤیتِ ہلال میں اختلاف پڑسکے جب تو وہ طریقے ہر ہلال میں کام دیں گے ورنہ غیر رمضان وشوال میں معتبر نہ ہوں گے یعنی اگر وہ شہر اس شہر سے اتنا غربی ہے جس کی مقدار بعض علماء نے یہ رکھی ہے کہ بہتّر میل یا زیادہ اُس کا طول شرقی اس کے طول شرقی سے کم ہو اور وہاں کی رؤیتِ ہلالِ ذی الحجہ پر مثلاً شہادت یا شہادت علی الشہادت یا شہادت علی القضا گزری یا کتاب القاضی یا خبر متواتر آئی تو یہاں اس پر عمل نہ ہوگا بلکہ اپنے ہی شہر یا اس کے قریب مواضع یا شرقی بلاد سے اگرچہ کتنے ہی فاصلے پر ہوں ثبوت آنے پر مدار رکھیں گے، اور نہ ملا تو تیس کی گنتی پُوری کریں گے۔ رد المحتار میں فرمایا :

یفھم من کلامھم فی کتاب الحج ان اختلاف المطالع فیہ معتبر فلا یلزمھم

کتاب الحج میں فقہاء کے کلام سے مفہوم ہے کہ حج میں اختلافِ مطالع کا اعتبار ہے لہذا ان حجاج پر

---

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الصوم قبیل باب یفسد الصوم الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۲۷۰

شیئ لوظهر انه رؤی فی بلدۃ اخری قبلهم بیوم وهل یقال کذٰلك فی حق الاضحیة لغیر الحجاج لم ارہ والظاهر نعم لان اختلاف المطالع انما لم یعتبر فی الصوم لتعلقه بمطلق الرؤیة وهذا بخلاف الاضحیة فالظاهر انها کاوقات الصلٰوۃ یلزم کل قوم العمل بما عندهم فتجزئ الاضحیة فی الیوم الثالث عشر وان کان علی رؤیا غیرهم هو الرابع عشر[1]

کوئی شیئ لازم نہ ہوگی، اگر یہ ظاہر ہُوا کہ فلاں شہر میں ایک دن پہلے چاند دیکھا گیا کیا یہی بات غیر حجاج کے لیے قربانی کے بارے میں کہی جاسکتی ہے یا نہیں؟ میرے مطالعہ میں اس کا جواب نہیں آیا لیکن ظاہر یہی ہے کہ معتبر ہے کیونکہ روزہ میں اختلافِ مطالع کا اعتبار اس لیے نہیں کیا جاتا کہ اس کا تعلق مطلق رؤیت سے ہے بخلاف قربانی کے، اس میں ظاہر یہی ہے کہ یہ اوقاتِ نماز کی طرح ہے کہ ہر قوم پر اپنے اپنے وقت کے مطابق لازم ہوگی تو تیرھویں کی قربانی کافی ہوجائے گی اگرچہ غیر کی رؤیت کے مطابق وہ چودھویں ہو۔ (ت)

اقول مگر صحیح اس کے خلاف ہے کلامِ علماء صاف مطلق وعام اور اس تخصیص میں بوجوہ کلام،

فان رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم علل اسقاط اعتبار الحساب بانا امة امیة لانکتب ولا نحسب[2] کما رواہ الشیخان وابوداؤد والنسائی وغیرهم عن ابن عمر رضی اللّٰه تعالٰی عنهما وهذہ العلة تعم الاهلة وهذا وان کان خلاف القیاس فلا یمتنع الالحاق به دلالة وان امتنع قیاسا کما قد نص علیه العلماء ومنهم العلامة الشامی فی نفس هذا الکتاب ولا شك ان ذا الحجة کالفطر سواء بسواء

رسالتمآب صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے حساب وکتاب کی اسقاط کی علت یہ بیان فرمائی کہ ہم امی لوگ ہیں نہ لکھتے ہیں نہ حساب کرتے ہیں، جیسا کہ بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی وغیرہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے اور یہ علت تمام چاندوں کو شامل ہے اور یہ اگرچہ قیاس کے مخالف ہے لیکن دلالۃً الحاق سے مانع نہیں اگرچہ قیاسًا مانع ہے جیسے کہ اس پر علماء نے تصریح کی ہے اور ان میں سے خود اس کتاب میں امام شامی نے بھی تصریح کی ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ذوالحجہ کا چاند بعینہٖ فطر کے چاند کے مطابق ہے

---

[1] ردالمحتار | کتاب الصوم | مصطفی البابی مصر | ۲/۱۰۵

[2] صحیح بخاری | باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لانکتب ولانحسب | قدیمی کتب خانہ کراچی | ۱/۲۵۶

سنن ابی داؤد | اول کتاب الصیام | مطبع مجتبائی لاہور | ۱/۳۱۷

وقد قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم الفطر یوم یفطر الناس والاضحی یوم یضحی الناس[1]، اخرجه الترمذی بسند صحیح عن ام المؤمنین الصدیقة رضی الله تعالٰی عنها وقال صلی الله تعالٰی علیه وسلم فطرکم یوم یفطرون واضحاکم یوم تضحون[2]، رواه ابوداؤد والبیهقی بسند صحیح عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه۔

کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ فطر کا دن وہی ہے جس دن لوگوں نے افطار کیا اور قربانی اسی دن ہے جس دن لوگوں نے قربانی دی۔ ترمذی نے اسے صحیح سند کے ساتھ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰے عنہا سے روایت کیا ہے۔ اور آپ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کا یہ بھی فرمان ہے تمہاری فطر کا دن وہ ہے جس میں تم افطار کرو، اور تمہاری اضحٰی کا دن وہ ہے جس میں تم قربانی کرو۔ اسے ابوداؤد اور بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

ثم اقول هذا کله کلام معه علی تسلیم ان النوط بالرؤیة انما ورد فی الصوم والفطر ولیس کذلك بل قد ثبت کذلك فی الاضحیة فقد اخرج ابوداؤد والدارقطنی عن امیر مکة الحارث بن حاطب رضی الله تعالٰی عنه قال عهد الینا رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ان ننسك للرؤیة فان لم نره وشهد شاهدا عدل نسکنا بشهادتهما[3] قال الدارقطنی هذا اسناد متصل صحیح[4] فانقطع مبنی

ثم اقول (پھر میں کہتا ہوں) یہ تمام کلام اس صورت میں ہے جب یہ تسلیم ہو کہ رؤیت پر مدار صرف صوم اور فطر کے بارے میں وارد ہے حالانکہ ایسی بات نہیں بلکہ اسی طرح ثبوت تو قربانی میں بھی ہے، امام ابوداؤد اور دارقطنی نے امیرِ مکہ حضرت حارث بن حاطب رضی اللہ تعالٰے عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم سے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے اس بارے میں یہ عہد لیا تھا کہ ہم چاند دیکھنے کی بناء پر قربانی کریں اور اگر ہم چاند نہ دیکھ سکیں اور دو عادل آدمی گواہی دے دیں تو ان کی شہادت کی بناء پر قربانی کریں۔ دارقطنی نے فرمایا اسکی سند متصل اور صحیح ہے

---

[1] الجامع للترمذی باب ما جاء فی الفطر والاضحی متی یکون امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۹۹
[2] سنن ابی داؤد کتاب الصیام باب اذا اخطأ القوم الہلال مطبع مجتبائی لاہور ۱/۳۱۸
[3] سنن الدارقطنی باب الشہادۃ علی رؤیۃ الہلال نشر السنۃ ملتان ۲/۱۶۷
[4] ایضاً

البحث من راسه واستبان الحق وللّٰہ الحمد اما ما تمسك به من مسئلة الحج **فاقول** لاحجة فيها فانهما فیما اری لدفع الحرج العظیم ونظیرہ ما فی التنویر والدر تبین ان الامام صلی بغیر طهارة تعاد الصلٰوۃ دون الاضحیة لان من العلماء من قال لایعید الصلٰوۃ الا الامام وحدہ فکان للاجتهاد فیه مساغ زیلعی، کما لو شهدوا انه یوم العید فصلوا ثم ضحوا ثم بان انه یوم عرفة اجزأتهم الصلٰوۃ والتضحیة لانه لایمکن التحرز عن مثل هذا الخطاء فیحکم بالجواز صیانة لجمع المسلمین زیلعی[1] اھ ملخصا مصححا، ثم رأیت بحمد اللّٰہ التصریح به فی اللباب وشرحه بل فی نفس الشرح المتعلق به الدر المختار حیث قال شهدوا بعد الوقوف بوقوفهم بعد وقته لا تقبل شهادتهم والوقوف صحیح استحسانا حتی الشهود للحرج الشدید[2] الخ فقد ظهر الحق والحمد للّٰہ رب العالمین۔

تو بحث کی بنیاد ہی ختم ہوگئی اور حق واضح ہوگیا وللّٰہ الحمد، رہا معاملہ مسئلہ حج سے استدلال، تو میں کہتا ہوں کہ اس میں کوئی دلیل نہیں کیونکہ میرے خیال کے مطابق حج کا مسئلہ دفعِ حرجِ عظیم پر مبنی ہے اور اس کی نظیر تنویر اور در میں ہے کہ اگر واضح ہوگیا کہ امام نے بغیر طہارت کے نماز پڑھائی تو نماز لوٹائی جائے گی نہ کہ قربانی، کیونکہ بعض علماء نے یہ فرمایا کہ نماز کا صرف امام ہی اعادہ کرے، تو اب یہ مسئلہ اجتہادی قرار پایا، زیلعی۔ جیسا کہ گواہوں نے گواہی دی کہ یہ عید کا دن ہے تو لوگوں نے نماز پڑھی پھر قربانی دی، بعد میں واضح ہوا کہ یہ عرفہ کا دن تھا تو ان کی نماز اور قربانی جائز قرار دی جائے گی کیونکہ ایسی غلطی سے بچنا ممکن نہیں تو مسلمانوں کے اجتماع کے تحفظ کے پیشِ نظر جواز کا حکم ہی لگایا جائے گا زیلعی اھ ملخصاً مصححاً۔ بحمد اللہ پھر میں نے اللباب اور اس کی شرح بلکہ خود شرح درمختار کے مسئلہ سے متعلق درمختار میں یہ تصریح دیکھی کہ اگر گواہوں نے وقوفِ عرفہ کے بعد گواہی دی کہ یہ وقوف وقت کے بعد ہوا ہے تو یہ گواہی مقبول نہ ہوگی اور حاجیوں کا وقوف استحساناً صحیح ہوگا یہاں تک کہ گواہوں کا وقوف بھی صحیح ہوگا ورنہ حرج شدید لازم آئیگا الخ تو اب حق ظاہر ہوگیا والحمد للّٰہ رب العالمین۔

غرض ثبوت ہلال کے شرعی طریقے یہ ہیں، ان کے سوا جس قدر طرق لوگوں نے ایجاد کئے محض باطل و مخذول و ناقابلِ قبول ہیں، خیالاتِ عوام کا حصر کیا ہو مگر آج کل جہال میں غلط طریقے جو زیادہ رائج ہیں وہ بھی

---

[1] درمختار | کتاب الاضحیہ | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/ ۲۳۲

[2] درمختار | باب الہدی | 〃 | ۱/ ۱۸۳

ساٹ ہیں :

یکم حکایتِ رؤیت یعنی کچھ لوگ کہیں سے آئے اور خبر دی کہ وہاں فلاں دن چاند دیکھا گیا وہاں کے حساب سے آج تاریخ یہ ہے ظاہر ہے کہ یہ نہ شہادت رؤیت ہے کہ اُنھوں نے خود نہ دیکھا، نہ شہادت علی الشہادت کہ دیکھنے والے ان کے سامنے گواہی دیتے اور انھیں اپنی گواہیوں کا حامل بناتے اور یہ حسبِ قواعدِ شرعیہ یہاں شہادت دیتے بلکہ مجرد حکایت جس کا شرع میں اصلاً اعتبار نہیں اگرچہ یہ لوگ بھی ثقہ معتمد ہوں اور جن کا دیکھنا بیان کریں وُہ بھی ثقہ مستند ہوں نہ کہ جہال، جہال میں تو یہ رائج ہے کہ کوئی آئے، کیسا ہی آئے، کسی کے دیکھنے کی خبر لائے اگرچہ خود اُس کا نام بھی نہ بتائے بلکہ سرے سے اُس سے واقف ہی نہ ہو، ایسی مہمل خبروں پر اعتماد کرلیتے ہیں۔ فتح القدیر و بحرالرائق و عالمگیریہ وغیرہا میں ہے :

لو شهد جماعة ان اهل بلدة كذا رأوا هلال رمضان قبلكم بيوم فصاموا وهذا اليوم ثلثون بحسابهم ولم يرهؤلاء الهلال لايباح فطر غد ولا تترك التراويح فى هذه الليلة لانهم لم يشهدوا بالرؤية ولا على شهادة غيرهم وانما حكوا رؤية غيرهم۔[1]

اگر کسی جماعت نے گواہی دی کہ فلاں شہر کے لوگوں نے تم سے ایک دن پہلے چاند دیکھا اور انھوں نے روزہ رکھا ہے اور یہ دن اُن کے حساب سے تیسواں بنتا ہو اور ان لوگوں نے چاند نہیں دیکھا تھا تو ان کے لیے آئندہ دن افطار کی اجازت نہیں اور نہ یہ اس رات تراویح چھوڑ سکتے ہیں کیونکہ گواہوں نے نہ تو رؤیت پر گواہی دی اور نہ ہی غیر کی رؤیت پر شہادت دی بلکہ انھوں نے رؤیتِ غیر کی حکایت کی ہے (ت)

دوم افواہ، شہر میں خبر اُڑ جاتی ہے کہ فلاں جگہ چاند ہُوا، جاہل اسے تواتر و استفاضہ سمجھ لیتے ہیں حالانکہ جس سے پُوچھے سُنی ہُوئی کہتا ہے، ٹھیک پتا کوئی نہیں دیتا، یا منتہائے سند صرف دو ایک شخص ہوتے ہیں اسے استفاضہ سمجھ لینا محض جہالت ہے، اُس کی صورتیں وُہ ہیں جو ہم نے طریق بہ نہم میں ذکر کیں۔ منحۃ الخالق حاشیہ بحرالرائق میں ہے :

اعلم ان المراد بالاستفاضة تواتر الخبر من الواردين من بلدة الثبوت الى بلدة التى لم يثبت بها، لا مجرد الاستفاضة لانها قد تكون مبنية على اخبار رجل واحد مثلا فيشيع الخبر عنه ولا شك ان هذا

واضح ہو کہ شہرت سے مراد چاند ثابت ہونے والے شہر سے دوسرے شہر میں آنے والے لوگوں کی خبر کا تواتر ہے محض شہرت کافی نہیں کیونکہ بعض اوقات کسی ایک آدمی کی خبر کی بنا پر مشہور ہوجاتا ہے اور یہ بلاشُبہ کافی نہ ہوگی کیونکہ فقہاء کا قول یہ ہے کہ

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ — الباب الثانی فی رؤیۃ الہلال — نورانی کتب خانہ پشاور — ۱/ ۱۹۹
بحرالرائق — کتاب الصوم — ایچ ایم سعید کمپنی کراچی — ۲/ ۲۷۰

لایکفی بدلیل قولھم اذا استفاض الخبر و تحقق فان التحقق لایکون الا بما ذکرنا[1]۔ جب خبر مشہور اور متحقق ہو کیونکہ تحقق مذکورہ بات کے علاوہ ہو ہی نہیں سکتا۔ (ت)

فقیر کو بارہا تجربہ ہُوا کہ ایسی شہرتیں محض بے سرو پا نکلتی ہیں اسی ذی الحجہ میں خبر شائع ہُوئی کہ آنولے میں چاند ہُوا ہے وہاں عام لوگوں نے دیکھا اور فقیر کے ایک دوست کا خاص نام بھی لیا گیا، وُہ آئے اور خود اپنی رؤیت اور وہاں سب کا دیکھنا بیان کرتے تھے، فقیر نے اُن کے پاس ایک معتمد کو بھیجا وہاں سے جواب ملا کہ یہاں ابرِ غلیظ تھا نہ میں نے دیکھا نہ کسی اور نے دیکھا، پھر خبر اُڑی کہ شاہجہان پور میں تو ایک ایک شخص نے دیکھا فقیر نے وہاں بھی ایک معتمد ثقہ کو اپنے ایک دوست عالم کے پاس بھیجا انھوں نے فرمایا اس کا حال میں آپ کو مشاہدہ کرائے دیتا ہوں، اُن کا ہاتھ پکڑ کر شہر میں گشت کیا، دروازہ دروازہ دریافت کرتے پھرتے عید کب ہے، کہا جمعہ کی، کہا کیا چاند دیکھا، کہا کہ دیکھا تو نہیں، کہا پھر کیوں؟ اس کا جواب کچھ نہ تھا، شہر بھر سے یہی جواب ملا، صرف ایک شخص نے کہا میں نے منگل کو چاند دیکھا تھا اور میرے ساتھ فلاں فلاں صاحب نے بھی۔ اب یہ عالم مع اُن معتمد کے دوسرے صاحب کے پاس گئے اُن سے دریافت کیا، کہا وہ غلط کہتا تھا' اور خود ان دونوں صاحبوں کے ساتھ اُن گواہ صاحب کے پاس آئے، اب یہ بھی پلٹ گئے کہ ہاں کچھ یاد نہیں۔ پھر خبر گرم ہُوئی کہ رامپور میں چاند دیکھا گیا اور جمعہ کی عید قرار پائی' فقیر نے دو ثقہ شخصوں کو وہاں کے دو علمائے کرام اپنے احباب کے پاس بھیجا معلوم ہُوا وہاں بھی ابر تھا کسی نے بھی نہ دیکھا' بارے اتنا معلوم ہُوا کہ وہاں دو شخص دہلی سے دیکھ کر آئے ہیں' ان علماء نے ان دو شاہدوں کو بلا کر ان دو ثقات کے سامنے شہادت دلوائی اور جو الفاظ فقیر نے انھیں لکھوا دئے تھے وُہ ان سے کہلوا کر ان کو تحمیلِ شہادت کرائی اور دونوں عالم صاحبوں نے خود ان دونوں شہودِ اصل کا تزکیہ کیا، اب ان دونوں فرع نے یہاں آکر شہادت علی الشہادت حسبِ قاعدہ شرعیہ دی اُس وقت فقیر نے عید کا فتوٰی دیا، دیکھئے افواہِ اخبار کی یہ حالت ہوتی ہے، ولاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم۔

سوم خطوط و اخبار، بڑی دوڑ یہ ہوتی ہے کہ فلاں جگہ سے خط آیا، فلاں اخبار میں یہ لکھا پایا، حالانکہ ہم طریق چہارم میں بیان کر چکے کہ حاکم شرع کا خاص مُہری دستخطی خط جس پر خود اس کی اور محکمہ دار القضا کی مُہر لگی اور اُس کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہو' اور یہاں بھی حاکم شرع کے نام آئے، ہرگز بغیر دو شاہدوں عادل کے جنھیں لکھ کر اپنی کتاب کا گواہ بنا کر خط سپرد کیا اور یہاں اُنھوں نے حاکم شرع کو دے کر شہادت ادا کی ہو مقبول نہیں، پھر یہ ڈاک کے پرچے کیا قابلِ التفات ہو سکتے ہیں، اور اخباری گپیں تو اصلاً نام لینے کے بھی قابل نہیں۔ درمختار میں ہے۔ لایعمل بالخط[2] (خط پر عمل

---

[1] منحۃ الخالق حاشیہ بحر الرائق کتاب الصوم قبیل باب ما یفسد الصوم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۲۷۰

[2] درمختار باب کتاب القاضی الی القاضی مطبع مجتبائی دہلی ۲/۸۳

نہیں کیا جائے گا۔ ت) ہدایہ میں ہے: الخط یشبه الخط فلم یحصل العلم[1] (تحریر، دوسری تحریر کے مشابہ ہو سکتی ہے تو علم قطعی حاصل نہ ہوا۔ ت)

چہارم تار، یہ خط سے بھی زیادہ بے اعتبار، خط میں کاتب کے ہاتھ کی علامت تو ہوتی ہے، یہاں اُس قدر بھی نہیں، تو اس پر عمل کو کون کہے گا مگر اجہل سا اجہل جسے علم کے نام سے بھی مَس نہیں، فقیر نے اس کے رَد میں ایک مفصل فتوٰی لکھا اور بحمداللہ تعالٰی اس پر ہندوستان کے بکثرت علماء نے مُہریں کیں کلکتے میں چھپ کر شائع ہوا تھا، گنگوہی مُلّا نے اپنے ایک فتوٰی میں تار کی خبر اسباب میں معتبر ٹھہرائی اور اُسے تحریرِ خط پر قیاس کیا تھا کہ تار کی خبر مثل تحریر خط کی خبر کے ہے کیونکہ تحریر میں حروف اصطلاحی ہیں جس سے مطلب معلوم ہوجاتا ہے خواہ بحرکتِ قلم پیدا ہوں خواہ کسی لاٹھی یا بانس طویل کی حرکت سے (الٰی قولہ) بہرحال خبر تار کی مثل خط ہے اور معتبر ہے، یعنی خط میں قلم سے لکھتے ہیں تار دینا ایسا ہے کہ کسی بڑے بانس سے جو ہزاروں کوس تک ملبا ہے لکھ دیا تو جیسے وہ معتبر ہے ویسے ہی یہ، بلکہ یہ تو زیادہ معتبر ہونا چاہئے کہ وہاں چھوٹا سا قلم ہے اور یہاں اتنا بڑا بانس، تو اعتبار بھی اسی نسبت پر بڑھنا چاہئے، شملہ بہ مقدار قلم قیاس تو اچھا دوڑا تھا مگر افسوس کہ شرعاً محض مردود و ناکام رہا۔ اوّلاً خط و تار میں جو فرق ہیں ہم نے اپنے فتوٰی مفصلہ میں ذکر کئے جو اس قیاس کو از بیخ برکندہ کرتے اور ان سے قطع نظر بھی کیجئے تو بحکم شرع خط ہی پر عمل حرام، پھر اس بانس کے قیاس کا کیا کام، حکم مقیس علیہ میں باطل ہے تو مقیس آپ ہی عاری و عاطل ہے، مولوی صاحب لکھنوی نے اپنے فتاوٰی میں خط و تار کو بے اعتبار ہی ٹھہرایا اور اس حکم میں حق کی موافقت کی مگر یہ کہنا ہرگز صحیح نہیں کہ خبر تار یا خط بدرجہ کثرت پہنچ جائے تو اس پر عمل ہو سکتا ہے، اسے استفاضہ میں داخل سمجھنا صریح غلط، استفاضے کے معنے جو علماء نے بیان فرمائے تھے وہ تھے کہ طریق پنجم میں مذکور ہوئے، متعدد جماعتوں کا آنا اور یک زبان بیان کرنا چاہئے، یہاں اگر متعدد جگہ سے خط یا تار آئے بھی تو اوّلاً وہ اُن وجوہ ناجوازی سے جنہیں ہم نے اس فتوٰی میں مفصلاً ذکر کیا ہرگز بیان مقبول کے سلسلے میں نہیں آسکتے، ڈاک کے منشی، تار کے بابو، چٹھی رساں اکثر کفار یا عموماً مجاہیل یا فساق فجار ہوتے ہیں، اور بالفرض باطل آئیں بھی تو یہ تعدد مخبر عنہ میں ہوا نہ کہ مخبرین میں کہ یہاں تار لینے والے بابو اگر مسلمان ثقہ ہوں بھی تو ہرگز اتنی جماعاتِ متعددہ نہ ہوں گی جن کی اخبار پر یقینِ شرعی حاصل ہو بلکہ عامہ بلاد میں صرف دو ایک ہی تار گھر ہوتے اور صدر ڈاک خانہ تو ایک ہی ہوتا ہے اگرچہ بڑے شہر میں تقسیم کے لیے دو چار برانچ اور بھی ہوں، بہرحال یہ خط یا تار ہم کو تو معدود ہی شخصوں کے ذریعہ سے ملیں گے پھر استفاضے سے کیا علاقہ ہُوا، کیا اگر زید آکر کہہ دے کہ فلاں جگہ لاکھ آدمیوں نے چاند دیکھا تو یہ خبر مستفیض

---

[1] ہدایہ باب کتاب القاضی الی القاضی مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/۱۳۹

کہلائے گی ولاحول ولاقوۃ الّا باللہ العلی العظیم۔

پنجم جنتریوں کا بیان، کہ فلاں دن پہلی ہے۔ اول بعض علمائے شافعیہ وبعض معتزلہ وغیرہم کا خیال اس طرف گیا تھا کہ مسلمان عادل منجموں کا قول اس بارے میں معتبر ہوسکتا ہے اور بعض نے قید لگائی تھی کہ جب اُن کی ایک جماعت کثیر یک زبان بیان کرے کہ فلاں مہینے کی یکم فلاں روز ہے تو مقبول ہونے کے قابل ہے اگرچہ واجب العمل کسی کے نزدیک نہیں، مگر ہمارے ائمہ کرام اور جمہور محققین اعلام اسے اصلاً تسلیم نہیں فرماتے اور اس پر عمل جائز ہی نہیں رکھتے اور یہی حق ہے کہ حضور پُرنور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صحیح حدیث میں یہاں قولِ منجمین سے قطع نظر وعدمِ لحاظ کی تصریح فرماچکے، پھر اب اُس پر عمل کا کیا محل۔ درمختار میں ہے:

لاعبرۃ بقول الموقتین ولوعدولا علی المذھب[1]۔ صحیح مذہب کے مطابق اہلِ توقیت کا قول معتبر نہیں اگرچہ وُہ عادل ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

بل فی المعراج لایعتبر قولھم بالاجماع ولایجوز للمنجم ان یعمل بحساب نفسہ[2]۔ بلکہ معراج میں ہے کہ اہلِ توقیت کا قول بالاجماع معتبر نہیں اور منجمین کے لیے جائز نہیں کہ وُہ اپنے حساب پر عمل پیرا ہوں (ت)

جب منجمین مسلمین ثقات عدول کے بیان کا یہ حال تو آجکل کی جنتریوں جو عموماً ہنود وغیرہم کفار شائع کرتے ہیں یا بعض نیچری نام کے مسلمان یا بعض مسلمان بھی، تو وُہ بھی انہی ہندوانی جنتریوں کی پیروی سے کیا قابلِ التفات ہوسکتی ہیں؟ فقیر نے بیس برس سے بڑی بڑی نامی جنتریاں دیکھیں، اول مصرانی ہیئت ہی ناقص ومختل ہے پھر ان جنتری سازوں کو اُس کی بھی پُوری تمیز نہیں، تقویماتِ کواکب میں وہ وہ سخت فاحش غلطیاں دیکھنے میں آئیں جن میں کوئی سمجھ دار بچہ بھی نہ پڑتا پھر یہ کیا اور ان کی جنتری کیا، اور ان کی دوج اور پروا کی کسے پروا!

ششم قیاسات وقرائن، مثلاً چاند بڑا تھا روشن تھا دیر تک رہا تو ضرور کل کا تھا، آج بیٹھ کر نکلا تو ضرور پندرھویں ہے، اٹھائیسویں کو نظر آیا تھا مہینہ تیس کا ہوگا، اٹھائیسویں کو بہت دیکھا نظر نہ آیا مہینہ انتیس کا ہوگا۔ یہ قیاسات توحسابات کی وقعت بھی نہیں رکھتے، پھر ان پر عمل محض جہل وزلل۔ حدیث میں ہے حضور پرنور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] درمختار | کتاب الصوم | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۴۸

[2] ردالمحتار | " | مصطفی البابی مصر | ۲/۱۰۰

من اقتراب الساعۃ انتفاخ الاھلۃ[1] رواہ الطبرانی فی الکبیر عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

قربِ قیامت کی علامات سے ہے کہ ہلال پھولے ہوئے نکلیں گے۔ یعنی دیکھنے میں بڑے معلوم ہوں گے۔ (اسے طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

دُوسری حدیث میں ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اقتراب الساعۃ ان یری الھلال قبلا ویقال ھو لیلتین[2] رواہ فی الاوسط عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

علاماتِ قیامت سے ہے کہ چاند بے تکلف نظر آئے گا کہا جائیگا کہ دُو رات کا ہے (اسے طبرانی نے اوسط میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰے عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

صحیح مسلم شریف میں ابوالبختری سعید بن فیروز سے ہے:

قال خرجنا للعمرۃ فلما نزلنا ببطن نخلۃ قال ترائینا الھلال فقال بعض القوم ھو ابن ثلاث وقال بعض القوم ھو ابن لیلتین فقال ای لیلۃ رأیتموہ قال قلنا لیلۃ کذا وکذا فقال ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مدہ للرؤیۃ فھو للیلۃ رأیتموہ[3]

ہم عمرے کو چلے جب بطنِ نخلہ میں اُترے ہلال دیکھا، کوئی بولا تین رات کا ہے، کسی نے کہا دُو رات کا، عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ملے اُن سے عرض کی کہ ہم نے ہلال دیکھا، کوئی کہتا ہے تین شب کا ہے کوئی دو شب کا۔ فرمایا: تم نے کس رات دیکھا؟ ہم نے کہا فلاں شب۔ کہا رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے اس کا مدار رؤیت پر رکھا ہے تو وُہ اسی رات کا ہے جس رات نظر آیا۔

ہفتم کچھ استقرائی کچھ اختراعی قاعدے، مثلاً رجب کی چوتھی رمضان کی پہلی ہوگی۔ رمضان کی پہلی ذی الحجہ کی دسویں ہوگی۔ اگلے رمضان کی پانچویں اس رمضان کی پہلی ہوگی۔ چار مہینے برابر تیس تیس کے ہو چکے ہیں یہ ضرور انتیس کا، تین پے درپے انتیس کے ہُوئے ہیں یہ ضرور تیس کا ہوگا۔ ان کا جواب اسی قدر میں ہے، ما انزل اللہ بھا من سلطان[4] حق سبحانہ نے ان باتوں پر کوئی دلیل نہ اتاری۔ وجیز امام کردری میں ہے:

---

[1] المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۱۰۴۵۱ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱۰/ ۲۴۴

[2] کنز العمال بحوالہ طبرانی اوسط حدیث ۳۸۴۷۰ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴/ ۲۲۰

[3] صحیح مسلم باب بیان انہ لااعتبار بکبر الہلال وصغرہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۴۸

[4] القرآن ۱۲/ ۴۰

سه [illegible] مضان جاء یوم الخمیس لایضحی ایضافی یوم الخمیس مالم یتحقق انه یوم النحر، و ما نقل عن علی رضی اللہ تعالٰی عنہ ان یوم اول الصوم یوم النحر لیس بتشریع کلی بل اخبار عن اتفاق فی ھذہ السنۃ وکذا ما ھو الرابع من رجب لایلزم ان یکون غرۃ رمضان بل قد یتفق[1]۔

رمضان کا مہینہ جمعرات کو شروع ہُوا تو یوم خمیس کو قربانی جائز نہ ہوگی جب تک اس بات کا ثبوت نہ ہوجائے کہ یہ قربانی کا دن ہے، اور جو حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ روزے کا پہلا دن عید کا دن ہوتا ہے، یہ شریعت کا قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ اس سال اتفاقاً ایسا ہوجانے کا بیان ہے۔ اسی طرح جو رجب کا چوتھا دن ہے لازم نہیں وہ رمضان کا پہلا دن ہو، ہاں کبھی ایسا اتفاقاً ہوجاتا ہے (ت)

خزانۃ المفتین میں فتاوٰی کبرٰی سے ہے:

مایروی ان یوم نحرکم یوم صومکم کان وقع ذٰلک العام بعینه دون الابد لان من اول یوم رمضان الٰی غرۃ ذی الحجۃ ثلاثۃ اشھر فلا یوافق یوم النحر یوم الصوم الا ان یتم شھران من الثلثۃ وینقص الواحد فاذا تمت الشھور الثلثۃ تتاخر عنه واذا نقصت الشھور الثلثۃ او شھران تقدم علیه فلا یصح الاعتماد علی ھذا[2]۔

یہ جو مروی ہے کہ تمہاری عید کا دن تمہارے روزے کا دن ہے، یہ ہمیشہ کے لیے نہیں بلکہ معین سال میں ایسا واقعہ ہُوا تھا کیونکہ رمضان کے پہلے دن سے لے کر ذوالحجہ کے پہلے دن تک تین ماہ ہوتے تو یوم نحر اور یوم صوم میں موافقت نہیں ہوسکتی مگر اس صورت میں کہ جب ان تین ماہ میں سے دو کامل ہوں اور ایک ناقص، اب اگر تینوں ماہ کامل ہوتے ہیں تو اس سے تاخر ہوگا اور اگر تین یا دو ناقص ہوجاتے ہیں تو پھر اس پر تقدم ہوگا لہذا اس پر اعتماد درست نہیں (ت)۔

یہ کلام اجمالی بقدر کفایت ہے اور ان احکام کی تفصیلِ تام رسائل و مسائلِ فقیر میں ہے وباللہ التوفیق، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۴: از پیلی بھیت مسئولہ عبدالجلیل سوداگر ۱۳ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

جناب مولانا صاحب مکرم دام اکرامکم بعد ہدیۂ سلام سنّت الاسلام کے گزارش یہ ہے کہ اس مرتبہ

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علی حاشیۃ فتاوٰی ہندیہ کتاب الصوم الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۹۶

[2] خزانۃ المفتین

رمضان المبارک کے چاند میں اختلاف ہوکر عید الفطر میں اکثر جگہ اتفاق ہوگیا ہے، چنانچہ بریلی میں بھی جمعہ کی عید ہوئی، سنا گیا ہے کہ آپ نے پنجشنبہ کی شام کو بعد مغرب ارشاد فرمایا تھا کہ چونکہ آج ۳۰ رمضان المبارک ہے اس وجہ سے ہم تراویح نہیں پڑھیں گے اور کل سے بروز جمعہ روزہ نہیں رکھیں گے لیکن دوسروں کو حکم نہیں دیتے ہیں، بعد کو شہادتوں سے چاند رمضان کا منگل کے دن ثابت ہوکر پنجشنبہ کو ۳۰ رمضان قرار پائی اور جمعہ کو عید ہوئی، کارڈ ثانی پر جلد تحریر فرمائیے کہ آپ کا یقین مردوں کی باتوں پر تھا یا ذریعہ اطمینان کوئی اور تھا اور شہادتیں مصر سے آئے ہوئے لوگوں کی ہیں یا ہندوستان سے کس مقام سے تحقیق ہوا اس لیے تصدیق کیا جاتا ہے کہ آئندہ کو کام آئے۔ بینوا توجروا

الجواب

یہاں منگل کو ہلالِ رمضان دکھائی دیا نہ پنجشنبہ کو ہلالِ عید، ابر تھا اور بہت گھرا، شبِ جمعہ میں میں نے تراویح پڑھیں اور صبح روزہ کی نیت تھی کہ دفعۃً مصر سے کچھ لوگوں کے آنے کی خبر سنی جنھوں نے وہاں ہلالِ رمضان منگل کی شام کو دیکھا تھا وہ بلائے گئے اور انھوں نے شہادتیں دیں اور پوری تنقیح کی گئی اور رات کے ایک بجے صبح عید کا حکم دیا گیا اور اسی وقت سے شہر و شہرِ کہنہ و اطرافِ شہر میں اعلان کیا گیا یوں یہاں جمعہ کی عید ہوئی ورنہ افواہیں تو پہلے سے سنی جاتی تھیں جن پر حکم نہیں ہوسکتا تھا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۰۵ از منڈی افریقہ مسئولہ حاجی عبداللہ حاجی یعقوب ۲۴ محرم ۱۳۳۱ھ

منڈی شہر میں سب آدمی مذہب شافعی ہیں اور حنفی مذہب والے ہم چند آدمی ہیں، اب یہاں پر روزے ۲۹ ہوئے، ۳۰ کی رات کو ابر بہت ہونے کے سبب سے چاند دیکھنے میں نہیں آیا لیکن بعد نماز مغرب کے تین شہروں سے ٹیلی گراف آئے کہ ہم نے چاند دیکھا ہے شوال کا، اور کل عید ہے، لیکن یہاں کے قاضی صاحب نے ٹیلی گراف کی خبر کو قبول نہ کیا اور تراویح کی نماز پڑھی اور پڑھائی اور روزہ بھی سب سے رکھایا، لیکن جب سورج طلوع ہوا بعد دو ساعت کے منڈی شہر کے آس پاس کے باغیچوں سے آدمی آئے انھوں نے گواہی دی کہ ہم نے چاند دیکھا، تب قاضی صاحب نے شاہدوں سے گواہی لے کر روزہ کھولنے کا حکم دیا، تب تمام آدمیوں نے روزہ توڑدیا اور خود بھی قاضی صاحب نے روزہ توڑدیا، اُس دن بہت دیر ہونے کے سبب سے عید کی نماز نہیں پڑھی گئی دوسرے دن عید کی نماز ہوئی، اب ہم کو دوسرے آدمی کہتے ہیں کہ ہم کو ایک روزہ قضا کرنا چاہئے۔ اب ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا ہم کو ایک روزہ قضا کرنا پڑے گا؟

الجواب

تار برقیوں پر کہ قاضی اعتبار نہ کیا بہت صواب کیا، ایسا ہی چاہئے تھا، دربارۂ ہلال خط یا تار کا کچھ اعتبار نہیں، صبح کو جو چند شہادتیں گزریں وہ لوگ اگر ثقہ اور ہلالِ عید میں قابلِ قبول شہادت تھے اور اتنے فاصلہ پر تھے

کہ رات کو اگر گواہی نہ دے سکتے تھے تو اُن کی گواہی مان کر روزہ کھولنے کا حکم دینا بھی صحیح ہے اور اُس روزہ کی قضا نہیں کہ ثبوتِ شرعی سے ثابت ہوگیا کہ وہ روزِ عید تھا نہ کہ روزہ رمضان کا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۰۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شہرت و استفاضہ جو دربارۂ ہلال شرعاً معتبر ہے اُس کے کیا معنی ہیں؟ اور مجردِ شیوع و اشتہارِ خبر کافی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

اصل یہ ہے کہ مدارِ کار حقیقۃً ثبوتِ رؤیت پر ہے وبس،

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ[1]۔ اخرجہ الشیخان وغیرھما والحدیث مشہور مستفیض۔

رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا، چاند دیکھنے پر روزہ رکھو اور چاند دیکھنے پر عید کرو۔ اسے بخاری، مسلم اور دیگر محدثین نے روایت کیا، اور یہ حدیث مشہور و معروف ہے (ت)

اور رؤیت کا ثبوت شہادت سے منوط فان البینۃ کاسمھا مبینۃ (کیونکہ بینہ (گواہ) اپنے نام کی طرح واضح کرنے والے ہیں۔ت) اور شہادت کی حلت رؤیت سے مربوط اذ لا شہادۃ الا عن شھود (کیونکہ شہادت معائنہ کرنیوالوں کے بغیر نہیں ہوتی۔ت) شہادت علی الشہادت و الشہادت علی القضا مقبول ہوتی ہیں اُن کی وجہ قبول یہی ہے کہ وُہ مثبت شہادت معائنہ ہیں،

اما الاولی فظاھر واما الاخری فلانہ لاحکم الا عن شہادۃ و مثبت المثبت مثبت۔

پہلی صورت تو واضح ہے، رہی دُوسری تو وہ اس لیے کہ حکم شہادت کی بنا پر ہی ہوسکتا ہے اور مثبت کو ثابت کرنے والا مثبت ہی ہوتا ہے (ت)

تو ہر وُہ گواہ کہ ان امور سے خالی ہو زنہار قابلِ قبول نہیں، مثلاً ایک جماعت ثقات عدول یُوں گواہی دے کہ فلاں جگہ چاند ہُوا یا فلاں دن اُس شہر والوں نے روزہ رکھا یا آج اُن کے حساب سے فلاں تاریخ ہے ہرگز نہ مانیں گے یہاں تک کہ جو اس پر عمل کرے گا گنہگار ہوگا کہ یہ نہ شہادت رؤیت ہے نہ شہادت علی الشہادت، نہ شہادت علی القضا، بلکہ مجرد حکایت ہے جو کسی طرح حجت نہیں۔ فتح القدیر و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

انما یلزم الصوم علی متأخری الرؤیۃ

تاخیر سے چاند دیکھنے والوں پر روزہ تب لازم ہوگا

---

[1] صحیح بخاری، باب اذا رأیتم الھلال فصوموا، قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۶

اذا ثبت عندهم رؤیة اولئك بطریق موجب حتی لو شهد جماعة ان اهل بلدة كذا رأوا هلال رمضان قبلكم بیوم فصاموا وهذا الیوم ثلثون بحسابهم ولم یر هؤلاء الهلال لایباح فطر غد ولا تترك التراویح فی هذه اللیلة لانهم لم یشهدوا بالرؤیة ولا علی شهادة غیرهم وانما حكوا رؤیة غیرهم[1]

جب ان کے ہاں چاند کا ثبوت بطریق موجب شرعی ہو حتی کہ اگر کسی جماعت نے گواہی دی کہ فلاں اہل شہر نے تم سے پہلے ایک دن چاند دیکھا اور انھوں نے روزہ رکھا ہے اور یہ دن ان کے حساب سے تیسواں بنتا ہے، لیکن انھوں نے چاند نہیں دیکھا تو ان کے لیے آئندہ کل عید جائز نہیں اور نہ ہی اس رات کی وُہ تراویح ترک کرسکتے ہیں کیونکہ ان لوگوں نے چاند کے دیکھنے پر گواہی نہیں دی اور نہ غیر کے چاند دیکھنے کی گواہی پر گواہی دی ہے اُنھوں نے دُوسروں کی رؤیت کو حکایت کیا ہے (ت)

ہاں اگر رؤیت شہر دیگر کی خبر اُس حدِ شہرت واستفاضہ کو پہنچے جو باعثِ ثبوت رؤیت یقینی ومحقق ہوجائے تو صحیح یہ ہے کہ اعتبار کریں گے، ردالمحتار میں ہے:

فی الذخیرة قال شمس الائمة الحلوانی الصحیح من مذهب اصحابنا ان الخبر اذا استفاض وتحقق فیما بین اهل البلدة الاخری یلزمهم حكم هذه البلدة اھ ومثله فی الشرنبلالیة عن المغنی[2]

ذخیرہ میں ہے کہ شمس الائمہ حلوانی نے کہا ہمارے احناف کا صحیح مذہب یہی ہے کہ جب دوسرے شہر میں خبر مشہور ومتحقق ہو تو تب ان پر اس شہر کا حکم لازم ہوگا اھ شرنبلالیہ میں المغنی کے حوالے سے اسی طرح ہے۔ (ت)

مگر حاشا مجرد شیوع وشہرت کافی نہیں کہ صدہا خبریں خصوصاً آج کل ایسی اُڑتی ہیں جن کا تمام شہر میں چرچا ہوتا ہے، پھر تجربہ گواہ ہے کہ بعد تنقیح محض بے اصل نکلتی ہیں انھیں افواہ کہتے ہیں نہ استفاضہ شرعیہ، ولہذا علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ایسا چرچا محض نامعتبر جب تک ثبوت شرعی نہ ہو، اختیار شرح مختار میں یوم الشک کی نسبت لکھا:

ذلك بان یتحدث الناس بالرؤیة ولا تثبت[3]

وہ یہ ہے کہ لوگوں میں رؤیت کا چرچا ہو مگر ثبوت نہ ہو۔ (ت)

---

[1] فتح القدیر فصل فی رؤیۃ الہلال مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۲۴۳
فتاوٰی ہندیۃ الباب الثانی فی رؤیۃ الہلال نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۹۹
[2] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۲
[3] الاختیار لتعلیل المختار " " " ۱/۱۳۰

واقعی ایسی خبروں کی ظاہری شوکت عام لوگوں کو دھوکا دیتی ہے مگر تفتیش کے بعد کھلتا ہے کہ حقیقت امر کیا ہے یا ان کی ٹھیک سند منتہی تک ملتی ہی نہیں جس سے پُوچھے سُنا کہے گا، بعض اپنے مخبر کا نام بھی بتائیں اُن مخبر سے پُوچھے وہ سُنا کہہ کر چُپ رہیں گے، یا بہزار کاوش وعرق ریزی اصل نکلی تو اتنی کہ فلاں کا خط آیا فلاں نے تار دیا چند مسافر معقول صورت ملے کہتے تھے فلاں شہر میں لوگوں نے دیکھا ہمارا فلاں قریب اُس شہر بعید سے آیا بیان کیا وہاں ہزاروں نے دیکھا، ہزاروں کا لفظ تو بیشک ہے مگر یہ نہ دیکھا کہ منقول عنہم میں ہے یا ناقل میں، غرض ایسی افواہ و حکایات شرعاً قابلِ التفات بھی نہیں، نہ ان کی بنا پر کوئی حکم ثابت ہو، ولہذا امام شمس الائمہ و ذخیرہ و مغنی و امداد کا ارشاد سُن چکے کہ ہمارے ائمہ نے صرف استفاضہ و اشتہار کافی نہ جانا بلکہ اُس کے ساتھ تحقیق ہوجانے کی قید زیادہ فرمائی۔ علامہ عبدالغنی نابلسی حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں:

اما خبر التواتر من الناس لبعضهم بعضا بذٰلك فهو ممنوع لاسناد الكل فيه الى الظن والتوهم والتخمين واستفادة الخبر من بعضهم لبعض بحيث لو سألت كل واحد منهم عن رؤية ذٰلك ومعاينته لقال لم اعاينه وانما سمعت ومن قال عاينته تستكشف عن حاله فتراه مستند الى ظنون وامارات وهمية وعلامات ظنية وربما اذا تأملت وتفحصت وجدت خبر ذٰلك التواتر الذى تزعمه كله مستند الى الاصل الى خبر واحد او اثنين[1] الى اٰخر ما افاد واجاد رحمه الله تعالٰی۔

کسی خبر کو لوگوں میں سے بعض کا بعض سے تواتر نقل کرنا ممنوع ہے کیونکہ اس سلسلہ میں ان میں سے ہر ایک کی نسبت ظن، وہم اور تخمین کی ہے، اور خبر کا ایک دُوسرے سے اس طرح مشہور ہونا کہ اگر ان میں سے ہر ایک سے پُوچھا جائے کہ تُو نے دیکھا ہے اور مشاہدہ کیا ہے تو وُہ کہے گا میں نے مشاہدہ تو نہیں کیا ہاں سُنا ہے، اور جو کہے میں نے مشاہدہ کیا ہے تو اس کا حال معلوم کیا جائے گا تو اسے علاماتِ ظنیہ اور اماراتِ وہمیہ اور ظنیات کو سند بنائے ہُوئے پائیگا اور اکثر طور پر ایسا ہوتا ہے کہ تو غور و تلاش کرے تو وُہ خبر جس کو تُو متواتر مستند گمان کرتا تھا وہ اصل میں ایک یا دُو کی خبر ہوتی ہے الخ انھوں نے جو کہا خوب کہا اللہ تعالٰی ان پر رحمتیں نازل فرمائے (ت)

اور یہ زعم کہ ہم کو تو یقین ہوگیا صحیح نہیں الیقین وُہ ہے جو حجتِ شرعیہ سے ناشئ ہو، یُوں تو ایک جماعت ثقات عدول کی وقعت ان چند مجہولوں یا ساقطوں یا تار و خطوط کی اوہام وضبوط سے کیا کم تھی، انصاف کیجئے تو بدرجہا زائد تھے

---

[1] الحدیقۃ الندیۃ الصنف التاسع تتمۃ الاصناف التسعۃ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۵۲۱

پھر کیوں علمائے دین نے اس کی بے اعتباری کی تصریح فرمائی،

كما مر نقله عن الهندية والفتح ونحوه فی البحر الرائق والدر المختار ومجمع الانهر وغيرها من الاسفار۔

جیسا کہ ہندیہ اور فتح کے حوالے سے گزر چکا، اسی طرح بحرالرائق، درمختار، مجمع الانہر اور دیگر کتب معتمدہ میں ہے۔(ت)

بلکہ وہ استفاضہ جو شرعاً معتبر ہے اُس کے معنی یہ ہیں کہ اُس شہر سے گروہ کے گروہ متعدد جماعتیں آئیں اور سب بالاتفاق یک زبان بیان کریں کہ وہاں فلاں شب چاند دیکھ کر لوگوں نے روزہ رکھا یہاں تک کہ اُن کی خبر پر یقین شرعی حاصل ہو۔ ردالمحتار میں ہے:

قال الرحمتی معنی الاستفاضۃ ان تاتی من تلك البلدۃ جماعات متعددون كل منهم يخبر عن اهل تلك البلدة انهم صاموا عن رؤية لامجرد الشيوع من غير علم بمن اشاعه كما قد تشيع اخبار يتحدث بها سائر اهل البلدة ولانعلم من اشاعها كما ورد ان فی اٰخر الزمان يجلس الشيطان بين الجماعة فيتكلم بالكلمة فيتحدثون بها ويقولون لاندری من قالها فمثل هذا لاينبغی ان يسمع فضلا من ان يثبت به حكم اھ (قلت) وهو كلام حسن ويشير اليه قول الذخيرة اذا استفاض وتحقق فان التحقق لايوجد بمجرد الشيوع[1]

شیخ رحمتی نے فرمایا: شہرت کا مفہوم یہ ہے کہ اس شہر سے متعدد جماعتیں آئیں اور تمام اس بات کی اطلاع دیں کہ وہاں کے لوگوں نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا ہے محض ایسی افواہ سے نہیں جس کے پھیلانے والا معلوم نہ ہو، جیسا کہ بعض اوقات بہت سی باتیں شہر میں پھیل جاتی ہیں لیکن وہ یہ نہیں جانتے ہوتے کہ انہیں کس نے پھیلایا ہے، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے کہ آخری زمانے میں شیطان لوگوں کے درمیان آکر بیٹھے گا اور وہ کچھ گفتگو کرے گا تو لوگ وہ گفتگو بیان تو کریں گے مگر کہیں گے ہمیں علم نہیں کہ یہ بات کس نے کی ہے، ایسی بات تو قابل سماعت ہی نہیں ہوتی چہ جائیکہ اس سے حکم ثابت ہو اھ (میں کہتا ہوں) یہ کلام نہایت ہی خوبصورت ہے اور ذخیرہ کا یہ قول کہ "جب خبر مشہور و متحقق ہو تو تب لازم ہے ورنہ محض شہرت سے ثبوت نہیں ہوتا" بھی اسی کی طرف اشارہ کررہا ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

---

[1] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۰۲

الشھادۃ بان اھل تلک البلدۃ رأو الھلال وصاموا لانھا لاتفید الیقین فلذا لم تقبل الا اذاکانت علی الحکم او علی شھادۃ غیرھم لتکون شھادۃ معتبرۃ والا فھی مجرد اخبار بخلاف الاستفاضۃ فانھا تفید الیقین[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم

اس بات پر گواہی کہ فلاں اہلِ شہر نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا ہے چونکہ مفید یقین نہیں اس لیے گواہی مقبول نہیں، البتہ اس صورت میں جب قاضی کے فیصلہ ہو یا غیر کی گواہی پر گواہ ہوں تاکہ یہ شہادت معتبرہ قرار پائے تو مفید یقین ہے ورنہ یہ محض خبر ہوگی بخلاف استفاضہ، کیونکہ وہ مفید یقین ہوتی ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰۰: از بہرائچ چوک بازار مرسلہ حافظ محمد شفیع صاحب ۲۶ ماہ مبارک ۱۳۳۳ھ

رمضان شریف کا چاند غبار یا ابر ہونے کی حالت میں صرف ایک شخص نے دیکھا اور قاضی نے اُس پر فتوٰی چاند ہونے کا دے دیا اب کیا غرہ شوال اُس سے تیس دن پُورے ہوجانے پر ثابت ہوجائے گا گو چاند بوجہ غبار یا ابر کے اُس رات کو نظر نہ آئے یا ایسا ایک سے زائد عادل گواہ ہونے پر کیا جاسکتا ہے، بینوا توجروا۔

الجواب

جبکہ ہلال ماہ مبارک بوجہ غبار ایک کی شہادت سے مان کر ۳۰ روزے پُورے کیے اور ہلالِ شوال بوجہ ابر نظر نہ آیا تو صحیح یہ ہے کہ بالاتفاق اس صورت میں عید کرلی جائے، ہاں اگر تیس روزوں کے بعد مطلع صاف ہُوا اور عید کا چاند نظر نہ آئے اور رمضان کا چاند شاہد واحد کے قول پر مانا تھا تو راجح یہ ہے کہ عید نہ کریں گے اور اگر دو عادلوں کی گواہی سے روزے رکھے تھے تو قول ارجح پر ۳۰ کے بعد عید کرلیں گے اگر مطلع صاف ہو اور ہلال نظر نہ آئے، درمختار میں ہے:

بعد صوم ثلثین بقول عدلین حل الفطر[2] (اتفاقا کانت لیلۃ الحادی والثلثین متغیمۃ وکذا لوکانت مصحیۃ علی ماصححہ فی الدرایۃ والخلاصۃ والبزازیۃ وفی الفیض الفتوی

دو عادل آدمیوں کی گواہی پر رمضان کے روزے رکھنے شروع کیے تھے تو ۳۰ روزوں کے بعد عید جائز ہوتی ہے (اتفاقاً اگر اکتیسویں رات ابر آلود ہو اور اگر مطلع صاف ہو پھر بھی درایہ، خلاصہ اور بزازیہ کی تصحیح کے مطابق یہی حکم ہے اور فیض

---

[1] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۰۲

[2] درمختار کتاب الصوم قبیل باب مایفسد الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۹

على حل الفطر[1] اھ شامی) ولوصاموا بقول عدل لايحل على المذهب كذا ذكره المصنف لكن قول ابن الكمال عن الذخيرة انه ان غم هلال الفطر حل اتفاقا وفى الزيلعى الاشبه ان غم حل والالا[2] اھ وتنقيحه فى ردالمحتار وما علقناعليه ، والله تعالٰی اعلم۔

میں ہے کہ فتوٰی اسی قول پر ہے کہ عید الفطر جائز ہوگی اھ شامی) اور اگر ایک عادل کے قول پر انھوں نے روزہ رکھنا شروع کیا تھا تو صحیح مذہب پر عید کرنا درست نہیں، مصنف نے اسی طرح اسے ذکر کیا ہے لیکن ابن کمال نے ذخیرہ سے یہ نقل کیا ہے کہ اگر چاند رات مطلع ابر آلود ہو تو بالاتفاق عید جائز ہے، زیلعی میں ہے کہ مشابہ بالحق یہ ہے کہ اگر مطلع ابر آلود ہو تو عید جائز، ورنہ جائز نہیں اھ اس کی تفصیل ردالمحتار اور اس پر ہمارے حواشی میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰۵: از افضل گڑھ ضلع بجنور مرسلہ یوسف خاں وغیرہ ۲۶ رمضان ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ہذا میں کہ چاند شعبان کا اکثر جگہ دیکھا اور بہت سے آدمیوں نے نہیں دیکھا مثلاً قصبہ افضل گڑھ میں تخمیناً پندرہ بیس آدمی اقراری چاند دیکھنے یکشنبہ کے ہیں باقی تمام قصبہ خلاف ہے یعنی باقی نے نہیں دیکھا، اب رمضان شریف میں ابر محیط رہا اُسی بنا پر ۳۰ یوم پُورے کرکے روزہ ہر دو فریق نے رکھا تھوڑے فریق نے ایک یوم پیشتر اور زیادہ فریق نے ایک روز بعد رکھا، اب عید قریب آگئی اگر ابر محیط ہوا تو عید فریق اوّل و دوم کو ایک ساتھ کرنا چاہئے یا علیحدہ علیحدہ پورے روزے کرکے کرنا چاہئے حالانکہ ہر فریق اپنے اپنے روزے پُورے ۳۰ کرے گا، اگر دونوں اتفاق سے عید کرتے ہیں تو ایک فریق کے روزے ۳۰ ہوتے ہیں دوسرے کے ۳۱ ہوتے ہیں، ایسی حالت میں کیا کرنا چاہئے ؟ بینوا توجروا

الجواب

اگر اُس کم فرق میں دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں ثقہ عادل شرعی ہیں جو نہ کسی کبیرہ کے مرتکب ہیں نہ صغیرہ پر مُصر، نہ خفیف الحرکات، اور انھوں نے ہلالِ شعبان شام یکشنبہ کو دیکھ کر وہاں اگر کوئی عالم فقیہ سنی المذہب دین دار ہے اس کے حضور بلفظ اشھد یعنی میں گواہی دیتا ہُوں کہہ کر گواہی دی یا وہاں ایسا کوئی عالم نہ تھا تو مسلمانوں کو اپنی رؤیت کی خبر دی اور وہاں شام یکشنبہ یا تو مطلع صاف نہ تھا یا اور لوگوں نے چاند دیکھنے کی کوشش نہ کی یا کی تو بے وقت کی، یا ان دیکھنے والوں نے جہاں سے دیکھا وہ جگہ بلندی پر یا آبادی سے باہر تھی تو ان صورتوں میں ان

---

[1] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۰۲-۱۰۳

[2] درمختار " قبیل مایفسد الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۹

شرطوں سے یکم شعبان روز دوشنبہ کی ثابت ہوگئی اور اُس کی بنا پر بضرورت چہارشنبہ کا پہلا روزہ ہوا، جنھوں نے نہ رکھا اُس کی قضا رکھیں، پھر پنجشنبہ آئندہ کو رمضان مبارک کے ۳۰ ہوکر بضرورت جمعہ کی عید ہوگی، دونوں فریق بالاتفاق جمعہ کی عید کرینگے، ایک کے ۳۰ روزے ایک کے ۲۹ ہوں گے، ۲۹ والے ایک قضا رکھیں گے، اور اگر اُس فریق میں دو۲ گواہ بھی عادل نہیں یا انھوں نے اُس صفت والے عالم کے سامنے لفظ اشہد بمعنی مذکور شہادت نہ دی، یا مطلع صاف تھا اور عام لوگوں نے وقت پر چاند دیکھنے کی کافی کوشش کی اور نظر نہ آیا اور ان لوگوں میں کوئی خصوصیت مثل بلندی مقام یا بیرون آبادی کی نہ تھی تو ان صورتوں میں دوشنبہ کی یکم شعبان ثابت نہ ہوئی اور یہ بعض کہ دیکھنا بیان کرتے ہیں غلط کہتے ہیں ان کو دھوکا ہُوا (اور نظر واقع سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ اس دن حال ہلال عادۃً قابلِ رؤیت نہ تھا) لہٰذا شعبان کی ۳۰ چہارشنبہ کو ہوئی، اور یکم ماہ مبارک پنجشنبہ سے ہوکر پنجشنبہ ۲۹ کو اگر ابر [illegible] جمعہ کی ۳۰ ہوگی اور اس [illegible] فریق کو بھی جائز نہ ہوگا کہ اپنے زعم کی بنا پر جمعہ کی عید کرلے بلکہ ان پر بھی روزہ رکھنا واجب ہوگا عام کے ۳۰ ہوں گے اور ان کے ۳۰ ہی ہوں گے، پہلا روزہ چہارشنبہ کا رمضان میں محسوب نہ ہوگا اگرچہ ان پر اپنی رؤیت عین کے سبب اُس دن بھی روزہ کا حکم تھا، یہ سب اُس صورت میں ہے کہ غرہ رمضان چہارشنبہ کا کسی اور ثبوتِ شرعی سے ثابت نہ ہوجائے ورنہ آپ ہی جمعہ کی عید ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

بقیۃ الاشہر التسعۃ (ای ماعدا رمضان والعیدین) لایقبل فیہا الاشہادۃ رجلین اورجل وامرأتین عدول احرار غیرمحدودین کما فی سائر الاحکام بحرعن شرح الامام الاسبیجابی[1]

باقی نو ماہ (یعنی رمضان، عیدالفطر اور عیدالاضحٰی کے مہینوں کے علاوہ) میں ایسے دو۲ مرد یا ایک مرد دو۲ خواتین کی گواہی قبول کی جائے گی جو عادل، آزاد اور محدود فی القذف نہ ہوں جیسا کہ بقیہ احکام میں ہوتا ہے، بحر میں شرح امام اسبیجابی سے اسی طرح منقول ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

شرط للفطر مع العدالۃ نصاب الشہادۃ ولفظ اشہد ولو کانوا ببلدۃ لاحاکم فیہا صاموا بقول ثقۃ وافطروا باخبار عدلین للضرورۃ (ملخصاً)[2]

عیدالفطر کے چاند کے لیے عدالت کے علاوہ نصابِ شہادت اور لفظ شہادت (یعنی اشہد) کا ہونا بھی ضروری ہے اور وہ ایسا شہر ہو جہاں کوئی حاکم نہ ہو تو ضرورت کے پیش نظر ایک ثقہ کے قول پر لوگ روزہ رکھ لیں اور دو۲ عادل گواہوں کی خبر پر عیدالفطر کرلیں (ملخصاً)۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۰۳

[2] درمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۸

ردالمحتار میں بعد عبارت مذکور ہے :

وذكر فى الامداد انها فى الصحو كرمضان والفطر اى خلاف من الجمع العظيم ولو يعزه لاحد لكن قال الخير الرملى الظاهر انه فى الاهلة التسعة لا فرق بين الغيم والصحو فى قبول الرجلين لفقد العلة الموجبة لاشتراط الجمع الكثير وهى توجه الكل طالبين فلو شهدا فى الصحو بهلال شعبان وثبت بشروط الثبوت الشرعى ثبت رمضان بعد ثلثين يوما من شعبان وان كان رمضان فى الصحو لا يثبت بخبرهما لان ثبوته حينئذ ضمنى[1] اھ مافى الشامى اقول فاذا ثبت توجه الكل طالبين تحقق المانع فلا يقبل تفرد البعض مالم يتفردوا بما يقرب الرؤية لهم دون عامة الناس فكانت شهادتهم مردودة فلا يعملوا بها حتى فى انفسهم كما فى الدر رأى مكلف هلال رمضان او الفطر ورد قوله بدليل شرعى صام مطلقا وجوبا[2] وفى ردالمحتار وافاد

امداد میں ہے کہ اگر مطلع صاف ہو (تو باقی ماہ بھی) رمضان اور عید الفطر کی طرح ہیں یعنی عظیم جماعت کی گواہی ضروری ہے، مگر انھوں نے اس قول کی نسبت کسی کی طرف نہیں کی لیکن خیر الدین رملی نے کہا کہ ظاہر یہی ہے کہ باقی مہینوں میں چاند کے معاملہ میں دو مردوں کی گواہی کی مقبولیت کے لیے ابر آلود اور غیر ابر آلود میں کوئی فرق نہیں ہوتا کیونکہ یہاں وُہ علت ہی مفقود ہے جو جماعتِ کثیر کیلئے شرط ہے اور وُہ ہے سب کا چاند کو تلاش کرنا، پس اگر دو مردوں نے صاف موسم میں شعبان کے چاند کی گواہی دی اور شعبان کے تیس دن مکمل ہونے پر رمضان کا ثبوت ہو جائے گا اگرچہ صاف موسم میں دو شخصوں کی گواہی سے رمضان ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اب اس کا ثبوت ضمناً ہو گا اھ (شامی کی عبارت ختم ہوئی) اقول تو جب سب کا چاند تلاش کرنا ثابت ہو جائے تو مانع کا ثبوت ہو گا لہذا بعض کی گواہی مقبول نہ ہو گی جب تک یہ بعض، عام لوگوں کے مقابلہ میں چاند کی رؤیت کے قریب (بلند جگہ یا آبادی سے باہر) ہونے میں منفرد نہ ہو پس ان کی شہادت مردود ہو گی اور اس پر عمل نہیں کیا جائیگا حتی کہ گواہ بھی عمل نہیں کر سکتے، جیسا کہ دُر میں ہے کسی مکلف نے رمضان اور عید الفطر کا چاند دیکھا لیکن اس کا قول دلیل شرعی کی بنا پر رد کر دیا گیا تو وُہ وجوباً روزہ رکھے۔ ردالمحتار میں ہے خیر رملی نے

---

[1] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۰۳

[2] درمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۸

الخیر الرملی انه لوکانوا جماعة وردت شهادتهم لعدم تکامل الجمع العظیم فالحکم فیهم کذٰلك۔

تنبیه لوصام رائی هلال واکمل العدة لم یفطر الامع الامام لقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم صومکم یوم تصومون وفطرکم یوم تفطرون رواه الترمذی وغیره والناس لم یفطروا فی مثل هذا الیوم فوجب ان لایفطر نهر[1] اه هذا ما اخذته تفقها من کلامهم والنزاع واضح کما تری بتوفیق الله والعلم بالحق عند ربی وهو تعالٰی اعلم۔

کہا اگرچاند ایک جماعت دیکھے لیکن عظیم جماعت نہ ہونے کی بنا پر ان کی گواہی مسترد کردی گئی تو ان کا حکم بھی یہی ہے (یعنی وہ روزہ رکھیں)۔ (ت)

تنبیہ اگر چاند دیکھنے والے نے روزہ رکھا اور تیس روزے مکمل کئے تو اب وہ عید الفطر امام کے ساتھ ہی کرے (نہ کہ اکیلا) کیونکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے "روزے کا وہ دن ہے جس میں تم روزہ رکھتے ہو اور عید کا وہ دن ہے جس میں تم عید کرتے ہو"۔ اسے ترمذی اور دیگر محدثین نے روایت کیا ہے، اور باقی دیگر لوگ اس دن عید نہیں کررہے لہٰذا اس شخص پر واجب ہے کہ وہ عید نہ کرے نہر اھ یہ وہ تفصیل ہے جو بندہ نے فقہاء کے کلام سے سمجھی ہے اور اللہ کی توفیق سے اب نزاع بھی واضح ہوگیا جیسا کہ آپ نے پڑھ لیا، اور حق کا علم میرے رب کے پاس ہے وھو تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰۹ تا ۲۱۲ از سہسرام عربیہ مرسلہ مولوی ظفر الدین صاحب مدرس اوّل ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۲۶ھ

(۱) عید یہاں پنجشنبہ کو ہوئی مگر پھلواری میں سات آدمیوں کی رؤیت کے مطابق حسب الحکم شاہ بدرالدین صاحب چہارشنبہ کی عید ہوئی اس کے بارے میں انھوں نے مجھے خط لکھا پھر جب میں بانکی پور گیا تو بطور استفاضہ خبر مجھے پھلواری میں سات آدمیوں کا چاند دیکھنا اور شاہ صاحب کا حکم دینا معلوم ہوا تو جب عید چہارشنبہ کی ہوئی تو ذیقعدہ و ذی الحجہ دونوں مہینوں کے چاند تیس ہی کے مانے جائیں جب بھی سہ شنبہ کو ذی الحجہ ہوتی ہے مگر اس طریقہ پر ثبوت یہاں سوائے میرے کسی کو نہیں، تو آیا میرے فتوٰی دینے سے یہاں کے لوگوں کو نماز پڑھنا جائز ہوگا یا خود اسی شہر میں وہ خبر بطور استفاضہ آنے کی ضرورت ہے۔

(۲) یوم صومکم یوم نحرکم یہ کیسی حدیث ہے اور کس کتاب میں ہے اور کس موقع پر حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا تھا، یہاں بالاتفاق روزِ شنبہ کو عید ہوئی مگر یہاں کے کسی شخص نے نہ عید کا

---

[1] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/۹۸

چاند دیکھا نہ ذی قعدکا، صرف میرے فتوٰی وحکم کے مطابق ایسا ہوا، میں نے اپنی تسلّی کے لیے یہ سوالات کیے ہیں: شامی، قاضیخان، سراجیہ، بحرالرائق، عالمگیری، فتح القدیر، کافی میں ثبوت نہیں ملا، اس لئے حضور کو تکلیف دی۔

(۳) آج کل کے علماء قاضی کے حکم میں ہوں گے یا نہیں؟ اور اس کے لیے کیا کیا شرط ہے؟ یا تمام عالم جس نے درسی کتابیں پڑھ لی ہوں اور درس یا وعظ میں مشغول ہو۔

(۴) نمازِ عیدالاضحٰی کے لیے لوگوں کا چاند دیکھنا یا دوسری جگہ کی رؤیت بطریق موجب ثابت ہونا بایں معنی ضرور ہے کہ جب تک نہ ہوگا اُن لوگوں پر نماز واجب نہ ہوگی یا باوجود رؤیت عامہ بلاد اگر کسی جگہ کے لوگ بوجہ ابر خود نہ دیکھ سکے، نہ دس دن کے اندر کہیں سے کچھ معلومات یقینی بہم پہنچا سکے، حالانکہ جس وقت لوگ اس غفلت سے بیدار ہوئے تو اس کا موقع تھا کہ طریق موجب کے ذریعہ ثبوت حاصل کرسکتے تھے، مگر ایسا نہ کیا اور ان سب باتوں کے بعد نمازِ عیدالاضحٰی اُس دن جو ہر جگہ ۱۰ ذی الحجہ تھی اور اُن کے حساب سے ۹ تھی یہ نماز ہوگی یا نہیں؟ اور قربانی جو کی گئی وہ ٹھیک ہوئی یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

(۱) یہ گواہی کہ فلاں شہر والوں نے چاند دیکھا مقبول نہیں اگرچہ شاہد ایک جماعت ہو کہ یہ نہ شہادۃ علی الرؤیۃ نہ شہادت علی الشہادت۔ فتح القدیر و بحرالرائق و عالمگیریہ وغیرہا میں ہے:

لوشھد جماعۃ ان اھل بلدۃ کذا رأوا ھلال رمضان قبلکم بیوم فصاموا وھذا الیوم ثلثون بحسابھم ولم یرھؤلاء الھلال لایباح فطر غد ولا ترك التراویح فی ھذہ اللیلۃ لانھم لم یشھدوا بالرؤیۃ ولا علی شھادۃ غیرھم وانما حکوا رؤیۃ غیرھم[1]۔

اگر لوگوں کی جماعت نے گواہی دی کہ فلاں اہلِ شہر نے تم سے ایک دن پہلے رمضان کا چاند دیکھا اور انھوں نے روزہ رکھا اور اُن کے حساب سے تیسواں دن ہے لیکن ان لوگوں نے چاند نہیں دیکھا تو آئندہ کل وہ عید نہ کریں اور نہ ہی اس رات کی تراویح ترک کریں کیونکہ اس جماعت نے نہ تو چاند دیکھنے پر گواہی دی اور نہ دوسروں کی شہادت پر گواہی دی، اُنھوں نے صرف دوسروں کی رؤیت کی حکایت کی ہے۔ (ت)

استفاضہ کے بعد تحقیق معتبر ہے خاص اس شہر کا جہاں حاکم شرعی ہو کہ اب یہ شہادۃ علی الحکم ہوگی، تنبیہ الغافل والوسنان میں ہے:

لماکانت الاستفاضۃ بمنزلۃ الخبر المتواتر و | جب شہرت، خبر متواتر کے درجہ پر ہو اور شہرت سے یہ

---

[1] فتح القدیر فصل فی رؤیۃ الہلال مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۴۳
فتاوٰی عالمگیری الباب الثانی فی رؤیۃ الہلال نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۹۹
بحرالرائق کتاب الصوم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۷۰

وقد ثبت بھا ان اھل تلك البلدة صاموا یوم کذا لزم العمل بھا لان المراد بھا بلدۃ فیھا حاکم شرعی[1]

ثابت ہوجائے کہ فلاں اہلِ شہر نے فلاں دن روزہ رکھا ہے تو اس پر عمل لازم ہوگا کیونکہ اس سے مراد وہی شہر ہے جس میں کوئی نہ کوئی حاکم شرعی ہوگا (یعنی حاکم کے فیصلہ کے بعد ہی وہاں عمل ہوا) ۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فکانت تلك الاستفاضة بمعنی نقل الحکم المذکور[2]

وہ شہرت بمعنی حکم مذکور کے منقول ہونے کے ہے۔ (ت)

حاکمِ شرعی سلطانِ اسلام یا قاضی مولی من قبلہ ہے، یا امورِ فقہ میں فقیہ بصیر افقہ بلد، نہ آج کل کے عام مولوی۔ یہی جوابِ سوال نمبر ۳ ہے۔ آج کل درسی کتابیں پڑھنے پڑھانے سے آدمی فقہ کے دروازے میں بھی داخل نہیں ہوتا ذکہ واعظ جسے سوائے طلاقت لسان کوئی لیاقت جہاں درکار نہیں خصوصاً جبکہ خاص مسائل رؤیتِ ہلال میں جمیع ائمہ سے تفرد ہو۔ والمسئلة فی الحدیقة الندیة عن فتاوی الامام العتابی (اس مسئلہ کی پوری تفصیل حدیقہ ندیہ میں فتاوٰی امام عتابی سے منقول ہے۔ ت)

(۲) مولٰی علی نے فرمایا بلکہ مولٰی علی نے فرمایا کرم اللہ وجہہ، یہ اثر کسی کتابِ حدیث سے نظر میں نہیں، فقہا نے ذکر کیا اور ساتھ ہی فرمادیا کہ یہ اُسی عام (سال) کو تھا نہ عام کو، یعنی اسی سال کے لئے تھا اور سالوں کے لیے نہیں۔ فتاوٰی کبرٰی و خزانۃ المفتین میں ہے:

مایروی ان یوم نحرکم یوم صومکم کان وقع ذلك العام بعینه دون الابد[3]

یہ جو مروی ہے کہ تمہاری قربانی کا دن ہی تمہارے روزے کا دن ہے۔ یہ صرف اسی ایک معین سال کا معاملہ تھا دائمی نہیں۔ (ت)

وجیز کردری میں ہے:

مانقل عن علی رضی اللہ تعالٰی عنه ان یوم اول الصوم یوم النحرلیس بتشریع کلی

جو حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہے کہ روزے کا پہلا دن ہی قربانی کا دن ہے، یہ ضابطہ شرعی کا

---

[1] تنبیہ الغافل والوسنان رسالہ من رسائل ابن عابدین رسالہ ۹ سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۲۵۲
[2] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۰۲
[3] خزانۃ المفتین کتاب الصوم قلمی نسخہ ۱/ ۶۰

بل اخبار عن اتفاق فی ھذہ السنۃ[1]۔ بیان نہیں بلکہ اسی سال اتفاقی معاملہ کے بارے میں اطلاع ہے۔ (ت)

(۴) تحقیق میں تقصیر سے الزام نہ ہوا مگر بے تحقیق محض افواہ پر عید و قربانی صحیح نہ ہوئی اگرچہ واقع میں دہم میں ہو کہ جس طرح صحتِ نماز کے لیے دخولِ وقت شرط ہے یونہی اعتقادِ دخول بھی۔ اگر اسے شک ہے کہ ثبوت نہیں اور جزافاً نماز پڑھ لی نماز فاسد ہوئی اگرچہ وقت حقیقۃً ہو گیا ہو، یونہی نمازِ عید بھی کہ ہر مفسدِ صلوات خمس مفسدِ عیدین بھی ہے، امداد الفتاح و مراقی الفلاح و ردالمحتار میں ہے:

یشترط اعتقاد دخولہ لتکون عبادتہ بنیۃ جازمۃ لان الشك لیس بجازم محقق لوصلی وعندہ ان الوقت لم یدخل فظھر انہ کان قد دخل لا تجزیہ[2]۔ نماز کے لیے دخولِ وقت کا اعتقاد بھی شرط ہے تاکہ نیتِ جازمہ کے ساتھ عبادت ادا ہو کیونکہ شک سے جزم پیدا نہیں ہوتا حتی کہ اگر کسی نے یہ خیال کرتے ہوئے نماز پڑھی کہ ابھی وقت داخل نہیں ہوا اور بعد میں پتا چلا کہ وقت داخل ہو چکا تھا تو اس صورت میں اس کی نماز کافی نہ ہوگی (ت)

ردالمحتار میں امداد کے لفظ یہ ہیں:

وکذا یشترط اعتقاد دخولہ فلو شك لم تصح صلوتہ وان ظھر انہ قد دخل[3]۔ اسی طرح دخولِ وقت کا اعتقاد بھی شرط ہے پس اگر نمازی کو وقت کے بارے میں شک تھا تو اس کی نماز نہ ہوگی اگرچہ بعد کو پتا چلے کہ وقت داخل ہو چکا تھا۔ (ت)

بدائع امام ملک العلماء میں ہے:

کل ما یفسد سائر الصلوات و ما یفسد الجمعۃ یفسد صلوۃ العیدین[4]۔ ہر وہ شئی جو باقی نمازوں اور نمازِ جمعہ کو فاسد کرتی ہے وہ نمازِ عیدین کو بھی فاسد کرتی ہے (ت)

اور جب نماز نہ ہوئی قربانی بھی نہ ہوئی کہ شہر میں تقدمِ صلوۃ صحتِ اضحیہ ہے والا فھو لحم

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علی حاشیۃ فتاوٰی ہندیہ الاول فی الشہادۃ من کتاب الصوم نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۹۶
[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب شروط الصلوٰۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۱۷
[3] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۶۹
[4] بدائع الصنائع فصل فی بیان ما یفسدھا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۷۹

قدمه لاھله کما نص علیه حدیثا وفقھا (ورنہ وہ گوشت ہے جو اس نے اپنے اہل کے لیے عید سے پہلے تیار کیا جیسا کہ اس پر حدیث وفقہ میں تصریح ہے۔ ت) واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۱۳ از بریلی مسئولہ ابن سید صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں شام پنجشنبہ کو ابر محیط تھا رؤیت نہ ہوئی مگر دوسرے دن چاند کو قدرے بڑا دیکھ کر بعض لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید کل کا ہو جنتری میں اگرچہ عید اتوار کی لکھی مگر ساتھ ہی رؤیت کو مشکوک لکھ دیا ہے ایسی صورت میں شرعاً عید دوشنبہ کی ہونا چاہیے یا اتوار کی، اگر عید و قربانی اتوار کو کرلیں تو درست ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

شرع مطہر میں رؤیت کا اعتبار ہے (کہ خود نہیں دیکھا جائے یا دوسرے شہر کی رؤیت پر شرعی شہادتیں گزریں) حدیث میں فرمایا: ان اللہ امدہ للرؤیۃ[1] (اللہ تعالٰی نے اس کا مدار رؤیت پر رکھا ہے۔ ت) خط یا تار یا عقلی قیاسوں یا دوسرے شہر کی حکایتوں کا شرع میں اصلاً اعتبار نہیں مثلاً کچھ لوگ آئے اور بیان کیا کہ وہاں فلاں دن کی عید ہے یا وہاں رؤیت ہوئی اس پر اصلاً لحاظ نہیں جب تک گواہان عادل شرعی خود اپنا دیکھنا نہ بیان کریں، درمختار میں ہے:

لا لو شھدوا برؤیة غیرھم لانه حکایة[2]. اس صورت میں ثبوت نہیں ہوگا اگر گواہوں نے غیروں کی رؤیت پر گواہی دی ہو کیونکہ یہ حکایت ہے (ت)

جنتریوں کا مشکوک لکھنا تو آپ ہی مشکوک ومہمل ہے اگر وہ یقینی بھی لکھیں تو بھی شرع میں اس پر اعتبار نہیں، درمختار میں ہے:

لا عبرة بقول الموقتین ولو عدولا علی المذھب[3]. صحیح مذہب کے مطابق نجومیوں کے قول کا اعتبار نہیں اگرچہ وہ عادل ہوں۔ (ت)

چاند کے بڑے ہونے پر بھی لحاظ ناجائز ہے، حدیث میں فرمایا:

اقتراب الساعة انتفاخ الاھلة[4] - رواہ قرب قیامت (کی نشانیوں) میں سے ہے کہ چاند

---

[1] سنن الدارقطنی کتاب الصیام نشر السنۃ ملتان ۲/۱۶۳

[2] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹

[3] " " " ۱/۱۴۸

[4] المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۱۰۴۵۱ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱۰/۲۴۴

الطبرانی فی الکبیر عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

بڑا نظر آئے گا۔ اسے طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے (ت)

دوسری حدیث میں ہے:

من اقتراب الساعۃ ان یری الھلال قبلا فیقال ھو للیلتین[1]۔ رواہ فی الاوسط عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

قربِ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ چاند واضح ہوگا تو کہا جائے گا کہ دوسری رات کا ہے۔ اسے طبرانی نے المعجم الاوسط میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے (ت)

دونوں حدیثوں کا حاصل یہ کہ قربِ قیامت کی یہ بھی ایک علامت ہے کہ ہلال پھولا ہوا نکلے، لوگ کہیں کل کا ہے، پس ایسی صورت میں اتوار کی عید اور قربانی بالکل باطل اور خلافِ شرع ہے۔ عید کوئی دنیوی تقریب نہیں حکمِ الٰہی ہے، جب مطابقِ شرع نہ ہو محض بیکار بلکہ گناہ ہے، بالفرض اگر چاند پنجشنبہ ہی کو ہوگیا ہے جب بھی دوشنبہ کو نماز و قربانی بلاشبہ صحیح ہے اور جمعہ کو ہوا تو یکشنبہ کو نماز و قربانی محض باطل، تو ایسے امر میں پڑنا شرع اور عقل دونوں کے خلاف ہے، مسلمان بھائیوں کو چاہئے کہ شرع کے کام شرع کے طور پر کریں اپنے خیالات کو دخل نہ دیں۔ وباللہ التوفیق، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۱۱: مسئولہ محمد امین خاں تاجر سبزمنڈی شاہجہانپور ۲۰ رجب ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہلالِ رمضان مبارک یا عیدین اگر دس یا پانچ آدمیوں مسلمانوں نے مشاہدہ کیا اور کل ناقصانِ شرعی ہیں کوئی محلوق اللحیہ ہے کوئی قصر اللحیہ، کوئی ستر کشادہ رکھتا ہے کسی کی عورت بلا حجاب پیش اجانب جاتی ہے، کوئی سُود لیتا ہے کوئی کذب وغیبت میں مبتلا رہتا ہے، کوئی اور منہیات میں۔ لیکن وہ سب معاملات میں ایسے ثقہ ہیں کہ مفتی کو ان کی شہادت پر یقین تام ہوتا ہے کہ اس امر خاص یعنی شہادت مسلمان میں یہ لوگ کاذب نہیں اور کوئی متقی اس شہادت میں اُن کا شریک نہیں کہ متقی پرہیزگار شہر میں بہت کمیاب ہیں، یا دیہات میں ایسا اتفاق ہو کر وہاں ایسے لوگ زیادہ ہوتے ہیں اور متقی پرہیزگار شاذ و نادر، اس صورت میں روزہ رمضان شریف کا فرض ہوگا یا نہیں؟ اور نماز عید درست ہوگی یا نہیں؟ اور مفتی کو ایسے لوگوں کی شہادت باوجود یقین اہلِ شہر پر فرضیتِ صوم کا حکم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر روزہ نہ رکھے تو اثم ہے یا نہیں؟ اور اگر رکھ کر توڑ ڈالے تو اس پر کفارہ واجب ہے یا نہیں؟

---

[1] کنز العمال بحوالہ طبرانی اوسط حدیث ۳۸۴۷۰ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۴/ ۲۲۰

الجواب

صحیح یہ ہے کہ مسلمان اگرچہ فاسق ہو اہلِ شہادت ہے مگر اُس کی شہادت قبول کرنی ناجائز ہے ماسوا اُس حالت کے کہ اُس کے بارے میں کہ حاکم کو تحرّی صدق ہو کہ یہ بھی تبیین میں داخل ہے۔

کما قال تعالٰی یایها الذین اٰمنوا ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا ان تصیبوا قوما بجهالة فتصبحوا علی ما فعلتم نٰدمین[1]۔

جیسا کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کرلو کہ کہیں کسی قوم کو بے جانے ایذا نہ دے بیٹھو، پھر اپنے کیے پر پچھتاتے رہ جاؤ۔ (ت)

جب مفتی اہلِ فتوٰی کو ان کے بارے میں تحرّی صدق ہو تو اُس کا حکم حجت شرعیہ ہے، رمضان و فطر واجب ہوجائیں گے اور اس کے حکم کے بعد عوام میں کسی کو خلاف کی گنجائش نہ ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۱۵: از ریاست فریدکوٹ ضلع فیروزپور مسئولہ منشی سید محمد علی فورمین ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں حضور فیض گنجور اعلٰحضرت تاج العلوم الشرعیہ اس معاملہ میں کہ اخبار دبدبۂ سکندری سے معلوم ہوا کہ ملک آسام میں رؤیت ہلال سہ شنبہ کو ہو کر چہارشنبہ کو پہلا روزہ ہوا، یہاں پنجاب اور عموماً اکثر حصّہ ملک ہندوستان و مارواڑ میں چہارشنبہ کو رؤیت جمعرات کا پہلا روزہ ہوا اب اس صورت میں ہمارے واسطے کیا حکم ہے، کیا ہم پر اُس روزہ کی قضاء لازم آئے گی؟ اور کس قدر فاصلہ تک رؤیت ہلال کا ایک حکم مانا جاسکتا ہے؟ اگر ۲۹ رمضان المبارک کو جو رؤیت ملک آسام کے حساب سے ۳۰ ہوجائے گی چاند نہ دیکھے یا گرد و غبار کی وجہ سے نہ دیکھا جاسکے تو یہاں پورے تیس روزے کیے جائیں یا ملک آسام کی تحقیق تصدیق پر عید کرلی جائے، یہ بھی واضح خیالِ انور رہے کہ یہاں رؤیتِ رمضان پر کوئی غبار یا ابر نہیں تھا مطلع کھلا ہوا تھا چاند کوشش سے بھی نظر نہیں آیا۔ اس حکم سے جلد اطلاع فرمائیے کہ رمضان المبارک کا وقفہ کم رہ چکا ہے۔

الجواب

ہمارے ائمہ کے مذہب صحیح معتمد میں در بارۂ ہلال رمضان و عید فاصلہ بلاد کا اصلاً اعتبار نہیں مشرق کی رؤیت مغرب والوں پر حجت ہے وبالعکس، ہاں دوسری جگہ کی رؤیت کا ثبوت بروجہ صحیح شرعی ہونا چاہئے، خط یا تار یا تحریر اخبار افواہِ بازار یا حکایت امصار محض بے اعتبار، بلکہ شہادتِ شرعیہ یا استفاضۂ شرعیہ درکار، درمختار میں ہے:

---

[1] القرآن ۴۹/ ۶

اختلاف المطالع غیر معتبر علی المذھب و علیہ الفتوی فیلزم اھل المشرق برؤیۃ اھل المغرب اذا ثبت عندھم رؤیۃ اولٰئک بطریق موجب کما مر۔[1]

صحیح مذہب کے مطابق مطالع کا اختلاف معتبر نہیں، اور فتوٰی اسی پر ہے، تو اہلِ مغرب کی رؤیت کی بناء پر اہلِ مشرق پر روزہ لازم ہوگا بشرطیکہ ان کی رؤیت بطریقِ شرعی ان تک پہنچے جیسا کہ گزرچکا ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ بطریق موجب کان یتحمل اثنان الشھادۃ اویشھدا علی حکم القاضی اویستفیض الخبر بخلاف ما اذا اخبران اھل بلدۃ کذا رأوہ لانہ حکایۃ ح۔[2]

قولہ "بطریق موجب" سے مراد یہ ہے کہ دو مرد شہادت پر گواہی دیں یا قاضی کے فیصلہ پر گواہی دیں یا خبر مشہور ہوجائے بخلاف اس صورت کے کہ جب یہ خبر دیں کہ فلاں اہلِ شہر نے چاند دیکھا ہے کیونکہ یہ حکایت ہے، ح۔ (ت)

اسی میں ہے:

قال الرحمتی معنی الاستفاضۃ ان تاتی من تلک البلدۃ جماعات متعددون کل منھم یخبر عن اھل تلک البلدۃ انھم صاموا عن رؤیۃ الخ۔[3]

شیخ رحمتی نے فرمایا: شہرت کا مفہوم یہ ہے کہ اس شہر سے متعدد جماعتیں آئیں اور ہر ایک یہ اطلاع دے کہ اس شہر کے لوگوں نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا ہے الخ (ت)

پس صورتِ مستفسرہ میں ہم کو نہ خبرِ آسام پر عمل جائز نہ خبرِ حیدرآباد، بلکہ جب تک ثبوت شرعی نہ ہو پنجشنبہ ہی کی پہلی ہے، اور اگر آئندہ پنجشنبہ کو خدانخواستہ ابر یا غبار رہا اور رؤیت نہ ہو تو حرام ہے کہ اس پنجشنبہ کو ۳۰ مان کر جمعہ کی عید کرلیں بلکہ اُس صورت میں ہم پر جمعہ کا روزہ بھی فرض ہوگا اگرچہ قواعدِ علم ہیأت سے جمعہ آئندہ یکم شوال ہے اور جبکہ ہمیں سہ شنبہ کی رؤیت ثابت ہی نہ ہوئی تو جس نے چہارشنبہ کو بہ نیتِ نفل بھی روزہ نہ رکھا اُس پر بھی اُس روزہ کی قضا نہیں کہ ہمارے حق میں یکم پنجشنبہ کو تھی۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] درمختار | کتاب الصوم | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۴۹
[2] ردالمحتار | " | مصطفی البابی مصر | ۲/۱۰۵
[3] " | " | " | ۲/۱۰۲

(ش) ۱ : فرض کفایہ یعنی سب ترک کریں تو سب گناہگار، اور بعض بقدر کفایت[عہ] کریں تو سب پر سے اُتر جائے، اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ شاید شعبان ۲۹ کا ہو جائے تو کل سے رمضان ہے۔ اگر چاند کا خیال نہ کیا تو عجب نہیں کہ ہو جائے اور یہ بے خبر رہیں، تو کل شعبان سمجھ کر ناحق رمضان کا روزہ جائے۔

یجب کفایة التماس الهلال لیلة الثلثین من شعبان لانه قد یکون ناقصاً[1] (مراقی الفلاح) الظاهر منه الافتراض لانه یتوصل به الی الفرض[2] (ط ط) (حاشیة العلامة الطحطاوی علیها)

شعبان کی تیسویں رات چاند کا تلاش کرنا وجوب کفایہ ہے کیونکہ بعض اوقات وہ ناقص ہوتا ہے (مراقی الفلاح) (ت) اس سے ظاہر یہی ہے کہ یہ فرض ہے کیونکہ فرض تک پہنچنے کا یہ وسیلہ ہے (ط ط)

عہ حاشیہ رفع العلة عن نور الادلة: قلت بقدر کفایت، فقیر نے یہ لفظ اس لیے زائد کر دیا کہ اگر التماس ہلال ایسے شخص نے کیا جس کا بیان عند الشرع مقبول نہ ہو تو اُس کا التماس کرنا نہ کرنا یکساں ہوا اور مقصود شرع کہ اُس کے ایجاب سے تھا یعنی ثبوتِ ہلال، وُہ حاصل نہ ہُوا۔ مثلاً صفائے مطلع کی حالت میں صرف ایک آدمی نے تلاش کیا یا ہلالِ عیدین میں فقط عورتوں یا غلاموں نے تلاش کی، وعلٰی ہذا القیاس انما زدته تفقهاً فلیحرر۔

(م) ۲ یوں ہی ۲۹ رمضان کو ہلال عید کی۔

(ش) ۲ اگر چاند ہو گیا اور نہ دیکھا تو نادانستہ عید کے دن روزۂ حرام میں مبتلا ہوں گے،

کذا یجب التماس هلال شوال فی غیوب التاسع والعشرین من رمضان[3] (ط ط)

اسی طرح شوال کا چاند انتیسویں رمضان کی شام کو دیکھنا بھی واجب ہے (ط ط) (ت)

(م) ۳ ۲۹ ذیقعدہ کو ہلال ذی الحجہ کی تلاش بھی ضروری ہے۔

(ش) ۳ **اقول** یہ یوں ضروری ہوا کہ حج ونماز عید وقربانی وتکبیراتِ تشریق کے اوقات جاننے اسی پر موقوف ہیں، تو اس کی تلاش عام لوگوں پر واجب کفایہ ہونی چاہئے اور اہلِ موسم پر فرضِ کفایہ کہ وہاں بے خیالی میں چاند ۲۹ کا ہو گیا اور بنا رکھا ۳۰ کا، تو وقوفِ عرفہ کہ حج کا فرضِ اعظم ورُکنِ اکبر ہے، اپنے وقت سے باہر یوم النحر میں واقع ہوگا اور عام لوگوں کو کسی فرض میں خلل کا اندیشہ نہیں، پر واجبات میں دقت آئے گی، مثلاً کسی ضرورت سے نماز عید کی تاخیر بارھویں تک چاہی تو یہ جسے بارھویں سمجھے ہیں وُہ تیرھویں ہے۔ اور ایامِ نماز کہ ایامِ نحر تھے گزر چکے، نماز بے وقت ہوتی،

---

[1] مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی فصل فیما یثبت بہ الهلال نور محمد کتب خانہ کراچی ص ۳۵۴

[2] حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح " " " " "

[3] " " " " " " " "

بہت لوگ بارھویں کو قربانی کرتے ہیں، ان کی قربانیاں بے وقت ہونگی، عرفہ کی صبح سے ہر نماز کے بعد تکبیر واجب ہوتی ہے، واقع میں جو عرفہ ہے یہ اُسے آٹھویں جان کر تکبیریں نہ کہیں گے۔

وکماان مایتوصل بہ الی الفرض فرض فکذا ان ما یتوصل بہ الی الواجب واجب فصح الافتراض علی اھل الموسم والوجوب علی غیرھم ھذا کلہ ماذکرتہ تفقھا وارجوان یکون صوابا ان شاء اللہ تعالٰی۔

جیسا کہ فرض تک پہنچانے والی چیز فرض ہوتی ہے اسی طرح واجب تک پہنچانے والی چیز واجب ہوتی ہے تو اہل موسم پر کوشش کرنا فرض اور دوسروں پر واجب ہے، تمام جو میں نے بیان کیا یہ بطور تفقہ ہے اور امید ہے کہ یہ انشاء اللہ تعالٰی صواب ہوگا۔ (ت)

(م) ۲۹ رجب کو ہلالِ شعبان، ۲۹ شوال کو ہلالِ ذیقعدہ کی بھی تلاش کریں۔

(ش) ہلالِ شعبان کی تلاش کا حکم خود حدیث[عـــہ۱] میں ہے، حکمت اس میں یہ ہے کہ جب رمضان کا چاند بوجہ ابر نظر نہیں آتا تو حکم ہے کہ شعبان کی گنتی تیس پوری کرلیں۔ جب شعبان کا چاند بہ تحقق نہ معلوم ہوگا تو اس کی گنتی پر کیا یقین ہوسکے گا۔

یُوں ہی اگر ذی الحجہ کا چاند نظر نہ آئے تو ذیقعدہ کی گنتی تیس رکھیں گے، اور وہی بات یہاں پیش آئے گی،

کذا ینبغی ان یلتمسوا ھلال شعبان ایضا فی حق اتمام العدد[1] (ع) (فتاوٰی عالمگیریۃ) عن السراج الوھاج، قلت وزدت[عـــہ۲] علیہ ھلال ذی القعدۃ تفقھا۔

یُوں ہی اتمام تعداد کے لیے شعبان کے چاند کا تلاش کرنا بھی ضروری ہے (ع) یہ فتاوٰی عالمگیری میں سراج وہاج سے ہے، بندہ اس پر بطور استخراج اضافہ کرتا ہے کہ ذی القعدہ کے چاند کا بھی تلاش کرنا ضروری ہے۔ (ت)

عـــہ۱ قلت خود حدیث میں ہے:

اخرج الترمذی فی الجامع والحاکم فی المستدرک عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احصوا ھلال شعبان لرمضان[2] ۱۲ (م)

ترمذی نے جامع میں اور حاکم نے مستدرک میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: رمضان کے لیے شعبان کے چاند کو شمار کرو ۱۲ (م)

عـــہ۲ قلت، وزدت علیہ ھلال ذی القعدۃ

قلت اس پر میں نے بطور استنباط ذوالقعدہ کے چاند

(باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] الفتاوی الھندیۃ الباب الثانی فی رؤیۃ الھلال دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۹۷

[2] جامع الترمذی باب ماجاء فی احصاء ہلال نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۱۲۳

تنبیہ: لوگ تین قسم ہیں: (۱) عادل (۲) مستور (۳) فاسق
عادل وہ جو مرتکب کبیرہ[علہ] یا خفیف الحرکات[عہ۲] نہ ہو۔
اور مستور پوشیدہ حال جس کی کوئی بات مسقطِ شہادت معلوم نہیں۔
اور فاسق جو ظاہر بدافعال ہے۔

عادل کی گواہی ہر جگہ مقبول ہے اور مستور کی ہلال رمضان میں، اور فاسق کی کہیں نہیں۔ پر بعض روایات کے بعض الفاظ بظاہر اس طرف جاتے ہیں کہ رمضان میں فاسق کی شہادت بھی سُن لیں۔ ممکن ہے کہ اُس شہر کا حاکم شرع یہی خیال رکھتا ہو، اگرچہ محققین نے اِسے رد کردیا۔ تو جس فاسق کو معلوم ہو کہ یہاں کے حاکم کا یہ مسلک ہے اس پر بیشک گواہی دینی واجب ہوگی ورنہ نہیں، اور رمضان میں جبکہ عادل و مستور کا ایک حکم ہے، تو اس وجوب میں بھی یکساں ہیں مگر عادل جب وہ دائم المقبول ہے تو اُس پر وجوب بھی مطلقاً ہے یعنی رمضان ہو خواہ عید الفطر خواہ عید الاضحٰی۔

یلزم العدل ان یشهد عند الحاکم فی لیلة رؤیته کیلا یصبحوا مفطرین[1] وهی من فروض العین واما الفاسق ان علم ان الحاکم یمیل الی قول الطحاوی و یقبل قوله یجب علیه، واما

عادل پر لازم ہے کہ اس نے جس رات چاند دیکھا ہے اسی رات حاکم کے پاس گواہی دے تاکہ لوگ صبح کو بے روزہ نہ اُٹھیں، اور یہ گواہی فرض عین ہے، اور فاسق اگر جانتا ہے کہ حاکم کا میلان طحاوی کے قول کی طرف ہے اور اس کا قول قبول کرلیتا ہے تو اس پر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تفقها هذا والذی قبله فی هلال ذی الحجة لیس مایتفکر فان امثال ذلك تلتحق علی وجه دلالة النص وهو مما یشترك فیه الفقهاء والعوام کما نص علیه العلامة ط وغیرہ ۱۲ (م)

کا اضافہ کیا ہے یہ اور اس سے پہلے ذوالحج کے چاند میں تفکر کی ضرورت نہیں کیونکہ اس طرح کے معاملات بطور دلالۃ النص ملحق ہوجاتے ہیں اور اس میں فقہا اور عوام دونوں مشترک ہیں جیسا کہ اس پر علامہ طحطاوی وغیرہ نے تصریح کی ہے ۱۲ (ت)

علہ قلت مرتکب کبیرہ نہ ہو اقول ارتکاب کبیرہ میں اصرار صغیرہ بھی آگیا کہ صغیرہ اصرار سے کبیرہ ہوجاتا ہے اما قول العلماء هو ترك الکبائر والاصرار علی الصغائر الخ فاراد والایضاح لا التتمیم کما لایخفی (رہا علماء کا یہ قول کہ کبائر کا ترک اور صغائر پر اصرار الخ تو اس سے مراد وضاحت ہے نہ کہ تکمیل تعریف، جیسا کہ مخفی نہیں۔ ت)

عہ۲ قلت خفیف الحرکات نہ ہو جیسے بازار میں کھاتے پھرنا یا شارع عام چلنے پر راہ میں پیشاب کو بیٹھنا ۱۲ (م)

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی فصل فیما یثبت بہ الہلال نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۵۸

المستور ففيه شبهة الروايتين[1] (ش عن الحلوانی) اقول واذ قد تقرر قبول المستور کما سیأتی فارتفع النزاع وقد افاد بمفهوم الشرح ان الفاسق لایجب علیه ان لم یعلم ذلك وھو الذی افاد (در) عن البزازی ونبه علیه (ش)۔

بھی گواہی دینا واجب ہے۔ رہا مستور الحال شخص تو اس کے بارے میں دو روایات کا شبہ ہے (ش عن الحلوانی) اقول جب مستور کے قول کا مقبول ہونا ثابت ہے جیسا کہ عنقریب آرہا ہے تو نزاع ختم ہوگیا اور مفہوم شرح سے یہ واضح ہوا ہے کہ اگر فاسق اس معاملہ کو نہ جانتا ہو تو اس پر گواہی لازم نہیں، یہ وہ ہے جو (در) نے (بزازی) سے افادہ کی اور اس پر تنبیہ کی (شامی) نے۔ (ت)

پھر وجوب کا سبب یہ ہے کہ اگر دیکھنے والے نے اسی شب گواہی نہ دی تو ہلال رمضان میں صبح کو لوگ بے روزہ اٹھیں گے اور ہلال فطر میں روزہ دار۔ اور یہ دونوں ناروا جس کا الزام گواہی نہ دینے والے پر ہوگا۔

فان تاخیر الحجۃ عن وقت الحاجۃ اثم، وقد قال تعالٰی ولا تکتموا الشھادۃ ط ومن یکتمھا فانہ اٰثم قلبہ[2]۔

کیونکہ ضرورتِ وقت سے گواہی میں تاخیر گناہ ہے، اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے: گواہی کو مت چھپاؤ اور جو گواہی چھپائے گا تو اندر سے اس کا دل گنہگار ہے۔ (ت)

اقول مگر ہلال ذی الحجہ میں آٹھویں تک کوئی حاجت ایسی نہیں جو بوجہ تاخیر خلل پذیر ہو۔ بس یُوں معلوم ہوجانا چاہیے کہ فجر عرفہ سے لوگ تکبیر میں مشغول ہوں اور حجاج سامان وقوف کریں،

فان اخر الی ھذا فلا یؤخر وقت الحاجۃ ط انما کان الاثم بہ فلیکن التاخیر الی ھنا سائغا ھذا ما قلتہ تفقھا فلیحرر۔

پس اگر یہاں تک مؤخر کرتا ہے تو کوئی حرج نہیں لیکن وقتِ حاجت سے مؤخر نہ کرے، ط۔ کیونکہ اس سے گنہگار ہوگا تو یہاں تاخیر سات ذوالحجہ تک ہوسکتی ہے۔ یہ بندہ نے بطور استخراج کہا ہے، اسے محفوظ کیجئے۔ (ت)

(م) **۵** ہلال دیکھنے والے عادل پر مطلقاً اور مستور پر رمضان میں، اور فاسق پر جب سمجھے کہ حاکم میری گواہی مان لے گا واجب ہے کہ رمضان وعید الفطر میں اسی شب اور ذی الحجہ میں آٹھویں تک حاکم شرع کے پاس حاضر ہوکر رؤیت پر گواہی دے۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الصوم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۹۱

[2] القرآن ۲/ ۲۸۳

(م) ؎۱ یہاں تک کہ زن پردہ نشین نکلے اگرچہ شوہر اذن نہ دے، اگرچہ کنیز اجازتِ مولیٰ نہ پائے۔ اگر سمجھیں کہ ثبوتِ رؤیت ہم پر موقوف ہے ورنہ یہ نکلنا ناجائز ہوگا۔

(ش) ؎۲ یجب علی الجاریۃ المخدرۃ ان تخرج فی لیلتھا ؎۳ (د) (در مختار) ای لیلۃ الرؤیۃ ؎۴ (ش) بلا اذن مولاھا وتشھد کما فی الحافظیۃ ؎۵ (د) وکذا یجب علی الحرۃ ان تخرج بلا اذن زوجھا کذا غیر المخدرۃ والمزوجۃ بالاولیٰ ؎۶ (ش) محلہ اذا تعینت للشھادۃ و الاحرم علیھا ؎۷ (طط)

پردہ نشین لونڈی پر اس رات نکلنا لازم ہے۔ (د) سے مراد درمختار ہے یعنی چاندرات۔ (ش) سے مراد شامی ہے یعنی اپنے مولیٰ کی اجازت کے بغیر نکلے اور گواہی دے جیسا کہ حافظیہ میں ہے (د) اسی طرح آزاد عورت پر بھی بلا اجازتِ خاوند نکلنا لازم ہے اسی طرح وہ لونڈی جو پردہ نشین نہ ہو اور وہ عورت جو منکوحہ نہ ہو ان کا نکلنا تو بطریق اولیٰ ہوگا (ش) یہ اس وقت ہے جب شہادت کے لیے اس کا تعین ہو ورنہ اس کا نکلنا حرام ہوگا (طط)۔ (ت)

یہ حکم اس صورت میں ہے جب خاص انھی لوگوں پر گواہی متعین ہو ورنہ پردہ نشین کو جانا یا عورت کو بے اذنِ شوہر یا غلام وکنیز کو بے اجازتِ مولیٰ نکلنا روا نہیں،

قال ط (الطحاوی) والظاھر ان محل ذلک عند توقف اثبات الرؤیۃ والافلا ؎۸ (ش)

طحاوی نے فرمایا: ظاہر یہی ہے کہ اسی کی ضرورت اس وقت ہے جب رؤیتِ چاند کا اثبات ان پر موقوف ہو ورنہ ضروری نہیں (ش)۔ (ت)

(م) ؎۹ جہاں ریاستیں اسلامی ہیں اُن بلاد میں جو عالمِ دین سُنّی المذہب سب سے زیادہ علمِ فقہ رکھتا ہو وہ بحکمِ شرع سردارِ مسلمانان ہے، مسلمانوں پر فرض ہے کہ اپنی دینی باتوں میں اُسی کی طرف رجوع کریں اور اُس کے فتووں پر عمل کریں، تو چاند دیکھنے والے پر بھی واجب ہے کہ اُس شب اُس کے حضور حاضر ہو کر ادائے شہادت کرے۔

؎۱ درمختار	کتاب الصوم	مطبع مجتبائی دہلی	۱/۱۴۸
؎۲ ردالمحتار	؍؍	داراحیاء التراث العربی بیروت	۲/۹۱
؎۳ درمختار	؍؍	مطبع مجتبائی دہلی	۱/۱۴۸
؎۴ ردالمحتار	؍؍	داراحیاء التراث العربی بیروت	۲/۹۱
؎۵ طحطاوی علی مراقی الفلاح	؍؍	نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی	ص ۳۵۸
؎۶ ردالمحتار	؍؍	داراحیاء التراث العربی بیروت	۲/۹۱

(ش) ث علامہ عبدالغنی بن اسمٰعیل نابلسی قدس سرہ، حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں فرماتے ہیں:

وفی العتابی اذا خلا الزمان من سلطان ذی کفایۃ فالامور موکلۃ الی العلماء ویلزم الامۃ الرجوع الیہم[1]۔

عتابی میں ہے کہ جب دَور ایسے بادشاہ سے خالی ہو جو صاحبِ قدرت ہو تو اس وقت امور علماء کے سپرد ہوں گے اور اُمت پر لازم ہے کہ اس وقت وہ علماء کی طرف رجوع کرے۔ (ت)

اسی میں ہے:

المتبع اعلمھم فان استووا اقرع بینھم[2]۔

علماء میں جو سب سے زیادہ صاحبِ علم ہو گا لوگ اُس کی اتباع کریں، اگر علم میں برابر ہوں تو ان میں قرعہ ڈال لیں۔ (ت)

تنبیہ: آج کل اسلامی ریاستوں میں بھی قضاۃ وحکام اکثر بے علم ہوتے ہیں، تو عالمِ دین اُن پر بھی مقدم۔ اور وقتِ اختلاف فتوٰیٔ عالم پر ہی عمل واجب۔

حکایت: امام الحرمین ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں بادشاہِ وقت کے یہاں ۲۹ کے ہلال پر گواہیاں گزریں۔ بحکمِ سلطان اعلان ہوا کہ کل عید ہے۔ یہ خبر امام الحرمین کو پہنچی۔ گواہیاں قابلِ قبول نہ تھیں، امام کے حکم سے معًا دوسرا اعلان ہوا کہ بحکمِ امام ابوالمعالی کل روزہ ہے۔ صبح کو تمام شہر روزہ دار اٹھا۔ حاسدوں نے یہ خبر خوب رنگ کر بادشاہ تک پہنچائی کہ اگر امام چاہیں تو سلطنت چھین لیں۔ ملاحظہ ہو کہ اُنھیں کا حکم مانا گیا اور حکمِ سلطان کی کچھ پروا نہ ہُوئی۔ بادشاہ نے برافروختہ ہو کر چوبدار بھیجے کہ جیسے بیٹھے ہیں تشریف لائیں۔ امام ایک جبہ پہنے تھے، ویسے ہی دربار میں رونق افروز ہُوئے۔ اشتعالِ شاہی دوبالا ہوا کہ لباس درباری نہ تھا۔ سوال کیا، فرمایا: اطاعتِ اولوالامر واجب ہے۔ حکم تھا جیسے بیٹھے ہیں آئیں، میں یُوں ہی بیٹھا تھا چلا آیا۔ کہا اعلانِ خلاف پر کیا باعث تھا؟ فرمایا، انتظامِ دنیا تمہارے سپرد ہے اور انتظامِ دین ہمارے متعلق۔ بادشاہ پر ہیبتِ حق طاری ہُوئی۔ باعزاز تمام رخصت کیا اور بدگویوں کو سزا دی۔

تنبیہ: علمِ دین فقہ وحدیث ہے منطق وفلسفہ کے جاننے والے علماء نہیں، یہ امور متعلق بہ فقہ ہیں، تو جو فقہ میں زیادہ ہے وہی بڑا عالمِ دین ہے اگرچہ دُوسرا حدیث وتفسیر سے زیادہ اشتغال رکھتا ہو پھر بھی عالمِ دین نہ ہو گا مگر سنی المذہب کہ فاسد العقیدہ جہل مرکب میں گرفتار جو جہل بسیط سے ہزار درجہ بدتر، خصوصاً غیر مقلدین کہ

---

[1] الحدیقۃ الندیۃ النوع الثالث فی المندوب الیہا مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/۳۵۱

[2] " " " " " " " " " "

فقہ وفتوٰی میں اُن پر اعتماد تو ایسا ہے جیسے چور کو پاسبان بنانا۔

(م) ۸ جہاں کوئی عالم بھی نہ ہو مجمع مسلمین مثلاً مسجد جامع وغیرہ میں گواہی دیں۔

(ش) ۸ وان لم یوجد حاکم یشہد فی المسجد (جا[1]) جامع الرموز قلت انما خص المسجد لہ بمحل الاجتماع وانما المقصود الاعلان لیحصل حیثما وجد واجتمعین کما لایخفی۔

اگر حاکم موجود نہ ہو تو وہ مسجد میں گواہی دے (جامع الرموز) قلت: خاص مسجد کا ذکر اس لیے کہ وُہ محلِ اجتماع ہے اور مقصود اعلان ہوتا ہے تاکہ اعلان ایسی جگہ ہو جائے جہاں لوگ جمع ہوں، جیسا کہ مخفی نہیں (ت)

(م) ۹ جو بلا عُذر گواہی دینے میں تاخیر کرے گا پھر کہے گا میں نے دیکھا تھا اُس کی گواہی مردود ہوگی۔

(ش) ۹ عذر کی صورت یہ کہ مثلاً شہر میں نہ تھا، دیہات میں دیکھا، وہاں سے اب آیا ہے، تو اس کی گواہی مُن لیں گے اور تاخیر سے وہی مراد کہ وقت حاجت کے بعد پھر نہ اُٹھا رکھے کہ ہلال رمضان وعیدالفطر میں پہلی ہی شب ہے۔

شہدوا فی اٰخر رمضان[2] برؤیۃ ھلالہ قبل صومھم بیوم ان کانوا فی المصر ردت لترکھم الحسبۃ وان جاءوا من خارج قبلت من الفتح[2] (ش)

گواہوں نے رمضان کے آخری دن گواہی دی کہ انھوں نے اہلِ شہر کے روزہ شروع کرنے سے ایک دن پہلے چاند دیکھا تھا، اگر وُہ گواہ شہر کے رہنے والے ہوں تو گواہی مسترد ہوگی کیونکہ انھوں نے گواہی میں تاخیر کی ہے اور اگر وُہ خارج شہر سے آئے ہوں تو ان کی گواہی مقبول ہوگی، یہ فتح سے شامی میں ہے۔ (ت)

(ح) [2] ۹ قولہ فی اٰخر رمضان، اقول من احاط بالدلیل علم ان الاٰخر لیس بقید بل لو شھدوا من غد بعد ما اصبح الناس مفطرین انا رأینا الھلال البارحۃ وکانوا فی المصر ولاعذر فسقوا وردت شھادتھم لترکھم الحسبۃ وقد علمت ذٰلک من نص العلماء ان الشھادۃ من

قولہ فی اٰخر رمضان۔ اقول جس شخص نے دلیل کو خُوب جان لیا ہے اس پر واضح ہوگا کہ "الاٰخر" کا لفظ قید نہیں بلکہ اگر انھوں نے اس دن سے دوسرے دن گواہی دی جب صبح کو لوگ بے روزہ اُٹھے اُنھوں نے کہا ہم نے گزشتہ رات چاند دیکھا اور وہ شہر کے رہنے والے تھے اور عذر بھی کوئی نہ ہو تو وُہ فاسق قرار پائیں گے ان کی گواہی مسترد ہوگی کیونکہ انھوں نے ذمہ داری کی خلاف ورزی

---

[1] جامع الرموز کتاب الصوم مکتبۃ الاسلامیہ گنبدِ قاموس ایران ۱/۳۵۴

[2] ردالمحتار 〃 داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۹۱

فروض العین وانها تجب فی لیلۃ الرؤیۃ حتی تخرج المخدرۃ والمنکوحۃ بدون اذن زوجہا ومولاھا[1] ۱۲ (ملخصاً)

کی ہے، اور آپ یہ بھی جان چکے کہ علماء نے تصریح کی ہے کہ شہادت فرض عین ہے اور یہ چاند دیکھنے والی رات میں ہی گواہی دینا لازم ہے حتی کہ پردہ نشین اور منکوحہ خواتین پر بغیر اجازت خاوند اور مولٰی کے (چاند دیکھنے کے لیے نکلنا لازم ہے)۔(ت)

(م) ۱۰ جب چاند پر نظر پڑے اور دیکھنے والوں کی گواہی کفایت نہ کرتی ہو، فوراً جہاں تک بن پڑے ایسے مسلمانوں کو دکھا دیں، جن کی گواہی کافی ہو، اور ویسے بھی دکھا دینا چاہئے کہ کثرت بہرحال بہتر ہے۔

(ش) ۱۰ اقول اگر مطلع صاف نہیں، دفعتاً ابر ہٹا اور اُسے چاند نظر پڑا، اب یہ اس قابل نہیں کہ اس کی گواہی مسموع ہو، خواہ فاسق ہے یا مستور یا اکیلا یا صرف عورتیں یا غلام ہیں اور ہلال ہلالِ عیدین تو ان لوگوں کا دیکھنا کافی نہ ہوگا اور بعض کو نہیں آ جاتا لہذا نہایت تعجیل کرکے ایسے معتمد مسلمانوں کو دکھا دے جن کی گواہیاں کفایت کرجائیں قال اللہ تعالٰی تعاونوا علی البر والتقوٰی[2] (اللہ تعالٰی کا فرمانِ مبارک ہے نیکی اور تقوٰی پر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔ ت) اس صورت میں تو بشرط قدرت معتمدین کو دکھانا لازم ہونا چاہئے، اور اگر ایسا نہیں بلکہ خود ان کی گواہی بس ہے، تاہم اوروں کا دکھانا اچھا ہی ہے کہ کثرتِ شہود بہرحال بہتر ہے عجب کیا کہ یہ اپنے نزدیک اپنی گواہی کافی سمجھیں اور حاکم شرع کو کسی وجہ سے اعتبار نہ آئے تو اور شہود کی حاجت پڑے ھذا کلہ ما ذکرتہ تفقھا وارجوان یکون حسنا ان شاء اللہ تعالٰی (بندہ نے یہ تمام بطور استنباط کہا ہے اور امید ہے یہ ان شاء اللہ درست ہوگا۔ ت)

(م) ۱۱ جس شام احتمالِ ہلال ہو جب تک حکم حاکم شرعی یا فتوٰی عالم دین نہ ہو ہرگز ہرگز کسی وجہ سے بندوقیں یا آواز کی آتش بازی اپنے دنیوی کاموں کے لیے بھی ہرگز نہ کریں۔

(ش) ۱۱ اصطلاح یوں ٹھہری ہوئی ہے کہ جہاں اسلامی ریاست ہے بعد تحقیق ہلال توپ کے فیر ہوتے ہیں اور شہروں میں بندوقیں یا ہوائیاں وغیرہ چھوڑتے ہیں، اب اگر ثبوت شرعی ہوگیا اور حاکم شرع نے بھی حکم دے دیا جب تو یہ فعل مستحسن ہے کہ ایک نیتِ صالحہ سے کیا جاتا ہے اور آتشبازی کا ناجائز ہونا بوجہ اضاعت مال تھا یہاں جاری نہیں کہ بعد غرض محمود کے اضاعت کہاں۔ ورنہ دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ اعلانِ ہلال کے سوا اور کسی وجہ سے یہ فعل کریں، مثلاً دوست کے گھر بیٹا پیدا ہُوا، بندوقیں سرکیں یا خالی بیٹھے مال ضائع کرنا چاہا، ہوائیاں،

---

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی فصل فیما یثبت بہ الہلال نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۵۸
ردالمحتار کتاب الصوم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۹۱

[2] القرآن ۵/ ۲

ناڑیاں، تومڑیاں چھوڑیں۔ یہ ممنوع ہے کہ اس میں مسلمانوں کو دھوکا ہوگا۔ دوسرے یہ کہ جاہلوں نے جو اپنے جاہلانہ مسئلوں سے بے حکمِ حاکم و فتویٰ عالم اپنے تزدیک رؤیت کی خبر ٹھیک جان کر پٹاخہ بازی شروع کردی۔ اور یہ بھی زیادہ ناجائز و حرام ہے کہ منصب رفیع شرع پر جرأت ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم افتوا بغیر علم فضلوا واضلوا[1] وعنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اجرؤکم علی الفتیا اجرؤکم علی النار[2]۔ ھذا اکلہ ایضاً تفقھاً، و لااظن احدا یخالف فیہ۔ واللہ الھادی للصواب۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان ہے: جو بغیر علم کے فتوٰی دیں گے خود بھی گمراہ اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ بھی فرمانِ مبارک ہے: تم میں سے جو فتوٰی دینے میں زیادہ جرأت کرے گا وہ جہنم میں جانے میں زیادہ جرأت مند ہوگا۔ یہ تمام بھی بطور استخراج ہے اور میں گمان کرتا ہوں کہ اس میں کوئی مخالفت نہیں کرے گا۔ اللہ ہی صواب کی طرف رہنمائی فرمانے والا ہے۔ (ت)

(م) ۱۲ ہلال دیکھ کر اس کی طرف اشارہ نہ کریں

(ش) ۱۲ کہ افعالِ جاہلیت سے ہے،

تکرہ الاشارۃ الی الھلال عند رؤیتہ لانہ فعل اھل الجاھلیۃ[3] (فتح القدیر)

چاند دیکھنے پر اس کی طرف اشارہ کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ اہلِ جاہلیت کا عمل ہے (فتح القدیر)۔ (ت)

(م) ۱۳ ہلال دیکھ کر منہ پھیرلے۔

(ش) ۱۳ اقول حدیث میں ہے،

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا رأی الھلال صرف وجھہ عنہ[4]۔ رواہ ابو داؤد عن قتادۃ مرسلا ولا شواھد وسندہ ثقات۔

حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب نیا چاند دیکھتے اپنا منہ (مبارک) اس کی طرف سے پھیر لیتے۔ اسے ابوداؤد نے حضرت قتادہ سے مرسلاً روایت کیا ہے اور اس کا شاہد کوئی نہیں اور اس کی سند ثقہ ہے (ت)

---

[1] صحیح مسلم باب رفع العلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۴۰

[2] سنن الدارمی باب الفتیا حدیث ۱۵۹ نشر السنۃ ملتان ۱/ ۵۳

[3] فتح القدیر فصل فی رؤیۃ الھلال نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۴۳

[4] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب مایقول الرجل اذا رای الھلال آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳۹

شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ شر کی چیز ہے افادہ المناوی فی التیسیر (مناوی نے تیسیر میں افادہ کیا ۔ ت)

اقول یا یہ کہ کفار نے اس کی عبادت کی اور شرع میں اسے دیکھ کر اللہ جل جلالہ سے دعا کرنی آئی، تو پسندیدہ ہوا کہ منہ پھیر کر کی جائے تاکہ کفار سے مشابہت نہ لازم آئے۔ واللہ ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

(م) **۱۴** یہ جو جاہلوں میں مشہور ہے کہ فلاں چاند تلوار پر دیکھے فلاں آئینے پر۔ یہ سب جہالت وحماقت ہے، بلکہ حدیث میں جو دعائیں فرمائیں وہ پڑھنی کافی ہیں۔

(ش) **۱۴** حدیث میں رؤیت ہلال کی بہت دعائیں آئیں، بعض حصن حصین میں مذکور ہیں۔

(ح) **۱۴** فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ بہاں تک اس وقت اپنی نظر میں ہیں تمام ادعیہ حدیث کو مع اشارہ رموز مخرجین جمع کرتا ہے وباللہ التوفیق:

(می) اللہ اکبر، اللہ اکبر، الحمد للہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ اللھم انی اسئلک من خیر ھذا الشھر واعوذبک من شر القدر ومن شر یوم المحشر[1]۔ (طب) عن عبادۃ بن الصامت، ھلال خیر ورشد امنت بالذی خلقک[2]۔ (د) عن قتادۃ بلاغا، اللھم انی اسئلک من خیر ھذا (۳) اللھم انی اسئلک من خیر ھذا الشھر وخیر القدر واعوذبک من شرہ[3] (۳) (طب) عن رافع بن خدیج باسناد حسن اللھم

(می) اللہ اکبر، اللہ اکبر، الحمد للہ، برائی سے پھرنے اور نیکی کی طاقت اللہ تعالٰی کی توفیق کے بغیر نہیں۔ اے اللہ میں تجھ سے اس ماہ میں خیر مانگتا ہوں اور شر تقدیر اور شر قیامت سے تیری پناہ ڈھونڈتا ہوں۔ (طب) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے اے خیر ورشد کے چاند میں تیرے پیدا کرنے والے پر ایمان رکھتا ہوں (د) حضرت قتادہ سے مرسلاً مروی ہے اے اللہ! میں تجھ سے اس میں خیر مانگتا ہوں (۳) اے اللہ! میں تجھ سے اس ماہ کی اور تقدیر کی خیر مانگتا ہوں اور اس کے شر سے تیری پناہ ڈھونڈتا ہوں (۳) (طب) حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سند حسن کے ساتھ مروی ہے: اے اللہ!

---

[1] التیسیر تحت حدیث کان اذا رای الھلال مکتبۃ الامام الشافعی ریاض سعودیہ ۲/۲۴۹
[2] مسند احمد بن حنبل مرویات عبادہ بن الصامت دار الفکر بیروت ۵/۳۲۹
[3] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب ما یقول الرجل اذا رای الھلال آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۳۳۹
[4] المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۴۴۰۹ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۴/۲۷۶

اھلّه علینا بالیمن والایمان والسلامة والسلامِ[1] (اق ت ك حب) عن طلحة بن عبید اللّٰه باسناد حسن، والتوفیق لما تحب و ترضیٰ[2] حب عن طلحة (طب) عن ابن عمر، والسکینة والعافیة والرزق الحسن[3] (سن) عن حدیر السلمی مرسلا، ربی وربك اللّٰه[4]۔ ا می ت ك (حب) عن طلحة طب عن ابن عمر، الحمد للّٰه الذی ذهب بشهر کذا[5] وعن قتادة بلاغاً (سن) عن عبد اللّٰه بن مطرف اسئلك من خیر ھذا الشهر ونوره وبرکته وھداه وطهوره ومعافاته[6] (سن) مثله، اللهم ارزقنا خیره ونصره وبرکته وفتحه ونوره ونعوذبك من شره وشر ما بعده[7] (مو مص) عن علی موقوفا۔

اس چاند کو ہم پر برکت، ایمان، سلامتی اور امن والا بنادے۔ (ا ق ت ک حب) حضرت طلحہ بن عبید اللہ سے سندِ حسن کے ساتھ مروی ہے اور اس چیز کی توفیق دے جو تجھے پسند اور تو اس سے راضی ہے۔ (حب) نے طلحہ سے اور (طب) نے حضرت ابن عمر سے یہ الفاظ بھی نقل کئے سکون، عافیت اور رزقِ حسن مانگتا ہوں (سن) نے حضرت حدیر اسلمی سے مرسلاً روایت کیا میرا رب اور تیرا رب اللہ ہے (ا می ت ک حب) نے حضرت طلحہ سے اور طب نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا تمام حمد اس اللہ کی جو گزشتہ ماہ اسے لے گیا، حضرت قتادہ سے بلاغاً، اور (سن) نے حضرت عبد اللہ بن مطرف سے روایت کیا ہے اے اللہ! میں تجھ سے اس ماہ کی خیر، اس کا نور، اس کی برکت، اس کی ہدایت، اس کی طہارت اور عافیت مانگتا ہوں۔ (سن) نے اس کی مثل روایت کیا۔ اے اللہ! ہمیں اس کی خیر، مدد، برکت، رحمت، فتح اور نور عطا فرما اور ہم اس کے اور اس کے مابعد کے شر سے تیری پناہ ڈھونڈتے ہیں۔ اسے (مو مص) نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت کیا ہے۔ (ت)

---

[1] جامع ترمذی ابواب الدعوات امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/۴۹۸

[2] الاحسان بترتیب ابن الحبان حدیث ۸۸۵ باب الادعیۃ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۳/۷۰

[3] عمل الیوم واللیلۃ حدیث ۶۴۵ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن انڈیا ص ۱۷۵

[4] جامع ترمذی ابواب الدعوات امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/۴۹۸

[5] عمل الیوم واللیلۃ حدیث ۶۴۷ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن انڈیا ص ۱۷۵

[6] " " " " " " " " ص ۱۷۶

[7] المصنف ابن ابی شیبہ حدیث ۹۷۹۶ کتاب الدعوات ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱۰/۳۹۹-۴۰۰

(م) ۱۵ چاند پر جب کبھی نظر پڑے تو اس کے شر سے پناہ مانگے۔

(ش) ۱۵ ترمذی، نسائی، حاکم اُم المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی حضور پر نور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے چاند کو دیکھ کر فرمایا،

یا عائشۃ استعیذی باللہ من شر ھذا ، اے عائشہ اللہ تعالٰی کی پناہ مانگ اس شر سے

فان ھذا ھو الغاسق اذا وقب[1] کہ یہی ہے وہ اندھیری ڈالنے والا جب ڈوبے

یا گہنائے، یعنی قرآن عظیم میں جس غاسق کا ذکر فرمایا ومن شر غاسق[2] اور اس کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم آیا اس سے یہی چاند مراد ہے۔

فصل دوم

اُن امور میں جن کا در بارۂ تحقیق ہلال کچھ اعتبار نہیں، بیس قرپر مشتمل

(م) قر ا ۱۶ اہل ہیأت کی بات کا کچھ اعتبار نہیں اگرچہ عادل ہوں اگرچہ کثیر ہوں، نہ ہی خود اس پر عمل جائز۔

(ش) قر ۱/۱۶ اہل ہیأت وُہ لوگ جو آسمانوں کے حال اور ستاروں کی چال سے بحث کرتے ہیں، وُہ اپنے حساب سے بتاتے ہیں رحال دن رؤیت ہلال ہوگی فلاں مہینہ انتیس کا ہوگا فلاں تیس کا۔ پھر اُن کی بات کہ ایک حساب ہے ٹھیک بھی پڑتی ہے، پر صحیح مذہب میں اُس کا کچھ اعتبار نہیں اگرچہ وُہ ثقہ عادل ہوں، اگرچہ اُن کی جماعت کثیر یک زبان ایک ہی بات پر اتفاق کرے۔ مثلاً وہ ۲۹ شعبان کو کہیں آج ضرور رؤیت ہوگی کل یکم رمضان ہے۔ شام کو ابر ہوگیا، رؤیت کی خبر معتبر نہ آئی، ہم ہرگز رمضان قرار نہ دیں گے، بلکہ وہی یوم الشک ٹھہرے گا، یا وہ کہیں آج رؤیت نہیں ہوسکتی، کل یقیناً ۳۰ شعبان ہے، پھر آج ہی رؤیت پر معتبر گواہی گزری، فوراً قبول کرلیں گے اور کچھ خیال نہ کریں گے کہ بربنائے ہیأت تو آج رؤیت ناممکن تھی۔ گواہ نے دیکھنے میں غلطی کی، یا غلط کہا، دلیل اس مسئلے اور اکثر مسائل آئندہ کی جو قر ۵ تک آئیں گے یہ ہے کہ شارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صوم وفطر کا حکم رؤیت پر معلق فرمایا، صحیحین وغیرہما میں بطرق کثیرہ بہت صحابہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم سے مروی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :

---

[1] جامع ترمذی ابواب التفسیر سورۃ الفلق نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۲۰۵

[2] القرآن ۱۱۳/ ۳

صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ فان اغمی علیکم فاکملوا عدۃ شعبان ثلثین[1]

چاند دیکھ کر روزہ رکھو، چاند دیکھ کر ختم کرو۔ اور اگر مطلع صاف نہ ہو تو تیس کی گنتی پُوری کرلو۔ (ت)

پس ہمیں اسی پر عمل فرض ہے، باقی رہا حساب، اسے خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یک لخت ساقط کردیا، صاف ارشاد فرماتے ہیں:

انا امۃ امیۃ لانکتب ولا نحسب الشھر ھکذا وھکذا والشھر ھکذا وھکذا۔[2] رواہ الشیخان وابوداؤد ونسائی عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما۔

ہم اُمّی امت ہیں، نہ لکھیں نہ حساب کریں دونوں ہاتھوں کی انگلیاں تین بار اُٹھاکر فرمایا مہینہ یُوں اور یُوں اور یُوں ہوتا ہے۔ تیسری دفعہ میں انگوٹھا بند فرمالیا یعنی انتیس اور مہینہ یوں اور یُوں ہوتا ہے، ہر بار سب انگلیاں کھُلی رکھیں یعنی تیس۔ (اسے امام بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

ہم بحمد اللہ ولہ المنۃ اپنے نبی اُمّی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اُمّی اُمت ہیں، ہمیں کسی کے حساب کتاب سے کیا کام، جب تک رؤیت ثابت نہ ہوگی نہ کسی کا حساب سُنیں، نہ تحریر مانیں، نہ قرائن دیکھیں، نہ اندازہ جانیں۔

لا عبرۃ بقول الموقتین ولو عدولا علی المذھب بل فی المعراج لایعتبر قولھم بالاجماع ولایجوز للمنجم ان یعمل بحساب نفسہ وفی النھر فلایلزم بقول الموقتین انہ ای الھلال یکون فی السماء لیلۃ کذا وان کانوا عدولا فی الصحیح کما فی الایضاح اھ وفی القنیۃ عن ابن مقاتل انہ کان یسألھم ویعتمد علی قولھم اذا اتفق علیہ جماعۃ منھم ثم نقل عن شرح السرخسی انہ بعید وعن مجد الائمۃ انہ اتفق اصحاب ابی حنیفۃ الا النادر

صحیح مذہب کے مطابق نجومیوں کا قول معتبر نہیں اگرچہ وُہ عادل ہوں، بلکہ معراج میں ہے کہ ان کا قول بالاجماع معتبر نہیں اور نجومی کو خود اپنے حساب پر عمل کرنا درست نہیں۔ نہر میں ہے نجومیوں کا یہ قول کہ فلاں رات کو آسمان پر چاند نظر آئے گا صحیح روایت کے مطابق ان کے اس قول سے روزہ لازم نہ ہوگا، اگرچہ نجومی عادل ہو جیسا کہ ایضاح میں ہے اھ قنیہ میں ابن مقاتل سے مروی ہے کہ نجومیوں سے سوال کیا جائے اور اگر ان کی ایک جماعت کا اتفاق ہوجائے تو ان کے قول پر اعتماد کیا جائے، پھر شرح سرخسی سے نقل کیا ہے کہ یہ بعید (از قیاس) ہے، مجدالائمہ

---

[1] صحیح بخاری کتاب الصوم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۶

[2] " " " "

والشافعی انه لا اعتماد علی قولہم[1] سے مروی ہے کہ کچھ شاذ احناف کو چھوڑ کر باقی تمام احناف اور شوافع اس پر متفق ہیں کہ نجومیوں کے قول پر اعتماد نہیں کیا جائے گا، شامی ملخصا (ت)

تنبیہ: اس مسئلہ کے یہ معنی ہیں کہ جو بات وہ بطور ہیئات کہیں مقبول نہیں۔ ورنہ اگر شہادت رؤیت ادا کریں تو مثل اور لوگوں کے ہیں، جن شرائط سے اوروں کی گواہی سُنی جاتی ہے اُن کی بھی گواہی قبول ہوگی، پھر اُن کا قابلِ شہادت ہونا جبھی ہے کہ ہیأت و نجوم کی خلافِ شرع باتوں پر اعتقاد نہ کرتے ہوں صرف صناعی طور پر آسمان کی گردشوں، ستاروں کی چالوں، طلوع و غروب، رجوع و استقامت، بطء و سرعت، قِرآن، تسدیس، ترجیع، تثلیث، مقابلہ، اجتماع وغیرہ سے بحث کرتے ہوں، ورنہ مثلاً امورِ غیب پر احکام لگانا سعد و نحس کے خرخشے اٹھانا، زائچہ کے راہ پر چلنا چلانا، اوتاد ارابعہ طالع رابع عاشر سابع پر نظر رکھنا زائلہ مائلہ کو جانچنا پرکھنا، شرعاً ہجر ہے۔ اور اعتقاد کے ساتھ ہو تو قطعی کفر، والعیاذ باللہ رب العالمین۔ اسی قبیل سے ہے ان کا کہنا کہ فلاں دن رؤیت واجب ہے فلاں دن محال۔ اگر وجوب و استحالہ عادی مراد لیتے ہیں تو خیر کہ سنۃ اللہ کیلئے تبدیل نہیں، ورنہ حقیقی و عقلی کا قصد معاذ اللہ کھلا ہوا کفر ہے۔ اعاذنا اللہ بمنہ العظیم، امین (اللہ تعالٰی اپنے بڑے احسان پر ہمیں محفوظ رکھے، آمین۔ ت)

(ح) $\frac{1}{16}$ علٰہ اہلِ تنجیم میں قرار پایا ہے کہ جب تک چاند آٹھ درجے آفتاب سے دُور نہیں ہوتا ہرگز نظر نہیں آتا صرح بہ الفاضل الرومی (اس پر فاضل رومی نے تصریح کی ہے۔ ت) اور جب ۱۲ درجے جُدا ہوتا ہے ضرور نظر آتا ہے نص علیہ علامۃ الشریف (علامہ شریف نے اس پر نص کی ہے۔ ت) پھر وُہ ۲۹ تاریخ مغرب کی تقویم یعنی اُس وقت فلک بروج سے شمس و قمر کے مواضع نکال کر فصل دیکھتے ہیں اگر آٹھ درجے سے کم پایا حکم لگا دیا کہ آج رؤیت ہرگز نہ ہوگی اور ۱۲ یا ۱۲ سے زائد دیکھا تو جزم کر دیا کہ ضرور ہوگی اور اس کے مابین معلوم ہوا تو رؤیت ہلال مشکوک رکھتے ہیں، پھر منجمانِ ہند کی ادا کچھ نرالی ہے۔ فقیر نے بارہا دیکھا کہ ۲۹ کی مغرب کو قمر ۱۲ درجے سے بہت زیادہ دُور ہے پھر بھی اُنھوں نے کل کی رؤیت رکھی۔ خیر یہاں یہ کہنا ہے کہ حکمائے یونان اُن کے قواعد وضع کر چکے خود بھی ان پر مطمئن نہیں، تصریح کرتے ہیں کہ احوالِ قمر کا آج تک انضباط نہ ہُوا پھر ایسے شاک و شاک فی انہ شاک کی بات کا کیا اعتبار،

سبحانک لاعلم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم[2] اقول و | پاک ہے تیری ذات ہمیں علم نہیں مگر اتنا جو تُو نے ہمیں سکھایا، بلاشبہ تُو ہی جاننے والا اور حکمت والا ہے

---

[1] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۰۰

[2] القرآن ۲/ ۳۲

بهذا یرد ما اعتمدہ الامام السبکی من الشافعیۃ وصوبہ الزرکشی منہم وجنح الیہ بعض منا من جواز الاعتماد علٰی قولہم بناءً علٰی ان الحساب قطعی والشہادۃ ظنی قلنا ھذا الحساب ایضا لیس من القطع فی شیئ کما علمت واحتمال الغلط لیس باقل من احتمالہ فی خبر العدل والشارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قد الغی الحساب ونزل الشہادۃ بمنزلۃ الیقین وبالجملۃ فالمذہب عدم جواز الاعتماد علیہم اصلا ۱۲۔

اقول اس سے اس کا رَد ہو جاتا ہے جس پر شوافع میں سے امام سبکی نے اعتماد کیا ہے اور ان میں سے زرکشی نے اس کی تصویب کی۔ اور ہم احناف میں سے بعض نے ان کی طرف جھکاؤ کیا کہ ان کے قول پر اعتماد جائز ہے اس بنا پر کہ حساب قطعی ہوتا ہے اور شہادت ظنی۔ ہم کہتے ہیں کہ حساب بھی کسی معاملہ میں قطعی نہیں جیسا کہ آپ جان چکے، اور غلطی کا احتمال خبرِ عادل میں احتمال سے کم نہیں، اور شارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حساب کو لغو قرار دیا اور شہادت کو بمنزلِ یقین فرمایا، الغرض مذہب صحیح یہی ہے کہ اہلِ توقیت (نجومیوں) پر اعتماد جائز نہیں (ت)

(ح) $\frac{1}{16}$ ع۲ قد رواہ البخاری فی کتاب الصوم وعقد لہ باب قول النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لا نکتب ولا نحسب فقصر الفاضل المرحوم عبد الحی اللکھنوی فی القول المنشور عزوہ علی مسلم تقصیر ۱۲۔

اسے بخاری نے کتاب الصوم میں روایت کیا ہے اور باب کا نام "حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ گرامی ہے کہ ہم نہ لکھیں اور نہ حساب کریں" فاضل مرحوم عبد الحی لکھنوی کا "القول المنشور" میں اسے صرف مسلم کی طرف منسوب کرنا قلتِ مطالعہ ہے ۱۲ (ت)

(ح) $\frac{1}{16}$ ع۳ اقول الاولٰی تاخیر الاستثناء بعد الشافعی لان من اصحابہ ایضا من اعتمد علیہم کما سمعت ۱۲۔

اقول یہاں حرفِ استثناء لفظ شافعی کے بعد ہونا چاہئے کیونکہ ان میں سے بھی کچھ حضرات نے اہلِ ہیئت پر اعتماد کیا ہے جیسا کہ آپ سُن چکے ہیں۔ (ت)

(م) قمر ۲ اخیر مہینے میں دو ایک رات ضرور بیٹھتا ہے ﮯ پر شریعت میں اس پر مدارِ حکم نہیں۔

(ش) قمر $\frac{2}{16}$ مہینہ انتیس کا ہوتا ہے تو ایک رات بیٹھتا ہے، تیس کا ہو تو دو رات، پھر آج صبح کو طلوعِ شمس سے پہلے چاند جانبِ شرق نظر آیا تھا اور آج شام کی نسبت شہادتِ شرعی رؤیت پر گزری، بلاشُبہ قبول کی جائے گی اور یہ لحاظ نہ ہوگا کہ آج صبح تک تو چاند موجود تھا بن ڈوبے کیونکر ہلال ہوگیا۔

روی یوم التاسع والعشرین قبل الشمس — طلوعِ شمس سے پہلے انتیسویں دن کو چاند دیکھا گیا

30 ثم رؤی لیلۃ الثلاثین بعد الغروب و شھدت بینۃ شرعیۃ بذلك فان الحاکم یحکم برؤیتہ لیلا کما ھو نص الحدیث ولا یلتفت الی قول المنجمین انہ لایمکن رؤیتہ صباحا ثم مساء فی یوم واحد، کیف وقد صرحت ائمۃ المذاھب الاربعۃ بان الصحیح انہ لاعبرۃ بقول المنجمین[1] ش ملخصا۔

پھر غروب کے بعد تیسویں رات کو دیکھا گیا اور اس پر شرعی گواہی بھی ہُوئی تو حاکم رات کی رؤیت پر فیصلہ دے جیسا کہ اس پر حدیث میں تصریح ہے اور اہلِ نجوم کے اس قول کی طرف توجہ نہ کرے کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ ایک ہی دن میں چاند صبح اور شام دکھائی دے، یہ کیوں نہ ہو، حالانکہ ائمہ مذاہب نے تصریح کی ہے کہ صحیح مذہب یہی ہے کہ اہلِ نجوم کے قول کا اعتبار نہیں، شامی ملخصاً (ت)

(ن) $\frac{1}{1}$ عسہ چاند سورج دونوں کی اپنی چال مغرب سے مشرق کو ہے اور حرکتِ یومیہ جس کے بسبب طلوع وغروب روزانہ ہوتا ہے مشرق سے مغرب کو تو چاند صبح کے وقت جب ہی نظر آئیگا کہ سورج کے پیچھے ہو یعنی جانبِ مغرب ہٹا ہوا ہو کہ اگر جانبِ مشرق بڑھا ہو تو آفتاب اس سے پہلے طلوع کرے گا، صبح کے وقت چاند آفتاب سے بھی زیادہ زیرِ زمین اترا ہو گا نظر کیونکر آئے، اور جب پیچھے ہے تو افقِ مشرقی پر سورج سے پہلے چمک آئیگا آفتاب ہنوز زیرِ زمین ہوگا، تو نظر آسکتا ہے بشرطیکہ ۸ درجے سے کم نہ ہو، ورنہ اتنے قرب میں سورج کی شعاعیں اُسے چھپالیں گی، نظر کام نہ کرسکے گی۔ اسی طرح شام کو مغرب میں جب ہی نظر آتا ہے کہ سورج کے آگے ہو یعنی جانبِ مشرق بڑھا ہو کہ اگر جانبِ مغرب ہٹا ہو گا تو سورج سے پہلے ڈوب جائے گا، اور جب آگے ہے تو افقِ غربی پر بعد غروبِ آفتاب باقی رہے تو نظر آنا ممکن بشرطیکہ آٹھ درجہ سے کم فصل نہ ہو۔ جب یہ بات سمجھ لی تو اگر آج صبح کو نظر بھی آئے پھر شام کو ہلال بھی ہو تو لازم ہے کہ صبح کو آٹھ درجے پیچھے تھا شام کو لااقل آٹھ درجے آگے ہوگیا، چار پہر میں سولہ درجے طے کرگیا، حالانکہ وہ کبھی آٹھ پہر کامل میں بھی اتنا نہیں چلتا، اس وجہ سے ہیأت والے اجتماعِ رؤیتِ صبح وشام کو ناممکن کہتے ہیں، مگر جب ثبوتِ شرعی ہو تو انکار کا کیا یارا، اِنَّ اللہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿بلاشبہ اللہ تعالٰی ہر شَے پر قادر ہے۔ت﴾

(م) قمر ۳ ۱۸ انتیس[29] رات کی صبح کو چاند نظر نہیں آتا، شرع اسے بھی نہیں سنتی۔

(ش) $\frac{3}{18}$ یہ دعوٰی دعوٰی اول سے اخص ہے وہاں دو ایک رات بیٹھتا تھا، عام ازیں کہ ۲۹ کو ڈوبے یا ۳۰ کو، یہاں خاص دعوٰی ہے کہ ۲۹ کو ضرور ڈوبتا ہے، شرع میں اس پر بھی لحاظ نہیں مثلاً ۲۹ شعبان

---

[1] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۰۴

روز یکشنبہ کو شام کے وقت ابر تھا، گواہانِ شرعی نے رؤیت بیان کی، صبح کو رمضان ٹھہرا، اب جو گنتی ہوتی آئی تو ۲۹ رمضان دوشنبہ کو طلوعِ شمس سے پیشتر چاند موجود تھا، اس پر کوئی خیال کرے کہ دوشنبہ کی پہلی ہوئی تو آج ۲۹ کو چاند صبح کے وقت کیونکر نظر آتا ضرور ہے کہ گواہوں نے غلطی کی شعبان ۳۰ کا ہُوا، آج ۲۸ ہے ابر ہُوا تو اسی حساب پر رمضان کے ۳۰ پُورے ہوں گے، تو یہ خیال محض غلط ہوگا بلکہ وہی دوشنبہ کی ۲۹ ٹھہرے گی اور اسی پر بناءِ احکام رہے گی والدلیل علی ذٰلک مع السند قد انطوی فیما قدمنا (اور اس پر دلیل مع سند ہماری سابقہ گفتگو میں آچکی ہے۔ت)

(م) **قرم ۱۹** دن کو دوپہر سے پہلے چاند جب ہی نظر آتا ہے کہ شبِ گزشتہ ہلال ہوچکا ہو، پر صحیح مذہب میں اس کا بھی لحاظ نہیں۔

(ش) $\frac{۴}{۱۹}$ یعنی مثلاً پنجشنبہ ۲۹ شعبان یا ۲۹ رمضان کو ابر تھا رؤیت نہ ہوئی جمعہ کی دوپہر سے پہلے چاند نظر آیا تو اگرچہ قیاس یہی چاہتا ہے کہ شبِ جمعہ میں ہلال ہوگیا، ورنہ دوپہر سے پہلے نظر نہ آتا۔ تو آج پہلی ہونی چاہئے۔ مگر صحیح مذہب میں اس کا کچھ لحاظ نہ ہوگا اور آج تیس ہی ٹھہرے گی۔

رؤیته بالنهار للیلة الاٰتیة مطلقا علی المذهب ذکره الحدادی (ای سواء روی قبل الزوال او بعده علی المذهب الذی هو قول ابی حنیفة ومحمد[1] (ملخصا)

(ش) اوجب الحدیث ای قوله علیه الصلٰوة والسلام صوموا لرؤیته و افطروا لرؤیته . فوجب سبق الرؤیة علی الصوم و الفطر و المفهوم المتبادر منه الرؤیة عند عشیة اٰخر کل شهر عند الصحابة والتابعین و من بعدهم بخلاف ماقبل الزوال من الثلثین والمختار

دن کو دیکھا جانے والا چاند مذہب صحیح کے مطابق بہرحال میں آئندہ رات کا شمار ہوگا۔ اسے حدادی نے ذکر کیا مذہب صحیح جو امام اعظم اور امام محمد کا مذہب ہے کے مطابق خواہ زوال سے پہلے دکھائی دے یا زوال کے بعد (شامی) یہ اس حدیث نبوی علٰی صاحبہا الصلٰوۃ والسلام سے ثابت ہے کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر عید کرو، تو اس سے چاند کی رؤیت کا روزے اور عید سے پہلے ہونا ضروری ہے، اس سے متبادر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ چاند کی رؤیت جو ہر ماہ کی آخری شام کی ہو، مراد ہے۔ یہی صحابہ، تابعین اور ان کے بعد آنے والے اہلِ علم نے کہا ہے بخلاف تیسویں دن کے ماقبل الزوال دکھائی دینے کے، اور مختار امام اعظم

---

[1] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۰۳

قولهما[1] (فت) (فتح القدیر) وکذا صرح باختیارہ فی ع وخز (خزانۃ المفتین) وص (خلاصۃ) وق (قاضی خان) ومر وبز (بزازیۃ) وجو (جواھر الاخلاطی) ومج (مجمع الانھر) وب (بحرالرائق) والاختیار وجامع المضمرات والعنایۃ والغیاثیۃ والتتارخانیۃ والتجنیس وغیرھا۔

اور امام محمد کا قول یہی ہے (فتح القدیر) اس کے مختار ہونے پر ع، خزانۃ المفتین، خلاصہ، قاضی خاں، مر، بزازیہ، جواہر الاخلاطی، مجمع الانہر، بحرالرائق، اختیار، جامع المضمرات، عنایہ، غیاثیہ، تتارخانیہ اور تجنیس وغیرہ میں تصریح ہے۔ (ت)

(ح) $\frac{4}{9}$ عہ دوپہر سے پہلے کی قید اس لئے لگائی کہ اگر بعد زوال نظر آیا تو عامہ کتب پر کسی کے نزدیک گزشتہ رات کا نہ ٹھہرے گا کہ تیس کا چاند بھی اکثر دن سے نظر آجاتا ہے مگر دوپہر ڈھلنے کے بعد،

ھکذا فی عامۃ الکتب کالبدائع والایضاح والمنظومۃ والخانیۃ وطم وش والبزازیۃ والعتابیۃ والذخیرۃ والتتارخانیۃ وجامع الرموز وجواھر الاخلاطی والاختیار والبحر والتبیین والمجتبٰی والقنیۃ ومجمع البحرین وشرحہ لابن ملک وشرح الکنز لملا مسکین وغیرھا ووقع فی المجمع الانھر تبعا لما فی الفتح من التحفۃ انہ عند ابی یوسف اذا رؤی قبل الزوال اوبعدہ الی وقت العصر فللماضیۃ وبعدہ للمستقبلۃ[2]

عام کتب میں اسی طرح ہے مثلاً بدائع، ایضاح، منظومہ، خانیہ، طم، شامی، بزازیہ، عتابیہ، ذخیرہ، تتارخانیہ، جامع الرموز، جواہر الاخلاطی، اختیار، بحر، تبیین، قنیہ، مجمع البحرین اور اس کی شرح لابن ملک، اور شرح کنز لملا مسکین وغیرہ اور مجمع الانہر میں فتح کی اتباع میں اور وہاں تحفہ سے ہے کہ امام ابویوسف کا قول یہ ہے کہ جب چاند زوال سے پہلے یا اس کے بعد عصر تک دکھائی دے تو وہ گزشتہ رات کا ہوتا ہے اور اگر اس کے بعد نظر آئے تو وہ آئندہ رات کا ہوگا۔ (ت)

(م) قمرہ ۲۰ کے بڑے ہونے کا کچھ خیال نہ چاہئے۔

---

[1] فتح القدیر — کتاب الصوم — نوریہ رضویہ سکھر ۲/۲۴۳
بحرالرائق — " — ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۲۶۳
[2] مجمع الانہر — " — داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۲۳۷
فتح القدیر — " — نوریہ رضویہ سکھر ۲/۲۴۳

(ش) ۵/۲۰ بہت لوگ چاند کو بڑا دیکھ کر کہنے لگتے ہیں کہ کل کا ہے یا آج ۲۹ نہ تھی ۳۰ تھی کہ ۲۹ کا چاند اتنا بڑا نہیں ہوتا، یہ اُن کی خام خیالی ہے، شرعی معاملے تو اور ہوچکے کہ وہاں قیاسی باتوں کا دخل نہیں اور بطور علم ہیأت ہی چلئے تو ان شاء اللہ تعالٰی فقیر ثابت کرسکتا ہے کہ ۲۹ کا چاند بعض ۳۰ کے چاندوں سے بڑا ہونا ممکن۔
اقول اور سب سے بڑھ کر دافع اوہام یہ ہے کہ طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اقتراب الساعۃ انتفاخ الاھلۃ[1]

قربِ قیامت کا ایک اثر یہ ہے کہ ہلال بڑے نظر آئیں گے۔

اور معجم اوسط میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

من اقتراب الساعۃ ان یری الھلال قبلا فیقال ھو للیلتین[2] الحدیث۔

قربِ قیامت کی ایک علامت یہ ہے کہ ہلال سامنے ہی نظر پڑے گا دیکھنے والا کہے گا کہ دو رات کا ہے۔

صحیح مسلم شریف میں ابوالبختری سے مروی ہے کہ ہم عمرے کو نکلے بطنِ نخلہ میں ہلال دیکھا کسی نے کہا تین رات کا ہے، کسی نے کہا دو رات کا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے حال عرض کیا، فرمایا: تم نے کس رات دیکھا؟ ہم نے کہا فلاں رات۔ کہا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اللہ تعالٰی مدّہ[ع1] للرؤیۃ فھو للیلۃ[ع2] رأیتموہ[3]۔

اللہ تعالٰی نے اُسے رؤیت پر موقوف فرمایا ہے تو جس رات تم نے دیکھا اُسی رات کا ہے۔

(ح) ۵/۲۰ ع1 ای جعل وقت الصوم ممتدّا الٰی زمان رؤیۃ الھلال ۱۲۔

اللہ تعالٰی نے وقتِ صوم کو رؤیت چاند کے زمانہ تک طویل (ممتد) کیا ہے ۱۲ (ت)

ع2 وقع ھٰھنا فی القول المنشور للفاضل اللکنوی لرؤیۃ رأیتموہ وھو تصحیف ۱۲

اور القول المنشور میں فاضل لکھنوی نے "لرؤیۃ رأیتموہ" تحریر کیا ہے یہ تصحیف ہے ۱۲ (ت)

(م) قمر ۶ نہ اس ۲۱/ط کے اونچے ہونے پر نظر قمر ۷ نہ اس کے دیر تک ٹھہرنے پر التفات۔
(س) ۶/۲۱ بہت لوگ چاند اونچا دیکھ کر بھی ایسی ہی اٹکلیں دوڑاتے ہیں، بعض کہتے ہیں اگر ۲۹ کا ہوتا تو اتنا

---

[1] کنز العمال بحوالہ المعجم الکبیر حدیث ۳۸۴۶۹ مکتبۃ التراث الاسلامی مصر ۱۴/ ۲۲۰
[2] " " معجم الاوسط " ۳۸۴۷۰ " "
[3] صحیح مسلم کتاب الصیام قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۴۸

ٹھہرتا۔ یہ سب بھی ویسے ہی اوہام ہیں جن پر شرع میں التفات نہیں، خصوصاً یہ باتیں تو از رُوئے ہیأت بھی کلیہ نہیں ہوسکتیں، میں ان شاء اللہ تعالٰی ثابت کرسکتا ہوں کہ کبھی ۲۹ کا ۳۰ کے بعض ہلالوں سے اونچا اور دیر پا ہونا متصور۔

(ح) $\frac{6}{21}$ عہ اونچا ہونا اور دیر تک رہنا غالباً زیادتِ فصل سے ہوتا ہے اور یہ ہم اوپر واضح کرچکے کہ کبھی ۲۹ کا بہ نسبت ۳۰ والے کے سورج سے دُور تر ہوتا ہے تو غالباً اتنا ہی اُونچا بھی ہوگا اور اتنا ہی دیر میں ڈوبے گا۔ علاوہ ازیں دقائق ہیأت پر نظر کیجئے تو باوجود استوائے فصل ایک حالت میں بلند تر و دیر پا تر ہونا ممکن و ذٰلک یبتنی علی مقدمات طویلۃ لو تکلمنا علیھا لخرجنا عما نحن بصددہ[۱] (اور یہ طویل مقدمات پر مبنی ہے اگر ہم ان پر گفتگو شروع کردیں تو زیرِ نظر موضوع سے کہیں دُور نکل جائیں گے[۱]۔ ت)

(م) **قمر ۸** آج کا ہلال **۲۲** شفق سے پہلے ڈوبتا ہے کل کا بعد کو، یہ بھی معتبر نہیں۔

(ش) $\frac{8}{22}$ شفق سے مراد شفقِ احمر ہے یعنی وُہ سرخی جو غروبِ آفتاب کے بعد جانبِ مغرب رہتی ہے۔ عادت یُوں ہے کہ جو ہلال اسی شب ہُوا وہ اس سُرخی کے غائب ہونے سے پہلے ڈوب جاتا ہے، اور جو کل ظاہر ہُوا تھا اس کے بعد غروب کرتا ہے۔ پھر یہ بھی تجربہ کی بات ہے، صحیح مذہب میں اس پر اعتماد نہیں۔

فی مختارات النوازل وقیل ان غاب بعد الشفق فھو للماضیۃ وان غاب قبل الشفق فھو للمستقبلۃ[۱] اھ وھکذا ذکرہ مضعفا مقابلا للمذھب الصحیح المختار اعنی کونہ للمستقبلۃ مطلقا فی مج وفت وق وبز وغیرھا من اسفار کثیرۃ۔

مختارات النوازل میں ہے بعض نے کہا کہ اگر شفق کے بعد چاند غروب ہوگیا تو وُہ گزشتہ رات کا ہوگا اور اگر شفق سے پہلے غروب ہوگیا تو وُہ آئندہ رات کا ہوگا اھ یُونہی یہ ضعیف قول مذہب صحیح اور مختار کے مقابل ذکر کیا ہے، اور مذہب صحیح یہ ہے کہ وہ چاند ہر حال میں آئندہ رات کا ہوگا، مج، فتح القدیر، قنیہ، بزازیہ اور دیگر کتبِ معتمدہ میں یُونہی ہے (ت)

(م) **قمر ۹** تیسری رات **۲۳** عشاء سے پہلے چاند نہیں ڈوبتا، پر یہ بھی قابلِ لحاظ نہیں۔

(ش) $\frac{9}{23}$ عادت اکثری یُوں ہے کہ تیسری شب کا چاند غروب نہیں کرتا جب تک عشاء کا وقت نہ آجائے۔ حدیث شریف میں نمازِ عشاء کی نسبت ہے:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یصلیھا لسقوط القمر

حضور سید عالم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم یہ نماز اس وقت پڑھا کرتے جس وقت تیسری رات کا

---

[۱] فتاوٰی بزازیہ علٰی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الصوم نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۹۶

ثالثة[1] رواہ ابوداؤد عن النعمان بن بشیر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

چاند ڈوبتا ہے (اسے ابوداؤد نے نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ت)

پر معاملہ ہلال میں شرعاً اس پر بھی التفات نہیں، مثلاً گواہی گزری کہ آج چاند ہوا کل جمعہ کی یکم رمضان ہے اب شنبہ کے بعد جو شب یکشنبہ آئی کہ اس شہادت کی رُو سے تیسری شب تھی، اس میں دیکھا تو چاند مغرب ہی کے وقت عشاء کا وقت آنے سے پہلے ڈوب گیا جس کے سبب گمان ہوتا ہے کہ آج شب دوم ہے اس کا کچھ خیال نہ کریں گے اور تیسری ہی رات قرار دیں گے۔

تنبیہ: اقول وباللہ التوفیق بے شک اس شہادت پر عمل میں معاذ اللہ حدیث کی کچھ مخالفت نہیں، بلکہ عین حکمِ حدیث پر چلنا ہے۔ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وقتِ عشاء دیکھ کر نماز شروع فرماتے، وہ اس اکثری امر کے سبب غالباً اس وقت سے موافق پڑتی، یا یُوں سہی کہ زمانہ اقدس میں ہمیشہ ہی مطابق آئی، اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ حضور نے ایک وقت بھی اس غروبِ قمر پر وقتِ نماز کی بنا رکھی ہو نہ کہ اُسے ابدی غیر ممکن التخلف جانتے نہ کہ اس کے سبب امر صوم میں شہادتِ شرعیہ جسے شرع نے مثلِ رؤیت عین قرار دیا ردّ کی جائے۔

سئل فیما غاب الھلال باللیلۃ الثالثۃ قبل دخول وقت العشاء ھل یعمل بالشھادۃ ام لا، اجاب المعمول بہ ما شھدت البینۃ لان الشھادۃ نزلھا الشارع منزلۃ الیقین ولیس فی العمل بالبینۃ مخالفۃ لصلٰوتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[2] اھ ش عن فتاوی العلامۃ الشھاب الرملی الکبیر الشافعی ملخصا وھذا واضح جداً وللہ الحمد ۱۲۔

سوال کیا گیا کہ جب تیسری رات کا چاند دخولِ وقتِ عشا سے پہلے غائب ہوجائے تو کیا شہادت پر عمل کیا جائے گا یا نہیں؟ تو جواب یہ دیا کہ اس پر عمل کیا جائیگا جس پر گواہی ہُوئی کیونکہ گواہی کو شارع علیہ الصلٰوۃ والسلام نے یقین کا مقام قرار دیا ہے اور گواہوں پر عمل کرنا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز کے مخالف نہیں یہ شامی نے علامہ شہاب رملی الکبیر الشافعی کے فتاوٰی سے ملخصاً نقل کیا ہے اور یہ نہایت ہی واضح ہے، حمد اللہ ہی کے لئے ہے ۱۲ (ت)

(ح ۹/۲۳) عہ **اقول** وبتقریرنا ھذا

اقول بحمداللہ ہماری اس تقریر سے واضح

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الصلوٰۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۶۰

[2] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفٰی البابی مصر ۲/ ۱۰۰

ظھر بحمد اللہ انہ لاحاجۃ الی ما تجشمہ
الفاضل عبدالحی اللکنوی فی القول
المنشور مجیبا عن ھذا الاشکال انہ لیس
فی الحدیث ما یدل علی الدوام فقد یکون
ھکذا ولا تغتر بقولہ "کان" فانہ لایدل علی
الاستمرار کما بسطہ النووی فی شرح
صحیح مسلم فی ابواب النوافل فتشکر
انتھی فقد علمت ان لا اشکال بالحدیث
اصلا ولو کان "للدوام دواما" علی ان ھذہ
المسئلۃ کثیرۃ الخلاف وقد عقدنا لبیانہا
رسالتنا "التاج المکلل فی انارۃ مدلول کان
یفعل" فبناء التقصی علی امر مختلف فیہ
مع عدم الحاجۃ الیہ مما لا معول علیہ ۱۲

ہوگیا کہ اس تکلف کی ضرورت نہیں جو فاضل عبدالحی لکھنوی نے
القول المنشور میں اس اشکال کے جواب میں کہا کہ
حدیث میں کوئی ایسی شئی نہیں جو دوام پر دال ہو، ہاں
کبھی ایسا ہوجاتا تھا اور لفظِ "کان" سے بھی ضابطہ
نہیں ہونا چاہئے کیونکہ یہ دوام واستمرار پر دال نہیں
ہوتا جیسا کہ شرح صحیح مسلم کے ابواب النوافل میں
امام نووی نے اس پر تفصیلاً گفتگو کی ہے، پس
اللہ کا شکر ادا کرو انتہی یقیناً آپ نے جان لیا کہ حدیث
کے ساتھ یہاں کوئی اشکال ہی نہیں اگرچہ کان
ہمیشہ دوام پر دال ہو، علاوہ ازیں اس مسئلہ میں
بہت زیادہ اختلاف ہے، ہم نے اس کے لیے ایک
رسالہ لکھا جس کا نام "التاج المکلل فی انارۃ
مدلول کان یفعل" رکھا ہے، لہذا چھٹکارے
کے لئے ایسے معاملہ پر بنیاد رکھنا جو مختلف فیہ ہو اور ضرورت بھی نہ ہو قابلِ اعتماد نہیں ہے ۱۲ (ت)

(م) قمر ۱۰ چودھویں کا سورج ڈوبنے سے پہلے نکلتا ہے قمر ۱۱ پندرھویں کا بیٹھ کر، یہ دونوں بھی نامعتبر ہیں
(ش) ۱۰-۱۱/۲۴ حاکمِ شرع یا عالمِ دین نے شہادتِ شرعیہ لے کر شعبان کا مہینہ ۲۹ کا ٹھہرایا اور رکل
بروز جمعہ رمضان کا حکم دیا، اب اس حساب سے شبِ جمعہ ۱۵ کو چاند غروب سے پہلے نکلا، تو بہت جاہل
اعتراض کریں گے کہ وہ حکم غلط تھا بلکہ ۳۰ کا چاند ہوا، اور ہفتہ کی پہلی، جب تو آج چاند بیٹھ کر نہ چمکا، یا حاکم و عالم
نے گواہی ناکافی سمجھ کر شعبان کی گنتی ۳۰ پوری کی، شنبہ سے یکم رمضان رکھی، شبِ جمعہ میں چاند بیٹھ کر نکلا جاہل
لوگ کہیں گے کیوں صاحب! ہفتہ کی پہلی سے تو آج شبِ بدر ہوتی ہے یہ چاند بیٹھ کر کیوں نکلا، ضرور جمعہ کی
پہلی تھی اور آج پندرھویں، یہ اور اس قسم کے سب خیالات محض مہمل و بیہودہ ہیں جن پر اصلاً مدارِ احکام نہیں،
نہ حاکم و عالم پر شرع یہ لازم فرمائے کہ عنداللہ جو بات نفس الامر میں ہے اس پر مطلع ہوجائیں کہ یہ تکلیف
مالا یطاق ہے، بلکہ شرع ان پر یہی فرض کرتی ہے کہ دلیلِ شرعی سے جو بات ثابت ہو اس پر عمل کرو۔ عام ازیں کہ
عنداللہ کچھ ہو خود حضورِ اقدس عالمِ ماکان و مایکون صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

انکم تختصمون الی ولعل بعضکم ان

تم میرے حضور اپنے مقدمات پیش کرتے ہو اور شاید

يكون الحن بحجته من بعض فاقضی بنحو مما اسمع فمن قضيت له من حق اخيه شيئا فلا ياخذه فانما اقطع له قطعة من نار[1] رواه احمد والستة عن ام المومنين امر سلمة رضی اللہ تعالٰی عنہا۔

تم پر ایک دوسرے سے زیادہ اپنی حجت بیان کرنے میں تیز زبان ہو تو میں جو سنوں اس پر حکم فرما دوں پس جس کے لیے میں اُس کے بھائی کے حق سے کچھ حکم کروں وُہ اسے نہ لے کہ یہ تو ایک آگ کا ٹکڑا ہے اس کے لیے قطع کرتا ہوں (اسے امام احمد و ائمہ ستّہ نے ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا ہے۔ ت)

علاوہ بریں چاند کا چودھویں کو غروبِ شمس سے پہلے نکلنا اگرچہ اکثری ہے، اور اسی لئے اسے بدر کہتے ہیں، مگر بحسابِ میئات بھی اس کا خلاف ممکن، کما لا یخفی علی من یعلمہ (جیسا کہ اہلِ علم پر مخفی نہیں۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

(م) **قمر ۱۲** غلط ہے کہ ہمیشہ رجب **۲۵** کی چوتھی رمضان کی پہلی ہو۔

(ش) $\frac{12}{25}$ عوام میں مشہور ہے کہ سال میں جس دن رجب کی چوتھی اسی دن آکر رمضان کی پہلی پڑے گی۔ یہ بات محض بے اصل ہے، اس کا شرعی نہ ہونا تو خود ظاہر، تجربہ بھی خلاف پر شاہد۔ بعض دفعہ رجب کی تیسری اور رمضان کی پہلی مطابق ہُوئی ہے۔

ماھو الرابع من رجب لایلزم ان یکون غرۃ رمضان بل قد یتفق[2] (بز)

رجب کی چوتھی کا رمضان کی پہلی ہونا لازم نہیں بلکہ بعض دفعہ اتفاقاً ایسا ہو جاتا ہے (بزازیہ)۔ (ت)

(م) **قمر ۱۳** رمضان کی پہلی **۲۶** ذی الحجہ کی دسویں ہونا بھی ضروری نہیں۔

(ش) $\frac{13}{26}$ کہیں مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے بعض آثار میں آگیا کہ تمہارے روزہ کا دن وہی تمہاری قربانی کا دن ہے، یہ اس سال کا ایک واقعی بیان تھا، نہ کہ ہمیشہ کے لیے حکمِ شرعی ہو۔ بارہا یکم رمضان و دہم ذی الحجہ مختلف پڑتی ہیں، مثلاً یکم رمضان جمعہ کی ہو اور رمضان شوال ذیقعدہ تینوں مہینے ۲۹ کے تو عید اضحٰی چہارشنبہ کی ہوگی اور دو ۲۹ کے تو پنجشنبہ کی، اور تینوں تیس ۳۰ کے تو شنبہ کی۔ ہاں دو تیس کے اور ایک ۲۹ کا، تو بے شک جمعہ کی پڑے گی۔ پھر یونہی ہونا کیا ضرور ہے!

---

[1] صحیح بخاری باب موعظۃ الامام للخصوم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۱۰۶۲

[2] فتاوٰی بزازیۃ علی ہامش فتاوٰی ہندیۃ کتاب الصوم نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۹۶

شهر رمضان اذا جاء یوم الخمیس و یوم عرفة جاء یوم الخمیس ایضا کان ذلك یوم عرفة لا یوم الاضحٰی حتّٰی لا تجوز التضحیة فی هذا الیوم وما یروی ان یوم نحرکم یوم صومکم کان وقع ذلك العام بعینه دون الابد لان من اوّل یوم رمضان الی غرة ذی الحجة ثلثة اشهر ولا یوافق یوم النحر یوم الصوم الا ان یتم شهران من الثلاثة وینقص الواحد فاذا تمت الشهور الثلثة تأخر عنه واذا نقصت الشهور الثلاثة او شهران تقدم علیه فلا یصح الاعتماد علٰی هذا اھ[1] عن الفتاوی الکبری۔

جب رمضان المبارک جمعرات کو آیا اور یوم عرفہ بھی جمعرات ہی کو آیا تو اب یہ یوم عرفہ تو ہوسکتا ہے یوم اضحٰی نہیں ہوسکتا حتی کہ اس دن قربانی جائز نہ ہوگی، اور جو یہ مروی ہے کہ تمھارا یوم نحر تمھارے روزہ کا دن ہے یہ ایک معیّن سال میں اتفاق ہُوا تھا، نہ کہ دائمی ضابطہ ہے، کیونکہ رمضان کے پہلے دن سے لے کر ذوالحجہ کی ابتداء تک تین ماہ میں تو یوم نحر یوم صوم کے موافق تب ہی ہوگا جب ان تین ماہ میں سے دو کامل اور ایک ناقص ہو، تو جب تینوں کامل واقع ہُوئے تو یوم نحر اس سے مؤخر ہوجائے گا، اور اگر تینوں یا دو ناقص واقع ہُوئے تو یوم نحر اس پر مقدم ہوگا لہذا اس پر اعتماد صحیح نہیں۔ یہ فتاوٰی الکبرٰی کے حوالے سے خزانہ میں ہے (ت)

(م) **قمر ۱۳** اکثری سہی کہ اگلے رمضان کی **۵** پانچویں اس رمضان کی پہلی ہوتی ہے، پر شرع میں اس پر اعتماد نہیں۔

(**ش**) $\frac{۱۴}{۲۷}$ سیدنا امام جعفر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہے کہ:

خامس رمضان الماضی اوّل رمضان الاٰتی[2] گزشتہ رمضان کی پانچویں آئندہ رمضان کی پہلی ہے۔ (ت)

بعض علماء نے کہا اس کا پچاس برس تک تجربہ ہُوا، ٹھیک اُترا۔ بعض معاصرین نے لکھا ۱۲ برس سے میں بھی تجربہ کرتا اور درست پاتا ہُوں۔

اقول مگر فقیر نے، ۱۲۹۱ھ سے اب تک کے ۹ رمضانوں میں خیال کیا چند ہی سال میں صاف فرق پڑگیا۔ پانچ برس تک تو حساب ٹھیک تھا اور اس قاعدے کے مطابق رمضان ۱۳۰۱ھ کی پنجم روز یکشنبہ

---

[1] خزانۃ المفتین کتاب الصوم قلمی نسخہ ۱/ ۶۰

[2] الاستبصار کتاب الصوم دار الکتب الاسلامیہ تہران ۲/ ۷۶ ، من لایحضرہ الفقیہ دار الکتب الاسلامیہ تہران ۲/ ۷۹

آئی، مگر ۱۳۰۲ھ بحسابِ تقویم یکم اسی دن مظنون تھی، مگر فقیر ۲۹ شعبان روز پنجشنبہ کو دیہات میں تھا کشادہ جنگل، صاف مطلع، ابر، غبار، دُخان کسی علت کا نام نہ نشان۔ میں اور میرے ساتھ اور مسلمان ہر چند غور کرتے رہے رؤیت نہ ہُوئی، شبِ جمعہ کی خبر بھی نہ آئی، شنبہ کی عید قرار پائی۔ اب ۱۳۰۲ھ کا حسابِ تقویم اگر غلط بھی مانئے کہ مطلع صاف نہ تھا اور بحکمِ ہیأت یکم یکشنبہ بھی ممکن تھی، تو تصحیح قاعدہ کو اسی دن یکم رکھئے تو یکم پنجشنبہ کی ٹھہرے گی۔ ۱۳۰۲ھ میں یکم بھی جمعرات کو ہونی چاہئے حالانکہ وُہ بشہادتِ عین بھی غلط اور بحکمِ ہیأت بھی ناممکن۔ لاجرم ماننا پڑے گا کہ ۱۳۰۲ھ میں ٹوٹ گیا۔ بااینہمہ اگر دائمہ بھی ہو تو صرف ایک تجربہ ہے، نہ حکمِ شرعی جس پر احکامِ شرعیہ کی بناء ہوسکے۔

(م) **قمر ۱۵** برابر چار مہینے سے زیادہ ۲۹ کے نہیں ہوتے، پر اس پر بھی مدار نہیں۔

(ش) **۱۵/۲۹** امام احمد قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

قد یقع النقص متوالیا شہرین او ثلثۃ ولایقع اکثر من اربعۃ اشہر[1]۔ دو یا تین ماہ مسلسل انتیس کے ہوسکتے ہیں، چار ماہ سے زائد ناقص نہیں ہوسکتے۔ (ت)

اسی طرح شرح صحیح مسلم میں ہے: لکن مصدرا بلفظۃ قالوا[2] (لیکن اسے لفظ "قالوا" سے تعبیر کیا ہے۔ ت)

پھر بھی یہ اسی قبیل سے تجربہ ہے، یا حساب جس پر شرع میں اعتماد نہیں۔ مثلاً ربیع الآخر سے رجب تک چار مہینے ۲۹ کے ہوتے آئے، اب شعبان کی ۲۹ کو شہادتِ رؤیت گزری، بلاشُبہ مقبول ہوگی، اور یہ خیال نہ کریں گے کہ دہ برابر ۲۹ کے ہوئے جاتے ہیں۔

(م) **قمر ۱۶** ان امور میں خط کا اعتبار جس طرح عوام میں رائج محض مردود ہے اگرچہ مہر شدہ ہو اور کاتب ثقہ اور خط معروف۔

(ش) **۱۶/۲۹** جاہل لوگوں بلکہ بعض اُن مدعیانِ علم میں بھی جو بزعمِ خود فقیہ العصر وحید الدہر ہوں، اعتماد خط کا عجیب جوش ہے۔ اپنے کسی معتمد کا خط آگیا اور شہادتِ شرعی میں کچھ باقی نہ رہا، گویا خط کاہے کو ہے۔ خاص فلکِ قمر سے ان پر تفسیر جلالین نازل ہُوئی۔ پھر کورے جُہّال کا تو کہنا ہی کیا ہے، وہاں خط سے گزر کر تاریخ خط سے استناد ہوتا ہے، حالانکہ علماء فرماتے ہیں خط پر اعتماد نہیں، نہ اس پر عمل ہو کہ خط خط کے

---

[1] ارشاد الساری شرح صحیح بخاری | کتاب الصوم | دار الکتاب العربی بیروت | ۳/۳۵۷

[2] شرح نووی علی صحیح مسلم | 〃 | قدیمی کتب خانہ کراچی | ۱/۳۴۷

مشابہ ہوتا ہے اور مُہر مُہر کے مثل ہوسکتی ہے۔

المقرر عند علماء الحنفية انه لا اعتبار بمجرد الخط والالتفات اليه[1] (خيرية) الخط لايعتمد عليه ولا يعمل به[2]۔ ليس الموجود فيه سوى خط فى ورق ليس من حجج الشرع فى شئ[3]۔ مجرد الخط علامة لاتبنى عليها الاحكام[4]۔ صرح علماؤنا بعدم الاعتماد على الخط وعدم العمل به[5] ملخصاً العبرة لما تقوم البينة الشرعية عليه لا لما يوجد من الخطوط والكواغظ[6]۔ انما هو كاغذ به خط وهو لايعتمد عليه ولا يعمل به كما صرح به كثير من علمائنا[7]۔ مجرد خط لايعتمد عليه ولا يعمل له شرعاً[8]۔ ليس الورق والخط من حجج الشرع[9]۔

علمائے احناف کے ہاں یہ مسلّم ہے کہ محض خط قابلِ توجہ نہیں، خیریہ۔ خط پر نہ تو اعتماد کیا جائے نہ ہی عمل، خیریہ۔ اس میں ایک ورق پر خط کے علاوہ کچھ نہیں جو کوئی شرعی دلیل نہیں، خیریہ۔ محض خط علامت ہے اس پر احکام کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی خیریہ۔ ہمارے علماء نے تصریح کی ہے کہ خط پر اعتماد اور عمل نہیں کیا جاسکتا خیریہ ملخصاً۔ اعتبار اس کا ہے جس پر شرعی گواہی ہو نہ کہ خطوط اور کاغذ موجود ہونے پر، خیریہ۔ کیونکہ وہ کاغذ ہی ہے جس پر تحریر ہے اور اس پر نہ اعتماد کیا جاسکتا ہے اور نہ عمل، جیسا کہ ہمارے اکثر علمائے نے تصریح کی ہے خیریہ۔ شرعی طور پر خط پر نہ اعتماد کیا جاسکتا ہے نہ عمل خیریہ۔ کاغذ اور خط دلائلِ شرعی سے نہیں خیریہ۔

---

[1] فتاوٰی خیریہ	کتاب الادب القاضی	دار المعرفۃ بیروت	۲/ ۱۲
[2] "	باب خلل المحاضر والسجلات	"	۲/ ۱۹
[3] "	"	"	۲/ ۲۴
[4] "	کتاب الوقف	"	۱/ ۱۱۹
[5] "	"	"	۱/ ۱۱۸
[6] "	"	"	۱/ ۲۰۰
[7] "	"	"	۱/ ۲۰۳
[8] "	"	"	۱/ ۲۰۹
[9] "	کتاب البیوع	"	۱/ ۲۲۸

من کتاب البیوع لا یعتمد علی الخط ولا یعمل بہ ولاشك ان الخط اعم من ان یکون بالقلم او بالطابع الذی ھو الختم[1] ملخصًا۔

کتاب البیوع میں ہے کہ خط پر نہ اعتماد کیا جاسکتا ہے نہ عمل، اور اس میں شک نہیں کہ خط سے مراد عام ہے خواہ وہ قلم سے تحریر کیا ہُوا ہو یا اس پر مُہر مطبوع ہو خیریہ ملخصًا (ت)

ان کے سوا بے اعتباریٔ خط میں پندرہ کتابوں کی عبارتیں فقیر نے فتوٰی تار مندرجہ رسالہ ازکی الاہلال میں ذکر کیں و باللہ التوفیق۔

تنبیہ: خط بعض صُورتوں میں مقبول ہوتا ہے، کتاب القاضی الی القاضی یعنی حاکمِ شرع کو خط لکھے وبشرائط کثیر حجت ملزمہ ہے

(ح $\frac{15}{29}$) عـہ الثلثۃ من کتاب الدعوی کالاخیرۃ ۱۲ آخری کی طرح یہ تینوں بھی کتاب الدعوٰی سے ہیں ۱۲ (ت)

$\frac{16}{29}$ عـہ الی ھٰھنا من الوقف (یہاں تک یہ حوالہ جات کتاب الوقف سے ہیں۔ ت)

(م) قمر ۱۷ تار محض ۳۰ مہمل اور ناقابلِ التفات اگرچہ متعدد شہروں سے وارد ہو۔

(ش $\frac{17}{30}$) فقیر غفراللہ تعالٰی لہ نے اس بارے میں ایک مفصل فتوٰی لکھا اور علمائے بدایوں و رام پور و حیدر آباد و دہلی نے مُہریں کیں، وُہ فتوٰی آخر رسالہ ازکی الاہلال میں مذکور ہُوا، اورہم ان شاء اللہ بحث استفاضہ میں یہ بھی ظاہر کریں گے کہ تار جیسا ایک جگہ کا ویسا ہی دس بیس مقام کا، سب نامعتبر ہیں، یعنی اگر کسی شہر میں متعدد تار مختلف امصار سے آئیں تو ان کی بھی کچھ وقعت نہ ہوگی کہ کثرتِ تار کو شرعی تواتر و اشتہار سے اصلًا علاقہ نہیں۔

(م) قمر ۱۸ ۳۱ بازاری افواہ اصلًا کوئی چیز نہیں۔

(ش $\frac{18}{31}$) اکثر دیکھا گیا ہے کہ خبر رؤیت کا شہر میں شہرہ اور عام عوام کی زبان پر چاند چاند کا چرچا ہوگیا، پھر تحقیق کیجئے تو کچھ اصل نہ تھی۔ اسے افواہ کہتے ہیں۔ شرع جس تواتر و شہرت کو قبول فرماتی ہے وہ اور چیز ہے۔

(م) قمر ۱۹ ۳۲ مجرد حکایت محض نامسموع۔

(ش $\frac{19}{32}$) گواہوں کا مجرد بیان کہ فلاں شہر میں چاند ہُوا، یا فلاں فلاں نے چاند دیکھا، یا فلاں روز سے روزہ رکھا۔ مجرد حکایت ہے جس پر اصلًا التفات نہیں، بلکہ یا تو اپنے معائنہ کی شہادت ہو، یا

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۵۱

شہادت پر شہادت۔ یا قضا پر شہادت، یا شرعی شہرت۔ یہ مسئلہ بہت ضروری الحفظ ہے۔ یہ صرف عوام بلکہ آج کل کے بہت مدعیانِ علم، بلکہ بعض ذی علم بھی ناواقف پائے۔

واللہ الهادی هذه الجماعة لو لیشهدوا بالرؤیة ولا علٰی شهادة غیرهم وانما حکوا بالرؤیة غیرهم فلا یلتفت الٰی قولهم[1] خز، وقد نص علی المسئلة فی د ط طم ش فتح ب وغیرها کما ذکرنا بعض نصوصها فی ازکی الاهلال۔

اور اللہ ہی ہدایت عطا فرمانے والا ہے، اس جماعت نے چاند دیکھنے کی گواہی نہیں دی اور نہ ہی دُوسروں کی گواہی پر گواہی دی ہے انھوں نے صرف دُوسروں کی رؤیت کی حکایت کی ہے لہذا ان کا قول قابلِ توجہ نہیں ہوگا، خزانہ۔ اور اس مسئلہ پر در، طحاوی، طم، ش، فتح القدیر، ب وغیرہ نے تصریح کی ہے۔ جیسا کہ ان میں سے بعض تصریحات کو ہم نے ازکی الاہلال میں ذکر کردیا ہے (ت)

(م) **قم ۲۰** **۳۳** یقین عرفی کچھ بکار آمد نہیں۔ وصلی اللہ علٰی خیر خلقه سیدنا محمد و اٰله وصحبه اجمعین والحمد للہ رب العالمین۔

(ش) $\frac{20}{33}$ **اقول** یہ ایک نفیس مسئلہ ہے جس پر فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ' نے تنبیہ کی، یقین دو طرح کا ہوتا ہے: ایک شرعی کہ طریقہ شرع سے حاصل ہو۔ دوسرا عرفی کہ باوجود عدم طریقہ شرعی صرف اپنے مقبولات و مسلمات یا تجربیات و مشہورات اور قرائن خارجیہ کے لحاظ سے اطمینان حاصل ہوجاتے۔ ناواقف لوگ مدرک عرفی و شرعی میں تفرقہ نہ جان کر اسے کافی ووافی و دلیل شرعی گمان کرتے ہیں حالانکہ یہ صریح خطا ہے، مثلاً جہاں شرع مطہر نے شہادت میں عدد شرط کیا دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں ہوں، وہاں ہمارے اعظم کسی معتمد اجل مستند نے جسے افضل اولیاء، عالم جانیں، اور وُہ واقع میں بھی غوث زمانہ ہی ہو۔ شہادت دی کہ میرے سامنے ایسا ہُوا اور میں نے بچشم خود دیکھا، ہمیں جو اعتبار اس کے فرمانے پر آئے گا ہرگز دو چار دس بیس کی بات پر بھی اس سے زیادہ نہ ہوگا مگر شرع دوسرا گواہ اور مانگے گی اور معاملہ زنا میں تین۔ تو اگر ایسے ہی تین گواہی دیں جب بھی نامسموع کہ قرآن کریم نے بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ[2] فرمایا، اگرچہ اس میں شک نہیں کہ سامع مطلع کو ان کے ارشاد میں اصلاً محلِ شک نہ ہوگا۔ اسی طرح ہزاروں نظیریں اس مسئلہ کی ہوں گی اور

---

[1] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۰۲
فتح القدیر کتاب الصوم نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۴۳
[2] القرآن ۴/ ۲۴

پھر قرائن بےچارے کس گنتی شمار میں ہیں۔ ذی علم کو بارہا واقع ہوتا ہے کہ بہت امورِ خارجہ کے لحاظ سے چاند ہونے میں اطمینان کامل رکھتا ہے، مگر جب تک ثبوتِ شرعی نہ ہو ہرگز حکمِ رؤیت نہیں کرتا۔ یُوں ہی جب ثبوت میزانِ شرع پر ٹھیک اُترے گا مجبوراً حکمِ رؤیت کرے گا، اگرچہ بنظرِ امورِ دیگر کسی طرح ہلال کا ہونا دل پر نہ جمے۔ ایسی ہی جگہ عالم وجاہل کا فرق کھلتا ہے، جب قرائن اس کے خلاف ظاہر ہوتے ہیں جہال حکمِ عالم پر اعتراض کرنے لگتے ہیں، حالانکہ وُہ جانتا ہے کہ جو میں نے کیا وہی رائے صائب تھی اور مجھ پر بہرحال مدارکِ شرعی کی پابندی واجب اس امر کی طرف کچھ اشارہ زیریاز دہم بھی گزرا، اور ان یقینوں کی زیادہ توضیح رسالہ ازکی الاھلال میں مذکور ہوئی، وباللہ التوفیق وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا محمدٍ واٰلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔

فائدہ: صحیح حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

شھران لاینقصان شھرا عید رمضان وذوالحجۃ۔ رواہ الامام احمد والستۃ عن ابن ابی بکرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔[1]

عید کے دونوں مہینے ناقص نہیں ہوتے یعنی رمضان اور ذی الحجہ۔ (اسے امام احمد اور ائمہ ستہ نے حضرت ابن ابی بکرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

بعض علماء نے اس کے یہ معنی لیے ہیں کہ یہ دونوں مہینے ایک سال میں ۲۹ کے نہیں ہوتے۔ صحیح بخاری میں ہے:

قال محمد لایجتمعان کلاھما ناقص۔[2]

محمد بن سیرین کہتے یہ دو مہینے جمع نہیں ہوتے اس حال میں کہ دونوں ناقص (یعنی ۲۹ کے) ہوں۔ (ت)

امام سرار[ف] نے فرمایا:

لاینقصان جمیعا فی سنۃ واحدۃ[3] (ایک سال میں عید کے دو ماہ جمع نہیں ہوتے کہ دونوں ہی ناقص ہوں۔ ت)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا:

ان نقص رمضان تم ذوالحجۃ وان نقص ذوالحجۃ تم رمضان۔[4]

رمضان ۲۹ کا ہوگا تو ذوالحجہ ۳۰ کا، اور ذوالحجہ ۲۹ کا ہوگا رمضان ۳۰ کا۔ (ت)

---

[1] مسند احمد بن حنبل مروی عن عبدالرحمٰن ابن ابی بکرہ رضی اللہ عنہ دار المعرفۃ بیروت ۵/ ۳۸
صحیح البخاری کتاب الصوم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۵۶

[2] " " " "

[3] فتح الباری شرح صحیح بخاری " دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۱۰۷

[4] صحیح البخاری " قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۵۶

[ف] : فتح الباری میں امام سرار کی بجائے امام بزار سے یہ عبارت منقول ہے۔

اور اس معنی کی مؤید وہ حدیث ہے جو بطریق زید بن عقبہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی کہ شھرا عید لایکونان ثمانیۃ وخمسین یوما[2] عید کے دونوں مہینے ۵۸ دن کے نہیں ہوتے۔

بااینہمہ محققین کے نزدیک اس سے اکثری اغلبی حکم مراد ہے، نہ کہ دائمی ابدی۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں: قد وجدنا ھما ینقصان فی اعوام ہم نے برسوں دیکھا کہ یہ دونوں مہینے سال میں ۲۹ کے ہوئے۔ اقول معہذا حدیث اوّل کے تو عمدہ معانی علماء نے بیان فرمائے، اور تحقیق روشن یہی ہے کہ اس کا ثواب نہیں گھٹتا اگرچہ گنتی میں پورے ہوں، اور حدیث دوم کی صحت معلوم نہیں، اگر صحیح ہو تو بعض رواۃ سے اپنی فہم کی بناء پر نقل بالمعنی محتمل، واللہ تعالٰی اعلم، بالجملہ غرض یہ ہے کہ ایسے تجربیات کا دائمی ہونا ضرور نہیں، اور دائمی ہوں بھی تو احکام شرع کا ان پر مدار نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم، واللہ الھادی و صلی اللہ تعالٰی علی سید المرسلین محمد و اٰلہ وصحبہ اجمعین۔

---

[1] فتح الباری شرح صحیح البخاری | کتاب الصوم | دار المعرفۃ بیروت | ۴/ ۱۰۷

[2] شرح معانی الآثار | کتاب الصیام | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۱/ ۳۸۱

مفسداتِ صوم

(روزہ توڑ دینے والی اشیاء)

مسئلہ ۲۱۷ تا ۲۱۹ از علی گڑھ بوساطت رحیم اللہ خاں ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں:

(۱) رمضان میں عورت کوئی دوا خشک اپنے جسم میں رکھے تو روزے میں کچھ فساد آئے گا یا نہیں؟

(۲) عورت بتّی کسی دوا کی یا انگلی سے دوا اپنے جسم میں داخل کرے یا مرد انگلی کرے تو روزہ ٹوٹے گا یا نہیں؟

(۳) عورت کو لپٹایا یا خیال باندھا کچھ دیر کے بعد جس وقت کہ خواہش بالکل نہ رہی بُوندیں خارج ہوچکی ہیں، پیشاب کو جاتے وقت بعد پیشاب کے کچھ گاڑھا پانی سفید نکلے جس کی شکل منی کی سی ہو تو اس کو منی کہا جائیگا یا نہیں؟ اور روزہ اس سے ٹوٹے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

(۱) اگر روزے کی حالت میں یعنی طلوعِ صبحِ صادق سے غروبِ شمس تک رمضان خواہ غیر رمضان میں دوا خشک یا تر خواہ کوئی چیز فرج میں اس طرح رکھی گئی کہ فرج داخل کے اندر بالکل غائب کردی تو روزہ جاتا رہا اور اگر مثلاً دوا کسی کپڑے میں باندھ کر فرج میں اس طرح رکھی کہ کپڑے کا سِرا فرج داخل سے باہر رہا اگرچہ فرج خارج میں غائب ہوجائے تو روزہ نہ جائے گا جب تک دوا کا کوئی حصہ کپڑے سے چھن کر فرج داخل کے اندر نہ گرے یا دوا ایسی تر ہو کہ کپڑے میں ٹپک کر فرج داخل میں لگے یا حرکت کے سبب کپڑا چڑھ جائے کہ بالکل فرج داخل کے اندر غائب ہوجائے، ان صورتوں میں روزہ جاتا رہے گا۔

فی تنویر الابصار و الدر المختار (ادخل عودا) ونحوہ (فی مقعدتہ وطرفہ خارج) وان غیبہ فسد وکذا لو ابتلع خشبۃ او خیطا و لو فیہ لقمۃ مربوطۃ الا ان ینفصل منہا شیئ ومفادہ ان استقرار الداخل فی الجوف شرط للفساد بدائع ولو ادخلت قطنۃ ان غابت فسد وان بقی طرفہا فی فرجہا الخارج لا (لم یفطر)[1] اھ ملتقطا وفی رد المحتار ما دخل فی الجوف ان غاب فیہ فسد وھو المراد بالاستقرار وان لم یغب بل بقی طرف منہ فی الخارج او کان متصلا بشیئ خارج لا یفسد لعدم استقرارہ[2] - واللہ تعالٰی اعلم۔

تنویر الابصار اور درمختار میں ہے: کسی نے عود (کی لکڑی وغیرہ) کو دبر میں اس طرح داخل کیا کہ ایک کنارہ اس کا باہر ہو تو روزہ نہیں ٹوٹتا، اور اگر سب اندر چڑھالے تو ٹوٹ جائے گا اور یہی حکم ہے اس کا جو کوئی لکڑی نگل لے یا دھاگا اگرچہ اس میں لقمہ بندھا ہوا ہو مگر اس صورت میں کہ جب لقمے سے کچھ جُدا ہو کر اندر رہ جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اس کا حاصل یہ ہے کہ پیٹ میں داخل ہونے والی چیز کا وہاں (پیٹ میں) استقرار (ٹھہرنا) فساد کے لیے شرط ہے بدائع، اگر عورت نے روئی داخل کی جو غائب ہوگئی تو روزہ فاسد ہوجائیگا، اور اگر اس کی کوئی طرف فرج خارج میں نکلی ہوئی رہی تو روزہ فاسد نہ ہوگا (یعنی روزہ نہیں ٹوٹے گا) اھ اختصاراً۔ رد المحتار میں ہے کہ جو کچھ جوف میں داخل ہوا اگر وہ غائب ہوگیا تو روزہ فاسد ہوجائے گا، اور استقرار سے یہی مراد ہے اور اگر غائب نہ ہوا بلکہ اس کی کوئی جانب خارج باقی رہ گئی یا خارج شئی سے متصل رہی تو عدمِ استقرار کی وجہ سے روزہ فاسد نہ ہوگا، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۲) تَری اور دوا کا حکم مسئلہ سابقہ میں گزرا، اور انگلی فرج میں داخل کرنے سے عورت کا روزہ صرف چار صورت میں فاسد ہوگا: ایک یہ کہ انگلی داخل کرنے سے اُسی حالت میں کہ انگلی فرج کو مَس کر رہی ہے عورت کو انزال ہوجائے لوجود معنی الفطر وھو الامناء عن مباشرۃ[3] کما فی الھدایۃ وغیرھا (اس صورت میں معنی افطار پایا گیا اور وہ مباشرت کی وجہ سے منی کا خروج ہے، ہدایہ وغیرہ۔ت) دوسرے یہ کہ انگلی پانی یا روغن کے مانند کسی شئے سے ایسی تر ہو کہ اُس کی تری چھوٹ کر فرج داخل میں لگے تیسرے یہ کہ خشک انگلی داخل کی وہ فرج کی رطوبت سے ایسی تر ہوگئی کہ اب اس سے چھوٹ کر دوسری چیزیں لگے بعدہ انگلی باہر کرکے ایسی ہی

---

[1] درمختار باب ما یفسد الصوم مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹
[2] ردالمحتار 〃 مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۷
[3] 〃 〃 〃 ۲/۱۰۹

تری کی حالت میں پھر اندر کی کہ تری چھوٹ کر فرج داخل میں لگی۔ چوتھے یہ کہ انگلی کٹی ہوئی جسم سے جدا تھی وہ فرج داخل کے اندر غائب کر دی گئی کہ سرا باہر نہ رہا، یہ احکام بھی اُسی مسئلہ سے ظاہر ہیں ان میں برابر ہے تر وہ انگلی مرد کی ہو یا عورت خود اپنی انگلی داخل کرے اگرچہ بدن صاف کرنے کو۔ درمختار میں ہے:

ادخل اصبعہ الیابسۃ فی دبرہ او فرجہا لم یفطر ولو مبتلۃ فسد[1] اھ ملتقطا

اگر کسی نے انگلی دُبر میں دی یا عورت نے اپنی فرج میں داخل کی تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، اور اگر انگلی تر تھی تو روزہ ٹوٹ جائے گا اھ اختصاراً (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ ولو مبتلۃ فسد لبقاء شیئ من البلۃ فی الداخل[2]

قولہ اگر داخل انگلی، تر ہوئی تو ٹوٹ جائے گا، یہ اس لیے ہے کہ اس صورت میں داخل دبر و فرج میں کچھ تری باقی رہ جائے گی۔ (ت)

حاشیہ طحطاوی میں ہے:

ظاھر کلامہ یقتضی ان الذی ادخل فی فرجہا الرجل والحکم واحد[3]

ظاہر کلام کا تقاضا یہ ہے کہ فرجِ عورت میں انگلی داخل کرنے والا مرد ہو، حالانکہ (دونوں صورتوں میں خواہ مرد ہو یا عورت) حکم ایک ہے (ت)

فتح القدیر میں ہے:

لو ادخل الاصبع فی دبرہ او فرجہا الداخل لا یفسد الصوم الا ان تکون مبلولۃ بماء او دھن علی المختار وقیل یجب علیہ القضاء والغسل[4]

اگر کسی نے مرد کی دبر یا عورت کی فرج داخل میں انگلی داخل کی تو مختار قول پر روزہ فاسد نہ ہوگا مگر اس صورت کہ جب وہ پانی یا تیل کے ساتھ تر ہو۔ بعض نے کہا ہے کہ ایسی صورت میں روزہ کی قضاء اور غسل لازم ہو جائے گا۔ (ت)

---

[1] درمختار باب ما یفسد الصوم مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹
[2] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۸
[3] حاشیہ طحطاوی علی الدرالمختار " دارالمعرفۃ بیروت ۱/۴۵۱
[4] فتح القدیر باب ما یوجب القضاء والکفارۃ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۲۶۷

تنبیہ : فتح القدیر ومراقی الفلاح وفتاوٰی ظہیریہ وفتاوٰی ہندیہ وغیرہا عامۂ کتب میں جو انگلی کی تری میں آب و روغن کا ذکر ہے محض تمثیل و تصویر ہے، نہ تخصیص و تقیید کہ اگر دودھ یا گھی یا لعاب دہن میں تر ہو جب بھی بداہۃً حکم یہی ہے کہ مدار صرف کسی تری کا خارج سے جوف میں جاکر رہ جانا ہے کما افادہ فی ردالمحتار (جیسا کہ ردالمحتار میں بیان ہُوا ۔ ت) ولہذا درمختار میں مطلق متبلۃ (تر ہوتی ۔ ت) فرمایا، اور شک نہیں کہ فرج کی رطوبت جب انگلی سے لگ کر باہر آئی اب وہ بھی رطوبت خارجہ ہوگئی، اب دوبارہ جو باہر سے جاکر فرج داخل کے اندر رہ جائے گی ضرور فساد صوم لائے گی جس طرح لعاب دہن کہ اگر قبل خروج اُسے نگل جائے روزے میں خلل نہیں، اور اگر دہن سے جُدا کر دینے کے بعد کھائے گا روزہ جائے گا کما فی ردالمحتار عن البدائع و مثلہ فی کثیر من الکتب (جیسا کہ بدائع سے ردالمحتار میں اور اسی طرح اکثر کتب میں ہے ۔ ت)

رہا علماء کا فرمانا کہ اگر کان سے میل نکالا اور میل لگی ہوئی سلائی دوبارہ سہ بارہ کان میں کی تو بالاجماع روزہ نہ جائے گا ۔ بزازیہ و نورالایضاح و درمختار وغیرہا میں ہے :

واللفظ للوجیز، اجمعوا انہ لوحک اذنہ بعود فاخرج العود وعلی راسہ درن ثم ادخلہ ثانیا وثالثا کذٰلک انہ لایفسد۔[1]

وجیز کی عبارت یہ ہے فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کسی نے عود (لکڑی) کے ساتھ اپنا کان کُھرچا پھر لکڑی جب باہر نکالی تو اس کے سرے پر میل تھی اب اسی لکڑی کو دوبارہ یا سہ بارہ اسی طرح (کان میں) داخل کیا تو روزہ فاسد نہ ہوگا ۔ (ت)

وہ اس مسئلہ سے جُدا ہے وہاں روزہ نہ ٹوٹنے کی وجہ یہ ہے کہ کان کریدنے میں سلائی دماغ تک نہیں جاتی تو میل جوف میں داخل نہ ہُوا بخلاف یہاں کے کہ فرج داخل خود جوف ہے ۔ مراقی الفلاح میں ہے :

حک اذنہ بعود فخرج علیہ درن ھا فی الصحاح ثم ادخلہ ای العود مرارا الی اذنہ لایفسد صومہ بالاجماع، کما فی البزازیۃ لعدم وصول المفطر الی الدماغ[2]، واللہ تعالٰی اعلم۔

اگر کان کو لکڑی کے ساتھ کُھرچا پھر جب لکڑی واپس نکالی تو اس پر کان کے اندر سے میل آئی پھر اس لکڑی کو کئی دفعہ کان میں داخل کیا تو بالاتفاق روزہ فاسد نہ ہوگا، جیسا کہ بزازیہ میں ہے کیونکہ کوئی چیز روزہ توڑنے والی دماغ تک نہیں پہنچی ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علی حاشیہ فتاوٰی ہندیہ کتاب الصوم نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۹۸

[2] مراقی الفلاح مع حاشیہ طحطاوی باب فی مالایفسد الصوم نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۶۲

(۳) منی اپنی رنگت اور بُو اور قوام وغیرہا کے باعث اور پانیوں سے ممتاز ہوجاتی ہے بہرحال صورت مستفسرہ میں جو کچھ نکلا اگرچہ منی ہی ہو جبکہ بالکل شہوت ساکن ہوجانے کے بعد بلاشہوت بعد پیشاب کے نکلا تو اس سے نہ غسل واجب ہو نہ روزے میں کچھ خلل آیا اور مجرد خیال باندھنے سے تو روزہ اصلاً نہیں جاتا اگرچہ اسی حالت تصور ہی میں شہوت کے ساتھ انزال ہوجائے۔ ہاں لپٹانے یا بوسہ لینے یا ہاتھ لگانے کی حالت میں اگر انزال ہو تو روزہ فاسد ہوکر قضا لازم آئے گی اور ان افعال کے ختم کے بعد شہوت ہنوز باقی رہی اور اس حالت میں کہ یہ عورت کے جسم سے جدا ہے منی اُتری اور بشہوت نکل گئی تو اگرچہ غسل واجب ہوگا مگر روزہ نہ جائے گا کہ یہ انزال اُن افعال سے نہ ہوا بلکہ مجرد تصور سے ہُوا،

فی الدرالمختار انزل بفکر وان طال او نزع المجامع حال کونہ ناسیا فی الحال عند ذکرہ وکذا عند طلوع الفجر وان امنی بعد النزع لانہ کالاحتلام لم یفطر اھ ملتقط وبہ یعلم ما ذکرنا بالاولی کما لایخفی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

درمختار میں ہے کہ اگر سوچنے سے انزال ہوگیا اگرچہ وُہ سوچ طویل بھی یا نسیاناً جماع شروع کیا تھا، روزہ یاد آنے پر فوراً چھوڑ دیا، اسی طرح حکم ہے اگر اس نے طلوعِ فجر ہوتے ہی جماع چھوڑ دیا، اگر چھوڑنے کے بعد منی کا خروج ہوا اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا کیونکہ یہ احتلام کی طرح ہے اھ مختصراً۔ اس سے زیرِ بحث مسئلہ کا حکم بطریق اولٰی معلوم ہوگیا جو نہایت ہی واضح ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲۱ و ۲۲۲   ۲۶ صفر ۱۳۱۷ھ

(۱) ایک شخص پان کھا کے اوّل شب میں سویا، صبح کو اُٹھ کر نیت روزہ کی کرتا ہے، روزہ درست ہوگا یا نہیں؟

(۲) حالتِ روزہ میں اگر کوئی پانی سے استنجا کرے اور ریاحی اخراج ہو اور بدستور استنجا کرنے میں مشغول رہے تو روزہ رہا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

(۱) اگر پان کھالیا تھا مُنہ میں صرف چند دانے چھالیا کے دانتوں میں لگے رہ گئے تو روزہ صحیح ہوجائے گا اور اگر صبح کے بعد بھی ایسا اگال کثیر منہ میں تھا جس کا جرم خواہ عرق لعاب کے ساتھ حلق میں جانا مظنون ہے تو روزہ نہ ہوگا۔

۱؎ درمختار   باب ما یفسد الصوم   مجتبائی دہلی   ۱/ ۱۴۹-۵۰

(۲) اس سے روزہ میں کوئی خلل نہیں آتا لعدم المفطر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۲ مسئولہ عبدالرحمان صاحب جونپوری از گولڑہ ضلع راولپنڈی ۲۶ صفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو لوگ پان یا تمباکو یا نسوار کے عادی ہیں وہ اگر روزہ کی حالت میں پان تمباکو نسوار منہ میں رکھ لیں اور اس کا جرم حلق کے اندر نہ جانے دیں تو روزہ ٹوٹ جائیگا یا نہیں؟ اور بصورت ٹوٹ جانے کے قضا لازم آئے گی یا کفارہ؟ مدلل بیان کیجئے، بینوا توجروا

الجواب

پان جب منہ میں رکھا جائے گا اُس کا عرق ضرور حلق میں جائیگا، اور تمباکو جیسی کھائی جاتی ہے وہ اگر منہ میں ڈالی جائیگی تو یقیناً اس کا جرم لعاب کے ساتھ حلق میں جائے گا اور نسوار تو بہت باریک چیز ہے جب اوپر کو سُونگھی جائے گی ضرور دماغ کو پہنچے گی اور ان طلب والوں کے مقاصد بھی یونہی برآئیں گے اور فقہیات میں ایسا مظنون مثل متیقن ہے، یہ سب شیطانی وسوسے ہیں ان چیزوں کے استعمال سے جو روزہ جائے اس کی فقط قضا نہیں بلکہ کفارہ بھی ضرور ہوگا کہ ان میں صلاح بدن وقضائے شہوت ہے اور اگر بالفرض ان میں احتیاط یقینی کی صورت متصور بھی ہوتی جب بھی ممانعت میں شک نہ تھا جیسے مباشرتِ فاحشہ کہ بے انزال ناقص نہیں مگر ممنوع ضرور ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من وقع فی الشبہات وقع فی الحرام کالراعی یرعی حول الحمی یوشك ان یرتع فیہ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

جو شبہات میں داخل ہوتا ہے وہ حرام میں داخل ہوجائے گا جیسا کہ محفوظ جگہ کے قریب بکریاں چرانے والا قریب ہے کہ وُہ حرام میں واقع ہوجائے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲۳ از کلکتہ چیت پور نزدیک اسپتال ای، بی، ایس، آر، یکم ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ روزہ کس کس حالت میں نہیں ہوتا؟ مثلاً اگر کوئی شخص پچھلے کو اتنا زیادہ کھالے کہ صبح کو اُسے کھٹی ڈکاریں آئیں تو روزہ ہُوا یا نہیں؟ اگر نہیں ہُوا تو کیا خرابی واقع ہوئی؟ دوسری یہ بات کہ روزہ کس کس حالت میں درست نہیں رہتا؟

الجواب

کھٹی ڈکار سے روزہ نہیں جاتا، یہ کسی کتاب میں نہیں لکھا۔ روزہ تین باتوں سے جاتا ہے جماع[1] اگرچہ

---

[1] صحیح مسلم باب اخذ الحلال وترک الشبہات قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۸

اس کے علاوہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے مالا بدمنہ میں اور ارشاد الطالبین میں لکھا ہے کہ :

"چراغاں کردن بدعت است، پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بر شمع افروزاں نزد قبر و سجدہ کنندگان لعنت گفتہ" ارشاد الطالبین صنا

(قبور پر) چراغاں کرنا بدعت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبر کے نزدیک چراغاں کرنے اور سجدہ کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ (ت)

خلاصہ یہ کہ چراغاں جو بغرض خاص تقرب کیا جاتا ہے یا بغرض زینت۔ یہاں تک کہ بعض لوگ منت مانتے ہیں اور اس کا ایفاء کرتے ہیں اور اہل اللہ کے مزار پر کرتے ہیں معمولی آدمی کی قبر پر نہیں کرتے ہیں۔ اس طرح جب کتب حدیث وفقہ و تحریرات علماء میں نکلا تو میں نے بلا خوف و خطر اس کو ترک کردیا اور جس قدر رقم کا تیل آتا تھا وہ میں نے شربت و برف میں صرف کردیا۔ نظرِ انصاف سے دیکھا جائے کہ یہ کیا سنگین جرم ہے، نماز نہ پڑھے، جماعت کا پابند نہ ہو، ڈاڑھی منڈائے، وہ سب قابلِ عفو ہے لیکن چراغاں نہ کرنا جس کے لیے اس قدر شدید وعید آئی ہے وہ ایسا جرم ہے کہ فوراً وہابیت کا فتویٰ دے دیا جائے۔ چونکہ اس کے کہنے والے اکثر جاہل ناخواندہ لوگ تھے میں نے اس کی طرف توجہ بھی نہیں کی، میں نے یہ سمجھا تھا کہ اگر صاحبِ فتاویٰ بزازیہ و عالمگیریہ و صاحبِ مشکوٰۃ اور شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی یہ سب وہابی ہیں تو میں الحمد للہ وہابی ہوں۔ یہ امر بھی قابلِ گزارش ہے کہ میں نے مولوی احمد رضا خاں صاحب کو ایک عریضہ بھیجا اور اس میں استفتاء چراغاں کا کہا اور جواب کے لیے ٹکٹ بھی رکھ دیے لیکن خاں صاحب موصوف نے اس کا جواب نہیں دیا۔ مشکل یہ ہے کہ اگر حق جواب لکھا جائے تو پیرزادے ناخوش ہوتے ہیں اگر ناحق لکھا جائے تو قرآن و حدیث وفقہ کے خلاف ہوتا ہے۔ بہت تلاش سے بعض لوگوں کی تحریرات سے ایک آدھ چراغ کا جواز اس طرح سے نکلتا ہے کہ کسی دوسری مصلحت سے چراغ جلایا جائے۔ لیکن چراغاں کا جواز اگر آج بھی کسی مستند عالم کی کتاب سے نکل آئے تو مجھ کو اس معاملہ میں کد نہ ہوگی۔ صرف دو امور ہیں جس کی وجہ سے لوگوں کو خلجان ہوتا ہے :

اول یہ کہ پیرزادے اس کو کرتے چلے آئے ہیں مگر پیرزادوں کا فعل ناسخ قولِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہیں ہے، پیرزادگان کچھ معصوم نہیں ہیں، صالح ہوں، اہل اللہ ہوں، لیکن معصوم نہیں، جہاں ہزاروں نیک مشائخ زمانہ کرتے ہیں وہاں ایک امر ناجائز بھی کسی مصلحت سے انھوں نے کرلیا۔ خدا تعالیٰ معاف کرنے والا ہے۔ غور سے دیکھا جائے کہ غیر محارم کے سامنے آنا شرعاً جائز ہوجائے گا۔

دوسرا امر باعثِ خلجان یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں قبر مبارک پر روشنی ہوتی ہے اس خطرے کے جواب حسب ذیل ہیں :

(۱) تعامل حرمین شریفین کا بعد قرونِ ثلٰثہ مشہود لہا بالخیر کے سند نہیں ہے۔

---

[1] مالا بدمنہ (فارسی) کتاب الجنائز مکتبہ شرکت علمیہ ملتان ص ۷۰ و ۷۱

تین لکھے ہیں :

اولاً تضییع مال۔

دوم چراغ کا آثارِ جہنم سے ہونا بوجہ ناریت۔

سوم تعظیم قبور۔

ہرگز ہرگز ملا علی قاری نے گرد قبر کے چراغ جلانے کی اجازت نہیں دی ہے، یہ اُن پر اتہام ہے۔ سمجھنے کی بات ہے کہ جو اُنھوں نے وجوہِ ممانعت لکھے ہیں کیا وہ گرد قبر کے چراغ جلانے سے جاتے رہیں گے جو وہ اجازت دیتے ہیں۔ بقسم شرعی باور کراتا ہوں کہ اگر کسی عالم مستند نے چراغان قبر کے لیے جلانے کو جائز کردیا ہو تو میں پہلا شخص اس تاویل پر عمل کرنے کے لیے تیار ہوں گا۔ سچ یہ ہے کہ مجاوروں نے جن کے لیے قبور ذریعۂ معاش ہیں اُنھوں نے ان باتوں کی ایجاد کی ہے۔ یہ سب بحث چراغ جلانے میں ہے نہ کہ چراغاں میں' جو محض تعبداً یعنی ازراہِ تقرب کیا جاتا ہے' لوگ تیل بتی کی منت مانتے ہیں، سال کے سال شب عرس کو کرتے اور اس کو مذہبی فعل سمجھتے ہیں۔ اگر تقرب یعنی تعبد منظور نہیں ہوتا تو لوگ چراغاں بزرگوں کی قبر پر کیوں کرتے ہیں، کسی فاسق فاجر کی قبر پر کیوں نہیں کرتے! اس سے ظاہر ہے کہ منشاءِ چراغاں محض تقرب یعنی تعبد ہے، اگر ایسی تاویل جائز سمجھی جائے تو کوئی شخص قبر کے نیچے یا قبر کے بیچ چراغ جلائے کیونکہ حدیث میں قبر پر کی ممانعت ہے، استغفراللہ! یہ تو حدیث کے ساتھ مضحکہ کرنا ہے۔ اگر اس وعید کے بعد بھی کوئی شخص پھر اس میں خلاف کرے یا کٹ حجتی کرے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات قبر میں تصفیہ کے قابل ہے، موسٰی بدین خود، عیسٰی بدین خود۔ انتہی تحریر زید۔

اب جو کچھ ازراہِ انصاف وتتبع کتب حضرات اہلسنت والجماعت محقق ہووے اس سے معزز فرمائیے، اور کیا یہ اقوال زید کے صحیح اور موافق سلف کے ہیں، بہ تشریح وتفصیل تام ارشاد ہو۔ اللہ تعالٰی آپ کو جزائے خیر عنایت فرمائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ سَرْمَدًا، صَلِّ عَلٰی سِرَاجِکَ الْمُنِیْرِ وَاٰلِہٖ اَبَدًا یَا نُوْرُ یَا نُوْرَ النُّوْرِ یَا نُوْرُ قَبْلَ کُلِّ نُوْرٍ یَا نُوْرُ بَعْدَ کُلِّ نُوْرٍ، لَکَ النُّوْرُ وَبِکَ النُّوْرُ وَمِنْکَ النُّوْرُ وَاِلَیْکَ النُّوْرُ وَاَنْتَ النُّوْرُ وَنُوْرُ النُّوْرِ صَلِّ عَلٰی

اے اللہ! تیرے لیے دائمی حمد ہے، اپنے سراج منیر اور ان کی آل پر ہمیشہ رحمت نازل فرما، اے نور، اے نور کے نور، اے ہر نور سے قبل نور، اے نور کے بعد نور، تیرے لیے نور ہے، تجھ سے نُور ہے، تیری طرف نور ہے تو نور اور نور کا نور ہے اپنے نور انوار پر، اور ان کی آل پر

الجواب

الحمد لله الذی فرض علینا الصیام طھرا وجعل ھذا الدین یسرا والصلوۃ والسلام علی اطیب ریحان الرحمان طیبا ونشرا وعلی اٰلہ وصحبہ الذین من اقتفاھم لایصل الیہ دخان الضلال وردا ولاصدرا۔

تمام تعریف اللہ عزوجل کی جس نے طہارت کے لیے ہم پر روزے فرض فرمائے اور اس دین کو آسان بنایا، اور صلوٰۃ وسلام ہو اس ذات اقدس پر جو خوشبو کے لحاظ سے رحمان کے تمام گلستان میں اعلیٰ ہیں اور آپ کے آل واصحاب پر جنھوں نے آپ کی اس طرح اتباع کی کہ انھیں کسی بھی طرف سے گمراہی کی کوئی غبار لاحق نہ ہوسکے۔ (ت)

متون وشروح وفتاوٰی عامہ کتب مذہب میں جن پر مدار مذہب ہے علی الاطلاق تصریحات روشن ہیں کہ دُھواں یا غبار حلق یا دماغ میں آپ چلا جائے کہ روزہ دار نے بالقصد اسے داخل نہ کیا ہو تو روزہ نہ جائے گا اگرچہ اس وقت روزہ ہونا یاد تھا۔ وقایہ ونقایہ واصلاح وملتقی وتنویر وغیرہا میں ہے:

واللفظ للاصلاح دخل غبار اودخان او ذباب حلقہ لم یفطر[1]

اصلاح کے الفاظ یہ ہیں: حلق میں اگر غبار، دُھواں یا مکھی داخل ہوگئی تو روزہ نہ ٹوٹے گا (ت)

غرر متن درر میں ہے:

دخل حلقہ غبار اودخان او ذباب ولو ذاکرا لم یفسد[2]

روزہ دار کے حلق میں غبار، دُھواں یا مکھی چلی گئی حالانکہ اسے روزہ یاد تھا تو روزہ فاسد نہ ہوگا (ت)

بدایہ وہدایہ ووافی وکافی میں ہے:

واللفظ للکافی لودخل حلقہ ذباب وھو ذاکر لصومہ یفسد قیاسا لوصول المفطر الی جوفہ وکونہ مما لایتغذی لاینافی الفساد کالتراب وفی الاستحسان لایفسد لانہ لایمکن التحرز عنہ فان

کافی کی عبارت یہ ہے روزہ دار کے حلق میں مکھی چلی گئی حالانکہ اسے روزہ یاد تھا تو روزہ قیاسًا فاسد ہوجائے گا ـــــ اس لئے کہ روزہ توڑنے والی چیز اس کے حلق میں چلی گئی اور اس کا غذا والی چیز نہ ہونا فساد کے منافی نہیں جیسا کہ مٹی کا حکم ہے اور استحسانًا روزہ فاسد نہ ہوگا کیونکہ اس سے بچنا ممکن نہیں ہے،

---

[1] درمختار باب یفسد الصوم مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹
[2] غرر مع درر الحکام باب موجب الافساد احمد کامل الکائنۃ دار السعادۃ بیروت ۱/۲۰۲

الصائم لایجد بدا من ان یفتح فمہ لیتکلم فصار کالغبار والدخان[1]

کیونکہ روزہ دار کو بات کرنے کے لیے مُنہ کھولنا پڑتا ہے تو مکھی کا حکم غبار اور دُھوئیں کی طرح ہے۔ (ت)

فتح القدیر[11] میں ہے:

قولہ فاشبہ الغبار والدخان اذا دخلا فی الحلق فانہ لایستطاع الاحتراز عن دخولھما الدخولھما من الانف اذا طبق الفم وصار ایضاکبلل یبقی فی فیہ بعد المضمضۃ[2]۔

مصنف کا قول مکھی کا داخل ہونا غبار اور دھوئیں کی طرح ہے کیونکہ جب وہ حلق میں داخل ہوجائیں تو ان کے دخول سے بچنا ممکن نہیں ہوتا، منہ اگر بند بھی ہو تو وہ ناک کے ذریعے داخل ہوجائیں گے اور یہ اس تری کی مانند بھی ہے جو کُلی کے بعد منہ میں رہ جاتی ہے۔ (ت)

نور الایضاح[12] متن امداد الفتاح میں ہے:

لایفسد الصوم لو دخل حلقہ دخان بلاصنعہ اوغبار ولو غبار الطاحون او ذباب او اثر طعم الادویۃ فیہ وھوذاکر لصومہ[3]۔

ان صورتوں میں روزہ نہیں ٹوٹتا جب حلق میں بلاقصد دُھواں داخل ہوجائے یا غبار خواہ وہ آٹے کی چکی کا ہو، یا مکھی یا دوائیوں کے ذائقے کا اثر منہ میں داخل ہوجائے اگرچہ روزہ دار کو روزہ دار ہونا یاد ہو۔ (ت)

خانیہ[13] و خلاصہ[14] و خزانۃ[15] المفتین میں ہے:

واللفظ للخانیۃ اذا دخل الدخان او الغبار اوریح العطر او الذباب حلقہ لایفسد صومہ[4]۔

خانیہ کی عبارت یہ ہے: حلق میں دھواں، غبار، عطر کی خوشبو یا مکھی داخل ہوجائے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ (ت)

سراج[16] الوہاج و ہندیہ[17] میں ہے:

---

[1] ہدایۃ باب ما یوجب القضاء والکفارۃ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/۱۹۸
[2] فتح القدیر 〃 〃 نوریہ رضویہ سکھر ۲/۲۵۸
[3] نور الایضاح ما لا یفسد الصوم مطبع علیمی، لاہور ص ۶۴
[4] فتاوٰی قاضی خان الفصل فیما لا یفسد الصوم منشی نولکشور لکھنؤ ۱/۹۸

لودخل حلقه غبار الطاحونة اوطعم الادوية اوغبار الهرس واشباهه، اوالدخان اوماسطح من غبار التراب بالريح او بحوافر الدواب واشباه ذلك لم یفطره[1]۔

اگر روزہ دار کے حلق میں چکّی کا غبار، ادویات کا ذائقہ، گھوڑے کے دوڑنے یا اس کی ہم مثل کی غبار، دُھواں ہوا کے ذریعے اڑنے والی، چوپایوں اور اس کے ہم مثل کی وجہ سے اڑنے والی غبار چلی جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ (ت)

وجیز[18] القردی[19] و واقعات[20] المفتین میں ہے:

دخل الذباب اوالدخان اوالغبار حلقه اوبقی بلل بعد المضمضة فابتلعه مع البزاق لم یفطر[2]۔

روزہ دار کے حلق میں مکھی، دُھواں یا غبار چلی گئی یا کُلّی کے بعد تری منہ میں رہ گئی اور اسے وہ تھوک کے ساتھ نگل گیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا (ت)

ہاں اگر صائم اپنے قصد وارادہ سے اگر یا لوبان خواہ کسی شئے کا دُھواں یا غبار اپنے حلق یا دماغ میں عمداً بے حالت نسیان صوم داخل کرے، مثلاً بخور سلگائے اور اسے اپنے جسم سے متصل کرکے دُھواں سُونگھے کہ دماغ یا حلق میں جائے تو اس صورت میں روزہ فاسد ہوگا۔ درمختار[21] میں ہے:

مفاده انه لوادخل حلقه الدخان افطرای دخان کان ولوعودا اوعنبرا لوذاکرا لامکان التحرز عنه فلیتنبه له کما بسطه الشرنبلالی[3]۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی روزہ دار نے بقصد اپنے حلق میں دُھواں داخل کیا تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا خواہ وہ دُھواں عود یا عنبر کا ہو، اگر اسے روزہ یاد ہو کیونکہ اس سے بچنا ممکن ہے اس پر متنبہ رہنا چاہئے، جیسا کہ اس پر شرنبلالی[22] نے تفصیلی گفتگو کی ہے۔ (ت)

علامہ شرنبلالی نے غنیہ ذوی الاحکام وامداد[23] الفتاح ومراقی[24] الفلاح تینوں کتابوں میں فرمایا:

وهذا لفظ المراقی وفیما ذکرنا اشارة الی انه من ادخل بصنعه دخانا حلقه بای صورة کان الادخال فسد صومه،

مراقی الفلاح کی عبارت یہ ہے جو کچھ ہم نے ذکر کیا اس میں یہ اشارہ ہے کہ اگر کسی نے ارادۃً حلق میں دُھواں داخل کیا خواہ ادخال کی کوئی صورت

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب الرابع فیما یفسد الصوم نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۰۳
[2] فتاوٰی القرویۃ کتاب الصوم دارالاشاعۃ العربیہ قندھار افغانستان ۱/ ۱۵
[3] درمختار باب ما یفسد الصوم مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۹

سواء کان دخان عنبر او عود او غیرھما حتی من تبخر ببخور فآواہ الی نفسہ و اشتم دخانا ذاکرا لصومہ افطر لامکان التحرز عن ادخال المفطر جوفہ و دماغہ وھذا مما یغفل عنہ کثیر من الناس فلیتنبہ لہ ولا یتوھم انہ کشم الورد ومائہ والمسک لوضوح الفرق بین ھواء تطیب بریح المسک و شبھہ وبین جوھر دخان وصل الی جوفہ بفعلہ[۱]

ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا خواہ وہ دھواں عنبر، عود یا ان کے ہم مثل کسی کا ہو حتی کہ جس نے دھونی سلگائی اور اپنے قریب کرکے اس کا دھواں سُونگھا حالانکہ روزہ یاد تھا تو روزہ ٹوٹ جائے گا کیونکہ اس صورت میں پیٹ اور دماغ کو روزہ توڑنے والی شے سے محفوظ رکھنا ممکن ہے، یہ ان چیزوں میں سے ہیں جن سے اکثر لوگ غافل ہیں لہذا اس پر خصوصی توجہ دیجئے، یہ وہم نہ کیا جائے کہ یہ تو پھول اور کستوری سُونگھنے کی طرح ہی ہے کیونکہ خوشبو کی مہک اور جوہر دخان میں جو ارادۃً جوف میں جائے بڑا واضح فرق ہے (ت)

اسی طرح رد المحتار[۲۵] میں امداد الفتاح اور طحطاویہ[۲۶] میں غنیہ سے نقل فرماکر مقرر رکھا۔ مجمع الانہر[۲۷] شرح ملتقی الابحر میں ہے:

علی ھذا لو ادخل حلقہ فسد صومہ حتی ان من تبخر ببخور فاستشم دخانہ فادخلہ حلقہ ذاکرا لصومہ افطر لانھم فرقوا بین الدخول والادخال فی مواضع عدیدۃ لان الادخال عملہ والتحرز ممکن ویؤیدہ قول صاحب النھایۃ اذا دخل الذباب جوفہ لایفسد صومہ لانہ لم یوجد ماھو ضد الصوم وھو ادخال الشیئ من الخارج الی الباطن وھذا مما یغفل عنہ کثیر فلیتنبہ لہ[۲]

اس بناء پر اگر کسی روزہ دار نے مذکورہ اشیاء میں سے کسی چیز کو اپنے حلق میں داخل کیا تو اس کا روزہ فاسد ہوجائیگا حتی کہ جس نے بخور کے ساتھ دھونی دی اور اس کا دھواں سُونگھا اور روزہ یاد ہوتے ہوئے حلق میں داخل کیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا کیونکہ فقہاء نے متعدد جگہ پر دخول اور ادخال میں فرق کیا ہے کیونکہ ادخال صائم کا اپنا عمل ہے جس سے بچنا ممکن ہے اس کی تائید صاحب نہایہ کا یہ قول کرتا ہے کہ جب مکھی پیٹ میں داخل ہوگئی تو روزہ نہیں ٹوٹے گا کیونکہ کوئی ایسی چیز نہیں پائی گئی جو روزہ کی ضد ہو اور وہ خارج سے کسی شے کا باطن میں داخل کرنا ہے اس سے بہت سے لوگ غافل ہیں لہذا اس پر توجہ چاہئے۔ (ت)

---

[۱] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب فی بیان مالایفسد الصوم نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۶۱-۶۲

[۲] مجمع الانہر باب موجب الفساد دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۲۴۵

حاشیۃ الکنز للعلامۃ السید ابی السعود الازہری پھر طحطاوی علی المراقی میں ہے :

واللفظ للاول قولہ او دخل حلقہ غبار و التقیید بالدخول للاحتراز عن الادخال ولھذا صرحوا بان الاحتواء علی المبخرۃ مفسد[1]	قولہ "دخل حلقہ غبار" دخول کی قید ادخال سے احتراز کے لیے اسی لیے فقہاء نے تصریح کی کہ بخوردان پر محتوی ہونا مفسد روزہ ہے۔ (ت)

بالجملہ مسئلہ غبار و دخان میں دخول بلا قصد و ادخال بالقصد پر مدار کار ہے۔ اول اصلاً مفسد صوم نہیں اور ثانی ضرور مفطر، اور بداہۃً واضح کہ صورت مذکورہ سوال صورتِ دخول ہے نہ کہ شکلِ ادخال، تو اس میں انتقاضِ صوم کا حکم محض بے سند و بے اصل خیال۔

اقول وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق تحقیقِ مقام وتنقیحِ مرام بتوفیق الملک العلام یہ ہے کہ حقیقت صوم امساک عن المفطرات الشرعیہ میں محصورؔ اور تکالیفِ شرعیہ قدرِ وسع پر مقصورؔ، اور انتفائے حقیقت کو انتفائے شے قطعاً لازم وضرور، جس میں ضرورت وعدم ضرورت کا تفرقہ عقلاً و نقلاً باطل ومہجور، مثلاً حقیقتِ نکاح ایجاب وقبول ہے اگرچہ جانبِ ولی سے، اب اگر کوئی شخص ایسی جگہ ہو جہاں نہ کوئی ولی نہ حاکم اسلام اور بوجہ شدتِ احتیاج زن حالت تا بجنونِ حقیقی پہنچے کہ اہلیت تصرف سے خارج ہو جائے تو اس ضرورتِ شدیدہ کے لحاظ سے ہرگز روا نہ ہوگا کہ کوئی عورت بجرد ایجاب بے قبول اس کی زوجہ بن جائے یا حقیقت زکوٰۃ کہ تملیک فقیر الخ ہے، اگر کہیں ایسا ہو کہ مصرف کوئی نہ ملے جیسا کہ زبان برکت فشان سیدنا مسیح کلمۃ اللہ صلوۃ اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ میں ہونے والا ہے تو یہ ممکن نہیں کہ براہِ ضرورت زکوٰۃ اپنی حقیقت سے منسلخ ہو کر کسی غنی کو دینا زکوٰۃ قرار پائے، ارکان ساقطہ بضرورت حقیقت ارکان سعت ہوتے ہیں نہ ارکان اصل حقیقت، ورنہ تحقق شے بے حقیقت شے محال عقلی ہے تو منافیاتِ سنخ ذات میں ضرورت و بے ضرورت سے تفرقہ نہیں کر سکتے، اب ہم ان اشیاء کو جو خارج سے جوف صائم میں داخل ہوں نظر کریں تو انحائے مختلفہ کو پاتے ہیں ان میں بعض وہ ہیں جن سے کسی وقت صائم کو احتراز ممکن نہیں، جیسے ہوا، بعض وہ جن سے احیاناً تلبس ہر شخص کو ضرور، اور ان سے تحرز کلی نا مقدور، جیسے دخولِ غبار و دخان کہ کسی نہ کسی طرح انسان کو ان سے قرب کی حاجت ضروری ہے اور وہ اپنی حد ذات میں ممکن الاحتراز نہیں آدمی کو کلام سے چارہ نہیں، اور کلام نہ بھی کرے تو بے تنفس کیونکر گزرے، اور ہوا کہ ان کی حامل ہوتی ہے اور تمام

---

[1] فتح المعین حاشیۃ علی شرح ملامسکین باب مایفسد الصوم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۴۳۱
طحطاوی علی مراقی الفلاح باب فی بیان ما لایفسد الصوم نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۶۲

فضا میں بھری اور متحرک رہتی، جا بجا لیے پھرتی ہے، آدمی منہ بند بھی رکھے تو یہ ناک کی راہ سے داخل ہوسکتے ہیں اور بعض وہ جن سے ہمیشہ تحرز کرسکتا ہے اگرچہ نادراً بعض اشخاص کو بعض حالات ایسے پیش آئیں کہ تلبس پر مجبور کریں، جیسے طعام وشراب، اور انھیں دخان وغبار کا بالقصد ادخال کہ یہ تو اپنا فعل ہے انسان اس میں مجبور محض نہیں، شرع مطہر نے کہ حکیم ورحیم ہے جس طرح قسم اول کو مفطرات سے خارج فرمایا کہ اگر اسے ملحوظ رکھیں تو صوم ممتنع اور تکلیف روزہ تکلیف بالمحال ٹھہرے، اسی قسم ثانی کو مطلقاً شمار مفطرات میں نہ رکھا کہ اگر مفطر مانیں تو دو حال سے خالی نہیں، یا تو حکم فطر ہمیشہ ثابت رکھیں تو وہی تکلیف مالا یطاق ہوتی ہے یا وقت ضرورت با وصف حصول مفطر روزہ باقی جانیں تو بقائے شے مع انتفائے حقیقت یا اجتماع ذات ومنافی ذات لازم آئے اور یہ باطل ہے، ہم ابھی کہہ آئے ہیں کہ دربارۂ حقائق ضرورت کارگر نہیں ہوتی ولہذا شرع مطہر سے ہرگز معہود نہیں کہ کسی شے کو بخصوصہ مفطر قرار دے کر بعض جگہ بنظر ضرورت حکم افطار ساقط فرمایا مثلاً کتب فقہیہ پر نظر ڈالے،

اولاً بیمار قریب مرگ ہوگیا مجبوراً دوا پی ضرورت کیسی شدید تھی جس نے روزہ توڑنا جائز کردیا مگر روزہ ٹوٹنے کا حکم مرتفع نہ ہوا۔

ثانیاً ظالم تلوار سر پر لیے کھڑا ہے کہ نہیں کھاتا تو قتل کردے گا کیسی سخت ضرورت ہے حکم ہوگا کھالے مگر یہ نہ ہوگا کہ روزہ نہ جائے۔

ثالثاً مخمصہ والے مضطر کی ضرورت سے زیادہ کس کی ضرورت ہے، جس کے لیے مردار سے مردار حرام سے حرام میں اثم زائل، اور بقدر حفظ رمق تناول فرض ہوا مگر یہ نہیں کہ یہ حالت بصورت صوم واقع ہو تو ضرورت کے لحاظ سے روزہ نہ ٹوٹے۔

رابعاً سوتا مرا برابر ہوتا ہے النوم اخت الموت (نیند موت کی بہن ہے۔ت) سوتے کے پاس بچنے کا کیا حیلہ، احتراز کا کیا چارہ، مگر یہ ناممکن الاحترازی بقائے صوم کا حکم نہ لائی، سوتے میں حلق میں کچھ چلا جائے تو روزے پر وہی فساد کا حکم آئے گا، غرض خادم فقہ کے نزدیک بدیہیات سے ہے کہ شرع مطہر کبھی کسی چیز کو مفطر مان کر ضرورت وعدم ضرورت کا فرق نہیں فرماتی، لحاظ ضرورت صرف اس قدر ہوتا ہے کہ افطار جائز بلکہ کبھی فرض ہوجائے مگر مفطر مفطر نہ رہے یہ ناممکن، تو ثابت ہوا کہ اس اصل اجماعی عقلی ونقلی و قاعدہ شرعیہ آیۂ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا[1] (اللہ تعالٰی کسی نفس کو اس کی طاقت سے بڑھ کر مکلف نہیں ٹھہراتا۔ت) نے واجب کیا کہ قسم ثانی بھی راساً عداد مفطرات سے مہجور اور مفطر شرعی صرف قسم ثالث میں محصور ہو۔ بحمد اللہ تعالٰی اس تقریر منیر سے روشن ہوا کہ مفطر نہ ہونے کے لیے جس طرح قسم سوم کی ضرورت نادرہ

[1] القرآن ۲/ ۲۸۶

کہ اتفاقاً بعض صائمین کو بعض احوال میں لاحق ہو جیسے مفطرہ و مکروہ و نائم و مریض کی مجبوری کافی نہیں ہو سکتی، یُونہی قسم اول کی ضرورت دائمہ لازمہ غیر منفکہ بھی درکار نہیں بلکہ صرف قسم دوم کی ضرورت عامہ فعلیہ بس ہے اور جب اس کی بناء پر وُہ شے شمارِ مفطر سے خارج رہی تو اب تفصیل و تفریق اوقات و حالاتِ ضرورت نہیں کر سکتے ورنہ وہی استحالہ لازم آئے گا جسے ہم ابھی عقلاً و نقلاً باطل کر چکے، بس دخولِ دخان و غبار بے قصد و اختیار کبھی کہیں پایا جائے اصلاً مفسدِ صوم نہیں ہو سکتا، نہ اس کہنے کی گنجائش کہ فلاں جگہ اتفاق دخول وہاں جانے سے ہوا نہ جاتا نہ ہوتا، اور جانا قصداً تھا تو ممکن الاحتراز ہُوا۔ امام کردری وجیز میں فرماتے ہیں:

اذا بقی بعد المضمضة ماء فابتلعه بالبزاق ثم لم یفطر لتعذر الاحتراز عنه۔[1]

اگر کلی کے بعد منہ میں کچھ پانی باقی رہ جائے اور روزہ دار اسے تھوک کے ساتھ نگل جائے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا کیونکہ اس سے بچنا ممکن نہیں (ت)

فتح سے اسی مسئلہ میں گزرا:

صار کبلل یبقی فی فیه بعد المضمضة۔[2]

یہ اس تری کی طرح ہے جو کلی کے بعد منہ میں باقی رہ جاتی ہے۔ (ت)

شرنبلالیہ میں امام زیلعی سے ہے:

اذا دخل حلقه غبار او ذباب وھو ذاکر لصومه لا یفطر لانه لا یقدر علی الامتناع عنه فصار کبلل یبقی فی فیه بعد المضمضة۔[3]

جب روزہ دار کے حلق میں غبار یا مکھی داخل ہو جائے اگرچہ اسے روزہ یاد ہو تو روزہ فاسد نہ ہوگا کیونکہ اس سے بچنے پر قادر نہیں یہ اس تری کی طرح ہے جو کلی کے بعد اس کے منہ میں باقی رہتی ہے (ت)

شرح الملتقی للعلامہ عبدالرحمن الرومی میں ہے:

انه لا یقدر علی الامتناع عنه فانه اذا اطبق الفم لا یستطاع الاحتراز عن الدخول من الانف فصار کبلل یبقی فی

روزہ دار اسے روکنے پر قادر نہیں کیونکہ اگر منہ بند بھی رکھے پھر بھی ناک کے ذریعے غبار کے دخول سے احتراز کی طاقت نہیں رکھتا تو یہ یُونہی جیسے کہ وُہ

---

[1] بزازیہ برحاشیہ فتاوٰی ہندیۃ کتاب الصوم نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۰۰

[2] فتح القدیر باب مایوجب القضاۃ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۵۸

[3] غنیۃ ذوی الاحکام حاشیۃ درر الحکام باب موجب الافساد مطبعہ احمد کامل الکائنۃ دار سعادت مصر ۱/ ۲۰۲

32

فیہ بعد المضمضۃ [1] تری جو کلی کے بعد منہ میں باقی رہ جاتی ہے (ت)

دیکھو کلی کے بعد جو تری منہ میں باقی رہتی ہے اُسے بھی شرح نے اسی تعذر تحرز کی بنا پر مفطر نہ ٹھہرایا اب ہاں یہ لحاظ ہرگز نہیں کہ یہ کلی خود بھی ممکن الاحتراز تھی یا نہیں، اگر محض بے ضرورت کُلی کی جب بھی وُہ تری ناقض صوم نہ ہوگی حالانکہ ضرور کہہ سکتے تھے کہ یہ اس کا دخول اس کُلی کرنے سے ہوا، نہ کرتا نہ ہوتا، اور کُلی بے ضرورت تھی تو ممکن الاحتراز ہُوا۔ بزازیہ میں ہے:

یکرہ ادخال الماء فی الفم بلاضرورۃ وفی ظاھر الروایۃ لاباس لان المقصود التطہیر فکان کالمضمضۃ [2] بلاضرورت پانی کا منہ میں داخل کرنا مکروہ ہے اور ظاہر روایت کے مطابق اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ مقصود تطہیر ہے لہذا یہ کلی کی طرح ہے (ت)

حدیہ کہ بے ضرورت کُلی کرنی ظاہر الروایۃ میں مکروہ بھی نہیں حالانکہ عنقریب آتا ہے کہ بے ضرورت نمک دیکھنے کے لیے شوربا چکھنا مکروہ و ناجائز ہے، تو وجہ وہی کہ شرع مطہر اسے شمار مفطرات سے خارج فرما چکی تو اب ضرورت و عدم ضرورت پر نظر نہ ہوگی نہ اس میں کسی مفطر کا احتمال پیدا ہوگا کہ کراہت آئے۔

ثم اقول وباللہ التوفیق اس پر تو عرش تحقیق مستقر ہُوا کہ دخول بلاصنعہ کیفما کان (بلاقصد دخول جیسے بھی ہو۔ ت) اصلاً صالح افطار نہیں، ولہذا علمائے کرام نے مدار فرق صرف دخول و ادخال پر رکھا، دخول کا کوئی فرد مفطر میں داخل نہ کیا کما سمعت من نصوصھم (جیسا کہ ان کی تصریحات آپ سُن چکے۔ ت) مگر یہاں ایک نکتہ دقیقہ اور ہے سبب شیئ مفضی الی الشیئ (شیئ کا سبب شیئ تک پہنچانے والا ہوتا ہے۔ ت) دو قسم ہے:

ایک مفضی کلیۃً یا غالباً جس کے بعد وقوع مسبب عادۃً متیقن یا مظنون بظن غالب ہو کہ فقہیات میں وُہ بھی ملتحق بالیقین۔

دوسرا مفضی نادراً جس کے بعد مسبب کبھی واقع ہو جائے، قسم اوّل کے قصد کو قصدِ مسبب کہنا مستبعد نہیں کہ جب صاحبِ قصد کو معلوم کہ اس کے بعد مسبب ضرور یا اکثر واقع ہی ہوتا ہے اور اس نے سبب کا ارتکاب بالقصد کیا تو گویا وقوع سبب کا التزام کر چکا باین معنی خیال کر سکتے ہیں کہ ایسا دخول داخل شق ادخال ہوگا، مگر قسم دوم ہرگز اس قابل نہیں، پُر ظاہر کہ یہ سبب کافی نہ ہوگا۔ اور اس کے بعد وقوع مسبب

---

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب موجب الفساد داراحیاء التراث العربی بیروت ۲۴۵/۱

[2] بزازیہ برحاشیہ فتاوٰی ہندیۃ کتاب الصوم نورانی کتب خانہ پشاور ۱۰۵/۴

حالتِ شک واحتمال ہی میں آئے گا تو اس کے قصد کو مجازاً بھی قصدِ مسبب نہیں کہہ سکتے وھذا لایذھب عن عقلاءاقل نبیہ فضلا عن فاضل فقیہ (یہ تو کسی عقل عاقل سے مخفی نہیں چہ جائیکہ کسی فاضل فقیہ کے علم سے مخفی ہو۔ ت) حجتِ ساطعہ لیجئے کان میں بالقصد پانی کا ادخال اصح الاقوال پر مفسدِ صوم ہے مگر یہی ائمہ کرام جو بحالتِ قصد ادخال افساد وابطال کی تصحیح فرماتے ہیں نہانے یا دریا کے اندر جانے میں اگر پانی کان میں چلا جائے تو روزہ نہ جانے کی تصریح فرماتے ہیں ائمہ نے اصلاً اس کا اعتبار نہ فرمایا کہ اس دخولِ آب کا سبب نہانا یا غوطہ لگانا ہُوا اور یہ افعال اس نے بالقصد کئے تو گویا بالقصد پانی کان میں پہنچایا وجہ وہی ہے کہ یہ افعال غالباً دخولِ آب کے موجب نہیں ہوتے اگرچہ کبھی واقع ہوتا بھی ہے تو ان کا قصد اس کا قصد نہیں ہوسکتا۔ خانیہ میں ہے:

لوخاض الماء فدخل الماء فی اذنہ لایفسد صومہ وان صب الماء فی اذنہ اختلفوا فیہ والصحیح ھو الفساد لانہ وصل الی الجوف بفعلہ فلایعتبر فیہ صلاح البدن[1]۔	اگر پانی میں غوطہ لگایا اور پانی کانوں میں داخل ہوگیا تو روزہ فاسد نہ ہوگا اور اگر کان میں پانی خود ڈالا تو اس بارے میں اختلاف ہے، مذہب صحیح یہی ہے کہ روزہ فاسد ہوجائے گا کیونکہ اس صورت میں پانی پیٹ تک اس کے عمل سے پہنچا ہے لہذا اس میں اصلاحِ بدن کا اعتبار نہیں ہوگا(ت)

فتاوٰی امام بزازی میں ہے:

خاض الماء فدخل اذنہ لایفسد بخلاف دخول الدھن وان صب الماء فی اذنہ افسدہ فی الصحیح لوجود الفعل لایعتبر صلاح البدن[2]۔	روزہ دار پانی میں غوطہ زن ہُوا، اس کے کان میں پانی داخل ہوگیا تو روزہ فاسد نہ ہوگا بخلاف تیل کے دخول کے، اور اگر پانی کان میں ڈالا تو یہ صحیح قول کے مطابق روزہ کو فاسد کردے گا کیونکہ یہ اس کے اپنے عمل سے ہوا ہے، پس اس صورت میں اصلاح بدن کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ (ت)

جواہر الاخلاطی میں ہے:

لواغتسل اوخاض فی الماء فدخل الماء اذنہ لایفسد صومہ بلاخلاف ولو ادخل الماء فی اذنہ ففیہ الاختلاف	اگر غسل کیا یا پانی میں غوطہ زن ہُوا تو پانی کان میں داخل ہوگیا تو بالاتفاق روزہ فاسد نہ ہوگا اور اگر پانی کان میں خود داخل کیا تو اس میں اختلاف ہے

[1] فتاوٰی قاضیخان الفصل الخامس فیما لایفسد الصوم منشی نولکشور لکھنؤ ۱/ ۹۹
[2] بزازیہ برحاشیہ فتاوٰی ہندیہ کتاب الصوم نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۹۸

والاصح هو الفساد لوصوله الی الدماغ وصول مالا فیه صلاح البدن غیر معتبر کما لو ادخل خشبة فی دبرہ وغیبها۔[1]

اصح قول یہ ہے کہ روزہ فاسد ہوجائے گا کیونکہ یہ دماغ تک پہنچ جاتا ہے اور دماغ تک ایسی چیز کا پہنچنا جس میں اصلاح بدن نہ ہو غیر معتبر ہے، جیسا کہ اگر کسی نے اپنی دبر میں لکڑی داخل کی اور وہ غائب ہوگئی (ت)

فتح القدیر میں ہے:

الفساد اذا ادخل الماء اذنه لا اذا دخل بغیر صنعه کما اذا خاض نهرا۔[2]

روزے کا فساد تب ہوگا جب خود اپنے کان میں پانی داخل کرے، اپنے عمل کے بغیر پانی داخل ہونے سے فاسد نہ ہوگا جیسا کہ نہر میں غوطہ زن ہوا۔ (ت)

دیکھو کیسی صریح تصریحیں ہیں کہ ایسے سبب کا قصد قصدِ مسبب نہیں، یہاں تک کہ اس صورت میں باوصف فعل سبب وقوعِ مسبب کو بغیر صنعہ (اپنے عمل کے بغیر۔ ت) فرماتے ہیں۔ اب ہم اپنے مسئلہ دائرہ کو دیکھیں تو کسی مکان میں جہاں بخور سلگتا ہو موضع بخور سے جدا و دور جا کھڑا ہونا کہ دھواں لینے کا قصد درکنار دھوئیں کے پاس تک نہ ہو، ہرگز کسی عاقل کے نزدیک دخولِ دخان کا سبب غالب نہیں ہوسکتا ورنہ واجب تھا کہ رمضان مبارک میں دن کو آگ روشن ہونا، شام کے لیے کچھ کھانا پکنا حرام و باعثِ افطارِ صیام ہوتا اس میں تو شاید خود یہ معترضین بھی شامل ہوں اور امکان احتراز ہی کی ہوس ہو اگرچہ عند التحقیق مفطرات میں اس کو دخل نہیں کما بینّاہ بابین وجه لا یحوم حوم حماہ شبهة (ہم نے اسے ایسی واضح وجہ کے ساتھ بیان کیا جسے شبہ کا کوئی جالا ڈھانپ نہیں سکتا۔ ت) تو وہ بھی بداہۃً حاصل کیا ممکن نہ تھا کہ جو کچھ پکانا ہو سحری تک پکا رکھیں یا شام کے وقت بازاری اشیاء پر قناعت کریں خصوصاً اہلِ عرب کہ ویسے بھی کھجوروں پر قناعت کے عادی تھے، ہاں سحر کا پکا سرد ہوجاتا یا بازاری اشیاء میں مزہ نہ آتا، یہ عدم امکان احتراز نہ ہوا زبان کا مزہ ٹھہرا، کیا اس کے لیے روز روزے رکھ کر باطل کردینا حلال ہوجاتا، جس گھر میں دھواں ہو وہاں موجود ہونا درکنار نصوصِ علماء شاہد عدل کہ خود کھانا پکانا صبح سے شام تک روٹی لگانا بھی دخولِ دخان کا سبب غالب نہیں،

اولاً قنیہ[3] و تاتارخانیہ و بحر الرائق[4] و درمختار و ردالمحتار وغیرہا میں ہے:

---

[1] جواہر الاخلاطی کتاب الصوم قلمی نسخہ ص ۴۷

[2] فتح القدیر باب ما یوجب القضاء نوریہ رضویہ سکھر ۲/۲۶۷

والنظم للدر لا یجوز ان یعمل عملا یصل بہ الی الضعف فیخبز نصف النہار ویستریح الباقی فان قال لایکفینی کذب باقصرایام الشتاء[1]

در کے الفاظ میں کوئی ایسا عمل جائز نہیں جو کمزور کردے تو نانبائی مثلاً یوں کرے کہ نصف دن روٹی پکائے اور باقی دن آرام کرے، پس اگر وہ شخص کہے کہ اس قدر عمل مجھے کفایت نہیں کرتا تو اس کی تکذیب کی جائے سردیوں کے سب سے چھوٹے دن ہیں (ت)

دیکھو نان پز کو فرماتے ہیں اگر گرمی کے دنوں میں سارے دن روٹی لگانے سے وہ ضعف پیدا ہو کہ ادائے صیام میں خلل انداز ہو تو آدھے دن پکائے کہ چھوٹے دنوں میں دن بھر پکاتا تھا، نمازوں وغیرہ کے وقت نکال کر گرمیوں کا نصف دن اسی کے قریب قریب ہو جائے گا، یہ نہیں فرماتے کہ ضعف تو جب آئے گا آئے گا اور پوتھائی دن درکنار روٹی پکانے سے دھواں جو حلق و دماغ میں جاکر روزہ ہی کھو دے گا۔

ثانیاً سراجیہ[2] وغیرہا میں ہے:

امۃ افطرت فی رمضان متعمدۃ لضعف اصابہا من عمل السید من طبخ او غیرہ کان واسعا وقضیۃ للمملوک ان یمتنع عما یعجزہ عن اداء الفرائض[2]

وہ لونڈی جس نے اپنے مالک کی خدمت مثلاً کھانا پکانا وغیرہ سے پیدا ہونے والے ضعف کے پیش نظر مجبوراً روزہ توڑدیا تو جائز ہے اور غلام کو یہ حکم ہے کہ وہ ایسے کاموں سے رک جائے جو ادائے فرائض سے عاجز کر دینے والے ہوں (ت)

یہ فرمایا کہ کنیز کو پکانے وغیرہ کی محنت سے ضعف ایسا لاحق ہوا کہ مجبوراً روزہ توڑنا پڑا جائز ہے اور قضا رکھے یہ کیوں نہیں فرماتے کہ سرے سے پکانا ہی سبب افطار ہے، اور کنیز کو جائز نہیں کہ اس میں مولٰی کی اطاعت کرے۔ ظہیریہ و ولوالجیہ و بحرالرائق[3] وغیرہا میں ہے:

للامۃ ان تمتنع من امتثال امر المولٰی اذا کان ذٰلک یعجزہا عن اقامۃ الفرائض لانہا مبقاۃ علی اصل الحریۃ فی حق الفرائض[3]

لونڈی کے لیے مولٰی کے ایسے احکام سے رک جانا ہے جس سے وہ ادائے فرائض سے عاجز آجائیگی کیونکہ ادائے فرائض کے اعتبار سے وہ اصلاً آزاد ہے (ت)

---

[1] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۵۲

[2] فتاوٰی سراجیہ " منشی نولکشور لکھنؤ ص ۲۹

[3] بحرالرائق فصل فی العوارض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۸۲-۲۸۱

ثالثاً نور الایضاح و مراقی الفلاح میں ہے :

کرہ للصائم ذوق شیئ لما فیہ من تعریض الصوم للفساد وکرہ مضغہ بلا عذر کالمرأۃ اذا وجدت من یمضغ الطعام لصبیہا کمفطرۃ لحیض، اما اذا لم تجد بدا منہ فلا باس بمضغہا لصیانۃ الولد وللمرأۃ ذوق الطعام اذا کان زوجہا سیئ الخلق لتعلم ملوحتہ وان کان حسن الخلق فلا یحل لہا وکذا الامۃ قلت کذا الاجیر[1]۔

روزہ دار کے لیے کسی شَے کا چکھنا مکروہ ہے کیونکہ یہ روزہ کو فاسد کرنے کے درپے ہونا ہے۔ اسی طرح طعام کا چبانا بھی بلا عذر مکروہ ہے جیسے خاتون بچے کے لیے کسی دوسرے کو چبانے والا پائے (مثلاً حائضہ عورت کو پائے تو چبانا مکروہ ہے) عورت کو اگر چبانے کے سوا چارہ نہ ہو تو بچّے کی حفاظت کے لیے ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں، اور خاتون کے لیے طعام کا چکھنا بھی جائز ہے جبکہ خاوند بدخلق ہو تاکہ وہ نمک وغیرہ چکھ سکے اور شوہر حسنِ اخلاق والا ہے تو پھر چکھنا جائز نہیں۔ اور لونڈی کا حکم اسی طرح ہے۔ میں کہتا ہوں اجیر بھی اسی حکم میں ہے (ت)

حاشیہ طحطاوی میں ہے :

قولہ کذا الاجیر ای للطبخ[2]۔

قولہ "کذا الاجیر" یعنی کھانے پکانے کا مزدور۔ (ت)

کنز و بحر و نہر و ہندیہ وغیرہا میں ہے :

واللفظ للاولین کرہ ذوق شیئ و مضغہ بلا عذر لما فیہ من تعریض الصوم للفساد ولا یفسد صومہ لعدم الفطر صورۃ ومعنی قید بقولہ بلا عذر لان الذوق بعذر لا یکرہ کما قال فی الخانیۃ فیمن کان زوجہا سیئ الخلق او سیدہا لا باس بان تذوق بلسانہا والمضغ بعذر بان لم تجد المرأۃ من یمضغ لصبیہا الطعام من حائض او نفساء او غیرہما

پہلی دونوں کتب کی عبارت یہ ہے بلا عذر شیئ کا چکھنا اور چبانا مکروہ ہے کیونکہ یہ فسادِ صوم کے درپے ہونا ہے، ہاں اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا کیونکہ صورۃً و معنیً افطار نہیں پایا گیا "بلا عذر" کی قید اس لیے لگائی ہے کہ عذر کی صورت میں چکھنا مکروہ نہیں جیسا کہ خانیہ میں اس عورت و لونڈی کے بارے میں ہے جس کا خاوند یا مولٰی بدخلق ہو، اگر ایسا عذر ہو تو زبان کے ساتھ چکھنے میں حرج نہیں اور چبانے میں عذر یہ ہے مثلاً کوئی خاتون نہیں جو بچے کے لیے

---

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی فصل فیما یکرہ للصائم نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۷۱

[2] حاشیۃ طحطاوی علی مراقی الفلاح فصل فیما یکرہ للصائم نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۷۱

ممن لایصوم ولم تجد طبیخا و لا لبنا حلیبا لاباس بہ للضرورۃ ، الا تری انہ یجوز لہا الافطار اذا خافت علی الولد فالمضغ اولٰی[1] (ملخصاً)

طعام چبادے مثلاً حائضہ یا نفاس والی کوئی عورت یا جو روزہ دار نہ ہوں ، اور نہ روٹی پکی ہُوئی اور نہ دودھ میسر ہو تو اب ضرورت کے پیش نظر کوئی حرج نہیں ، کیا آپ نہیں جانتے کہ جب کسی خاتون کو بچّے کے ضائع ہونے کا خوف ہو تو روزہ چھوڑ سکتی ہے ، تو چبانا تو بطریقِ اولٰی جائز ہوگا ۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے :

الذوق لیس بافطار بل یحتمل ان یصیر ایاہ اذ قد یسبق شیئ منہ الی الحلق فان من حام حول الحمی یوشک ان یقع فیہ انتہت[2] مختصرات ۔

چکھنا افطار نہیں بلکہ اس میں یہ احتمال ہوتا ہے کہ کہیں کوئی شے حلق میں چلی جائے (یعنی افطار کا سبب ہے) کیونکہ جو محفوظ جگہ کے قریب جاتا ہے قریب ہے کہ اس میں داخل ہو جائے ۔ گزشتہ عبارتیں اختصار کے ساتھ ختم ہوگئیں ۔ (ت)

دیکھو کنیز مولٰی یا عورت شوہر کے لیے یا نانبائی مزدوری پر روزے میں کھانا پکاتے تو اسے نمک چکھنا جائز نہیں بتاتے جبکہ مولٰی و شوہر و مستاجر خوش خلق و حلیم ہوں کہ نمک کی کمی بیشی پر سختی نہ کریں گے اور کج خلق و بدمزاج ہوں تو روا رکھتے ہیں ، اور بچّے کو کوئی چیز چبا کر دینے میں شرط لگاتے ہیں کہ جب کوئی حیض یا نفاس والی عورت خواہ کوئی بے روزہ دار ایسا نہ ملے جو چبا سکے ، نہ بچّے کو دودھ وغیرہ اشیاء جن میں چبانے کی حاجت نہ ہو دے سکے اور ساتھ ہی یہ بھی فرماتے ہیں کہ چکھنے چبانے سے روزہ جاتا نہیں بلکہ احتمال ہے کہ شاید حلق میں چلا جائے ، لہذا بے ضرورت ناجائز ہوا مگر یہ نہیں فرماتے کہ سرے سے پکانا ہی حلال نہیں ۔ ابھی گزر چکا کہ غلام و کنیز ایسے احکام میں اطاعتِ مولٰی نہ کریں ، پھر زن و اجیر تو دوسرے درجے میں ہیں ، اور پُر ظاہر کہ نمک ہرگز حلق میں چلے جانے کا سبب کُلی یا اغلبی کیسا ، سبب مساوی بھی نہیں ، ہاں احتمالِ قریب ہے ۔ و لہذا محقق علی الاطلاق نے بلفظِ احتمال ہی تعبیر فرمایا ، اب پکانے کی ان اجازتوں کا منشا دو حال سے خالی نہیں یا تو امر وہی ہے کہ دخولِ دخان جبکہ شرعاً دائرۂ مفطرات سے خارج ہو چکا مدار کار حقیقۃً قصد ادخال پر رہا ، بغیر اس کے جب افطار ہی نہیں تو اس کے قرب و تعریض میں کراہت کیوں ہو ، یا اگر قصد سبب اغلب قصد مسبب ٹھہرا تو وہ جب

---

[1] بحر الرائق باب ما یفسد الصوم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۷۹-۸۰

[2] فتح القدیر باب ما یوجب القضاء و الکفارۃ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۶۸

کہ دخولِ دخان کے لیے طبخ وغیرہ کی سبیت اُس سے بھی اضعف ونادرتر ہو جو دخول شوربا کے بلیے ذوق کی اور فی الواقع تجربہ بھی اس کی ندرت کا گواہ، دُھواں جب حلق میں جاتا ہے اس کی تلخی محسوس ہوتی اور طبیعت کی واقعہ فوراً دفع کرتی ہے، اور جب دماغ میں جاتا اس کی سوزش معلوم ہوتی اور دماغ کو اذیت دیتی ہے، یہ حالت کھانا پکانے والوں کو شاذونادر واقع ہوتی ہے نہ کہ ہر وقت یا ہر روز، تو دُھوئیں سے دُور و جُدا کھڑا ہونا اور بھی زیادہ سبب شاذتر ہوگا، اُس کے قصد کو قصدِ مسبب کہنا کیونکر ممکن، لاجرم یہاں اگر ہوگا تو وہی محض دخول جسے تمام کُتب میں تصریحاً فرمایا کہ ہرگز مفسدِ صوم نہیں، بالجملہ اصول وفروعِ شرعیہ پر نظر ظاہر اسی طرف منجر کہ اسباب علی الاطلاق ساقط النظر، ولہذا جس طرح رمضان مبارک میں نہانا، دریا میں جانا حرام نہ ہوا حالانکہ اس کے سبب کان میں پانی بھی چلا جاتا ہے۔ دن کو کھانا پکانا اور کاموں کے لیے آگ جلانا حرام نہ ہوا، بھڑبھونجوں، نانبائیوں، حلوائیوں، لوہاروں، سناروں وغیرہم کی دُکانیں قطعاً معطل کر دینا واجب نہ ہوا حالانکہ ان میں دُھوئیں سے ملابست ہے۔ جراروں، قصابوں، شکرسازوں، حلوافروشوں کا بازار ہڑتال کر دینا لازم نہ ہوا کہ کثرتِ مگس کا موجب ہے۔ دن کو چکی پیسنا، غلہ پھٹکنا، باہر نکلنا گلیوں میں چلنا حرام نہ ہوا۔ حالانکہ وہ غالباً غبار سے خالی نہیں ہوتیں۔ یونہی دن کو مساجد بلکہ گھروں میں بھی جھاڑو دینا خصوصاً صدرِ اوّل میں کہ فرش کچے ہوتے تھے۔ عطاروں کا دوائیں کُوٹنا، مزارعوں کا غلہ ہوا پر اڑا کر صاف کرنا۔ معماروں کا مٹی کی دیوار گرانا۔ مسافروں کا خوب چلتی ہوئی ریگستان میں سفر کرنا۔ فوجِ صائمین کا گھوڑوں پر سوار نرم زمینوں سے گزرنا کہ غالباً دخول غبار کے اسباب ہیں ان کی حرمت بھی کہیں مذکور نہیں بلکہ فوجی مجاہدوں کا روزہ احادیث سے ثابت اور بے ضرورت کُلی کا جواز تو صراحۃً منصوص بہرحال اس قدر تو قطعی یقینی کہ اسباب غیر غالبہ کلیۃً ناملحوظ، ولہذا علمائے کرام نے بخور کے سبب فسادِ صوم ہونے کی یہی تصویر فرمائی کہ اگر دان پر محتوی ہوجائے یعنی ایسا جھک جائے کہ گویا وہ اس کے جسم کے اندر اور اس کا بدن اس پر مشتمل ہے اور شرنبلالیہ وامداد و مراقی وطحطاوی و شامی و مجمع الانہر میں تو اس پر بھی قناعت نہ فرمائی کہ آواہ الی نفسہ[1] بخوردان کو اپنے بدن کے متصل کرلیا بلکہ صراحۃً اس پر زیادت کی واشتم دخانہ[2] قریب کرکے اس کا دُھواں اُوپر کو سُونگھا، یہ خاص قصد ادخال اور اس کا مفطر ہونا بے مقال اور صورتِ سوال پر حکم افطار باطل خیال ھکذا ینبغی التحقیق واللہ سبحانہ ولی التوفیق والحمد للہ رب العالمین

---

[1] مراقی الفلاح مع حاشیہ طحطاوی باب فی بیان مالایفسد الصوم نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۶۱

[2] غنیہ ذوی الاحکام حاشیہ درر الحکام باب موجب الافساد مطبعہ کامل الکائنہ دار سعادت مصر ۱/۲۰۲

(تحقیق کا حق یہی تھا اللہ سبحانہٗ ہی توفیق کا مالک ہے والحمدللہ رب العالمین ۔ ت) اور اس پر ایجاب کفارہ تو صریح بہتان ۔ کفارہ کے لیے جنایت کاملہ چاہئے اور بے قصد و بے ارادہ کون سی جنایت کاملہ ہوسکتی ہے، اگر بفرضِ غلط اس صورت میں روزہ جانا بھی ٹھہرا لیجئے تو کیا شرع سے کوئی اس کی نظیر بتا سکتا ہے کہ بلا قصد جو افطار واقع ہوا اس میں حکمِ کفارہ دیا گیا ہو، بھلا یہ تو بلا ارادہ حلق یا دماغ میں دُھواں جاتا ہے، بلا تعمد جماع بھی تو موجبِ کفارہ نہیں جو اکبر و اشنع مفطرات ہے ۔ تنویر الابصار میں ہے :

ان جامع فی رمضان اداء او اکل او شرب عمدا قضی و کفر[1]

اگر ادائے رمضان میں عمداً جماع کیا یا کھا پی لیا تو قضاء و کفارہ دونوں لازم ہوں گے ۔ (ت)

درمختار میں ہے : عمدا راجع للکل[2] (قصداً کی قید ہر ایک سے متعلق ہے ۔ ت)

ردالمحتار میں ہے :

المراد تعمد الافطار والناسی وان تعمد استعمال المفطر لم یتعمد الافطار[3]

یہاں ارادۃً افطار مراد ہے، بھول جانے والا اگرچہ کھانے پینے کا قصد تو کرتا ہے مگر اس کا افطار کا ارادہ نہیں ہوتا ۔ (ت)

یہ مسئلہ بدیہیاتِ فقہیہ سے ہے حاجتِ ایضاح سے غنی ۔

قلت وانما اطنبنا الکلام فی ھذا المقام حرصا علی احکام الاحکام وادغام الاوھام احترا سا ان لایعثر عاثر حین یعثر علی بحث للعلامۃ الشرنبلالی فی ھذا المرام حیث قال رحمہ اللہ تعالٰی فی غنیۃ ذوی الاحکام قولہ اودخل حلقہ غبار او اثر طعم الادویۃ فیہ لانہ لایمکن الاحتراز منہا اھ لدخولہ من الانف اذا اطبق الفم کما فی الفتح قلت فھذا یفید

قلت ہم نے اس مقام پر اتنی طویل گفتگو اس لیے کی ہے تاکہ احکام میں استحکام اور اوہام کا ازالہ ہو اور اگر آپ علامہ شرنبلالی کی بحث پر مطلع ہو تو وہاں ہر کسی کے اعتراض سے محفوظ ہوجائیں انھوں (رحمہ اللہ تعالٰی) نے غنیہ ذوی الاحکام میں فرمایا قولہ یا روزہ دار کے حلق میں غبار یا ادویات کا ذائقہ داخل ہوجائے کیونکہ اس سے احتراز ممکن نہیں اھ کیونکہ اگر منہ بند بھی ہو تو ناک کے ذریعے دخول ہوجائیگا' جیسا کہ فتح القدیر میں ہے ۔ قلت یہ عبارت بتا رہی ہے

---

[1] تنویر الابصار متن درمختار باب مایفسد الصوم ومالایفسدہ مجتبائی دہلی ۱/۱۵۱
[2] درمختار " " " " "
[3] ردالمحتار " مایفسد الصوم مصطفی البابی مصر ۲/۱۱۸

انہ اذا وجد بدا من تعاطی مایدخل غبارہ فی حلقہ افسد لوفعل[1] اھ وقال السید الطحطاوی فی حاشیۃ علی المراقی وعلی الدر واللفظ للاولی قولہ اودخل حلقہ غبار الخ بہ عرف حکم من صناعتہ الغربلۃ اوالاشیاء التی یلزمھا الغبار وھوعدم الصوم وفی سکب الانھرعن المؤلف ولووجد بداً من تعاطی مایدخل الخ ویدل علیہ التعلیل بعدم امکان التحرز[2] اھ وقال السید الشامی فی ردالمحتار قولہ لعدم امکان التحرز عنہ ھذا یفید انہ اذا وجد بدا من تعاطی الخ شرنبلالیہ[3] اھ ملخصا فیظن ان ما نحن فیہ من باب تعاطی سبب ممکن التحرز عنہ وحقیقۃ الامر ان العلامۃ الباحث رحمہ اللہ تعالٰی لاینکران مدارالاحکام ھٰھنا علی التفرقۃ بین الدخول والادخال فحسب اما سمعت الی ما مرمن قولہ فی متنہ لایفسد الصوم

اگرایسے کام میں مشغولیت سے چارہ ہوجس سے غبار حلق میں داخل ہوجاتی ہے تو اب اگر عمل کیا توروزہ فاسد ہوجائے گا اھ سید طحطاوی نے حاشیہ مراقی اور حاشیہ درمیں کہا ہے اوریہ عبارت پہلی کتاب کی ہے قولہ یا غبارروزہ دار کے حلق میں داخل ہوگئی الخ اس سے ان لوگوں کا حکم معلوم ہوگیا جو گیہوں چھانتے یا ایسے کام کرتے ہیں جن کے ساتھ غبار لازمی ہے اور وہ ہے روزہ کا نہ ہونا، سکب الانہر میں مؤلف سے ہے اگر ایسے کام سے بچنے کا چارہ ہوجس سے دخول غبار ہوتا ہے اب اگر ایسا عمل کیا تو روزہ فاسد ہوجائے گا، دلیل یہ علت ہے کہ اس سے بچنا ممکن نہیں اھ سید شامی نے ردالمحتار میں فرمایا قولہ "اس سے بچنا ممکن نہیں" یہ واضح کررہا ہے کہ اگر بچنا ممکن ہو تو الخ شرنبلالیہ اھ تو اس سے گمان کرلیا گیا ہے کہ زیر بحث مسئلہ ان میں سے ہے یہاں غبار والے سبب میں مشغول ہونے سے بچنا ممکن ہے اور حقیقت امر یہ ہے کہ علامہ رحمہ اللہ تعالٰی اس بات کے منکر نہیں کہ احکام کا مدار یہاں فقط دخول اور ادخال کے فرق پر ہے کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ متن کے حوالے سے پیچھے گزرا کہ روزہ اس صورت میں فاسد ہوگا

---

[1] غنیہ ذوی الاحکام حاشیہ دررالحکام باب موجب الفساد احمد کامل الکائنۃ دار سعادت مصر ۱/۲۰۲

[2] طحطاوی علی مراقی الفلاح باب بیان مالایفسد الصوم نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۶۲

[3] ردالمحتار باب مایفسد الصوم ومالایفسدہ مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۶

ولو دخل حلقه دخان بلاصنعه[1] وشرحیه له وحاشیته علی الدر من قولــه فیما ذکرنا اشارۃ الی انه من ادخل بصنعه فسد صومه[2] وقولـه لامکان التحرز عن ادخال المفطر[3] ولذا لما اقتصر العلامۃ المدقق العلائی فی الدر علی تلخیص کلام الشرنبلالی لم یلخص الاحرفا واحدا وھو التفرقۃ بالدخول والادخال کما اسمعناك نصه وانما مطمح نظره و ملمح بصرہ رحمه اللہ تعالٰی ما القینا علیك ان السبب اذا کان مفضیا ولا بد کان قصدہ قصد المسبب فکان من باب الادخال بصنعه، وانما یستقیم ان استقام فیما یفضی قطعا او ظنا غالبا ومن الدلیل علیه نوطه فی الکتب الثلثۃ حکم الفساد بمجرد تعاطی تلك الاسباب حیث قال "افسد لو فعل" ولم یقل "لو فعل ودخل" فانما ینظر الی ان فعله یوجب الدخول فاجتزأ بذکرہ عنه والا فلا یتوھم عاقل فضلا عن فاضل فضلا عن مثل ھذا الفاضل ان

جب دُھواں حلق میں بلاقصد وعمل داخل ہُوا، اس کی دونوں شروحات اور حاشیہ درر کے حوالے سے یہ قول بھی گزرچکا کہ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ روزہ دار نے اگر خود دُھوئیں کو داخل کیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا، قولہ کیونکہ اس صورت میں روزہ توڑنے والی اشیاء کے ادخال سے احتراز ممکن ہے اس لیے در میں علامہ مدقق علائی نے شرنبلالی کے کلام کی تلخیص کرتے ہُوئے صرف ایک حرف کی تلخیص کی ہے اور وہ دخول اور ادخال میں فرق ہے جیسا کہ پیچھے ہم نے ان کے الفاظ آپ کے سامنے رکھے، جو ہم نے بیان کیا اس سے علامہ رحمہ اللہ تعالٰی کا مطمحِ نظر یہ ہے کہ سبب اگر لازمی طور پر مفضی ہے تو اس سبب کا قصد مسبب کا ہی قصد ہوگا تو یہ ادخال بالقصد کے باب سے ہوگا، اگر یہ درست ہے تو یہ صرف وہاں ہی ہوگا جہاں سبب قطعی یا ظنِ غالب کے طور پر مفضی ہوگا اس پر دلیل یہ ہے کہ تینوں کتب میں حکم فساد کا مدار محض ان اسباب میں مشغول ہونے کو قرار دیا ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں "اگر اس نے ایسا کیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا"، یہ نہیں کہا "اگر کیا اور داخل ہوگیا"، کیونکہ ان کی نظر اس پر تھی کہ ایسے اسباب کا کرنا ہی دخول کا موجب ہے لہذا اس کے ذکر پر اکتفاء فرمایا ورنہ کوئی عاقل چہ جائیکہ ایسا فاضل یہ بات کہے کہ محض ان کاموں

---

[1] نور الایضاح باب ما یفسد الصوم مطبع علیمی لاہور ص ۶۴

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ طحطاوی باب فی بیان ما لا یفسد الصوم نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۶۱

[3] غنیۃ ذوی الاحکام مع حاشیۃ درر باب موجب الافساد مطبعہ احمد کامل الکائنہ دار سعادۃ مصر ۱/۲۰۲

مجرد تعاطی تلك الافعال یفسد الصوم و
ان لم یدخل شیئ ثم هو رحمه الله تعالٰی
دار یقینًا ان الکینونة فی بیت فیه بخور
لیس سببا غالبا لدخول الدخان ولذا
علق الفساد فی کتبه الثلثة بایوائه الی
نفسه بل ولم یقنع به حتی زاد واشتم
دخانه فقد وضح اتضاح الشمس فی رابعة
النهار ان لامساس بمسألتنا لما بحث العلامة
الفاضل هنا۔

میں مشغول ہونا روزہ توڑ دیتا ہے اگرچہ کوئی شیئ داخل
نہ ہوئی ہو، پھر علامہ رحمہ اللہ تعالٰی یہ بھی یقینًا جانتے ہیں
کہ جس گھر میں بخور ہو وہاں موجود ہونا دھوئیں کے دخول
کا سبب غالب نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ تینوں کتب میں
یہ قید لگائی ہے کہ اسے اپنے قریب کرے بلکہ اس پر
بھی اکتفاء نہ کیا حتی کہ یہ زائد کیا کہ اس کا دھواں سونگھے
اب تو روشن دن کی طرح واضح ہوگیا کہ علامہ فاضل نے
جو یہاں کہا ہے اس کا تعلق ہمارے زیر بحث مسئلہ
سے نہیں ہے۔

ثم اقول وبه ظهر ولله الحمد انه
لایرد علی بحثه ماقدمنا من
مسائل الطبخ والدق والاغتسال
وخوض الماء والطحن والسف ودخول
الطرقات وامثالها فهذا غایة ما وصل
الیه ذهنی القاصر فی تصحیح بحثه لکن
یرد علیه من المنصوصات مسألة المضمضة
ورودًا لامرد له فانها سبب اغلبی بل کلی
لدخول البلل ولم یکن تعاطیها ولو
بلاضرورة بل بلاحاجة لیفسد الصوم
بالاجماع وان قیل فی النوادر بکراهتها
ولعل مجیبا یجیب بان لیس الحامل
فیه علی الحکم بعدم الفطر مجرد امتناع
التحرز بل وشیئ اٰخر و
هو کونه قلیلا تابعا للریق کما قالوا فی
لحم بین اسنانه قال فی الهدایة لو

ثم اقول بحمد اللہ اس سے واضح ہوگیا کہ جو
ہم نے پیچھے مسائل بیان کئے مثلاً کھانا پکانا، پیسنا،
غسل کرنا، پانی میں غوطہ لگانا، چکی پیسنا، غلہ پھٹکنا اور
گلیوں میں چلنا وغیرہ، یہ سب علامہ کی بحث کا رد نہیں
کرتے۔ علامہ کی بحث کی تصحیح میں بندہ کا ذہن قاصر
اسی انتہائی مقام پر پہنچا ہے لیکن اس پر منصوصات
میں سے مسئلہ کلی کرنا ایسا وارد ہوتا ہے جس کا جواب
نہیں کیونکہ وہاں تری کا دخول سبب اغلب ہی نہیں
بلکہ کلی سبب ہے اور روزہ دار کا اس میں مشغول ہونا
اگرچہ بلاضرورت بلکہ بلاحاجت ہو حالانکہ اس
صورت میں روزہ بالاتفاق نہیں ٹوٹتا، اگرچہ کہا جائے
کہ نوادر میں ہے کہ اس میں کراہت تو ہے تو شاید جواب
دینے والا یہ کہے کہ کلی میں عدم فطر کے حکم کا باعث محض
احتراز کا امتناع ہی نہیں بلکہ ایک اور شیئ بھی ہے اور
وہ اس کا قلیل اور تھوک کے تابع ہونا ہے جیسا کہ
فقہاء نے اس گوشت کے بارے میں کہا ہے جو

اکل لحما بین اسنانه فان کان قلیلا لم یفطر لان القلیل تابع لاسنانه بمنزلۃ ریقہ، بخلاف الکثیر لانہ لایبقی فیما بین الاسنان والفاصل مقدار الحمصۃ ومادونہا قلیل[1] اھ۔

دانتوں میں پھنس جاتا ہے۔ ہدایہ میں ہے کسی نے دانتوں کے درمیان پھنسا ہوا گوشت کھالیا اگر وُہ تھوڑا تھا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا کیونکہ قلیل دانتوں کے تابع ہونے کی وجہ سے بمنزل تھوک ہوگا بخلاف کثیر کے، کیونکہ وُہ دانتوں کے درمیان باقی نہیں رہ سکتا اور قلیل وکثیر میں فرق یوں ہے کہ اگر چنے کی مقدار ہو تو کثیر اور اس سے کم ہو تو قلیل اھ۔

اقول ولایجدی فان عدم الافطار ھھنا ایضا انما ھو معلل بعدم امکان التحرز، فرجع الامر الی ما وقع، قال فی الفتح وانما اعتبر تابعا لانہ لایمکن الامتناع عن بقاء اثر ما من الماکل حوالی الاسنان وان قل ثم یجری مع الریق التابع من محلہ الی الحلق فامتنع تعلیق الافطار بعینہ فیعلق بالکثیر وھو مایفسد الصلوۃ لانہ اعتبر کثیرا فی فصل الصلوۃ ومن المشائخ من جعل الفاصل کون ذلک مما یحتاج فی ابتلاعہ الی الاستعانۃ بالریق اولا الاول قلیل والثانی کثیر وھو حسن لان المانع من الحکم بالافطار بعد تحقق الوصول کونہ لایسھل الاحترازعنہ وذلک فیما

اقول یہاں یہ بات بھی مفید نہیں کیونکہ روزہ نہ ٹوٹنے کی وجہ یہی بیان کی گئی کہ تری سے بچنا ممکن نہیں تو معاملہ پھر اسی طرف لوٹ آیا جہاں تھا، فتح میں ہے تابع اس لیے قرار دیا کہ کھانے کے بعد دانتوں کے اردگرد پر اثر کا باقی نہ رہنا ناممکن ہے اگرچہ وہ اثر بہت قلیل ہو پھر وُہ تھوک کے ساتھ اپنی جگہ سے حلق کی طرف چلا جاتا ہے تو اب روزہ ٹوٹ جانے کو بعینہٖ اس اثر کے ساتھ متعلق کرنا ممکن نہ رہا، ہاں کثیر سے متعلق ہوگا اور وُہ اتنی مقدار ہے جو نماز کو فاسد کردے کیونکہ اسے نماز کے معاملہ میں کثیر اعتبار کیا گیا ہے، مشائخ میں سے بعض نے قلیل وکثیر میں یوں فرق کیا کہ اس شیئ کو نگلنے کے لیے تھوک کی مدد کی ضرورت ہے یا نہیں، اگر مدد درکار ہے تو قلیل ورنہ کثیر، اور یہ بہت خوب فرق ہے کیونکہ جوف میں وصول کے بعد روزہ نہ ٹوٹنے کے حکم میں مانع صرف یہ ہے کہ اس سے احتراز آسان نہ تھا اور یہ بات اس میں

---

[1] الہدایۃ باب مایوجب القضاء والکفارۃ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/۱۹۸

يجری بنفسه مع الريق الى الجوف لا فيما
يتعمد فی ادخاله لانه غير مضطر فيه[1] اھ
وقد نقل كلامه العلامة الشرنبلالی
نفسه فی المراقی تصريحا و فی الغنية
تلويحا مقرا عليه ، وهذا ايضا بحمد
الله تعالٰی مشيد ارکان ما نحونا اليه
من ان المناط هو الفرق بالدخول والادخال
لاغير وان لا نظر فی الدخول الی کون
سببه مما يسهل التحرز عنه ،
الاترى ان الانسان غير مضطر الی
اکل ما يبقی شیئ منه فی اسنانه
کاللحم و امثاله بل يمکن الاجتزاء بمثل
اللبن ثم ان سلم له ان تعاطی الاسباب
الغالبة من باب الادخال المفطر لوجب
ان يکون مفطرا مطلقا و ان احتاج
اليها کما قدمنا بحقيقته فليس من
لم يکن عنده ما يغنيه يومه ولم يقدر علی
الاکتساب الا بحرفة غربلة و هرس
وخبز وطبخ و نحوها مما يدخل
فيه الغبار والدخان باجل ضرورة
واقل حيلة من مريض
او نائم او مکره او ذی مخمصة
فاذا لم يستحق اولئك اسقاط

جاری ہوسکتی ہے جو تھوک کے ساتھ جوف میں جائے ،
لیکن اس میں جاری نہیں ہوسکتی جس کا ادخال عمداً
ہو کیونکہ اس میں روزہ دار مجبور نہیں اھ علامہ شرنبلالی
نے یہ کلام مراقی میں تصریحاً اور غنیہ میں اختصار کے
ساتھ اسے ثابت رکھتے ہوئے نقل کیا ہے،
بحمداللہ یہ بھی ہماری اس گفتگو کی بنیادوں کو مستحکم
کرتا ہے کہ فرق کا مدار دخول اور ادخال پر ہے، اس
کے علاوہ کوئی فرق نہیں اور دخول میں اس طرف
نظر کرنا بھی مناسب نہیں کہ اس کا سبب ہونا ایسا
تھا جس سے بچنا آسان تھا ، کیا آپ ملاحظہ نہیں
کرتے کہ دانتوں میں جو بچ جاتا ہے مثلاً گوشت وغیرہ
تو انسان اس کے کھانے پر مجبور نہیں بلکہ انسان کا
اس سے محفوظ رہنا ممکن بھی ہے ، مثلاً دودھ وغیرہ
کے ذریعے ، پھر اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ ایسے اسباب
میں مشغول ہونا جن سے غالباً دخولِ غبار ہوجاتا ہے
اور روزہ ٹوٹ جاتا ہے ، تو ضروری ہوگا کہ یہ ہر حال
میں روزہ ٹوٹنے کا سبب بنے اگرچہ آدمی ان کا محتاج
ہو، جیسا کہ ہم پیچھے اس کی حقیقت بیان کر آئے،
تو وہ شخص جس کے پاس دن گزارنے کے لیے کوئی چیز
نہ ہو اور وہ آٹا چھاننے ، گھوڑا دوڑانے ، روٹی لگانے
اور پکانے وغیرہ جو دخولِ غبار کا سبب ہیں ان کے
علاوہ کسی کاروبار پر قادر بھی نہ ہو تو ایسا شخص مریض،
سونے والے ، مکرہ اور صاحبِ اضطرار سے ضرورت

---

[1] فتح القدیر باب ما یوجب القضاء والکفارۃ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۵۹-۲۵۸

حکم الفطر فانی یستحقہ من ھو دونھم وقد جری ھو بنفسہ فی متنہ علی تعمیم الغبار غبار الطاحونۃ فالاوفق الاوفق الالصق بالاصول بالقبول عندی ھو الاطلاق الذی جرت علیہ المتون و الشروح والفتاوی قاطبۃ الی اواسط القرن الحادی عشر حتی جاء العلامۃ الشرنبلالی فنظر ما نظر ولقد احسن واجاد فی کتبہ الثلثۃ اذ علق الفساد بالبخور علی اشتمام الدخان والعلم بالحق عند الملک المنان۔

میں زیادہ اور جلا میں کم نہیں ہوتا، تو جب مذکورہ لوگ اسقاط حکم افطار کے مستحق نہیں تو جوان سے کم درجہ کا معذور ہے وہ اسقاط کا کیسے مستحق ہوگا، علامہ نے خود متن میں عام غبار کا اعتبار کیا ہے جیسے چکی کی غبار، تو اصول کے زیادہ موافق و مناسب ہوگی اور قبول کے زیادہ لائق۔ میرے نزدیک وہ اطلاق ہے جس پر گیارھویں صدی کے وسط تک تمام متون شروحات اور فتاوٰی کی نقل جاری رہی حتی کہ علامہ شرنبلالی کا دور آیا تو انھوں نے اس پر غور وفکر کیا جو اُن کی شان کے لائق تھا، اُنھوں نے اپنی تینوں کُتب میں یہ لکھ کر بہت ہی خُوب کیا کہ بخور کا دُھواں قصداً سُونگھنے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے۔ حق کا علم مالک اور احسان فرمانے والے اللہ تعالٰی کے لیے ہے۔ (ت)

الحمدللہ یہ جواب عجاب، کاشف سواب و رافع حجاب اوائل ذی القعدۃ الحرام کے چند جلسوں میں تمام اور بلحاظ تاریخ "الاعلام بحال البخور فی الصیام" نام ہوا۔ وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا و مولانا محمد و اٰلہ وصحبہ وبارک وسلم، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۲۲۶: مسئولہ امانت علی شاہ ساکن قصبہ نواب گنج ضلع بریلی ۷ رمضان ۱۳۳۱ھ

اس سے پہلے میں نے آپ سے سوال کیا تھا کہ روزہ دار کو غوطہ لگانا چاہیے یا نہیں؟ اور سُرمہ لگانا چاہیے یا نہیں؟ تو ایک شخص کہتا ہے کہ غوطہ لگانا کیا بلکہ ناف کے اُوپر پانی پہنچ جائے گا تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اور سُرمہ بعد عصر کے لگانا چاہیے۔ اور ایک شخص نے یہ بھی کہا کہ سُرمہ لگا کر سونا نہ چاہیے، اور روزہ دار کو خوشبو سُونگھنا چاہیے یا نہیں؟ اور سر میں تیل ڈالنا چاہیے یا نہیں؟ اور بدن پر روغن ملنا چاہیے یا نہیں؟ اور ہلاس سُونگھنا چاہیے یا نہیں؟ اور مسواک کرنا چاہیے یا نہیں؟ اور مسواک کی لکڑی چبانا چاہیے یا نہیں؟ اور دانتوں میں خلال کرنا چاہیے یا نہیں؟ اور منجن ملنا چاہیے یا نہیں؟

الجواب

32
32

وہ شخص غلط کہتا ہے، پانی بدن کے اُوپر ہونے سے روزہ جائے تو نہانے سے بھی جائے، وضو سے بھی جائے۔ ہاں جوف کے اندر مسام کے سوا منافذ سے پہنچے تو روزہ جائے گا مگر غوطے میں ایسا نہیں، غوطہ لگا کر کھلے ہُوئے منفذ نتھنوں کو دیکھئے کہ ان میں بھی پانی نہیں پہنچتا اور سُرمہ بھی ہر وقت لگانے کی اجازت ہے اور لگا کر سو بھی سکتا ہے اور سونے سے بھی کھنکھار میں سُرمہ کی رنگت آجائے تو کچھ حرج نہیں کہ یہ مسام سے پہنچا اور آنکھوں میں معاذ اللہ کان یا ناک کے سوراخ نہیں کہ اُن میں داخل روزہ کو مضر ہو۔ روزہ دار خوشبو سُونگھ سکتا ہے، سُونگھنے سے جس کے اجزاء دماغ میں نہ چڑھیں بر خلاف اگر لوبان کے دُھوئیں کے کہ اسے سونگھ کر دماغ کو چڑھ جائیگا تو روزہ جاتا رہے گا۔ روزہ دار سر میں روغن ڈال سکتا ہے کہ یہ بھی مسام میں کوئی منفذ نہیں۔ بدن پر بھی روغن مل سکتا ہے مل کر خوب جذب کر سکتا ہے، ہاں مثلاً کان میں نہیں ڈال سکتا، اگر ڈالے گا روزہ جاتا رہے گا۔ روزہ دار کو نا س لینا حرام ہے اُس کا کوئی ذرہ دماغ کو پہنچا تو روزہ جاتا رہے گا۔ مسواک کرنا سنّت ہے، ہر وقت کر سکتا ہے، اگرچہ تیسرے پہر یا عصر کو چبانے سے لکڑی کے ریزے چھوٹیں یا مزہ محسوس ہو تو نہ چاہئے۔ خلال کرنے میں تو کوئی مضائقہ نہیں مگر رات کا دانتوں میں کچھ بچا رکھنا نہ چاہئے جسے دن کو خلال سے نکالے، ہاں سحری کھا کر فارغ ہُوا تھا کہ صبح ہوگئی تو اب ہی خلال کرے گا اس کا حرج نہیں، روزہ میں منجن مَلنا نہ چاہئے۔

باب القضا والکفارۃ

مسئلہ ۲۲۷ از بنگالہ ضلع کمرلا پرگنہ سرائل ڈاک خانہ ہرن بیڑ موضع بھوپن مرسلہ عاصم علی صاحب ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میت کے نماز وروزہ وغیرہ کے کفارے کے عوض میں قرآن شریف کو حیلہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مع دلائل قویہ وحوالہ کتب معتبرہ ارشاد فرمایا جائے کیونکہ اس ملک بنگالہ میں اکثر علماء حیلۂ مذکورہ کو جائز رکھتے ہیں اور جو ناجائز کہتا ہے اُس کے ساتھ جھگڑنے پر آمادہ ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دلیل بیان کرو، اس لیے حضور پُرنور کو تکلیف دی جاتی ہے۔ بیّنوا بالدلیل توجروا عند الجلیل (دلیل کے ساتھ بیان کرو اور اللہ تعالٰی سے اجر پاؤ۔ت)

الجواب

یہ حیلہ دو طور پر ہے:

اوّل یہ کہ نماز روزے وغیرہ جس قدر ذمہ میت ہوں سب کے کفارے میں خود قرآن مجید ہی مسکین کو دے دیا جائے یعنی مصحف مبارک ہی کو اُن فرائض کا معاوضہ وکفارہ بنالیا جائے، یہاں جہاں اسی طرح کرتے ہیں اُن کا خیال ہے کہ قرآن عظیم بے بہا چیز ہے اُس کی قیمت کا کون اندازہ کرسکتا ہے تو اگر لاکھوں کفارے ہوں ایک مصحف میں سب ادا ہوجائیں گے، ولہذا انھیں میت کی عمر اور اس کی قضاء

نمازوں روزوں کا حساب کرنے کی بھی حاجت نہیں ہوتی کہ حساب تو جب کیجئے کہ کچھ کمی کا احتمال ہو اور جہاں ہر طرح یقیناً زیادہ ہی چیز دی جارہی ہے وہاں حساب کس لئے۔ یہ طریقہ یقیناً قطعاً باطل و مہمل ہے شرع مطہر نے کفارے میں مال معین فرمایا ہے کہ ہر نماز ہر روزے کے عوض نیم صاع گندم یا ایک صاع جَو یا اُن کی قیمت۔ اور اس سے مقصودِ شرع اِدھر نفع رسانی مساکین ہے اُدھر اپنی رحمتِ کاملہ سے ترکِ فرائض پر مالِ جرمانہ لے کر ان شاء اللہ بندہ تارک کو مطالبہ سے سبکدوش فرمانا، ولہذا ہر نماز و روزہ کے ایک مقدارِ مالِ معین فرمائی کہ جرم کم و زائد میں امتیاز رہے، جس نے تھوڑے چھوڑے ہیں تھوڑا مال دے کر پاک ہوجائے، جس نے زیادہ چھوڑے اس پر اُسی حساب سے جرمانہ بڑھتا جائے، مصحف شریف میں دو لحاظ ہیں، ایک کاغذ و سیاہی و جلد کا اعتبار، اس لحاظ سے وہ ایک مال ہے اور اسی لحاظ سے اس کی بیع و شرا ہوتی ہے، یہاں بھی اس کی قیمت وہی ہے جتنے پر بازار میں ہدیہ ہو، روپیہ دو روپیہ یا دس پندرہ جو حیثیت ہو اسی لحاظ سے وہ کفارے میں دیا جاسکتا ہے تو بازار کے بھاؤ سے جتنے داموں پر ہدیہ ہو اُسی قدر مال دینا ٹھہرے گا، اور کفارہ ادا ہوا تو صرف اُتنے ہی نماز روزوں کا ادا ہوگا جو ان داموں کے مقابل ہوں مثلاً روپے کے پانچ صاع گیہوں آتے ہیں اور یہ مصحف شریف کہ دیا گیا دو روپے ہدیہ کا تھا تو گویا دس صاع گیہوں دئے گئے کہ صرف بیس نمازوں یا بیس روزوں کا عوض ہوئے، دو چار روپے مالیت کی چیز سے عمر بھر کی نمازوں کا کفارہ کیونکر ادا ہوسکتا ہے۔ دوسرا لحاظ اُس کلام کریم کا اعتبار ہے جو اُس میں لکھا ہے اصلاً مال نہیں بلکہ وہ اس احد صمد جل وعلا کی صفت قدیمہ کریمہ اُس کی ذاتِ پاک سے قائم اور اُس کے کرم سے ہمارے ورقوں، ہمارے سینوں، ہماری زبانوں، ہماری آنکھوں، ہمارے کانوں، ہمارے دلوں پر کتابت و حفظ و تلاوت و نظر و سماعت و فہم میں متجلی ہے، فلوجهه الكريم الحمد كما ينبغي لجلاله وعظم جوده وافضاله، عوام نے سچ کہا کہ وہ بے بہا ہے اور غلط سمجھا کہ اُس کی قیمت حد سے سوا ہے بلکہ وہ بے بہا بایں معنیٰ ہے کہ تقویم و مالیت سے پاک و ورا ہے بایں معنیٰ وہ کفارہ نہیں ہوسکتا کہ کفارہ مال سے ہوتا ہے اور وہ مال نہیں۔ ہدایہ میں ہے:

لا قطع فی سرقة المصحف لانه لامالیة له علی اعتبار المکتوب واحرازه لاجله لا للجلد والاوراق[1]

چوری مصحف میں قطع ید نہیں کیونکہ مکتوب کے اعتبار سے یہ مالیت سے بالاتر ہے باقی اس کی حفاظت مکتوب کی وجہ سے ہوئی ہے نہ کہ جلد اور اوراق کی وجہ سے۔ (ت)

[1] ہدایہ باب ما یقطع فیہ وما لا یقطع المکتبۃ العربیہ کراچی ۲/ ۵۲

فتح القدیر میں ہے:

لافی سرقۃ المصحف وقال الشافعی یقطع وھو روایۃ عن ابی یوسف لانہ مال محرز یباع ویشتری ولان ورقہ مال وبماکتب فیہ ازداد بہ ولم ینتقص وجہ الظاہر ان المالیۃ للتبع وھی الاوراق لاالمتبوع وھوالمکتوب[1]

مصحف کی چوری سے قطعِ ید نہیں، اور امام شافعی نے کہا قطع ید ہے۔ امام ابو یوسف سے بھی ایک روایت یہی ہے کیونکہ یہ مال محفوظ ہے، بیچا اور خریدا جاتا ہے اور اس لیے بھی کہ اس کے اوراق مال ہیں اور جو کچھ اس میں تحریر ہے اس سے مالیت میں اضافہ ہوگا نہ کہ کمی۔ ظاہر مذہب کی دلیل یہ ہے کہ مالیت تابع یعنی اوراق کی ہیں نہ کہ متبوع کی جو کہ مکتوب ہے (ت)

اسی طرح کافی شرح وافی وتبیین الحقائق وبحرالرائق و ردالمحتار وغیرہا معتمدات اسفار میں ہے۔ بالجملہ مصحف میں جو چیز بے بہا ہے یعنی قرآن وہ مال نہیں کہ کفارہ بن سکے اور جو مال ہے یعنی کاغذ و جلد وہ بے بہا نہیں کہ عمر بھر کی نماز روزوں کا بدلہ ہوسکے، کاغذ کے اعتبار سے مال ٹھہرانا اور مکتوب کے لحاظ سے بیحد قیمت سمجھ کر میت کی تمام عمر بلکہ ہفت پشت کا کفارہ کرنا ایسا ہے جیسے زید پر کسی کے لاکھ روپے آتے ہوں وہ اس کے بدلے ایک روپے کا مصحف شریف بلکہ ایک آنے کا کوئی پارہ دے کر ادا ہوجانا چاہئے کہ یہ لاکھوں کروڑوں روپے کا ہے بے بہا ہے یُوں تو ایک آیت بلکہ ناخن برابر کاغذ پر ایک اسم اللہ لکھ کر دے دیجئے اور کروڑوں روپے کا قرضہ اتار دیجئے کہ دُنیا و مافیہا ایک اسم جلالت کی قیمت نہیں ہوسکتی جیسے بندوں کے دین میں یہ حیلہ پیش نہیں کیا جاتا ویسے ہی رب العزت عزجلالہٗ کے دین میں۔ حدیث میں ارشاد ہُوا، فدین اللہ احق ان یقضی[2] (اللہ تعالٰی کا دین زیادہ حق رکھتا ہے کہ اسے پورا کیا جائے۔ ت)

دُوسرا طریقہ یہ کہ میت پر جس قدر نماز روزے وغیرہا قضا ہوں سب کا حساب لگائیں اور اس کا کفارہ معین کریں کہ مثلاً ہزار من گندم ہوئے مصحف شریف اُتنے گیہوں یا اُن کی قیمت کے عوض مسکین کے ہاتھ بیع کریں وُہ قبول کرلے مصحف تو اس نے پایا اور اس پر ہزار من گندم یا مثلاً تین ہزار روپے ثمن مصحف کے دین ہوگئے۔ اب اس سے کہیں کہ اتنے گیہوں یا روپے جو ہمارے تجھ پر واجب الادا ہیں وہ ہم نے فلاں میّت کے کفارہ میں تجھے دئے، فقیر کہے میں نے قبول کیے۔ یہ حیلہ قرآن عظیم کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر کتاب یا کپڑے یا

---

[1] فتح القدیر باب مایقطع فیہ ومالایقطع المکتبۃ العربیۃ کراچی ۵/۱۳۲

[2] صحیح بخاری باب من مات وعلیہ صوم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۶۲

برتن و اشالہاسے ہوسکتا ہے، دہلی کے متاخرین علماء نے یہ حیلہ لکھا مگر نظرِ فقہی میں یہ بھی صحیح نہیں آتا، فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اس کی تحقیق منیر اپنے فتاوٰی میں ذکر کی یہاں اسی قدر کافی کہ کفارے میں مال دینا چاہئے اور دین کو ساقط کردیا مال نہیں۔ تبیین الحقائق میں ہے:

لوکان لہ دین علی فقیر فابرأہ منہ سقط زکوتہ عنہ لانہ کالہلاک فلو ابرأہ عن البعض سقط زکوۃ ذلك البعض لماقلنا وزکوۃ الباقی لاتسقط عنہ ولونوٰی بہ الاداء عن الباقی لان الساقط لیس بمال والباقی یجوز ان یکون مالا فکان الباقی خیرامنہ فلایجوز اساقط عنہ[1]۔

اگر کسی کا فقیر پر قرض تھا معاف کرکے قرض سے اسے بری کردیا تو اس قرض کی زکوٰۃ ساقط ہوجائے گی کیونکہ ہلاک ہونے والے مال کی طرح ہے اور اگر کچھ معاف کیا تو مذکورہ دلیل کی بنا پر اتنے حصہ کی زکوٰۃ ساقط ہوجائے گی لیکن باقی حصہ کی زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی اگرچہ وہ ساقط ہونیوالے حصہ کو باقی کی زکوٰۃ میں شمار کرے کیونکہ ساقط ہونے والا مال نہیں اور باقی رہنے والے کا مال ہونا ممکن ہے اور بقیہ حصہ اس سے بہتر ہے لہذا اس سے اسقاط جائز نہ ہوگا۔ (ت)

بلکہ ضرور ہے کہ وہ دین اس سے وصول کرکے قبضہ میں لاکر پھر کفارے میں دیں۔ درمختار میں ہے:

اوصی لصلواتہ وثلث مالہ دیون علی المعسرین فترکہا الوصی لہم عن الفدیۃ لم تجزہ ولابد من القبض ثم التصدق علیہم[2] اھ وتمام الکلام علی ازالۃ الاوہام فی فتاوٰنا فلیراجعہا من یتخالج فی صدرہ شیئ ولایعجل، واللہ تعالٰی اعلم۔

کسی نے اپنی نمازوں کے لیے وصیت کی اس حال میں کہ اس کا ثلث مال تنگ دستوں پر قرض تھا تو وصی نے نمازوں کے فدیہ کے طور پر ان تنگ دستوں کا قرض چھوڑدیا تو یہ کافی نہ ہوگا کیونکہ پہلے اس مال پر قبضہ ضروری ہے اس کے بعد ان پر صدقہ کرنا جائز ہوگا اھ ازالۃ اوہام کے لیے تفصیلی گفتگو ہمارے فتاوٰی میں ہے، جس کے سینے میں کوئی شے کھٹک رہی ہو وہ اس کا مطالعہ کرے اور جلد بازی سے کام نہ لے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۲۳: از بلگرام ضلع ہردوئی محلہ میدان پورہ مرسلہ حضرت سید ابراہیم میاں صاحب ۱۴ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ
شب سہ شنبہ ۱۲ رمضان المبارک کو ہم لوگوں کی آنکھ قریب ساڑھے چار بجے کھُلی، جلد جلد ہم لوگوں نے

---

[1] تبیین الحقائق | کتاب الزکوٰۃ | المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ مصر | ۱/ ۲۵۶
[2] درمختار | فصل فی وصایا الذمی وغیرہ | مجتبائی دہلی | ۲/ ۳۳۴

شدید اولسعۃ حیۃ[1]

یا سخت بھوک کی وجہ سے یا سانپ کے کاٹنے سے ہو (ان صورتوں میں روزے کا ترک جائز ہے)۔ (ت)

شامی میں ہے:

فلہ شرب دواء ینفعہ[2]

روزہ دار کے لیے ایسی دوا کا پینا جائز ہے جو اسے نفع دے۔ (ت)

مسئلہ ۲۲۳: از بہرائچ چوک بازار مرسلہ حافظ محمد شفیع صاحب ۲۶ ماہ مبارک ۱۳۳۳ھ

اگر رمضان شریف کا چاند مکہ معظمہ یا ہندوستان سے دُور دراز ملکوں میں ۲۹ شعبان کو ہُوا اور مثلاً بہرائچ میں اُس تاریخ کو چاند نہیں نظر آیا بلکہ ۳۰ شعبان کو چاند ہُوا کیا اس صورت میں بہرائچ کے باشندوں کو ایک روزہ کی قضا علم و واقفیت قطعی ہونے پر لازم آتی ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے صورتِ مذکورہ میں قضا ایک روزہ کی لازم نہیں اس لیے کہ جب قریب ملک میں چاند نظر آئے تو اُس کا اعتبار ہے دُور ملک کا اس بارے میں اعتبار نہیں، عمرو کا قول اُس کے برخلاف ہے یعنی وُہ قضا لازم ہونے کا التزام کرتا ہے۔ بینوا توجروا

الجواب

عمرو کا قول صحیح ہے، ہمارے ائمہ کرام کا مذہب صحیح و معتمد یہی ہے کہ دربارۂ ہلالِ رمضان وعید اختلافِ مطالع کا کچھ اعتبار نہیں، اگر مشرق میں رؤیت ہو مغرب پر حجت ہے اور مغرب میں تو مشرق پر، مگر ثبوت بروجہ شرعی چاہئے، خط یا تار یا تحریرِ اخبار یا افواہِ بازار یا حکایتِ امصار محض بے اعتبار۔ کما فصلناہ فی فتاوٰنا بما لا مزید علیہ (جیسا کہ اس کی ایسی تفصیل اپنے فتاوٰی میں تحریر کی ہے جس پر اضافہ دشوار ہے۔ ت) درمختار میں ہے:

اختلاف المطالع غیر معتبر علی المذھب، وعلیہ اکثر المشائخ وعلیہ الفتوٰی فیلزم اھل المشرق برؤیۃ اھل المغرب اذا ثبت عندھم رؤیۃ اولئک بطریق موجب[3] ملخصا واللہ تعالٰی اعلم۔

مذہب صحیح کے مطابق مطالع کے اختلاف کا اعتبار نہیں، اس پر اکثر مشائخ ہیں اور فتوٰی اسی قول پر ہے، لہٰذا اہلِ مشرق پر اہلِ مغرب کی رؤیت کی بنا پر روزہ رکھنا لازم ہوگا بشرطیکہ ان کے ہاں ثبوت چاند موجب شرعی سے ثابت ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار | فصل فی العوارض | مجتبائی دہلی | ۱/۱۵۲

[2] ردالمحتار | " | مصطفی البابی مصر | ۲/۱۲۶

[3] درمختار | کتاب الصوم | مجتبائی دہلی | ۱/۱۴۹

مسئلہ ۲۳۱ از موضع درو ضلع نینی تال مسئولہ عبدالجلیل خاں ۱۳ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے طعام سحری ساڑھے چار بجے سے پانچ بجے تک کھانا باہر صحنِ مکان میں نکلنے سے کچھ سفیدی شرق میں آسمان پر معلوم ہوئی اور اذانِ صبح بھی ہو گئی چونکہ تین روزے ہو چکے تھے روزہ رکھ لیا گیا دن میں کچھ اشخاص نے کہا یہ روزہ نہیں ہوا اس واسطے ایک بجے دن کو توڑ ڈالا۔ پس اندریں صورت ایک روزہ قضا واجب ہوا یا ساٹھ؟ دیگر یہ کہ ماہ صیام میں جو روزے قضا ہو گئے ہوں اور وہ قضا بھی ادا نہ ہوئے تو بقول بعض بالعوض ایک قضا کے کیا ساٹھ کا حکم ہے یا ہر وقت میں ایک ہی رکھنا ہوگا؟ بینوا توجروا

الجواب

اس رمضان شریف میں پانچ بجے تک کسی طرح وقت نہ تھا جبکہ پانچ بجے تک سحری کھائی تو روزہ بلاشبہ ہوا ہی نہیں کہ توڑنا صادق آئے قضا لازم ہے اور کفارہ نہیں، ہاں رمضان مبارک میں اگر کسی وجہ روزہ نہ ہو تو غیر معذور شرعی کو دن بھر روزہ کی طرح رہنا واجب اور کھانا پینا حرام، ایک بجے کھانا کھالیا یہ دوسرا گناہ ہُوا، توبہ فرض ہے واللہ تعالٰی اعلم ایک روزہ کی قضا ایک ہی ہے ساٹھ کا حکم کفارہ میں ہے کہ کسی نے بلاعذر شرعی رمضان مبارک کا ادا روزہ جس کی نیت رات سے کی تھی بالقصد کسی غذا یا دوا یا نفع رساں شَے سے توڑ ڈالا اور شام تک کوئی ایسا عارضہ لاحق نہ ہُوا جس کے باعث شرعًا آج روزہ رکھنا ضرور نہ ہوتا تو اُس جُرم کے جرمانہ میں ساٹھ روزے پے در پے رکھنے ہوتے ہیں ویسے جو روزہ نہ رکھا ہو اس کی قضا صرف ایک روزہ ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳۲ از گونڈل علاقہ کاٹھیاواڑ مسئولہ عبدالستار بن محمد اسمٰعیل ۱۴ رجب ۱۳۳۴ھ

ماہِ رمضان المبارک میں ایک شخص نے قبل صبح صادق سحری کا کھانا کھا کر روزے کی نیت کرکے کھانا پینا بند کیا، بعد اس کے اپنی منکوحہ سے خوش طبعی کرتے ہوئے بلاجماع منزل ہوا اور یہ امر قبل صبح صادق یا بعد صبح صادق ہوا اب اس کا روزہ رہا یا قضا کرے یا کفارہ دے؟ اور عورت کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب

عورت کے لیے کچھ حکم نہیں اور مرد پر بھی کفارہ نہیں، اور اگر انزال قبل صبح صادق ہُوا تو قضا بھی نہیں اور بعد صبح صادق ہوا اور اس وقت مس وغیرہ نہیں کر رہا تھا اُس کے بعد مجرد بقائے تصور سے واقع ہُوا جب بھی قضا نہیں، ورنہ اس روزہ کو پُورا کرے اور ایک روزہ اس کے عوض رکھے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر دو صاحب کسی شخص کا روزہ زبردستی تڑوادیں ان کے لیے کیا حکم ہے؟ اور جو صاحب روزہ توڑیں وہ کیا کریں اور اُن کے لیے کیا حکم ہے؟ دوسرے کسی صاحب کے بار ڈالنے سے روزہ توڑا جائے تو ہر دو صاحبان کے لیے کیا حکم ہوگا؟

الجواب

بلاضرورت ومجبوری شرعی فرض روزہ زبردستی تڑوانے والا شیطانِ مجسم ومستحقِ نارِ جہنم ہے اور بغیر سچی مجبوری کے فقط کسی کے بار ڈالنے یا زیر کرنے سے فرض روزہ توڑ دینے والے پر عذاب ہے اور روزہ ادائے رمضان تھا تو حسبِ شرائط اس پر کفارہ واجب جس میں ساٹھ روزے لگاتار رکھنے ہوتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳۴ از لاہور مسئولہ گلاب خلیفہ ۱۱ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

بخدمت شریف جناب عالی خاندان دام اقبالکم بعد ادائے آداب کے عرض کمترین کی یہ ہے کہ جو شخص اس ماہِ رمضان میں روزہ نہ رکھے اور بعد میں پورا روزہ رکھے جس طرح حکمِ رسول ہو تحریر فرمائیں کیونکہ اس ماہ میں طاقت نہیں ہے رکھنے کی، کمزوری ناطاقتی بدن میں ہے۔ جناب کو اس وجہ کر تکلیف دیتا ہوں صاف تحریر فرمائیں، اور ایک شخص روزہ نہیں رکھتا ہے اپنے عوض ایک عورت کو روزہ رکھاتا ہے، آپ فرمائیں مرد کا مرد کو لازم ہے یا عورت کا عورت کو؟ غیر عورت ہے جس کو روزہ رکھاتا ہے۔ فقط

الجواب

جو ایسا مریض ہے کہ روزہ نہیں رکھ سکتا روزہ سے اُسے ضرر ہوگا، مرض بڑھے گا یا دن کھنچیں گے، اور یہ بات تجربہ سے ثابت ہو یا مسلم طبیب حاذق کے بیان سے جو فاسق نہ ہو تو جتنے دنوں یہ حالت رہے اگرچہ پورا مہینہ وہ روزہ ناغہ کرسکتا ہے اور بعد صحت اس کی قضا رکھے، جتنے روزے چھوٹے ہوں ایک سے تیس تک۔ اپنے بدلے دوسرے کو روزہ رکھوانا محض باطل وبے معنی ہے، بدنی عبادت ایک کے کیے دوسرے پر سے نہیں اُتر سکتی، نہ مرد کے بدلے مرد کے رکھے سے نہ عورت کے۔ واللہ تعالٰی اعلم

باب الفدیۃ

مسئلہ ۲۳۵ مسئولہ قاضی عبدالحمید صاحب پیش امام از قصبہ کگڑی ۲۸ محرم ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وفضلائے شرع متین اس مسئلہ میں کہ امام اگر عذر سے روزہ نہیں رکھتا ہے پر اعادہ روزہ کا یقینی ایک مسکین کو ہمیشہ کھانا کھلا دیتا ہے مگر نماز تراویح پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ اور تراویح کے پڑھانے میں حرج تو نہیں ہے؟ جواب دو۔

الجواب

بعض جاہلوں نے یہ خیال کرلیا ہے کہ روزہ کا فدیہ ہر شخص کے لیے جائز ہے جبکہ روزے میں اسے کچھ تکلیف ہو، ایسا ہرگز نہیں، فدیہ صرف شیخ فانی کے لیے رکھا ہے جو بہ سبب پیرانہ سالی حقیقۃً روزہ کی قدرت نہ رکھتا ہو، نہ آئندہ طاقت کی امید کہ عمر جتنی بڑھے گی ضعف بڑھے گا اُس کے لیے فدیہ کا حکم ہے، اور جو شخص روزہ خود رکھ سکتا ہو اور ایسا مریض نہیں جس کے مرض کو روزہ مضر ہو، اس پر خود روزہ رکھنا فرض ہے اگرچہ تکلیف ہو، بھوک پیاس گرمی خشکی کی تکلیف تو گویا لازم روزہ ہے اور اسی حکمت کے لیے روزہ کا حکم فرمایا گیا ہے، اس کے ڈر سے اگر روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہو تو معاذ اللہ روزے کا حکم ہی بیکار و معطل ہوجائے، امام مذکور اگر واقعی کسی ایسے مرض میں مبتلا ہے جسے روزہ سے ضرر پہنچتا ہے تو تا حصولِ صحت اُسے روزہ قضا کرنے کی اجازت ہے اُس کے بدلے اگر مسکین کو کھانا دے تو مستحب ہے ثواب ہے جبکہ اُسے روزہ کا بدلہ نہ سمجھے اور سچے دل سے نیت رکھے کہ جب صحت پائے گا جتنے روزے قضا ہوئے ہیں ادا کرے گا۔ اس صورت میں وہ امامت کرسکتا ہے اور اگر ویسا مریض نہیں اور کم ہمتی کے سبب روزے قضا کرتا ہے تو سخت فاسق ہے اور اسے امام بنانا گناہ، اور اس کے پیچھے نماز مکروہِ تحریمی۔ واللہ تعالٰی اعلم

تفاسیر الاحکام لفدیۃ الصّلوۃ والصّیام

۱۳۱۶ھ

(بعد از موت نماز و روزہ کے فدیہ کے تفصیلی احکام)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ رب محمد صلی علیہ وسلما

مسئلہ ۲۳۶ تا ۲۴۲: از پٹنہ محلہ لودی کٹرہ مرسلہ قاضی محمد عبدالوحید صاحب فردوسی ۱۰ صفر ۱۳۱۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ رب العالمین کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسئلوں میں:

(۱) موتی کے روزہ کا فدیہ جو فقہ کی کتابوں میں نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جَو لکھا ہے، اس وزن کی تطبیق اس ہندوستان کے کس وزن کے برابر کی گئی ہے، کتبِ فقہ میں جو فی روزہ دو سیر گیہوں یا چار سیر جَو لکھا ہے وہ بئیس گنڈے کے حساب سے ہے یا انیس گنڈے کے؟ غرض پٹنہ ضلع میں اگر کوئی شخص فدیہ دینا چاہے تو وہ کس وزن سے فی روزہ دے گا؟

(۲) چاول کا حساب کس چیز میں ہوگا گیہوں یا جَو میں؟ یعنی فی روزہ چاول مثل گیہوں کے ۲ ثار یا مثل جَو کے ۴ ثار دیا جائے گا؟ اور اگر چاول دیا جاسکتا ہے تو کل اقسام کے چاول ایک ہی حساب میں ہیں یا باسمتی، سیلہا، جوشاندہ مثل گیہوں کے اور موٹا چاول مثل جَو کے ہے؟

(۳) دھان مثل جَو کے فی روزہ ۴ ثار دے سکتے ہیں یا نہیں ؛

(۴) فدیہ روزہ کا اگر کسی کے ذمہ بہت سا باقی ہے تو وہ کل بیک دفعہ بیک وقت ادا کرے یا بدفعات جزو جزو کرکے دے سکتا ہے مثلاً زید متوفی کے ذمہ ۳۰ روزوں کا فدیہ باقی ہے تو یہ ۶۰ ثار گیہوں بیک دفعہ بیک وقت دینا چاہئے یا ایک ایک دو دو کرکے ادا کردینے کا مجاز ہے کہ نہیں ؛ اس میں ایک صورت یہ بھی نکلتی ہے کہ اگر زید کے ذمہ ایک ہی روزہ کا فدیہ باقی رہے تو وہ اس دو سیر گیہوں کو پاؤ پاؤ کرکے ۸ دفعہ یا آدھ آدھ سیر کرکے ۴ دفعہ دے سکتا ہے یا نہیں ؛

(۵) متعدد روزوں کا فدیہ کل ایک ہی دن ایک شخص کو دے سکتے ہیں یا روز روز دوسرے دوسرے کو دینا چاہئے ؛ مثلاً زید متوفی کے ذمہ دس روزوں کا فدیہ چاہئے تھا اگر یہ ادا کیا جائے تو کل ایک ہی شخص کو ایک ہی دن بیک وقت بیک دفعہ دے دے یا ایک ہی آدمی کو دس روز پیہم دے یا ایک ہی دن میں دس آدمیوں کو دے دے یا دس روز کرکے دوسرے دوسرے کو دے۔ اس کی چار شکلیں نکلیں، وھو ھذا:

شکلِ اوّل: ایک ہی دن ایک شخص کو کل دسوں روزوں کا بیک دفعہ بیک وقت دیا جائے۔

شکلِ دوم: ایک ہی آدمی کو دس روزوں تک برابر دیا جائے۔

شکلِ سوم: ایک ہی دن میں دس آدمیوں کو دیا جائے۔

شکلِ چہارم: دس روز کرکے دس آدمیوں کو دیا جائے ــــــ یہ چاروں شکلیں جائز ہیں یا نہیں ؟

(۶) اس کے مستحق کون کون اشخاص ہیں ؟ سید کو دے سکتے ہیں یا نہیں ؟ اقربا میں جو لوگ غریب ہیں ان کو دینے کا حکم ہے یا نہیں ؟ گھر کے نوکر چاکر کو اگر دیں اور مشاہرہ یا کھانے میں وضع نہ کریں تو جائز ہے یا نہیں ؟

(۷) غلہ دینا بہتر ہے یا اس کی قیمت باندھ کر جو اُس زمانہ میں نرخِ بازار ہو، کون زیادہ مناسب ہے ؟ اور نقد روپیہ کا بھی کل وہی حکم ہے جو غلہ کا ہے یا فرق ہے ؟

(۸) اگر کسی غریب کے ذمہ روپیہ قرض کا باقی ہے اور فدیہ پانے کا مستحق ہے تو روپیہ فدیہ میں روزے کے دے سکتا ہے یا نہیں ؟

(۹) فدیہ ادا کرتے وقت یہ لفظ کہنا چاہئے کہ یہ غلہ یا نقد فلاں کے روزہ کا فدیہ ہے یا انما الاعمال بالنیات[1] (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ ت) کافی ہے ؟

---

[1] صحیح بخاری باب کیف کان بدؤ الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲

(۱۰) شیخ فانی اور موتیٰ کے فدیہ کے احکام میں کوئی فرق ہے یا دونوں کا ایک حکم ہے، اور اگر فرق ہے تو وہ کونسا فرق ہے؟

(۱۱) اگر اپنی زندگی میں ہی روزہ قضا شدہ کا فدیہ کوئی شخص دے دے حالانکہ وہ شیخ فانی نہیں ہے تو وہ روزہ اس سے ساقط ہوگا یا نہیں؟

(۱۲) اگر زید نے انتقال کیا اور اس کے ذمہ روزہ فرض باقی رہ گیا ہے تو اس کے وارث یا اقربا اُس روزہ کے بدلے میں روزہ رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب

(۱) وزن بلاد میں مختلف ہوتے ہیں لہذا ہم تولوں اور انگریزی روپوں کا حساب بتاتے ہیں کہ ہر شخص اپنے یہاں کے وزن رائج کو بآسانی اس سے تطبیق دے سکے۔ ایک روزہ یا ایک نماز کا فدیہ یا کفارہ میں ایک مسکین کی خوراک یا ایک شخص کا صدقۂ فطر یہ سب گیہوں سے نیم صاع اور جَو سے ایک صاع ہے۔ صاع دوسو ستر (۲۷۰) تولے ہے، نیم صاع ایک سو پینتیس (۱۳۵) تولے۔ تولہ بارہ (۱۲) ماشہ، ماشہ آٹھ رتی، رتی آٹھ چاول۔ انگریزی روپیہ سکۂ رائجہ سوا گیارہ ماشے ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

اعلم ان الصاع اربعة امداد و المد بالاستار اربعون والاستار بکسر الهمزة بالمثاقیل اربعة ونصف کذا فی شرح درر البحار[1] اھ ملخصا

معلوم ہونا چاہئے کہ صاع چار مُد اور مُد چالیس استار اور استار (ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ) ساڑھے چار مثقال ہے، جیسا کہ شرح درر البحار میں ہے اھ ملخصاً (ت)

صاع چار مُد ہے اور ہر مُد چالیس استار اور ہر استار ساڑھے چار مثقال، تو ہر مُد ایک سو اسّی (۱۸۰) مثقال ہُوا اور مثقال ساڑھے چار ماشہ ہے و لہذا درہم شرعی کہ مثقال کا $\frac{7}{10}$ سات عشر ہے۔

فی الدرالمختار کل عشرة دراهم وزن سبعة مثاقیل[2]

درمختار میں ہے ہر دس درم بوزن سات مثقال کے ہے (ت)

پچیس رتی اور پانچواں حصہ رتی کا ہُوا یعنی ۳ ماشہ $1\frac{1}{5}$ سرخ۔ جواہر الاخلاطی میں ہے:

الدرهم الشرعی خمس وعشرون حبة و خمس حبة[3]

درہم شرعی پچیس رتیاں اور رتی کا پانچواں حصہ ہے (ت)

---

[1] ردالمحتار باب صدقۃ الفطر مصطفی البابی مصر ۲/ ۸۳

[2] الدرالمختار باب زکوٰۃ المال مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۴

[3] الجواہر الاخلاطی (قلمی نسخہ) کتاب الزکوٰۃ ص ۲۲

کشف الغطاء میں ہے :

بدانکہ معتبر نزد ما صاع عراقی ست و آں ہشت رطل ست ، و رطل ببیت استار ، و استار چہار و نیم مثقال ، و مثقال بیست قیراط و قیراط یک حبہ و چہار خمس حبہ ، و حبہ کہ آنرا بفارسی سرخ گویند ہشتم حصہ ماشہ است ، پس مثقال چہار و نیم ماشہ باشد[1]

واضح رہے ہمارے نزدیک عراقی صاع معتبر ہے اور وہ آٹھ رطل ہے ، رطل بیس استار کا ہوتا ہے اور استار ساڑھے چار مثقال کا ، مثقال بیس قیراط کا ، اور قیراط ایک اور حبہ کے چار خمس کا ہوتا ہے ، اور حبہ جسے فارسی میں سُرخ کہا جاتا ہے وہ ماشہ کا آٹھواں حصہ ہوتا ہے ، لہذا اب مثقال ساڑھے چار ماشے قرار پایا ۔ (ت)

اسی حساب سے دو سو درم نصاب فضہ کے ساڑھے باون تولہ اور بیس مثقال نصاب ذہب کے ساڑھے سات تولے ہوتے ہیں ، پس چہارم صاع کی مقدار آٹھ سو دس ماشے یعنی ساڑھے سڑسٹھ (۶۷ ½) تولے ہوئے اور نیم صاع ۱۳۵ تولے اور اس انگریزی روپیہ سے ایک سو چالیس روپیہ بھر جہاں سیر سو روپے بھر یعنی ترانوے تولے نو ماشے کا ہو جیسے بریلی ، وہاں نیم صاع کے کچھ کم ڈیڑھ سیر یعنی ایک سیر سات چھٹانک دو ماشے ساڑھے چھ رتی ہوئے ، اور ایک صاع کے آدھ پاؤ کم تین سیر اور پانچ ماشہ پانچ رتی ، اور انگریزی سیر سے کہ اسی روپے بھر یعنی پورے پچھتر تولے کا ہے ، اور دہلی و لکھنؤ میں وہی رائج ہے ساڑھے تین سیر اور ڈیڑھ چھٹانک اور دسواں حصہ چھٹانک کا ریاست رام پور کا سیر چھیانوے روپے یعنی پورے نوّے تولے کا ہے وہاں تین سیر کامل کا ایک صاع وعلی ھذا القیاس فی سائر البقاع (اسی قاعدے پر باقی علاقوں کو قیاس کیا جائے ۔ ت)

(۲ و ۳) گندم و جَو کے سوا چاول دھان وغیرہ کوئی غلہ کسی قسم کا دیا جائے اُس میں وزن کا کچھ لحاظ نہ ہوگا بلکہ اُسی ایک صاع جَو یا نیم صاع گندم کی قیمت ملحوظ رہے گی اگر اس کی قیمت کے قدر ہے تو کافی مثلاً نیم صاع گیہوں کی قیمت دو آنے ہے تو روپے کے چار سیر والے چاول سے صرف آدھ سیر کافی ہوں گے اور چالیس سیر والے دھان سے پانسیر دینے ہوں گے ۔ درمختار میں ہے :

مالم ینص علیہ کذرۃ وخبز یعتبر فیہ القیمۃ[2]

وہ چیزیں جن پر نص مذکور نہیں مثلاً باجرہ اور روٹی ، تو ان میں قیمت کا اعتبار ہے (ت)

---

[1] کشف الغطاء فصل در احکام دعا و صدقہ و نخوان از اعمال خیر برائے میت مطبع احمدی ، دہلی ص ۶۸

[2] الدرالمختار باب صدقۃ الفطر مجتبائی دہلی ۱/۱۴۵

ہندیہ میں ہے:

انما تجب من اربعة اشیاء من الحنطة والشعیر والتمر والزبیب وماسواہ من الحبوب لایجوز الا بالقیمة[1] اھ ملتقطا۔

یہ صرف ان چار چیزوں میں لازم ہے گندم، جَو، کھجور اور منقہ۔ اور جو ان کے سوا غلہ جات ہیں ان میں فقط قیمت کا ہی اعتبار ہوگا اھ ملتقطا (ت)

لباب میں ہے:

هذه اربعة انواع لاخامس لها واما غیرها من انواع الحبوب فلا یجوز الا باعتبار القیمة کالارز والذرة والماش والعدس والحمص وغیر ذلك[2]۔

ان کی چار ہی اقسام ہیں پانچویں کوئی نہیں، لہذا ان کے علاوہ غلّہ جات میں قیمت ہی کا اعتبار ہوگا مثلاً چاول، باجرہ، ماش، مسور اور چنے وغیرہ (ت)

(۴ و ۵) فدیہ نماز و روزہ میں سوال پنجم کی چاروں صورتیں توبلاشبہ جائز ہیں اور سوال چہارم کی بھی سب صورتیں روا، مگر جس میں فقیر کو نصف صاع سے کم دینا ہو اس میں قول راجح عدم جواز ہے، سراجیہ و درمختار و ہندیہ وغیرہا میں اسی پر جزم کیا اور یہی مختار امام ابواللیث ہے۔

فی السراجیة لایجوز ان یؤدی عن صلوٰة لفقیرین[3] اھ وفی الدر لوادی للفقیر اقل من نصف صاع لم یجز ولو اعطاہ الکل جاز[4] اھ وفی الھندیة عن التاتارخانیة عن الولوالجیة لو دفع عن خمس صلوات تسع امنان لفقیر واحد ومنا لفقیر واحد اختار الفقیه انه یجوز عن اربع صلوات ولایجوز عن

سراجیہ میں ہے کہ ایک نماز کا فدیہ دو فقراء کو دینا جائز نہیں اھ اور در میں ہے اگر کسی فقیر کو نصف صاع سے کم دیا تو جائز نہ ہوگا، ہاں اگر اسے تمام دے دیا تو جائز ہے اھ اور ہندیہ میں تاتارخانیہ سے وہاں ولوالجیہ سے ہے کہ اگر کسی نے پانچ نمازوں کا فدیہ نو مُد ایک فقیر کو دیا اور ایک مُد ایک فقیر کو، تو فقیہ ابواللیث کہتے ہیں کہ وہ فدیہ چار نمازوں کا ادا ہوجائے گا پانچویں

---

[1] الفتاوی الھندیة الباب الثامن فی صدقة الفطر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۹۱
[2] لباب المناسک مع ارشاد الساری فصل فی احکام الصدقہ دار الکتاب العربی بیروت ص ۶۴
[3] فتاوٰی سراجیہ باب قضاء الفوائت نولکشور لکھنؤ ص ۱۷
[4] درمختار " مجتبائی دہلی ۱/۱۰۱

الصلوٰۃ الخامسۃ اھ[1] وفی البحر قال ابوبکر الاسکاف یجوز ذٰلک کلہ وقال ابوالقاسم وھو اختیار الفقیہ ابی اللیث یجوز عن اربع صلوات دون الخامسۃ لانہ متفرق ولایجوز ان یعطی کل مسکین اقل من نصف صاع فی کفارۃ الیمین فکذٰلک ھذا فالحاصل ان کفارۃ الصلوٰۃ تفارق کفارۃ الیمین فی حق انہ لایشترط فیھا العدد و توافقھا من حیث انہ لوادی اقل من نصف صاع الٰی فقیر واحد لایجوز اھ[2] وفی ظھار التنویر جاز لواطعم واحدا ستین یوما[3] اھ قلت فاذا جاز ھذا فیما یشترط فیہ التعدد فمالا یشترط فیہ اولٰی بالجواز۔

کا نہیں اھ بحر میں ہے کہ شیخ ابوبکر اسکاف نے کہا کہ وُہ تمام نمازوں کا فدیہ ہوگا، ابوالقاسم کہتے ہیں اور یہی فقیہ ابواللیث کا مختار ہے کہ یہ چار نمازوں کا فدیہ ہوگا پانچویں کا نہیں کیونکہ اس سے تفریق ہوگی، اور کفارہ قسم میں ہر مسکین کو نصف صاع سے کم نہیں دیا جاسکتا یہاں بھی حکم اسی طرح ہے، تو حاصل یہ ہُوا کہ نماز کا کفارہ اس لحاظ سے کفارہ قسم سے الگ ہے کہ اس میں تعداد شرط نہیں، اور اس لحاظ سے موافق ہے کہ اگر ایک فقیر کو نصف صاع سے کم دیا جائے تو جائز نہیں اھ تنویر کے مسئلہ ظہار میں ہے کہ اگر ایک ہی فقیر کو سات دن کھانا کھلایا تو یہ جائز ہوگا اھ قلت جب یہ وہاں جائز یہاں تعدد شرط ہے تو وہاں بطریق اولٰی جائز ہونا چاہئے جہاں تعدد شرط نہیں ہے۔ (ت)

(۶) مصرف اس کا مثل مصرف صدقہ فطر و کفارہ یمین و سائر کفارات و صدقات واجبہ ہے بلکہ کسی ہاشمی مثلاً شیخ علوی یا عباسی کو بھی نہیں دے سکتے۔ غنی یا غنی مرد کے نابالغ فقیر بچے کو نہیں دے سکتے، کافر کو نہیں دے سکتے، جو صاحبِ فدیہ کی اولاد میں ہے جیسے بیٹا بیٹی پوتا پوتی نواسا نواسی، یا صاحبِ فدیہ جس کی اولاد میں ہے جیسے ماں باپ دادا دادی نانا نانی انھیں نہیں دے سکتے۔ اور اقربا مثلاً بہن بھائی، چچا، ماموں، خالہ، پھوپھی، بھتیجا، بھتیجی، بھانجا، بھانجی ان کو دے سکتے ہیں جبکہ اور موانع نہ ہوں، یونہی نوکروں کو جبکہ اُجرت میں محسوب نہ کریں۔

فی ردالمحتار مصرف الزکوٰۃ ھو مصرف ردالمحتار میں ہے جو زکوٰۃ کا مصرف ہے صدقۃ الفطر،

---

[1] الفتاوی الہندیۃ باب قضاء الفوائت نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۲۵
[2] البحرالرائق ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۹۱
[3] تنویر الابصار متن درمختار باب الکفارۃ مجتبائی دہلی ۱/۲۵۱

34

ایضا الصدقة الفطر والکفارة والنذر وغیر ذٰلک من الصدقات الواجبة کما فی القہستانی[1] **اقول** وھو متمش علی تصحیح ماعن ابی یوسف من عدم جواز شیئ من الصدقات الواجبة لکافر ذمی قال فی الدر لا تدفع (ای الزکوٰۃ) الٰی ذمی وجاز دفع غیرھا وغیر العشر والخراج الیہ ای الذمی ولو واجبا کنذر وکفارۃ وفطرۃ خلافا للثانی وبقولہ یفتی حاوی القدسی[2] اھ وفیہ لو دفعھا المعلم لخلیفتہ ان کان بحیث یعمل لہ لو لم یعطہ صح والالا[3] اھ وفی معراج الدرایۃ ثم الھندیۃ وکذا ما یدفعہ الی الخدم من الرجال والنساء فی الاعیاد وغیرھا بنیۃ الزکوٰۃ[4]۔

کفارہ، نذر اور دیگر صدقاتِ واجبہ کا بھی وہی مصرف ہے قہستانی **اقول** (میں کہتا ہوں۔ت) یہ اس راہ کو اختیار کیا گیا جو امام ابویوسف سے مروی قول کی تصحیح کے مطابق ہے کہ صدقاتِ واجبہ کسی کافر ذمی کو دینا ناجائز ہے۔ در میں ہے ذمی کو (زکوٰۃ) نہیں دی جاسکتی البتہ زکوٰۃ، عشر اور خراج کے علاوہ صدقات ذمی کو دئے جاسکتے خواہ وہ صدقہ واجبہ ہی ہوں مثلاً نذر، کفارہ اور صدقہ فطر، اس میں امام ابویوسف کا اختلاف ہے، امام مذکور کے قول پر حاوی مقدسی نے فتوٰی دیا ہے اھ اور اسی میں ہے اگر معلم نے اپنے خلیفہ کو زکوٰۃ دی اگر وہ اس طرح کام کرتا ہے کہ اگر معلم نہ دیتا تب بھی وہ اس کا کام کرتا ایسی صورت میں دینا درست ہے ورنہ نہیں اھ اور معراج الدرایہ اور ہندیہ میں ہے اسی طرح حکم ہے اس رقم کا جو بہ نیتِ زکوٰۃ عید وغیرہ کے موقعہ پر خدام مردوں یا عورتوں کو دی جاتی ہے (ت)

صدقاتِ واجبہ زوجین کو بھی نہیں دے سکتے **اقول** فدیۂ نماز و روزہ جب بعد مرگ دیا جائے تو مقتضائے نظر فقہی یہ ہے کہ زوجہ کا فدیہ شوہر فقیر کو فوراً اور شوہر کا زوجۂ فقیرہ کو بعد عدت گزرنے کے دینا جائز ہو کہ اب زوجیت نہ رہی اور شوہر زوجہ کے مرتے ہی اجنبی ہو جاتا ہے ولہٰذا اسے مَس جائز نہیں۔

فی الدرالمختار لایصرف الی من بینھما زوجیۃ ولو مبانۃ[5] قال الشامی ای

درمختار میں ہے کہ زکوٰۃ ان کو نہ دی جائے جن کے درمیان زوجیت کا تعلق ہو خواہ خاتون کو طلاق بائنہ

---

[1] ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۲/ ۶۴
[2] درمختار 〃 مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۱
[3] 〃 〃 ۱/ ۱۴۲
[4] الفتاوی الہندیۃ الباب السابع فی المصارف نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۹۰
[5] درمختار باب المصرف مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۱

فی العدۃ ولو بثلاث نہر معراج الدرایۃ[1] اھ وفی رد المحتار عن بدائع الامام ملک العلماء المرأۃ تغسل زوجہا لان اباحۃ الغسل مستفادۃ بالنکاح فتبقی مابقی النکاح والنکاح بعد الموت باق الی ان تنقضی العدۃ بخلاف ما اذا ماتت فلا یغسلہا لانتہاء ملک النکاح لعدم المحل فصار اجنبیا[2]، واللہ تعالٰی اعلم۔

ہوچکی ہو اھ علامہ شامی نے فرمایا یعنی وہ عدت میں ہو اگرچہ تین طلاقیں ہوچکی ہوں یہ نہر میں معراج الدرایہ سے ہے اھ رد المحتار میں امام ملک العلماء کی بدائع سے ہے کہ خاتون اپنے خاوند کو غسل دے سکتی ہے کیونکہ غسل کی اباحت نکاح کی وجہ سے حاصل ہوئی تو جب تک نکاح باقی ہے اباحت بھی باقی رہے اور نکاح تو خاوند کی موت کے بعد بھی باقی رہتا ہے یہاں تک کہ عدت گزر جائے بخلاف اس صورت کہ جب بیوی فوت ہوجائے تو خاوند اسے غسل نہیں دے سکتا کیونکہ محل نہ رکھنے کی وجہ سے نکاح ختم ہوگیا لہذا اب خاوند اجنبی قرار پائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۷) قیمت افضل ہے مگر قحط میں کھانا دینا بہتر،

فی الدر المختار دفع القیمۃ ای الدراھم افضل من دفع العین علی المذھب المفتی بہ جوھرۃ وبحر عن الظہیریۃ وھذا فی السعۃ اما فی الشدۃ فدفع العین افضل[3]

درمختار میں ہے مفتی بہ مذہب کے مطابق قیمت یعنی دراہم کا ادا کرنا عین شے سے افضل ہے جوہرہ۔ اور بحر میں ظہیریہ سے ہے کہ یہ عام حالات یعنی آسانی کے وقت ہے اگر کسی وقت شدت اور قحط ہو تو عین شئی کا دینا افضل ہوگا۔ (ت)

باقی احکام نقد وغلہ یکساں ہیں مگر وہ تفاوت جو خاص گندم وجَو میں بسبب اعتبار وزن معتبر شرعی اسقاط بلحاظ مالیت کا ہے مثلاً فرض کیجئے کہ نیم صاع گندم کی قیمت دو آنہ ہے اور ایک صاع جَو کی ایک آنہ تو ایک آنہ کی قیمت کی کوئی چیز کپڑا، کتاب، چاول، باجرا وغیرہ بلحاظ قیمت جَو دے سکتے ہیں اگرچہ گندم کی قیمت نہ ہوئی مگر چہارم صاع گندم کافی نہیں اگرچہ قیمت اُن کی بھی ایک صاع جَو کے برابر ہوگی کہ چار چیزیں جن پر نص شرعی وارد ہوچکی ہے یعنی گندم، جَو، خرما، کشمش ان میں قیمت کا اعتبار نہیں، جتنا وزن شرعاً واجب ہے اُسی قدر دینا ہوگا۔

---

[1] رد المحتار | باب المصرف | مصطفی البابی مصر | ۲/۶۹
[2] رد المحتار | باب الجنائز | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۱/۵۸۶
[3] الدر المختار | باب صدقۃ الفطر | مجتبائی دہلی | ۱/۱۴۵

فی محیط الامام السرخسی ثم الھندیۃ، تؤدی ربع صاع من حنطۃ جیدۃ تبلغ قیمتہ قیمۃ نصف صاع من شعیر لایجوز عن الکل، بل یقع عن نفسہ وعلیہ تکمیل الباقی وکذا لایجوز ربع صاع من حنطۃ عن صاع من شعیر[1] اھ وفی البدائع لان القیمۃ انما تعتبر فی غیر المنصوص علیہ[2]۔

محیطِ امام سرخسی پھر ہندیہ میں ہے کہ اگر کسی نے ایسی جید گندم کا چوتھائی صاع ادا کیا جس کی قیمت جَو کے نصف صاع کو پہنچ جاتی ہے تو یہ کل کی طرف سے جائز نہیں بلکہ یہ اپنی طرف سے عطیہ ہے، باقی کی تکمیل کرنا اس پر لازم ہوگا، اور اسی طرح گندم کا چوتھائی صاع جو جَو کے صاع کی قیمت کو پہنچ جائے دینا جائز نہیں اھ بدائع میں ہے کیونکہ قیمت کا اعتبار وہاں ہے یہاں نص میں عین کی تصریح نہیں (ت)

قیمت میں نرخ بازار آج کا معتبر نہ ہوگا جس دن ادا کر رہے ہیں بلکہ روزِ وجوب کا مثلاً اُس دن نیم صاع گندم کی قیمت دو آنے تھی آج ایک آنہ ہے تو ایک آنہ کافی نہ ہوگا۔ دو آنے دینا لازم، اور ایک آنہ تھی اب دو آنے ہوگئی تو دو آنے ضرور نہیں ایک آنہ کافی۔

فی الدرالمختار جاز دفع القیمۃ فی زکوۃ وعشر وخراج وفطرۃ ونذر وکفارۃ غیر العتاق وتعتبر القیمۃ یوم الوجوب وقالا یوم الاداء[3]۔

درمختار میں ہے کہ زکوۃ، عشر، خراج، صدقہ فطر، نذر، عتاق کے علاوہ کفارہ میں قیمت کا دینا جائز ہے اور قیمت یوم وجوب کے اعتبار سے ہوگی اور صاحبین کی رائے کے مطابق یوم ادا کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا (ت)

(۸) یہاں صورتیں متعدد ہیں، فدیہ والا اپنی حیات میں فدیہ ادا کرتا ہے جیسے شیخ فانی روزے کا یا اُس کے بعد وارث بلاوصیت بطور خود دیتا ہے یا بحکم وصیت ادا کیا جاتا ہے اور درصورت وصیت مدیون پر یہ دین بعد موت مورث حادث ہوا ہے جیسے کسی نے ترکہ سے کوئی چیز غصب کرکے صرف کر ڈالی کہ اس کے تاوان کا اس پر دین لازم آیا یا دین حیات مورث کا ہے تو یہ چار صورتیں ہیں۔ صورت اخیرہ میں عدم صحت کا حکم درمختار وغیرہ میں مصرح ہے یعنی زید پر نماز روزے وغیرہما کا فدیہ تھا اس نے وصیت کی کہ یہ میرے مال

---

[1] الفتاوی الھندیۃ الباب الثامن فی صدقۃ الفطر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۹۲

[2] بدائع الصنائع کتاب الزکوۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۷۳

[3] الدرالمختار باب زکوۃ الغنم مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۳

سے ادا کرنا عمرو فقیر حیات زید سے زید کا مدیون تھا، وصی نے وُہ دین فدیہ میں عمرو کو چھوڑ دیا فدیہ ادا نہ ہوا

قال قبیل باب الوصی اوصی لصلواته وثلث ماله دیون علی المعسرین فترکها الوصی لهم عن الفدیة لم تجزه ولابد من القبض ثم التصدق علیهم ولو امران یتصدق بالثلث فمات فغصب غاصب ثلثها مثلاً واستهلکه فترکه صدقة علیه وهو معسر یجزیه لحصول قبضه بعد الموت بخلاف الدین، الکل من القنیة[1] اھ فی رد المحتار قوله اوصی لصلواته او صیاماته، منح، قوله لم تجزه وقیل تجزیه قال فی القنیة قال استاذنا و الاول احب الی حتی توجد الروایة، قوله بخلاف الدین ای فی المسألة السابقة فانه مقبوض قبل الموت، بقی لو اوصی بکفارة صلواته والمسألة بحالها هل یجزیه لحصول قبضه بعد الموت اولا یراجع[2] اھ

باب الوصی سے تھوڑا پہلے ہے کسی نے اپنی نمازوں پر فدیہ کی وصیت کی اور اس کے مال کا تہائی حصہ تنگ دست لوگوں پر دین تھا اگر وصی نے وہ حصہ ان تنگ دستوں پر نمازوں کے فدیہ کے طور پر چھوڑ دیا تو کافی نہ ہوگا کیونکہ پہلے قبضہ ضروری ہے اور اس کے بعد ان پر صدقہ کرے تو تب درست ہوگا، اگر اس نے کہا میرا تہائی مال صدقہ کر دیا جائے پھر وُہ فوت ہوگیا اور کسی غاصب نے مثلاً تہائی مال غصب کرلیا اور اسے ہلاک کر دیا (حالانکہ وُہ غریب تھا) وصی نے بطور صدقہ وہ مال اس سے نہ لیا تو جائز ہوگا کیونکہ موت کے بعد وصی کو قبضہ حاصل تھا بخلاف اس صورت کے جب مال کسی پر قرض ہو، یہ مسائل قنیہ سے مروی ہیں اھ ردالمحتار میں ہے قولہ "فوت ہونے والے نے اپنی نمازوں یا روزوں کے بارے میں وصیت کی" منح۔ قولہ "یہ کفایت نہیں کرے گا" لیکن بعض کے نزدیک یہ کافی ہے۔ قنیہ میں ہے کہ ہمارے استاذ نے فرمایا مجھے پہلا قول بہت محبوب ہے حتی کہ کوئی دوسری روایت آجائے۔ قولہ "بخلاف قرض" یعنی گزشتہ مسئلہ میں کیونکہ مال موت سے پہلے قبضہ میں نہیں ہوگا۔ باقی رہا یہ معاملہ کہ اگر کسی نے

---

[1] الدرالمختار فصل فی وصایا الذمی مجتبائی دہلی ۲/ ۳۳۴

[2] ردالمحتار " " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۴۷

اراد بقوله والمسألة بحالها
مسألة الغصب ورأيتني كتبت
عليه مانصه **اقول** وبالله
التوفيق وله الحمد تبتني عندي
مسألتا الفدية والغصب على ان
الوصية بالمال لاتتناول الدين
ماكان دينا فاذا صار عينا
بالقبض تناولته كما صرح به
في الظهيرية حيث قال اذا كان
مائة عين ومائة درهم على اجنبي دين
فاوصى لرجل بثلث ماله فانه
ياخذ ثلث العين دون الدين
الاترى ان حلف ان لامال
له وله ديون على الناس لم
يحنث ثم ماخرج من
الدين اخذ منه ثلثه
حتى يخرج الدين كله
لانه لما تعين الخارج
مالا، التحق بماكان عينا
في الابتداء، ولا يقال
لمالم يثبت حقه في الدين
قبل ان يتعين كيف
يثبت حقه فيه اذا
تعين لانا نقول مثل
هذا غير ممتنع الاترى

نمازوں کے کفارہ کی وصیت کی اور صورت مذکورہ ہی
ہو تو موت کے بعد حصولِ قبضہ کی وجہ سے یہ کافی ہوگا یا
نہیں اس پر غور کیا جائے اھ والمسئلۃ بحالہا سے
مراد مسئلہ غصب ہے۔ ردالمحتار کے حاشیہ پر بندہ نے
جو کچھ تحریر کیا ہے وہ یہ ہے **اقول** اللہ کی توفیق اور
اسی کے لیے حمد ہے، میں کہتا ہوں میرے نزدیک فدیہ
اور غصب کا مسئلہ اس پر مبنی ہے کہ وصیت بالمال
دین کو شامل ہی نہیں جب تک کہ وہ دین رہے،
ہاں جب وہ دین قبضہ کی وجہ سے عین ہو جائے تو پھر
وصیت اسے شامل ہوگی جیسا کہ ظہیریہ میں ان الفاظ
سے صراحت کی ہے کہ جب ایک سو درہم عین اور ایک سو
درہم کسی اجنبی پر دین تھے تو فوت ہونے والے نے
تہائی مال کی وصیت کی تو اب عین کی تہائی سے وہ مال
لیا جائے گا نہ کہ دین سے۔ کیا آپ کے علم میں نہیں
اگر کوئی آدمی حلف اٹھاتا ہے کہ اس کے پاس مال
نہیں حالانکہ اس نے لوگوں سے قرض لینا ہے تو اس
کی قسم نہیں ٹوٹے گی، پھر دین میں جو حصہ خارج ہوگا
اس سے تہائی لیا جائے یہاں تک کہ سارا دین
خارج ہو جائے کہ جب خارج ہونے والا مال متعین
ہو جائے تو اس مال کے ساتھ لاحق ہو جائے گا جو
ابتدائی طور پر عین تھا یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ
جب متعین ہونے سے پہلے دین میں مالک کا حق
ثابت نہیں ہوا تو متعین ہو جانے کے بعد حق کیسے
ثابت ہوگا کیونکہ ہم کہتے ہیں اس طرح کا معاملہ ممتنع
نہیں ہوتا، کیا آپ نہیں جانتے کہ جس کے حق میں تہائی

ان الموصی لہ بثلث المال لایثبت حقہ فی القصاص ومتی انقلب مالا یثبت حقہ فیہ اھ وبہ یحصل التوفیق بین قولی الخانیۃ لاتدخل الدیون ای فی الوصیۃ بالمال والوھبانیۃ ان الدخول اجدر کما جنح الیہ فی منحۃ الخالق فراجعہا من شتی القضاء ففی مسألۃ الفدیۃ لما کان الدین سابقا علی الموت وقد اراد الوصی اسقاطہ قبل القبض فیکون انفاذا للوصیۃ فیما لم تتناولہ فلا یجوز مالم یقبض فیتصدق وفی مسألۃ الغصب لما کان المال عینا عند الوفاۃ وانما حصل قبض الغاصب واستہلاکہ وصیرورتہ دینا بعد الموت فقد تناولتہ الوصیۃ فجاز ھذا ما ظہر لی وبہ یظہر الجواب عما توقف فیہ العلامۃ المحشی بقولہ یراجع فانہ لاغبار علیہ من ھذہ الجہۃ الا ان یثبت ان اداء الکفارات بترک الدین لایجوز اصلا وفیہ وقفۃ فلیراجع ولیحرر اھ ماکتبت علیہ۔

مال کی وصیت کی گئی اس کا حق قصاص میں ثابت نہیں ہوتا جب تبدیل ہوکر مال بن جائے تو اس میں اس کا حق ثابت ہوجائے گا اھ اس سے خانیہ اور وہبانیہ کے دونوں اقوال میں تطبیق ہوجائے گی۔ خانیہ میں ہے کہ دیون وصیت بالمال میں داخل نہیں ہوتے۔ وہبانیہ میں ہے کہ دیون کا اس میں دخول زیادہ مناسب ہے جیسا کہ منحۃ الخالق میں اسی طرف میلان ہے تو اس کے لیے منحۃ الخالق میں قضا کے متفرق مسائل کی طرف رجوع کرو۔ رہا مسئلہ فدیہ کا معاملہ تو دَین موت سے پہلے تھا اور وصی نے قبضہ سے پہلے ہی اس کے اسقاط کا ارادہ کیا تو یہ وصیت کا ایسی چیز میں اجرا ہوگا جس کو یہ شامل ہی نہیں، تو جب تک قبضہ نہ ہو اور صدقہ نہ کیا جائے یہ جائز نہ ہوگا، اور مسئلہ غصب میں وفات کے وقت مال عین تھا، پھر غاصب کا قبضہ، اس کا اسے ہلاک کرنا اور اس کا دَین بننا یہ سب موت کے بعد ہوا ہے تو اسے وصیت شامل ہوگی تو اس طرح یہ جائز ہے۔ یہ وُہ تھا جو مجھ پر واضح ہُوا۔ اور اس سے اس چیز کا جواب بھی آگیا جس میں علامہ محشی نے لفظ "یراجع" سے توقف کیا کیونکہ اس اعتبار سے اس پر کوئی غبار نہیں، مگر جب یہ ثابت ہوجائے کہ کفارات کی ادائیگی ترکِ دین سے اصلاً جائز ہی نہیں اور اس میں توقف ہے، چاہئے یہ کہ جو ہم نے تحریر کیا ہے اس تمام کا مطالعہ کیا جائے اھ میرا حاشیہ ختم ہوا۔ (ت)

باقی صور کا حکم قابلِ تفتیش و مراجعت ہے **اقول** وباللہ التوفیق امر محتمل ہے اور قائل کہہ سکتا ہے کہ قاعدہ شرعیہ ادائے کامل بہ کامل ہے نہ کامل بناقص۔ ولہذا اوقاتِ ثلٰثہ میں کوئی نماز ادا و قضا، جائز نہیں، مگر آج کی عصر یا اس جنازے کی نماز جو انھیں اوقات میں لایا گیا لتادیھما حینئذ کما وجبتا

والمسائل بتعلیلاتہا مذکورۃ متونا وشروحا (کیونکہ ان کی ادائیگی اس طرح ہورہی ہے جس طرح وہ واجب ہوئے تھے اور یہ تمام مسائل اپنی تعلیلات کے ساتھ متون اور شروحات میں مذکور ہیں۔ ت) روزوں میں کوئی ناقص نہیں اور قضا نمازیں عموماً کامل ہیں ولہذا کل کی عصر آج آفتاب ڈوبتے قضا نہیں کی جاسکتی اور جو مال کسی پر دین ہو جب تک وصول نہ ہو مال کامل نہیں ناقص ہے خصوصاً جبکہ کسی مفلس پر ہو کہ وہ تو گویا مردہ مال ہے ولہذا حاصل ملک مال کہ تمول وغنا نہیں ہوتا زید کے لاکھ روپے کسی مفلس پر قرض آتے ہوں جب تک پاس نصاب نہ ہو فقیر ہے خود زکوٰۃ لے سکتا ہے۔

فی الاشباہ من لہ دین علی مفلس مقر فقیر علی المختار[1]

اشباہ میں ہے جس کا کسی ایسے شخص پر قرض ہو جو مفلس اقرار کرنے والا ہو تو مختار قول پر وہ فقیر ہے۔ (ت)

بلکہ عرفاً دین کو مال ہی نہیں کہتے اگر لاکھوں قرض میں پھیلے ہوں اور پاس کچھ نہیں تو قسم کھا سکتا ہے کہ میرا کچھ مال نہیں کما تقدم عن الظھیریۃ ومثلہ فی البحر والتنویر وغیرھما (جیسا کہ ظہیریہ کے حوالے سے پہلے گزرا، اس کی مثل بحر، تنویر اور دیگر کتب میں ہے۔ ت) ولہذا کسی عین یعنی نصاب موجود کی زکوٰۃ، دین بہ نیت زکوٰۃ معاف کر دینے سے ادا نہیں ہو سکتی کہ نصاب موجود مال کامل ہے تو مال ناقص اس کی زکوٰۃ نہیں ہو سکتا بلکہ جو دین آئندہ ملنے کا ہے اس کی زکوٰۃ بھی معافی دین سے ادا نہ ہوگی کہ دین باقی دین ساقط سے بہتر ہے، دین ساقط اب کبھی مال نہیں ہو سکتا اور دین باقی میں احتمال ہے شاید وصول ہو کر مال ہو جائے، ہاں جو نصاب کسی فقیر پر دین تھی وہ کل یا بعض اسے معاف کر دے تو قدر معاف شدہ کی زکوٰۃ ساقط ہو گئی کہ ناقص ناقص سے ادا ہو سکتا ہے۔

فی الدر المختار لو ابرأ الفقیر عن النصاب صح وسقط عنہ، واعلم ان اداء الدین عن الدین والعین عن العین وعن الدین یجوز واداء الدین عن العین وعن دین سیقبض لایجوز[2] اھ فی تبیین الحقائق لوکان لہ

درمختار میں ہے: اگر کسی نے فقیر کو نصاب سے بری کر دیا تو صحیح ہوگا اور اس سے زکوٰۃ ساقط ہو جائیگی۔ واضح رہے کہ دین کی ادائیگی دین سے، اور عین کی ادائیگی عین سے، اور دین دونوں سے جائز ہے لیکن دین کی ادائیگی عین سے اور اس دین سے جو عنقریب مقبوض ہوگا ان دونوں سے جائز نہیں اھ تبیین الحقائق میں ہے اگر کسی کا فقیر پر

[1] الاشباہ والنظائر کتاب الزکوٰۃ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۲۲۰
[2] درمختار " مجتبائی دہلی ۱/۱۳۰

دین علی فقیر فابرأہ عنہ سقط منہ زکٰوۃ نوی بہ عن الزکٰوۃ اولا لانہ کالھلاک ولو ابرأہ عن البعض سقط زکٰوۃ ذلک البعض لما قلنا وزکٰوۃ الباقی لاتسقط ولو نوٰی بہ الاداء عن الباقی لان الساقط لیس بمال والباقی یجوز ان یکون مالا فکان الباقی خیرا منہ فلا یجوز الساقط عنہ[1] اھ۔

دین تھا اس نے فقیر کو قرض سے بری کر دیا تو اس سے زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی خواہ اس سے زکوٰۃ کی اس نے نیت کی ہو یا نہ، اس لیے کہ یہ ہلاک ہونیوالے مال کی طرح ہے اور اگر بعض نے ساقط کیا تو سابقہ دلیل کی بنا پر بعض سے ساقط ہو جائیگی لیکن باقی سے زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی اگرچہ باقی سے ادائیگی کی نیت کی گئی ہو کیونکہ جو ساقط ہے مال نہیں اور جو باقی ہے اس کا مال ہونا ممکن ہے تو باقی ساقط سے بہتر ٹھہرا لہذا اس سے سقوط نہیں ہوگا اھ (ت)

یہ تقریر منیر بتوفیق القدیر اقتضاء کرتی ہے کہ دین معاف کرنے سے فدیہ مطلقاً ادا نہ ہو جب تک وصول کرکے فدیہ میں نہ دیں، اس تقدیر پر وہ حیلہ کہ ہندوالوں میں متعارف ہے اور بعض متاخرین فضلائے ہند نے اسے کشف الغطاء میں ذکر کیا کہ:

متعارف چنان ست کہ حساب کنند سالہائے میت را دادنی مدت بلوغ کہ در مرد دوازدہ سال و در زن نہ سال ست وضع کنند باقی را مقابل ہر شش نماز واجب شبانہ روز سہ صاع کامل گیرند وماہ با کامل سی روز اعتبار کنند تا فدیہ نمازہائے یک سال کہ سی صد وشصت روز ست یک ہزار وہشتاد صاع حاصل آید و پانزدہ صاع فدیہ رمضان افزایند ہمگی فدیہ تمام سال یک ہزار ونود وپنج صاع شود ہمیں طریق سالہائے تمام عمر را حساب کنند وحاصل آن را موافق قیمت مبلغ تشخص نمایند وبنا بر ضرورت عسرت

معروف یہ ہے کہ میت کی عمر کے تمام سالوں کا حساب نکالتے ہیں، کم از کم مدتِ بلوغ جو مرد میں بارہ سال اور عورت میں نو سال ہے نکال کر باقی عمر ہر دن رات کی چھ نمازوں کے مقابل (اعتبار سے) تین صاع لیتے ہیں اور ہر ماہ کے تیس دن شمار کئے جاتے ہیں حتی کہ ایک سال (جو تین سو ساٹھ دنوں کا ہے) کی نمازوں کا فدیہ ایک ہزار اسّی صاع بنتا ہے اور ۱۵ صاع رمضان کا فدیہ زیادہ کرتے ہیں تو تمام سال کا فدیہ ایک ہزار پچانوے (۱۰۹۵) صاع ٹھہرا، پس اسی طریقے سے تمام سالوں کا حساب کرلیا جائے اور اس کے حاصل کے مطابق اس کی قیمت

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الزکوٰۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ مصر ۱/۲۵۸

مصحف را بمثل آنقدر زر بدست فقیرے فروشند و تسلیم نمایند تا آنقدر زر بر ذمہ اش دین شود پس بگویند کہ ایں قدر زر را کہ بر ذمہ تو دین ست عوض فدیہ نماز و روزہ ہائے فلاں میّت کہ بایں قدر می رسد ترا دادیم وبگوید فقیر کہ قبول کردیم واگر مبلغ حساب نکنند و قرآن را بمثل آں قدر جنس ہدیہ کنند تاہمیں جنس بر ذمہ اش دین شود آں را عوض فدیہ بوے بخشند وا و قبول نماید نیز کفایت می کنند[1]

دے دی جائے، اگر تنگ دستی ہو تو ایک مصحف کو اس مقدار کے زر پر کسی فقیر کو فروخت کردیں اور یہ اس کے ذمہ دین کردیں اس کے بعد اسے کہیں کہ تیرے ذمہ جو دین آیا ہے یہ فلاں کی نماز اور روزوں کا فدیہ میں نے تجھے دیا ہے وہ فقیر کہے اسے قبول کرتا ہوں، اگر قیمت کا حساب نہ کریں اور قرآن کو اس کی مقدار جنس کے ساتھ ہدیہ کریں تاکہ یہ جنس اس کے ذمہ ہوجائے اور اسے فدیہ کے عوض بخش دیں اور وہ قبول کرے تو یہ بھی کفایت کر جائے گا (ت)

ظاہراً محض ناتمام وناکافی ہے اور اس پر ایک قرینہ واضحہ یہ بھی ہے کہ عامہ کتب معتمدہ مذہب میں ضرورتمند کے لیے جو حیلہ اس کا ارشاد فرمایا سخت دقت طلب اور بہت طول عمل ہے جس کا خود ان فاضل کو اعتراف ہے، یہ متعارف طریقہ ذکر کرکے لکھا:

ومشہور ومنقول در اکثر کتب چنانست کہ قدرے گندم کہ میسر شود منجملہ فدیہ بایں نام بہ فقیر دہند و او قبول کند پس از وے طلب نمایند وبستانند باز بوے بدہماں نام دہند وہمچنیں مکرر کنند تا آنکہ فدیہ نماز و روزہ در فدیہ ہا تمام ادا شود وایں حیلہ خالی از تکلف نیست[2]

مشہور اور اکثر کتب میں منقول یہ ہے کہ جو بھی گندم میسر ہو نماز روزہ کے فدیہ کے طور پر اسے فقیر کو دیا جائے وہ قبول کرے اس کے بعد اس سے بطور ہبہ لے لیں پھر اسے بطور فدیہ دے دیں اسی طرح بار بار کریں حتی کہ نماز و روزہ کا فدیہ مکمل ہوجائے اور یہ حیلہ تکلّف سے خالی نہیں۔ (ت)

اقول اسی حیلہ جمیلہ کی تصریح فرمائی درمختار و بزازیہ وخلاصہ وعالمگیریہ وبحر الرائق وغنیہ و صغیری شرح منیہ وفتح اللہ المعین حاشیہ کنز ومنحۃ الخالق وطحطاوی علی الدر المختار و رد المحتار میں زائدین علی ما فی الشرح کلھم فی باب قضاء الفوات (جو شرح میں ہے اس پر اضافہ کرتے ہوئے ان سب نے یہ مسئلہ باب قضاء الفوات میں ذکر کیا ہے۔ ت) اور جامع الرموز و برجندی شرح نقایہ و

---

[1] کشف الغطا فصل در احکام دعا وصدقہ وخواں از اعمال خیر برائے میت مطبع احمدی دہلی ص ۶۷
[2] کشف الغطا " " " ص ۶۸

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں کلہم فی الصوم (ان سب نے کتاب الصوم میں یہ مسئلہ ذکر کیا ہے۔ ت)
اسی کو علامہ عبدالغنی بن اسمٰعیل نابلسی قدس سرہ القدسی نے شرح ہدیہ ابن العماد میں اپنے والد ماجد
علامہ اسمٰعیل بن عبدالغنی نابلسی محشی درر وغرر انھوں نے احکام الجنائز سے نقل فرمایا کما فی منحۃ الخالق
(جیسا کہ منحۃ الخالق میں ہے۔ ت) اسی پر امام اجل ناصر الدین ابوالقاسم محمد بن یوسف حسینی سمرقندی
نے ملتقط میں نص فرمایا کما فی شرح مختصر الوقایۃ لعبد العلی (جیسا کہ شرح مختصر الوقایہ
عبدالعلی میں ہے۔ ت) اسی طرح علامہ مدقق علائی نے درِ منتقی شرح ملتقی اور علامہ شریف ابوالسعود
ازہری نے شرح نور الایضاح میں تصریح فرمائی کما فی شرحہ للسید احمد المصری (جیسا کہ
سید احمد مصری کی شرح میں ہے۔ ت) یہی تبیین المحارم علامہ سنان الدین یوسف مکی میں مذکور کما
فی شفاء العلیل وبل العلیل للعلامۃ الشامی (جیسا کہ شفاء العلیل وبل العلیل للعلامۃ الشامی
میں ہے۔ ت) یہ سب عبارات اور ان سے زائد اس وقت فقیر کے پیش نظر ہیں بلکہ شفاء العلیل سے ہمارے
ائمہ کی کتب فروع واصول کی طرف اس کی نسبت ظاہر۔

حیث قال اعلم ان المذکور فیما رأیتہ من کتب ائمتنا فروعا واصولا انہ اذا لم یوص بفدیۃ الصوم یجوز ان یتبرع عنہ ولیہ وھو من لہ التصرف فی مالہ بوراثۃ او وصایۃ قالوا ولو لم یملک شیئا یستقرض الولی شیئا فیدفعہ للفقیر ثم یستوھبہ منہ ثم یدفعہ لاٰخر وھکذا حتی یتم[1]

اس کے الفاظ یہ ہیں میرے مطالعہ کے مطابق ہمارے ائمہ کی کتب خواہ فروع یا اصول میں ہوں یہ مذکور ہے کہ جب میت نے فدیہ صوم کی وصیت نہ کی ہو تو اس کا ولی بطور نفل فدیہ دے سکتا ہے اور ولی سے مراد وہ شخص ہے جو اس کے مال میں بطور وارث یا وصی ہونے کے ناطہ سے تصرف کرسکتا ہو، فقہاء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر ولی کسی شے کا مالک نہ ہو تو کسی سے قرض لے کر فقیر کو دے پھر اس سے بطور ہبہ واپس لے پھر فقیر کو دے، اسی طرح بار بار کیا جائے حتی کہ فدیہ پورا ہوجائے۔ (ت)

اور فاضل سید علاء الدین شامی نے منۃ الجلیل میں اسے متون وشروح وحواشی کی طرف نسبت کیا

حیث قال والمنصوص فی کلامھم متونا وشروحا وحواشی ان الذی یتولی

اس کی عبارت یہ ہے متون، شروح اور حواشی میں یہ منصوص ہے یہ سارا کچھ ولی کرسکتا ہے، اور ولی

---

[1] شفاء العلیل رسالہ من رسائل ابن عابدین الرسالۃ السابعۃ سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۱۹۶

ذٰلك انما هو الولی وان المراد بالولی من له ولایة التصرف فی ماله بوصایة او وراثة وان المیت لو لم یملك شیئا یفعل له ذٰلك الوارث من ماله ان شاء فان لم یکن للوارث مال یستوهب من الغیر او یستقرض لیدفعه للفقیر ثم یستوهبه من الفقیر وھکذا الی ان یتم المقصود۔[1]

سے مراد وہ شخص ہے جو میت کے مال میں اس کی وصیت یا وارث ہونے کی حیثیت سے تصرف کرسکتا ہو اور میت اگر کسی شے کا مالک نہ ہو تو وارث اپنے مال سے بھی یہ حیلہ کرسکتا ہے تاکہ کسی فقیر کو دے پھر فقیر سے بطور ہبہ واپس لے اسی طرح کرے یہاں تک کہ مقصود حاصل ہوجائے۔ (ت)

یہ ائمہ متقدمین سے لے کر ہمارے زمانے تک کے علمائے متاخرین کے نصوص ہیں جن میں سوا اُس طریقہ دور کے طریقۂ دین کا اصلاً پتا نہ دیا اور طریقہ دور میں جو سخت تکلیف ہے مخفی نہیں۔ وجیز امام کردری میں ہے:

ان لم یکن له مال یستقرض نصف صاع و یعطیه المسکین ثم یتصدق به المسکین علی الوارث ثم الوارث الی المسکین ثم وثم حتی یتم لکل صلٰوۃ نصف صاع کما ذکرنا۔[2]

اگر وارث کے پاس مال نہ ہو تو وارث نصف صاع قرض لے اور کسی مسکین کو دے پھر وہ مسکین اس وارث پر صدقہ کرے پھر وارث مسکین پر صدقہ کرے اسی طرح بار بار کیا جائے حتی کہ ہر ہر نماز کا فدیہ نصف صاع ہوجائے جیسے ہم ذکر کر آئے (ت)

بعینہٖ اسی طرح نیم صاع، بحرالرائق و خلاصہ و ہندیہ و طحطاوی علی نور الایضاح و ابی السعود علی مسکین و ملتقط و برجندی و درمختار و غیرہا معتمدات اسفار میں ہے۔ اب فرض کیجئے کہ زید نے بہتر۷۲ سال کی عمر میں وفات پائی، بارہ برس نکال کر ساٹھ رہے۔ ہر سال کے دن تین سو ساٹھ۳۶۰ نہ رکھئے جس طرح کشف الغطاء میں اختیار کیا ہر سال قمری کبھی تین سو پچپن۳۵۵ دن سے زائد نہیں ہوتا۔

ھذا العرفی الماخوذ بالاھلة اما الحقیقی فیکون اقل منها بساعات کما فصل فی محله، اقول وکذا لاحاجة بنا الی اخذ الشمسیة ثلثمائة و

یہ عرفی سال ہے جو چاند کی بنا پر ہوتا ہے، رہا حقیقی سال تو وہ اس سے کچھ ساعتیں کم ہوتا ہے جیسا کہ اس کی تفصیل اپنے مقام پر کی گئی ہے **اقول** اسی طرح ہمیں شمسی سال تین سو پینسٹھ دن کا لینے کی ضرورت

---

[1] منة الجلیل رسالہ من رسائل ابن عابدین الرسالۃ الثامنۃ سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۲۱۲

[2] الفتاوی البزازیۃ علی حاشیۃ فتاوی ہندیۃ التاسع عشر فی الفوائت نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۶۹

خمسة وستين يوما كما فعل فی احكام الجنائز قائلا ینبغی ان تحسب فدیة الصلوٰة بالسنة الشمسیة اخذا بالاحتیاط من غیر اعتبار ربع الیوم[1] اھ فان سنی العمر اذا حسبت بالقمریات علمنا قطعا ان الایام لا تزید علی ماتحسب والمقطوع به لایحتاج الی الاحتیاط فان قیل لعلھم اخذوا الزائد لیقع عما یؤدی عنه من الصلوات التی عسٰی ان یکون المیت فرط فیھا قلت قالوا بعد ذٰلك ثم یحسب سن المیت فیطرح منه اثنا عشرة سنة لمدة بلوغه ان کان المیت ذکرا وتسع سنین ان کانت انثی الخ[2] کما فی احکام الجنائز ایضا فاذا اتوا علی جمیع العمر فماذا عسٰی ان یکون شاذا یحتاط له۔

نہیں جیسا کہ احکام جنائز میں یہ کہتے ہوئے لیا گیا ہے کہ فدیہ نماز میں احتیاطاً شمسی سال کا اعتبار کرنا چاہئے ماسوائے دن کے چوتھائی حصّہ کے اھ کیونکہ جب عمر کے سالوں کا اعتبار چاند کے اعتبار سے ہے تو یقیناً دن ہمارے حساب سے زائد نہ ہوں گے اور یقینی بات میں احتیاط کی محتاجی نہیں ہوتی، اگر یہ کہا جائے کہ انھوں نے زائد دن اس لئے لئے ہیں شاید میّت نے بعض نمازوں میں کوتاہی کی ہو تو اس کا فدیہ ہوجائے قلت اس کے بعد فقہاء نے فرمایا ہے پھر میّت کی عمر شمار کی جائے اس سے بلوغ کی مدت بارہ سال خارج کردی جائے اگر وہ مذکر ہو، اور اگر مؤنث ہے تو نو سال خارج کی جائے الخ جیسا کہ احکام جنائز میں بھی ہے تو جب وہ ساری عمر کی بات کر رہے ہیں تو اس سے خارج کوئی نہیں رہا جس کے لیے احتیاط کی ضرورت ہو۔ (ت)

تو یہی تین سو چپن کافی ہیں پس ایک سال کی نمازوں کے دو ہزار ایک سو تیس (۲۱۳۰) فدیے ہوئے، اور تیس۳۰ فدیے یعنی فدیے رمضان المبارک کے ملا کر دو ہزار ایک سو ساٹھ ۲۱۶۰، انھیں ساٹھ میں ضرب دینے سے ایک لاکھ انتیس ہزار چھ سو (۱۲۹۶۰۰) ہوتے ہیں اتنی بار وارث وفقیر میں تصدق وہبہ کی اُلٹ پھیر ہونی چاہئے تو فدیہ ادا ہو یہ صرف صوم وصلوٰۃ کا فدیہ ہُوا اور ہنوز اور بہت فدیے وکفارے باقی ہیں مثلاً (۳) زکوٰۃ فرض کیجئے ہزار روپے زکوٰۃ کے اس پر مجتمع ہوگئے تھے اور نیم صاع کی قیمت دو۲ آنے ہے تو آٹھ ہزار دور بہ نیت زکوٰۃ دینے لینے کو درکار ہیں (۴) قربانیاں، اگر فی قربانی ایک ہی روپیہ قیمت رکھئے تو ساٹھ۶۰ قربانیوں کے لیے چار سو۴۸۰ اسّی دور ہوں۔ (۵) قسموں کے کفارے، ہر قسم کے لیے دس۱۰ مسکین جداجدا درکار ہیں ایک کو دس۱۰ بار دینا کافی نہ ہوگا (۶) ہر سجدۂ تلاوت کے لیے بھی احتیاطاً ایک فدیہ مثل ایک نماز کے ادا کرنا چاہئے وان لم یجب علی الصحیح کما فی

[1] منحۃ الخالق بحوالہ احکام الجنائز حاشیۃ بحر الرائق باب قضاء الفوائت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۹۰
[2] ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″

التاتارخانية (اگرچہ صحیح قول کے مطابق واجب نہیں جیساکہ تاتارخانیہ میں ہے۔ت) (۷) صدقاتِ فطر اپنے اور اپنے اہل وعیال کے جس قدر ادانہ ہوئے ہوں (۸) جتنے نوافل فاسد ہوئے اور ان کی قضا نہ کی (۹) جو جو منتیں مانیں اور ادا نہ کیں (۱۰) زمین کا عشر یا خراج جو ادا سے رہ گیا وغیرہ وغیرہ اشیائے کثیرہ

على ما ذكر بعضها في ردالمحتار وزاد كثيرا في شفاء العليل وفصل جلها في منة الجليل فراجعها ان اردت التفصيل وافاد في الدرالمختار ضابطة كلية ان ماكان عبادة بدنية فان الوصي يطعم عنه بعد موته عن كل واجب كالفطرة والمالية كالزكوة يخرج عنه القدر الواجب والمركب كالحج يحج عنه رجلا من مال الميت بحر[1] اھ قلت وكلام البحر اجمع وانفع حيث قال الصلوة كالصوم وتؤدي عن كل وتر نصف صاع وسائر حقوقه تعالى كذلك ماليا كان او بدنيا عبادة محضة اوفيه معنى المؤنة كصدقة الفطر او عكسه كالعشر اومؤنة محضة كالنفقات اوفيه معنى العقوبة كالكفارات[2] اھ (ملخصا)

ان میں سے بعض کا تذکرہ ردالمحتار میں ہے اس پر بہت سا اضافہ شفاء العلیل میں کیا اور منۃ الجلیل میں ان میں سے بڑی بڑی کی تفصیل ہے اگر تفصیل چاہتے ہو تو اس کی طرف رجوع کرو۔ درمختار میں یہ ضابطہ کلیہ بیان کیا جس کا حاصل یہ ہے ہر وہ عبادت جو بدنی ہو (جیسے نماز) تو وصی اس کے مرنے کے بعد میّت کی طرف سے ہر واجب کے عوض صدقۃ الفطر کی مقدار فدیہ دے اگر عبادت مالی ہو مثلاً زکوٰۃ تو وصی مقدار واجب میّت کی طرف سے ادا کرے اور اگر مالی و بدنی کا مرکب ہو جیسے حج تو کسی شخص کو بھیج کر میّت کے مال سے حج کرائے کذا فی البحر اھ قلت بحر کا کلام بہت جامع اور نافع ہے اس کے الفاظ یہ ہیں کہ نماز، روزے کی طرح ہے، اور ہر وتر کے عوض نصف صاع ادا کیا جائے اور اللہ تعالٰی کے بقیہ حقوق کا معاملہ بھی اسی طرح ہے خواہ وہ مالی ہوں یا بدنی، عبادتِ محضہ ہوں یا اس میں ذمہ داری کا پہلو بھی ہو مثلاً صدقۃ الفطر یا اس کا عکس ہو مثلاً عشر یا اس میں محض ذمہ داری ہو مثلاً نفقات یا اس میں معنی عقوبت ہو مثلاً کفارات اھ (ملخصاً) (ت)

ان کے لیے کوئی حد معین نہیں کرسکتے اس قدر ہونا چاہئے کہ برات ذمہ پر ظن حاصل ہو واللہ تعالٰی یقبل الحسنات ویقبل السیئات (اللہ تعالٰی حسنات کو قبول کرے اور برائیوں کو ختم کرے۔ت)

---

[1] الدرالمختار کتاب الصوم فصل فی العوارض مجتبائی دہلی ۱/۱۵۳
[2] البحرالرائق فصل فی العوارض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۲۸۵

ان ہزاروں لاکھوں بار کے ہیر پھیر کی دقت دیکھئے اور اس ہندی طریقہ کی سہولت کہ ایک ہی دفعہ میں اُس کے اور اس کی سات پشت کے تمام انواع واقسام کے فدیے، کفارے، مواخذے دو حرف کہنے میں معاً ادا ہو سکتے ہیں تو اوّل تا آخر تمام علمائے مذہب کا اس کلفت کے اختیار اور اس سہولت کے ترک پر اتفاق قرینہ واضحہ ہے کہ اُن کے نزدیک اُس آسانی کی طرف راہ نہ تھی ورنہ اسے چھوڑ کر اس مشقت پر اطباق نہ ہوتا بالجملہ دین سے فدیہ ادا کرنے کی دو صورتیں ہیں:

ایک وہ کہ درمختار کتاب الوصایا عبارت مذکورہ سابقاً میں ذکر فرمائی کہ مدیون سے دین وصول کرکے بعد قبضہ پھر اسے فدیہ میں دے دے۔

دوسری وہ کہ درمختار کتاب الزکوٰۃ میں مذکور ہوئی کہ مال فدیہ میں دے کر آتے میں واپس کرے اگر مدیون نہ دینا چاہے ہاتھ بڑھا کر لے کہ اپنا عین حق لیتا ہے،

حیث قال وحیلة الجواز ان یعطی مدیونه الفقیر زکوته ثم یاخذها عن دینه ولو امتنع المدیون مدیده واخذها لکونه ظفر بجنس حقه فان مانعه رفعه للقاضی[1]۔

اس کے الفاظ یہ ہیں مال موجود کی زکوٰۃ دَین سے ادا کرنے کی تدبیر یہ ہے کہ فقیر مقروض کو اپنی زکوٰۃ حوالہ کردے پھر اس سے دَین کے عوض زکوٰۃ کی رقم واپس لے لے، اگر مقروض نہ دے تو اس کا ہاتھ پکڑ کر چھین لے کیونکہ یہ اسے اس کے حق کی جنس ملی ہے پھر اگر مدیون فقیر مزاحمت کرے تو اس کو قاضی کے پاس لے جائے کہ وہ اس سے دلوا دے گا۔ (ت)

اسی طرح ذخیرہ وہندیہ واشباہ وغیرہا میں ہے باقی یہ صورت کہ جو دَین فقیر پر آتا تھا یا اب اس کے ہاتھ کچھ بیچ کر مدیون کرلیا یہ فدیہ میں چھوڑ دیا جائے اس کے جواز کا پتا کلماتِ علماء سے اصلاً نہیں چلتا بلکہ ظاہر عدم جواز مفہوم ہوتا ہے تو احتیاط اس میں ہے کہ جب تک مشائخ مذہب سے اُس کے جواز کے پتے کی تصریح نہ ملے ایسے امر پر اقدام نہ کیا جائے ھذا ما ظھر لی والعلم بالحق عند ربی (یہ مجھ پر ظاہر ہوا ہے اور حق کا علم میرے رب کے پاس ہے۔ ت)

فائدہ: علماء نے حتی الامکان تقلیل دور پر نظر فرمائی ہے، علامہ شمس قہستانی نے تین صاع سے دَور فرض کیا کہ ہر بار میں ایک دن کامل کی نماز ادا ہو۔ احکام الجنائز میں چار ہزار بہتر درہم[۴۰۷۲] سے دَور رکھا کہ اُن اعصار وامصار کے حساب سے ہر دَور میں ایک سال کی نماز کا فدیہ ہو۔ ردالمحتار میں دَور یک سالہ

---

[1] الدرالمختار کتاب الزکوٰۃ مجتبائی دہلی ۱/۱۳۰

ذکر کرکے کہا اس سے زیادہ قرض لے تو ہر بار میں زیادہ ساقط ہو،

ویشمل کل ذلک وماسواہ مافی منۃ الجلیل وممّا تعارفہ الناس ونص علیہ اھل المذھب ان الواجب اذا کثر ادار واصرۃ مشتملۃ علی نقود او غیرھا کجواھر او حلی او ساعۃ وبنوا الامر علی اعتبار القیمۃ[1] الخ

یہ تمام کو شامل ہے، اس کے علاوہ جو منۃ الجلیل میں ہے کہ جو لوگوں کے ہاں معروف ہے اسی پر اہلِ مذہب نے تصریح کی کہ جب واجب کثیر ہوں تو ایک تھیلی میں نقدی وغیرہ مثلاً جواہر، ہار، زیور ڈال کر دَور کریں تو فقہاء نے قیمت کا اعتبار کیا ہے الخ (ت)

یہ سب واضحات ہیں اور ہر فہیم بعد ادراک حساب حتی المقدور تخفیف دَور کرسکتا ہے یہاں تک کہ اگر ممکن ہو کہ جس قدر اموال تمام فدیوں کفاروں مطالبوں کی بابت محسوب ہوئے سب دفعۃً تھوڑی دیر کے لیے کسی سے قرض مل سکیں تو دَور کی حاجت ہی نہ رہے گی کہ کوئی شے اُتنے اموال کے عوض فقیر کے ہاتھ بیچے، اور اگر کفارہ قسم بھی شامل ہے تو دس کے ہاتھ۔ پھر وُہ اموال قرضہ گرفتہ فدیہ میں دے کر شئی مبیع کو ثمن میں لے لے اور حسبِ مقدرت فقراء کو کچھ دے کر اُن کا دل خوش کردے، ہنوز اس مسئلہ میں بہت تفاصیل باقی ہیں کہ بخیال طول ان کے ذکر سے عنان کشی ہُوئی۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۹) دینے والے کی نیت کافی ہے لفظ کی حاجت نہیں،

کما صرحوا بہ فی الزکوۃ وقال العلامۃ السید الحموی فی شرح الاشباہ والنظائر العبرۃ لنیۃ الدافع لالعلم المدفوع الیہ[2] اھ وفی ردالمحتار لااعتبار للتسمیۃ[3] الخ وقد فصلناہ فی زکوۃ فتاوٰنا۔

جیسا کہ مسئلہ زکوٰۃ میں اس کی تصریح موجود ہے علامہ سید حموی نے شرح الاشباہ والنظائر میں فرمایا دینے والے کی نیت کا اعتبار ہے اُسے معلوم ہونا ضروری نہیں جسے دی جارہی ہو اھ ردالمحتار میں ہے زبان سے نام لینے کا اعتبار نہیں الخ ہم نے اس کی پُوری تفصیل اپنے فتاوٰی کے کتاب الزکوٰۃ میں دی ہے۔ (ت)

مگر زبان سے بھی کہہ دینے کو علماء مناسب بتاتے ہیں یہاں تک کہ طریقہ ادا میں میّت کے باپ دادا تک کا نام لینا فرماتے ہیں کہ مسکین سے کہا جائے یہ مال تجھے فلاں بن فلاں کے اتنے روزوں یا اتنی

---

[1] منۃ الجلیل رسالہ من رسائل ابن عابدین الرسالۃ الثامنۃ سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۲۱۲

[2] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر کتاب الزکوٰۃ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۲۲۱

[3] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۱

نمازوں کے فدیہ میں دیا وہ کہے میں نے قبول کیا، شرح نقایہ علامہ قہستانی میں ہے:

ینبغی ان یقول الدافع للمسکین فی کل مرۃ انی ادفعك مال کذا الفدیۃ صوم کذا لفلان بن فلان المتوفی ویقول المسکین قبلتہ[1]

مسکین کو دینے والا ہر دفعہ کہے میں تجھے فلاں بن فلاں بن فلاں میت کی طرف سے فدیہ صوم کے طور پر مال دے رہا ہُوں اور مسکین کہے میں نے اسے قبول کیا۔ (ت)

منحۃ الخالق وشرح ہدیۃ ابن عماد واحکام الجنائز میں ہے:

یقول المسقط لواحد من الفقراء ھکذا فلان بن فلان ویذکر اسمہ ابیہ، فاتتہ صلوات سنۃ ھذہ فدیتھا من مالہ، نملکك ایاھا ویعلم ان المال المدفوع الیہ صار ملکا لہ ثم یقول الفقیر ھکذا و انا قبلتھا وتملکتھا منك[2]

وارث فقراء میں سے کسی ایک کو یُوں کہے کہ یہ فلاں بن فلاں ہے، میت کا نام اس کے والد کا نام ذکر کرکے کہے اس کی سال کی نمازیں فوت ہوگئی تھیں ہم ان کے فدیہ کے طور پر اس مال کا تجھے مالک بنا رہے ہیں، اور وہ مال فقیر کی ملک میں چلانا معلوم کرے، پھر فقیر یُوں کہے میں نے قبول کیا اور تجھ سے اسے اپنی ملک میں لیا۔ (ت)

پُر ظاہر کہ یہ سب اولویتیں ہیں جن پر توقف ادا نہیں،

کما علمت فلا نظر لما یوھمہ کلام الفاضل المعاصر فی منۃ الجلیل حیث قال و یدفع عن الجنایۃ علی الحرم والاحرام مما یوجب دما او صدقۃ نصف صاع او دون ذلك فلابد من التعرض لاخراجھا بان یقال خذ ھذا عن جنایۃ علی حرم او احرام[3] اھ وانما الواجب التعرض فی النیۃ والقول یعم النفسی

جیسا کہ آپ جان چکے اس کی طرف توجہ نہ کی جائے جس کا وہم فاضل معاصر کے رسالہ منۃ الجلیل میں کلام سے پیدا ہو رہا ہے انھوں نے کہا حرم اور احرام میں جس جنایت کی وجہ سے دم لازم آیا ہو یا نصف صاع صدقہ یا اس سے کم صدقہ لازم آیا ہو تو اس کے نکالتے وقت یہ کہنا ضروری ہے کہ یہ حرم یا احرام میں جنایت کا فدیہ ہے تو اُسے وصول کراھ کیونکہ تعرض نیت میں ضروری ہے اور قول کلام نفسی

---

[1] جامع الرموز فصل موجب الافساد مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۱۷۰-۳۷۰

[2] منحۃ الخالق حاشیہ بحر الرائق باب قضاء الفوائت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۹۰

[3] منۃ الجلیل رسالہ من رسائل ابن عابدین الرسالۃ الثامنۃ سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۲۲۴

فافہم ، واللہ تعالٰی اعلم۔ کو شامل ہوتا ہے ، فافہم واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۱۰) متعدد فرق ہیں ،

(۱) شیخ فانی اپنی حیات میں روزہ کا فدیہ دے گا اور وہ کافی ہوگا۔ اگر زندگی میں عجز زائل ہوکر قوت نہ آجائے مگر نماز کا فدیہ نہیں دے سکتا کہ اس سے عجز مستمر متحقق نہیں ہوتا مگر دم واپسیں کھڑے ہوکر نہ ہوسکے بیٹھ کر پڑھے ، بیٹھ کر نہ ہوسکے لیٹ کر اشارہ سے پڑھے۔

(۲) شیخ فانی پر روزہ کا فدیہ حیات میں دینا واجب ہے اگر قادر ہو ، بعد مرگ وجوب نہیں جب تک اپنے مال میں وصیت نہ کرے۔

(۳) شیخ فانی کہ زندگی میں روزہ کا فدیہ دے اس کے کافی ہونے پر یقین کیا جائیگا کہ اس میں صراحۃً نص وارد ، یونہی اگر فدیۂ روزہ کی وصیت کرے اور فدیۂ روزہ بے وصیت اور فدیۂ نماز بوصیت میں شبہ ہے اور فدیہ نماز بے وصیت میں شبہ اقوی ، وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

(۴) زندگی میں فدیہ صوم شیخ فانی پر اس کے کل مال میں ہے اور بعد مرگ بے وصیت تو بے اجازت ورثہ ثلث سے زائد میں نافذ نہ ہوگی۔

فی تنویر الابصار والدر المختار لومات وعلیہ صلوات فائتۃ واوصی بالکفارۃ یعطی لکل صلوۃ کالفطرۃ وکذا الوتر والصوم وانما یعطی من ثلث مالہ ولو فدی عن صلوتہ فی مرضہ لایصح بخلاف الصوم[1] اھ ملخصا ، وفی ردالمحتار اذا اوصی بفدیۃ الصوم یحکم بالجواز قطعا ، واذا لم یوص فتطوع بہا الوارث فقال محمد فی الزیادات یجزیہ

تنویر الابصار اور درمختار میں ہے اگر کوئی فوت ہوا اور اس کی نمازیں رہ گئی تھیں اور اس نے کفارہ کی وصیت کی تو ہر نماز کے عوض صدقہ فطر کے برابر فدیہ دیا جائے ، اسی طرح وتر اور روزے کا حکم ہے ، باقی یہ فدیہ صرف اس کے تہائی مال سے ادا کیا جائیگا اگر کسی نے اپنی نماز کا فدیہ مرضِ موت میں دیا تو صحیح نہیں بخلاف روزہ کے کہ اس کا فدیہ مرضِ موت میں دینا جائز ہے ، ردالمحتار میں ہے جب کسی نے فدیۂ صوم کی وصیت کی تو قطعاً جواز کا حکم دیا جائے ، اور اگر اس نے وصیت نہ کی مگر وارث نے بطور نفل فدیہ ادا کردیا تو امام محمد نے زیادات میں فرمایا اگر

---

[1] درمختار باب قضاء الفوائت مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۱

ان شاء اللہ تعالٰی وکذا علقہ بالمشیئۃ فیما اذا اوصی بفدیۃ الصلٰوۃ فاذا لم یوص فالشبھۃ اقوی[1] وفی التنویر والدر فدی لزوما عن المیت ولیہ بوصیۃ وان تبرع ولیہ جاز ان شاء اللہ تعالٰی وللشیخ الفانی یفدی وجوبا لو موسرا ومتی قدر قضی لان استمرار العجز شرط الخلیفۃ[2] اھ الکل بالالتقاط وفی صوم البحر الرائق وقید بالوصیۃ لانہ لولم یأمر لایلزم الورثۃ شیئ کالزکوٰۃ[3]

اللہ تعالٰی نے چاہا تو یہ فدیہ کفایت کر جائے گا، اسی طرح انھوں نے اسے مشیتِ باری تعالٰی سے معلق فرمایا، جب کسی نے نماز کے فدیہ کی وصیت کی تو جب اس نے وصی نہ کی ہو تو شبہ بہت قوی ہوگا نیز تنویر اور در میں ہے وصیت کی بنا پر وارث کو میّت کی طرف سے فدیہ دینا لازم ہے اور اگر وارث نے بطور احسان فدیہ دے دیا تب بھی ان شاء اللہ یہ فدیہ دینا جائز ہے، اور شیخ فانی اگر امیر ہو تو اس پر فدیہ دینا لازم ہے اور اگر روزہ رکھنے پر قادر ہوگیا تو قضا کرے کیونکہ دوام عجز کا شرط ہے یعنی فدیہ کے روزے کا خلیفہ ہونے کے لیے دوام عجز شرط ہے، یہ تمام عبارتیں اختصاراً ذکر کی گئی ہیں۔ بحرالرائق کے باب الصوم میں ہے وصیت کے ساتھ مقید اس لیے کیا کہ اگر میت وصیت نہ کرے تو ورثاء پر کوئی شے لازم نہ ہوگی، جیسا کہ زکوٰۃ کا معاملہ ہے۔ (ت)

ان کے سوا اور فرق ہیں کہ مطالعہ بحرالرائق وغیرہ سے ظاہر مگر مقدار فدیہ وغیرہ جس قدر احکام نومسائل سابقہ میں مذکور ہوئے اُن میں فدیۂ حیات وممات یکساں ہے، واللہ تعالٰی اعلم

(۱۱) ن۔ کنز میں ہے للشیخ الفانی وھو یفدی[4] (شیخ فانی فدیہ ادا کرے۔ ت) فقط غیر فانی پر قضا فرض ہے پیش از قضا قضا آجائے تو فدیہ کی وصیت واجب، کما ردالمحتار وغیرہ من الاسفار (جیسا کہ ردالمحتار اور دیگر کتب میں ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

(۱۲) ن۔ فی البحر الرائق الولی لایصوم عنہ ولایصلی لحدیث النسائی[5] لایصوم

بحرالرائق میں ہے ولی میت کی طرف سے نہ روزہ رکھے نہ نماز پڑھے کیونکہ حدیث نسائی میں ہے کوئی

---

[5] ای فی سننہ الکبرٰی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما (م)

---

[1] ردالمحتار | باب قضاء الفوائت | مصطفی البابی مصر | ۱/ ۵۴۱
[2] درمختار | باب مایفسد الصوم | مجتبائی دہلی | ۱/ ۱۵۳
[3] البحر الرائق | فصل فی العوارض | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۲/ ۲۸۴
[4] کنز الدقائق | " | " | ص ۷۰

احد عن احد ولا یصلی احد عن احد[1] اھ شخص کسی کی طرف سے نہ روزہ رکھے اور نہ نماز
پڑھے اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)
واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۴۳ ازشہر کہنہ بریلی مسئولہ محمد شفیع علی خاں مرحوم ۲۴ شعبان ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی عمر ۵۰ سال کی ہے اور بوجہ کمزوری کے برداشت اور طاقت روزہ رکھنے کی نہ ہو ایسی صورت میں اس کو کیا کرنا چاہئے اور کفارہ روزوں کا کس طرح ہو اور کفارہ ہر روز دیا جائے۔ بینوا توجروا

الجواب

طاقت نہ ہونا ایک تو واقعی ہوتا ہے اور ایک کم ہمتی سے ہوتا ہے کم ہمتی کا کچھ اعتبار نہیں، اکثر اوقات شیطان دل میں ڈالتا ہے کہ ہم سے یہ کام ہرگز نہ ہوسکے اور کریں گے تو مرجائیں گے، بیمار پڑجائیں گے، پھر جب خدا پر بھروسہ کرکے کیا جاتا ہے تو اللہ تعالٰی ادا کرا دیتا ہے کچھ بھی نقصان نہیں پہنچتا، معلوم ہوتا ہے کہ وہ شیطان کا دھوکا تھا، ۵۰ برس عمر میں بہت لوگ روزے رکھتے ہیں، ہاں ایسے کمزور بھی ہوسکتے ہیں کہ ستر ہی برس کی عمر میں نہ رکھ سکیں تو شیطان کے وسوسوں سے بچ کر خوب صحیح طور پر جانچ چاہئے، ایک بات تو یہ ہوئی، دوسری یہ کہ ان میں بعض کو گرمیوں میں روزہ کی طاقت واقعی نہیں ہوتی مگر جاڑوں میں رکھ سکتے ہیں یہ بھی کفارہ نہیں دے سکتے بلکہ گرمیوں میں قضا کرکے جاڑوں میں روزے رکھنا ان پر فرض ہے، تیسری بات یہ ہے کہ ان میں بعض لگاتار مہینہ بھر کے روزے نہیں رکھ سکتے مگر ایک دو دن بیچ کرکے رکھ سکتے ہیں تو جتنے رکھ سکیں اُتنے رکھنا فرض ہے جتنے قضا ہوجائیں جاڑوں میں رکھ لیں، چوتھی بات یہ ہے کہ جس جوان یا بوڑھے کو کسی بیماری کے سبب ایسا ضعف ہو کہ روزہ نہیں رکھ سکتے انھیں بھی کفارہ دینے کی اجازت نہیں بلکہ بیماری جانے کا انتظار کریں، اگر قبل شفا موت آجائے تو اس وقت کفارہ کی وصیت کردیں، غرض یہ ہے کہ کفارہ اس وقت ہے کہ روزہ نہ گرمی میں رکھ سکیں نہ جاڑے میں، نہ لگاتار نہ متفرق، اور جس عذر کے سبب طاقت نہ ہو اُس عذر کے جانے کی امید نہ ہو، جیسے وہ بوڑھا کہ بڑھاپے نے اُسے ایسا ضعیف کردیا کہ گنڈے دار روزے متفرق کرکے جاڑے میں بھی نہیں رکھ سکتا تو بڑھاپا تو جانے کی چیز نہیں ایسے شخص کو کفارہ کا حکم ہے، ہر روزے کے بدلے پونے دو سیر گیہوں اٹھنی بھر اوپر بریلی کی تول سے، یا ساڑھے تین سیر جَو ایک روپیہ بھر اُوپر۔ واللہ تعالٰی اعلم، اسے کفارہ کا اختیار ہے کہ روز کا روز دے دے یا مہینہ بھر کا پہلے ہی ادا کردے یا ختم ماہ کے بعد کئی فقیروں کو دے یا سب ایک ہی فقیر کو دے سب جائز ہے۔

---

[1] البحرالرائق فصل فی العوارض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۲۸۵

مسئلہ ۲۴۹ ازمدرسہ اہلسنّت وجماعت بریلی مسئولہ مولوی اشرف علی صاحب طالبعلم ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ

ایک شخص نے انتقال کیا اور اس کے ذمہ کچھ روزہ فرض اور کچھ وقتوں کی نماز رہ گئی اب اس کی نماز روزہ کا فدیہ ادا کرنا چاہتے ہیں تو اس فدیہ کا کون مستحق ہے، کس قسم کے لوگوں کو دیا جائے؟ بینوا توجروا

الجواب

اس کے وہی مستحق ہیں جو زکوٰۃ کے مستحق ہیں، فقیر محتاج مسلمان کہ نہ ہاشمی ہوں نہ اس کی اولاد، نہ یہ اُن کی اولاد۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۰ از مارہرہ شریف ضلع ایٹہ سرکار کلاں مرسلہ حضرت سید محمد میاں صاحب دامت برکاتہم ۷ شعبان ۱۳۳۱ھ

فدیہ صوم جو شخص فانی کے لیے ہو اس کی مقدار بحساب انگریزی اسّی تولہ کے سیر سے کیا ہے اُس سے مطلع فرمایا جاؤں فتوٰی رضویہ میں فتوی بارق النور میں ایک صاع کی مقدار آٹھ رطل اور ہر رطل کی مقدار ۳۶ روپے بھر ہے اس حساب سے ایک صاع دوسو اٹھاسی روپیہ بھر ہوا مگر اس میں ایک سو اٹھاسی بھر لکھا ہے شاید غلطی سے لکھ گیا ہو مجھے خیال پڑتا ہے کہ سال گزشتہ کے اشتہار افطار و سحر میں صدقہ فطر کی مقدار سوا دو سیر اور ایک اٹھنی انگریزی بھر لکھی ہوئی تھی یہ اس فتاوٰی کے مقدار صاع سے جو دوسو اٹھاسی ہو یا ایک سو اٹھاسی ہو بہرحال مختلف رہتی ہے میں صرف بحساب اسّی تولہ سیر کے مقدار صدقہ فطر و فدیہ دریافت کرنا چاہتا ہوں فقط۔

الجواب

صاع وہی دوسو ستّر تولے ہے جس کا سکہ رائجہ ہند سے دوسو اٹھاسی روپے بھر وزن ہوا کہ یہ روپیہ سوا گیارہ ماشے ہے مگر احسن واحوط یہ ہے کہ گیہوں کا صدقہ جَو کی صاع سے ادا کیا جائے یعنی جس پیمانہ میں ایک سو چوالیس روپے بھر جَو آئیں اُس بھر گیہوں دئے جائیں ظاہر ہے کہ گیہوں وزن میں زیادہ آئیں گے جَو سے بھاری ہیں فقیر نے صاع شعیری حاصل کیا اور اس میں گیہوں بلا تکویم و تقعیر بھر کر تولے تو پورے تین سو اکاون روپے بھر ہوئے تو صدقہ فطر فدیہ صوم وغیرہا میں نیم صاع گندم کے اٹھنی اُوپر پونے دوسو روپے بھر گیہوں دینا احوط ہے جس کے بریلی کے سیر سے اٹھنی بھر اوپر پونے دو سیر ہوئے اور اسّی روپے بھر کے سیر سے اٹھنی بھر اوپر تین چھٹانک دو سیر ہوئے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۵۱ از گونڈہ محلہ نبی گنج مکان مولوی نوازش احمد مسئولہ حافظ محمد اسحٰق ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ

شیخ فانی کی تعریف کیا ہے اور اُس کی عمر کی کچھ تعداد بھی معین ہے یا نہیں، احکام شرعیہ مثل نماز روزہ، وضو و غسل کے کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

کیا امام اعظم و امام ابو یوسف و امام محمد و سائر ائمہ مابعد رضی اللہ تعالٰی عنہم کو فیضِ حقیقت اقدس سے روکنے والا اور معاذ اللہ معاذ اللہ یرید ون ان یطفؤا نور اللہ بافواھھم[1] (خدا کا نور اپنے منہ سے بجھانا چاہتے ہیں۔ ت) میں داخل مانا جائے گا، حاشا یہ اطبائے قلوب ہیں، مصالح شرع جانتے ہیں۔

(۲) صحیح بخاری و صحیح مسلم و سنن ابی داؤد میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا ارشاد اپنے زمانہ میں تھا:

لوادرک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ما احدث النساء لمنعھن المسجد کما منعت نساء بنی اسرائیل[2]

اگر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ملاحظہ فرماتے جو باتیں عورتوں نے اب پیدا کی ہیں تو ضرور انھیں مسجد سے منع فرمادیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں منع کردی گئیں۔

پھر تابعین ہی کے زمانہ سے ائمہ نے ممانعت شروع فرمادی، پہلے جوان عورتوں کو پھر بُڑھیوں کو بھی، پہلے دن میں پھر رات کو بھی، یہاں تک کہ حکمِ ممانعت عام ہوگیا۔ کیا اس زمانے کی عورتیں گربے والیوں کی طرح گانے ناچنے والیاں یا فاحشہ دلالہ تھیں اب صالحات ہیں یا جب فاحشات زائد تھیں اب صالحات زیادہ ہیں یا جب فیوض و برکات نہ تھے اب ہیں یا جب کم تھے اب زائد ہیں۔ حاشا بلکہ قطعاً یقیناً اب معاملہ بالعکس ہے۔ اب اگر ایک صالحہ ہے تو جب ہزار تھیں، جب اگر ایک فاسقہ تھی اب ہزار ہیں۔ اب اگر ایک حصہ فیض ہے جب ہزار حصے تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایأتی عام الا والذی بعدہ شرمنہ[3]

جو سال بھی آئے اُس کے بعد والا اس سے بُرا ہی ہوگا۔ (ت)

بلکہ عنایہ امام اکمل الدین بابرتی میں ہے کہ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عورتوں کو مسجد سے منع فرمایا، وہ ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے پاس شکایت لے گئیں، فرمایا: اگر زمانہ اقدس میں حالت یہ ہوتی حضور عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت نہ دیتے۔

حیث قال ولقد نھی عمر رضی اللہ تعالٰی

وہ فرماتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عورتوں کو

---

[1] القرآن ۹/ ۳۲
[2] صحیح مسلم باب خروج النساء الی المساجد نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۱۸۳
[3] صحیح البخاری باب لایأتی الزمان الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۴۷
فتح الباری شرح البخاری ″ ″ ″ دار المعرفۃ بیروت ۱۳/ ۱۷

مکروہاتِ صوم

مسئلہ ۲۵۲ ازبلگرام شریف محلہ میدان پورہ مرسلہ حضرت سید ابراہیم صاحب ۱۸ ذیقعدہ ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ روزے میں منجن جو بادام، کوئلہ، سپاری وگل وغیرہ کا بنتا ہے اُس کا استعمال کرنا کیسا ہے اور در بارۂ مسواک کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

مسواک مطلقاً جائز ہے اگرچہ بعد زوال، اور منجن ناجائز وحرام نہیں جبکہ اطمینان کافی ہو کہ اس کا کوئی جزء حلق میں نہ جائے گا، مگر بے ضرورتِ صحیحہ کراہت ضرور ہے۔ درمختار میں ہے، کرہ لہ ذوق شیئ[1] (روزہ دار کو شَے کا چکھنا مکروہ ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۵۳ تا ۲۵۴ ازعلی گڑھ بوساطت رحیم اللہ خاں ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، بینوا توجروا:

(۱) روزے میں اپنی عورت کو لپٹانا یا پاس لیٹنا جس سے خواہش غالب ہو اور مذی نکلے تو روزہ مکروہ ہو گا یا جاتا رہے گا؟

---

[1] الدرالمختار باب مایفسد الصوم مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵۲

(۲) عورت کی شرمگاہ دیکھنا روزے کو توڑے گا یا نہیں؟

الجواب

(۱) ان افعال سے روزہ جانے کی تو کوئی صورت ہی نہیں جب تک انزال نہ ہو اور خالی پاس لیٹنا جس میں بدن چھونا یا بوسہ لینا کچھ نہ ہو مکروہ بھی نہیں رہا، لپٹانا یا بوسہ لینا یا بدن چھونا ان میں اگر بہ سبب غلبۂ شہوت فسادِ صوم کا اندیشہ ہو یعنی خوف ہے کہ صبر نہ کرسکے گا اور معاذاللہ جماع میں مبتلا ہوجائے گا یا بلا جماع ہی ان افعال کی حالت میں انزال ہوجائے گا تو یہ سب فعل مکروہ وممنوع ہیں اور اگر یہ اندیشہ نہ ہو تو کچھ حرج نہیں، مگر مباشرتِ فاحشہ یعنی ننگے بدن لپٹانا کہ ذکر فرج کو مس کرے روزے میں مطلقاً مکروہ ہے۔ اسی طرح سراج وہاج میں بوسہ فاحشہ کو بھی مطلقاً مکروہ فرمایا، بوسۂ فاحشہ عورت کے لب اپنے لبوں میں لے کر چبائے، اور زبان چوسنا بدرجۂ اولیٰ مکروہ جبکہ عورت کا لعابِ دہن جو اس کی زبان چوسنے سے اُس کے مُنہ میں آئے تھوک دے، اور اگر حلق میں اُتر گیا تو کراہت درکنار روزہ ہی جاتا رہے گا، اور اگر قصداً بحالتِ لذت پی لیا تو کفارہ بھی لازم آئے گا۔

فی الدر المختار کرہ قبلۃ ومس و معانقۃ ان لم یأمن المفسد وان امن لاباس[1] ملخصا وفی رد المحتار جزم فی السراج بان القبلۃ الفاحشۃ بان یمضغ شفتیھا تکرہ علی الاطلاق ای سواء أمن اولا قال فی النھر والمعانقۃ علی التفصیل فی المشھور وکذا المباشرۃ الفاحشۃ فی ظاھر الروایۃ وعن محمد کراھتھا مطلقا وھو روایۃ الحسن قیل وھو الصحیح اھ واختار الکراھۃ فی الفتح وجزم بھا فی الولوالجیۃ بلا ذکر خلاف، وھی ان یعانقھا وھما

درمختار میں ہے: بوسہ لینا، چھونا اور معانقہ کرنا مکروہ ہے اگر جماع یا انزال مفسدِ روزہ کا خوف ہو۔ اور اگر مفسدِ روزہ کا خوف نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔ ردالمحتار میں ہے: سراج میں اس پر جزم کیا ہے کہ بوسہ فاحشہ یہ ہے کہ اس کے دونوں ہونٹ اپنے منہ میں لے کر دبانا مطلقاً مکروہ ہے خواہ فسادِ روزہ سے خوف ہو یا نہ ہو۔ نہر میں ہے مشہور روایت کے مطابق بوسہ میں تفصیل ہے ظاہر الروایۃ میں مباشرتِ فاحشہ کا بھی یہی حکم ہے اور امام محمد سے مطلق اس کی کراہت مروی ہے اور یہ روایت حسن سے ہے، بعض نے کہا یہی صحیح ہے اھ ذکر اختلاف کے بغیر فتح میں کراہت کو مختار قرار دیا ہے، اور ولوالجیہ میں کراہت پر جزم کا اظہار ہے۔ اور مباشرت فاحشہ سے مراد یہ ہے

---

[1] الدرالمختار باب مایفسد الصوم مجتبائی دہلی ۱/۱۵۲

متجردان ویمس فرجه فرجها بل قال فی الذخیرۃ ان ھذا مکروہ بلاخلاف لانہ یفضی الی الجماع غالبا اھ وبہ علم ان روایۃ محمد بیان لکون ما فی ظاھر الروایۃ وما مر عن النھر لیس مما ینبغی ثم رأیت فی التتارخانیۃ عن المحیط التصریح بما ذکرتہ من التوفیق بین الروایتین وانہ لافرق بینھما وللہ الحمد اھ[1] باختصار وفی الدر الضابط وصول ما فیہ صلاح بدنہ لجوفہ ومنہ ریق حبیبہ فیکفر لوجود معنی صلاح البدن فیہ درایۃ وغیرھا[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

کہ مرد عورت دونوں معانقہ کریں اس حال میں کہ دونوں ننگے ہوں اور مرد کا فرج خاتون کی شرمگاہ کو مس کر رہا ہو بلکہ ذخیرہ میں یہ کہا ہے کہ ایسا عمل بالاتفاق مکروہ ہے کیونکہ یہ غالباً جماع کا سبب بن جاتا ہے اھ اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ امام محمد کی روایت ظاہر روایت کا بیان ہے اور جو کچھ نہر کے حوالے سے گزرا وہ مناسب نہیں پھر میں نے تتارخانیہ میں محیط سے اس پر تصریح دیکھی جو میں نے دونوں روایات میں مطابقت دیتے ہوئے ذکر کی ہے کہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں وللہ الحمد اھ اختصاراً درمیں ہے غذا اور دوا کی شناخت کا ضابطہ یہ ہے پیٹ میں ایسی شئی کا پہنچ جانا جو بدن کی اصلاح کا سبب ہو (وہ غذا یا دوا کہلاتی ہے) محبوب کا لعابِ دہن اسی قبیل سے ہے، اگر کوئی نگل جائے تو ایسی صورت میں چونکہ اصلاحِ بدن موجود ہے لہٰذا وہ کفارہ ادا کرے جیسا کہ درایہ وغیرہ میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۲) نہ۔ اگرچہ بار بار بتکرار دیکھے، یہاں تک کہ دیکھنے ہی کی حالت میں بے چھوئے انزال ہو جائے، ہاں اس صورت میں کراہت ضرور ہے،

فی الدرالمختار انزل بنظر ولو الی فرجھا مرارا لم یفطر[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

درمختار میں ہے اگر انزال ہو جائے نظر کرنے سے اگرچہ عورت کی شرمگاہ کی طرف نظر مکرر ہو روزہ نہ ٹوٹے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] ردالمحتار — باب ما یفسد الصوم الخ — مصطفی البابی مصر — ۲/۱۲۲-۲۳

[2] درمختار — باب ما یفسد الصوم — مجتبائی دہلی — ۱/۱۵۱

[3] 〃 — 〃 — 〃 — ۱/۱۴۹

مسئلہ ۲۵۵ از فریدپور ضلع بریلی مرسلہ قاضی محمد نبی جان صاحب ۲۷ رمضان مبارک ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارہ میں کہ ایک شخص ہے اس کو حاجت غسل کی ہے مگر روزہ اس نے رکھا مگر قصداً بوقت ظہر تک اُس نے غسل نہ کیا، وقت نماز ظہر کے غسل کیا، کیا روزہ اُس کا رہا یا گیا؟

الجواب

روزہ ہوجائے گا اگرچہ شام تک نہ نہائے، ہاں ترکِ نماز کے سبب سخت اشد کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۵۶ از بانکی پور پٹنہ محلہ مرادپور مرسلہ علی حسن صاحب تاجر ۲۳ محرم شریف ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے رمضان شریف کا روزہ جنابت کی حالت میں رکھا اور قصداً دن بھر افطار کے وقت تک غسل نہیں کیا تو کیا یہ روزہ اُس کا بغیر کسی نقص کے درست ہوگا یا نہیں؟ اور روزے کے لیے طہارت شرط ہے یا نہیں؟ اور کیا کوئی ایسی عبادت بدنی بھی ہے جو بے طہارت صحیح ہو؟

الجواب

وہ شخص نمازیں عمداً کھونے کے سبب سخت کبائر کا مرتکب اور عذاب جہنم کا مستوجب ہُوا مگر اس سے روزے میں کوئی نقص و خلل نہ آیا طہارت باجماع ائمہ اربعہ شرط صوم نہیں۔ رب عزوجل فرماتا ہے:

احل لکم لیلۃ الصیام الرفث الی نسائکم[1]

روزے کی راتوں میں تمھارے لیے بیویوں سے جماع حلال کیا گیا ہے۔ (ت)

آیۂ کریمہ نے ہر جزوِ شب میں جماع و تلبیس بالجماع حلال فرمایا اور محض تحلیل ہی نہیں بلکہ بصیغہ امر ارشادی ارشاد ہوا

فالان باشروھن وابتغوا ما کتب اللہ لکم[2]

اور اب ان سے مباشرت کرو اور تلاش کرو جو اللہ تعالٰی نے تمھارے لیے لکھ رکھا ہے (ت)

اور ظاہر ہے کہ جزوِ اخیر شب کو بھی لیلۃ الصیام شامل، اور وہ بھی اس احل لکم اور باشروھن کے امر میں داخل اور اسے بحالتِ جنابت صبح کرنا اور تا تمامی غسل روزے میں جنب رہنا بداہۃً لازم، تو قرآن عظیم اس کی حلت و دخول زیر امر ارشادی پر حاکم۔ اگر اس سے روزے میں کوئی نقص و خلل

---

[1] القرآن ۲/۱۸۷ [2] ایضاً

آنا ضرور اتنے حصے کا استثناء فرما دیتا، پھر صاحب شرع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عملاً اُس کا بے نقص و بے خلل ہونا فرمادیا۔ صحیحین میں ام المومنین عائشہ صدیقہ و ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یدرکہ الفجر وھو جنب من اھلہ ثم یغتسل ویصوم[1]

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ازواجِ مطہرات سے قربت فرماتے اور صبح ہوجاتی جب تک نہاتے اس کے بعد غسل فرماتے اور روزہ رکھتے۔

صحیح مسلم و مؤطا مالک و سُنن ابی داؤد و نسائی میں اُم المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے:

ان رجلا قال لرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وھو واقف علی الباب وانا اسمع یارسول اللہ انی اصبح جنبا وانا ارید الصیام فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وانا اصبح جنبا وانا ارید الصیام فاغتسل واصوم فقال الرجل یارسول اللہ انک لست مثلنا قد غفر اللہ لک ما تقدم وما تاخر فغضب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وقال انی ارجو ان اکون اخشاکم للہ واعلمکم بما اتقی[2]

یعنی حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے دروازۂ اقدس کے پاس کھڑے تھے ایک شخص نے حضور سے عرض کی اور میں سُن رہی تھی کہ یارسول اللہ! میں صبح کو جنب اٹھتا ہُوں اور نیت روزے کی ہوتی ہے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا میں خود ایسا کرتا ہُوں اُس نے عرض کی حضور کی ہماری کیا برابری، حضور کو تو اللہ عزوجل نے ہمیشہ کے لیے پُوری معافی عطا فرمادی ہے۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم غضب ناک ہُوئے اور فرمایا: بیشک میں امید رکھتا ہُوں کہ مجھے تم سب سے زیادہ اللہ عزوجل کا خوف ہے اور میں تم سب سے زیادہ جانتا ہوں جن جن باتوں سے مجھے بچنا چاہئے۔

اس حدیث صحیح نے خوب واضح فرمادیا کہ اس سے روزہ میں کوئی نقص نہیں آتا ورنہ وہ صاحب سائل تھے محلِ بیان میں سکوت نہ فرمایا جاتا، سکوت کیسا اخیر کے ارشاد نے اور بھی روشن فرمادیا کہ اس میں کوئی بات خوف کی نہیں، نہ یہ اس میں داخل جس سے بچنا چاہئے۔ اور پُرظاہر کہ روزہ غیر متجزی ہے جو چیز اس میں نقص پیدا کرے گی اگر سارے روزے میں ہُوئی تو موجبِ نقص ہوگی اور اس کے اوّل یا آخر کسی لطیف حصہ میں ہوئی تو ضرر دے گی،

---

[1] الصحیح للبخاری | باب الصائم یصبح جنبا | قدیمی کتب خانہ کراچی | ۱/۲۵۸

[2] سنن ابی داؤد | کتاب الصائم | آفتاب عالم پریس لاہور | ۱/۳۲۵

ولہذا ہمارے علمائے کرام نے انھیں آیات واحادیث سے ثابت فرمایا کہ اگر تمام دن جنب رہا جب بھی روزہ کو کچھ مضر نہیں۔ مراقی الفلاح میں ہے :

او اصبح جنبا ولو استمر علی حالتہ یوما او ایاما لقولہ تعالٰی فالئٰن باشروھن لاستلزام جواز المباشرۃ الی قبیل الفجر وقوع الغسل بعد ضرورۃ وقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وانا اصبح جنبا وانا ارید الصیام و اغتسل واصوم[1]

یا کسی نے حالتِ جنب میں صبح کی اگرچہ وُہ اسی حالت میں ایک دن یا کئی دن رہا کیونکہ اللہ تعالٰی کا ارشادِ گرامی "اب تم مباشرت کرسکتے ہو" اس بات کا متقضی ہے کہ فجر سے تھوڑا سا پہلے تک مباشرت جائز ہو اور اس کے بعد غسل لازم ہوا اور حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی "میں نے حالتِ جنابت میں صبح کی ہے اور میں روزے کا ارادہ رکھتا ہوں میں غسل کروں گا اور روزہ رکھوں گا۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے :

لو اصبح جنبا لایضرہ کذا فی المحیط[2]

اگر کسی نے حالتِ جنب میں صبح کی تو نقصان دہ نہیں، محیط میں اسی طرح ہے۔ (ت)

عالمگیریہ میں ہے :

ومن اصبح جنبا او احتلم فی النھار لم یضرہ کذا فی محیط السرخسی[3]

جس نے حالتِ جنابت صبح کی یا دن کو احتلام ہوگیا تو یہ اسے نقصان دہ نہیں۔ محیط سرخسی میں اسی طرح ہے (ت)

ہاں بوجہ ارتکاب کبیرہ اس کی نورانیت بالصوم میں فرق آئے گا، نہ اس لیے کہ جنب تھا کہ جنابت سے نورانیت میں تفاوت آتا تو بحالِ جنابت صبح کرنے سے بھی آتا بلکہ اس لیے کہ نماز فوت کی یہاں تک کہ اگر نماز بحالِ جنابت ہوسکتی تو دن بھر بلکہ مہینہ بھر جنب رہنے سے بھی حصول نورانیت بصوم میں فرق نہ ہوتا یہ فرق بوجہ فوت نماز ایسا ہوگا جیسے روزہ میں کسی کو ظلماً مارنے سے، مگر اس سے کوئی نہ کہے گا کہ نفسِ صوم میں کوئی نقص آگیا، گناہ کے سبب روزے میں خلل آنا ظاہریہ کا مذہب فاسد ہے، اس کی نظیر ایسی ہے کہ کوئی رشتیں

---

[1] مراقی الفلاح علی حاشیۃ الطحطاوی باب فی بیان مالا یفسد الصوم نور محمد کتب خانہ کراچی ص ۳۶۲
[2] البحر الرائق ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۲۷۳
[3] الفتاوی الہندیۃ الباب الثالث مایفسد الصوم نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۰۰

کپڑے پہن کر قرآن عظیم کی تلاوت کرے اس سے نہ تلاوت میں کوئی نقص ہُوا نہ اُس کے ثواب میں کمی، ہاں ظلمتِ گناہ ملنے کے باعث اُس کے لیے نورانیتِ خالصہ نہ رہی۔ یہ ان میں داخل ہوا جن کو فرماتا ہے:

واٰخرون اعترفوا بذنوبھم خلطوا عملا صالحا واٰخر سیئا۔[1]

اور کچھ اور ہیں جو اپنے گناہوں کے مقر ہوئے اور ملایا ایک کام اچھا اور دوسرا بُرا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

قرأ القراٰن ولم یعمل بموجبه یثاب علی قرأته کمن یصلی ویعصی۔[2]

کسی نے قرآن حکیم پڑھا لیکن اس کے احکام پر عمل نہ کیا تو تلاوت پر ثواب ملے گا، جیسا کہ کوئی نماز پڑھے اور گناہ کرے۔ (ت)

طحطاوی و ردالمحتار میں ہے:

یثاب علی قرأته وان کان یأثم بترك العمل فالثواب من جهة والاثم من اخری۔[3]

قراءتِ قرآن پر ثواب ملے گا اگرچہ ترکِ عمل کی وجہ سے گناہ گار ہوگا، تو ثواب ایک جہت سے اور گناہ دوسری جہت سے ہے۔ (ت)

بہت عبادات بدنیہ ہیں جن میں طہارت شرط نہیں، جیسے یاد پر تلاوت اور مسجد میں اعتکاف کہ ان دونوں میں وضو ضرور نہیں اور قرآن عظیم کو بے چھوئے دیکھنا، کعبہ معظمہ پر بیرونِ مسجد سے نظر کرنا، عالم کو بنگاہِ تعظیم دیکھنا، ماں باپ کو بنظرِ محبت دیکھنا، عالم سے مصافحہ کرنا، یہ سب عبادات بدنیہ ہیں اور سب بحالِ جنابت بھی روا ہیں۔ حدیث میں ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

خمس من العبادة قلة الطعم والقعود فی المساجد والنظر الی الکعبة والنظر الی المصحف والنظر الی وجه العالم۔[4] رواہ فی مسند الفردوس عن ابی ھریرة رضی اللہ تعالٰی عنه۔

پانچ چیزیں عبادت سے ہیں کم کھانا اور مسجد میں بیٹھنا اور کعبہ کو دیکھنا اور مصحف کو دیکھنا اور عالم کا چہرہ دیکھنا۔ (اسے مسند فردوس میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا گیا ہے۔ ت)

---

[1] القرآن ۹/ ۱۰۲

[2] الدرالمختار کتاب الحظر والاباحت مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۸

[3] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۵/ ۲۸۱

[4] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۲۹۶۹ دارالکتب العلمیة بیروت ۲/ ۱۹۵

دارقطنی وغیرہ کی روایت یُوں ہے کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

خمس من العبادۃ النظر الی المصحف و النظر الی الکعبۃ و النظر الی الوالدین و النظر فی زمزم وھی تحط الخطایا والنظر فی وجہ العالم[1]

پانچ چیزیں عبادت سے ہیں مصحف کو دیکھنا اور ماں باپ کو دیکھنا اور زمزم کے اندر نظر کرنا اور اس سے گناہ اُترتے ہیں اور عالم کا چہرہ دیکھنا۔

صحیحین میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

لقینی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وانا جنب فاخذ بیدی فمشیت معہ حتی قعد فانسللت فاتیت الرحل فاغتسلت ثم جئت وھو قاعد فقال این کنت یا اباھریرۃ فقلت لہ فقال سبحان اللہ یا اباھریرۃ ان المؤمن لاینجس[2]

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اچانک ملاقات ہوگئی حالانکہ میں حالتِ جنابت میں تھا تو آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا میں آپ کے ساتھ چلتا رہا حتی کہ آپ تشریف فرما ہُوئے تو میں چپکے سے نکل گیا رہائش گاہ میں جاکر غسل کیا پھر واپس آیا تو آپ تشریف فرما تھے، فرمایا: اے ابوہریرہ! کہاں چلے گئے تھے؟ میں نے ساری بات عرض کی، تو آپ نے فرمایا: سبحان اللہ، ابوہریرہ! مومن ناپاک نہیں ہوتا۔ (ت)

اور افضل واعلٰی تمام عباداتِ بدنیہ جن کے لیے طہارت صغرٰی نہ کبرٰی کچھ شرط نہیں، ذکرِ الٰہی ہے اور دعا وذکر کا عبادت ہونا بدیہی ہے بلکہ ذکر ہی اصلِ جملہ عبادات ہے قال تعالٰی اقم الصلوۃ لذکری[3] (میری یاد کے لیے نماز قائم رکھ۔ ت) اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے حدیث ہے:

الدعاء مخ العبادۃ۔ رواہ الترمذی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔[4]

دعا مغزِ عبادت ہے (اسے ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

اور ان کے لیے طہارت شرط نہ ہونا ظاہر، ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا فرماتی ہیں:

---

[1] کنز العمال بحوالہ دارقطنی حدیث ۴۳۴۹۳ التراث الاسلامی مصر ۵/۸۸۰

[2] الصحیح للبخاری کتاب الغسل باب الجنب یخرج ویمشی فی السوق قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۲

[3] القرآن ۲۰/۱۴

[4] جامع للترمذی ابواب الدعوات ماجاء فی فضل الدعاء امین کمپنی دہلی ۲/۱۷۳

کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یذکر اللہ علٰی کل احیانہ[1] رواہ مسلم وابوداؤد والترمذی وابن ماجۃ۔

رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے جمیع اوقات میں ذکرِ الٰہی فرماتے تھے (اسے مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ ت)

جنب کو بہ نیتِ دعا و ثنا الحمد و آیۃ الکرسی پڑھنے کی اجازت ہے والمسئلۃ مشھورۃ و فی الکتب مزبورۃ (یہ مسئلہ نہایت مشہور ہے اور کتب میں مسطور ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۵۷: ۲۶ رجب ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جمعہ کا روزہ نفل رکھنا کیسا ہے، ایک شخص نے جمعہ کا روزہ رکھا دوسرے نے اُس سے کہا جمعہ عید المومنین ہے روزہ رکھنا اس دن میں مکروہ ہے اور باصرار بعد دوپہر کے روزہ تڑوادیا اور کتاب سر القلوب میں مکروہ ہونا لکھا ہے دکھلادیا ایسی صورت میں روزہ توڑنے والے کے ذمے کفارہ ہے یا نہیں؟ اور تڑوانے والے کو کوئی الزام ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

جمعہ کا روزہ خاص اس نیت سے کہ آج جمعہ ہے اس کا روزہ بالتخصیص چاہئے مکروہ ہے مگر نہ وہ کراہت کہ توڑنا لازم ہو، اور اگر خاص بہ نیتِ تخصیص نہ تھی تو اصلاً کراہت بھی نہیں، اُس دُوسرے شخص کو اگر نیتِ مکروہہ پر اطلاع نہ تھی جب تو اعتراض ہی سرے سے حماقت ہوا اور روزہ توڑ دینا شرع پر سخت جرأت، اور اگر اطلاع بھی ہُوئی جب بھی مسئلہ بتادینا کافی تھا نہ کہ روزہ تڑوانا، اور وُہ بھی بعد دوپہر کے، جس کا اختیار نفل روزے میں والدین کے سوا کسی کو نہیں، توڑنے والا اور تڑوانے والا دونوں گنہگار ہوئے، توڑنے والے پر قضا لازم ہے کفارہ اصلاً نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] سنن ابن ماجہ ابواب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۶

سحر و افطار کا بیان

مسئلہ ۲۵۸ تا ۲۶۰: از پنڈرارود ضلع بلاسپور ملک متوسط مرسلہ منشی عتیق احمد صاحب ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) فالئٰن باشروھن، کلوا واشربوا حتّٰی ثم اتموا الصیام الی اللیل، ولاتباشروھن وانتم[1] اب تم مباشرت کرسکتے ہو، کھاؤ پیو یہاں تک، پھر روزہ کو رات تک پورا کرو، اور نہ مباشرت کرو جبکہ تم۔ (ت)

ان چاروں اوامر مشروط و نہی ظاہر آیۂ آخر، آیۂ کریمہ تلك حدود الله فلا تقربوھا[2] (یہ اللہ کی حدود ہیں ان کے قریب نہ جاؤ۔ ت) متعلق ہے یا نہیں، اگر نہیں ہے تو جمع کا صیغہ کیوں فرمایا گیا، اگر صرف نہی آخر سے متعلق ہے تو حدود اللہ کس طرح ایک پر عائد۔

(۲) جیسا کہ الخیط الابیض من الخیط الاسود[3] (سفید دھاگا کالے دھاگے سے واضح ہوجائے۔ ت)

---

[1] القرآن ۲/۱۸۷ [2] ایضاً

[3] ایضاً

میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے حقیقی تاگے کو سمجھا تو من الفجر (فجر ہونے تک ۔ ت) نازل ہوا۔ تلك حدود اللہ (یہ اللہ کی حدود ہیں ۔ ت) کا نزول بھی کیا اسی طرح ہوا ہے جبکہ بعض نے سفیدۂ صبح تک کھایا ہو جس سے اندیشہ روزے میں خلل ہونے کے باعث ان احکام اربعہ کے بعد تلك حدود اللہ نازل ہوئی ہو یا یہ آیت نازل ہونے پر بھی صبح ظاہر ہونے تک کھانے کا معمول برابر جاری رہا عموماً ہر ایک سحری کھاتا رہا۔

(۳) حضور سرورِ عالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا سحری کھانا بالکل قریب صبح کے دوامی تھا یا اتفاقی، جیسا کہ بعض حدیثوں میں مروی ہے اور اگر معمول دوامی تھا تو کیا آخر تک رہا اور اسی طرح عموماً سب کو اجازت تا آخر وقت بالقصد ہے یا اس حالت میں کہ آخر وقت ہی اس کو ملا ہو تب ۔ بینوا توجروا

الجواب

(۱) سب احکام مذکورہ کی طرف اشارہ ہے، معالم میں ہے:

تلك حدود اللہ یعنی تلك الاحکام التی ذکرھا فی الصیام والاعتکاف[1] یہ اللہ کی حدود ہیں یعنی یہ وہ احکام ہیں جن کا ذکر اس نے روزے اور اعتکاف کے بارے میں فرمایا ہے (ت)

بیضاوی میں ہے:

ای الاحکام التی ذکرت[2] (یعنی وہ احکام جو پیچھے ذکر ہوئے ہیں ۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

(۲) اس آیت کا نزول من الفجر[3] کے طور پر نہیں سحری کی تاخیر مستحب ومسنون ہے، احادیث صحیحہ میں نبی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے تعجیل افطار وتاخیر سحور کا حکم فرمایا اور ارشاد ہوا:

"میری اُمت ہمیشہ خیر سے رہے گی جب تک افطار میں جلدی اور سحر میں دیر کرے گی"[4]

مگر تعجیل افطار کے معنٰی یہ ہیں کہ جب غروب آفتاب پر یقین ہوجائے فوراً افطار کرلے وہم ووسوسہ کو دخل نہ دے نہ بلاوجہ رافضیوں کی طرح شب کا ایک حصہ داخل ہونے کا انتظار کرے، ایسی جلدی کہ ہنوز غروب میں شک ہو حرام ومفسدِ صوم ہے ۔ اور تاخیر سحری کے معنی یہ ہیں کہ اُس وقت تک کھائے جب تک طلوعِ فجر

---

[1] معالم التنزیل مع الخازن تحت آیت تلك حدود اللہ الخ مصطفی البابی مصر ۱/۱۶۵

[2] بیضاوی (انوار التنزیل) علی حاشیۃ القرآن الکریم " ۱/۱۴۱

[3] القرآن ۲/۱۸۷

[4] صحیح بخاری باب تعجیل الافطار قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۶۳

مسند احمد بن حنبل مروی از ابوذر دار الفکر بیروت ۵/۱۴۷

کا ظن غالب نہ ہو بخلاف افطار کے کہ وہاں بحالتِ شک روزہ جاتا رہتا ہے، وجہ فرق یہ ہے کہ شرعِ مطہر کا قاعدہ کلیہ ہے کہ الیقین لایزول بالشك یعنی شک سے یقین زائل نہیں ہوتا۔ رات میں طلوعِ فجر کا جب تک شک نہ ہوا تھا بقائے لیل پر یقین تھا وقوعِ شک سے بھی یہ یقین زائل نہ ہوگا اور رات ہی کا حکم رہے گا جب تک طلوعِ فجر کا ظن غالب نہ ہو، ولہذا ارشاد فرمایا:

حتی یتبین لکم الخیط الابیض یہاں تک کہ سفید ڈورا تمہارے لیے خوب ظاہر ہوجائے۔[1]

اور افطار میں غروبِ شمس جب تک مشکوک نہ ہوا تھا دن پر یقین تھا تو حالتِ شک میں بھی وہی یقین حاصل اور دن باقی سمجھا جائے گا اور اُس وقت روزہ کھولنا دن میں کھولنا ٹھہرے گا، زمانۂ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے اب تک انھیں قواعد پر عمل رہا ہے۔

(۳) تاخیرِ سحور بمعنی مذکور مطلقاً مستحب ومسنون ہے صرف اسی حالت کی خصوصیت نہیں کہ اخیری وقت آنکھ کھلی ہو، عادتِ مستمرہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی یہی تاخیر تھی، ہاں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے برابر کسی کا علم نہیں ہوسکتا، حضور صاحبِ وحی، صاحبِ علمته علم الاولین والاٰخرین (تمام اولین وآخرین کے علوم کے جامع۔ت) وصاحبِ علّمك مالم تکن تعلم وکان فضل اللّٰه علیك عظیما (اللہ نے تعلیم دی ہر اس کی جو آپ نہ جانتے تھے اور اللہ کا آپ پر فضل عظیم ہے۔ت) ہیں اوقاتِ حقیقیہ جن میں حدِ مشترک صرف ایک آن ہوتی ہے، اُن کا امتیاز حقیقی طاقتِ بشری سے خارج ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اُس پر مطلع تھے، لہذا احیاناً ایسی تاخیر واقع ہُوئی کہ دوسرا اس پر قادر نہیں، ایک شب سحری تناول فرمانے کے بعد صرف اتنے وقفہ پر کہ آدمی پچاس آیات پڑھ لے نمازِ صبح شروع فرمادی۔ ایسے امور میں اتباع کی قدرت نہیں، ہمارے لیے وہی حکم ہے جو جوابِ سوالِ ثانی میں مذکور ہوا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۶۱: از شہر کہنہ بریلی ۲۷ رجب ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہ مسئلہ جو مشہور ہے کہ رمضان شریف میں رات کے سات حصّے کیے جائیں، جب ایک حصّہ رات کا باقی رہے کھانا پینا ترک کردے، آیا یہ مسئلہ صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

یہ قاعدہ ہرگز صحیح نہیں بلکہ کبھی رات کا ہنوز چھٹا حصّہ باقی رہتا ہے کہ صبح ہوجاتی ہے اور کبھی ساتواں

---

[1] القرآن ۲/ ۱۸۷

آٹھواں نواں یہاں تک کہ کبھی صرف دسواں حصہ تقریباً رہتا ہے اُس وقت صبح ہوتی ہے ہم رؤس بروج کے لیے بریلی اور اس کے موافق العرض شہروں میں ایک تقریبی نقشہ دیتے ہیں جس سے اس اجمال کی تفصیل ظاہر ہوگی، افقِ حقیقی پر انطباقِ مرکزِ شمس جانبِ مغرب سے، اُسی پر انطباقِ مرکز جانبِ شرق تک شب نجومی ہے اور افقِ حسی بالمعنی الثانی سے تجاوز کنارہ آخرین شمس جانب غرب سے اُسی افق سے ارتفاع کنارہ اولین شمس جانب شرق تک شب عرفی ہے اس کی تحصیل میں دونوں جانب کے دقائق انکسار بھی شب نجومی سے ساقط کیے جاتے ہیں اور افق حسی مذکور پر بے تجاوز کنارہ آخرین شمس سے طلوعِ فجر صادق تک شب شرعی ہے تحصیل فجر میں بھی جانب طلوعِ شمس کہ دقائق انکسار و وقت باقی سے مستثنیٰ ہیں۔ یہ نقشہ خود فقیر کا ایجاد ہے جس کا اجمالی بیان یہ ہوا اور جو شخص اس فن میں کچھ ادراک رکھتا ہو اُسے تفصیل بھی بتائی جاسکتی ہے، و باللہ التوفیق وللہ الحمد والمنۃ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تاریخ شمسی	راس برج	نصف شب نجومی		نصف شب عرفی		نصف صبح		نصف شب شرعی		شب عرفی بدقائق	صبح بدقائق	نسبت صبح بشب عرفی	تخمینی نسبت
		گھنٹے	منٹ	گھنٹے	منٹ	گھنٹے	منٹ	گھنٹے	منٹ				
۲۰ مارچ	حمل	۱۲	۰	۱۱	۵۴	۱	۲۰	۱۰	۳۴	۷۱۴	۸۰	۴۰/۳۵۷	نواں حصہ
۲۲ اپریل	ثور	۱۱	۱۰	۱۱	۵۴	۱	۲۴	۹	۳۰	۶۶۴	۸۴	۲۱/۱۶۶	آٹھواں حصہ
۲۲ مئی	جوزا	۱۰	۲۸	۱۰	۲۲	۱	۳۱	۸	۵۱	۶۲۲	۹۱	۹۱/۶۲۲	ساتواں حصہ
۲۲ جون	سرطان	۱۰	۱۲	۱۰	۶	۱	۳۶	۸	۳۰	۶۰۶	۹۶	۱۶/۱۰۱	چھٹا حصہ قدرے کم
۲۲ جولائی	اسد	۱۰	۲۸	۱۰	۲۲	۱	۳۱	۸	۵۱	۶۲۲	۹۱	۹۱/۶۲۲	ساتواں حصہ
۲۲ اگست	سنبلہ	۱۱	۱۰	۱۱	۵۲	۱	۲۳	۹	۲۹	۶۶۲	۸۲	۸۳/۶۶۲	آٹھواں حصہ
۲۳ ستمبر	میزان	۱۲	۰	۱۱	۵۲	۱	۱۹	۱۰	۳۳	۷۱۲	۷۹	۷۹/۷۱۲	نواں حصہ
۲۲ اکتوبر	عقرب	۱۲	۵۰	۱۲	۴۲	۱	۱۹	۱۱	۲۳	۷۶۲	۷۹	۷۹/۷۶۲	انیس[عہ] حصوں سے دو حصے
۲۲ نومبر	قوس	۱۳	۳۲	۱۳	۲۲	۱	۲۲	۱۲	۰	۸۰۲	۸۲	۴۱/۴۰۱	دسواں حصہ
۲۲ دسمبر	جدی	۱۳	۴۸	۱۳	۴۰	۱	۲۵	۱۲	۱۵	۸۲۰	۸۵	۱۷/۱۶۴	دسواں حصہ
۲۲ جنوری	دلو	۱۳	۳۲	۱۳	۲۲	۱	۲۲	۱۲	۰	۸۰۲	۸۲	۴۱/۴۰۱	دسواں حصہ
۲۱ فروری	حوت	۱۲	۵۰	۱۲	۴۲	۱	۱۹	۱۱	۲۳	۷۶۲	۷۹	۷۹/۷۶۲	انیس[عہ] حصوں سے دو حصے

عہ یعنی نواں حصہ قدرے کم

ان بیانوں سے واضح ہوا کہ راس السرطان کی صبح جس طرح تمام سال میں سب صبحوں سے باعتبار نسبت بڑی ہے کہ کوئی صبح اپنی رات کا اتنا بڑا حصہ نہیں ہوتی، یونہی وہ مقدار میں بھی جمیع صبحوں سے زائد ہے کہ اتنی مدت کوئی صبح نہیں پاتی مگر اس کے خلاف راس الجدی کی صبح باآنکہ نسبت میں تمام صبحوں سے کم ہے کہ کوئی صبح اپنی رات کا اتنا چھوٹا حصہ نہیں ہوتی لیکن وہ مقدار میں سب سے کم نہیں بلکہ نصف جنوبی میں سب سے زائد مقدار کی

مختصر جدول یہ ہے

تاریخ	برج	نسبت صبح وشب عرفی	برج	تاریخ
۲۲ جون	سرطان	چھٹا حصہ کچھ کم	سرطان	۲۲ جون
۲۳ جولائی	اسد	ساتواں حصہ کچھ زیادہ	جوزا	۲۲ مئی
۲۴ اگست	سنبلہ	آٹھواں حصہ	ثور	۲۱ اپریل
۲۴ ستمبر	میزان	نواں حصہ	حمل	۲۰ مارچ
۲۴ اکتوبر	عقرب	نواں حصہ قدرے کم	حوت	۲۰ فروری
۲۳ نومبر	قوس	دسواں حصہ کچھ زیادہ	دلو	۲۱ جنوری
۲۲ دسمبر	جدی	دسواں حصہ اس سے کچھ کم	جدی	۲۲ دسمبر

فجر ہے، سال میں سب سے چھوٹی فجر فجر اعتدالین ہے مگر وہ نسبت میں سب سے کم نہیں بلکہ نصف جنوبی میں سب نسبتوں سے زائد ہے، نیز روشن ہوا کہ صبح کا اپنی مقدار چھوٹی بڑی ہونے میں مطلقاً تابع روز ہونا کہ جتنا دن گھٹے صبح چھوٹی ہوتی جائے اور جتنا بڑھے ترقی پائے، یا مطلقاً تابع شب ہونا کہ ہمیشہ اس کی کمی فزونی رات کی کاہش وبیشی پر رہے جیسا کہ آج کل کے ناواقف مجاسبوں میں کسی نے اسے نہار کسی نے لیل کا ٹکڑا سمجھ کر گمان کیا ہے محض غلط ہے بلکہ صبح اپنی کمی بیشی میں میل شمسی کی تابع ہے اعتدالین پر کہ میل منتفی ہوتا ہے صبح سب سے چھوٹی مقدار پر ہوتی ہے پھر جتنا میل بڑھتا جاتا ہے صبح کی مقدار زیادہ ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ انقلاب پر اپنی اعظم مقادیر پر آتی ہے، پھر جس قدر میل گھٹتا ہے صبح چھوٹی ہوتی جاتی ہے حتی کہ اعتدال پر پھر اپنی انقص مقادیر پر آتی ہے اور انقلاب قطب ظاہر کے اعظم مقادیر انقلاب قطب خفی کے اعظم مقادیر سے بھی اعظم ہوتی ہے، یا عام فہمی کے لیے یوں کہئے کہ صبح ہر دو نصف شمالی وجنوبی میں بڑے کی تابع ہے نصف شمالی میں دن رات سے بڑا ہوتا ہے صبح اس کی زیادت وقلت کے ساتھ بڑھتی گھٹتی ہے اور نصف جنوبی میں رات دن سے بڑی ہوتی ہے، صبح افزائش وکاہش میں اس کے ساتھ چلتی ہے، راس الحمل پر اپنی اقل مقدار تک پہنچ کر دن کے ساتھ بڑھنی شروع ہوئی، جب انقلاب صیفی میں دن اپنی نہایت زیادت پر آیا صبح بھی غایت ازدیاد پر پہنچی پھر دن گھٹنا شروع ہوا صبح بھی انھیں قدموں پر رجعت قہقری کرتی ہوئی گھٹتی چلی یہاں تک کہ اعتدال خریفی پر پھر اسی اقل مقادیر پر آگئی، اب رات کے ساتھ فزونی کرنے لگی جب انقلاب شتوی نے شب یلدا (اندھیری اور طویل رات) دکھائی صبح بھی اس نصف میں اپنی اعظم مقادیر پر آئی، آگے رات

رواہ البیھقی عن انس والطبرانی فی الکبیر عن سھل بن سعد وھو والعسکری فی الامثال عن النواس بن سمعان والدیلمی عن ابی موسٰی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنھم وزاد ان اللہ عزوجل لیعطی العبد علٰی نیتہ مالا یعطیہ علی عملہ وذلک ان النیۃ لاریاء فیھا والعمل یخالطہ الریاء۔ ھذا حدیث الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

(اسے بیہقی نے حضرت انس سے اور طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت سہل بن سعد سے اور طبرانی وعسکری نے امثال میں نواس بن سمعان سے اور دیلمی نے حضرت ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا، اس میں اتنا اور ہے۔ ت) بیشک اللہ عزوجل بندہ کو اس کی نیت پر وُہ ثواب دیتا ہے جو اس کے عمل پر نہیں دیتا۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ نیت میں ریاء نہیں ہوتی اور عمل کے ساتھ ریا کی آمیزش ہوجاتی ہے۔ یہ حضرت اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث ہے جو انھوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی۔ (ت)

زید کہ اسے ناجائز کہتا ہے حدیث کی مخالفت کرتا ہے۔ طرفہ تریہ کہ خود امام الطائفہ میاں اسمٰعیل دہلوی اپنی تقریر ذبیحہ میں اس تقریر وہابیہ کو ذبح کرگئے۔ لکھتے ہیں:

اگر شخصے بزے راخانہ پرورکند تا گوشت او خوب شود اورا ذبح کردہ وپختہ فاتحہ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ خواندہ بخوراند خللے نیست[2]

اگر کوئی شخص کوئی بکری گھر پالے تاکہ اس کا گوشت عمدہ ہو پھر اس کو ذبح کرکے اور پکاکر حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی فاتحہ پڑھ کر کھلائے تو کوئی خلل نہیں ہے۔ (ت)

ان حضرت سے پُوچھا ہوتا کہ یہ "فاتحہ خواندہ بخوراند" (فاتحہ پڑھ کر کھلائے۔ ت) کیسی، "خوراندہ فاتحہ بخواندہ" (کھلاکر فاتحہ پڑھے۔ ت) کہا ہوتا۔

اقول بات یہ ہے کہ فاتحہ ایصالِ ثواب کا نام ہے، اور مومن کو عملِ نیک کا ایک ثواب اس کی نیت کرتے ہی حاصل، اور عمل کیے پر دس ہوجاتا ہے، جیساکہ صحیح حدیثوں میں ارشاد ہوا۔ بلکہ متعدد حدیثوں میں فرمایا گیا کہ: نیۃ المومن خیر من عملہ[3] مسلمان کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔ فاتحہ میں دو عمل نیک ہوتے ہیں، قرأت

---

[1] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۶۸۴۳ دارالکتاب العلمیۃ بیروت ۴/۲۸۶

[2] زبدۃ النصائح

[3] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۶۸۴۳ دارالکتاب العلمیہ بیروت ۴/۲۸۶

هدایة الجنان باحکام رمضان

۱۳۲۳ھ

(رمضان کے احکام میں جنّت کی راہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ ۲۶۲: از شاہجہان پور محلہ جگدل نگر متصل اسٹیشن ریلوے مرسلہ محمد فصاحت اللہ خاں ۷ رمضان المبارک ۱۳۲۳ھ

بعد ادائے آداب کے عرض پرداز ہوں کہ ایک اشتہار مولوی اعظم شاہ صاحب نے بابت افطار و سحری رمضان المبارک و نیز چند مسائل روزے کے جو اوپر نقشہ اور پشت پر نقشہ لکھے ہیں شائع کرکے تقسیم کرائے ہیں جو کہ شاہجہان پور میں سال گزشتہ میں بابت چاند عید اضحی نزاع ہو چکا ہے اس خیال سے اس نقشہ کی بابت تحقیقات کرنا ضروری ہے۔ آج کے روزے کا نقشہ دیا ہوا بابت افطار و سحری اور نقشہ مولوی اعظم شاہ اور نقشہ مولوی ریاست علی خاں صاحب کا مقابلہ کیا گیا جو اعظم شاہ کے نقشہ اور آپ کے نقشہ سے بہت فرق آیا بابت سحری کے، اور آپ کا نقشہ اور مولوی ریاست علی خاں کا نقشہ قریب قریب ہے جو کہ اب ایسی حالت میں بڑا نقصان کم علموں کا ہو رہا ہے اور ہوگا کیونکہ کل کے روز ایک عورت نے چار بج کر چالیس منٹ پر سحری کھائی، اور جب اُس کی حالت مولوی اعظم کو معلوم ہوئی تو اُنھوں نے فرمایا کہ روزہ جاتا رہا اس پر اس نے روزہ توڑ ڈالا

جب مولوی ریاست علی خاں صاحب سے دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ اُس کا روزہ تھا کیونکہ وُہ وقت سحری کھانے کا تھا اور نیز اس اشتہار میں جو مسائل بابت رمضان المبارک اور وقت افطار اور وقت سحری اور مسائل تراویح کے لکھے ہیں وہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ صحیح لکھے ہیں یا نہیں، بندہ اشتہار مذکور روانہ خدمت عالی کرتا ہے اور بعد ملاحظہ جملہ اشتہار کے اس کے صحیح اور غیر صحیح پر توجہ فرمائی جائے، اور اگر غلط ہے تو جس جس مسئلہ میں غلطی ہو اُس کا جواب بحوالۂ کتاب ارقام فرمادیجئے، اگر نقشہ غلط ہو تو بابت نقشہ کے اسی قدر کافی ہے کہ نقشہ غلط ہے اور اس اشتہار کے بھیجنے کی بابت جناب مخدوم ومکرم مولوی ریاست علی خان صاحب نے بھی تاکید فرمائی تھی جب میں نے عرض کیا تھا کہ اس اشتہار کو بریلی روانہ کروں گا تو فرمایا کہ ضرور بھیج دو تاکہ وہاں سے جواب آنے کے بعد اُس اشتہار کی صحت اور غلطی کا اعلان کرادیا جائے، فقط۔

الجواب

بعد مراسم سنت ملتمس، بعد سوال جواب واجب اور وقت وجوب اظہار صواب لازم، اوقات صحیح نکالنے کا فن جسے علمِ توقیت کہتے ہیں، ہندوستان کے طلبہ تو طلبہ اکثر علماء اس سے غافل ہیں، نہ وہ درس میں رکھا گیا ہے نہ ہیأت کی درسی کتابوں سے آسکتا ہے اور جو کچھ مسالہ مولوی مسیح الدین خاں کا کوروی وغیرہ بناگئے وہ فقط ناکافی ہی نہیں بلکہ سخت اغلاط میں ڈالنے والا ہے، یونہی مرزا خیر اللہ منجم کی دوحرفی جدول سے کوئی ناواقف فن نفع نہیں پاسکتا، اگر کسی نے بڑی تحقیقات چاہی تو زیچ بہادر خانی کی جداول تعدیل النہار سے کام لیا، سحری کو تو اُن سے کچھ تعلق ہی نہیں اور افطار میں بھی ناقص ہے جب تک متعدد ضروری اصلاحیں اُس کے ساتھ شریک نہ ہوں، پھر جسے وُہ اصلاحیں آتی ہیں اُسے اُن جداول کی کیا حاجت، فقیر نے اس فن میں نہ نری کتابی باتوں پر اعتماد کیا نہ خالی دلائل ہندسیہ پر، نہ تنہا تجربہ ومشاہدہ پر، بلکہ سب کو جمع کیا اور بتوفیق الٰہی اپنی ذہنی جدتوں سے بہت کچھ کام لیا یہاں تک بفضلہٖ تعالٰی برہان وعیان کو مطابق کردیا، میرا نقشہ بفضلہٖ تعالٰی جزاف نہیں ہوتا جو ہیأت وہندسہ جانتا ہو وُہ اُسے براہین کے مطابق پائے گا اور جو نگاہ رکھتا ہو صبح صادق وکاذب کو دیکھ کر پہچان سکتا ہو وُہ اسے مشاہدہ سے موافق پائے گا، میرے نقشوں میں بریلی کی سحری وافطار میں پانچ پانچ منٹ کی احتیاط ہوتی ہے اور دوسرے شہروں کا تقریبی وقت بھی اُسی صحت کے ساتھ دیا جاتا ہے کہ کم وبیش چار پانچ منٹ احتیاطی رہیں۔ جو نقشہ میرے بتائے ہوئے وقت سے جتنا مخالف ہو یقین جانئے کہ وہ اتنا ہی غلط ہے اگرچہ کسی کا بنایا ہوا ہو، دو نقشے اگر صحیح باقاعدہ دیئے ہوں تو صرف اس قدر فرق کرسکتے ہیں کہ احتیاطی منٹ کسی نے دو ایک کم رکھے کسی نے زائد، یا ایک منٹ کی تحتانی کسروں میں کسی نے زیادہ تعمق کیا کسی نے بے ضرورت سمجھ کر مساہلت سے کام لیا و بس۔ اب آپ خود دیکھ سکتے ہیں کہ

ان مولوی صاحب کے نقشے میں کتنا فرق ہے، شاہجہان پور، بریلی، بدایوں، پیلی بھیت، دہلی، رامپور، لکھنؤ، مرادآباد کے وقت یہاں اور شاہجہان پور والے دونوں نقشوں میں دئے ہیں ان میں ہر شہر کے لیے سحری کے اوقات میں بیس بائیس منٹ تک کا فرق ہے اور دہلی کے لیے تو ۲۸ منٹ تک ہے کہ دو منٹ کم آدھا گھنٹا ہوا مگر پیلی بھیت کے لیے اللہ اعلم کس وجہ سے اس قدر ترقی واقع ہوئی کہ ابتدا میں وقت ٹھیک آیا اور آخر ماہ میں بڑھتے بڑھتے احتیاطی منٹ کا بھی اصلاً نشان نہ رہا کنارے ہی پر آ لگا بلکہ تدقیق کی جائے تو تعجب نہیں کہ کچھ حصہ صبح کا آجائے۔ بات یہ ہے کہ مولوی صاحب نے شاہجہانپور کے وقت بطورِ خود تجویز کرکے باقی شہروں کے لیے صرف اُن کا تفاوت طول جو اُن کے خیال میں تھا گھٹا بڑھا لیا حالانکہ تبدلِ اوقات میں بڑا حصہ تفاوت عرض کا ہے دو شہروں میں تفاوت طول اصلاً نہ ہو صرف اختلاف عرض سے طلوع وغروب وصبح وعشا میں گھنٹوں کا فرق پڑ جاتا ہے شاہجہان پور و پیلی بھیت میں اکیس منٹ کا تفاوت کسی طرح نہیں بنتا، یہی حال کلکتے کا ہے کہ اخیر کی تاریخوں میں کچھ ہی خفیف نام احتیاط کا رہ گیا ہے دو سال ہوئے کہ خاص کلکتے کے اوقات یہاں سے شائع ہوئے تھے ۲۱ نومبر سے ۲۰ تک تاریخیں اس سال بھی پڑی ہیں ان سے ملا کر دیکھ سکتے ہیں پرچہ مرسل ہے افطار کے اوقات میں اتنا زیادہ تفاوت نہیں مگر اس کا تھوڑا بھی بہت ہے، مثلاً شاہجہانپور میں احتیاطی منٹ گھٹتے گھٹتے آخر میں صرف ایک ہی رہ گیا مگر دہلی پر آفت پوری ہے اول سے آخر تک غروب سے پہلے افطار لکھا ہے خصوصاً آخر میں تو پانچ منٹ پیش از غروب افطار ہوتی ہے۔ شاہجہانپور میں جس نے ۵ بج کر ۴ منٹ تک سحری کھائی اس کا روزہ یقیناً صحیح ہوا، وہ عورت روزہ توڑنے سے سخت گنہ گار ہوئی اس کا روزہ نہ ہونے کا حکم محض غلط تھا۔ ابوداؤد، دارمی ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من افتی بغیر علم کان اثمہ علی من افتاہ[1] جس نے بے علم فتوٰی دیا اس کا وبال فتوٰی دینے والے پر ہے۔ (ت)

اگر گھڑی صحیح تھی تو یقیناً پاؤ گھنٹے سے زیادہ وقت باقی تھا۔ مسلمانو! یہ دین ہے جس پر خدا کی دین ہے وہ جانتا ہے کہ اس کا سیکھنا مجھ پر دین ہے قواعد وبراہین ہیأت وہندسہ بالائے طاق سہی، وقت پہچاننا تو ہر مسلمان پر فرض عین ہے، افسوس کہ ہزاروں آدمی حتی کہ بہت ذی علم بھی صبح صادق وکاذب کی ٹھیک تمیز دیکھ کر نہیں بتا سکتے اور اس پر کتب ہیئت وغیرہ کی پریشان بیانیوں نے انھیں اور دھوکے میں ڈالا ہے، سچ

---

[1] سنن ابی داؤد باب التوقی فی الفتیا ای الفتوٰی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۵۹

سچ فرمایا امام حجۃ الاسلام غزالی قدس سرہ العالی نے کہ ابتداء میں انسان کو ان دونوں صبح میں امتیاز مشکل ہوتا ہے بکثرت بار بار بغور مشاہدہ کرتا رہے تو بعنایت الٰہی دونوں صبحیں خوب نگاہ میں بچ جاتی ہیں کہ بہ نگاہِ اولیں دیکھ کر کہہ سکتا ہے کہ ابھی صبح صادق ہوئی یا نہ ہوئی، یہاں متعدد وجوہ سے لوگ اشتباہ میں ہیں اُن کا بیان کردینا ضرور ہے کہ مسلمان سمجھ لیں اور اغلاط سے بچیں۔

فاقول وباللہ التوفیق (پس میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ ت) **اولاً** صبح کاذب کو حدیث میں مستطیل یعنی لمبی اور صادق کو مستطیر پھیلی ہوئی فرمایا ہے، ناواقف گمان کرتے ہیں کہ صبح کاذب کوئی ڈورے کی مثل باریک سفیدی ہے اور جہاں ذرا چوڑی سفیدی ہُوئی تو صبح صادق ہوگئی یہ محض غلط وہم ہے رات کی چھائی ہوئی اندھیری میں باریک ڈورا کیا نظر آسکتا صبح کاذب بھی ضرور عرض رکھتی ہے اور نگاہ میں دو تین گز بلکہ اس سے زیادہ تک چوڑی ہوتی ہے بلکہ حدیث کی مراد وہ ہے جو خود حضور پُرنور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دستِ اقدس کے اشارے سے تعلیم فرمائی کہ شرقاً غرباً جو سفیدی پھیلی ہوتی ہے وُہ صبح کاذب ہے اور دونوں دست مبارک کی کلمے کی انگلیاں ملاکر ہاتھ پھیلائے یعنی جنوباً شمالاً افق میں پھیلنے والی سپیدی پھیلی صبح صادق ہے۔

ثانیاً بعض کتب میں صبح کاذب کی وجہ تسمیہ یہ لکھی کہ یعقبہ ظلمۃ فالافق یکذبہ یعنی اس کے عقب میں ظلمت ہوتی ہے، یہ سپیدی تو کہہ رہی ہے صبح ہوگئی، افق اس کی تکذیب کرتی ہے لہذا اسے صبح کاذب کہتے ہیں۔ اس کے معنے علمائے[عـہ] زمانہ قریب نے یہ سمجھ لیے کہ صبح کاذب کی سپیدی جاکر اُس کے بعد اندھیرا ہوجاتا ہے پھر صبح صادق نکلتی ہے حالانکہ یہ محض باطل ہے، صبح کاذب کی سپیدی جہاں شروع ہوتی ہے وُہ اخیر تک بڑھتی ہی جاتی ہے ہرگز غروبِ آفتاب تک وہاں تاریکی نہیں آتی بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ صبح کاذب کی سپیدی افق سے بہت اونچی ظاہر ہوتی ہے اور اس کے عقب میں اس کے پیچھے یعنی افق میں اس کے نیچے بالکل اندھیرا ہوتا ہے، جب صبح صادق پھیلتی ہے یہ تاریکی بھی روشنی سے بدل جاتی ہے۔

ثالثاً بعض کتب ہیئت اور ان کے اتباع سے بعض کتب فقہ مثل ردالمحتار میں لکھ دیا کہ جب آفتاب افق سے ۱۵ درجے نیچے رہتا ہے اس وقت صبح صادق ہوتی ہے، اور صبح کاذب اس سے صرف تین درجے پہلے، یعنی ۱۸ درجے کے انحطاط پر ہوتی ہے مگر ہزاروں بار کا مشاہدہ شاہد ہے کہ یہ بھی محض غلط ہے بلکہ جب آفتاب کا انحطاط قریب ۱۸ درجے کے رہ جاتا ہے اس وقت یقیناً صبح صادق ہوجاتی ہے، صبح کاذب اس سے بہت درجوں پہلے ہوچکتی ہے۔ میں نے آج ہی رات کہ شب ہشتم ماہ مبارک ہے بچشم خود معائنہ کیا کہ آفتاب ہنوز تینتیس درجے سے زیادہ افق سے نیچا تھا کہ صبح کاذب اپنی جھلک دکھا رہی تھی، صبح صادق ہونے کو ایک گھنٹے کامل سے بھی زیادہ وقت باقی تھا۔

عـہ یعنی سعد اللہ صاحب رام پوری ۱۲

رابعًا عوام صبح کا طلوع ہونا سُنتے ہیں تو اپنے زعم میں یہ گمان کرتے ہیں کہ افق یعنی زمین کے کنارہ سے یہ سپیدی اُٹھتی ہوئی جب بلندی پر آتی ہے تو ہمیں مکانوں میں یا چھت پر دکھائی دیتی ہے جیسے آفتاب وغیرہ ستارے کہ شہر میں اپنے طلوع سے دیر کے بعد نظر آتے ہیں اس بنا پر وہ صبح ہوتی دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ بہت پہلے ہو چکی ہے جب تو اتنی بلندی آگئی ہے حالانکہ یہ بھی ان کا محض وہم ہے بلکہ یہ سفیدی افق سے بہت اونچی ہی ہماری نظروں میں پیدا ہوتی ہے۔ فرض کیجئے کہ آدمی جنگل بلکہ سمندر میں ہو کہ نگاہ کے سامنے درخت، غبار، ابر وغیرہ کوئی شے اصلاً حائل نہ ہو تو وہاں بھی یہ بیاض افق سے بہت اوپر ہی حادث ہو گی اور اس کے نیچے تمام کنارۂ آسمان تاریک ہوگا، اسی کو تو یعقبہ ظلمۃ (اس عقب میں ظلمت ہوتی ہے) کہا گیا، اپنی ہی سمجھ کے قابل یوں سمجھیں کہ نظر واقع ضرور ہے کہ آفتاب کی کرنیں پہلے اُس حصے میں سپیدی لاتی ہوں گی جو کنارۂ زمین کے متصل ہے مگر وہ نہ کبھی محسوس ہوئی نہ ہو، افق میں بخارات کا ازدحام اور خطوط نظر کا صدہا مِیل بخار وغیرہ کثافات کو طے کر کے اُفق تک جانا، آفتاب کی دھوپ جیسی روشن چیز کو کتنا میلا کر کے دکھاتا ہے کہ سپیدی کی جگہ سرخی معلوم ہوتی ہے اور تیزی نام کو نہیں ہوتی پھر یہ خفیف ضعیف سپیدی کیا اس قابل ہے کہ افق میں نظر آسکے جو صاف بھی کم ہے اور نظر سے دُور بھی بہت ہے یہ تو ہمیشہ اوپر ہی چمکے گی جہاں نظر سے قُرب بھی ہے اور جگہ بہ نسبت افق صاف تر ہے۔

خامسًا بعض کتب میں واقع ہوا کہ صبح رات کا ساتواں حصہ ہے، اسے لوگ ہر موسم میں و ہر مقام کے لیے عام سمجھ لیے، حالانکہ جس عالم نے ایسا فرمایا وہ اُس موسم اور اُس عرض بلد کے لیے خاص تھا ورنہ یقینًا صبح ہمارے بلاد میں رات کے چھٹے حصے سے دسویں حصے تک ہوتی ہے جس کی مفصل جدول فقیر نے اپنے فتاوٰی میں لکھی ہے اس ماہِ مبارک میں بھی صبح رات کے نویں حصے سے دسویں حصے تک ہے، جو لوگ ساتواں حصہ لگائیں گے وُہ آپ ہی رات کو دن بنائیں گے، اب ہم بتوفیق اللہ تعالٰی صبح کاذب کے شروع سے صبح صادق کے انتشار تک جو صُورتیں اس سپیدی کی پیش آتی ہیں اُن کا واضح بیان کرتے ہیں جو آج تک کسی کتاب میں نہ لکھا گیا جو ہمارا برسوں کا مشاہدہ ہے اور جسے بغور سمجھ لینے والا ان شاء اللہ تعالٰی بہت جلد صبح کاذب و صادق میں امتیاز کا ملکہ پیدا کر سکتا ہے:

(۱) اُفق سے کئی نیزے بلندی پر جانب مشرق آج جہاں سے آفتاب نکلنے کو ہو اس کی سیدھ میں یعنی دائرہ منطقۃ البروج کی سطح کرۂ بخار پر رات کی اندھیری میں ایک خفیف سپیدی کا دھبہ پیدا ہوتا ہے جسے چاروں طرف سے رات کی اندھیری گھیرے ہوئے ہے اس انداز پر ▲ یہ صبح کاذب کی بنیاد پڑتی ہے۔

(۲) جُوں جُوں آفتاب افق کے نزدیک آتا جاتا ہے یہ سپیدی ترقی کرتی ہے مگر ترقی معکوس یعنی اوپر سے

نیچے کو بڑھتی جاتی ہے، پہلے افق سے بہت اُونچی جگی تھی اور نیچے دُور تک اندھیرا تھا اب وُہ اونچی سپیدی تو اپنی جگہ رہتی ہے اور اس کے نیچے سپیدی اور اس میں ملتی جاتی ہے یہاں تک کہ شدہ شدہ افق کے قریب تک آنے کو ہوتی ہے مگر ان سب حالتوں میں وُہ ایک طولانی ستون کی حالت میں ہوتی ہے گویا ایک سفید چادر اوپر سے نیچے لٹکائی گئی ہے کہ اسی کی حد تک سپیدی ہے اور آس پاس بالکل اندھیرا ان شکلوں پر

(۳) ان تمام اشکال کے بعد اس عمود کے حصۂ زیریں کے دونوں پہلوؤں پر نہایت تھوڑی دُور تک ایک خفیف بھوراپن خاکستری رنگ پیدا ہوتا ہے کہ کبھی تمیز میں آتا ہے اور معًا نگاہ کے نیچے سے نکل جاتا ہے اس طرز پر اب یہ وہ وقت کہ صبح صادق اپنے رُخِ روشن سے نقاب اُٹھایا چاہتی ہے مگر ہنوز صبح نہیں کہ اُس کے لیے تبیّن شرط ہے اور یہ متبیّن نہیں،

قال اللہ تعالٰی حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر[1]

اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے، یہاں تک کہ تمہارے لئے ظاہر ہوجائے سفیدی کا ڈورا سیاہی کے ڈورے سے پَو پھٹ کر۔ (ت)

ان تمام حالتوں تک صبح کاذب ہی ہے اور نمازِ عشاء اور سحری کھانے کا وقت بالاتفاق باقی ہے۔

(۴) اس کے بعد وہ دونوں پہلو سپید ہوجاتے ہیں اگرچہ ان کی سپیدی مائل بہ تیرگی ہوتی ہے اور جنوبًا شمالًا اس کا عرض بہت خفیف ہوتا ہے، اس وضع پر یہ ابتدائے صبح ہے اور اس وقت میں ہمارے مشائخ کرام کو اختلاف ہے، بعض نے اُسے صبح قرار دیا اور یہی احوط ہے، اور بعض نے بلحاظ شرط استطارہ وانتشار اسے بھی صبح کاذب کے حکم میں رکھا اور یہی اوسع ہے۔ ان جمیع حالتوں میں عمود کے تمام بالائی حصے کے آس پاس نری سیاہی ہوتی ہے۔

(۵) اس کے بعد دونوں پہلوؤں کی یہ سپیدی آنًا فانًا جنوبًا شمالًا پھیلنا شروع ہوتی ہے اور ایک خفیف دیر میں پھیل جاتی ہے۔ اس طرز پر یہ یقینی اجماعی صبح صادق ہے اور ہنوز وہ عمود بدستور باقی، اور اس کے تین طرف سیاہی ہوتی ہے مگر یہ سچی سپیدی جیسی جیسی جنوب شمال میں پھیلتی ہے ساتھ ہی نیچے سے اوپر چڑھتی جاتی ہے برعکس سپیدی کاذب کے کہ اوپر سے نیچے بڑھتی آتی تھی یہاں تک کہ اب وُہ عمودِ سپید رفتہ رفتہ اس منتشر سپیدی میں گم ہوتے ہوتے فنا ہوجاتا ہے یعنی اُس کے اطراف کی

---

[1] القرآن ۲ /۱۸۷

ساری سیاہی کو سپیدی گھیر لیتی ہے اور اب اُس عمود کی صورت متمیز نہیں رہتی ان صورتوں پر

مثال ۵ — ۲ مثال ۵ — ۳ مثال ۵
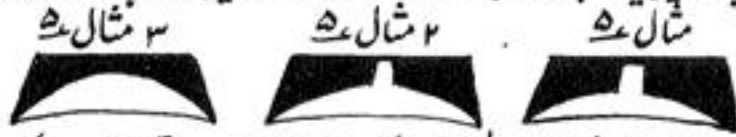
(۶) اب یہ سپیدی جس طرح آسمان پر بڑھی زمین کی جانب بھی متوجہ ہوتی اور صحن و بام کو روشن کردیتی ہے یہ وقت اسفار ہے کہ نماز صبح کا مستحب وقت ہے اور اس سے پہلے اندھیرے میں پڑھنی خلاف مستحب۔

(۷) جب آفتاب اور زیادہ قریب افق آتا ہے یہ سپیدی سُرخی لاتی ہے پھر سنہرا پن پھر چمکدار سپیدی اُس کے متصل طلوعِ آفتاب ہے، پانچویں شکل جو اجماعی صبح ہے اسے جانے دیجئے، تو چوتھی شکل بھی اس رمضان مبارک اور اس سے پہلے کے متعدد رمضانوں میں بریلی و شاہجہانپور میں تیسری شب کی صبح اُن گھڑیوں سے بھی جو پارسال تک حال کی گھڑیوں سے نو منٹ کم تھیں کبھی کسی دن ٹھیک پانچ بجے بھی نہ ہوتی اور اخیر تاریخوں میں جو چاہے آزما کر دیکھ لے، سوا پانچ بجے تک بھی ہرگز نہ ہوگی تو چار بج کر ۴۰ منٹ پر روزہ نہ ہونے کا حکم کیونکر صحیح ہوسکتا ہے، تمیز کے لیے ایک اور پہچان گزارش کروں آسمان پر چند کواکب سے ایک شکل حرف کاف بنتی ہے اس وضع پر ..... یہ کاف آج کل پچھلی رات کو طالع ہوتا ہے اس سے ایک نیزے کے فاصلے پر ان دنوں بڑا روشن ستارہ زہرہ ہے بریلی میں صبح کاذب کا عمود آج کل اس کاف کے الف یعنی حصہ وسطانی کے گرد ہوتا ہے اور زہرہ تک پھیلتا ہے پھر زہرہ کے دونوں پہلوؤں سے جنوب و شمال کو صبح صادق تجلی کرتی ہے اس شکل پر،

شاہجہانپور میں بھی حالت اسی کے قریب قریب ہوگی۔

زہرہ

اوقات کے متعلق بیان سے فراغ ہوا۔

رہے مسائل مذکورہ اشتہار، ان میں بھی سخت اغلاط بشدت ہیں، مثلاً:

اول ہلالِ رمضان بحال ابر و غبار ایک ثقہ کی گواہی شرط کرنی اس مذہب معتمد و ظاہر الروایۃ مصححہ کے خلاف ہے کہ اجلہ ائمہ مثل امام شمس الائمہ حلوانی و امام برہان الدین فرغانی و امام بزازی وغیرہم نے جس کی تصحیح فرمائی اور نظر بحال زمانہ اس پر اعتماد واجب ہے کہ یہاں شہادت مستور بھی مقبول ہے یعنی جس کا فسق معلوم نہیں اور اس کا ظاہر حال صلاح ہے محررِ مذہب امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تصریح فرمائی کہ ہلالِ رمضان میں ثقہ و غیر ثقہ دونوں کی شہادت مقبول ہے غیر ثقہ سے وہی مستور مراد جس کی عدالت باطنی مجہول ہے آج کل ثقہ کی کمیابی ظاہر ہے تو اس ظاہر الروایۃ
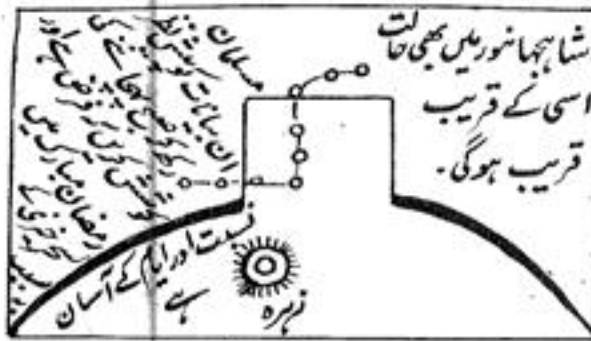
مصححہ بالتصریح سے عدول صریح جہل نامقبول، کافی امام حاکم شہید میں ہے:

تقبل شہادۃ المسلم والمسلمۃ عدلا کان الشاھد او غیر عدل[1] — مسلمان مرد اور عورت کی شہادت مقبول ہوگی خواہ شاہد عادل ہو یا نہ ہو۔ (ت)

درمختار میں ہے، صححہ البزازی[2] (اس کو بزازی نے صحیح قرار دیا ہے۔ ت) فتح القدیر میں ہے:

وبہ اخذ الحلوانی[3] (اسے حلوانی نے اختیار کیا ہے۔ ت) ردالمحتار میں ہے:

وکذا صححہ فی المعراج والتجنیس و مشی علیہ فی نورالایضاح وانہ ظاھر الروایۃ ایضا فالحاکم الشھید فی الکافی جمع کلام محمد فی کتبہ التی ھی ظاھر الروایۃ والمراد بغیر العدل المستور[4] ملخصا — معراج اور تجنیس میں اسے صحیح کہا، نورالایضاح نے بھی اسی کو اختیار کیا، اور ظاہر روایت بھی یہی ہے تو حاکم شہید نے الکافی میں امام محمد کا وہ کلام جمع کیا ہے جو ان کی کتب میں مذکور ہے اور یہی ظاہر الروایۃ ہے اور غیر عادل سے مراد مستور الحال ہونا ہے (ت)

دوم قبول شہادت کے لیے مطابقت قواعد شرعیہ کے ساتھ مطابقت قواعد عقلیہ کی قید بڑھانی بھی خلاف مذہب معتمد ہے، رؤیت ہلال میں جس قدر عقلی بات کہ شرع مطہر نے بھی قبول فرمائی ہے مثلاً اٹھائیس کو چاند نہیں ہوسکتا اُتنی تو قواعد شرعیہ میں آگئی اس سے زائد جو قواعد اہل ہیئت نے دربارۂ ہلال اپنے ظنون و تخمینات سے گھڑے ہیں شرع نے اصلاً اُن کی طرف التفات نہ فرمایا اور صراحۃً ارشاد فرمایا:

انا امۃ امیۃ لانکتب ولانحسب الشھر ھکذا وھکذا وھکذا[5] الحدیث — ہم اُمّی امت ہیں نہ لکھتے ہیں اور نہ ہی حساب جانتے ہیں مہینہ اس طرح اس طرح، اس طرح ہے الحدیث۔ (ت)

درمختار میں ہے:

لاعبرۃ بقول الموقتین ولو عدولا — مذہب کے مطابق نجومیوں کا قول مقبول نہیں اگرچہ

---

[1] ردالمحتار بحوالہ الکافی للحاکم — کتاب الصوم — مصطفی البابی مصر ۲/ ۹۹-۹۸
[2] درمختار — " — مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۸
[3] فتح القدیر — " — نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۵۰
[4] ردالمحتار — " — مصطفی البابی مصر ۲/ ۹۹-۹۸
[5] سنن ابی داؤد — " — آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۱۷

علی المذہب[1]	وُہ عادل ہوں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

بل فی المعراج لایعتبر قولھم بالاجماع ولایجوز للمنجم ان یعمل بحساب نفسہ[2]	بلکہ معراج میں ہے کہ نجومیوں کا قول بالاتفاق معتبر نہیں، اور منجم کے لیے اپنے حساب پر بھی عمل کرنا جائز نہیں۔ (ت)

اقول یہ شرع مطہر عالم ماکان ومایکون کے ارشادات ہیں عالم امّی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ سیر نیرین ضرور اُس عزیز علیم کے حساب مقدر پر ہے ذٰلک تقدیر العزیز العلیم[3] (یہ سادھا ہے زبردست جاننے والے کا۔ت) اور کیوں نہ معلوم ہوتا حالانکہ انھیں پر نازل ہوا کہ الشمس والقمر بحسبان[4] (سورج اور چاند حساب سے ہیں۔ت) بااین ہمہ اس عالم حقائق عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے در باب رؤیت ہلال حساب کو یک لخت ابطال واہمال فرمایا کہ حضور جانتے تھے کہ یہ اُن محاسبات قطعیہ سے نہیں جن کا ذکر کریمہ بحسبان میں ہے بلکہ ناقص ونامنضبط متاخرین اہل ہیئت کے تخمینات ہیں جن کا تخلف دشوار نہیں، ولہذا امام اہل ہیئت بطلیموس نے مجسطی میں باآنکہ ثوابت تک کے ظہور واختفاء کے لیے فصل جداگانہ وضع کی رؤیت ہلال کا اصلاً ذکر نہ کیا کہ وُہ اصلاً اس کے انضباط پر قادر نہ ہُوا اور متاخرین نے جو کچھ لکھا اُن شدید باہمی اختلافات کے بعد (جو مطالعہ شرح مواقف و شرح زیج سلطان وغیرہ سے ظاہر ہیں) خود بھی کوئی ضابطہ صحیحہ نہ بتا سکے ان یتبعون الا الظن وان ھم الا یخرصون[5] (وُہ پیچھے نہیں جاتے مگر گمان کے اور وُہ تو نہیں مگر اٹکلیں دوڑاتے ہیں۔ت) کے مصداق رہے، ولہذا منجمین کے ان حسابات میں اکثر خطا پڑتی ہے، ابھی چند سال کا ذکر ہے کہ رمضان مبارک جنتریوں میں بلااشتباہ ۳۰ روز کا لکھا تھا اور یہاں سے نقشۂ سحری و افطار میں ۲۹ دن کا مہینہ شائع ہوا بالفضلہ تعالٰی ایسی صاف عام رؤیت ۲۹ کی ہُوئی جس میں اصلاً اختلاف نہ ہوا، مخالفین میں سے ایک صاحب نے بعض خاص احباب سے کہا میں ۲۹ کو نقشہ ہاتھ میں لیے منتظر رہا

---

[1] درمختار — کتاب الصوم — مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۸
[2] ردالمحتار — " — مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۰
[3] القرآن ۶/۹۶
[4] القرآن ۵۵/۵
[5] القرآن ۱۰/۶۶

کہ آج رؤیت نہ ہو اور فوراً نقشہ لے کر پہنچوں کہ ۲۹ کا مہینہ کب ہُوا حالانکہ یہ اُن کی خام خیالی تھی، یہاں نقشوں میں تصریح کر دی جاتی ہے کہ بربنائے قواعد علم ہیئت ہے، شرع مطہر میں رؤیت پر مدار ہے، اگر رؤیت اس کے خلاف ہو نقشہ پر لحاظ نہ ہوگا، بالجملہ ایسے قواعد عقلیہ کیا قابلِ لحاظ ہوسکتے ہیں جن کے سبب ثقہ عادل کی شہادتِ شرعیہ رَد کی جائے۔

وبہ ظھر الجواب عما ذکر ھھنا الامام السبکی الشافعی ان الشھادۃ ظنیۃ و الحساب قطعی فانہ رحمہ اللہ تعالٰی ظن انہ کسائر حسابات الھیئۃ من الطلوع والغروب و التحویل والتقویم و الخسوف و لیس کذلک بل ھو مثل حساب وقت الکسوف بدایۃ و نھایۃ بل ادون رتبۃ فانہ یتم بعد تکرار الاعمال الطوال مرۃ بعد اخری بخلاف ھذا ومن جرب تجربتی عرف معرفتی لاجرم ردہ کل من جاء بعدہ من محققی الشافعیۃ ایضا وحققوا ان العبرۃ بالشھادۃ الشرعیۃ وان خالفت تلک القواعد العقلیۃ کما فصلہ فی ردالمحتار۔

اس سے امام سبکی شافعی کی گفتگو کا جواب بھی آگیا کہ شہادت ظنی ہے اور حساب قطعی، کیونکہ انھوں نے اسے باقی حسابات مثلاً طلوع، غروب، تحویل، تقویم اور خسوف کی حالت پر قیاس کیا ہے حالانکہ معاملہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ تو ابتداء و انتہا کے اعتبار سے کسوف بلکہ رتبہ کے اعتبار سے اس سے بھی کم درجہ پر ہے کیونکہ یہ یکے بعد دیگرے تکرار عمل سے تام ہوجاتا ہے بخلاف مذکورہ کے، جو بھی مجھ جیسا تجربہ کرے گا اسے ہماری طرح ہی معرفت ہوگی، یہی وجہ ہے کہ ان کے بعد آنے والے محقق شوافع نے بھی ان کا رَد کیا ہے اور یہی ثابت کیا کہ اعتبار شہادت شرعیہ کا ہے اگرچہ وہ قواعد عقلیہ کے مخالف ہو، جیسا کہ اس کی تفصیل ردالمحتار میں ہے۔ (ت)

سوم: رمضان مبارک میں بحالِ صفائی مطلع ایک ثقہ کی گواہی مطلقاً رَد کر دینا مذہب منقح کے خلاف ہے بلکہ وہ بتصریح محررِ مذہب امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی اس حالت سے مقید ہے جبکہ اس اکیلے کا رؤیت سے تفرد خلاف ظاہر ہو ورنہ اگر بیرونِ شہر سے آیا اور اہلِ شہر نے نہ دیکھا یا یہ بلندی پر تھا اور لوگ زمین پر، یا لوگوں نے تلاشِ ہلال میں کوشش نہ کی تو صفائے مطلع میں بھی ایک کی شہادت ظاہر الروایۃ صحیحہ معتمدہ منقحہ پر مقبول ہے۔

درمختار میں ہے:

صحح فی الاقضیۃ الاکتفاء بواحد ان جاء بخارج البلد او کان علی

کتاب الاقضیہ میں اس بات کی تصحیح ہے کہ ایک گواہ پر اکتفاء درست ہے جبکہ وہ بیرونِ شہر سے

مکان مرتفع واختارہ ظہیر الدین[1]

آیا ہو یا وُہ کسی بلند جگہ پر ہو، اور ظہیر الدین نے اسی کو مختار کہا ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

واعتمدہ فی الفتاوی الصغری ایضا وھو قول الطحاوی واشار الیہ الامام محمد فی کتاب الاستحسان من الاصل قال فی النہایۃ اذا جاء من خارج المصر او کان فی موضع مرتفع فانہ یقبل عندنا اھ فقولہ عندنا یدل علی انہ قول ائمتنا الثلثۃ رضی اللہ تعالی عنہم وقد جزم بہ فی المحیط وعبر عن مقابلہ بقیل ففیہ التصریح بانہ ظاہر الروایۃ وھو کذلک ویظھر لی ان لا منافاۃ بینھما لان روایۃ اشتراط الجمع العظیم محمولۃ علی ما اذا کان الشاھد من المصر فی مکان غیر مرتفع فتکون الروایۃ الثانیۃ مقیدۃ لاطلاق الروایۃ الاولی الخ باختصار[2]۔

فتاوٰی صغرٰی میں بھی اسی پر اعتماد کیا ہے اور یہی امام طحاوی کا قول ہے امام محمد نے اصل کی کتاب الاستحسان میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے، فرمایا: نہایہ میں ہے جب گواہ بیرونِ شہر سے آیا ہو وہ کسی بلند جگہ پر ہو تو ہمارے نزدیک اس کی گواہی مقبول ہوگی اھ نہایہ کا عندنا یہ واضح کررہا ہے کہ یہ تینوں ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا قول ہے۔ محیط میں اس پر جزم ہے اور اس کے مقابل قول کو "قیل" سے ذکر کیا اور اس میں تصریح ہے کہ یہ ظاہر الروایت ہے، اور وُہ اسی طرح ہے، میرے نزدیک ان روایات میں کوئی منافات نہیں کیونکہ یہ روایت کہ جمِ عظیم کا ہونا ضروری ہے، یہ اس صورت پر محمول ہے جب گواہ شہری بلند جگہ والا نہ ہو، تو اب دوسری روایت پہلی مطلق روایت کے لیے مقید بن جائے گی الخ اھ اختصاراً (ت)

یہاں تین[3] روایتیں ہیں اور تینوں مصحح، اور تینوں ظاہر الروایۃ ہیں، اور فقیر نے اپنی تعلیقات حاشیہ حاشیہ شامی میں بیان کیا ہے کہ وُہ سب اپنے محامل پر مقبولہ معمولہ ہیں، اور فقہ میں بڑا کام یہی قول منقح کا ادراک ہے وباللہ التوفیق۔

چہارم جب رمضان دوُ عادلوں کی شہادت سے ثابت ہُوا ہو اور ۳۰ روزوں کے بعد اکتیسویں شب

---

[1] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۸
[2] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۱

باوصف صفائے مطلع ہلال نظر نہ آئے تو علماء کو اختلاف شدید ہے ایسی نادر صورت کے ذکر کی اشتہار میں حاجت نہ تھی اور ذکر ہوا تو مذہب مفتی بہ کا اتباع ضرور تھا اور یہاں مفتی بہ یہی ہے جس کے ضعف کی طرف اشتہار میں اشعار کیا یعنی عید کرلی جائے اگرچہ چاند نظر نہ آئے، بلکہ علامہ نوح نے فرمایا کہ یہی مذہب ہمارے ائمہ ثلٰثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا ہے، اور دوسرا قول کہ ۳۱ روزے رکھے جائیں صرف بعض مشائخ کا ہے تو اس تقدیر پر تو وہ اصلاً قابلِ لحاظ نہ رہا۔ تنویر الابصار میں ہے:

بعد صوم ثلثین بقول عدلین حل الفطر[1]

تیس روزوں کے بعد دو عادل گواہوں کی شہادت پر عید الفطر جائز ہوتی ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای اتفاقا ان کانت لیلۃ حادی والثلثین متغیمۃ وکذا لو مصحیۃ علی ماصحح فی الدرایۃ والخلاصۃ والبزازیۃ[2]۔

یعنی یہ جواز بالاتفاق ہے جب اکتیسویں رات مطلع ابر آلود ہو اور درایہ، خلاصہ اور بزازیہ کی تصحیح کے مطابق اگر مطلع ابر آلود نہ بھی ہو تب بھی یہی حکم ہے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

ونقل العلامۃ نوح الاتفاق علی حل الفطر فی الثانیۃ ایضا عن البدائع والسراج والجوھرۃ قال والمراد اتفاق ائمتنا الثلثۃ وما حکی فیہا من الخلاف انما ھو لبعض المشائخ، قلت وفی الفیض الفتوی علی حل الفطر[3]۔

علامہ نوح نے بدائع، سراج اور جوہرہ سے نقل کیا کہ دوسری صورت (جب اکتیسویں رات مطلع ابر آلود نہ ہو) میں بھی جواز عید الفطر پر بھی اتفاق ہے، اور پھر کہا یہاں اتفاق سے مراد ہمارے تینوں ائمہ کا اتفاق ہے اور اس میں جو اختلاف منقول ہے وہ بعض مشائخ کا ہے۔ میں کہتا ہوں فیض میں ہے فتوٰی جواز فطر پر ہے (ت)

مذہب مفتی بہ بلکہ اپنے تمام ائمہ کے مذہب صحیح و معتمد کو ضعیف بتانا اور اُن کے مقابل بعض مشائخ کے قول

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹
[2] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۲
[3] " " " "

پر اعتماد کرنا بحکم درمختار و تصحیح القدوری وغیرہما جہل و خرقِ اجماع ہے۔

پنجم ۳۰ شعبان کو مطلع صاف ہونے کے ساتھ یوم شک کی تخصیص محض باطل ہے بلکہ مطلع صاف نہ ہو تو ۲۹ شعبان کے بعد کا دن بالاتفاق یوم الشک ہے اور بہ نیتِ رمضان اس کا روزہ رکھنا ممنوع، اختلاف اگر ہے تو اس میں ہے کہ بحالِ صفائے مطلع بھی ۳۰ شعبان یوم الشک ہے یا نہیں، معراج الدرایہ شرح ہدایہ و مجتبٰی شرح قدوری و جامع الرموز شرح نقایہ میں تصریح کی کہ وہ اصلاً یوم الشک نہیں، اور درمختار میں بحوالہ شرح مجمع العینی زاہدی سے نقل کیا کہ بربنائے عدمِ اعتبارِ اختلافِ مطالع وُہ بھی یوم الشک ہے کہ شاید کہیں اور رؤیت ہوئی ہو، ردالمحتار میں ہے:

القہستانی قیدہ بما اذا غم فلو مصحیۃ ولم یرہ احد فلیس بیوم شک اھ و مثلہ فی المعراج عن المجتبی[1]

قہستانی نے اسے اس صورت کے ساتھ مقید کیا جب مطلع ابر آلود ہو، اگر مطلع ابر آلود نہ ہو اور کسی نے چاند بھی نہ دیکھا ہو تو یہ یوم شک نہ ہوگا اھ معراج میں مجتبٰی کے حوالے سے اسی طرح منقول ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

ھو یوم الثلثین من شعبان وان لم یکن علۃ ای علی القول بعدم اعتبار اختلاف المطالع لجواز تحقق الرؤیۃ فی بلدۃ اخری شرح المجمع للعینی عن الزاھدی[2]

یوم شک شعبان کا تیسواں دن ہوگا اگرچہ علت نہ ہو (یعنی مطلع صاف ہو) یعنی اس قول پر جس میں اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں کیونکہ کسی دوسرے شہر میں رؤیت کا ثبوت ہو سکتا ہے۔ یہ امام عینی کی شرح المجمع میں زاہدی کے حوالے سے منقول ہے۔ (ت)

اقول تو کلام زاہدی مضطرب ہوا اور کلام معراج معارض سے سالم رہا اور اُسی کے مثل تبیین الحقائق وغیرہ معتمدات میں ہے اور وہی اظہر و ازہر ہے کہ شک استوائے طرفین کی حالت ہے۔ یہی بحرالرائق میں ہے:

ھو استواء طرفی الادراک من النفی و الاثبات[3]

نفی و اثبات کے ادراک کی دونوں اطراف کے برابر ہونے میں شک ہے (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/ ۹۵

[2] درمختار 〃 مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۷

[3] بحرالرائق 〃 ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۴۶

اور جبکہ مطلع صاف ہو اور چاند اصلاً نظر نہ آئے تو صرف اس احتمال بعید پر کہ شاید کہیں اور سے رؤیت کا ثبوت آجائے شک متحقق ہونا کس درجہ بعید ہے۔

فان مجرد الرؤية فی بلدة اخری لایلزمنا مالم تثبت بطریق شرعی وھو احتمال لاعن دلیل فلا یعارض الظن الحاصل من استقراء الحس الصحیح فی المرای الصریح فافھم۔

محض دوسرے شہر میں دیکھ لینا ہمارے لیے لزوم کو کافی نہیں جب تک طریق شرعی سے اس کا ثبوت نہ ہو، یہ تو بغیر دلیل محض احتمال ہے، اب یہ اس ظن کے مقابل و معارض کیسے ہوسکتا ہے جو حس صحیحہ سے رؤیت صحیحہ میں حاصل ہوتا ہے غور کرو (ت)

ششم یہ کہنا کہ جو لوگ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں کرتے اُن کے قول پر روزہ شک کا جائز ہونا چاہیے سخت عجیب، اور دونوں قول سے مخالف و غیر مصیب ہے۔ ۳۰ شعبان کو جب رؤیت نہ ہو تو اس میں ہرگز اختلافِ قولین نہیں کہ اُس دن روزہ رمضان رکھنا گناہ ہے، اختلاف علت حکم میں ہے، جو بحال صفائے مطلع اُسے یوم الشک نہ قرار دیں، اُن کے نزدیک اس لیے کہ لاتقدموا رمضان بصوم یوم ولا یومین (رمضان سے پہلے ایک یا دو دن روزہ نہ رکھو۔ ت)، خود اشتہار میں درمختار سے نقل کیا:

اما علی مقابلہ فلیس بشك ولا یصام اصلا[1]۔

اس کے مخالف قول پر یوم شک نہیں تو اب ہرگز روزہ نہ رکھا جائے گا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ولا یجوز صومه ابتداء لافرضا ولا نفلا[2]۔

رمضان سے پہلے نہ فرضی روزہ رکھا جائے اور نہ نفلی (ت)

اُسی میں ہے:

لانه لا احتیاط فی صومه للخواص بخلاف یوم الشك[3]۔

اس لیے کہ اس روزہ کے رکھنے میں خواص کے لیے کچھ احتیاط نہیں بخلاف یوم شک کے۔ (ت)

---

[1] درمختار | کتاب الصوم | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/ ۱۴۷
[2] ردالمحتار | " | مصطفی البابی مصر | ۲/ ۹۵
[3] " | " | " | ۲/ ۹۶-۹۵

اور جو اس حال میں بھی یوم الشک کہیں ان کے نزدیک اس لیے کہ:

من صام یوم الشك فقد عصی ابا القاسم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[1] ۔ جس نے یوم شک کا روزہ رکھا اس نے حضور ابو القاسم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔ (ت)

درمختار میں ہے:

لایصام یوم الشك ھو یوم الثلثین من شعبان وان لم یکن علۃ الا تطوعا ویکرہ غیرہ[2] ۔ (ملخصا) یوم شک میں روزہ نہ رکھا جائے اور یہ شعبان کا تیسواں دن ہوسکتا ہے اگرچہ کوئی علت نہ ہو، ہاں نفلی روزہ رکھا جاسکتا ہے، اس کے علاوہ مکروہ ہے(ت)

ہفتم اس ایجادی اختراعی حکم کی یہ تعلیل "کیونکہ بالضرور دنیا میں اُس روز چاند ہوا ہوگا" اس بالضرور پر کیا دلیل، خود ہی اشتہار میں درمختار و شرح مجمع عینی سے اتنا نقل کیا کہ:

لجواز تحقق الرؤیۃ فی بلدۃ اخری[3] (کیونکہ دوسرے شہر میں رؤیت کا ثبوت ہوسکتا ہے۔ت)

نہ کہ لوجوب وقوع الرؤیۃ فی مکان من الدنیا (دنیا کے کسی گوشے میں رؤیت کا وقوع واجب و لازم ہے۔ت)

ہشتم اگر ہر ۲۹ کو کہیں نہ کہیں رؤیت ہونی ضرور ہو تو عدم اعتبار اختلاف مطالع پر کہ ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کا یہی مذہب ہے اور اسی پر فتوٰی اور اسی پر اعتماد ہے ہمیشہ رمضان ۲۹ ہی دن کا ہونا لازم ہو کہ بالضرور دنیا میں چاند ہوا ہوگا اور اختلاف مطالع معتبر نہیں حالانکہ یہ اجماع اُمت و نصوص صریحہ کے خلاف ہے۔

نہم جب بالضرورۃ کہیں نہ کہیں رؤیت ہونی معلوم، تو ائمہ کا ارشاد کہ ثبوت شرعی مثل شہادت و استفاضہ شرعیہ سے دوسری جگہ رؤیت ہونی ثابت ہو تو ہم پر لازم ہوگا ورنہ نہیں کما نص علیہ فی الدر المختار وسائر الاسفار (جیسا کہ درمختار اور دیگر کتب میں اس پر تصریح ہے۔ت) محض لغو و مہمل بلکہ غلط و باطل ہو کہ جب یقیناً دوسری جگہ وقوع رؤیت معلوم ہے تو یقین سے زیادہ اور کون سا ثبوت چاہیے، کیا ضروریات کے لیے بھی گواہی کی حاجت ہے افسوس کہ علماء نے طرق موجب شرعی سے

---

[1] سنن ابی داؤد باب کراہیۃ صوم یوم الشک آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۹۶-۱۵

[2] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۷

[3] " " " "

مقید کیا، اشتہاری فتوٰی دیکھتے تو معلوم ہوتا کہ خود ہی بالضرور ثابت ہے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

دہم اب یہ تعلیل عجیب ہوگی کہ خود مدعا کا ابطال محض کرے گی عجب بالضرورت رؤیت معلوم تو جو لوگ اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں کرتے ان کے نزدیک یہ یوم الشک کدھر سے آیا بلکہ یقین یوم الیقین ہے اور روزہ جائز ہونا کیا معنی، بلکہ فرض ہونا چاہئے کہ یقیناً رمضان ہے، بالجملہ ہر ۲۹ کو کہیں نہ کہیں رؤیت ضروری و لازم مان لینا معاذ اللہ ائمہ کرام کو مخالفِ اجماعِ مسلمین و مخالفِ نصوص قاطعہ و مجانین قرار دینا ہے جس پر راضی نہ ہوگا مگر بددین یا مجنون، ہاں احتمال کہئے، پھر اگر ہُوا تو یوم الشک ہُوا اور یوم الشک کا روزہ جائز نہیں پھر جواز کدھر سے آیا۔

یازدہم رمضان و فطر میں اعتبار اختلاف مطالع کو قول محققین حنفیہ و محدثین مذہب و مجتہدین روایات فقہیہ قرار دینا محض غلط و تہمت ہے بلکہ اُس کا عدمِ اعتبار ہی ہمارے ائمہ کرام و مجتہدینِ عظام رضی اللہ تعالٰی عنہم کا مذہب ہے اور اسی پر فتوٰی ہے اور اسی پر جمہور، اور یہی احوط و اقوی من حیث الدلیل، تو بوجوہ کثیرہ اسی پر عمل واجب، اور اس سے عدول ہرگز جائز نہیں۔ تنویر الابصار و درمختار و بحر الرائق و فتاوٰی خلاصہ وغیرہ میں ہے:

اختلاف المطالع غیر معتبر علی ظاھر المذھب وعلیہ اکثر المشائخ و علیہ الفتوی[1]

ظاہر مذہب پر اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں، اکثر مشائخ کی یہی رائے ہے اور اسی پر فتوٰی ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ھو المعتمد عندنا وعند المالکیۃ و الحنابلۃ[2]

ہمارے، مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں یہی معتمد ہے (ت)

فتح القدیر میں ہے: الاخذ بظاھر الروایۃ احوط[3] (ظاہر الروایۃ پر عمل احوط ہے۔ ت)

بحر الرائق میں ہے: الاحتیاط العمل باقوی الدلیلین[4] (دونوں دلیلوں سے قوی پر عمل بہتر ہے۔ ت)

---

[1] درمختار | کتاب الصوم | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۴۹
[2] ردالمحتار | " | مصطفی البابی مصر | ۲/۱۰۵
[3] فتح القدیر | " | نوریہ رضویہ سکھر | ۲/۲۴۳
[4] ردالمحتار بحوالہ النہر | خطبۃ کتاب | مصطفی البابی مصر | ۱/۵۴

عقود الدریہ میں ہے: العمل بما علیہ الاکثر[1] (عمل اس پر کیا جائے جس پر اکثر ہوں۔ ت)

فتاوٰی خیریہ میں ہے:

صرحوا بہ ان ماخرج عن ظاھر الروایۃ لیس مذھبا لابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ولا قولا لہ[2]

فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے کہ ظاہر الروایۃ سے جو خارج ہے وہ نہ تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب ہوتا ہے اور نہ ہی قول (ت)

بحر میں ہے:

ماخرج عن ظاھر الروایۃ فھو مرجوع عنہ والمرجوع عنہ لم یبق قولا لہ[3] (ملخصاً)

جو ظاہر الروایۃ سے خارج ہو وہ قول مرجوع عنہ ہوتا ہے اور مرجوع عنہ آپ (امام اعظم) کا قول نہیں ہوتا۔ (ت)

شامی میں ہے:

ماخالف ظاھر الروایۃ لیس مذھبا لاصحابنا[4]

جو قول ظاہر الروایۃ کے خلاف ہو وہ ہمارے اصحاب کا مذہب نہیں ہوتا (ت)

اسی میں ہے: العمل بما علیہ الفتوٰی[5] (جس پر فتوٰی ہو اس پر عمل کیا جائے۔ ت)

توان تمام عظیم قولوں کے خلاف روایات متاخرین علماء کا قول ان کو اشتباہ کہہ دینا کیا شبہ ڈال سکتا یا کیا قابلِ التفات ہوسکتا ہے، درمختار میں ہے:

الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق للاجماع[6]

قول مرجوح پر فیصلہ اور فتوٰی محض جہالت اور اجماع کی مخالفت ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

---

[1] عقود الدریۃ | مسائل وفوائد شتّٰی من الحظر والاباحۃ | حاجی عبدالغفار وپسران قندھار افغانستان | ۲/۳۵۶
[2] فتاوٰی خیریہ | کتاب الطلاق | دارالمعرفۃ بیروت | ۱/۵۲
[3] بحرالرائق | کتاب القضاء | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۶/۲۷۰
[4] ردالمحتار | کتاب احیاء الموات | داراحیاء التراث العربی، بیروت | ۵/۲۷۸
[5] " | باب صدقۃ الفطر | " " | ۲/۷۸
[6] درمختار | مقدمۃ کتاب | مجتبائی دہلی | ۱/۱۵

کقول محمد مع وجود قول ابی یوسف اذا لم یصحح اویقو وجھہ واولیٰ من ھذا بالبطلان الافتاء بخلاف ظاھر الروایۃ اذا لم یصحح والافتاء بالقول المرجوع عنہ[1] اھ۔

جیساکہ امام محمد کا قول امام ابویوسف کے قول کی موجودگی میں جبکہ اس کی تصحیح نہ کی گئی ہو یا اس کی دلیل قوی نہ ہو اور اولیٰ بالبطلان ہے ظاہر الروایۃ کے مخالف پرفتوٰی دینا جبکہ اس کی تصحیح نہ کی گئی ہو اور اسی طرح قول مرجوع عنہ پر فتوٰی دینا ہے اھ(ت)

دوازدہم اقول وباللہ التوفیق ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم جس پر عرش تحقیق مستقر فرمائیں وہ ایسا نہیں ہوتا کہ اس کے ارکان کسی کے متزلزل کیے متزلزل ہوجائیں، رؤیت ہلال میں اختلافِ مطالع معتبر ماننے والے ذرا سمجھ کر بتائیں کہ اس اعتبار سے کیا مراد، اور وہ کتنی مسافت ہے جس میں اختلافِ مطالع معتبر ہوگا:

اوّلاً اس کے قائلین اس بارے میں خود مختلف ہیں اور مختلف بھی اتنے کہ آٹھ گنے کا فرق، جواہر ولباب وغیرہما میں اُسے ایک مہینہ کی راہ سے مقدر کیا، روزانہ بارہ کوس کی منزل معتاد کے لحاظ سے اثر انجا کرمیل یہاں کے کوسوں کا $\frac{5}{8}$ ہے ۱۹۶۲ میل مسافت یکروزہ ہُوئی اور مہینہ بھر کی راہ ۵۷۶ میل جس کے ۱۹۲ فرسخ ہُوئے، جواہر میں اس تحدید پر قصہ سیدنا سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام سے استدلال کیا:

غدوھا شھر ورواحھا شھر[2] فان قالہ قد انتقل کل غدو ورواح من اقلیم الی اقلیم وبین کل منھما مسیرۃ شھر[3]۔

اس کی صبح کی منزل ایک مہینہ کی راہ اور شام کی منزل ایک مہینہ کی راہ۔ فرمایا وہ ہر صبح وشام ایک اقلیم سے دوسرے اقلیم کی طرف تشریف لے جاتے اور ان کے درمیان ایک ماہ کی مسافت ہوتی۔(ت)

یہ دلیل جیسی ہے رُولش ببیں حالت بپرس (اس کا چہرہ دیکھو اور اس کا حال پوچھو۔ت) ولہذا الفاظ الوسنان میں اسے نقل کرکے کہا:

فی دلالۃ القصۃ علٰی ذٰلک نظر[4] (اس مسئلہ پر واقعہ کی دلالت محلِ نظر ہے۔ت)

---

[1] ردالمحتار مقدمۃ الکتاب مطلب لایجوز العمل بالضعیف حتی لنفسہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۵

[2] القرآن ۳۴/۱۲

[3] تنبیہ الغافل والوسنان عن رسائل ابن عابدین بحوالہ القہستانی عن الجواہر سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۲۵۰

[4] " " " " " " " " " " "

ردالمحتار میں فرمایا: لایخفی مافی ھذا الاستدلال[1] (اس استدلال میں جو نظر ہے وہ مخفی نہیں۔ت) تاج تبریزی نے کہا، بہتر میل سے کم میں اختلاف مطالع ممکن نہیں۔ علامہ رملی شافعی نے شرح منہاج میں اسی کو اختیار کیا اور اسی پر اپنے والد کا فتوٰی بتایا۔ ایقاظ الوسنان میں اسی کو اولٰی کہا،

حیث قال فالاول ای ماذکرالتاج من ان اختلاف المطالع لایمکن فی اقل من اربعۃ وعشرین فرسخا اولی لان الظاھر من قولہ لایمکن الخ انہ قدرہ بالقواعد الفلکیۃ ولامانع من اعتبارھا ھٰھنا کاعتبارھا فی اوقات الصلوٰۃ[2]

الفاظ یہ ہیں کہ پہلا قول کہ تاج تبریزی نے جو ذکر کیا کہ اختلاف مطالع چوبیس فرسخ سے کم میں ممکن نہیں اولٰی ہے کیونکہ یہ ان کے قول لایمکن الخ سے ظاہر یہ ہے کہ انھوں نے قواعد فلکیہ سے اندازہ لگایا ہے اور اس مقام پر ان کا اعتبار کرنے میں کوئی مانع نہیں جیسا کہ اوقاتِ نماز میں ان کا اعتبار ہے۔ (ت)

کہاں چوبیس[24] کہاں ایک سو بانوے[192]، پُورے آٹھ گُنے کا فرق ہے، اور ضرور ہونا تھا کہ ائمہ مجتہدین کا نورِ علم اس کے ساتھ نہیں،

ولوکان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا[3]۔

اور اگر وہ غیر خدا کے پاس سے ہوتا تو ضرور اس میں بہت اختلاف پاتے (ت)

ثانیًا سب حضرات نے مطلق فرمایا کوئی تخصیص سمت وجانب کی نہ رکھی حالانکہ معظم معمورہ خصوصًا بلادِ ہندوستان اور اُن کے امثالِ کثیرہ مثل خطۂ مقدسۂ عرب وغیرہ میں جہاں عرض میل کلی کے اندر ہے یا اُس سے بہت متفاوت نہیں، یہ اختلاف معتبر ہو تو یونہی کہ غربی شہر کی رؤیت شرقی پر حجت نہ ہو کہ ممکن کہ شرقی میں وقتِ غروبِ شمس فصل نیرین کم تھا قمر کا شعاع شمس سے انفصال قابلِ رؤیت ہلال نہ ہوا تھا جب حرکت فلکیہ نیرین کو بلد غربی کی افق پر لے گئی اتنی دیر میں انفصال بقدر استہلال ہوگیا مگر غربی میں شرقی کی رؤیت مطلقًا کیوں نامعتبر ہو خصوصًا جب کہ عرض متحد یا متقارب ہو کہ اضطجاع وانتصاب افق یکساں ہو، پُر ظاہر کہ جب مشرق میں بعد قابلِ رؤیت ہوچکا تھا تو غربی میں تو اور زیادہ فصل وظہور ہوجائے گا، اور جنوب و

---

[1] ردالمحتار مطلب فی اختلاف المطالع مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۵

[2] تنبیہ الغافل والوسنان من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۲۵۰

[3] القرآن ۴/۸۲

شمال میں ۲۴ فرسخ درکنار ۱۹۲ کا فصل بھی فاصل ہونا ضرور نہیں ، فرض کیجئے آفتاب شمالی ہے اور قمر وقت
استہلال عدیم المیل اور ایک شہر خطِ استواء سے ۸ درجہ شمال کو ہے کہ ایک مہینہ کی راہ سے کم فاصلہ ہوا،
اور دوسرا سترہ درجے کہ دو مہینے سے بھی زیادہ فصل ہُوا اس لئے کہ غایت تدقیق کے بعد ثابت ہوا ہے کہ زمین کا عـہ
ایک درجہ ۳۶۵۱۵۵ قدم ہے اور قدم ⅓ گز اور میل ۱۷۶۰ گز ، تو ایک درجہ ارضیہ ۶۹٫۱۲۹ میل ہوا ، راہ
یک ماہہ ۵۷۶ کو اس پر تقسیم کئے سے ۸٫۳۳۰۳۰۲۷۷ ہوتے ہیں یعنی ۵۴ ۱۰ ۱۸ ۸ ح لح ی نل اور
تینوں شہر ایک ہی نصف النہار کے نیچے ہیں ۔ اب فرض کیجئے کہ صورتِ مذکورہ میں خطِ استوا میں رؤیتِ ہلال
ہوئی تو شہر البعد درکنار شہرِ وسطانی میں بھی رؤیت ضرور نہیں ، حالانکہ یک ماہہ راہ سے کم فاصلہ ہے ، اس لیے
کہ خطِ استوا میں ادھر تو آفتاب جلد ڈوبے گا تو اندھیرا جلد ہو کر رؤیت کا معین ہوگا ، ادھر افق منتصب ہے
تو آفتاب بعد غروب جلد افق سے دُور ہو کر نورِ شفق کہ عائق رؤیت ہوتا جلد کم ہوجائے گا ، اُدھر قمر کا ارتفاع
زائد ہے تو دیر تک بالائے اُفق رہے گا اور یہ بھی مؤید رؤیت ہوگا بخلاف بلد شمالی کہ وہاں سب امور بالعکس
ہیں ، اور اسی صورت میں فرض کیجئے کہ شہر البعد میں رؤیت ہوئی تو شہرِ وسطانی درکنار خطِ استوا میں بھی بدرجۂ
اولیٰ رؤیت ہوگی کہ مؤیدات رؤیت وہاں بافراط ہیں حالانکہ دو ماہہ راہ سے زیادہ کا فاصلہ ہے ، تو معلوم
ہُوا کہ جنوباً شمالاً کبھی ایک مہینے سے بھی کم کا فاصلہ اختلافِ رؤیت لاتا ہے اور کبھی دُو مہینے سے زیادہ کا بھی
فاصلہ اختلاف نہیں لاتا ۔ اب یہ تقریر اس طرف لے جائے گی کہ شہروں کا باہم بُعد معتبر نہ ہو حالانکہ اختلاف
مطالع ماننے والوں کی عبارات اس میں نص ہیں ، نہ تفاوتِ عرض معتبر ہو نہ تفاوتِ طول شرقی بلکہ صرف تفاوت
طول غربی معتبر ہو ، یعنی جس کا طول غربی اس شہر سے یک ماہہ راہ یعنی ۸ درجے ۱۸ دقیقے ہو وہاں کی رؤیت

عـہ **اقول** اور تدقیق ادق سے ۳۶۴۶۰۹ قدم اس لیے کہ زمین کا نصف قطر استوائی ۳۹۶۳٫۲۹۶ میل ہے
اور نیم قطر قطبی ۳۹۴۹٫۷۹ پس نیم قطر معدل ۳۹۵۶٫۵۴۳ پھر کمال تدقیق ادق سے قطر : محیط = ۱ : ۳٫۱۴۱۵۹۲۶۵
لوغارثم‌شش ۰٫۴۹۷۱۴۹۹ ولوغارثم معدل ۳٫۵۹۷۳۱۵۹ مجموعہ ۴٫۰۹۴۴۶۵۸ پھر نسبت انصاف مثل نسبت
اضعاف ہے تو ۱۸۰ کے لوگارثم ۲٫۲۵۵۲۷۲۵ کو اس سے تفریق کیا بلکہ ۷٫۷۴۴۷۲۷۵ جمع کیا حاصل
۱٫۸۳۹۱۹۳۳ عدد‌ش ۶۹٫۰۵۴۷ یہ ایک درجہ محیطیہ کے میل ہُوئے اور گز ۱۲۱۵۳۶ تو قدم
۳۶۴۶۰۹ بالرفع یوں بھی وہی مطلب ثابت ہے کما لا یخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں ۔ ت) اب
حاصلِ قسمت ۸٫۳۴۱۲۱۵۸ ہوگا یعنی ۸ درجے ۲۰ دقیقے ۲۸ ثانیے ۲۳ ثالثے ۱۲ منہ غفر اللہ
تعالٰی لہ (م)

معتبر ہو مگر بنے گی یہ بھی نہیں کہ تفاوتِ عرض بھی قطعاً اختلافِ رؤیت لاتا ہے جس کے بعض وجوہ کی طرف ابھی اشارہ ہوچکا تو اس کا نظر سے اسقاط ناممکن، تفاوتِ عرض سے یہاں تک تو ہوگا کہ ایک شہر میں ہلال مرئی ہو اور دوسرے شہر میں چاند اس وقت زیرِ زمین جاچکا ہو رؤیت وعدم رؤیتِ ہلال تو بالائے طاق رہی غرض یُوں بھی ٹھیک نہیں آتی اور حقیقت امر یہ ہے کہ تحدید کرنے والوں نے محض سرسری طور پر ایک حد کہہ دی تنقیح پر آئیے تو قیامت تک وُہ خود اس کی حدبست نہ کرسکیں گے۔

ثالثاً اس سب سے قطع نظر کیجئے تو اب ہمارا وُہ سوال متوجہ ہے کہ اس اعتبارِ اختلاف سے کیا مراد، آیا دو شہروں کا ایسا فصل کہ چاند جب ایک میں مرئی ہو تو دوسرے میں رؤیت ہمیشہ ناممکن ہو، یہ وہ اختلافِ مطالع ہے جسے معتبر مانتے ہیں یا صرف ایسا فصل کہ ایک میں رؤیت ہونے کے ساتھ دوسرے میں رؤیت نہ ہونا ممکن ہو یہ معتبر ہے' بالجملہ بنظر فاصلہ بلدین دوسرے شہر میں عدمِ امکان چاہئے یا امکانِ عدم، اوّل تو یقیناً باطل ہے دنیا میں کوئی فاصلہ ایسا نہیں کہ ایک جگہ ۲۹ کی رؤیت کو صرف نظر بفصل مسافت بے لحاظ خصوص حال ہلال حال دوسری جگہ محال کرتا ہو' اختلاف معتبر ماننے والوں نے بڑی حدیک ماہہ راہ بتائی، اور انھیں بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ ہزارہا بار یہاں بھی ۲۹ کا چاند ہُوا اور یہاں سے مہینوں راہ کے فاصلے پر بھی ہُوا بلکہ جب یہاں ۲۹ کا ہو تو اس عرض میں غرب کو جتنا بڑھیے بدرجہ اولٰی ۲۹ ہی کا ہوگا تو بالضرورۃ ثانی ہی مقصود، اور اب بالیقین راہِ تحدید مسدود، مہینے بھر کی راہ تو بہت ہے، ۲۴ فرسخ کا فاصلہ جس پر تاج تبریزی نے ادعا کیا کہ اس سے کم میں اختلاف ممکن نہیں، اور علامہ شامی نے براہِ تحسینِ ظن فرمایا کہ اُن کا یہ دعوٰی قواعد فلکیہ پر ہی مبنی ہوگا۔

اقول ہرگز قواعد فلکیہ اس عدمِ امکان کے ساتھ مساعد نہیں بلکہ صراحۃً اس کا رد کرتے ہیں' ایک درجہ زمین یقیناً ۲۴ فرسنگ سے کم ہے کہ یہ ۶۹ میل ہے اور وہ بہتّر، مگر ایک درجے بلکہ اس سے کم فصل غربی پر بھی اختلافِ رؤیت ممکن، دربارہ ہلال کہ کب صالح رؤیت ہوتا ہے اگرچہ اختلاف اقوال بکثرت ہے، اس میں دس قول تو اس وقت میرے پیشِ نظر ہیں جن کی وجہ وہی ولوکان من عند غیر اللّٰه (اگر وہ غیر خدا کے پاس سے ہوتا۔ت) ہے مگر متاخرین اہل ہیئت نے بعد تطاول تجارب جس پر استقرار رائے کیا' وہ یہ ہے کہ نیرین میں بُعد سواء دس درجے سے زائد ہو اور بُعد معدل ۱۰ سے کم نہ ہو۔ زیج سلطانی میں ہے:

اگر بُعد معدل میان دہ درجہ و دوازدہ درجہ باشد و بُعد سواء از دہ بیش تر باشد ہلال تواں دید باریک۔[1]

بُعدِ معدل اگر دس اور بارہ درجہ کے درمیان ہو اور بُعد سواء دس درجہ سے زائد ہو تو چاند ایک بار دیکھا جاسکتا ہے (ت)

---

[1] زیج سلطانی

علامہ عبد العلی برجندی شرح میں فرماتے ہیں :

تا ہر دو شرط وجود نگیرد ہلال مرئی نہ شود و متعارف درین زمان این ست بلے

جب تک یہ دونوں شرطیں نہ پائی جائیں چاند نظر نہیں آسکتا اور اس زمانہ میں یہی متعارف ہے (ت)

اب فرض کیجئے کہ یہاں وقتِ غروب بعد سوا ۹ لط یعنی دس درجے سے ایک دقیقہ کم تھا تو ہلال قابلِ رؤیت نہ تھا اور ایک درجہ حرکت وسطی ۴ دقیقہ میں ہے اور اس مدت میں سبق قمر تقریباً دو دو دقیقے بلکہ کبھی اس سے بھی زائد ہے تو جب قمر اس شہر سے ایک درجہ بلکہ کم فاصلے کے مقام رؤیت پر آیا بُعد دس درجے سے زائد ہوگیا اور رؤیت ہوگئی، اسی طرح ارتفاع قمر وغیرہ اختلاف کے ذرائع سے بھی تقریر مدعا ممکن، تو ثابت ہوا کہ ۲۴ بلکہ ۲۳ فرسخ سے کم بھی اختلاف ممکن ہے، اب کوئی راہ نہ رہی سوا اس کے کہ حد اصلاً نہ باندھئے بلکہ یا تو ہمیشہ ہر جگہ ہر ماہ کے لیے خصوص حال ہلال حال و محال استہلال پر نظر کیجئے یا مطلقاً کہہ دیجئے کہ ایک شہر کی رؤیت دوسرے کے لیے اصلاً معتبر نہیں اگرچہ ۲۴ فرسخ سے بھی کم فاصلہ ہو، ثانی تو بالاجماع مردود ہے اختلاف معتبر ماننے والے بھی ایسے عموم و اطلاق کے ہرگز قائل نہیں، اور اول کی طرف راہ نہیں، مگر انھیں حسابات دقیقہ طویلہ مرئی و عرض مرئی و انکسار اُفقی اختلاف منظر افقی و تعدیل الغروب و بُعد معدل وغیرہا کے ذرائع سے جن کے بعد بھی بہت اوقات سوا ظن وتخمین کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ یہ وہی محاسبات ہیں جن کو شریعتِ مطہرہ در بارہ ہلال یک لخت ساقط و باطل فرماچکی، تو بحمد اللہ تعالٰی نہ ہلال روشن بلکہ آفتاب پردہ برافگن کی طرح آشکارا ہوا کہ اختلافِ مطالع معتبر ماننا ہی خلافِ تحقیق تھا اور یہ کہ وہ مؤید بحدیث نہیں بلکہ وہی حدیث مجمع علیہ کے ارشاد واجب الانقیاد سے دُور وسحیق تھا اور یہ کہ نہ صرف رمضان وشوال بلکہ کسی مہینے میں شرع مطہر اُس کی طرف اصلاً دعوت نہیں فرماتی اور یہ کہ ہمارے ائمہ کا مذہب مہذب اس اعلٰی درجہ تدقیق انیق پر ہوتا ہے کہ مدعیانِ تحقیق تک اس کی ہوا بھی نہیں آتی ھکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق (تحقیق یُوں ہی ہونی چاہیے اور توفیق کا مالک اللہ ہے۔ ت) کیا انھیں معلوم نہ تھا اختلافِ مطالع ہوتا ہے ضرور معلوم تھا، مگر ساتھ ہی یہ بھی جانتے تھے کہ اس کا فتح باب اسی حساب ناقص النصاب کی طرف کھینچ کرلے جائے گا، جسے مصطفٰے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رد فرما چکے ہیں، لاجرم صاف فرمادیا کہ اختلاف مطالع اصلاً معتبر نہیں ان اللہ امدہ لرؤیتہ حق تعالٰی نے مدار رؤیت پر رکھا ہے، اگر رؤیت ثبوتِ شرعی سے ثابت ہے اگرچہ کتنا ہی فاصلہ ہو، اور نہیں تو نہیں اگرچہ کتنا ہی قریب ہو، اور یہیں سے ظاہر

لے شرح زیج سلطانی لعبد العلی البرجندی

ے صحیح مسلم کتاب الصیام قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۴۹

ہوا کہ دربارۂ صلوات اختلافِ مطالع پر اس کا قیاس محض مع الفارق ہے حسابِ طلوع وغروب وصبح وشفق ومثلِ اول وثانی واضحاک جلیلہ ومنضبطات کلیہ ہیں بخلاف حساباتِ رؤیتِ ہلال کہ قدمائے اہلِ ہیئت نے اپنے بوتے کا روگ نہ پاکر سرے سے اُس کی طرف التفات ہی نہ کیا اور متاخرین نے ہزار اضطراب واختلاف کے بعد آخر علامہ برجندی کی طرح لکھ دیا کہ "بالجملہ ضبط آں بر سبیلِ تحقیق متعسر ست بلکہ متعذر (رؤیتِ ہلال کا تحقیقی ضابطہ انتہائی مشکل اور متعذر رہے۔ ت) اور یہیں سے ظاہر ہُوا کہ یک ماہہ راہ پر اختلافِ مطالع کو بحسبِ قواعدِ مبرہنہ علمِ ہیئت ماننا جیسا کہ مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی سے اپنے فتاوٰی جلد اول طبع اول ص ۳۰۹ پر واقع ہوا محض قلتِ تدبر سے ناشئ تھا، نیز ہماری تقریر سے ظاہر ہُوا کہ اختلافِ مطالع کے یہ معنی قرار دینا کہ ایک شہر میں رؤیت ہو سکتی ہے دوسرے میں نہیں جیسا کہ اُنھیں سے اُسی صفحہ پر واقع ہُوا محض باطل ہے یہاں ہرگز امکان وامتناع کا اختلاف نہیں بلکہ وقوع وامکان عدم کا کما اوضحنا سابقا (جیسا کہ سابقہ گفتگو میں ہم نے اسے واضح کردیا ہے۔ ت) خود مولوی صاحب مذکور نے اُسی فتوے کے آخر میں صفحہ ۳۱۰ پر حق کی طرف رجوع کرکے اختلافِ مطالع کے معنی یُوں لکھے: "یہ ممکن ہے کہ ایک جگہ ہلال دیکھا جائے اور دوسری جگہ نہیں" یہ عبارت پھر بھی محتمل ہے، جلد دوم ص ۴۷ پر صاف تر لکھا: "اگر دو شہروں میں اس قدر بُعد مسافت ہے کہ اختلاف مطالع ہوتا ہے اور یہ ہوسکتا ہے کہ ایک جگہ طلوعِ ہلال ہو اور دوسری جگہ اس روز نہ ہو" اور ایک امام زیلعی کے "اشبہ" لکھ دینے پر مولوی صاحب مذکور کا فرمانا کہ "یہی مذہب محدثینِ حنفیہ کا ہے" محض دعوٰی ہے، زیلعی صاحبِ مذہب نہیں نہ محدثینِ حنفیہ ان میں منحصر، ابوحنیفہ وابویوسف ومحمد رضی اللہ تعالٰی عنہم کے برابر کون سے محدثین ہوں گے جن کا مذہب عدم اعتبار اختلاف مطالع ہے، اور محدثی اگر محدثین ومتاخرین ہی سے خاص ہے تو بالغ مرتبۂ اجتہاد امام ابن الہمام کیا کم محدث ہیں جو فرما چکے کہ ظاہر الروایۃ ہی پر عمل احوط ہے۔ رہی حدیث کریب کہ انھوں نے ملک شام میں رمضان مبارک کا چاند شبِ جمعہ کو دیکھا پھر مدینہ طیبہ میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے آکر بیان کیا انھوں نے فرمایا ہم نے شبِ شنبہ میں دیکھا تو ہم اپنے ہی حساب سے ۳۰ پُورے کریں گے، کریب نے کہا کیا آپ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی رؤیت وحکم پر اکتفانہ کریں گے فرمایا لاھکذا امرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[1] (نہیں، رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہمیں یہی حکم دیا ہے۔ ت) جس سے امام زیلعی نے استناد کیا اور اس کی بنا پر مولوی صاحب مذکور نے اسے موافقِ حدیث بتایا۔ **اقول** حدیث مذکور واقعۃ عین لاعموم لہا (یہ ایک خاص

---

[1] جامع ترمذی ابواب الصیام امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۸۷

واقعہ ہے اس کا حکم عمومی نہیں۔ت) بحال صفائے مطلع بکثرت ائمہ ایک کی گواہی نہیں مانتے ممکن کہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے اسی بنا پر نہ مانی ہو، اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا حکم تو بے نصاب شہادت ثابت ہو ہی نہ سکتا تھا، تنویر میں ہے:

شھدوا انہ شھد عند قاضی مصر کذا الخ[1]

گواہوں نے کہا کہ انھوں نے قاضی شہر کے پاس اس طرح گواہی دی ہے الخ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ شھدوا من اطلاق الجمع علٰی مافوق الواحد وفی بعض النسخ شھدا بضمیر التثنیۃ وھو اولٰی۔[2]

قولہ "شھدوا" یہاں جمع کا اطلاق ایک سے زائد پر ہے، بعض نسخوں میں ضمیر تثنیہ کے ساتھ شھدا ہے اور یہی اولٰی ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

یلزم اھل المشرق برؤیۃ اھل المغرب اذا ثبت عندھم رؤیۃ اولٰئك بطریق موجب کما مر۔[3]

اہلِ مشرق پر اہلِ مغرب کی رؤیت روزہ رکھنا لازم تب آئے گا جب ان کی رؤیت بطریق موجب شرعی ثابت ہوگی جیسا کہ گزرا ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

کان یتحمل اثنان الشھادۃ او یشھدا علی حکم القاضی او یستفیض الخبر۔[4]

دو آدمی شہادت پر شہادت دیں یا حکمِ تام پر شہادت دیں یا خبر مشہور ہو۔ (ت)

لہذا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے لا فرمایا، بنگاہِ اولیں یہ جواب فقیر کے خیال میں آیا تھا، پھر دیکھا کہ امام محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں اور جواب دیا اور اس کے بعض کی طرف بھی اشارہ کیا، فرماتے ہیں:

قد یقال ان الاشارۃ فی قولہ

یُوں کہا جاسکتا ہے کہ حضرت ابن عباس کے ارشاد

---

[1] درمختار — کتاب الصوم — مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹

[2] ردالمحتار — 〃 — مصطفٰی البابی مصر ۲/۱۰۲

[3] درمختار — کتاب الصوم — مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹

[4] ردالمحتار — مطلب فی اختلاف المطالع — مصطفٰی البابی مصر ۲/۱۰۵

هکذا الی نحو ما جری بینه وبین ام الفضل وحینئذ لادلیل فیہ لان مثل ما وقع من کلامه لو وقع لنا لم نحکم به لانه لم یشهد علی شهادة غیرہ ولا علی حکم الحاکم، فان قیل اخبارہ عن صوم معاویة یتضمنه لانه الامام یجاب بانه لم یات بلفظ الشهادة ولو سلم فهو واحد لا یثبت بشهادته وجوب القضاء علی القاضی واللّٰه سبحانه وتعالٰی اعلم والاخذ بظاهر الروایة احوط[1] اھ اقول لکن فی الحدیث قال انت رایته قلت نعم[2] والاخبار فی رمضان کاف فما ذکرالفقیر اولٰی۔

ھٰکذا میں اس بات کی طرف اشارہ ہے جو ان کے اور حضرت ام فضل کے درمیان جاری ہوئی تو اب یہ دلیل نہیں کیونکہ ان کے کلام کی طرح اگر ہمارے سامنے معاملہ آجائے تو ہم اس پر فیصلہ نہیں کریں گے کیونکہ ایسا بیان کرنے والے نے نہ تو کسی کی شہادت پر گواہی دی ہے اور نہ کسی حاکم کے فیصلہ پر، اگر کوئی یہ سوال اٹھائے کہ حضرت معاویہ کے روزہ کی اطلاع اس گواہی کو متضمن ہے کیونکہ وہ امیر تھے، اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ یہاں لفظ شہادت کا ذکر نہیں، اور اگر اس بات کو تسلیم کر بھی لیا جائے تو وہ تنہا ہیں تو ان کی شہادت سے قاضی پر قضا کا فیصلہ لازم نہ ہوگا اللہ تعالٰی بزرگ وبرتر بہتر جانتا ہے اور ظاہر الروایۃ پر عمل احوط ہے اھ اقول حدیث میں ہے تُو نے اسے دیکھا ہے؟ میں نے کہا ہاں، اور رمضان کے لیے یہ اطلاع ہی کافی ہے تو بندہ حقیر نے جو ذکر کیا وہ اولٰی ہے (ت)

معہذا مولوی صاحب مذکور کو حدیث سے استناد اُس وقت پہنچتا کہ دمشق و مدینہ طیبہ میں یک ماہہ راہ کا فصل ثابت کیا جاتا ورنہ حدیث خود ان کے بھی مخالف ہوگی کما لایخفی (جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ ت) یہاں ایک امر یہ بھی قابلِ تنبیہ ہے کہ مولوی صاحب مذکور نے اپنے فتاوٰی میں تین جگہ عبارتِ تاتارخانیہ:

اھل بلدة اذا راؤا الھلال ھل یلزمه ذٰلك فی حق کل بلدة اخری اختلف المشائخ فیه، فبعضھم قالوا لایلزم ذٰلك فانما المعتبر فی حق اھل بلدة رؤیتھم وفی الخانیة لاعبرة لاختلاف المطالع فی ظاھر الروایة وفی القدوری

جب ایک شہر والوں نے چاند دیکھا تو کیا ہر شہر والوں پر روزہ لازم ہوگا؟ اس میں مشائخ کا اختلاف ہے، بعض نے کہا ہے اس سے روزہ لازم نہیں، ہر شہر والوں کے حق میں ان کی اپنی رؤیت ہی معتبر ہے۔ خانیہ میں ہے ظاہر الروایۃ کے مطابق اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں، اور قدوری

---

[1] فتح القدیر کتاب الصوم نوریہ رضویہ سکھر ۲/۲۴۳
[2]

اذاکان بین البلدتین تفاوت لایختلف المطالع یلزمه وذکرشمس الائمۃ الحلوانی انہ الصحیح من مذہب اصحابنا[1]۔

میں ہے جب دونوں شہروں کے درمیان اتنا تفاوت ہو جس سے مطالع میں اختلاف نہ ہو تولازم ہوگا، شمس الائمہ حلوانی نے ذکر کیا ہے کہ ہمارے مذہب میں صحیح یہی ہے۔(ت)

نقل کی اور ظاہراً خیال کیا کہ تصحیح امام شمس الائمہ اعتبار اختلاف کی طرف ناظر ہے حالانکہ وہ مذہب اصحابنا فرمارہے ہیں اور ظاہر ہے کہ مذہب اصحابنا نہیں مگر ظاہر الروایۃ کماقدمنا نقولہ فیما سبق (جیسا کہ ہم نے پہلے تذکرہ کردیا ہے۔ت) اور ظاہر الروایۃ نہیں مگر عدم اعتبار اختلاف جیسا کہ خود مولوی صاحب کو اعتراف، ج ۲ ص ۱۶۲ پر لکھا:

نزد اکثر مشائخ حنفیہ موافق ظاہر الروایۃ اختلاف مطالع رامطلقاً اعتبار نیست[2]۔

ظاہر الروایۃ کے موافق اکثر مشائخ حنفیہ کے نزدیک اختلافِ مطالع کا مطلقاً اعتبار نہیں(ت)

ج ۲ ص ۲۷۴ پر کہا: جب کسی شہر میں ثابت ہوجائے کہ فلاں شہر میں چاند ہُوا تو ان پر موافق اس کے حکم دیا جائے گا گو دونوں شہروں میں بُعدِ مسافت ہو اور یہی ظاہر الروایۃ ہے[3]۔

لاجرم پھر غنیہ ذوی الاحکام میں فرمایا:

قال الامام الحلوانی الصحیح من مذہب اصحابنا ان الخبر اذا استفاض فی بلدۃ اخری وتحقق یلزمھم حکم تلک البلدۃ[4]۔

امام حلوانی نے فرمایا ہمارے اصحاب کا صحیح مذہب یہی ہے کہ جب خبر دوسرے شہر میں مشہور و متحقق ہوجائے تو پھر دوسرے شہروالوں پر پہلے اہلِ شہر کا حکم لازم ہوگا۔(ت)

مسلک متقسط شرح منسک متوسط میں فرمایا:

ان ثبت فی مصر لزم سائر الناس فی ظاہر الروایۃ وعلیہ اکثر المشائخ

جب شہر میں ثبوت ہوجائے تو ظاہر الروایۃ کے مطابق باقی لوگوں پر لازم ہوگا، اکثر مشائخ کی یہی

---

[1] مجموعہ فتاوٰی عبدالحی کتاب الصوم مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/۲۶۵، ۲۷۳، ۲۷۵
فتاوٰی تاتارخانیہ کتاب الصوم ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/۳۵۵
[2] مجموعہ فتاوٰی محمد عبدالحی " مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/۲۷۴
[3] " " " " ۱/۲۶۶
[4] غنیہ ذوی الاحکام حاشیۃ درر الحکام احمد کامل الکائنۃ فی دار السعادۃ بیروت ۱/۲۰۱

38 وبہ کان یفتی الفقیہ ابو اللیث وشمس الائمۃ الحلوانی وھو مختار صاحب التجرید والکافی وغیرھم من المشائخ[1]

رائے ہے، فقیہ ابو اللیث اور شمس الائمہ حلوانی نے بھی اسی پر فتوٰی دیا ہے، صاحبِ تجرید و کافی اور دیگر مشائخ کے ہاں یہی مختار ہے(ت)

خلاصہ وعالمگیریہ وغیرہما معتمدات میں فرمایا:

علیہ فتوی الفقیہ ابی اللیث وبہ کان یفتی شمس الائمۃ الحلوانی قال لو رأی اھل مغرب ھلال رمضان یجب الصوم علی اھل المشرق[2]

فقیہ ابو اللیث کا اسی پر فتوٰی ہے، شمس الائمہ اسی پر فتوٰی دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر اہلِ مغرب رمضان کا چاند دیکھ لیں تو اہلِ مشرق پر رمضان کا روزہ لازم ہو جائے گا(ت)

دیکھو کیسی صریح تصریحات ہیں کہ امام شمس الائمہ کا فتوٰی اسی پر ہے کہ اختلافِ مطالع اصلاً معتبر نہیں، بالجملہ بعد اس جاننے کے کہ اختلاف مطالع کا نامعتبر ہونا ہی ظاہر الروایۃ ہے اور اسی پر فتوٰی ہے اور وہی معتمد جمہور و قولِ کثیر ہے۔ اس سے عدول کی کوئی راہ نہیں مگر الحمدللہ مولوی لکھنوی صاحب نے اپنے فتاوٰی کی جلد سوم میں حق کی طرف صاف رجوع کی، صفحہ ۲۷ پر لکھتے ہیں:

سوال: رؤیت یکجا مفید حکم بجائے دیگر مے شود یا آنکہ اختلاف مطالع معتبر ست۔

سوال: آیا ایک جگہ رؤیت کا حکم دوسری جگہ پر لاگو ہوتا ہے یا اختلافِ مطالع معتبر ہے؟

جواب: اختلافِ مطالع معتبر نیست وحکم یکجا مفید حکم بجائے دیگر مے شود اگر خبر رؤیت مشتہر شود وانتشار پذیرد ودر مختار مے آرد واختلاف المطالع غیر معتبر علی ظاھر المذھب وعلیہ اکثر المشائخ وعلیہ الفتوٰی بحر عن الخلاصۃ انتہی ودر جامع رموز مے آرد الصحیح من مذھب اصحابنا انہ یلزم

جواب: اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں ہے اور ایک جگہ کا حکم دوسری جگہ کے لیے معتبر و مفید ہوتا ہے جبکہ خبر مشہور ہو کر اطراف میں پھیل جائے، ظاہر مذہب میں اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں، اکثر مشائخ کا یہی قول ہے اور فتوٰی بھی اسی پر ہے کذا فی البحر عن الخلاصہ انتہی، اور جامع الرموز میں یہ مذکور ہے ہمارے ائمہ کا صحیح مذہب یہی ہے

[1] مسلک متقسط شرح منسک متوسط فصل فی اشتباہ یوم عرفۃ الخ دار الکتاب العربی بیروت ص ۱۴۳

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الصوم نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۹۸-۹۹

اذا استفاض الخبر فی البلدۃ الاخری[1]۔ ملخصًا۔

کہ جب خبر دوسرے شہر میں مشہور ہوجائے تو روزہ لازم ہوجاتا ہے۔ (ت)

یہ وہی صحیح من مذہب اصحابنا ہے کہ پہلے قول خلاف کی طرف منسوب سمجھا گیا تھا اور ایک اور سوال کے جواب میں بھی مطلقاً مقام بعید کی شہادت مقبول مانی، ص ۴۷، ۴۳، ۷۱ ؛

سوال: گواہان بروز بست ونہم از رمضان گواہی دادند کہ ما ہلال رمضان یک روز قبل دیدہ ایم کہ بداں حساب امروز سیم رمضان ست پس شہادت ایشاں مقبول خواہد شد یا نہ ؟

جواب: اگر گواہاں ہمانجا بودند واز اول رمضان ساکت ماندہ بست ونہم رمضان گواہی دادند گواہی ایشاں مقبول نخواہد شد واگر از سفر از مقام بعید می آیند شہادت مقبول خواہد شد کذا فی الخلاصۃ[2]۔

سوال: گواہوں نے ۲۹ رمضان کو یہ گواہی دی کہ ہم نے رمضان کا چاند ایک روز پہلے دیکھا تھا اس حساب سے آج ۳۰ رمضان بنتا ہے تو ان گواہوں کی گواہی مقبول ہوگی یا نہ ؟

جواب: اگر گواہ اسی مقام کے رہنے والے ہوں اور رمضان کے پہلے دن خاموش رہے اور اب ۲۹ رمضان کی گواہی دے رہے ہیں تو ان کی گواہی مقبول نہ ہوگی اور اگر کہیں دور کے مقام سے سفر کرکے آئے ہوں تو ان کی شہادت قبول کی جائیگی کذا فی الخلاصہ (ت)

یہ تیسری جلد مولوی صاحب نے آپ ہی سوالات قائم کرکے لکھی ہے اور اس میں بہت جگہ پہلی جلدوں کے اغلاط کی اصلاح کردی ہے ان کے فتاوی دیکھنے والے کو اس کا لحاظ ضرور ہے، مدت سے خیال تھا کہ مسئلہ اختلاف مطالع میں ایک بیان شافی لکھا جائے کہ ابر اختلاف اٹھ کر مطلع صاف نظر آئے، الحمدللہ کہ آج اس کا وقت آیا وللہ الحمد فی الاولٰی والاخری وصلی اللہ تعالٰی علی بدر تجلی من البطحاء وعلٰی اٰلہ وصحبہ نجوم الھدی۔

سیزدہم: نیم صاع کہ گیہوں سے روزے کا فدیہ اور فطر کا صدقہ ہے ایک سو پینتیس تولہ ہے انگریزی سیر سے کہ اسّی روپے بھر ہے اور روپیہ سوا گیارہ ماشے کا ہے آدھ پاؤ کم دو سیر نہ ہوا بلکہ تین چھٹانک اور بیسواں حصہ چھٹانک کا کم دو سیر، جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوی جلد چہارم "صدقہ فطر کے بیان" میں

---

[1] مجموعہ فتاوی محمد عبدالحی لکھنوی باب رؤیۃ ہلال مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۷۱۔۷۰

[2] " " " " ۳/ ۷۱

[3] فتاوی رضویہ (جدید) جلد ہذا صفحہ ۲۳۹۔

مشرحاً بیان کیا ہے اور یہ فتوٰی تحفۂ حنفیہ عظیم آباد میں چھپ بھی گیا ہے اور بریلی کے سیر سے کہ پورے سو روپے بھر کا ہے ایک سیر سات چھٹانک دو ماشے ساڑھے چھ رتی اور رامپور کے سیر سے کہ چھیانوے کا ہے پورا ڈیڑھ سیر، فاحفظ ولا تزل۔

چہاردہم جس نے بعذر شرعی روزہ نہ رکھا اسے وقت نہ ہو تو حرمت ماہ مبارک کے لحاظ سے حتی الوسع چھپا کر کھانا پینا چاہئے مگر کسی روزہ دار کے سامنے کچھ نہ کھانے کا مطلقاً وجوب محتاج دلیل ہے۔

پانزدہم کا غذیا کنکر یا خاک وغیرہا اشیا کو کہ نہ دوا ہیں نہ غذا، نہ مرغوب طبع، اگر تل بھر نہیں پیٹ بھر کھالے گا صرف قضا ہوگی کفارہ نہ آئے گا۔ یونہی روزہ توڑنا عمداً حقنہ وغیرہا اشیائے مذکورہ مابعد کو بھی شامل، مگر اس میں کفارہ نہیں۔ نیز کفارہ صرف ادا روزہ رمضان کے توڑنے میں ہے جبکہ یہ نہ صاحبِ عذر تھا نہ اس دن میں کوئی آسمانی عذر مثل حیض یا مرض پیدا ہو جائے، نہ ہی توڑنا کسی کے جبر و اکراہ سے ہو اور روزے کی نیت رات سے کی ہو، درمختار میں ہے:

ثم انما یکفر ان نوی لیلا ولم یکن مکرھا ولم یطرأ مسقط کمرض وحیض[1]

پھر کفارہ تب ہوگا جب رات کو نیت کی ہو اور مجبور بھی نہ ہو اور کفارہ چھوڑنے کا کوئی عارضہ مثل مرض وحیض وغیرہ کے لاحق نہ ہوا ہو (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ مسقط ای سماوی لاصنع لہ فیہ ولا فی سببہ رحمتی[2]

قولہ مسقط یعنی وہ عارضہ سماوی جس میں بندے کا کوئی دخل نہ ہو اور نہ اس کے سبب میں دخل ہو، رحمتی۔ (ت)

تو یہ اشتہاری مطلق احکام سب غلط ہیں۔

شانزدہم کفارے میں شرعاً ترتیب ہے سب میں پہلے ایک غلام آزاد کرنا ہے، اس کی طاقت نہ ہو تو دو مہینے کے لگاتار روزے، یہ بھی نہ ہو سکے تو اخیر درجہ ساٹھ مسکین کما نص اللہ تعالٰی علیہ فی اٰیۃ الظھار (جیسا کہ اللہ تعالٰی نے آیتِ ظہار میں تصریح فرمادی ہے۔ ت) غلام آزاد کرنا تو شاید اشتہار میں اس لیے مذکور نہ ہُوا کہ یہاں غلام کہاں، مگر روزوں اور ساٹھ مسکینوں میں ترتیب نہ رکھنا صحیح نہیں،

---

[1] درمختار | باب مایفسد الصوم ومالایفسدہ | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۵۱

[2] ردالمحتار | مطلب فی الکفارۃ | مصطفی البابی مصر | ۱/۱۲۰

یہ اگر جہل نہ ہو تو سخت تر ہے کہ تجہیل و تضلیل ہے۔

ہفدہم جلق سے روزہ نہیں ٹوٹتا جب تک اس سے انزال نہ ہو۔ درمختار میں ہے: استمنی بہ ولم ینزل[1] (مشت زنی کی، انزال نہ ہوا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ ت) تو یہ اطلاق بھی غلط ہے۔

ہیجدہم قصداً قے کرنے سے بھی روزہ نہیں جاتا مگر جبکہ روزہ یاد ہونے کی حالت میں منہ بھر کر ہو۔ ردالمحتار میں ہے:

لا فطر فی الکل علی الاصح الا فی الاعادۃ والاستقاء بشرط الملأ مع التذکیر شرح الملتقی[2]

اصح قول کے مطابق ان تمام میں افطار نہ ہوگا البتہ اعادہ کی صورت میں نیز جب قے کو لوٹائے یا خود قے کرے بشرطیکہ منہ بھر کر ہو اور روزہ ہونا یاد ہو، شرح الملتقی (ت)

نوزدہم مفطرات غیر مکفرات مثل حقنہ وغیرہا کا مطلقاً دوبارہ کرنا موجب کفارہ نہیں جب تک بقصد معصیت نہ ہو۔ درمختار میں ہے:

کل ما انتفی فیہ الکفارۃ محلہ ما اذا لم یقع ذلک منہ مرۃ بعد اخری لاجل قصد المعصیۃ فان فعلہ وجبت زجرالہ[3]

جس صورت میں کفارہ لازم نہ ہو اس کا محل یہ ہے کہ جب اس شخص سے وہ فعل بتکرار گناہ کے قصد سے صادر نہ ہو، پس اگر اس فعل کو مکرر کرے گا تو زجراً کفارہ واجب ہوگا۔ (ت)

اور اس عبارت سے اگرچہ علامہ طحطاوی نے یہ استظہار کیا کہ دو ہی بار کرنے میں کفارہ واجب کردیں گے اور علامہ شامی نے اسے نقل کرکے مقرر رکھا مگر اس معنی پر جزم انھیں بھی نہیں، اتنا ہی فرمایا ہے:

ظاہرہ انہ بالمرۃ الثانیۃ تجب علیہ الکفارۃ ولو حصل فاصل بایام[4]

ظاہر یہ ہے کہ اگر دوسری دفعہ کیا تو کفارہ لازم اگرچہ درمیان میں متعدد ایام کا فاصلہ ہو (ت)

اور فقیر کے نزدیک یہ ہنوز محتاج مراجعت ہے، اگر یہ مراد ہوتی تو مرۃ اخری (دوبارہ کرنا۔ ت) کہنا کافی تھا مرۃ بعد اخری (بار بار کرنا۔ ت) ظاہراً بار بار تکرار کی طرف ناظر ہے فلیراجع و

---

[1] درمختار | باب مایفسد الصوم و مالایفسدہ | مجتبائی دہلی | ۱/۱۵۰
[2] ردالمحتار | مطلب فی الکفارۃ | مصطفی البابی مصر | ۲/۱۲۰
[3] درمختار | باب مایفسد الصوم الخ | مجتبائی دہلی | ۱/۱۵۱
[4] ردالمحتار | " | مصطفی البابی مصر | ۲/۱۱۵

لیحرر (غور طلب ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

بستم حاملہ کو بھی مثل مرضعہ روزہ نہ رکھنے کی اجازت اسی صورت میں ہے کہ اپنے یا بچے کے ضرر کا اندیشہ غلبہ ظن کے ساتھ ہو نہ کہ مطلقاً جیسا کہ اشتہار نے زعم کیا۔

بست ویکم جب رکعاتِ تراویح میں اختلاف پڑے کہ بیس[۲۰] پڑھیں یا اٹھارہ[۱۸]، تو اس میں نہایت کثرت سے مختلف صورتیں ہیں، اُن کی تمام تر تفصیل اور اُن کے اصول کی تاصیل اور اُن کے احکام تحقیق و تحصیل فقیر نے تعلیقاتِ ردالمحتار میں ذکر کی یہاں اجمالاً اتنا گزارش کہ نہ مطلقاً اختلاف امام وقوم کی حالت میں مقتدیوں کو دو[۲] رکعت پڑھنے کا حکم، نہ مطلقاً تنہا پڑھنے کا حکم، نہ یہ حکم مطلقاً امام کو کسی عدد پر یقین نہ ہونے کے ساتھ خاص، مثلاً مقتدیوں کو یقین ہے کہ بیس ہوگئی اور امام کو شک تھا یا اٹھارہ کا یقین ہی ہے تو مقتدی اصلاً دو رکعت نہ پڑھیں گے، نہ جماعت سے نہ تنہا، کہ جب اُنھیں تراویح کامل ہوجانے کا یقین ہے تو اب اُنھیں امام کے شک یا یقین سے زیادہ کا کیونکر حکم ہوسکتا ہے، اپنے جزم پر غیر کا جزم بھی حاکم نہیں ہوسکتا نہ کہ شک، ردالمحتار میں ہے:

لو تیقن الامام بالنقص لزمھم الاعادۃ الامن تیقن منھم بالتمام[۱]	اگر امام کو کم کا یقین ہو تو ان پر اعادہ لازم ہے مگر ان میں سے جسے تکمیل کا یقین ہو (ت)

فتح القدیر میں ہے:

لان یقینہ لایبطل بیقین غیرہ[۲]	کیونکہ اس کا یقین کسی دوسرے کے یقین سے باطل نہیں ہوسکتا۔(ت)

اور اگر مقتدیوں کو ۱۸ کا یقین ہے اور امام کو بیس[۲۰] کا شک ہو تو خود امام بھی دو[۲] اور پڑھے گا اور یقینِ مقتدیاں کی اقتداء کرے گا اور جماعت سے پڑھی جائیں گی۔ درمختار میں ہے:

لو اختلف الامام والقوم فلو الامام علی یقین لم یعد والا اعاد بقولھم[۳]	اگر امام اور مقتدیوں کے درمیان اختلاف ہوگیا اگر امام کو یقین ہو تو اعادہ نہ کرے اور اگر یقین نہ ہو تو مقتدیوں کا قول معتبر ہونے کی وجہ سے اعادہ ہوگا۔(ت)

---

[۱] ردالمحتار — باب سجود السہو — داراحیاء التراث العربی بیروت — ۱/۵۰۷

[۲] فتح القدیر — " — نوریہ رضویہ سکھر — ۱/۴۵۷

[۳] درمختار — " — مجتبائی دہلی — ۱/۱۰۳

فتح القدیر میں ہے :

فان اعاد الامام الصلٰوۃ واعادوا معہ مقتدین بہ صح اقتدائھم[1]

اگر امام نے اعادہ نماز کیا اور لوگوں نے اس کی اقتدا میں اعادہ کیا تو ان کی اقتداء درست ہوگی (ت)

بست و دوم حافظ کہ ایک بار ختم کرچکا اب دوسری تاریخوں میں دوسری جگہ سنانا چاہتا ہے جہاں ابھی لوگوں نے قرآن عظیم نہیں سنا ہے تو مذہب صحیح و معتمد پر اس کے عدم جواز کی اصلاً کوئی وجہ نہیں نہ اس قرآن سننے کا ثواب نہ ہونے کے کوئی معنی، ظاہر ہے کہ ان راتوں میں وہ بھی تراویح ہی پڑھے گا نہ کہ نفل محض، تو ضرور تراویح کا امام ہوسکتا ہے اور جب امام تراویح ہوسکے گا تو دوبارہ قرآن عظیم پڑھنے سے کیونکر ممنوع ہوسکتا ہے، اور جب اس سے ممنوع نہیں تو بلاشبہ جو کچھ قرآن عظیم اُس میں پڑھے گا وہ تراویح صحیحہ مسنونہ ہی میں ہوگا، پھر ثواب نہ ملنا چہ معنی، اور اس کی یہ تعلیل کہ "وہ اب نفل سناتا ہے اور مقتدی واجب سننا چاہتے ہیں" اس سے بھی زیادہ فاسد و علیل۔ تراویح میں پہلا ختم بھی واجب نہیں صرف سنّت ہی ہے اور دوبارہ ختم کرنا اگرچہ حافظ پر سنّت مؤکدہ نہ تھا مگر یہ قبل الایقاع ہے بعد وقوع سنّت درکنار جتنا پڑھے گا فرض ادا ہوگا کہ نماز میں فرض ابتدائی اگرچہ ایک ہی آیت ہے مگر سارا قرآن عظیم اگر ایک رکعت میں پڑھے سب فرض ہی واقع ہوتا ہے لانہ فرد فاقرؤا ماتیسر من القراٰن (کیونکہ یہ بھی (ارشاد باری تعالٰی) "جو قرآن میں سے آسان ہے پڑھو" کا فرد ہے۔ ت) ولہذا اگر سورت بھول کر رکوع میں چلا جائے پھر رکوع میں یاد آئے تو حکم ہے کہ رکوع کو چھوڑے اور کھڑا ہو کر سورت پڑھے اور پھر رکوع کرے حالانکہ ضم سورت صرف واجب تھا اور واجب کے لیے رفض فرض جائز نہیں جیسے قعدہ اولٰی بھول کر جو سیدھا کھڑا ہوجائے اب اُسے عود حلال نہیں کہ قعدہ واجب تھا اور قیام فرض ہے مگر سورت جو پڑھے گا یہ بھی فرض واقع ہوگی تو فرض کے لیے رفض فرض ہوا، ولہذا اگر کھڑا ہو کر سورت پڑھے اور اس خیال سے کہ رکوع تو پہلے کرچکا ہوں دوبارہ رکوع نہ کرے نماز باطل ہوجائیگی کہ فرض کے لیے جو فرض چھوڑا گیا وُہ جاتا رہا تھا اس پر فرض تھا کہ رکوع دوبارہ کرتا۔ ردالمحتار میں ہے :

فی المبتغٰی لوسھا عن السورۃ فرکع یرفض الرکوع ویعود الی القیام ویقرأ اھ فی البحرانہ اذا عاد وقرأ السورۃ

المبتغٰی میں ہے اگر سورت پڑھنا بھول گیا رکوع کرلیا تو رکوع چھوڑ کر قیام کی طرف لوٹ آئے اور قراءت کرے اھ بحر میں ہے جب لوٹ کر سورت پڑھی تو سورت بطور

---

[1] فتح القدیر باب سجود السہو نوریہ رضویہ سکھر ۱/۴۵۷

صارت فرضا فقد عاد من فرض الٰی فرض لان کل فرض طولہ یقع فرضا[1] اھ ملتقطا

فرض ادا ہوگی تو یہ ایک فرض سے دوسرے فرض کی طرف لوٹنا ہُوا کیونکہ ہر فرض کی طوالت بھی فرض میں شامل ہوتی ہے اھ ملتقطا (ت)

ایک بارختم کرکے دُوسری راتوں میں دوسرا ختم نئے لوگوں کو سنانا تو نہایت صاف امر ہے اگر بالفرض کوئی شخص آج اپنی تراویح پڑھ کر آج ہی رات اور لوگوں کی امامت تراویح میں کرے اور قرآن عظیم سنائے تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس قرآن سُننے کا ثواب نہ ہوگا۔ روایت مختارہ امام قاضی خاں پر تو ظاہر ہے کہ وہ متنفل محض کے پیچھے تراویح کی اقتداء بلاکراہت جائز مانتے ہیں، صرف امام کے حق میں کراہت کہتے ہیں اگر نیتِ امامت کرے ورنہ اس پر بھی کراہت نہیں، خانیہ میں فرمایا:

لو صلی العشاء والتراویح والوتر فی منزلہ ثم ام قوما اٰخرین فی التراویح ونوی الامامۃ کرہ ولایکرہ للقوم، ولو لم ینوا الامامۃ اولا وشرع فی الصلٰوۃ واقتدی بہ الناس فی التراویح لم یکرہ لواحد منھما[2]۔

اگر کسی نے نماز عشاء، تراویح اور وتر گھر ادا کئے پھر تراویح میں لوگوں کی امامت کی نیت سے تراویح کی امامت کی تو یہ مکروہ ہے لیکن قوم کے لیے یہ مکروہ نہیں ہے اور اگر اوّلاً اس نے امامت کی نیت نہ کی نماز میں شروع ہُوا تھا کہ لوگوں نے تراویح میں اقتدا کرلی تو اب کسی کے حق میں کراہت نہیں (ت)

اور روایت مختارہ امام شمس الائمہ سرخسی پر اگرچہ یہ ناجائز ہے اور ان لوگوں کی تراویح نہ ہوں گی،

لان التراویح سنۃ مستقلۃ شرعت بوجہ مخصوص فلا تتأدی الا بہ۔

کیونکہ نماز تراویح مستقل سنّت ہے جو وجہ مخصوص پر مشروع ہے تو یہ اسی وجہ مخصوص کے ساتھ ہی وُہ ادا ہوگی (ت)

اور یہی اصح ہے اور اسی پر فتوٰی ہے، عالمگیریہ میں محیط سے ہے:

الامام یصلی التراویح فی مسجدین فی کل مسجد علی الکمال لایجوز[3]۔

ایک امام جو دو مساجد میں مکمل طور پر نماز تراویح پڑھائے تو یہ جائز نہیں ہے (ت)

---

[1] ردالمحتار | باب سجود السھو | داراحیاء التراث العربی | ۱/۵۰۰

[2] فتاوٰی قاضیخان | فصل فی نیۃ التراویح | نولکشور لکھنؤ | ۱/۱۱۱

[3] فتاوٰی ہندیۃ | فصل فی التراویح | نورانی کتب خانہ پشاور | ۱/۱۱۶

اسی میں جامع المضمرات شرح قدوری سے ہے: الفتوی علی ذٰلک[1] (فتوٰی اسی قول پر ہے۔ ت)

جوہرہ نیرہ میں ہے:

لوصلی امام التراویح فی مسجدین فی کل مسجد علی الکمال قال ابوبکر الاسکاف لایجوز وقال ابونصر یجوز لاھل المسجدین واختار ابواللیث قول الاسکاف وھو الصحیح[2]

اگر کوئی امام دو مساجد میں مکمل طور پر نماز تراویح پڑھائے تو شیخ ابوبکر اسکاف نے فرمایا یہ جائز نہیں، اور شیخ ابونصر نے کہا دونوں مساجد والوں کےلئے جائز ہے، شیخ ابواللیث نے اسکاف کے قول کو اختیار کیا اور یہی صحیح ہے (ت)

نیز ہندیہ میں محیط سے ہے:

لوصلی التراویح مقتدیا بمن یصلی مکتوبۃ اووترا اونافلۃ الاصح انہ لایصح الاقتداء بہ لانہ مکروہ مخالف لعمل السلف[3]

اگرکسی نے نماز تراویح ایسے شخص کی اقتدا میں ادا کی جو فرض یا وتر یا نفل پڑھا رہا تھا تو یہ اقتدار درست نہیں کیونکہ یہ مکروہ اور عملِ اسلاف کے مخالف ہے (ت)

مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ نماز ہی نہ ہوگی، تراویح نہ ہونا اور بات ہے اور نماز نہ ہونا اور بات۔

الاتری انہ انما علل بالکراھۃ ومخالفۃ الماثور وھما لاینفیان الاقتداء ولا یفسدان الصلٰوۃ۔

آپ نے دیکھا نہیں کہ علت کراہت اور مخالفت ماثور کو قرار دیا گیا ہے اور یہ دونوں اقتدار کے منافی نہیں اور نہ ہی نماز کو فاسد کرتی ہیں (ت)

تو وہ نماز اگرچہ تراویح نہیں یقیناً نماز صحیح و نفل محض ہے اور نفل محض میں بھی استماع قرآن فرض ہے اور اس ادائے فرض پر ثواب نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں تو قرآن سننے کا ثواب یہاں بھی ہے ہاں روایت مفتی بہا پر اس صورت خاصہ میں یعنی جبکہ امام اپنی تراویح پڑھ کر اُسی رات اوروں کی امامت کرے یہ کہہ سکتے ہیں کہ تراویح میں ختم قرآن کا انھیں ثواب نہ ملے گا کہ یہ تراویح نہیں، اور صورتِ اولٰی میں تو اس کی طرف بھی اصلا راہ نہیں کہ وہ نماز بلاشبہ تراویح اور وہ ختم ختم فی التراویح ہے، بات یہ ہے کہ اس مسئلہ میں بھی مولوی صاحب نے مولوی عبدالحی صاحب

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ فصل فی التراویح نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۱۶

[2] الجوہرۃ النیرہ باب قیام شہر رمضان مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/ ۱۱۸

[3] فتاوٰی ہندیۃ فصل فی التراویح نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۱۷

لکھنوی کا اتباع کیا ہے۔ مولوی صاحب لکھنوی خزانۃ الروایات سے ناقل ہیں:

قال السغناقی امام ختم فی التراویح مرۃ وختم ثانیا بغیر ھذا القوم لایخرج ھذا القوم الثانی عن السنیۃ لان الامام خرج السنیۃ فصار لہ نفلا فیدرکون ثواب صلوۃ النفل ولایدرکون ثواب صلوۃ التراویح[1]

شیخ سغناقی کہتے ہیں امام نے ایک مرتبہ تراویح میں قرآن ختم کیا تو دوسری قوم سنت کو ادا کرنے والی قرار نہیں پائے گی کیونکہ امام سنت ادا کرچکا تھا اب اس کے لیے وہ نفل ہے، لوگ نماز نفل کا ثواب تو پائیں گے مگر تراویح کا ثواب نہیں پائیں گے (ت)

ظاہر ہے کہ اس کا مبنٰی وہ قول ضعیف ہے کہ جب ختم قرآن ہوجائے تو تراویح سنت نہیں رہتیں،

کما یفصح عنہ قولہ یدرکون ثواب صلوۃ النفل وقولہ لایدرکون ثواب صلوۃ التراویح۔

جیسا کہ ان کا یہ قول واضح کررہا ہے کہ وہ نماز نفل کا ثواب پائیں گے اور یہ قول بھی کہ وہ تراویح کا ثواب نہیں پائیں گے۔ (ت)

اور یہ قول ضعیف و نامأخوذ ہے اصح و معتمد و معمول بہ یہی ہے کہ ختم اگرچہ ہوجائے تراویح سارے ماہ مبارک میں سنتِ مؤکدہ ہیں، اسی پر جوہرہ میں جزم کیا اور اسی کو سراج وہاج میں اصح کہا۔ عالمگیریہ میں ہے:

لوحصل الختم لیلۃ التاسع عشر او الحادی والعشرین لایترك التراویح فی بقیۃ الشھر لانھا سنۃ کذا فی الجوھرۃ النیرۃ الاصح انہ یکرہ لہ الترك کذا فی السراج الوھاج[2]

اگر قرآن انیسویں یا اکیسویں کو ختم ہوگیا تو باقی ماہ میں تراویح کو ترک نہ کیا جائے کیونکہ یہ سنت ہیں، جیسا کہ الجوہرۃ النیرۃ میں ہے۔ اصح یہ ہے کہ تراویح کا ترک مکروہ ہے، جیسا کہ السراج الوہاج میں ہے۔ (ت)

تو اب اس سے عدول کا اختیار نہ رہا۔ فتاوٰی خیریہ جلد اول میں فرمایا:

انت علی علم بانہ بعد التنصیص علی الصحیۃ لایعدل عنہ الی غیرہ[3]

آپ باخبر رہیں کہ جب اس حکم کے اصح ہونے پر تصریح مل جائے تو دوسرے قول کی طرف عدول نہیں کیا جائیگا۔ (ت)

اسی کی جلد ثانی میں فرمایا: حیث ثبت الاصح لایعدل عنہ[4] (جب اصح کا ثبوت ہو تو پھر اس سے

---

[1] مجموعہ فتاوٰی بحوالہ خزانۃ الروایات کتاب الصلوۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/۱۳۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ فصل فی التراویح نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۱۸

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الطلاق دار المعرفۃ بیروت ۱/۳۹

[4] " کتاب الصلح " " " ۲/۱۰۴

عدول نہ کیا جائے ۔ت) خود مولوی لکھنوی صاحب نے لکھا :

مفتی بہ و مختار محققین آنست کہ تراویح سنت علیحدہ است و ختم سنت علیحدہ ہیچ ازیں ہر دو تابع دیگر نیست پس بعد ختم سنیت تراویح باقی خواہد ماند چنانکہ بود۔

مفتی بہ اور مختار محققین کے ہاں یہ ہے کہ تراویح الگ سنت اور ختم قرآن الگ سنت ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے تابع نہیں لہذا ختم قرآن کے بعد سنیت تراویح اسی طرح قائم رہے گی جیسے کہ پہلے تھی (ت)

باوصف اس جاننے کے پھر مفتی بہ سے عدول ہر گز روا نہ تھا اور اس سے بچنے کے لیے مولوی لکھنوی صاحب کی یہ توجیہ کہ،

قول مفتی بہ پر اگرچہ تراویح از ذمہ مقتدیاں ساقط خواہد شد چہ در سنت تراویح امام و مقتدی ہر دو برابر

قول مفتی بہ پر اگرچہ تراویح مقتدیوں کے ذمہ سے ساقط ہو جائیں گی کیونکہ سنت تراویح میں امام اور مقتدی

سغناقی مفہوم شود ہرگاہ درباب سقوط ختم وعدم سقوط آں اختلافے واقع شد پس امام رالازم کہ ختم ثانی رامع تراویح برخود نذر کردہ گیرد وگوید للہ ان اختم القرآن فی صلوٰۃ التراویح تاختم او واجب شود واقتدائے مقتدیان درست شود چنانچہ در خزانۃ الروایۃ تفصیل آں مذکورست واللہ اعلم حررہ محمد عبدالحی عفا عنہ[1]

پر بنا کرتے ہوئے سوال مذکور کے جواب میں یہی حکم ہوگا کہ مقتدیوں کے ذمّہ سے ختم قرآن ساقط نہیں ہوگا، اور عبارت سغناقی سے یہی بات مفہوم ہورہی ہے لہٰذا جہاں بھی سقوط وعدم سقوط ختم میں اختلاف ہوجائے وہاں امام کے لیے ضروری ہے کہ وہ تراویح میں دوسرے ختم کی نذر مانتے ہوئے کہے کہ مجھ پر اللہ کی رضا کی خاطر نمازِ تراویح میں ختم قرآن لازم تاکہ اس پر ختم قرآن واجب ہوجائے اور مقتدیوں کی اقتداء بھی درست ہوجائے، جیسا کہ خزانۃ الروایۃ میں اس کی تفصیل ہے۔ واللہ اعلم المحرر محمد عبدالحی عفا عنہ (ت)

انصافاً شطرنج میں اضافہ بغلہ سے بہتر نہیں **اوّلاً** سُنن ونوافل میں اضعفیت مانع صحتِ بنا، نہیں ہوسکتی ورنہ جس طرح عاری کے پیچھے لابس کی نماز نہیں ہوسکتی یونہی کلاہ پوش کے پیچھے عمامہ بند کی نماز نہ ہوسکے کہ وہ سنیت میں مقتدیوں سے اضعف ہے۔

ثانیاً یہ مان کر کہ مقتدیوں کے ذمّہ سے تراویح ساقط ہوجائیگی پھر یہ فرمانا کہ امام پر نذر ماننا لازم کہ اقتدائے مقتدیان درست ہو صریح تناقض ہے۔

ثالثاً عبارتِ سغناقی کا ہرگز یہ مفاد نہیں کہ باوصف صحت تراویح صرف اس بنا پر کہ امام ایک بار ختم کرچکا ہے مقتدیوں کے ذمّہ سے ختم ساقط نہ ہوگا بلکہ اس کا مبنیٰ صراحۃً وہی تھا کہ تراویح ختم کے لیے تھیں جب ختم ہوچکا تراویح بھی ختم ہوگئیں تو امام نفل محض پڑھ رہا ہے اور متنفل کے پیچھے تراویح ادا نہیں ہوتیں، ولہٰذا تصریح کی کہ ثوابِ نفل پائیں گے ثوابِ تراویح نہ پائیں گے، یہ مفاد اس مفاد کے صریح مضاد ہے نہ کہ باہم اتحاد۔

رابعاً شروع سے معلوم ہے کہ جماعت نفل بہ تداعی مشروع نہیں اور تراویح باجماعت وارد ہوئیں تو بوجہ متوارث ماثور پر مقتصر ہوں گی، اور وہ یونہی ہے کہ امام ومقتدی سب نیتِ تراویح کرتے یہاں اضعف واقوٰی کو دخل نہیں، ولہٰذا اوپر تصحیح گزری کہ تراویح جس طرح متنفل کے پیچھے ساقط نہ ہونگی یونہی مفترض کے پیچھے بھی ادا نہ ہوں گی حالانکہ مفترض یقیناً اعظم قوت پر ہے تو جب تک دلیل صریح سے ثبوت نہ دیا جائے

[1] مجموعہ فتاوی درینکہ بعد یک ختم قرآن آیا سنت تراویح الخ مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/۵۲-۲۵۱

کہ امام کا ایک بار ختم کیے ہوئے ہونا بھی ماثور و متوارث کے خلاف ہے اس پر اس کا قیاس محض بے معنی ہے یا بالجملہ تنفل کے پیچھے تراویح نہ ہونا تو ضرور منقول بلکہ اس پر فتوائے فحول، اور ایک بار ختم قرآن پڑھ لینے کے باعث حافظ کا امامت دیگراں سے معزول ہونا کہیں منقول نہیں اور آپ کی اپنی رائے سے بے نقل صحیح حجت و مقبول نہیں۔

خامساً بلکہ امر بالعکس ہے خود اسی خزانۃ الروایات میں کنز الفتاوی سے منقول:

رجل امّ قوما فی التراویح وختم فیہا ثم امّ قوما اٰخرین لہ ثواب الفضیلۃ ولہم ثواب الختم[1]

کسی نے تراویح میں امامت کرتے ہوئے قرآن ختم کیا پھر دوسرے لوگوں کی امامت کی تو اب امام کے لیے ثوابِ فضیلت اور لوگوں کے لیے ختم کا ثواب ہوگا (ت)

یہ صریح جزئیہ ہے اور آپ کے خیال کا صاف رَد اور قاضی گجراتی کا ارشاد کہ ھذا الکتاب غیر مشہور بین العلماء فلا وثوق بہ (یہ کتاب علماء کے درمیان مشہور نہیں لہٰذا اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ ت) مسلم نہیں، صاحب کنز الفتاوی امام احمد بن محمد بن ابی بکر حنفی مصنف مجمع الفتاوی و خزانۃ الفتاوی ہیں کشف الظنون میں انھیں بلفظ شیخ و امام وصف کیا:

حیث قال کنز الفتاوی للشیخ الامام احمد بن محمد صاحب مجمع الفتاوی الحنفی[2]

ان کہ الفاظ یہ ہیں کنز الفتاوی، شیخ امام احمد بن محمد حنفی صاحب مجمع الفتاوی کی کتاب ہے (ت)

سادساً ہم عنقریب واضح کرتے ہیں کہ نذر سے بھی عقدہ کشائی نہ ہوگی امثال فاضل لکھنوی سے قال ابو حنیفۃ کذا والحق کذا (امام ابوحنیفہ نے اسی طرح فرمایا ہے مگر حق یہ ہے۔ ت) فرمانے والے ہیں، مصنف خزانۃ الروایۃ ایک متاخر ہندی قاضی جگن گجراتی کی ایسی تقلید سخت عجیب و بعید ولکن اللّٰہ یفعل ما یرید والحمد للّٰہ علی ارادۃ السبیل السدید واللّٰہ سبحٰنہ وتعالٰی۔

اللہ اپنے ارادے کے مطابق کرتا ہے اور صحیح رہنمائی فرمانے پر اللہ تعالٰی ہی کی حمد وثنا ہے اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے جس کی ذات نہایت ہی مقدس و بالا ہے (ت)

بست وسوم اگر وہ مسئلہ وتعلیل قبول کرلیے جائیں تو حافظ مذکور اگر نذر بھی مان لے کہ میں تراویح

---

[1] خزانۃ الروایات

[2] کشف الظنون باب الکاف منشورات مکتبۃ المثنی بغداد ۲/ ۱۵۱۸

مع جماعت وختم قرآن ادا کروں گا تو اب بھی کار برآری مسلم نہیں کہ مقتدیوں پر وجوب اصلی تھا اور نذر کا وجوب عارضی ہے اور وہ وجوب اصلی سے اضعف ہے تو اضعف پر اقوٰی کی بنا صحیح نہیں۔ فتح اللہ المعین پھر طحطاوی پھر ردالمحتار میں ہے :

بناء القوی علی الضعیف انما یمتنع اذا کانت القوۃ ذاتیۃ فلو عرضت بالنذر کما ھنا فلا ومن ھنا قال فی شرح المنیۃ النذر کالنفل[1]

قوی کی بنا ضعیف پر تب منع ہے جب قوت ذاتی ہو، اگر نذر کی وجہ سے عارضی ہو جیسا کہ یہاں ہے تو پھر مانع نہیں۔ اسی مقام پر شرح منیہ میں ہے کہ نذر نفل کی طرح ہوتی ہے (ت)

اور ضعیف بھی مانئے تو سبب وجوب مختلف ہیں جب بھی بنا صحیح نہ ہوگی جیسے ناذر ناذر کی اقتدا نہیں کرسکتا بلکہ ناذر مفترض کی اقتدا نہیں کرسکتا حالانکہ فرض اقوٰی ہے تو سبب وہی کہ سبب جدا ہے۔ درمختار میں ہے :

لایصح اقتداء ناذر بمفترض ولا بناذر لان کلا منھما کمفترض فرضا اٰخر الا اذا نذر احدھما عین منذور الاٰخر للاتحاد[2] اھ۔

نذر ماننے والے کے لیے فرض ادا کرنے والے اور نذر ادا کرنے والے کی اقتدا صحیح نہیں کیونکہ یہ دونوں الگ الگ فرائض ادا کر رہے ہیں البتہ اس صورت میں جائز ہوگی جب دونوں کی نذر ایک ہو کیونکہ اس صورت میں اتحاد حاصل ہوگا اھ (ت)

مولوی صاحب نے یہاں بھی فاضل لکھنوی کا اتباع کیا اور فاضل لکھنوی نے حسب حوالہ خود قاضی جگن ہندی کا والحق احق ان یتبع (جبکہ حق ہی اتباع کے لائق تر ہے۔ ت)

بست چہارم تحقیق یہ ہے کہ جس نے فرض جماعت سے پڑھے اور تراویح تنہا وہ تو جماعتِ وتر میں شریک ہوسکتا ہے، اور جس نے فرض تنہا پڑھے ہوں اگرچہ تراویح جماعت سے پڑھی ہوں وہ وتر کی جماعت میں داخل نہیں ہوسکتا وقد حققناہ فی فتاوٰنا بما یکفی ویشفی (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس پر تسلی بخش گفتگو کی ہے۔ ت)

---

[1] ردالمحتار باب الوتر والنوافل دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۴۷۶
طحطاوی علی الدرالمختار " " دار المعرفۃ بیروت ۱/۲۹۷
[2] درمختار باب الامامۃ مجتبائی دہلی ۱/۸۴

درمختار میں ہے :

ولو لم یصل التراویح بالامام یصلی الوتر معه[1]	اگرکسی نے تراویح امام کے ساتھ ادا نہیں کی تو وتر امام کے ساتھ ادا کرسکتا ہے (ت)

جامع الرموز میں ہے :

لکن اذالم یصل الفرض معه لایتبعه فی الوتر[2]	اگرفرض امام کے ساتھ ادا نہ کیے ہوں تو پھر وتر میں امام کی اتباع نہ کرے (ت)

ردالمحتار میں ہے :

امالو صلاھا جماعۃ مع غیرہ ثم صلی الوترمعه لاکراھة[3]	اگرفرض کسی اور کی اقتداء میں ادا کیے پھر وتر دوسرے امام کے ساتھ پڑھے تو اب کراہت نہ ہوگی (ت)

مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی نے بھی فقہائے کرام سے اس کی ممانعت ہی نقل کی اگرچہ صرف اس بنا پر کہ اس کی وجہ اپنی سمجھ میں نہ آئی اپنی خاص رائے مخالف بتائی، اپنے فتاوٰی میں لکھتے ہیں :

درقنیہ ازعین الائمہ ودرتاتارخانیہ ازعلی بن احمد رحمہ اللہ تعالٰی مرقوم کہ ہرکہ فرض باجماعت ادا نہ کردہ باشد وترہم بجماعت ادا نہ سازد ومچنیں درغنیہ وغیرہا مذکورست لیکن کدامی وجہ قوی معتدبہ عدم جواز معلوم نمی شود وحق جواز معلوم مے شود[4] انتہی۔	قنیہ میں عین الائمہ سے اور تاتارخانیہ میں علی بن احمد رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ جو شخص فرض جماعت کے ساتھ ادا نہ کرے وُہ وتر بھی جماعت سے نہ پڑھے۔ اور اسی طرح غنیہ وغیرہ میں مذکور ہے۔ لیکن اس کے عدم جواز پر قوی و معتدبہ وجہ معلوم نہیں ہوسکی جواز حق معلوم ہوتا ہے انتہی (ت)

امام عین الائمہ کرابیسی و امام علی بن احمد وقنیہ وغنیہ و جامع الرموز وردالمحتار کے نصوص صریحہ کے مقابل صرف آپ کی "معلوم نمی شود" (معلوم نہیں ہوسکی۔ت) پر عمل کی کوئی وجہ نہیں، کما لایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے۔ت)

---

[1] درمختار باب الوتروالنوافل مطبع مجتبائی دہلی ۹۹/۱
[2] جامع الرموز فصل فی الوتروالنوافل مکتبۃ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲۱۶/۱
[3] ردالمحتار باب الوتروالنوافل مبحث صلٰوۃ التراویح داراحیاء التراث العربی بیروت ۴۷۶/۱
[4] مجموعہ فتاوٰی کتاب الصلٰوۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۱۳۵-۳۶/۱

بست و پنجم بارہ برس سے کم عمر کی تخصیص نہیں بلکہ صحیح و مختار یہ ہے کہ نابالغ کے پیچھے بالغوں کی کوئی نماز جائز نہیں اگرچہ ایک دن کم پندرہ برس کا ہو، امامتِ بالغین کے لیے بلوغ شرط ہے خواہ بہ ظہور آثار مثل احتلام و انزال خواہ بتمامی پانزدہ سال۔ درمختار میں ہے:

لایصح اقتداء رجل بصبی مطلقا ولا فی نفل علی الاصح[1] بالغ مرد کی اقتداء بچے کے پیچھے مطلقاً اگرچہ نفل نماز میں ہو اصح مذہب پر درست نہیں ہے (ت)

بست و ششم آیتِ سجدہ کہ نماز میں تلاوت کی جائے سجدہ فوراً واجب ہے، اگر تین آیت کی تاخیر کی گنہگار ہوگا پھر اگر عمداً سجدہ نہ کیا نہ معاً رکوع کیا کہ سجدۂ تلاوت رکوع سے ادا ہو جاتا تو اس کی اصلاح سجدۂ سہو سے نہیں ہو سکتی کہ وہ سجدۂ سہو ہے نہ کہ سجدۂ عمد، اور اگر سجدۂ تلاوت کرنا بھول گیا اور حرمتِ نماز سے باہر نکل گیا تو اب بھی سجدۂ سہو نہیں ہو سکتا کہ حرمت سے خروج جیسا کہ مانع سجدۂ تلاوت ہے یوں ہی مانع سجدۂ سہو، ہاں اگر حرمت نماز میں باقی ہے کلام نہ کیا اُٹھ کر چلا نہ گیا اور یاد آیا تو سجدۂ تلاوت پھر سجدۂ سہو دونوں کرے، اور سجدۂ سہو صرف اسی صورت سے خاص نہیں بلکہ اگر سجدۂ تلاوت نماز میں کیا مگر سہواً بتاخیر مثلاً دوسری رکعت میں یاد آیا کہ سجدۂ تلاوت چاہیے تھا اور اب ادا کیا جب بھی سجدۂ سہو کا حکم ہے اگرچہ سجدۂ تلاوت نماز میں ادا ہو گیا، درمختار میں ہے:

ھی علی التراخی ان لم تکن صلوتیۃ فعلی الفور لصیرورتہا جزأ منہا و یاثم بتاخیرھا و یقضیھا مادام فی حرمۃ الصلوٰۃ ولو بعد السلام، فتح[2] سجدۂ تلاوت لازم ہوتا ہے تراخی کے طور پر بشرطیکہ سجدۂ مذکورہ نماز میں لازم نہ ہوا ہو کیونکہ اگر نماز میں لازم ہوا تو فی الفور نماز کے اندر کرنا ہی ضروری ہے کیونکہ اب وہ نماز کا جُز بن گیا ہے لہذا اس کی تاخیر سے گنہگار ہوگا اور اس کی قضا بجا لا سکتا ہے جب تک وہ حرمتِ نماز کے اندر ہے اگرچہ سلام کے بعد ہو، فتح۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ ولو بعد السلام ای ناسیا مادام فی المسجد[3] قولہ سلام کے بعد الخ یعنی بھول جانے والا شخص جب تک مسجد میں ہے سجدہ ادا کر سکتا ہے (ت)

---

[1] درمختار	کتاب الصلوٰۃ	مجتبائی دہلی	۱/۸۴
[2] "	باب سجود التلاوۃ	"	۱/۱۰۵
[3] ردالمحتار	" " "	داراحیاء التراث العربی بیروت	۱/۵۱۸

اسی میں ہے:

لواخرالتلاوية عن موضعها فان عليه سجود السھو کما فی الخلاصة جازما بانه لا اعتماد علی ما یخالفه وصححه فی الولوالجیة۔[1]

اگر نماز میں سجدۂ تلاوت مؤخر کردیا تو اس کی وجہ سے سجدۂ سہو آئے گا جیسا کہ خلاصہ میں بطور جزم بیان ہے یعنی اس کے مخالف قول پر اعتماد نہیں کیا جائیگا' ولوالجیہ نے بھی اسی قول کی تصحیح کی ہے۔(ت)

ایضاً درمختار میں ہے:

سجود السھو یجب بترك واجب سھوا فلا سجود فی العمد قیل الا فی اربع۔[2]

بھول کر ترکِ واجب میں سجدۂ سہو ہوتا ہے لہذا قصداً ترک میں سجدۂ سہو نہیں ہوگا، بعض کی رائے میں صرف چار مقامات پر عمداً ترکِ واجب میں سجدۂ سہو لازم ہوجاتا ہے(ت)

ردالمحتار میں ہے:

اشار الی ضعفه تبعا لنور الایضاح لمخالفته للمشھور وقد ردہ العلامة قاسم بانه لایعلم له اصل فی الروایة ولا وجه فی الدرایة۔[3]

نورالایضاح کی اتباع کرتے ہُوئے انھوں نے اس کے ضعیف ہونے پر اشارہ کیا ہے کیونکہ یہ قول مشہور کے خلاف ہے، اور علامہ قاسم نے اس کی یُوں تردید کی ہے کہ اس قول کی روایت میں کوئی اصل معلوم نہیں اور نہ ہی اس پر کوئی عقلی دلیل موجود ہے(ت)

بست و ہفتم دربارۂ ہلال تار کی گواہی شرعاً محض باطل و نامعتبر وحققناہ فی فتاوٰنا بما لامزید علیه(ہم نے اس کی اپنے فتاوٰی میں خوب تفصیل بیان کی ہے جس پر اضافہ دشوار۔ت) نامعتبر شرعی کا درجۂ اعتبار کو پہنچنا کیونکر' یہاں بھی مولوی صاحب نے مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی کا اتباع کیا ہے مولوی صاحب لکھنوی نے باآنکہ جابجا خود بے اعتباریٔ تار کی تصریح کی، جلد اول ص ۵۲۳ اس باب(یعنی رؤیت ہلال) میں صرف خبر، تار یا تحریر خطی کافی نہیں جب تک کہ بطور کتاب القاضی الی القاضی(قاضی کا دوسرے قاضی کی طرف لکھنا۔ت) کی تحریر نہ پہنچے، قاعدہ الخط یشبه الخط(تحریر دوسری تحریر کے مشابہ ہوتی ہے۔ت) کا مشہور ہے۔[4] ایضاً صفحہ ۵۰۴ بحسب ضوابط فقہیہ مجرد اخبارات تار وغیرہ درباب

---

[1] ردالمحتار | باب سجود السہو | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۱/ ۴۹۷
[2] درمختار | " | مجتبائی دہلی | ۱/ ۱۰۲
[3] ردالمحتار | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۱/ ۴۹۶
[4] مجموعہ فتاوٰی | کتاب الصوم | مطبع یوسفی لکھنؤ | ۱/ ۲۷۲

حکم صوم و افطار معتبر نہیں [1]۔ صفحہ ۱۰۶ پر یہ لکھا :

واقعی در باب رؤیتِ ہلال شہرت اخبار معتبر ست اگر از شہرے خبرے رسیدہ کہ بہ شب گزشتہ در آنجا رؤیت شدہ یا بوساطت تار برقی دریافت ایں امر شدہ تا وقتیکہ شہرت آں نہ شود از تحریرات کثیرہ و اخبار عدیدہ معلوم نہ شود اعتبار آں نباید ساخت [2]۔

رؤیتِ ہلال کے بارے میں خبروں کی شہرت معتبر ہے، اگر کسی شہر سے یہ خبر آئے کہ گزشتہ رات اس جگہ چاند دیکھا گیا ہے یا تار کے ذریعے یہ خبر معلوم ہو تو جب تک کثیر تحریروں اور متعدد خبروں کے ذریعے یہ خبر شہرت حاصل نہ کرے اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ (ت)

اس کی شہرت ہو جانے سے یہ تو مراد نہیں ہو سکتی کہ جب اس شہر میں خبر مشہور ہو گئی کہ فلاں جگہ سے تار آیا ہے تو اب وہی تار جس کی خبر شرعاً نا کافی اور بحسب ضوابط فقہیہ نا معتبر تھی معتبر ہو جائیگا اسے تو کوئی عاقل گمان نہ کرے گا ورنہ کسی فاسق، فاجر، شراب خور، زنا کار کی خبر شہر میں اُڑ جائے کہ وہ اپنا چاند دیکھنا بیان کرتا ہے تو چاہئے کہ معتبر ہو جائے، حالانکہ تار اُس سے بھی زیادہ بے اعتبار کہ فاسق اہلِ شہادت ہے ولہذا اگر حاکم شرع اس کی شہادت قبول کرلے حکم صحیح ہو جائے گا اگرچہ حاکم آثم ہو نص علیہ فی الفتح والبحر والدر وغیرہ من الاسفار الغر (فتح، بحر، در وغیرہ دیگر مشہور کتب میں اس پر تصریح ہے۔ ت) اور تار تو اصلاً اہلیتِ شہادت نہیں رکھتا، ہاں شاید یہ مراد ہو کہ جب اُس شہر سے متعدد تار آئیں تو اعتبار کیا جائے گا اور یہ اُس استفاضۂ شہرت میں داخل ہوگا جسے فقہائے کرام نے دربارہ رؤیت معتبر رکھا ہے مگر خیال نہ کیا کہ یہ تعدد ہو گا تو مروی عنہ میں نہ راوی میں کہ یہاں بھی تار بابو اُن سب تاروں کا ناقل ہو گا حالانکہ اُن میں اکثر کفار ہوتے ہیں تو یہ استفاضہ مخترعہ اُس سے بھی بدتر ہو گا کہ ایک فاسق فاجر سرِ بازار پکارتا پھرے کہ فلاں شہر میں لاکھ آدمیوں نے چاند دیکھا ہے کیا اسے استفاضہ کہیں گے حاشا وکلّا، اور جہاں تار گھر متعدد بھی ہوں اور فرض کریں کہ ہر آفس میں اُس شہر سے خبر آئی تو کیا چند کافر یا فاسق یا مجہول آکر کہہ دیں کہ فلاں جگہ کے فلاں فلاں سکان نے ہم سے اپنا چاند دیکھنا بیان کیا تو یہ حکایت محضہ تا حدِ استفاضہ پہنچے گی، استغفر اللہ، تار والا تو بے چارہ اتنی بات کا بھی گواہ نہیں اُس نے تو تار میں ایک حرکت پائی اور اس سے کچھ حروف مصطلحہ سمجھے جو نہایت جلدی میں

والے نہ تھے، وُہ وہاں کے بنگالی بابُو یا ہندو یا نصارٰی وغیرہم تھے، اُن کے پاس چاند دیکھنے والے خود نہ آئے، ایک پرچہ پر لکھ کر یا خود انگریزی نہ جانی تو کسی ہندو وغیرہ کفار سے انگریزی کرا کر کسی نوکر چاکر یا راہ چلتے کے ہاتھ تار آفس میں بھیج دی وہ وہاں کا بابو یہاں بھیج دے گا اس کی بلا کو بھی غرض نہیں کہ جس کے نام سے تار جاتا ہے خود وہ بھیجتا بھی ہے یا کسی نے محض جھوٹ اس کی طرف سے تار دلوایا ہے ایسے نفیس سلسلے کی خبر اگر شرع معتبر کرے تو قیامت ہے، یہ تو تار کے مہملات ہیں، زبانوں کی کہی ہوئی خود ہمارے آگے مسلمانوں کی ادا کی ہوئی ہزار افواہ بازار ہرگز استفاضۂ شرعیہ نہیں جب تک پایۂ ثبوت و تحقیق کو نہ پہنچیں پھر متعدد تاروں سے سوا اس کے کہ گورنمنٹ کے خزانے میں چند روپے داخل ہوگئے، اور کیا نتیجہ! یہاں جو استفاضہ شرع نے معتبر فرمایا اس کے معنی معلوم کیجئے، ردالمحتار میں ہے:

قال الرحمتی معنی الاستفاضۃ ان تاتی من تلک البلدۃ جماعات متعددون کل منھم یخبر عن اھل تلک البلدۃ انھم صاموا من رؤیۃ لامجرد الشیوع من غیر علم بمن اشاعہ کما قد تشیع اخبار یتحدث بھا سائر اھل البلدۃ ولا یعلم من اشاعھا فمثل ھذا لاینبغی ان یسمع فضلا من ان یثبت بہ حکم اھ قلت وھو کلام حسن ویشیر الیہ قول الذخیرۃ اذا استفاض و تحقق فان التحقق لایوجد بمجرد الشیوع۔[1]

شیخ رحمتی کہتے ہیں کہ استفاضہ کا معنی یہ ہے کہ اس شہر سے متعدد جماعتیں آئیں اور ہر کوئی یہ اطلاع دے کہ انھوں نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا ہے محض ایسی افواہ سے نہیں کہ جس کے پھیلانے والا معلوم نہ ہو جیسا کہ بہت سی باتیں شہروں میں پھیل جاتی ہیں اور ان کے پھیلانے والا معلوم نہیں ہوتا، تو ایسی بات کو سُننا مناسب نہیں چہ جائیکہ اس سے کوئی حکم شرعی ثابت کیا جائے اھ قلت یہ کلام بہت ہی خوب ہے، ذخیرہ کے ان الفاظ میں بھی یہی بات ہے کہ جب مشہور و متحقق ہوجائے تب لازم ہوگا کیونکہ ثبوت و تحقق محض افواہ سے نہیں ہوگا۔ (ت)

دیکھئے استفاضہ اس کا نام ہے کہ اُس شہر سے متعدد جماعات آئیں اور سب یک زبان خبر دیں کہ وہاں رؤیت ہُوئی اور روزہ چاند دیکھ کر رکھا، بے تحقیق خبریں جن کی سند معلوم نہیں اگرچہ تمام اہلِ شہر کی زبان پر ہوں کان رکھنے کے قابل بھی نہیں ہوتیں، نہ کہ اُن سے کسی حکمِ شرعی کا اثبات۔ انصاف کیجئے تو تار کی یہی حالت ہے شہر والے ہرگز یہ بھی نہیں بتاسکتے کہ یہ اشاعت کن لوگوں کے ہاتھوں سے ہُوئی، تار کے فارم کس نے لکھے،

---

[1] ردالمحتار کتاب الصوم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۹۴

تار بابو کو فارم دینے کون گیا، وہاں کا تار بابو کون تھا، یہاں کون ہے چپراسی کہ دے گیا کون تھا تو وہی رہا کہ لایعلم من اشاعھا (اسے مشہور کرنے والے کا علم نہیں۔ ت) اور استفاضِ لغوی کے ساتھ تحقق متحقق نہ ہوا کہ استفاضہ شرعی ہوتا، اور یہیں سے ظاہر کہ انتظام زمانہ حال جس پر مولوی لکھنوی صاحب نے اعتماد و اتکال کیا یہاں کچھ بھی بکار آمد نہیں، انتظام اس کا ہے کہ تار جو دیا جائے اپنی تین مقررہ میعادوں پر بھیج دیا جائے گا اس میں فرق نہ آئے گا مکتوب الیہ ملا تو اسے پہنچا دیا جائے گا، آفس کی غلطی سے نہ پہنچا تو محصول اتنی مدت تک واپس دیا جائے گا۔ یہ انتظام اصلاً نہیں کہ تار دینے جو آئے اس کی شناخت لی جائے کہ آیا وہی ہے یا دوسرا شخص غلط سلط اُس کے نام سے دیتا ہے، نہ اس کا انتظام ہے کہ فارم لکھنے والے نے کلام قائل کا صحیح ترجمہ کیا ہے یا اُس نے کچھ کہا اور یہ تار کے تنگ لفظوں میں اُسے ادا نہ کرسکا یا محصول کے بچاؤ کو مطلب ناقص رہ گیا، نہ اس کا انتظام ہے کہ تار دینے، لینے، پہنچانے والے عادل، ثقہ، متقی ہونا درکنار، مسلمان ہی ہوں، پھر انتظام مذکور نے کیا کام دیا، باقی تفصیل فتاوائے فقیر میں ملاحظہ ہو اور ان تمام خرابیوں سے قطع نظر کیجئے تو قبول استفاضہ جس امر پر مبنی تھا یہاں عامۂ بلاد میں سرے سے وہ مبنٰی ہی مفقود ہے، مبنٰی یہ تھا کہ استفاضہ سے اُس شہر میں روزہ ہونا بالیقین ثابت ہوگا اور شہر عادۃً حاکم شرع سے خالی نہیں ہوتا اور روزہ و عید حکمِ حاکم اسلام ہی سے ہوا کرتے ہیں تو اس استفاضہ سے معلوم ہوگا کہ اُس شہر میں حاکمِ شرع نے حکم دیا اور اس کا حکم حجتِ شرعیہ ہے لہذا مقبول ہوگا جیسے دو گواہ عادل گواہی دیں کہ ہمارے سامنے فلاں حاکمِ شرع کے یہاں شہادتیں گزریں اور اس نے حکم دیا۔

ردالمحتار میں ہے:

الاستفاضۃ لما کانت بمنزلۃ الخبر المتواتر وقد ثبت بھا ان اھل تلک البلدۃ صاموا یوم کذا لزم العمل بھا لان البلدۃ لاتخلو عن حاکم شرعی عادۃ فلابد من ان یکون صومھم مبنیا علی حکم حاکمھم الشرعی فکانت تلک الاستفاضۃ بمعنی نقل الحکم المذکور[1]۔

جب استفاضہ خبرِ متواتر کی طرح ہے اور اس سے یہ ثابت ہوگیا کہ اس شہر کے لوگوں نے فلاں دن روزہ رکھا ہے تو اس پر عمل ہوگا کیونکہ عادۃً شہر حاکم شرعی سے خالی نہیں ہوتا تو ایسی صورت میں لامحالہ ان کا روزہ ان کے حاکم شرعی کے فیصلہ پر مبنی ہوگا تو اب استفاضہ بمعنی حکم مذکور کا نقل کرنا ہوگا۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار، کتاب الصوم، داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۹۴

یہاں عامۂ بلاد میں نہ حاکم شرعی نہ لوگ پابندِ احکامِ شرعی، پھر استفاضہ ہُوا بھی تو کیا وحسبنا اللہ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

بست و ہشتم مسئلہ اختلافِ مطالع کی تحقیق اعلیٰ وجہ انیق پر بحمد اللہ تعالیٰ بیان ہو چکی جس سے روشن کہ وہ اصلاً کبھی کسی ہلال میں معتبر ہونے کے قابل نہیں۔ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک ارشاد:

انا امۃ امیۃ لا نکتب ولا نحسب الشھر ھکذا وھکذا[1] الحدیث۔

ہم اُمّی امت ہیں نہ لکھتے ہیں اور نہ حساب جانتے ہیں ہم ماہ کو یُوں یُوں شمار کرتے ہیں الحدیث (ت)

مطلقاً اس کے ابطال و اہمال کو کافی ووافی کہ اس کی بنا ہر مہینے میں انھیں حسابات غیر مضبوط پر ہے جن کو شرع مطہر یکسر ساقط النظر فرما چکی مگر در بارۂ ہلال اضحی علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کو براہِ بشریت ایک اشتباہ واقع ہُوا اور انھیں گمان گزرا کہ یہاں اس کا اعتبار چاہئے وُہ خود بھی اسے مسئلہ مذہب نہیں بتاتے صرف اپنی ایک رائے کہتے اور تصریح فرماتے ہیں کہ یہ حکم میں نے کسی کتاب میں نہ دیکھا اور اس کی بنا دو بلکہ ایک ہی امر پر کرتے ہیں اگر وُہ اپنے اس خیال کا منشا ظاہر نہ فرماتے تو شبہہ رہتا کہ شاید یہاں کوئی دقیقہ ہو مگر الحمد للہ کہ ان کے بیان نے امر واضح کردیا اُن دونوں امر میں علامہ شامی کی رائے سامی سے لغزش ہوئی ہے تو ان کے اتباع کی طرف ہرگز سبیل نہیں۔

امر اوّل یہ فرمایا کہ اختلافِ مطالع صوم میں تو اس لیے نامعتبر ہُوا تھا کہ حدیث نے اُسے مطلق رؤیت سے متعلق فرمایا تھا کہ جب کہیں چاند دیکھا گیا رؤیت ہوگئی بخلاف اضحیہ کہ اس کا ویسا تعلق وارد نہیں۔

امر دوم یہ کہ کلامِ علما سے کتاب الحج میں مفہوم ہوتا ہے کہ دربارۂ حج اختلاف مطالع معتبر ہے تو اگر بعد وقوف گواہ گزریں کہ آج دسویں تھی قبول نہ کی جائے گی۔ ردالمحتار میں فرمایا:

لایعتبر اختلافھا بل یجب العمل بالاسبق رؤیۃ وھو المعتمد عندنا وعند المالکیۃ والحنابلۃ لتعلق الخطاب عاما بمطلق الرؤیۃ فی حدیث صوموا لرؤیتہ[2]۔

اختلافِ مطالع کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ پہلے چاند کی رؤیت پر عمل واجب ہوگا اور یہی ہمارے (احناف) مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں معتمد ہے کیونکہ حدیث پاک "صوموا لرؤیتہ" (چاند دیکھنے پر روزہ رکھو) میں خطاب مطلق رؤیت کو شامل ہے۔ (ت)

---

[1] سُنن ابی داؤد — کتاب الصیام — آفتاب عالم پریس لاہور — ۱/۳۱۷

[2] ردالمحتار — مطلب فی اختلاف المطالع — داراحیاء التراث العربی بیروت — ۲/۹۶

تنبیہ : یفھم من کلامھم فی کتاب الحج ان اختلاف المطالع فیہ معتبر فلا یلزمھم شیئ لوظھر انہ رؤی فی بلدۃ اخری قبلھم بیوم وھل یقال کذٰلک فی حق الاضحیۃ لغیر الحجاج لم ارہ والظاھر نعم لان اختلاف المطالع انما لم یعتبر فی الصوم لتعلقہ بمطلق الرؤیۃ وھذا بخلاف الاضحیۃ فالظاھر انھا کاوقات الصلٰوۃ یلزم کل قوم العمل بما عندھم۔[1]

تنبیہ : کتاب الحج میں کلامِ علماء سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ حج میں اختلافِ مطالع کا اعتبار ہے کیونکہ اگر واضح ہوجائے کہ کسی دوسرے شہر میں ایک دن پہلے چاند دیکھا گیا تھا تو اب حجاج پر کوئی شَے بھی لازم نہ ہوگی، اور کیا قربانی کے بارے میں غیر حجاج کے حق میں بھی یہی کہا جائے گا؟ اس بارے میں حکم میری نظر سے نہیں گزرا، ظاہر یہی ہے (کہ اختلافِ مطالع کا اعتبار ہوگا) کیونکہ صوم میں اختلافِ مطالع کا اعتبار اس لیے نہیں کہ حدیث مبارکہ میں روزہ کا تعلق مطلق رؤیت سے ہے بخلاف قربانی کے کہ اس میں ظاہر یہی ہے کہ اوقات نماز کی طرح ہے ہر قوم پر اپنے اوقات کے مطابق عمل لازم ہوگا۔ (ت)

اقول دونوں صحیح نہیں، الحمدللہ دربارۂ اضحیہ بھی ویسی ہی حدیث وارد ہے جیسی صوم و افطار میں بھی شرع نے اُسے بھی مطلق رؤیت سے ویسا ہی متعلق فرمایا ہے جیسا اُن دونوں کو سنن ابی داؤد شریف میں امیر مکہ حارث بن حاطب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

قال عھد الینا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان ننسک للرؤیۃ فان لم نرہ وشھد شاھدا عدل نسکنا بشھادتھما۔[2]

ہمیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے وصیت فرمائی کہ رؤیت پر قربانی کریں پھر اگر ہمیں رؤیت نہ ہو اور دو گواہ عادل گواہی دیں تو ان کی گواہی سے قربانی کرلیں۔

امام دارقطنی نے فرمایا: ھذا اسناد متصل صحیح[3] (اس کی سند متصل اور صحیح ہے۔ ت) اور حج میں ردِ شہادت نہ بربنائے اعتبارِ اختلاف ہے ورنہ مہینہ بھر سے کم فاصلہ کی رؤیت گواہ بیان کریں تو مقبول ہو، حالانکہ علماء مطلقاً رد فرماتے ہیں بلکہ اس کی وجہ دفع حرج ہے جیسا کہ لباب و شرح لباب میں تصریح ہے یعنی ہزارہا کوس کے فاصلوں سے تمام اقطار و اطرافِ زمین سے لاکھوں بندۂ خدا حج کے لیے

---

[1] ردالمحتار مطلب فی اختلاف المطالع داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۹۶

[2] سنن ابی داؤد کتاب الصیام آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۱۹

[3] سنن دارقطنی باب الشہادۃ علی رؤیۃ الہلال حدیث ۱ نشر السنۃ ملتان ۲/ ۱۶۷

حاضر ہوئے اب کہ وقت گزر گیا گواہ گواہی دینے آئے کہ تم نے دسویں کو وقوفِ عرفہ کیا تمہارا حج نہ ہوا، کتنا بڑا حرج عظیم ہے، لاکھوں بندوں کے کروڑوں روپے کا خرچ اور جانوں کی مشقتیں سب برباد گئیں، اب یا تو سال بھر اور یہ تمام لشکرہائے عظیم الشان مکہ معظمہ میں پڑے رہیں کہ نہ انھیں روٹی نصیب ہو نہ اہلِ مکہ کے لیے دانہ بچے یا حکم دیا جائے کہ سب اپنے وطنوں کو واپس جاکر ویسے ہی کروڑوں کے خرچ اور جانوں کی مشقت سے پھر سال آئندہ حاضر ہوں ان دونوں آفتوں سے اُن دونوں گواہوں کی تغلیط آسان تر ہے۔

وقد قال اللہ تعالٰی ماجعل علیکم فی الدین من حرج[1]

اللہ تعالٰی کا ارشاد مبارک ہے: اللہ نے تم پر دین میں تنگی نہیں فرمائی۔ (ت)

ولہٰذا وہی علماء تصریح فرماتے ہیں کہ اگر وقت ہنوز باقی اور تدارک ممکن ہے گواہی مقبول ہوگی پھر اعتبارِ اختلافِ مطالع کدھر رہا۔ درمختار میں ہے:

شھدوا بعد الوقوف بوقوفھم بعد وقتہ لاتقبل شھادتھم والوقوف صحیح استحسانا حتی الشھود للحرج الشدید وقبلہ ای قبل وقتہ قبلت ان امکن التدارک لیلا مع اکثرھم والالا[2]

اگر وقوفِ عرفات کے بعد گواہوں نے گواہی دی کہ حاجیوں کا وقوف وقت کے بعد ہوا ہے تو گواہی مقبول نہ ہوگی اور استحساناً حاجیوں کا وقوف صحیح ہوگا ورنہ حرج شدید لازم آئے گا، اور اگر گواہوں نے گواہی وقوف سے پہلے دی تو گواہی مقبول ہوگی بشرطیکہ رات کو اکثر لوگوں کے ساتھ تدارک ہوسکے ورنہ نہیں (ت)

خود اسی ردالمحتار میں ہے:

لوشھدوا بعد الوقوف بوقوفھم قبل وقتہ قبلت شھادتھم بخلاف الشھادۃ بانھم وقفوا بعد یومہ فان التدارک غیرممکن اصلا فلذا لم تقبل[3] (ملخصاً)

اگر وقوف کے بعد گواہوں نے یہ گواہی دی کہ وقوف وقت سے پہلے ہُوا ہے تو گواہی مقبول ہوگی بخلاف اس صورت کے جب یہ گواہی ہو کہ وقوف یوم عرفہ کے بعد ہوا ہے کیونکہ اس صورت میں تدارک ممکن نہیں اس لیے گواہی مقبول نہ ہوگی (ت)

---

[1] القرآن ۲۲/ ۷۸

[2] درمختار باب الھدی مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۳

[3] ردالمحتار باب الھدی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۲-۲۵۱

مسئلہ ۲۲۳ ازشہر محلہ ذخیرہ مسئولہ منشی شوکت علی صاحب محرر چنگی ۱۷ جمادی الآخر

کیا حکم ہے علمائے اہلسنّت والجماعت کا اس مسئلہ میں کہ چنوں پر جو سوم کی فاتحہ کے قبل کلمہ طیبہ پڑھا جاتا ہے اس کے کھانے کو بعض شخص مکروہ جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قلب سیاہ ہوتا ہے۔ آیا یہ صحیح ہے تو ان کو کیا کرنا چاہئے؟ اسی طرح فاتحہ کے کھانے کو جو عام لوگوں کی ہوتی ہے کہتے ہیں ایک موضع میں ان سوم کے پڑھے ہوئے چنوں کو مسلمان اپنا اپنا حصہ لے کر مشرک چماروں کو دے دیتے ہیں' وہاں یہی رواج ہمیشہ سے چلا آتا ہے۔ لہذا ان کلمہ طیبہ کے پڑھے ہوئے چنوں کو مشرک چماروں کو دینا چاہئے یا نہیں؟ کیا یہ گناہ ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

یہ چیزیں غنی نہ لے فقیر لے۔ اور وہ جو ان کا منتظر رہتا ہے ان کے نہ ملنے سے ناخوش ہوتا ہے اس کا قلب سیاہ ہوتا ہے مشرک یا چمار کو اس کا دینا گناہ، گناہ۔ فقیر لے کر خود کھائے اور غنی لے ہی نہیں، اور لے لئے ہوں تو مسلمان فقیر کو دے دے۔ یہ حکم عام فاتحہ کا ہے، نیاز اولیائے کرام طعام موت نہیں وہ تبرک ہے فقیر و غنی سب لیں۔ جبکہ مانی ہوئی نذر بطور نذر شرعی نہ ہو، شرعی پھر غیر فقیر کو جائز نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۲۱ از قصبہ رچھا روڈ ضلع بریلی مسئولہ حکیم محمد احسن ۹ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ سوم کے چنوں کا کھانا علاوہ چھوٹوں کے بڑوں کو بھی جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

یہ چنے فقراء ہی کھائیں، غنی کو نہ چاہئے بچہ یا بڑا۔ غنی بچوں کو ان کے والدین منع کریں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۳۲ از بلگرام ضلع ہردوئی محلہ میدان پورہ مرسلہ سید محمد تقی صاحب قادری ابوالحسینی ۲۶ صفر ۱۳۳۷ھ

اگر مردہ کو اس کا خویش واقارب خواب میں دیکھے تنہا یا اس کو کسی قسم کی چیز طلب کرتے ہوئے دیکھے تو ایسی حالت میں مُردہ کا فاتحہ کھانے پر دلانا جائز ہے یا نہیں؟ یا وہ چیز جو اس نے خواب میں طلب کی ہے وہ اُس کے نام پر فاتحہ دلا کر خیرات کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور فاتحہ کے وقت ہمراہ کھانے کے پانی کا رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

بہتر ہے کہ جو چیز طلب کی محتاج کو اس کی طرف سے دی جائے اور کھانے پر فاتحہ اس کے سبب سے منع نہ ہوگی وہ بھی اور پانی رکھنے میں حرج نہیں۔ محتاج کو وہ کھانا کھلائیں اور پانی پلائیں سب کا ثواب پہنچے گا۔

درء القبح عن درك وقت الصبح

۱۳۲۶ھ

(صبح صادق کو سمجھنے میں کوتاہی کا ازالہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ رب محمد صلے علیہ وسلما

مسئلہ ۲۶۳ از بازار لال کرتی کیمپ میرٹھ مرسلہ شیخ محمد احسان الحق حنفی قادری ۱۴ رمضان ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مبین ومفتیانِ شرع متین اس باب میں کہ شریعت میں صبح صادق کا کوئی کلیہ قاعدہ ہے جس کے ذریعہ سے معلوم ہوجایا کرے کہ صبح صادق فلاں وقت ہوتی ہے، اور آنکھوں سے دیکھنے کی کچھ ضرورت نہ ہے یا کوئی حساب اور کلیہ قاعدہ نہیں ہے بلکہ آنکھوں سے دیکھنے ہی پر منحصر ہے، اگر قاعدہ کلیہ نہیں ہے تو مفتاح الصلوٰۃ میں جو بحوالہ خزانۃ الروایات لکھا ہے کہ رات کا ساتواں حصّہ فجر ہوتا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

شریعتِ مطہرہ محمدیہ علٰی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتحیۃ نے نماز و روزہ وحج وزکوٰۃ وعدّت وفات وطلاق ومدّتِ حمل وایلاو تاجیل عنین ومنتہائے حیض ونفاس وغیر ذٰلک امور کے لیے یہ اوقات مقرر فرمائے

یعنی طلوعِ صبح وشمس وغروبِ شمس وشفق ونصف النہار ومثلین وروز وماہ وسال ان سب کے ادراک کا مدار رؤیت پر مشاہدہ پر ہے ان میں کوئی ایسا نہیں جو بغیر مشاہدہ مجرد کسی حساب یا قانون عقلی سے مدرک ہوجاتا، ہاں رؤیت ومشاہدہ ان سب کے ادراک کا سبب کافی ہے اور یہی اس شریعت عامہ تامہ شاملہ کاملہ کے لائقِ شان تھا کہ تمام جہان کے لیے اُتری اور اُن میں اکثر وہ ہیں کہ دقائق محاسبات ہیأت وزیج کی تکلیف انھیں نہیں دی جاسکتی، انا امة امیة لا نکتب ولا نحسب[1] (ہم اُمّی اُمت ہیں نہ لکھتے ہیں اور نہ حساب کرتے ہیں۔ت) فرماکر اپنے تمام غلاموں کے لیے ایک آسان اور واضح راستہ کھول دیا اور ان تمام اوقات کے لیے حکیم رحیم عزجلالہ نے دو کھلی نشانیاں مقرر فرمادیں چاند اور سورج جن کے اختلافِ احوال پر نظر کرکے خواص وعوام سب اوقات مطلوبہ شرعیہ کا ادراک کرسکیں،

کما قال تعالٰی وجعلنا الیل والنھار اٰیتین فمحونا اٰیة الیل وجعلنا اٰیة النھار مبصرة لتبتغوا فضلا من ربکم ولتعلموا عدد السنین والحساب وکل شیئ فصلناہ تفصیلا[2]۔ وقال تعالٰی یسئلونک عن الاھلة قل ھی مواقیت للناس والحج[3]۔ وقال تعالٰی کلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر ثم اتموا الصیام الی الیل[4]، وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ[5]۔

جیسا کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا تو رات کی نشانی مٹی ہوئی رکھی اور دن کی نشانیاں دکھانے والی کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرو اور برسوں کی گنتی اور حساب جانو اور ہم نے ہر چیز خوب جُدا جُدا ظاہر فرمادی۔ اور اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: تم سے چاند کو پُوچھتے ہیں تم فرمادو وہ وقت کی علامتیں ہیں لوگوں اور حج کے لیے۔ اور اللہ تعالٰی کا یہ ارشاد: کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ تمہارے لیے ظاہر ہوجائے سفیدی کا ڈورا سیاہی کے ڈورے سے پو پھٹ کر، پھر رات آنے تک روزے پورے کرو۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد اقدس ہے: تم چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ چھوڑو۔ (ت)

پھر ان میں بعض تو وہ ہیں جن کا مدار صرف رؤیت پر ہی رہا وہ ہلال ہے کہ اف اللہ امدہ ا

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الصیام آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۳۱۷

[2] القرآن ۱۷/۱۲ [3] القرآن ۲/۱۹۰

[4] القرآن ۲/۱۸۷ [5] صحیح بخاری کتاب الصوم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۶

لرؤیتہ[1] (بیشک اللہ تعالٰی نے چاند کا مدار رؤیت پر رکھا ہے۔ ت) اس کے ظہور وخفاء کے وہ اسباب کثیرہ نامنضبط ہیں جن کے لیے آج تک کوئی قاعدہ منضبط نہ ہوسکا۔ ولہذا بطلیموس نے مجسطی میں باآنکہ متحیرہ خمسہ وکواکب ثوابت کے ظہور وخفا کے لیے باب وضع کیے مگر رؤیت ہلال سے اصلاً بحث نہ کی، وہ جانتا تھا کہ یہ قابو کی چیز نہیں، اس کا میں کوئی ضابطہ کلیہ نہیں دے سکتا، بعد کے لوگوں نے اپنے تجارب کی بناء پر اگرچہ بلحاظ درجہ ارتفاع یابعد سوا یابعد معدل وقوس تعدیل الغروب وغیر ذٰلک کچھ باتیں بیان کیں مگر وہ خود ان میں بشدت مختلف ہیں اور باوصف اختلاف کوئی اپنے قرارداد پر جازم بھی نہیں جیسا کہ واقف فن پر ظاہر ہے اسی لیے اہل ہیئت جدیدہ باآنکہ محض فضول باتوں میں نہایت تدقیق وتعمق کرتے ہیں اور سالانہ المنک میں ہر روز کے لیے قمر کے ایک ایک گھنٹہ کا میل ومطالع قمر اور ہر مہینہ میں آفتاب کے ساتھ اس کے جملہ انظار اجتماع واستقبال وتربیع ایمن والیسر کے وقت دیتے ہیں اور ہر ہر تاریخ پر متحیرات وثوابت کے ساتھ اس کے قرانات بیان کرتے ہیں مگر رؤیت ہلال کا وقت نہیں دیتے وہ بھی سمجھے ہوئے ہیں کہ یہ ہمارے بوتے کا نہیں ولہذا ہمارے علماء نے تصریح فرمائی کہ اس بارہ میں قول اہل توقیت پر نظر نہ ہوگی، درمختار میں وہبانیہ سے ہے: وقول اولی التوقیت لیس بموجب[2] (اہل توقیت کا قول سببِ وجوب نہیں بن سکتا۔ ت) اور باقی وہ ہیں کہ اگرچہ اُن کا اصل مدارِ رؤیت پر تھا مگر رؤیت ہی کے تکرر سے تجربہ نے اُن کے بارے میں ضوابط کلیہ دیے جن کا ادراک بے رؤیت نہ ہوسکتا تھا مگر بعد ادراک وہ قاعدہ مقرر ہوکر وقت کو قوانین علم ہیأت وزیج کے ضابطہ میں لے آنا میسر ہوا جس کے سبب ہم پیش از وقت حکم لگاسکتے ہیں کہ فلاں وقت مطلوب شرعی فلاں گھنٹے منٹ سیکنڈ پر واقع ہوگا۔ واقف فن کا وہ حکم لگایا ہوا کبھی خطا نہ کرے گا کہ آخر مدار کار شمس وقمر کی چال پر ہے اور اُن کی چال عزیز علیم نے ایک حساب مضبوط پر منضبط فرمائی ہے۔

قال تعالٰی الشمس والقمر بحسبان[3] ○ وقال تعالٰی ذٰلک تقدیر العزیز العلیم[4]۔

ارشاد باری تعالٰی ہے: سورج اور چاند حساب سے ہیں۔ اور ارشاد ربانی ہے: یہ حکم ہے زبردست علم والے کا۔ (ت)

---

[1] سنن الدارقطنی | کتاب الصیام حدیث ٢٦ | نشر السنۃ ملتان | ٢/ ١٦٢
[2] درمختار | کتاب الصوم | مجتبائی دہلی | ١/ ١٤٨
[3] القرآن ٥٥/ ٥
[4] القرآن ٣٦/ ٣٨

اُس پر ایک یا دو مثل بڑھا کر اتنے ظل کے لیے ارتفاع اور اُس ارتفاع کے لیے وقت معلوم کر لیتے مگر یہاں
بھی اُسی انکسار کا قدم درمیان ہے کہ کوکب جب تک ٹھیک سمت الراس پر نہ ہو انکسار کے پنجے سے نہیں
چھُوٹ سکتا مگر رؤیت نے انکسار افقی کلی بتایا اور تناسب سے انکسارات جزئیہ مدرک ہُوئے جن کی جدول
فقیر نے اپنی تحریرات ہندسیہ میں دی ہے اس کے ملاحظہ سے پھر انھیں قوانین نے راہ پائی، اور ہر روز کے لیے
وقت عصر پیش از وقوع ہمیں بتانا آسان ہُوا، طلوع وغروب شفق کو تو انکسار سے بھی علاقہ نہ تھا کہ اُس
وقت آفتاب پیشِ نگاہ ہوتا ہی نہیں کہ بصری شعاعوں کا انکسار لیا جائے وہاں سرے سے عقل کو اس ادراک
کی راہ نہ تھی کہ آفتاب افق سے کتنا نیچا ہوگا کہ صبح طلوع کرے گی یا کتنا نیچا جائے کہ شفق ڈوب جائے گی تو پھر
رؤیت ہی کی احتیاج پڑی اور صدہا سال کے تکرر مشاہدہ نے ثابت کیا کہ آفتاب ان دونوں وقت تقریبًا
اٹھارہ درجے نیچے ہوتا ہے، یہ وُہ علم ہے جو اکثر ہیأت دانوں پر مخفی رہا، رجمًا بالغیب باتیں اڑا کیے، صبح
کاذب کے وقت انحطاط شمس میں مختلف ہوتے، کسی نے سترہ درجہ کہا کسی نے اٹھارہ، کسی نے
انیس ۱۹ بتائے۔ اور مشہور اٹھارہ ہے، اور اسی پر شرح چغمنی نے مشی کی، اور صبح صادق کے لیے بعض نے
پندرہ درجہ بتائے ہیں۔ اسے علامہ برجندی نے حاشیہ چغمنی میں بلفظ قد قیل نقل کیا اور مقرر رکھا،
اور اسی نے علامہ خلیل کاملی کو دھوکا دیا کہ دونوں صبحوں میں صرف تین درجہ کا فاصلہ بتایا جسے ردالمحتار میں
نقل کیا اور معتمد رکھا، حالانکہ یہ سب ہوسات بے معنی ہیں، شرح مطہر نے اس باب میں کچھ ارشاد فرمایا
ہی نہیں، اس نے تو صبح کی صورتیں تعلیم فرمائی ہیں کہ صبح کاذب شرقًا غربًا مستطیل ہوتی ہے اور صبح صادق
جنوبًا شمالًا مستطیر، اور ہم اُوپر کہہ آئے کہ مقدار انحطاط جاننے کی طرف کسی برہان عقلی کو راہ نہیں صرف مدار
رؤیت پر ہے، اور رؤیت شاہد عدل ہے کہ صبح کاذب کے وقت ۱۷ یا ۱۸ یا ۱۹ درجے اور صادق کے
وقت ۱۵ درجے انحطاط ہونا اور صادق و کاذب میں صرف تین درجے کا تفاوت ہونا سب محض باطل ہے
بلکہ ۱۸ درجہ انحطاط پر صبح صادق ہو جاتی ہے اور اس سے بہت درجے پہلے صبح کاذب، فقیر نے بچشم خود
مشاہدہ کیا کہ محاسبات علمِ ہیأت سے آفتاب ہنوز ۲۳ درجے اُفق سے نیچا تھا اور صبح کاذب خوب
روشن تھی، صبح صادق کے سالہا سال سے فقیر کا ذاتی تجربہ ہے کہ اس کی ابتداء کے وقت ہمیشہ ہر موسم
میں آفتاب ۱۸ ہی درجہ زیرِ اُفق پایا ہے، اور صبح کاذب کے لیے جس سے کوئی حکم شرعی متعلق نہ تھا اب
تک اہتمام کا موقع نہ ملا، ہاں اتنا اپنے مشاہدہ سے یقینًا معلوم ہُوا کہ اُس میں اور صبح صادق میں ۱۵
درجے سے بھی زائد فاصلہ ہے نہ کہ ۳ درجہ، لاجرم برہان شرح مواہب الرحمٰن پھر شرنبلالیہ علی الدرر
پھر ابوالسعود علی الکنز وغیرہا میں ہے:

البیاض لایذھب الا قریبا من ثلث اللیل[1]

سفیدی، تہائی رات کے قریب ختم ہو جاتی ہے۔ (ت)

یہ وہی سپیدی مستطیل ہے جسے وُہ اپنے ملک میں ہمیشہ تہائی رات کے قریب تک رہتی فرماتے ہیں کما دل علیہ الحصر (جیسا کہ حصر کا لفظ اس پر دال ہے ت) اور ظاہر ہے کہ اُن بلاد میں رات ۱۴ گھنٹے اور اس سے بھی کچھ زائد تک پہنچتی ہے جس کی تہائی تقریباً پونے پانچ گھنٹے اور بحکم مقابلہ قطعاً معلوم ہے کہ ادھر جتنے حصہ شب تک یہ سپیدی رہے گی اُدھر اُتنا ہی حصہ شب کا باقی رہے گا ——— تو اس بیان پر لیالی شتا میں صبح کاذب کی مقدار وہاں پونے پانچ گھنٹے ہُوتی، اور معلوم ہے کہ وہاں صبح صادق کی مقدار پونے دو گھنٹے سے زائد نہیں، تو صبح صادق و کاذب میں تین گھنٹے تک کا فاصلہ ثابت ہُوا نہ کہ صرف تین ہی درجے۔ مگر امام زیلعی نے تبیین الحقائق میں فرمایا:

روی عن الخلیل انہ قال رأیت البیاض بمکۃ شرفہا اللہ تعالٰی لیلۃ فما ذھب الا بعد نصف اللیل[2]

شیخ خلیل سے منقول ہے کہ میں نے مکّہ (اللہ تعالٰی اسے اور بزرگی عطا فرمائے) میں ایک رات سفیدی دیکھی تو وُہ نصف رات کے بعد ختم ہُوئی۔ (ت)

ظاہر ہے کہ مکہ معظمہ میں وہ سپیدی کہ آدھی رات تک رہی، اگر ہو سکتی ہے تو یہی سرطان کی بیاض دراز، ورنہ مکہ معظمہ میں اس کی صبح و شفق مستطیر ڈیڑھ گھنٹا بھی نہیں تو خلیل بن احمد عروضی کی رؤیت و روایت اگر صحیح ہے اُس دن دونوں صبح میں تقریباً پانچ گھنٹے کا فاصلہ ہوگا یہ بہت بعید ضرور ہے مگر اُس قدر میں شک نہیں کہ تین درجے کا قول فاسد و مہجور ہے، اور یہیں سے ظاہر ہُوا کہ برہان کے اس بیان یا خلیل کی اس رؤیت کو دربارہ وقت مغرب مذہب امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ذریعہ تضعیف جاننا،

کما وقع عن الطرابلسی فی البرہان فعدل عن اتباع المحقق ابن الہمام مع شدۃ تاسیسہ بہ۔

جیسا کہ برہان میں طرابلسی سے ہے، انہوں نے باتباع محقق ابن الہمام یہاں سے عدول کرلیا حالانکہ وہ ان کی شدید اتباع کرتے ہیں (ت)

محض خطا ہے، امام کے نزدیک وقت مغرب شفق ابیض مستطیر تک ہے جو فجر صادق کی نظیر ہے، وُہ کبھی ان بلاد میں تہائی کیا چوتھائی رات تک بھی نہیں رہتی، اور یہ جو اس قدر دیر پا ہے بیاض دراز نظیر صبح کاذب ہے

---

[1] تنبیہ ذوی الاحکام حاشیۃ درر الحکام کتاب الصلوٰۃ احمد کامل دار سعادت بیروت ۱/ ۵۱

[2] تبیین الحقائق " مطبع کبرٰی امیریہ مصر ۱/ ۸۱

کہ اُسی کی طرح احکامِ شرعیہ سے یکسر ساقط والی بعض ھذا او نحو منہ اوما الیہ التبیین (اس کے بعض یا اس کے مثل کی طرف تبیین میں اشارہ ہے۔ ت)

ثمّ اقول (پھر میں کہتا ہوں۔ ت) صبح صادق کے لیے ۱۵ درجے انحطاط ہونے کا بطلان اور ۱۸ درجے انحطاط کی صحت اس واقعہ مشہورہ سے بھی ثابت ہے جو فتح القدیر و بحر الرائق و درمختار و عامہ کتب معتبرہ میں مذکور کہ بلغار سے ہمارے مشائخ کرام کے حضور استفتاء آیا تھا کہ گرمیوں کی چھوٹی راتوں میں ان کو وقتِ عشاء نہیں ملتا آدھی رات تک شفق ابیض رہتی ہے اور وُہ ابھی نہ ڈوبی کہ مشرق سے صبح صادق طلوع کر آئی، امام برہان کبیر نے حکم دیا کہ عشاء کی قضاء پڑھیں اور امام بقالی و امام شمس الائمہ حلوانی وغیرہما نے فرمایا اُن پر سے عشا ساقط ہے[1]۔ بالجملہ اُن راتوں میں وہاں وقت عشا نہ پانا متفق علیہ ہے، اب اگر انحطاط صبح صادق ۱۵ درجے ہوتا تو سال کی سب سے چھوٹی رات یعنی شب تحویل سرطان میں بھی اُن کو وقت عشا ملتا ایک رات بھی فوت نہ ہوتا نہ کہ راتوں، اس پر دلیل سُنئے، بلغار کا عرض شمالی ساڑھے انچاس درجے ہے کما فی الزیج السمرقندی ثم الزیج الالوغ بیکی (جیسا کہ سمرقندی اور الوغ بیگی زیج میں ہے ت) اور میل کلی یعنی راس السرطان کا میل اس زمانے میں ۲۳½ درجے سے کچھ زائد تھا کہ اس کی مقدار زمانہ رصد سمرقند میں جسے تقریباً پانسو برس ہوئے[1] مجمل رکھی یعنی ۲۳½ درجے سے ۱۷ ثانیہ زیادہ تو زمانہ امام شمس الائمہ حلوانی میں جسے پونے نو سو برس گزرے[2] اور بھی زائد ہوگا اور طوسی کا رصد مراغہ لیجئے تو وُہ اپنے ہی زمانہ میں الحلہ کا رہا ہے یعنی ۲۳ درجے ۳۵ دقیقے، خیر اس کی نہ سُنئے اُس پر تجربہ ہوا ہے کہ اعمال میں کچا ہے تو بلحاظ تناسب کہ اب الحہ الرّ یعنی ۲۳° ۲۷' معہ کسر خفیف ہے اُس وقت کا میل الحلہ بالرفع رکھئے یعنی ۲۳° ۳۲' تو وہاں راس السرطان کی غایت انحطاط یعنی وقت بلوغ دائرہ نصف اللیل ۱۶ درجے ۵۷ دقیقے تھی یا تقریباً ۱۷ درجے کہئے اور انحطاط صبح ۱۵ درجے ہے تو قطعاً یہی انحطاط شفق ابیض ہے کہ جانبین سے تعادل و تناظر ہے، اس تقدیر پر بعد غروب شمس جب تک افق سے آفتاب کا انحطاط بڑھتے بڑھتے ۱۵ درجے تک پہنچا امام اعظم کے مذہب میں وقت مغرب تھا پھر اس کے بعد جبکہ انحطاط اس سے ترقی کرکے آدھی رات کو ۱۷ درجے تک پہنچا پھر

---

[1] مبدء زیج سنہ ضمار کھا ہے یعنی آٹھ سو اکتالیس ہجری۔

[2] وفات امام حدود ۴۵۰ ہجری میں ہے یعنی ۴۴۸ یا ۴۵۲ یا ۴۵۶ میں ۱۲ منہ۔

---

[1] درمختار کتاب الصلٰوۃ مجتبائی دہلی ۱/۶۰

آدھی رات ڈھلے اُس سے کم ہوتا ہُوا پھر ۵ اورجے رہا اُس وقت صبح ہُوئی اُس بیچ میں کہ تقریباً چار درجے انحطاط بدلا یقیناً اجماعاً وقتِ عشا تھا تو فوتِ عشا کیا معنے، اور اگر مقدار وقت جاننا چاہو تو

عرض شمالی ۴۹° ۳۰' ۔ میل شمالی ۲۳° ۴۳' = ۲۵° ۵۷" + بعد سمتی مفروض ۱۰۵ = ۱۳۰° ۵۷" نصفہ ۶۵° ۲۸' ۳۰" جیبہ

۹۶۹۵۸۹۳۶۵ جیب اول و ۱۰۵ ۔ نصف مذکور ۳۹° ۳۱' ۳۰" جیبہ

۹۶۸۰۳۷۴۰۳ جیب دوم

۰۶۱۸۷۴۵۵۶ قاطع عرض پس ۴۰" ۴۳' ۱۰ت شروع وقت عشا

۰۲۰۳۷۷۶۷۶ قاطع میل ۲۰ ۱۶ ۱ شروع وقت صبح

۹۶۹۸۷۸۹۹۶

یعنی رات کے ۱۰ بج کر ۴۳ منٹ ۴۰ سکنڈ پر مغرب ختم ہوگیا اور ایک بج کر ۱۶ منٹ ۲۰ سکنڈ پر صبح شروع ہُوئی تو ۲½ گھنٹے سے زیادہ وقت عشا رہا اور جب اس رات میں جس کا غایۃ الانحطاط یعنی نہایت قلت میں ہے اتنا طویل وقت ملا تو گرمی کی اور راتوں میں کہ انحطاط اس سے بھی زائد ہے اور بھی زیادہ وقت ہاتھ آئے گا اور یہ متفق علیہ مسئلہ یقیناً غلط ہو جائے گا، ہاں جب صبح وشفق کا انحطاط ۱۸ درجے لیجئے تو ۴۹° ۳۰' + ۱۸° = ۶۷° ۳۰' باقی ۲۲° ۳۰' یا تمام العرض ۴۰° ۳۰' ۔ غایت مفروضہ ۱۸° = ۲۲° ۳۰' یعنی جس چیز کا میل شمالی ساڑھے بائیس درجے یا اس سے زائد ہوگا اُس میں ٹھیک آدھی رات کو انحطاط ۱۸ درجے یا اس سے بھی کم ہوگا جو ظہور بیاض کے لیے کافی ہے تو تمام رات میں ایک آن کو بھی اُفق مظلم ہو کر وقتِ عشا نہ آئے گا اور اب یہ فقط راس السرطان ہی پر نہیں بلکہ ۴ درجے جوزا سے ۱۶ درجے سرطان تک یہی حال رہے گا جس کی مقدار ایک مہینہ تین دن بلکہ زائد ہوتی ھکذا ینبغی التحقیق واللہ ولی التوفیق (تحقیق اسی طرح مناسب تھی، توفیق کا اللہ ہی مالک ہے۔ ت) اس تمام بیان سے تین باتیں واضح ہوئیں جن سے جواب سوال روشن ومبین:

(۱) اصل مدار رؤیت ہے شارع علیہ الصلٰوۃ والسلام نے اسباب میں کوئی ضابطہ وحساب ارشاد نہ فرمایا نہ عقل صرف مقدار انحطاط صبح بتاسکتی تھی۔

(۲) ہاں رؤیت نے وُہ تجارب صحیحہ دیے جن سے قاعدہ کلیہ ہاتھ آیا اور بے دیکھے وقت بتانا ممکن و میسر ہوا۔

(۳) ازانجا کہ یہاں جو قاعدہ ہوگا رؤیت ہی سے مستفاد ہوگا کہ شرع وعقل دونوں ساکت ہیں تو لاجرم

---

[۱] یعنی دائرہ نصف النہار جانب سمت القدم ۱۲ منہ

جو قاعدہ رؤیت یا اس کے دئے ہوئے قوانین کی مخالفت کرے خود باطل ہونا لازم کہ فرع جب تکذیب اصل کرے تو فرع باقرارِ خود کاذب ہے کہ اس کا پر مبتنی تھا، جب مبنی باطل یہ خود باطل، یہ قاعدہ کہ صبح رات کا ساتواں حصہ ہوتی ہے انھیں قواعد باطلہ فاسدہ سے ہے کہ رؤیت و قوانین عطیہ رؤیت بالاتفاق اس کے بطلان پر شاہد عدل ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۶۴: از سیلی بھیت قاضی محلہ مرسلہ قاضی ممتاز حسین صاحب ممتاز ۲۰ رمضان ۱۳۱۷ھ

طعامِ سحری کا جب وقت نہیں رہتا ہے تو درِ مسجد پر نقارہ بجایا جاتا ہے بعض کہتے ہیں کہ جائز ہے اور بعض کہتے ہیں ناجائز ہے، اس میں کیا حکم ہے؟

الجواب

سحری کا نقارہ اجازت یا ممانعت جس اصطلاح معروف پر مقرر کیا جائے اجازت ہے کہ کہیں ممانعت نہیں، درمنتقی شرح الملتقی میں ہے:

ینبغی ان یکون بوق الحمام یجوز کقرب النوبة۔[1]

حمام کا تُوتا جائز ہونا چاہئے جیسا کہ نقارہ جائز ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ینبغی ان یکون طبل السحر فی رمضان لایقاظ النائمین للسحور کبوق الحمام، تامل۔[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

رمضان میں سحری کے وقت سونے والوں کو جگانے کے لیے طبل اسی طرح ہے جیسے حمام کے لیے توتا بجایا جاتا ہے، غور کیجئے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۶۵: از کوہ الموڑہ رانی دھارہ مسئولہ حکیم مولوی خلیل اللہ خاں صاحب سلمہ ۷ ماہ مبارک ۱۳۳۳ھ

سحر و افطار کے نقشے عطا ہوں صاحبزادہ نواب دولھا صاحب مانگتے ہیں، ایک دو منٹ کا تفاوت دیکھ لیا جائے گا۔

الجواب

نقشے بھیجتا ہوں، الموڑے اور بریلی میں اس ماہ مبارک میں سحری کا اوسط تفاوت منفی پانچ (- ۵) ہے یعنی اتنے منٹ وقتِ بریلی سے پہلے ختم ہے اور افطار کا اوسط مثبت ایک (+۱½) یعنی وقت بریلی سے

---

[1] درمنتقی علی حاشیۃ مجمع الانہر فصل فی المتفرقات من کتاب الکراہیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۵۳

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ مصطفی البابی مصر ۵/ ۲۴۷

سوا منٹ بعد ۔ لیکن یہ حساب ہموار زمین کا ہے پہاڑ پر فرق پڑے گا، اور وہ فرق بتفاوتِ بلندی متفاوت ہوگا، اگر دو ہزار فٹ بلندی ہے تو غروب تقریباً چار منٹ بعد ہوگا، اور طلوع اسی قدر پہلے، لہذا جب تک یہ نہ معلوم ہو کہ وہ جگہ کس قدر بلند ہے جواب نہیں دے سکتا ۔ اگر کسی دن کے طلوع یا غروب کا وقت صحیح گھڑی سے دیکھ کر لکھو تو میں اس سے حساب کرلوں کہ وہ جگہ کتنی بلند ہے ۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۶۶ از سہاور ضلع ایٹہ مرسلہ سید فردوس علی صاحب ۲۱ رمضان المبارک ۱۳۲۸ھ

بعد آداب و تمنائے قدمبوسی گزارش ہے کہ ۵ رمضان شریف یوم شنبہ مطابق ۔ اسٹمبر کو افطار روزہ ایک مسجد میں ریلوے ٹائم سے پونے سات بجے روزہ افطار کیا جاتا تھا آپ مطلع فرمائیے کہ اس روز ریلوے ٹائم سے کس قدر فرق ہے، زیادہ حد ادب فقط

الجواب

سہاور میں جس کا عرض شمالی کز مح ۴۸ ۲۷° اور طول شرقی عج نح ۵۳ ۷۸° ہے پنجم ماہ مبارک روز شنبہ مطابق ۱۰ ستمبر ۱۹۱۰ء کو غروب آفتاب ریلوے صحیح وقت سے چھ بج کر سوا چھبیس منٹ پر ہوا تو وہ گھڑی جس کے ساڑھے چھ پر افطار کیا گیا اگر صحیح تھی روزہ بے تکلف ہوگیا کہ غروب کو پونے چار منٹ گزر چکے تھے اس سے پہلے جو پونے سات پر افطار کرتے تھے خلافِ سنت تھا افطار میں اتنی تاخیر مکروہ ہے ریلوے وقت سہاور کے اپنے وقت سے چودہ منٹ اٹھائیس سکنڈ تیز ہے واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶۷ از الہ آباد صدر بازار محمد حشمت اللہ صاحب ۱۹ رمضان ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص امام مسجد ہے اور سب لوگ روزہ اس کی اذان سے افطار کرتے ہیں اور وہ دیر سے افطار کا حکم دیتا ہے یہاں تک کہ کئی مرتبہ آزمایا گیا ہے کہ تارا نکل آیا بلکہ اس کو تارا دکھا بھی دیا گیا تس پر بھی اس نے کہا کہ ابھی دو منٹ کی دیر ہے تو اس حالت میں کچھ روزہ میں نقص تو واقع نہیں ہوتا ہے؟ اگر کوئی واقع ہوتا ہے تو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب

جب آفتاب تمام و کمال ڈوبنے پر یقین ہوجائے فوراً روزہ کی افطار سنت ہے، حدیث میں فرمایا:

لاتزال امتی بخیر ما عجلوا الفطر و اخروا السحور[1]۔ ہمیشہ میری امت خیر سے رہے گی جب تک افطار میں جلدی اور سحری میں دیر کریں۔

---

[1] مسند احمد بن حنبل روایات ابوذر دار الفکر بیروت ۵/ ۱۴۷

مگر اتنی جلدی جائز نہیں کہ غروب مشکوک ہو اور افطار کرے یا سحری میں اتنی دیر لگائے کہ صبح کا شک پڑجائے اور تارے کی سند نہیں بعض تارے دن سے چمک آتے ہیں، ہاں سیاروں کے سوا جو کواکب ہیں وہ اکثر ہمارے بلد میں غروب آفتاب کے بعد چمکتے ہیں اگر ان ستاروں میں سے کوئی ستارہ چمک آتا ہے اور پھر وہ افطار نہیں کردیتا اور دو منٹ کی دیر بتاتا ہے تو یہ رافضیوں کا طریقہ ہے، اور بہت محرومی و بے برکتی ہے، اُس سے توبہ کرنی چاہیے واللہ تعالیٰ اعلم اس صورت میں مسلمان اس پر نہ رہیں جب غروب پر یقین ہو جائے افطار کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۶۶ از کوہ المورہ رانی دھارہ مسئولہ حکیم مولوی خلیل اللہ صاحب سلمہ ۷ ماہ مبارک ۱۳۳۳ھ

بعد از ادائے سلام سنت الاسلام ولوازم آداب تسلیمات فدویانہ معروض خدمت فیض درجت آنکہ والا نامہ گرامی بشرف صدور لایا مفخر وممتاز فرمایا، کل اس کوٹھی کی بلندی دریافت کی گئی، بلندی دریافت کرنے کا ایک آلہ ہوتا ہے جو سطح سمندر سے جس قدر بلند ہو وہ بتاتا ہے، ایک چھوٹا سا آلہ ہے جو کہ چھوٹی سی ڈبیہ کی طرح ہوتا ہے مثل گھڑی کے گول، اس میں سوئی ہوتی ہے جو کہ بلندی کے نمبروں پر گشت کرتی ہے غرض وہ کل دیکھا گیا اُس کے ذریعہ سے ذیل کی بلندی دریافت ہوئی، پانچہزار پانچ سو پچاس فٹ سطح آب سے بلندی ہے اس لیے صاحبزادہ نواب دولہا صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ اب لکھ بھیجو کہ اس حساب سے کیا وقت نکلتا ہے، لیکن یہ بلندی اُس وقت ٹھیک وقت بتا سکتی ہے جبکہ یہ جگہ ہموار ہو یہاں شرقاً وغرباً پہاڑ ہے جس باعث سے طلوع مؤخر اور غروب مقدم ہوتا ہے اور یہ ٹیکری پہاڑ جو کہ غربی جانب ہے ہم سے تین سو یا چار سو فٹ بلند ہے اور شرقی جانب کا پہاڑ غالباً چھ سو فٹ ہوگا اور شمالی جانب پندرہ روزہ کے راستہ پر برف کا پہاڑ نظر آتا ہے جس پر شعاع آفتاب کی بہت پہلے پڑتی ہے اور مطلع صاف ہو تو اس کی چمک یہاں پر بخوبی نظر آتی ہے اور قریب کے پہاڑوں پر کہیں شعاع نہیں ہوتی اور لوگ نماز پڑھتے ہوتے ہیں اور شرق وغرب جو پہاڑ ہے اس پر بھی المورہ ہی کی آبادی ہے، سب طرف مکانات بنے ہوئے ہیں اور اس کوٹھی سے اور خاص شہر یعنی بازار سے چنداں تفاوت نہیں، اب اگر ایک ہزار فٹ پر دو منٹ بڑھا جائیں تو گیارہ منٹ اور سوا منٹ طول یا عرض بلد کا کل سوا بارہ منٹ جمع کرنا پڑیں گے جس حساب سے آج کا افطار ۲۳ منٹ پر ہونا چاہیے (۱۱ + ۱۲ = ۲۳) لیکن میرے خیال میں ۲۰ منٹ سے پیشتر ہی مشرق سے سیاہی نمودار ہو جاتی ہے لیکن مغربی بادلوں میں خوب سرخی اور چاروں طرف کسی قدر بادلوں پر سرخی پائی جاتی ہے، چونکہ صاحبزادہ صاحب موصوف کو تحقیق مطلوب ہے اس لیے خاکسار نے یہاں کی مجموعی کیفیت گزارش کردی، امید کہ جواب باصواب سے ممتاز فرمایا جائے، رام پور سے جو نقشے آئے ہیں اُن میں اس نقشہ کے حساب

سے تین چار منٹ کا بُل ہے یعنی غروب چار منٹ مؤخر ہے۔

الجواب

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، شرقی غربی پہاڑوں کے سبب تاخرِ طلوع و تقدمِ غروب معتبر نہیں، وہ دیوار ہائے مکان کی مثل ہیں، نہ وہ شعاعیں کہ کوہ برف پر پڑ کر روشنی دیتی ہیں کچھ قابلِ لحاظ نہیں جبکہ وُہ پہاڑ اس سے بلندتر ہو وہ شب کی چاندنی کے مثل ہیں کہ چاند پر شعاعِ شمس ہی پڑ کر روشنی پیدا ہوتی ہے۔ نہ یہاں اربعہ متناسبہ ہے کہ دو ہزار فٹ پر چار منٹ تھے تو ہزار پر دو اور ساڑھے پانچ ہزار پر گیارہ ہوں بلکہ یہاں تزاید علی سبیل التناقص ہے، ہر بلندی پر جو تفاوت ہے اس سے دوچند پر دوچند سے کم ہوگا مثلاً سو فٹ بلندی پر افق ۱۰۔ دقیقے نیچے گرتا ہے اور ہزار فٹ پر صرف ۳۲۔ دقیقے، نہ کہ ۱۰۔ کا دس گنا، اور چار ہزار فٹ پر ایک درجہ سات دقیقے، نہ کہ ۳۲۔ کا چوگنا کہ دو درجے چوّدہ دقیقے، یعنی اس سے دوچند ہوتا کہ ۱۰۔ دقیقے کا چالیس گنا کہ پورے سات درجے ہوتا وقس علٰی ھذا (اور اس پر قیاس کرو۔ ت) ۵۵۰۰ فٹ بلندی پر میں نے حساب کیا افق ایک درجہ ۱۹ دقیقے ۱۰۔ ثانیے گرا جس کے سبب شروع ماہِ مبارک میں کہ تقویم سرطانی کے ۲۰ درجے پر تھی، طلوع وغروب المورڑہ میں ہموار زمین کے اعتبار سے ۶ منٹ ۴ سکنڈ تفاوت تھا یعنی طلوعِ شمسی اس قدر پہلے اور غروب اس قدر بعد اور آخر ماہِ مبارک میں کہ تقویم اسد کے ۱۸ پر ہوگی تفاوت ۶ منٹ ۲۵ سکنڈ ہوگا، یہ ۲۲ سکنڈ کا فرق تفاوت میل شمسی کے باعث ہے، غرض اواخر رمضان حال میں ساڑھے چھ منٹ، تو یہ فرق سمجھئے اور سوا منٹ بلحاظ عرض وطول مجموع پونے آٹھ منٹ وقت افطار بریلی پر بڑھیں گے جس میں احتیاطی منٹ بھی شامل ہیں۔ ۱۳ ماہ مبارک مطابق ۲ جولائی کی نسبت جو تم نے ۱۲ منٹ بڑھائے ۷ بڑھاؤ (۰۱۲ + ۰۷ = ۱۹) وہی بات آگئی جو تم نے لکھی کہ میرے خیال میں ۲۰ منٹ سے پہلے ہی مشرق سے سیاہی نمودار ہوجاتی ہے"۔ ایک رامپور کیا ہندوستان بھر کے نقشوں کی بایں معنی قدر کرنا بے جا نہیں جانتا کہ وُہ بیچارے اپنے گمان میں تو اچھا سمجھ کر کرتے ہیں، اگرچہ یہ فتوٰی ہے اور بے علم فتوی سخت حرام ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶۹ ۲۷ از اروہ نگلہ ڈاکخانہ اچھنیرہ ضلع آگرہ محمد صادق علی خاں صاحب رمضان ۱۳۳۰ھ

(۱) روزہ افطار کرنا کس چیز سے مسنون ہے؟

(۲) رمضان مبارک میں روزہ افطار کرنے کے بعد مغرب نماز پڑھ کر بہت سے آدمی جمع ہوکر حقّہ پیتے ہیں جس سے بیہوش ہوتے ہیں کچھ خبر نہیں رہتی، ہاتھ پیروں میں رعشہ ہوجاتا ہے، آیا یہ حالت شرعاً سکر میں ہے یا نہیں؟ ایسا حقّہ پینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

(۱) خرمائے تر اور نہ ہو تو خشک اور نہ ہو تو پانی۔ سنن ابی داؤد و جامع ترمذی میں بسندِ حسن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے:

کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یفطر قبل ان یصلی علی رطبات فان لم تکن رطبات فتمیرات وان لم تکن تمیرات حسا حسوات من ماء[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نماز ادا کرنے سے پہلے تر کھجور سے روزہ افطار فرماتے، اگر تر کھجوریں نہ ہوتیں تو خشک کھجوریں استعمال فرماتے، اگر کھجوریں نہ ہوتیں تو پانی کے چند گھونٹ پیتے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۲) ایسا حقہ پینا کبھی ہو حرام ہے، اور یہ حالتِ سکر نہیں بلکہ تفتیر ہے، اور سکر و تفتیر دونوں حرام۔ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی حدیث میں ہے:

نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن کل مسکر ومفتر[2]۔

رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر نشہ آور مفتر سے منع فرماتے تھے (ت)

اور تفصیل مسئلہ ہمارے رسالہ حقۃ المرجان لمھم حکم الدخان میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۷۱: از بنارس محلہ کندی گر ٹولہ متصل شفاخانہ مرسلہ حکیم عبدالغفور صاحب ۱۲ رمضان ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دعاء افطار اللھم صمت وعلٰی رزقك افطرت قبل از افطار پڑھنی چاہیے یا بعد افطار؟ مظاہر حق نواب قطب الدین حسن واشعۃ اللمعات شیخ عبدالحق میں ترجمہ افطرت کا بصیغہ ماضی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دعا آنحضرت صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعد افطار کے پڑھتے تھے چنانچہ ابن ملک نے بھی اس کو لکھا ہے، قول ابن ملک کو کہ آنحضرت صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم دعا مذکور بعد افطار کے پڑھتے تھے نواب قطب الدین حسن دہلوی نے مظاہر حق شرح مشکوٰۃ میں نقل کیا ہے، لیکن بعض کتابوں میں لکھتے ہیں کہ دعا مذکورہ بالا قبل افطار پڑھنی چاہیے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

فی الواقع اس کا محل بعد افطار ہے،

ابوداؤد عن معاذ بن زھرۃ

ابوداؤد میں حضرت معاذ بن زہرہ رضی اللہ عنہ سے

---

[1] جامع ترمذی باب ماجاء مایستحب علیہ الافطار امین کمپنی دہلی ۱/۸۸
سنن ابی داؤد باب مایفطر علیہ آفتاب عالم پریس، لاہور ۱/۳۲۱

[2] سنن ابی داؤد کتاب الاشربہ 〃 〃 ۲/۱۶۳

انه بلغه ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان اذا افطر قال اللھم لك صمت وعلی رزقك افطرت[1] فحمل افطر علی معنی ارادۃ الافطار وصرف عن الحقیقۃ من دون حاجۃ الیه وذا لایجوز وھکذا فی افطرت۔

کہ رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم افطار کے وقت یہ دُعا پڑھتے: "اے اللہ! میں نے تیری رضا کی خاطر روزہ رکھا، تیرے رزق پر افطار کیا" تو یہاں افطر سے مراد ارادۂ افطار لینا اور حقیقی معنی سے بے ضرورت اعراض کرنا ہے حالانکہ یہ جائز نہیں اور اسی طرح کا معاملہ "افطرت" میں ہے (ت)

مولانا علی قاری علیہ الباری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

(کان اذا افطر قال) ای دعا وقال ابن الملك ای قرأ بعد الافطار[2] الخ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(جب افطار کرتے تو کہتے) یعنی دُعا کرتے ابن الملک نے کہا کہ افطار کے بعد یہ دُعا پڑھتے تھے الخ۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

---

[1] سنن ابی داؤد باب القول عند الافطار آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۳۲۲

[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کتاب الصوم مسائل متفرقہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۴/۲۵۸

العروس المعطار فی زمن دعوۃ الافطار

۱۳ھ۱۲

(افطار کی دُعا کے وقت کے بیان میں عطر آلود دُولھا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ رب محمد صلی علیہ وسلما

مسئلہ ۲۷۲: از بنارس محلہ پتر کنڈہ مرسلہ مولوی محمد عبدالمجید صاحب چشتی فریدی پانی پتی ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۱۲ھ

ہمارے علماء رحمہم الغفار والقاسم الی یوم القرار اس میں کیا فرماتے ہیں کہ دعائے افطارِ روزہ اللھم لك صمت وعلٰی رزقك افطرت کو بعض علماء تو فرماتے ہیں کہ قبل افطار کہے، چنانچہ رسالہ تنبیہ الانام فی آداب الصیام میں ہے: اور قبل افطار کے پڑھنا اللھم لك صمت الخ سنّت ہے[1] انتہی۔ اور بعض فرماتے ہیں کہ وقتِ افطار کہے۔ چنانچہ رسالہ مفتاح الجنۃ مؤلفہ مولانا مولوی کرامت علی جونپوری مرحوم میں ہے: اور افطار کے وقت سنّت ہے کہ کہے اللھم لك صمت الخ[2] انتہی۔ اور کتاب

---

[1] تنبیہ الانام فی آداب الصیام

[2] رسالہ مفتاح الجنۃ، مولوی کرامت علی

جواہر الاحکام تصنیف مولوی عبداللہ معروف بہ مستان شاہ میسوری میں نقلاً عن الکفایہ ہے، مثلاً سنت وہی ہے کہ وقت افطار یہ دُعا کہے اللھم لک صمت الخ انتہٰی[1]۔ اور رسالہ خیر الکلام فی مسائل الصیام مؤلفہ جناب مولوی محمد عبد الحلیم مرحوم لکھنوی میں ہے:

وقت افطار سنت آنست کہ بگوید اللھم لک صمت الخ[2] انتہی۔

افطار کے وقت سنت یہ ہے کہ دُعا مانگے: اے اللہ! میں نے تیرے لیے روزہ رکھا الخ (ت)

اور نور الہدایہ ترجمہ اردو شرح وقایہ مؤلفہ مولوی وحید الزمان میں ہے: اور جس وقت افطار کرے کہے اللھم لک صمت وعلٰی رزقک افطرت یعنی اے اللہ! تیرے ہی واسطے میں نے روزہ رکھا تھا اور تیرے رزق پر افطار کرتا ہوں، روایت کیا اس کو ابو داؤد نے کہ ایسا ہی کرتے تھے آنحضرت صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم[3] انتہی۔ اور رسائل ارکان اربعہ مؤلفہ مولانا ومقتدانا جناب مولوی عبد العلی میں کے رسالہ صوم میں ہے:

وینبغی ان یقول عند الافطار اللھم لک صمت وعلٰی رزقک افطرت لما عن معاذ بن زھرۃ قال بلغنی ان رسول اللہ کان اذا افطر قال اللھم لک صمت وعلٰی رزقک افطرت، رواہ ابو داؤد انتہی[4]۔

افطار کے وقت یہ کہنا چاہیے اے اللہ! میں نے تیرے لیے روزہ رکھا اور تیرے رزق پر افطار کیا، کیونکہ حضرت معاذ بن زہرہ رضی اللہ تعالٰے عنہ سے مروی ہے کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب افطار فرماتے تو کہتے اے اللہ! میں نے تیری خاطر روزہ رکھا اور تیرے رزق پر افطار کیا، اسے ابوداؤد نے روایت کیا انتہی (ت)

اور رسالہ تعلیم الصیام میں ہے: معاذ بن زہرہ نے کہا حضرت (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) افطار کے وقت یوں کہتے تھے:

اللھم لک صمت وعلٰی رزقک افطرت، رواہ ابوداؤد مرسلاً[5] انتہی۔

اے اللہ! میں نے تیری خاطر روزہ رکھا اور تیرے رزق پر افطار کیا۔ اسے ابوداؤد نے مرسلاً روایت کیا۔ (ت)

---

[1] جواہر الحکام، مولوی عبداللہ

[2] رسالہ خیر الکلام فی مسائل الصیام، مولوی عبد الحلیم

[3] نور الہدایہ ترجمہ شرح وقایہ، کتاب الصوم باب مکروہات الصوم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۰۷

[4] رسائل ارکان اربعہ بیان انہ یستحب الافطار بالتمر مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۱۵۱

[5] رسالہ تعلیم الصیام

اور شیخ عبدالحق قدس سرہ کی مدارج النبوۃ میں ہے:

و در وقتِ افطار فرمودے اللھم بك صمت[1] الخ انتہی۔

حضور اکرم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم افطار کے وقت فرماتے اے اللہ! میں نے تیرے لیے روزہ رکھا الخ انتہی (ت)

اور انھیں کی اشعۃ اللمعات میں حدیث معاذ بن زہرہ کے ترجمہ میں ہے:

بود آنحضرت چوں افطار می کرد می گفت اللھم لك صمت خداوندا برائے رضائے تو روزہ داشتہ ام وعلٰی رزقك افطرت و بر روزی تو کہ رسانید می کشادم روزہ را[2] انتہی۔

حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب افطار کرتے فرماتے اللھم لك صمت اے اللہ! میں نے تیری رضا کیلئے روزہ رکھا وعلٰی رزقك افطرت اور تیرے عطا کردہ رزق پر روزہ افطار کیا انتہی (ت)

اور بعض کہتے ہیں کہ اس دُعا کو بعد افطار کہے۔ چنانچہ مظاہر حق ترجمہ اردو مشکوۃ مؤلفہ جناب مولوی قطب الدین مرحوم دہلوی میں ہے: ابن ملک نے کہا ہے کہ حضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) ان کلمات (یعنی اللھم لك صمت الخ) کو بعد افطار کہتے تھے[3] انتہی۔ تو ان قولوں میں صحیح قول کون سا ہے؟ اور نیز اس میں کہ وقت افطار سے مراد قبل از افطار ہے اور پہلے قول اور اس قول کا مآل واحد ہے یا بعد افطار اور پچھلے قول اور اس قول کا مآل واحد ہے اور نیز اس میں کہ لفظ افطرت کا ترجمہ "افطار کرتا ہوں میں" جیسا کہ مؤلف نور الہدایہ ترجمہ اردو شرح وقایہ نے کیا ہے صحیح ہے یا "افطار کیا میں نے" جیسا کہ شیخ قدس سرہ نے اشعۃ اللمعات میں کیا ہے صحیح ہے؟ اور نیز اس میں کہ برتقدیر صحت ترجمہ ثانی کے اس دُعا کا بعد افطار ہونا ثابت ہوگا یا نہیں؟ اور نیز اس میں کہ زید تو کہتا ہے کہ حدیث کے لفظ اذا افطر قال اللھم لك صمت الخ (جب افطار کرتے تو فرماتے اے اللہ! میں نے تیرے لیے روزہ رکھا الخ۔ ت) میں اذا حرفِ شرط ہے، افطر جملہ فعلیہ شرط ہے، قال اپنے فاعل ضمیر مستتر اور اللھم لك الخ مقولہ کے ساتھ جزا ہے۔ اور عمرو کہتا ہے اذا حرفِ شرط، افطر شرط، اور فقط قال جزا۔ بس یہ کلام تو تمام ہوچکا اب اللھم لك صمت برأسہ اور نیز ایک دوسرا کلام ہے قال سے اس کو کچھ تعلق نہیں تو دونوں میں صحیح قول کس کا ہے؟ اور نیز اس میں کہ زید تو کہتا ہے کہ اللھم لك صمت الخ دُعا ہے اور عمرو کہتا ہے نہیں، کیونکہ دُعا تو وہ کلام ہوتا ہے جو کہ متضمن مضمون طلب ہو، اور یہ ایسا نہیں تو دُعا بھی نہیں، تو دونوں میں صحیح

---

[1] مدارج النبوۃ — باب دہم در انواع عبادات نوع چہارم در صوم — نوریہ رضویہ سکھر — ۱/ ۴۲۹

[2] اشعۃ اللمعات — کتاب الصوم فصل ثالث — نوریہ رضویہ سکھر — ۲/ ۸۴

[3] مظاہر حق ترجمہ مشکوۃ المصابیح — کتاب الصوم — افطار کی دعاء — دار الاشاعت کراچی — ۲/ ۳۱۴

قول کس کا ہے؟ اور نیز اس میں کہ لفظ عند ظرف ہے یا نہیں؛ اگر ہے تو ظرف زمان بمعنی وقت ہے یا ظرف مکان بمعنی نزدیک اور پاس کے؟ اور نیز اس میں کہ مولانا بحر العلوم مرحوم کے قول وینبغی ان یقول عند الافطار کا ترجمہ "اور لائق ہے یہ کہ کہے وقت افطار کے" کرنا چاہئے یا "اور لائق ہے یہ کہ کہے نزدیک افطار کے" کرنا چاہیے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اقول وباللّٰہ التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق مقتضائے دلیل یہ ہے کہ یہ دُعا روزہ افطار کرکے پڑھے۔ اوّلاً حدیث مذکور ابی داؤد کہ ابن السنی نے کتاب عمل الیوم واللیلۃ اور بیہقی نے شعب الایمان میں یوں روایت کی:

عن معاذ بن زھرۃ قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم اذا افطر قال الحمد للّٰہ الذی اعاننی فصمت ورزقنی فافطرت۔[1]

حضرت معاذ بن زہرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب افطار فرماتے تو یہ پڑھتے: سب حمد اللہ کی جس نے میری مدد فرمائی کہ میں نے روزہ رکھا اور مجھے رزق عطا فرمایا کہ میں نے افطار کیا۔ (ت)

اور نیز ابن السنی نے کتاب مذکور اور طبرانی نے معجم کبیر اور دارقطنی نے سنن میں موصولاً یوں تخریج کی:

عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالٰی عنھما قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم اذا افطر قال اللّٰھم لک صمنا وعلٰی رزقک افطرنا فتقبل منّا انک انت السمیع العلیم۔[2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب افطار فرماتے تو یہ دُعا پڑھتے: اے اللہ! ہم نے تیرے لیے روزہ رکھا اور تیرے رزق پر افطار کیا، ہماری طرف سے قبول فرما تو سُننے اور جاننے والا ہے۔ (ت)

ونیز حدیث ابی داؤد ونسائی و دارقطنی وحاکم وغیرہم:

عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنھما

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے

---

[1] شعب الایمان باب فی الصیام حدیث ۳۹۰۲ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۴۰۶
کتاب عمل الیوم واللیلۃ باب مایقول اذا افطر حدیث ۴۷۹ معارف نعمانیہ حیدرآباد دکن ص ۱۲۸

[2] 〃 〃 〃 〃 〃 ۴۸۰ 〃 〃 〃
سنن الدارقطنی باب القبلۃ للصائم حدیث ۲۱ نشر السنۃ ملتان ۲/ ۱۸۵

قال کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا افطر قال ذھب الظمأ و ابتلت العروق و ثبت الاجر ان شاء اللہ تعالٰی[1]

کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم افطار کرتے تو فرماتے: پیاس چلی گئی، رگیں تر ہوگئیں، اور اگر اللہ تعالٰی نے چاہا تو اجر ثابت ہوگیا (ت)

ان سب کا مفاد صریح یہی ہے افطر شرط اور قال کذا اس کی جزا، مجرد قول کہ مقولے سے معرا کرلیا جائے صلاحیتِ وقوع ہی نہیں رکھتا، ترتب کہ لازم جزائیت ہے کہاں سے آئیگا، اللّٰھم کو کلامِ مستانف قرار دینا ایک ایسی بات ہے کہ شرح مائۃ عامل خواں بھی قبول نہ کرے گا، اور جزا شرط سے مقدم نہیں ہوتی بل یعقبہ و یترتب علیہ کما لا یخفی علٰی کل من لہ ادنی مسکۃ (بلکہ جزا شرط سے مؤخر اور اس پر مترتب ہوتی ہے جیسا کہ ہر اس شخص پر واضح ہے جو اس فن کے ساتھ تھوڑا سا بھی تعلق رکھتا ہے۔ ت) اور مقارنت حقیقیہ یہاں معقول نہیں کہ عین وقتِ افطار بالاکل والشرب یعنی جس وقت کوئی مطعوم حلق سے اتارا جائے عادۃً خاص اُس حالت میں قرأت نا متیسر، لاجرم تعقیب مراد، وھو المقصود ہاں افطار بالجماع میں اقتران حقیقی مقصور مگر وہ یہاں قطعاً مراد نہیں کما لا یخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں ت) نہیں سے واضح ہُوا کہ قولِ ثانی و ثالث کا مآل ایک ہی ہے اور نکتہ تعبیر اشعار بعدیت متصلہ ہے کہ لفظ بعد بعدیتِ منفصلہ کو بھی شامل، اور وہ خلافِ مقصود ہے، لہٰذا بلفظ "وقت" تعبیر کہ منافی انفصال ہو بہنگام استحالہ مقارنہ اگرچہ معاقبہ تقدم و تاخر دونوں کو متناول، مگر حالت مجازات مانع تقدم ہے، ولہٰذا جہاں خارج سے تقدم معلوم شرط میں تاویل ارادہ وغیرہ معمول،

کما فی قولہ عزوجل اذا قمتم الی الصلٰوۃ فاغسلوا وجوھکم[2] وفی حدیث کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا دخل الخلاء قال اللّٰھم انی اعوذبک من الخبث والخبائث[3] رواہ الائمۃ احمد والستۃ عن انس

جیسا کہ اللہ عزوجل کے مبارک ارشاد میں ہے جب تم نماز کا ارادہ کرو تو چہرے کو دھولو۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیث میں ہے، جب کوئی بیت الخلاء میں داخل ہونے کا ارادہ کرے تو کہے اے اللہ! میں ناپاک و خبیث سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ اسے امام احمد اور ائمہ ستہ نے حضرت انس

---

[1] سنن ابی داؤد باب القول عند الافطار آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۳۲۱
سنن الدار قطنی باب القبلۃ للصائم نشر السنۃ ملتان ۲/۱۸۵
[2] القرآن ۵/۶
[3] جامع ترمذی باب ما یقول اذا دخل الخلاء امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۳

بن مالك رضي الله تعالٰی عنه، اما ھٰھنا فحمل "افطر" علی الارادة، عدول عن الحقیقة من دون حاجة تحمل علیه ولا صارف یدعو الیه فلا یفعل ولا یقبل۔

بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے لیکن مذکورہ صورت میں لفظ افطر کو ارادہ افطار پر محمول کرنا بے ضرورت حقیقت سے اعراض ہے اور یہاں کوئی مجاز پر قرینہ بھی نہیں، لہٰذا ایسا نہ کیا جائے اور نہ اسے قبول کیا جائے۔ (ت)

ثانیًا ان ادعیہ میں افطرت (میں نے افطار کیا)، افطرنا (ہم نے افطار کیا)، ذھب الظمأ (پیاس چلی گئی) ابتلت العروق (رگیں تر ہوگئیں) سب صیغے ماضی ہیں اور افطار باللفظ متصوّر نہیں کہ مثل عقود انشا مقصود ہو، لاجرم اخبار متعین تو تقدیم علی الافطار میں یہ سب بھی ارتکاب تجوز کے محتاج ہوں گے کہ خلافِ اصل ہے والنصوص یجب حملها علی ظواهرها مالم تمس حاجة ولا حاجة (جب تک کوئی مجبوری نہ ہو نصوص کو ظاہر پر ہی محمول کرنا چاہئے اور یہاں کوئی ضرورت ومجبوری نہیں۔) یہاں سے یہ بھی ظاہر ہُوا کہ ترجمہ حضرت شیخ محقق نور اللہ مرقدہ الشریف ہی صحیح ہے اور "افطار کرتا ہوں" بلاوجہ حقیقت سے عدول۔ طرفہ یہ کہ اب بھی حاجت تجوز باقی۔

لماقدمنا من امتناع المقارنة فلا بد من تاویل الحال بالاستقبال والافطار بالارادة۔

کیونکہ ہم نے پہلے بیان کردیا کہ یہاں مقارنت اتصال ممتنع ہے لہٰذا حال کو بمعنی استقبال اور افطار بمعنی ارادہ افطار کیا جائے گا۔ (ت)

ثالثًا مرسل ابن السنی وبیہقی میں لفظ الحمد للہ اور مؤید تاخیر کہ حمد بعد اکل معہود ہے جس طرح قبلِ اکل تسمیہ۔

رابعًا یہ تو ظاہر ہے اور شاید مدعیِ تقدیم کو بھی مسلّم ہو کہ یہ دُعائیں دن میں پڑھ لینے کی نہیں کہ ہنوز وقتِ افطار بھی نہ آیا اب اگر عمرو بعد غروب شمس یہ دُعائیں پڑھ کر افطار کرے اور زید بعد غروب فورًا افطار کرکے پڑھے تو دیکھا چاہئے کہ اس میں کس کا فعل اللہ عزوجل کو زیادہ محبوب ہے، حدیث شاہد عدل ہے کہ فعل زید زیادہ پسند حضرت جل وعلا ہے کہ رب العزت تبارک وتعالٰی فرماتا ہے:

ان احب عبادی الی اعجلهم فطرا[1]، رواه الامام احمد و

مجھے اپنے بندوں میں وُہ زیادہ پیارا ہے جو اُن میں سب سے زیادہ جلد افطار کرتا ہے (اسے

---

[1] جامع ترمذی باب ماجاء فی تعجیل الافطار امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۸۸

والترمذی وحسنہ وابنا خزیمۃ وحبان فی صحیحیہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن ربہ تعالٰی وتقدس۔

امام احمد اور ترمذی نے حسن کہا۔ ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نقل کیا انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اور آپ نے اللہ تبارک وتعالٰی سے ذکر کیا، یعنی یہ حدیث قدسی ہے۔ (ت)

شک نہیں کہ صورتِ مذکورہ میں زید کا افطار جلد تر ہوا تو یہی طریقہ زیادہ پسند ومرضیِ ربِّ اکبر ہوا جلّ جلالہٗ وعمّ نوالہٗ یہ دُوسرا مؤید ہے اس کا کہ وقت الافطار و بعد الافطار کا مآل واحد ہے کہ جب افطار غروب شمس کے بعد جلد ہو تو احب وافضل، اور مقارنت افطار و دُعا نا متیسر اور پیش از غروب، وقت افطار معدوم، تو یہی صورت بعدیت متصلہ ہی مقصود ومفہوم۔

خامساً فعل اقدس حضور پُرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بتانے والے بھی اسی کا انکار کرتے ہیں، عادتِ کریمہ تھی کہ قریب غروب کسی کو حکم فرماتے کہ بلندی پر جا کر آفتاب کو دیکھتا رہے، وہ نظر کرتا ہوتا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کی خبر کے منتظر ہوتے، اُدھر اُس نے عرض کی کہ سُورج ڈوبا اِدھر حضورِ والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خُرما وغیرہ تناول فرمایا۔

الحاکم وصححہ عن سھل بن سعد والطبرانی فی الکبیر عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنھما وھذا حدیث سھل قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا کان صائما امر رجلا اوفی علی نشز فاذا قال غابت الشمس افطر[1] ولفظ حدیث ابی الدرداء امر رجلا یقوم علی نشز من الارض فاذا قال قد وجبت الشمس افطر[2]، و

حاکم نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نقل کرکے صحیح کہا اور طبرانی نے الکبیر میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ حدیث سہل کے الفاظ یہ ہیں: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب روزہ دار ہوتے تو کسی شخص کو بلند جگہ پر جا کر چاند دیکھنے کا حکم فرماتے، جب وہ کہتا سورج ڈوب گیا ہے، تو پھر افطار فرماتے۔ حدیث ابوالدرداء کے الفاظ یہ ہیں کسی شخص کو حکم دیتے زمین کے اونچے مقام پر کھڑے ہو کر سُورج دیکھو جب وہ کہتا سورج ڈوب

---

[1] المستدرک للحاکم کتاب الصوم دار الفکر بیروت ۱/۴۳۴

[2] مجمع الزوائد بحوالہ طبرانی کبیر دار الکتاب العربی بیروت ۳/۱۵۵

فی کشف الغمۃ عن جمیع الامۃ للامام العارف سیدی عبدالوھاب الشعرانی قدس سرہ الربانی کانت عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا تقول رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وھو صائم یترصد غروب الشمس بتمرۃ فلما توارت القاھا فی فیہ[1]۔

گیا ہے تو آپ افطار فرماتے۔ کشف الغمۃ عن جمیع الامۃ للامام عارف سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی میں سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا بیان یوں منقول ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو روزے کی حالت میں دیکھا آپ کھجور پکڑے سورج کے غروب ہونے کا انتظار فرمارہے ہیں، جیسے ہی وہ ڈوبا آپ نے کھجور منہ میں ڈال لی۔ (ت)

یہ تینوں حدیثیں بھی اُس تقدیم افطار کا پتا دیتی ہیں کہ اخبار و افطار میں اصلاً فصل نہ تھا کما لا یخفی (جیسا کہ مخفی نہیں۔ ت) لاجرم تصریح فرمائی کہ یہ دُعا افطار کے بعد واقع ہُوئی، مولانا علی قاری رحمۃ الباری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں زیر حدیث مذکور ابی داؤد فرماتے ہیں،

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان اذا افطر قال ای دعا وقال ابن الملک ای قرأ بعد الافطار[2] الخ۔

رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب افطار فرماتے تو کہتے یعنی دُعا فرماتے، ابن الملک نے کہا کہ آپ افطار کے بعد یہ کلمات پڑھتے الخ (ت)

اس عبارت سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ اللھم لک صمت الخ دُعا ہے۔ دُعا کے معنی پکارنا، اور اللھم سے بہتر کون سا پکارنا ہوگا، بلکہ اسی مرقاۃ میں تصریح فرمائی کہ کل ذکر دعا وکل دعا ذکر[3] (ہر ذکر دعا ہے اور ہر دُعا ذکر ہے۔ ت) صحیح بخاری شریف میں باب وضع کیا، باب الدعاء بعد الصلاۃ (نماز کے بعد دُعا کے بارے میں باب) اور اسی میں حدیث لائے:

تسبحون فی دبر کل صلوۃ عشرا وتحمدون عشرا وتکبرون عشرا[4]۔

تم ہر نماز کے بعد دس دفعہ سبحان اللہ اور دس دفعہ الحمد للہ اور دس دفعہ اللہ اکبر کہو۔ (ت)

یونہی باب الدعا اذا ھبط وادیا (یہ باب اس بارے میں ہے کہ جب کسی وادی میں اُترے تو دُعا کرے۔ ت) میں حدیث جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف اشارہ کیا،

---

[1] کشف الغمۃ عن جمیع الامۃ | کتاب الصوم | دارالفکر بیروت | ۱/۲۵۵
[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ | " | مکتبہ امدادیہ ملتان | ۴/۲۵۸
[3] " " " | کتاب الدعوات | المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ | ۵/۱۳
[4] صحیح بخاری | الدعاء بعد الصلوٰۃ | قدیمی کتب خانہ کراچی | ۲/۹۳۷

قال کنا اذا صعد نا کبرنا و اذا نزلنا سبحنا[1]۔ | جب ہم اُوپر چڑھتے تو اللہ اکبر اور جب نیچے اُترتے تو سُبحان اللہ کہتے (ت)

یُوں ہی باب الدعا اذا اراد سفرا او رجع (یہ باب اس بارے میں ہے کہ جب سفر کا ارادہ کرے یا سفر سے لوٹے تو دُعا کرے۔ ت) میں حدیث یکبر علی کل شرف الخ[2] (آپ ہر بلندی پر تکبیر کہتے۔ ت) لائے بلکہ خود حضور اقدس صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے احادیث کثیرہ میں ذکر کو دُعا فرمایا، صحیحین میں ہے:

عن ابی موسٰی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ قال کنا مع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی سفر فکنا اذا علونا کبرنا فقال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایھا الناس اربعوا علٰی انفسکم فانکم لا تدعون اصم ولا غائبا ولکن تدعون سمیعا بصیرا[3]۔

حضرت ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے ہم حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے جب ہم بلند جگہ پر چڑھتے تو تکبیر کہتے، حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے آپ پر نرمی کرو کیونکہ تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے ہو تم تو سننے اور دیکھنے والے کو پکار رہے ہو۔ (ت)

جامع ترمذی میں ہے:

عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خیر الدعاء دعاء یوم عرفۃ وخیر ما قلت انا والنبیون من قبلی لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علٰی کل شیئ قدیر قال الترمذی حدیث حسن غریب[4] قال المناوی خیر ما قلت ای ما دعوت[5]۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بہتر دُعا یوم عرفہ کی دُعا ہے، اور سب سے بہتر یہ دُعا ہے جو میں نے اور مجھ سے پہلے انبیاء نے مانگی: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، ملک و حمد اسی کے لیے ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے۔ ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے، مناوی نے "خیر ما قلت" کا ترجمہ "جو میں نے دعا کی" کیا ہے۔ (ت)

---

[1] صحیح بخاری باب التسبیح اذا ھبط وادیا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۲۰
[2] " باب الدعا اذا اراد سفرا " " " ۲/۹۴۴
[3] " باب الدعاء اذا علا عقبۃ " " "
[4] جامع الترمذی باب فی فضل لاحول ولاقوۃ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/۱۹۸
[5] التیسیر شرح جامع صغیر تحت حدیث خیر الدعاء مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/۵۲۵

ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم افضل الذکر لا الٰہ الا اللہ و افضل الدعاء الحمد للہ[1] حسنہ الترمذی وصححہ الحاکم۔

رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے بہتر ذکر لا الٰہ الا اللہ اور افضل دعا الحمد للہ ہے۔ ترمذی نے اسے حسن کہا اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔ (ت)

معہذا کنایہ تصریح سے ابلغ ہے اللھم لک صمت (اے اللہ! میں نے تیرے لیے روزہ رکھا۔ ت) کہنے والا اخلاص عبادت لوجہ اللہ عرض کرتا ہے اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین[2] اللہ تعالٰے کسی نیکوکار کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ (ت)

اور فرماتا ہے:

الصوم لی وانا اجزی بہ[3] (روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا ہوں۔ ت)

پھر علی رزقک افطرت (تیرے رزق پر میں نے افطار کیا۔ ت) کہہ کر شکرِ نعمت بجالاتا ہے۔ اور رب جل وعلا فرماتا ہے:

ولئن شکرتم لازیدنکم[4] (اگر تم شکر کرو تو میں تمہارے لیے اضافہ کروں گا۔ ت)

اگر دو شخص بادشاہ کے درِ دولت پر حاضر ہوں، ایک عرض کرے اے بادشاہ! مجھے یہ دے۔ دوسرا عرض کرے اے بادشاہ! میں تیرا فرمان سر آنکھوں سے بجالاتا ہوں اور تیرا ہی دیا کھاتا ہوں انصاف کیجئے۔ حسنِ طلب کس کا حصہ ہے ؎

اأذکر حاجتی ام قد کفانی ۔۔۔ حیاؤک ان شیمتک الحیاء

اذا اثنی علیک المرء یوما ۔۔۔ کفاہ من توضک الثناء

کریما لا یغیرہ صباح ۔۔۔ عن الخلق الکریم ولامساء

(کیا میں اپنی حاجت ذکر کروں یا آپ کا حیاء ہی میرے لیے کافی ہے، جو آپ کا زیور ہے۔

---

[1] جامع ترمذی باب ان دعوۃ المسلم مستجابۃ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/۱۷۴

[2] القرآن ۹/۱۲۰

[3] مشکوٰۃ کتاب الصوم الفصل الاول مجتبائی دہلی ص ۱۷۳

[4] القرآن ۱۴/۷

جب کسی دن کسی نے آپ کی تعریف کی تو آپ کی ثنا کا روشن ہونا ہی اس کیلئے کافی تھا، ایسا کریم کہ صبح وشام مخلوق کو نوازتے ہوئے کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا)

بالجملہ قابل قبول ومؤید بالمعقول والمنقول وہی قول ثانی وثالث ہے اور وقت الافطار وعند الافطار وبعد الافطار وہنگام افطار ونزدیک افطار وپس افطار، سب کا حاصل ایک ہی ہے، نزدیک ترجمۂ عند ہے، اور عند خواہ ظرف مکان ہو کما افادہ فی الاتقان[1] الشریف (جیسا کہ اتقان شریف میں ہے۔ت) خواہ ظرف زمان ومکان دونوں کما نص علیہ فی القاموس[2] (جیسا کہ اس پر قاموس میں تصریح ہے۔ت) امتیاز بحسب مدخول علیہ[3] کما بینہ فی تاج العروس[3] (جیسا کہ اس کی تفصیل تاج العروس میں ہے۔ت) مگر شک نہیں کہ زمان، زمانی پر داخل ہو کر افادۂ قرب زمان ہی کرے گا، کوئی عاقل نہ کہے گا کہ عند الصبح کا حاصل قرب مکان صبح ہے، اصل یہ کہ وضع عند قرب مطلق کے لیے ہے، حسی ہو یا معنوی، کما صرح بہ فی مسلم الثبوت[4] وشرح الکافیۃ للرضی وغیرھا من المعتبرات (جیسا کہ مسلم الثبوت، شرح کافیہ للرضی اور دیگر معتبر کتب میں اس پر تصریح کی ہے۔ت) مکانیات سے قرب مکانی ہوگا، زمانیات سے قرب زمانی، متعالی عن المکان والزمان سے قرب مکانت، کما فی قولہ تعالٰی عند ملیک مقتدر[5] (جیسا کہ اللہ تعالٰی کے ارشاد گرامی میں ہے: (عظیم قدرت والے بادشاہ کے حضور۔ت) تو نظر باصل معنی کہ عند لغت میں بمعنی جانب وناحیہ تھا کما فی القاموس[6] (جیسا کہ قاموس میں ہے۔ت) اور اتحاد جہت مستلزم قرب، اور وہ ہنگام حقیقت قرب مکانی کہ جہت حقیقیہ مختص بمکانیات ہے، اُسے ظرف مکان کہیں صحیح اور نظر بحال کہ یہ قرب حسی ومعنوی سب کو شامل ہو کر زمانیات کو بھی متناول ہوگیا ظرف زمان ومکان دونوں کہیں بھی صحیح،

ھذا ما ظھر لی ولہ استعمالات اُخر یہ تمام وہ تھا جو مجھ پر آشکار ہوا اس کے دیگر استعمالات

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الاربعون فی معرفۃ معانی الادوات مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۶۵

[2] القاموس المحیط تحت فصل العین باب الدال مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۳۰

[3] تاج العروس " " احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۵-۴۳۴

[4] مسلم الثبوت مسائل ادوات التعلیق مطبع انصاری دہلی ص ۶۸

[5] القرآن ۵۴/ ۵۵

[6] القاموس المحیط تحت فصل العین باب الدال احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۳۰

منسلخ فیھا عن معنی الظرفیة کالحکم و الاعتقاد کقولك ھذا عند ابی حنیفة و الفضل و الاحسان کقولہ تعالٰی فان اتممت عشرا فمن عندك[1] وغیر ذٰلك کما ذکرہ الحریری فی درۃ الغواص لیس ھذا مقام تفصیلھا۔

بھی ہیں جو معنی ظرفیت کے علاوہ ہیں، مثلاً حکم اور اعتقاد جیسا کہا جائے یہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے یا بمعنی فضل و احسان کے مثلاً اللہ تعالٰی کا مبارک فرمان ہے پس اگر آپ دس مکمل کریں تو تمہارا احسان ہے، ان کے علاوہ دیگر معانی بھی ہیں جنھیں حریری نے درۃ الغواص میں ذکر کیا ہے لیکن یہ مقام تفصیل نہیں (ت)

معانی از قبیل ثانی ہیں اور افطار منجملہ معانی تو اس سے مراد وہی قرب زمانی، ہر ذی عقل جانتا ہے کہ عند الافطار کے معنی حین الافطار ہیں نہ کہ فی مکان الافطار ای مکان کان فیہ المفطر حین افطر والا فالافطار لیس مما یحل فی المکان (افطار کے وقت جہاں افطار کرنے والا ہو ورنہ افطار خود مکان میں حلول نہیں کرتا۔ ت) کیا آج اگر کسی شخص نے ایک جگہ روزہ افطار کیا اور چھ مہینے بعد آکر اس جگہ پر دُعاءِ مذکور پڑھ لے یا چار پہر تک وہیں بیٹھا رہا صبح کو دُعا پڑھے تو یقول عند الافطار (افطار کے وقت کہے۔ ت) کا حکم ادا ہوگیا کہ آخر مکان تو وہی ہے، لاجرم ماننا پڑے گا کہ یہاں عند سے اتحاد زمان ہی مفاد اور اتحاد سے وہی تعقیب متصل مراد، یہ سب واضحاتِ جلیلہ ہیں جن کی اضاحت گویا وقت کی اضاعت، مگر کیا کیجئے کہ بعد وہم واہم وورود سوال حاجتِ ازاحت۔

ان تقریرات سے بحمد اللہ تعالٰی تمام سوالوں کا جواب ہوگیا اور روشن طور پر منجلی ہُوا کہ مقتضائے سنّت یہی ہے کہ بعد غروب جو خُرمے یا پانی وغیرہ پر قبل از نماز افطار معجل کرتے ہیں اُس میں اور علم بغروب شمس میں اصلاً فصل نہ چاہئے یہ دُعائیں اس کے بعد ہوں، ہاں کبھی افطار مقابلِ سحور اس کھانے کو کہتے ہیں جو صائم شام کو کھاتا ہے۔

ابن خزیمۃ فی صحیحہ ومن طریقہ البیھقی وابو الشیخ بن حبان فی الثواب عن سلمان الفارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ یرفعہ الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی فضائل شھر رمضان قال من فطر فیہ صائما کان مغفرۃ لذنوبہ وعتق رقبتہ

ابن خزیمہ نے صحیح میں، اور اسی طریق سے بیہقی نے اور ابوالشیخ بن حبان نے الثواب میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فضائلِ رمضان کے بارے میں مرفوعاً بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بیان فرمایا جس نے کسی کا روزہ افطار کروایا اس کے گناہ معاف اور اس کی گردن جہنم سے آزاد

---

[1] القرآن ٢٨/٢٧

من النار، وكان له مثل اجره من غيران ينقص من اجره شئ، قالوا یارسول الله ليس كلنا يجد مايفطر الصائم[1] الحديث و في رواية ابی الشيخ فقلت یارسول الله افرأيت من لم يكن ذلك عنده؟ قال فقبضة من طعام، قلت افرأيت ان لم يكن عنده، لقمة خبز قال فمذقة من لبن قال افرأيت ان لم يكن عنده، قال فشربة من ماء[2] وفي حديث ابی داؤد وغيره بسند صحيح عن انس رضی الله تعالٰی عنه ان النبی صلی الله تعالٰی عليه وسلم جاء الى سعد بن عبادة فجاء بخبز وزيت فاكل ثم قال النبي صلى الله عليه وسلم افطر عندكم الصائمون واكل طعامكم الابرار وصلت عليكم الملئكة[3] و في لفظ افطرنا مرة مع رسول الله صلى الله تعالٰی عليه وسلم فقربوا اليه زيتا فاكل و اكلنا حتى فرغ قال اكل طعامكم الابرار وصلت عليكم الملئكة وافطر عندكم الصائمون۔

ہوجائے گی، اور اس کے لیے روزہ دار کے برابر اجر ہوگا اور روزہ دار کے اجر میں بھی کمی نہ ہوگی۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو روزہ دار کو سیر ہوکر کھانا کھلانے کی طاقت نہیں رکھتے الحدیث۔ اور ابوالشیخ کی روایت میں ہے میں نے عرض کیا یارسول اللہ! اس کے بارے میں کیا حکم ہے جس کے پاس آنا نہ ہو؟ فرمایا تو ایک مٹھی طعام سہی۔ میں نے عرض کیا اگر اس کے پاس روٹی کا ٹکڑا نہ ہو؟ فرمایا دُودھ کا گھونٹ۔ عرض کیا اگر یہ بھی نہ ہو؟ فرمایا پانی کا گھونٹ پیش کرے۔ اور ابوداؤد وغیرہ میں سندِ صحیح کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سعد بن عبادہ کے پاس آئے انھوں نے روٹی اور زیتون پیش کیا، آپ نے تناول کیا اور فرمایا تمھارے پاس روزہ داروں نے افطار کیا، تمھارا کھانا ابرار نے کھایا اور تم پر ملائکہ نے رحمت کی دعا کی۔ دوسری روایت کے الفاظ ہیں: ایک دفعہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ افطاری کی آپ کی خدمت اقدس میں زیتون پیش کیا گیا آپ نے اور ہم سب نے تناول کیا جب فارغ ہُوئے تو فرمایا: تمھارے کھانے کو نیک لوگوں نے کھایا تمھارے لیے ملائکہ نے دعا کی اور تمھارے

---

[1] صحیح ابن خزیمہ باب فضائل شہر رمضان المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۱۹۲

[2] کنز العمال بحوالہ حب حدیث ۲۳۶۵۸ موسسۃ الرسالہ بیروت ۸/ ۴۶۰

الترغیب والترہیب بحوالہ ابن حبان فی کتاب الثواب الترغیب فی اطعام الطعام مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۴۴

[3] سنن ابی داؤد کتاب الاطعمۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۸۲

پاس روزہ داروں نے افطار کیا۔ (ت)

اسی طعامِ شام سے پہلے ایک دُعا وارد ہُوئی ہے اُس میں بھی یہ الفاظ موجود ہیں :

الدارقطنی فی الافراد عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا قرب الی احدکم طعامہ وھو صائم فلیقل بسم اللہ والحمد للہ اللھم لک صمت وعلٰی رزقک افطرت وعلیک توکلت سبحٰنک وبحمدک تقبل منّی انک انت السمیع العلیم[1]۔

امام دارقطنی نے افراد میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا "جب تمھارے پاس کھانا لایا جائے اور تم حالتِ روزہ میں ہو تو یہ کلمات کہو اللہ کے نام کے ساتھ شروع، تمام حمد اللہ کے لیے ہے، اے اللہ! میں نے تیرے لیے روزہ رکھا اور تیرے رزق پر افطار کیا اور تجھ پر توکل کیا، تیری ذات مقدس ہے اور حمد تیری ہے، مجھ سے قبول فرمالے، بیشک تُو سُننے اور جاننے والا ہے۔" (ت)

حدیث طبرانی :

عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ قال کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا افطر قال بسم اللہ اللھم لک صمت وعلٰی رزقک افطرت[2]۔

حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب افطار فرماتے تو کہتے: "اللہ کے نام کے ساتھ، اے اللہ! میں نے تیرے لیے روزہ رکھا اور تیرے رزق پر افطار کیا۔" (ت)

میں کہ ظاہر تسمیہ مشعرِ تقدیم ہے، اگر افطار سے یہی طعامِ شام بمعنی مذکور مراد، جب تو مرا واضح ہے، ورنہ وہ لبسببِ شدتِ ضعف قابلِ احتجاج نہیں، اس کی سند میں داؤد بن الزبرقان متروک ہے۔

قال فی التقریب التھذیب متروک وکذبہ الازدی[3] اھ قلت

التقریب التہذیب میں ہے کہ یہ متروک ہے اور ازدی نے اسے کاذب کہا ہے اھ میں کہتا ہوں

---

[1] کنز العمال بحوالہ قط فی الافراد حدیث ۲۳۸۷۳ مکتبۃ التراث الاسلامی حلب ۸/ ۵۰۹

[2] مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی اوسط باب مایقول اذا افطر دار الکتاب بیروت ۸/ ۱۵۶

[3] تقریب التہذیب تحت حرف الدال دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۲۷۹

یا ممنوع، اور میت کو ثواب قرآن خوانی و کھانا وغیرہ کا ملتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

دیوبندی عقیدہ والوں کی نسبت علمائے کرام حرمین شریفین نے بالاتفاق تحریر فرمایا ہے کہ یہ لوگ اسلام سے خارج ہیں۔ اور فرمایا ہے: من شك فی عذابه وکفرہ فقد کفر[1] جو ان کے کافر ہونے میں شک کرے وُہ بھی کافر ہے۔ اُن کی کوئی بات نہ سُنی جائے نہ اُن کی کسی بات پر عمل کیا جائے جب تک اپنے علماء سے تحقیق نہ کرلیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

وایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم[2] اُن سے دُور بھاگو اور اُنھیں اپنے سے دُور کریں، کہیں وُہ تم کو گمراہ نہ کردیں کہیں وُہ تم کو فتنہ میں نہ ڈال دیں۔

اور اُن کا بتایا ہُوا کوئی مسئلہ اگر صحیح بھی نکلے تو اُس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ عالم ہیں، یا اُن کے اور مسائل بھی صحیح ہوں گے۔ دنیا میں کوئی ایسا فرقہ نہیں جس کی کوئی نہ کوئی بات صحیح نہ ہو۔ مثلاً یہود و نصارٰی کی یہ بات صحیح ہے کہ موسٰی علیہ الصلوۃ والسلام نبی ہیں، کیا اس سے یہودی اور نصرانی سچے ہوسکتے ہیں! رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: الکذوب قد یصدق[3] بڑا جھُوٹا بھی کبھی سچ بولتا ہے۔ دیوبندی تو اموات مسلمین کو ثواب پہنچانے ہی سے جلتے ہیں۔ فاتحہ، سوم، دہم، چہلم سب کو حرام کہتے ہیں۔ یہ سب باتیں جائز ہیں، میت کو قرآن خوانی و طعام خورانی دونوں کا ثواب پہنچتا ہے۔ تیجے و چالیسویں وغیرہ کا تعین عرفی ہے جس سے ثواب میں خلل نہیں آتا۔ ہاں قرآن خوانی پر اُجرت لینا دینا منع ہے۔ اس کا طریقہ یہ کیا جائے کہ حافظ کو مثلاً چالیس دن کے لیے نوکر رکھ لیں کہ جو چاہیں کام لیں گے اور یہ تنخواہ دیں گے، پھر اُس سے قبر پر پڑھنے کا کام لیا جائے۔ اب یہ اُجرت بلاشبہہ جائز ہے کہ اُس کے وقت کے مقابل ہے نہ کہ تلاوتِ قرآن کے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۴۸ تا ۲۵۰: از شہر محلہ بہاری پور مسئولہ عبدالجبار صاحب ۲۳ محرم ۱۳۳۹ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ قرآن شریف پڑھ کر یا زیارتِ قبور و ختم تہلیل کرکے جس میں ایصالِ ثواب مقصود ہوتا ہے اُجرت لینا جو حرام ہے وہ قطعی حرام ہے یا نہ؟

(۲) بلاتعین اُسی وقت اگر قاری کو کچھ دے دیا جائے وُہ بھی حرام ہے یا نہ؟

---

[1] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۵۶
[2] مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب فصل اول مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۸
[3] مجمع بحار الانوار تحت لفظ صدق نولکشور لکھنؤ ۲/۲۳۹

صومِ نفل

مسئلہ ۲۷۳: از بنارس محلہ مانپور متصل کول چوزہ اونچی سیڑھی مرسلہ عبدالستار ۱۵ شوال ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ۲۷ تاریخ ماہ رجب کی روزہ رکھنا چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

بیہقی شعب الایمان اور دیلمی نے مسند الفردوس میں سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مرفوعًا روایت کی:

فی رجب یوم ولیلۃ من صام ذٰلک الیوم وقام تلک اللیلۃ کان کمن صام من الدھر مائۃ سنۃ وقام مائۃ سنۃ وھو لثلث بقین من رجب وفیہ بعث اللہ تعالٰی محمدًا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔[1]

رجب میں ایک دن اور رات ہے جو اس دن کا روزہ رکھے اور وہ رات نوافل میں گزارے سو برس کے روزوں اور سو برس کی شب بیداری کے برابر ہو، اور وہ ۲۷ رجب ہے اسی تاریخ اللہ عزوجل نے محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔

قال البیھقی منکر[2] (امام بیہقی نے اس روایت کو منکر کہا ہے۔ ت) نیز اسی میں بطریق ابان

---

[1] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۴۳۸۱ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۳/۱۴۲

شعب الایمان حدیث ۳۸۱۱ دارالکتب العلمیہ بیروت ۳/۳۷۴

[2] کنز العمال بحوالہ ھب حدیث ۳۵۱۶۹ مکتبۃ التراث الاسلامی بیروت ۱۲/۳۱۲

بن عیاش حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً مروی:

فی رجب لیلۃ یکتب للعامل فیھا حسنات مائۃ سنۃ وذلک لثلث بقین من رجب فمن صلی فیہ اثنتی عشرۃ رکعۃ یقرأ فی کل رکعۃ فاتحۃ الکتاب وسورۃ من القراٰن ویتشھد فی کل رکعتین ویسلم فی اٰخرھن ثم یقول سبحٰن اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر مائۃ مرۃ ویستغفر اللہ مائۃ مرۃ ویصلی علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مائۃ مرۃ ویدعو لنفسہ ما شاء من امر دنیاہ واٰخرتہ ویصبح صائما فان اللہ یستجیب دعاءہ کلہ الا ان یدعو فی معصیۃ۔[1] قال البیھقی ھو اضعف من الذی قبلہ،[2] قال ابن حجر فیہ متھمان۔[3]

رجب میں ایک رات ہے کہ اس میں عمل نیک کرنے والے کو سو برس کی نیکیوں کا ثواب ہے اور وہ رجب کی ستائیسویں شب ہے جو اس میں بارہ رکعت پڑھے ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور ایک سورت، اور ہر دو رکعت پر التحیات اور آخر میں بعد سلام سبحٰن اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ و اللہ اکبر سو بار، استغفار سو بار، درود سو بار اور اپنی دنیا وآخرت سے جس چیز کی چاہے دعا مانگے اور صبح کو روزہ رکھے تو اللہ تعالٰی اس کی سب دعائیں قبول فرمائے سوائے اس دعا کے جو گناہ کے لیے ہو۔ (بیہقی فرماتے ہیں یہ روایت سابقہ روایت سے زیادہ ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں اس کے دو راوی متہم بالکذب ہیں۔ ت)

فوائد ہناد میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی:

بعثت نبیا فی السابع والعشرین من رجب فمن صام ذلک الیوم ودعا عند افطارہ کان لہ کفارۃ عشر سنتین۔[4] اسنادہ منکر۔

۲۷ رجب کو مجھے نبوت عطا ہوئی جو اس دن کا روزہ رکھے اور افطار کے وقت دعا کرے دس برس کے گناہوں کا کفارہ ہو (اس کی اسناد منکر ہے۔ ت)

---

[1] شعب الایمان حدیث ۳۸۱۲ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/۳۷۴

[2] کنز العمال بحوالہ شعب الایمان حدیث ۳۵۱۷۰ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/۳۱۲

[3] ماثبت بالسنۃ مع اردو ترجمہ بحوالہ ابن حجر ذکر ماہ رجب ادارہ نعیمیہ رضویہ لال کھوہ موچی گیٹ لاہور ص ۲۵۲

[4] تنزیہ الشریعۃ بحوالہ فوائد ہناد کتاب الصوم حدیث ۴۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/۱۶۱

جزء ابی معاذ مروزی میں بطریق شہر ابن حوشب ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے موقوفاً مروی:

من صام یوم سبع وعشرین من رجب کتب اللہ لہ صیام ستین شہرا وھو الیوم الذی ھبط فیہ جبریل علی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالرسالۃ [1]

جو رجب کی ستائیسویں کا روزہ رکھے تو اللہ تعالٰی اس کے لیے ساٹھ مہینوں کے روزوں کا ثواب لکھے اور وہ وہ دن ہے جس میں جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام محمد صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لیے پیغمبری لے کر نازل ہوئے۔

تنزیہ الشریعۃ سے ماثبت بالسنۃ میں ہے:

وھذا امثل ماورد فی ھذا المعنی [2]

یہ ان سب حدیثوں سے بہتر ہے جو اس باب میں آئیں۔

بالجملہ اس کے لیے اصل ہے اور فضائلِ اعمال میں حدیثِ ضعیف باجماعِ ائمہ مقبول ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۴ ۱۲ شعبان المعظم ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ روزہ رکھنا ماہِ مبارک رجب مرجب کی ۲۷ تاریخ کو سوا رمضان کے بہ نسبت اور روزوں کے فضیلت رکھتا ہے یا نہیں؟ اور اگر رکھتا ہے تو کیا وجہ ہے اور ماسوا اس روزے کے درمیان سال بھر کے اور کون کون روزہ ایسا ہے جس کو حضرت رسولِ خدا صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد واسطے روزہ رکھنے کے فرمایا ہے اور اگر کوئی شخص روزہ ۲۷ رجب المرجب کو رکھے تو کس قدر مستحقِ ثواب کا رہوگا؟ اور نیز دوسرے روزوں میں؟ اور اگر کوئی منع کرے اوروں کو اور منکر ہو خود، تو وہ کون ہے گنہگار ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

صوم وغیرہ اعمالِ صالحہ کے لیے بعد رمضان مبارک سب دنوں سے افضل عشرۂ ذی الحجہ ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ما من ایام العمل الصالح فیھن احب الی اللہ تعالٰی من ھذہ الایام العشر قالوا یا رسول اللہ

دس دنوں سے زیادہ کسی دن کا عملِ صالح اللہ عزوجل کو محبوب نہیں، صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ

---

[1] تنزیہ الشریعۃ بحوالہ جزء ابی معاذ کتاب الصوم حدیث ۴۱ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۱۶۱

[2] ایضاً

ماثبت بالسنۃ مع اردو ترجمہ ذکر ماہِ رجب ادارہ نعیمیہ رضویہ لال کھوہ موچی گیٹ لاہور ص ۲۳۴

ولا الجهاد فی سبیل اللہ قال ولا الجہاد فی سبیل اللہ الا رجلا خرج بنفسہ ومالہ ثم لم یرجع من ذلک بشیئ[1] رواہ البخاری والترمذی وابوداؤد وابن ماجۃ والطبرانی فی الکبیر بسند جید والبیھقی کلھم عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما والطبرانی فیہ بسند صحیح عن ابن مسعودؓ والبزار فی مسندہ بسند حسن وابویعلی بسند صحیح وابن حبان فی صحیحہ عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

اور نہ راہِ خدا میں جہاد ؟ فرمایا: اور نہ راہِ خدا میں جہاد مگر وُہ کہ اپنی جان و مال لے کر نکلے پھر اُن میں سے کچھ واپس نہ لائے (اسے بخاری، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور طبرانی نے المعجم الکبیر میں سندِ جید کے ساتھ اور بیہقی تمام حضرات نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے اور اس میں طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ اور بزار نے اپنی مسند میں سندِ حسن کے ساتھ اور ابویعلٰی نے سندِ صحیح کے ساتھ اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے روایت کیا ہے۔ ت)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ما من ایام احب الی اللہ ان یتعبد لہ فیہا من عشر ذی الحجۃ یعدل صیام کل یوم منہا بصیام سنۃ وقیام کل لیلۃ منہا بقیام لیلۃ القدر[2] رواہ الترمذی وابن ماجۃ والبیھقی۔

اللہ عزوجل کو عشرۂ ذی الحجہ سے زیادہ کسی دن کی عبادت پسندیدہ نہیں، اُن کے ہر دن کا روزہ ایک سال کے روزوں اور ہر شب کا قیام شبِ قدر کے برابر ہے۔ (اسے ترمذی، ابن ماجہ اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ ت)

خصوصًا روزِ عرفہ کہ افضل ایامِ سال ہے، اس کا روزہ صحیح حدیث سے ہزاروں روزوں کے برابر ہے اور دو سال کامل کے گناہوں کی معافی، ایک سال گزشتہ اور ایک سالِ آئندہ۔

الائمۃ الستۃ الا البخاری عن ابی قتادۃ رضی اللہ عنہ

بخاری کے علاوہ ائمہ ستّہ نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ

---

[1] جامع الترمذی باب ماجاء فی العمل فی ایام العشر امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۹۴
صحیح البخاری باب فضل العمل فی ایام التشریق قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۳۲
السنن الصغرٰی للبیہقی باب العمل الصالح فی العشر الخ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/۳۷۸

[2] جامع الترمذی باب ماجاء فی العمل فی ایام العشر امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۹۴
سُنن ابن ماجہ باب صیام العشر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۲۵

قال سئل رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم عن صوم یوم عرفة قال یکفر السنة الماضیة والباقیة[1] ولابی یعلی بسند صحیح عن سهل بن سعد رضی الله تعالٰی عنه قال قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم من صام یوم عرفة غفر له ذنب سنتین متتابعین[2] وللطبرانی بسند حسن والبیهقی واللفظ له عن ام المؤمنین رضی الله تعالٰی عنها قالت کان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم یقول صیام یوم عرفة کصیام الف یوم[3]

سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم سے یوم عرفہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا: یہ سال گزشتہ اور آئندہ کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔ اور ابویعلٰی نے سندِ صحیح کے ساتھ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے عرفہ کے دن روزہ رکھا اس کے مسلسل دو سالوں کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ اور طبرانی میں سندِ حسن کے ساتھ اور بیہقی نے اور بیہقی کے الفاظ ہیں ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا گیا ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم فرمایا کرتے کہ عرفہ کے دن کے روزہ کا ثواب ہزار دن کے روزوں کے برابر ہے (ت)

پھر سب دنوں سے افضل روزہ عاشورہ یعنی دہم محرم کا روزہ ہے اس میں ایک سال گزشتہ کے گناہوں کی مغفرت ہے، رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من صام یوم عرفة غفر له سنة امامه وسنة خلفه ومن صام عاشوراء غفر له سنة[4] رواه الطبرانی بسند حسن فی معجمه الاوسط عن ابی سعید الخدری رضی الله تعالٰی عنه۔

جس نے عرفہ کا روزہ رکھا اس کے پہلے اور آئندہ کے سال کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور جس نے عاشوراء کا روزہ رکھا اس کے ایک سال کے گناہ معاف کردئے جاتے ہیں۔ اسے طبرانی نے معجم الاوسط میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے (ت)

---

[1] صحیح مسلم — کتاب الصیام — قدیمی کتب خانہ کراچی — ۱/۳۶۸
سنن ابن ماجہ — باب صیام العشر — ایچ ایم سعید کمپنی کراچی — ص ۱۲۵
[2] مسند ابویعلٰی — حدیث ۷۵۱۰ — مؤسسہ علوم القرآن بیروت — ۶/۵۰۵
[3] شعب الایمان — حدیث ۳۷۶۴ — دارالکتب العلمیہ بیروت — ۳/۳۵۷
[4] الترغیب والترہیب بحوالہ معجم اوسط — الترغیب فی صوم یوم عرفہ الخ — مصطفی البابی مصر — ۲/۱۱۲

محرم کے ہر دن کا روزہ ایک مہینہ کے روزوں کے برابر ہے۔

الطبرانی فی الکبیر والصغیر عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما بسند لاباس بہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من صام یوما من المحرم فلہ بکل یوم ثلثون حسنۃ[1]

طبرانی نے معجم کبیر اور صغیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ایسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے جس میں کوئی حرج نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے محرم کا ایک روزہ رکھا اس کے لیے ہر دن میں تیس ۳۰ نیکیاں ہیں (ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

افضل الصوم بعد رمضان شعبان لتعظیم رمضان[2] رواہ الترمذی واستغربہ والبیہقی فی الشعب وفیہ صدقۃ بن موسٰی۔

رمضان کے بعد سب سے افضل شعبان کے روزے ہیں تعظیم رمضان کے لیے۔ اسے ترمذی نے روایت کرکے غریب کہا اور بیہقی نے شعب الایمان میں ذکر کیا، اور اس میں ایک راوی صدقہ ابن موسٰی ہے (ت)

تو ۲۷ رجب کے روزے کو بعد رمضان سب روزوں سے افضل کہنا صحیح نہیں، ہاں بعض احادیث اُس کی فضیلت میں مروی ہوئیں کہ فقیر نے اپنے فتاوٰی میں ذکر کیں، اُن سب میں بہتر حدیث موقوف ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

من صام یوم سبع وعشرین من رجب کتب اللہ تعالٰی لہ صیام ستین شھرا[3]

جو ۲۷ رجب کا روزہ رکھے اللہ تعالٰی اُس کے لیے پانچ برس کے روزوں کا ثواب لکھے۔

ایسی جگہ حدیث موقوف مثل مرفوع ہے کہ تعیین مقدار اجر کی طرف رائے کو اصلاً راہ نہیں، اور حدیث ضعیف[4] فضائل اعمال میں باجماعِ ائمہ مقبول ہے کما فصلناہ بما لامزید علیہ فی رسالتنا الھاد الکاف فی حکم الضعاف (اس کی پوری تفصیل جس پر اضافہ دشوار ہے ہم نے اپنے رسالہ الھاد الکاف فی حکم الضعاف

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۱۱۰۸۲ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۱/ ۷۲

[2] جامع الترمذی ابواب الزکوٰۃ باب ماجاء فی فضل الصدقۃ امین کمپنی دہلی ۱/ ۸۴
شعب الایمان حدیث ۳۸۱۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۳۷۷

[3] تنزیہ الشریعۃ بحوالہ جزء ابی معاذ کتاب الصوم حدیث ۴۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۱۶۱

[4] اس کے مطالعہ کے لیے رسالہ "منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین" ملاحظہ ہو جو فتاوٰی رضویہ (جدید) جلد ۵ کے ص ۴۲۹ پر ہے۔

میں کی ہے ۔ت) احادیثِ صحاح وحسان وصوالح میں اور بھی بہت روزوں کے فضائل آئے ہیں جیسے شش عید و ایام بیض کہ دونوں میں ہرایک سال بھر کے روزوں کا ثواب لاتا ہے کہ من جاء بالحسنة فله عشر امثالها[1] (جس نے کوئی نیکی کی اسے اس کا دس گنا اجر ملے گا ۔ت) وروزہ دوشنبہ و روزہ پنجشنبہ وروزہ چہارشنبہ و پنجشنبہ کہ دوزخ سے آزاد ہیں[2] اور روزہ چہارشنبہ وپنجشنبہ وجمعہ کہ جنت میں گوہر و یاقوت و زبرجد کا گھر بناتے ہیں[3] بلکہ روزہ جمعہ یعنی جب اس کے ساتھ پنجشنبہ یا شنبہ بھی شامل ہو مروی ہوا کہ دس ہزار برس کے روزوں کے برابر ہے[4] رواہ البیہقی عن ابی ھریرة رضی اللہ تعالٰی عنہ مرفوعًا (اسے بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مرفوعًا نقل کیا ہے ۔ت) روزہ سے منع کرنا خیر سے منع کرنا اور مناع للخیر (خیر سے روکنے والا) کے وبال میں داخل ہونا ہے جب تک ذاتًا یا عارضًا ممانعتِ شرعیہ نہ ثابت ہو، ۲۷ کے علاوہ بھی روزہ ہائے رجب میں احادیث کثیرہ وارد ہیں جن میں بعض خود اور بعض بتعدد مرتبہ صالح رکھتی ہیں، شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ القوی نے ماثبت بالسنة میں اُن کی تفصیل فرمائی۔

وما یروی عن الفاروق الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ فلان رجب کانت تعظمہ الجاھلیة ایضا وقد کان العھد قریبا والاحکام لم تتبین عند کثیر من الاعراب فتخشی الزیادة ولکل وجھة ھو مولیھا ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اور جو فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے پس اس لئے کہ اہلِ جاہلیت بھی رجب کی تعظیم کرتے تھے زمانہ جاہلیت اسلام سے قبل قریب تھا اور بہت سے عربوں پر احکام اچھی طرح واضح نہ ہوسکے تھے تو اس لئے رجب کے روزوں کے متعلق بیان میں از خود اضافہ کرنے کا خدشہ موجود ہے جبکہ ہر ایک کیلئے اپنے عمل کی راہ ہے ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۷۵ از موضع سرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب ۱۳۳۱ھ

اکثر عورتیں مشکل کشا علی کا روزہ رکھتی ہیں کیسا ہے؟

الجواب

روزہ خاص اللہ عزوجل کے لیے ہے، اگر اللہ کا روزہ رکھیں اور اس کا ثواب مولا علی کی نذر کریں

---

[1] القرآن ۶/ ۱۶۰

[2] کنز العمال حدیث ۲۴۱۹۱ مؤسسة الرسالہ بیروت ۸/ ۵۶۴

الترغیب والترھیب الترغیب فی صوم الاربعاء الخ مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۲۶

[3] شعب الایمان حدیث ۳۸۷۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۳۹۷

[4] الترغیب والترہیب الترغیب فی صوم الاربعاء مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۲۶

تو حرج نہیں مگر اس میں یہ کرتی ہیں کہ روزہ آدھی رات تک رکھتی ہیں، شام افطار نہیں کرتیں، آدھی رات کے بعد گھر کے کواڑ کھول کر کچھ دعا مانگتی ہیں اُس وقت روزہ افطار کرتی ہیں، یہ شیطانی رسم ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۶۰ از بلگرام شریف محلہ میدان پورہ مرسلہ حضرت صاحبزادہ سید ابراہیم میاں صاحب قادری دامت برکاتہم ۲۳ رمضان ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اعتکاف آخر عشرۂ رمضان شریف کا پورے دس روز میں ادا ہوتا ہے یا تین چار روز آخر میں بھی جائز ہے؟ ایک شخص کا بیان ہے کہ مقصود مشروعیت اعتکاف کے واسطے شرف ادراک لیلۃ القدر کی ہے یہ کامل دہے میں حاصل ہوگا، دوسرے شخص کا بیان ہے تین چار روز میں بھی جائز ہے ایسا دیکھا گیا ہے۔

الجواب

اعتکاف عشرۂ اخیرہ کہ سنتِ مؤکدہ علی وجہ الکفایہ ہے جس پر حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مواظبت و مداومت فرمائی پُورے عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف ہے، ایک روز بھی کم ہو تو سنّت ادا نہ ہوگی، ہاں اعتکافِ نفل کے لیے کوئی حد مقرر نہیں، ایک ساعت کا بھی ہوسکتا ہے، اگرچہ بے روزہ ہو۔ ولہذا چاہیے کہ جب نماز کو مسجد میں آئے نیت اعتکاف کرلے کہ یہ دوسری عبادت مفت حاصل ہوجائے گی، درمختار میں ہے:

سنۃ مؤکدۃ فی العشر الاخیر من رمضان ای سنۃ کفایۃ کما فی البرھان وغیرہ[1]۔

رمضان کے آخری عشرہ میں سنتِ مؤکدہ ہے یعنی سنّتِ کفایہ ہے، جیسا کہ برہان وغیرہ میں ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

واقلہ نفلا ساعۃ من لیل او نہار عند محمد، وھو ظاھر الروایۃ عن الامام لبناء النفل علی المسامحۃ وبہ یفتی والساعۃ فی عرف الفقھاء جزء من الزمان لاجزء من اربعۃ وعشرین کما یقولہ المنجمون

امام محمد کے نزدیک کم سے کم نفلی اعتکاف دن و رات میں ایک گھڑی کا بھی ہوسکتا ہے اور امام اعظم سے بھی ظاہر الروایت میں ہے کیونکہ نفل کی بناء آسانی پر ہے اور اسی پر فتوٰی ہے، عرف فقہاء میں ساعت کا مفہوم زمانے کا ایک جز ہے نہ کہ چوبیس گھنٹوں میں سے ایک گھنٹہ جو کہ اہل توقیت

---

[1] درمختار باب الاعتکاف مجتبائی دہلی ۱/۱۵۶

احمد بن حنبل وغیرہ من الائمۃ، اذا روینا فی الحلال والحرام شددنا واذ روینا فی الفضائل ونحوھا تساھلنا۔[1]

فرمایا ہے، جب ہم حلال وحرام یعنی باب احکام میں روایت کرتے ہیں تو شدت برتتے ہیں اور جب باب فضائل وغیرہ میں روایت کرتے ہیں تو نرمی رکھتے ہیں (ت)

اس مبحث کی تفصیل فقیر کی کتاب منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین میں ملاحظہ ہو۔ یہیں دیکھیے رثائے مذکور امیر المومنین کیا فضائل اعمال سے تھا، وہ بھی باب علم سے ہے، جس میں امام خاتم الحفاظ نے بعض علماء کی بے سند حکایت بھی کافی بتائی۔

ثانیاً علم رجال بھی مردود ہو جائے کہ وہ بھی علم ہے نہ عمل وفضل، عمل تو غیر قطعیات سب باطل ومہمل۔

ثالثاً دو تہائی سے زائد بخاری ومسلم کی حدیثیں محض باطل ومردود قرار پائیں۔

رابعاً عقائد واعمال میں تفرقہ جس پر اجماع ائمہ ہے ضائع جائے، کہ احکام حلال وحرام میں کیا اعتقاد حلت وحرمت نہیں لگا ہوا ہے، اور وہ عمل نہیں بلکہ علم ہے تو کسی شے کے حلال یا حرام سمجھنے کے لیے بخاری ومسلم کی حدیثیں مردود۔ اور جب حلال وحرام کچھ نہ جانیں تو اسے کیوں کریں اس سے کیوں بچیں!

خامساً بلکہ فضائل اعمال میں بھی احادیث صحیحین کا مردود ہونا لازم۔ حالانکہ ان میں ضعیف حدیثیں بھی یہ سفیہ خود مقبول مانتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس عمل میں یہ خوبی ہے، اس پر یہ ثواب یہ جاننا خود عمل نہیں بلکہ علم ہے اور علم باب عقائد سے ہے اور عقائد میں صحاح ظنیات مردود۔

سادساً اگلے صاحب نے تو اتنی مہربانی کی تھی کہ حدیث صحیح مرفوع متصل السند مقبول رکھی تھی، انہوں نے بخاری ومسلم بھی مردود کر دیں، جب تک قطعیات نہ ہوں کچھ نہ سنیں گے ؎

قدم عشق پیشتر بہتر

سابعاً ختم الٰہی کا ثمرہ دیکھئے، اسی براہین قاطعہ لما امر اللہ بہ ان یوصل میں فضیلت علم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو باب فضائل سے نکلوا کر اس تنگنائے اعتقادیات میں داخل کرایا تاکہ صحیحین بخاری ومسلم کی حدیثیں بھی جو وسعت علم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر دال ہیں مردود ٹھہریں۔ اور وہیں وہیں اُسی منہ میں محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے علم عظیم کی تنقیص کو محض بے اصل وبے سند حکایت سے سند لایا کہ شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں، حالانکہ حضرت شیخ

---

[1] انسان العیون خطبۃ الکتاب مصطفی البابی مصر ۱/ ۳و۴

کتابُ الحج

مسئلہ ۲۷۷ مسئولہ واحدیار خاں صاحب از بریلی ۴ ذی قعدہ ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورت کا حج کو جانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب

حج کی فرضیت میں عورت مرد کا ایک حکم ہے، جو راہ کی طاقت رکھتا ہو اُس پر فرض ہے مرد ہو یا عورت، جو ادا نہ کرے گا عذاب جہنّم کا مستحق ہوگا۔ عورت میں اتنی بات زیادہ ہے کہ اُسے بغیر شوہر یا محرم کے ساتھ لئے سفر کو جانا حرام ہے، اس میں کچھ حج کی خصوصیت نہیں، کہیں ایک دن کے راستہ پر بے شوہر یا محرم جائے گی تو گنہگار ہوگی، ہاں جب فرض ادا ہو جائے تو بار بار عورت کو مناسب نہیں کہ وُہ جس قدر پردے کے اندر رہے اُس قدر بہتر ہے۔ حدیث میں اس قدر ہے کہ رسول اللہ صلّے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اُمّہات المومنین کو حج کرا کر فرمایا ھذہ ثم حصر البیوت یہ ایک حج ہو گیا اس کے بعد گھر کی چٹائیاں۔ پھر یہ بھی اولویت کا ارشاد ہے نہ کہ عورت کو دُوسرا حج ناجائز ہے۔ ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے اس کے بعد پھر حج کیا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۸ تا ۲۸۰ از ایٹہ ۸ رمضان مبارک مرسلہ محمد اسحاق نائب مدرس تحصیلی اسکول

جناب مولانا صاحب! عرضِ حال ذیل کو ملاحظہ فرما کر جواب ضرور ضرور لکھ دیجئے گا،

(۱) زید خرچ زادِ راہ آمد و رفت کا اپنی ذات خاص سے رکھتا ہے اگر والدین اجازت حج مکہ معظمہ کی نہ دیں تو حج نامبردہ کا ہو سکتا ہے یا کیا؟

(۲) والدین پر قرضہ قلیل اور حقیت زمینداری اس سے کہیں زیادہ قیمت کی ہے۔
(۳) زید مذکور کی اہلیہ نیز عیال اطفال سے کوئی نہیں ہے۔

الجواب

جبکہ زید اپنے ذاتی روپے سے استطاعت رکھتا ہے تو حج اس پر فرض ہے، اور حج فرض میں والدین کی اجازت درکار نہیں بلکہ والدین کو ممانعت کا اختیار نہیں، زید پر لازم ہے کہ حج کو چلا جائے اگرچہ والدین مانع ہوں، والدین پر قرض ہونا اس شخص پر فرضیت میں خلل انداز نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۲۸۱ از شہر کہنہ مسئولہ سید محمد نور اللہ صاحب اشرفی جیلانی محرر دار الافتائے اہلسنت بریلی ۸ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کو بوجہ ہونے امکان حج کے جب کبھی حج کی ترغیب دی تو کہتا ہے کہ ہم نے حاجیوں کی اکثر مدد کی ہے پس ہم پر حج کرنا فرض نہیں ہے اور کسی عالم کا قول نہیں مانتا پس کیا اس سے حج شرعاً ساقط ہے؟

الجواب

یہ کلمہ کفر ہے، حاجیوں کی مدد کرنے سے حج ساقط نہیں ہوسکتا، اس شخص پر توبہ وتجدید اسلام فرض ہے، تجدید نکاح وتجدید اسلام کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸۲ از بدایوں مولوی محلہ مکان عطا احمد صاحب از طرف اہلیہ شاہ ابو الحسین صاحب مرحوم ومغفور ۷ رمضان ۱۳۲۹ھ

حضرت جناب مولانا صاحب! بعد سلام سنت واضح ہو مجھ کو سخت ضرورت وانتشار برائے دریافت ایک امر واقع ہوگیا وہ یہ ہے کہ میں اس سال جو حج بیت اللہ کو جاتی ہوں تو بارادہ حج بدل اپنے پیر ومرشد جناب نانا صاحب حضرت شاہ آل رسول صاحب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے جاتی ہوں مارہرہ آکر ایک امر جدید دریافت ہوا کہ جس سے آج تک اور اب تک بے خبر محض تھی، وہ امر یہ کہ جناب مرحومہ مغفورہ والدہ صاحبہ جو بیت اللہ تشریف لے گئی تھیں وہاں جاکر ان کو مرض الموت پیدا ہوا اور بتاریخ آٹھویں ذی الحجہ مقام منٰی پہنچ کر انتقال ہوگیا اور حج نہیں ہوا، تو مجھ پر اب حج والدہ مغفورہ لازمی ہوگیا، چونکہ میں اپنے ہمراہ بوجہ محرمیت برادرزادہ کو لیے جاتی ہوں جس کی عمر ۱۹ سال کی ہے اور اول مرتبہ یہ برادرزادہ بیت اللہ جاتا ہے تو دریافت طلب آپ سے یہ امر ہے کہ میں اس بچہ سے حج والدہ مغفورہ کرادوں اور خود حج بعوض پیرومرشد

کروں اور میں سابق میں اپنے شوہر اور اپنے والد مغفور کا حج کرکے آئی ہوں اور میرا ذاتی حج عرصہ اٹھارہ سال ہُوا کہ ہو چکا تھا، اگر برادر زادہ سے حج والدہ مرحومہ نہ ہو سکتا ہو تو میں خود قیام کرکے ایک سال تک دونوں حج مرشد و والدہ ادا کردوں، ان امور کا جواب جلد مرحمت ہو۔

الجواب

بعد ادائے تسلیم خادمانہ ملتمس اگر حضرت کی والدہ ماجدہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہا پر اُسی سال حج فرض ہُوا تھا اُس سے پہلے کسی برس میں مال وغیرہ اتنا نہ تھا کہ حج فرض ہوتا تو جب تو ان کا حج بفضلہٖ تعالٰے ادا ہوگیا، بلکہ ایسا ادا ہُوا کہ ان شاء اللہ قیامت تک ہر سال حج ادا کرتی رہیں گی اور اگر اس سال سے پہلے فرض ہو چکا تھا تو البتہ حج فرض اُن پر باقی رہا، حضرت اُن کی طرف سے ادا فرمائیں یا ادا کرادیں تو اجرِ عظیم ہے، اب دیکھا جائے کہ یہ صاحبزادے جب سے بالغ ہُوئے کسی سال زمانہ حج میں مال وغیرہ اتنا سامان ان کے پاس تھا کہ ان پر حج فرض ہوگیا یا اب تک ان پر فرض نہ ہُوا اور اگر اُن پر اصلاً فرض نہ ہُوا تو حضرت اُن کو والدہ ماجدہ کی طرف سے حج کرادیں اور خود حضور پُرنور پیر و مرشد برحق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف سے کریں، اور اگر خود اُن پر حج فرض ہولیا ہو تو یہ دوسرے کی طرف سے حج کرنے سے گنہگار ہوں گے مگر حج جس کی طرف سے کریں گے ادا ہو جائے گا ان پر گناہ رہے گا اور ایسی صورت میں اُن سے حج غیر کرانا بھی مکروہ ہے کہ ایک گناہ کا حکم دینا ہے، زیادہ حدِ ادب!

مسئلہ ۲۸۳ از نواب مولوی سلطان احمد خاں صاحب ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حج بدل کی کیا کیا شرائط ہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

حج بدل یعنی نیابۃً دوسرے کی طرف سے حج فرض ادا کرنا کہ اُس پر سے اسقاطِ فرض کرے ان شرائط سے مشروط ہے:

(۱) جس کی طرف سے حج کیا جائے قبل احجاج اس پر حج فرض ہو، اگر فقیر نے حج کرادیا پھر غنی ہوا خود حج کرنا فرض ہوگا۔

(۲) محجوج عنہ حج بدل یعنی نائب کے وقوفِ عرفہ کرنے سے پہلے خود ادا سے عاجز ہو، اگر بحالِ قدرت حج کرایا پھر عاجز ہوگیا از سرِ نو احجاج لازم ہوگا۔

(۳) عجز اگر ممکن الزوال تھا مثل حبس و مرض، تو شرط ہے کہ تادمِ مرگ دائم رہے، اگر بعد حج خود قادر ہوا خود ادا فرض ہوگی بخلاف اس عجز کے کہ قابلِ زوال نہیں جیسے نابینائی اگر بطورِ خرقِ عادت

بعد احجاج زائل بھی ہوجائے اعادہ ضرور نہیں۔

(۴) حج بدل کرنے والا تنہا ایک محجوج عنہ کی طرف سے حج واحد کی نیت کرے مثلاً احرمت عن فلان یا اللھم لبیک عن فلان[1] اگر اس کی طرف سے نیت نہ کی یا دو حج کی نیت کی ایک اس کی طرف سے ایک اپنی طرف سے یا دو شخصوں کی طرف سے نیت کی ایک اس کی جانب ایک مئیب آخر کی جانب سے، تو کافی نہ ہوگا۔

(۵) یہ حج بامر محجوج عنہ ہو بلا اجازت دوسرے کی طرف سے حج کافی نہ ہوگا مگر جبکہ وارث اپنے مورث کی طرف سے حج کرے یا کرائے لقیامہ مقامہ خلافۃ۔

(۶) مصارفِ آمد و رفت و سائر نفقہ حج کل یا اکثر مال محجوج عنہ سے ہوں۔

(۷) حج اگر بحیات محجوج عنہ ہو تو جسے اس نے امر کیا وہی حج کرے، وہ دوسرے سے کرا دے گا تو ادا نہ ہوگا اور اگر بعد وفات محجوج عنہ ہے تو مامور دوسرے کو بھی اپنی جگہ قائم کر سکتا ہے اگرچہ میت نے اس کا نام لے کر وصیت کی ہو کہ فلاں میری طرف سے حج کرے، ہاں اگر صراحۃً اس نے نہی کر دی تھی کہ وہی کرے، نہ دوسرا، تو اب دوسرا کافی نہیں۔

(۸) حج بدل کرنے والا اکثر راستہ سواری پر طے کرے اگر بادصف گنجائش نفقہ پیادہ حج کرے گا نفقہ واپس دے گا اور حج اس کی طرف سے نہ ہوگا۔

(۹) محجوج عنہ جب اہل آفاق سے ہو تو لازم ہے کہ اس کی طرف سے حج آفاقی کیا جائے اگر اس نے حج کو بھیجا اس نے عمرہ کا احرام باندھا بعد عمرہ موسم میں مکہ معظمہ سے احرام حج باندھا اس کی طرف سے حج نہ ہوگا کہ یہ حج مکی ہوا نہ آفاقی، ہاں اگر قریب حج میقات کی طرف نکل کر احرام حج میقات سے باندھے تو جائز ہے کہ حج آفاقی ہوا نہ مکی۔

(۱۰) مخالفت نہ کرے مثلاً تنہا حج کے لیے امر کیا تھا اس نے قران یا تمتع کیا نفقہ واپس دے گا اور حج اس کی طرف سے نہ ہوگا۔

(۱۱) حج بدل کرنے والا حج صحیح اس دفعہ میں ادا کرے نا عاقل بچے یا مجنون کا حج کافی نہیں، ہاں مراہق کا کافی ہے، یونہی اگر وہ حج فاسد کر دیا کافی نہ ہوگا اگرچہ قضا بھی کرے۔ بیس شرطیں منسک متقسط میں ہیں انھیں گیارہ میں آگئیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] المنسک المتقسط مع ارشاد الساری باب الحج عن الغیر دار الکتاب العربی بیروت ص ۲۹۲

مسئلہ ۲۸۴: ازمارہرہ مطہرہ درگاہ مقدس حضرت سید حامد حسن میاں صاحب قبلہ دامت برکاتہم ۱۶ شوال ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بیوہ پچپن برس کی عمر ہے دوبار پہلے اپنی طرف سے لوگوں کو بھیج کر حج بدل کراچکی ہے اُس سے بعض صاحبوں نے کہا کہ وہ حج نہ ہوئے خود حج کو جا اُس نے محرم نہ ہونے کی وجہ سے نکاح کیا مگر ضعیفہ مریضہ ہے اس صورت میں اُس کے وہ حج بدل ادا ہوگئے یا اب خود اس پر حج لازم ہے یا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

زندگی میں جو کوئی حج بدل اپنی طرف سے بوجہ عجز و مجبوری کرائے اس حج کی صحت کے لیے شرط ہے کہ وُہ مجبوری آخر عمر تک مستمر رہے، اگر حج کے بعد مجبوری جاتی رہی اور بذاتِ خود حج کرنے پر قدرت پائی تو اس سے پہلے جتنے حج بدل اپنی طرف سے کرائے ہوں سب ساقط ہوگئے حج نفل کا ثواب رہ گیا فرض ادا نہ ہوا، اب اس پر فرض ہے کہ خود حج کرے پھر اگر غفلت کی اور وقت گزر گیا اور اب دوبارہ مجبوری لاحق ہوئی تو ازسرِ نو حج بدل کرانا ضرور ہے، ہاں اگر کسی کی معذوری ایسی ہو جو عادۃً اصلاً زوال پذیر نہیں اور اس نے حج بدل کرلیا اور اس کے بعد محض قدرتِ الٰہی مثلاً کسی ولی کی کرامت سے وُہ عذر ناقابل الزوال زائل ہوگیا مثلاً اندھے نے حج بدل کرایا تھا پھر رب العزۃ نے اسے آنکھیں دے دیں تو اس کا وہ حج بدل ساقط نہ ہُوا وہی کافی ہے، خود اگر حج کرے سعادت ہے ورنہ فرض ادا ہوگیا، ایسا زوال عذر کہ کرامت خرقِ عادت ہو معتبر نہیں، مسئلہ شرعیہ تو یہ ہے اور صورتِ سوال سے ظاہر کہ عورت نے پہلے جو دو حج بدل کرائے یا تو وُہ حقیقۃً ایسی مجبور نہ تھی کہ خود نہ جاسکتی یا مرض وضعف وغیرہا کی وجہ سے مجبور تھی اور بعد کو وُہ مجبوری زائل ہوگئی کہ اس نے خود حج کا قصد کیا جس پر دلیل روشن، اسی نیت سے اس کا نکاح کرنا ہے ورنہ پچپن سالہ عورت کو نکاح کی کیا حاجت تھی، بہرحال ان دونوں صورتوں میں کوئی شکل ہو وُہ دونوں حج بدل یا تو سرے سے ناکافی تھے یا اب ساقط ہوگئے، صرف ثواب نفل رہا، فرض گردن پر باقی ہے خود ادا کرے، اور مجبور و ناامید ہو تو پھر حج بدل کرائے۔ وباللہ التوفیق واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸۵ تا ۲۸۸: از پیر بھوڑ بانکی پور از محمد عصمت اللہ صاحب ۲۹ محرم ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک خوشحال شخص اپنی متوفی بیوی کی طرف سے (جو دولت مند تھیں اور شوقِ حج کا مصمم ارادہ رکھتی تھیں) حج بدل کرانا چاہتے ہیں لہذا ان کو امورِ ذیل میں حکم شرع شریف ناطق فرمایا جائے:

(۱) مستطیع شخص جو اپنا فرض ادا کرچکا کسی دوسرے کی طرف سے حج بدل کرسکتا ہے یا نہیں؟
(۲) غیر مستطیع جس پر حج فرض نہیں ہے حج بدل کے واسطے مقرر ہوسکتا ہے یا نہیں؟
(۳) بہرکیف حج بدل کرنے والے کو خاص مکہ معظمہ میں وہاں کا زمانہ حج کا خرچ دے کر مقرر کرلینا کافی ہے یا نہیں؟
(۴) حج بدل کرنے والا شخص مبدل منہ کے مقام قیام کے قریب باشندہ لیا جائے اور آمد و رفت کا تمام خرچ اُس کو دیا جائے تو یہ افضل ہوگا یا صرف بمبئی یا خاص مکہ معظمہ میں حج تک مقرر کرلیا جائے؟ وبینوا بحوالۃ الکتاب توجروا عند اللہ الوھاب (کتاب کے حوالے سے بیان کیجئے اللہ وہاب سے اجر پائیے۔ ت)

الجواب

(۱) کرسکتا ہے واللہ تعالٰی اعلم۔
(۲) اس میں اختلاف ہے اور بہتر احتراز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم
(۳) اس قسم کے حج بدل جو کرائے جاتے ہیں اُن سے فرض تو اُتر سکتا نہیں، حج عبادت بدنی اور مالی دونوں سے مرکب ہے، جس پر حج فرض تھا اور معاذ اللہ بے کئے مرگیا ظاہر ہے کہ بدنی حصہ سے تو عاجز ہوگیا رب عزوجل کی رحمت ہے کہ صرف مالی حصہ سے اس کی طرف سے حج بدل قبول فرماتا ہے جبکہ وہ وصیت کر جائے اور رحمت پر رحمت یہ کہ وارث کا حج کرانا بھی قبول فرمایا جاتا ہے اگرچہ میت نے وصیت نہ کی، حج بدل والے کو اسی شہر سے جانا چاہئے جو شہر میت کا تھا تاکہ مالی صرف پورا ہو، مکہ معظمہ سے حج کرا دینا اس میں داخل نہیں۔ رہا ثواب اس کی امید بھی بخیر ہے۔ حج کرانے والے صاحب اُس پر اُجرت لیتے ہیں اور جب اُجرت لی ثواب کہاں، اور جب انھیں کو ثواب نہ ملا میت کو کیا پہنچائیں گے، خصوصاً بعض مشہور یہ ظلم کرتے ہیں کہ چار چار شخصوں سے حج بدل کے روپے لے لیتے ہیں، اللہ تعالٰے مسلمانوں کو ہدایت فرمائے واللہ تعالٰی اعلم۔
(۴) اس کا جواب اُوپر آچکا اور خرچ آمد و رفت دونوں دیا جائے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸۹: از میرٹھ ڈاکخانہ بہادر گڑھ مسئولہ محمد صادق صاحب ۲۲ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

علمائے عظام وکرام! اس مسئلہ میں کیا ارشاد ہوتا ہے کہ کوئی شخص حج بدل کو گیا اور حج کرنے والے نے چالیس روپے اُس کے بال بچوں کے خرچ کے واسطے چار ماہ کے لیے دیے اور پچاس روپے اُس کو خرچ کے واسطے مکہ معظمہ تک دیے اور کہا کہ باقی خرچ مکہ معظمہ جاکر دے دوں گا، اور ٹکٹ جہاز کا حج

کرنے والے کی طرف سے اس نے لے لیا خداوند تعالٰی کے حکم سے جہاز چھ سو میل جاکر بوجہ آگ لگنے کے واپس آگیا، اب حج کرانے والے نے کہا کہ ٹکٹ جہاز کا مجھے واپس کردو، تو اس نے فوراً واپس کردیا اور اس حج بدل کرنے والے نے یہ کہا کہ آپ ٹکٹ واپس کیوں لیتے ہیں اب میں دوسرے جہاز میں چلا جاؤں گا چاہے آپ جائیں یا نہ جائیں باقی اور خرچ مجھے دے دیجئے، حج کرانے والے نے کہا کہ میں خود تو جاتا ہی نہیں ہوں اب میں باپ کی طرف سے نہیں کراتا ہوں تو حج بدل کرانے والے نے فوراً ٹکٹ واپس کردیا اور ڈیڑھ ماہ حج بدل کرنے والے نے اس پچاس روپے میں سے کھایا اور کرایہ ریل کا بمبئی سے مراد آباد تک انھیں پچاس روپے میں سے خرچ ہوا ایک طرف، اب حج بدل کرنے والے یہ فرماتے ہیں کہ حساب کرکے جو روپیہ تمہارے پاس بچا ہے وہ ہم کو دے دو۔ حج بدل کرنیوالے نے یہ کہا کہ میرے پاس سب خرچ ہوگیا، اب حج بدل کرنے والے کے ذمہ روپیہ دینا آتا ہے یا نہیں، اور حج بدل کرنے والے کا خرچ دو ماہ کا ہوا اور حج بدل کرنے والے کی آمدنی ماہوار تیئیس روپے کی تھی۔

الجواب

اگر وہ روپے شخص مذکور نے اُسی کام میں اٹھائے تو اُن کا تاوان اُس پر نہیں اور اگر اس سے جدا کسی اپنے ذاتی کام میں اٹھائے تو تاوان لازم ہے اور اس بات میں کہ اسی کام میں وہ روپے صرف ہوئے شخص مذکور کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہے اور حرجہ پانے کا اسے استحقاق نہیں اگرچہ اس کی ماہوار آمدنی ہزار روپے ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۹۰، ۲۹۱ از پٹنہ عظیم آباد مرسلہ محمد عمر صاحب ۱۳ رمضان المبارک ۱۳۲۱ھ

(۱) ایک شخص عازم بیت اللہ شریف ہے اور اس کو ایک عارضہ یہ ہے کہ بعد اجابت قطرات سرخ زائد از ایک گھنٹہ برابر آیا کرتے ہیں کہ بغیر لنگوٹ نہیں رہ سکتا ہے، بعد ایک گھنٹے کے جب قطرات موقوف ہوں تب استنجا کرکے کپڑا پہنتا ہے، تو ایسا شخص جو بغیر لنگوٹ نہیں رہ سکتا احرام کیونکر باندھے کیونکہ لنگ احرام تو روز ناپاک ہوا کرے گا اور بسبب پیری اور بیماریوں کے غسل سے بھی مجبور ہے تو صرف تیمم بعوض غسل کرلے یا کیا؟

(۲) سرما میں سوا چادر احرام کے کوئی کمبل وغیرہ اوپر سے اوڑھ سکتا ہے یا کیا؟ اور نہیں تو صدمۂ سرما سے محفوظ رہنے کی کیا صورت ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

احرام میں لنگوٹ باندھنا مطلقاً جائز ہے جبکہ سِلا نہ ہو کہ ممانعت لبس مخیط بروجہ معتاد سے ہے یا سر اور مُنہ کے چھپانے سے اور نادوختہ لنگوٹ میں دونوں باتیں نہیں۔

فی الدر المختار بعد الاحرام یتقی ستر الوجہ والرأس بخلاف بقیۃ البدن ولبس قمیص وسراویل ای کل معمول علی قدر بدن اوبعضہ وقباء ولولم یدخل یدیہ فی کمیہ جاز الا ان یزرہ او یخللہ ویجوز ان یرتدی بقمیص وجبۃ ویلتحف بہ فی نوم وغیرہ اتفاقا[1]

درمختار میں ہے محرم چہرہ اور سر کو ڈھانپنے سے پرہیز کرے بخلاف بقیہ بدن کے، اور قمیص اور شلوار پہننے سے بچے، یعنی ہر اس لباس کو پہننے سے پرہیز کرے جو انسان کے تمام قد یا بعض بدن کے موافق بنایا جاتا ہے، اور قبا پہننے سے پرہیز کرے یا اگر محرم قبا کی دونوں آستینوں میں اپنے ہاتھ نہ ڈالے تو جائز ہے مگر یہ کہ اسے گُھنڈی یا کانٹے سے اٹکا دے تو جائز نہیں، اور باتفاق یہ جائز ہے کہ محرم قمیص وجبّہ کو بطور چادر استعمال میں لائے یا سونے وغیرہ کی حالت میں جبہ کو بطور لحاف لپیٹے۔ (ت)

اور ایسی ضرورت شدیدہ کی حالت میں تو اگر لنگوٹ جائز بھی ہوتا اجازت دی جاتی لان الضرورات تبیح المحظورات (ضرورتیں ممنوعات کو بھی مباح کر دیتی ہیں۔ ت) ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا نے سفرِ حج میں اپنے حاملان محمل کریم کو ایک ضرورتِ خاصہ کے سبب تہ بند کے نیچے تنبان یعنی جانگیا پہننے کا حکم دیا کما فی صحیح البخاری[2] (جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔ ت) کمل یا بانات یا اُونی چادر وغیرہ بے سلے کپڑے اگرچہ دو چار ہوں اوڑھنے کی اجازت ہے بلکہ سوتے وقت اُوپر سے رُوئی کا انگرکھا جُبّہ لبادہ چہرہ چھوڑ کر بدن پر ڈال لینا یا نیچے بچھا لینا بھی ممنوع نہیں بلکہ بیداری میں بھی انھیں کندھوں پر ڈال سکتا ہے جبکہ آستین میں ہاتھ نہ ڈالے نہ بند باندھے، نہ کسی اور ذریعہ سے بندش کرے کما قدمناہ عن الدر وذلک لانہ لیس من اللبس المعتاد (جیسا کہ ہم در کے حوالے سے بیان کر آئے کیونکہ یہ عادۃً پہننے کی طرح نہیں ہیں۔ ت)

بااینہمہ ضعیف کمزور کو دو تدبیریں اور ملحوظ رہیں تو انسب **اوّلاً** تمتع کرے کہ تنہا حج کرنے سے افضل بھی ہے اور احرام کی مدت بھی کم ہوگی یعنی محاذاتِ یلملم سے کہ سمندر میں عدن سے آگے آئیگی صرف عمرے کا احرام

---

[1] درمختار | کتاب الحج فصل فی الاحرام | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۶۴

[2] صحیح بخاری | باب مایلبس المحرم | قدیمی کتب خانہ کراچی | ۱/۲۰۹

باندھے مکہ معظمہ پہنچتے ہی طواف وسعی سے عمرہ بجا لاکر احرام کھول دے، اب بلا تکلف ہشتم ذی الحجہ تک بلا احرام مکہ معظمہ میں قیام کرسکتا ہے جو چاہے پہنے، اوڑھے، سر سے عمامہ باندھے، جو چاہے کرے۔ یہ احرام صرف پانچ روز رکھنا ہوگا۔ بعدہٗ آٹھویں کو پھر احرام حج کا باندھے منٰی کو جائے، عرفات و مزدلفہ سے پلٹ کر دسویں تاریخ جب پھر منٰی میں آئیگا اور جمرۃ العقبہ کی رمی کرکے قربانی جو اس پر بوجہ تمتع واجب تھی بجالائیگا اس کے بعد سر منڈائے یا بال کترائے، احرام کھل گیا سوا عورتوں کے (کہ بعد طوافِ زیارت حلال ہوں گی) جو کچھ احرام نے حرام کیا تھا سب حلال ہوگیا، تو یہ احرام پُورے تین دن بھی نہ رہا۔

ثانیاً یہاں بمبئی سے دالان کی شکل کی ایک چیز کھپچیوں کی بنوالے جس کی تین دیواریں ہوں ہر ایک آدھ گز یا قدرے زائد کی اور اوپر چھت پٹی ہو اور دروازہ اور زمین بالکل خالی ہو، تینوں دیواروں اور چھت کو رُوئی وغیرہ جس سے چاہیں منڈھ لیں، سوتے وقت سرہانے اس مکان کو رکھ کر سر اس کے دروازہ سے داخل کریں کہ چہرہ اس کے سائے میں رہے، باقی بدن پر کپڑا ڈال لیں، اب اس مکان کی وجہ سے نہ ہوائے سرد سے بھی محفوظ ہوگیا اور رُو و سر کا چھپانا بھی لازم نہ آیا،

فی الدرالمختار من فصل الاحرام لا یتقی (ای المحرم) الاستحمام والاستظلال ببیت ومحمل لم یصب راسہ اووجہہ فلواصاب احدھما کرہ[1] اھ وفیہ ایضا قالوا لودخل تحت ستر الکعبۃ فاصاب راسہ اووجہہ کرہ والا فلاباس بہ[2]۔

درمختار کی فصل احرام میں ہے (محرم) کا حمام میں جانا یا ایسے گھر یا کجاوہ کے سایہ میں جانا منع نہیں جو اس کے سر اور چہرہ کو نہ ڈھانپے، اگر ان میں سے کسی کو ڈھانپتا ہے تو مکروہ ہے اور اس میں یہ بھی ہے فقہا نے کہا ہے کہ اگر محرم غلافِ کعبہ کے نیچے داخل ہوگیا اور اس کے سر یا چہرہ کو غلاف لگا تو کراہت ہے اور اگر نہیں تو کوئی حرج نہیں۔ (ت)

جنابت سے طہارت کے لیے تو آپ ہی تیمم کرے گا، جبکہ نہانے پر قادر نہ ہو، اور احرام کے وقت جو غسل مسنون ہے اُس پر قدرت نہ ہو تو اس کے عوض تیمم مشروع نہیں کہ وہ غسل نظافت کے لیے ہے نہ طہارت کے لیے، کہ طہارت تو حاصل ہے اور تیمم سے طہارت ہوتی نہ نظافت بلکہ بدن پر غبار لگنا خلاف نظافت ہے، تو ایسا شخص اُس غسل کے عوض کچھ نہ کرے صرف وضو کافی ہے۔

---

[1] درمختار کتاب الحج فصل فی الاحرام مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۶۴
[2] ایضاً

فی الدرالمختار من شاء الاحرام توضأ و غسلہ احب، وھو للنظافۃ لا للطہارۃ فالتیمم لہ عند العجز من الماء لیس بمشروع لانہ تلوث[1] اھ ای فی بعض الصور حیث یصیب الغبار، والا فمن تیمم علی مرمر مغسول جاز ولم یکن تلوثا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

درمختار میں ہے جس نے احرام کا ارادہ کیا وہ وضو کرے، غسل اس کے لیے افضل ہے اور یہ بات نظافت کے پیش نظر ہے طہارت کے لیے نہیں، اگر محرم کے پاس پانی نہیں تو وضو کی جگہ تیمم نہ کرے کیونکہ یہ تو مٹی میں ملوث ہونا ہے اھ یعنی یہ تلوث ان صورتوں میں لازم آتا ہے جہاں غبار ہو، اگر دھوئے ہوئے سنگِ مرمر پر تیمم کیا تو جائز ہوگا کیونکہ اب تلوث کا خطرہ نہیں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۹۲: از بمبئی محلہ قصابان متصل کرافٹ مارکیٹ مکان گورے بابو صاحب مسئولہ حضرت سید حامد حسین میاں صاحب دام ظلہم ۴ ذیقعدہ ۱۳۲۹ھ

معظمی مکرمی مدظلہ العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، حجاج قطعی معلم و بدویان کے قبضہ میں ہوتے ہیں اکثر، ذی الحجہ کو روانہ ہوکر منٰی میں قیام کرتے ہیں اور شبِ نہم منٰی شریف سے روانہ ہوکر صبح عرفات پہنچتے ہیں اور مزدلفہ سے بھی پچھلی شب میں روانہ ہوجاتے ہیں، آپ حضرات بدویان کی سخت مزاجی سے خوب واقف ہیں وہ کسی کا کہا نہیں سنتے، کیا کیا جائے بجز اس کے کہ آپ دعا فرمادیں کہ بدویان انھیں اوقات میں روانہ ہوں جن کی بابت حکم ہے، فقیر کوشش بلیغ کرے گا بشرطیکہ دیگر حجاج نے میرے کلام کی تائید کی، اگر فقیر تنہا ہوتا تو کچھ قافلہ کی ہمراہی کی پروانہ کرتا اور پورے طور پر حسب تحریر رسالہ اوقات معینہ کی پابندی کرتا اور اب بھی ان شاء اللہ تعالٰی حتی المقدور پابندی کرے گا، اللہ تعالٰی میری امداد فرمائے، آمین ثم آمین!

دوم یہ کہ عورت معذور اور غیر معذور کی جانب سے وکالۃً ہرسہ یوم رمی جائز ہے یا نہیں، کیونکہ علاوہ مجمع کے بارھویں تاریخ قبل دوپہر قافلہ روانہ ہوتا ہے میں تنہا رہ جاؤں گا، بعد زوال رمی کرکے قافلہ سے آملوں گا، والسلام

الجواب

بشرفِ ملاحظہ عالیہ حضرت بابرکت والادرجت حضرت مولانا سید حامد حسین میاں صاحب قبلہ دامت برکاتہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بعد ادائے آداب معروض، مطوفوں کو اگر اہل قافلہ مل کر

---

[1] درمختار کتاب الحج فصل فی الاحرام مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۶۳

یا ایک ہی شخص جو ان کے نزدیک ذی وجاہت ہو مجبور کریں تو ان کو ماننا پڑتا ہے، فقیر کو اس کا تجربہ ہے اور اگر نہ مانیں اور مجبوری ہو تو نویں رات منٰی میں صبح تک ٹھہرنا اور آفتاب چمکنے پر عرفات کو چلنا سنت ہے مجبورانہ اس کے ترک سے حج میں کوئی نقص نہ آئے گا مزدلفہ کی حدود کے اندر دسویں تاریخ کے طلوعِ صبح صادق سے طلوعِ آفتاب تک کسی طرح موجود ہونا اگرچہ ایک لحظہ ہو ادائے واجب کے لیے کافی ہے، تو اگر حدودِ مزدلفہ سے نکل جانے سے پہلے صبح صادق ہوگئی تو واجب ادا ہوگیا اگرچہ سنت ترک ہوگئی، ہاں اگر اتنی رات سے چل دیا کہ صبح صادق نہ ہونے پائی اور مزدلفہ کی حدود سے نکل گیا تو بے شک واجب ترک ہوا، قربانی دینی آئے گی، مگر بدوی ایسا نہیں کرتے اور عورتوں اور نہایت کمزور مردوں اور بیماروں کو بخوف ہجوم خود شرع بھی رات سے چل دینے کی اجازت فرماتی ہے، انھیں کوئی جرمانہ دینا نہ ہوگا، بارھویں تاریخ قبل زوال چل دینے کی ضرور اب وہاں عادت نکالی ہے، اور یہ ہمارے مذہب وظاہر الروایۃ میں گناہ ہے، فقیر نے تو جمالوں کو مجبور کیا اور بحمد اللہ ان کو رکنا پڑا کہ میں اور میرے ساتھ کے سب مرد وعورت بعد زوال رمی کرکے روانہ ہوئے جہاں وہ ہرگز نہ مانیں اور پیچھے رہ جانے میں اندیشہ صحیح ہو تو یہ صورت مجبوری کی ہے، ضعیف روایت پر عمل کرکے قبل زوال رمی کرکے جاسکتا ہے، عورت ہونا رمی میں نیابت کے لیے عذر نہیں، ہاں ایسا بیمار ہو کر رمی کو نہ جاسکے تو اس سے اجازت لے کر دوسرا اس کی طرف سے رمی کرسکتا ہے یا جو غشی میں ہو تو اس کی بلا اجازت اس کی طرف سے رمی ہوسکتی ہے، لباب وشرح لباب سنن حج میں ہے:

والخروج من مکۃ الی عرفۃ یوم الترویۃ والبیتوتۃ بمنی لیلۃ عرفۃ الالحادث من الضروریات والدفع منہ الی عرفۃ بعد طلوع الشمس[1]

یوم ترویہ کو مکّہ سے عرفات کی طرف حاجی نکلے اور عرفہ کی رات منٰی میں بسر کرے بشرطیکہ کوئی مانع اور مجبوری نہ ہو اور پھر منٰی سے طلوعِ آفتاب کے بعد عرفات جائے۔ (ت)

اسی کی فصل الرواح الی منٰی میں ہے:

وان بات بغیر منی تلک اللیلۃ جاز واساء[2]

اگر منٰی کے علاوہ کسی اور جگہ حاجی نے یہ رات بسر کی تو جائز مگر خلافِ ادب ہے۔ (ت)

---

[1] لباب وشرح لباب مع ارشاد الساری باب سنن الحج دار الکتاب العربی بیروت ص ۵۱

[2] " " " " فصل فی الرواح الی منٰی " ص ۱۲۷

اسی کی فصل وقوف بالمزدلفہ میں ہے :

الوقوف بها واجب واول وقته طلوع الفجر الثانی من یوم النحر و اٰخرہ طلوع الشمس منه فمن وقف بها قبل طلوع الفجر او بعد طلوع الشمس لایعتد به ، وقدر الواجب منه ساعة ورکنه کینونته بمزدلفة بفعل نفسه او غیرہ نواہ او لم ینوِ علم بها او لم یعلم ، ولو ترك الوقوف بها فدفع لیلا فعلیه دم الا اذا کان لمرض اوضعف بنیة من کبر او صغر او یکون امرأة تخاف الزحام فلا شیئ علیه۔[1]

مزدلفہ کا وقوف لازم ہے ، ابتدا اس کی یوم نحر کی طلوعِ فجر ثانی سے ہوتی ہے اور اس کا اخیر وقت اسی دن کا طلوعِ آفتاب ہے تو جو طلوعِ فجر سے پہلے یا طلوعِ شمس کے بعد مزدلفہ میں ٹھہرا اس کے ٹھہرنے کا اعتبار نہیں (یعنی وقوف معتبر نہیں ہوگا) مقدار واجب ایک ساعت ہے اور اس کا رکن یہ ہے کہ اس مدت میں وہاں خود موجود ہونا اپنے عمل سے یا غیر کے عمل سے ہو، نیت ہو یا نہ ہو، اسے مزدلفہ کا علم ہو یا نہ ہو، اگر مزدلفہ کا وقوف ترک کرکے رات کو ہی حاجی واپس آگیا تو ایسی صورت میں دم لازم ہوگا، اگر کوئی مرض ہو یا کبر و صغر کی وجہ سے واضح ہو یا کوئی خاتون ہو جو ازدحام سے ڈرتی ہو تو اب کوئی شَے لازم نہ ہوگی۔(ت)

اسی کی فصل وقت الرمی فی الیومین میں ہے :

وقت رمی الجمار الثلث فی الیوم الثانی و الثالث من ایام النحر بعد الزوال ، فلا یجوز قبله فی المشهور ای عند الجمهور ، وقیل یجوز وهو خلاف ظاهر الروایة ، وفی المسألة روایة اخری مختصة بالیوم الثانی من ایام التشریق ، لما فی المرغینانی لو اراد ان ینفر فی هذا الیوم له ان یرمی قبل الزوال و ان رمی بعدہ فهو افضل وانما لا یجوز قبل الزوال ، مت

ایام نحر میں دوسرے اور تیسرے دن تینوں جمرات کو رمی کا وقت زوال کے بعد ہوتا ہے ، مشہور روایت یعنی جمہور کے ہاں زوال سے پہلے رمی جائز نہیں ، بعض نے کہا جائز ہے لیکن یہ ظاہر الروایت کے خلاف ہے ، اس مسئلہ میں ایک اور روایت بھی ہے جو ایام تشریق کے دوسرے دن کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ مرغینانی میں مذکور ہے : اور اگر حاجی نے اس دن لوٹنے کا ارادہ کرلیا ہے تو زوال سے پہلے رمی کرسکتا ہے ، ہاں بعد از زوال کرے تو افضل ہوگی ، اور زوال سے پہلے اس شخص کے لیے رمی

---

[1] لباب وشرح لباب مع ارشاد الساری فصل فی الوقوف بالمزدلفہ دار الکتاب العربی بیروت ص ۱۴۷

لا یرید النفر کذا روی الحسن عن ابی حنیفۃ۔[1]

جائز نہیں جو لوٹنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو۔ امام حسن نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی سے یوں ہی نقل کیا ہے۔ (ت)

اسی کی فصل شرائط رمی میں ہے:

الخامس ان یرمی بنفسہ فلا تجوز النیابۃ عند القدرۃ وتجوز عند العذر، فلو رمی عن مریض لایستطیع الرمی بامرہ او مغمی علیہ ولو بغیر امرہ اوصبی غیر ممیز او مجنون جاز، والافضل ان توضع الحصی فی اکفھم فیرمونھا ای رفقاؤھم ففی الحاوی عن المنتقی عن محمد اذاکان المریض بحیث یصلی جالسا رمی عنہ ولا شیئ علیہ اھ ولعل وجھہ انہ اذاکان یصلی قائما فلہ القدرۃ علی حضور المرمی راکبا او محمولا فلایجوز النیابۃ عنہ[2] اھ ملخصات واللہ تعالٰی اعلم۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ خود رمی کرے قدرت کے باوجود نائب بنانا درست نہیں، ہاں عذر کے وقت جائز ہے، اگرکسی نے ایسے مریض کے کہنے پر رمی کی جو طاقت نہیں رکھتا یا حاجی پر غشی طاری تھی اگرچہ اس نے رمی کا نہ کہا ہو یا جس بچے کو شعور نہ ہو اس کی طرف سے، یا دیوانے کی طرف سے رمی کردی تو جائز ہوگی۔ افضل یہ ہے کہ سنگریزے معذوروں کے ہاتھوں میں رکھ دیے جائیں تو ان کے رفیق رمی کریں۔ حاوی میں المنتقی سے امام محمد سے مروی ہے جب مریض اس حال میں ہو کہ صرف بیٹھ کر نماز ادا کرتا ہو تو اس کی طرف سے کسی نے رمی کردی تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی اھ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ نماز کھڑے ہوکر ادا کرسکتا ہو تو اب اس کے لیے رمی کے لیے جانے کی قدرت ہوگی خواہ سوار ہوکر جائے یا اسے اٹھا کر لے جایا جائے اب اس کی طرف سے نائب بنانا درست نہ ہوگا اھ ملخصا واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۹۳: از شہر بریلی مسئولہ حضرت ستنا بی بی صاحبہ مدظلہا

حج میں ایک اونٹ میں آٹھ آدمیوں نے شریک ہوکر قربانی کی تو حج ہوا یا نہیں اور قربانی دوبارہ کرے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

حج ہوگیا پھر احرام باندھتے وقت تنہا حج کی نیت باندھی تھی تو قربانی اصلاً ضرور نہ تھی نہ اب اس کے بدلے کسی چیز کی حاجت ہے، ہاں اگر احرام میں حج اور عمرہ دونوں کی نیت ایک ساتھ باندھی تھی یا احرام میں فقط

---

[1] لباب وشرح لباب مع ارشاد الساری فصل فی وقت الرمی فی الیومین دارالکتاب العربی بیروت ص ۱۶۱ تا ۱۸۵

[2] لباب وشرح لباب مع ارشاد الساری فصل فی احکام الرمی وشرائطہ الخ دارالکتاب العربی بیروت ص ۱۶۶

عمرہ کی نیت کرکے عمرہ ادا کرکے پھر حج کا احرام مکۂ معظمہ میں باندھا تھا تو البتہ قربانی واجب تھی اور ایک اونٹ میں سات سے زیادہ شریک نہ ہوسکتے تھے تو وہ قربانی نہ ہوئی۔ اس صورت میں البتہ دو قربانیاں لازم ہیں ایک اصل اور ایک جرمانہ کی، ان کی قیمت بھیج کر حرم شریف میں کرائی جائیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۹۴ تا ۲۹۵

(۱) ایک حاجی نے دم شکریہ کے عوض اس کی قیمت خیرات کی، اب یہ دم شکریہ اس کی جانب سے ادا ہوا یا نہیں؟ دوسرے صاحب نے دم تقصیر کی قیمت خیرات کی، اس کے ذمہ سے دم ادا ہوا یا نہیں؟

(۲) اگر وہ صاحب جنھوں نے دم شکریہ اور دم تقصیر منٰی میں نہ ذبح کیا وہ یہاں آکر ایک گائے خرید کر مثل قربانی کے شریک ہوکر اور اس کو ذبح کرکے خیرات یہاں کردیں تو وہ فعل ہند میں درست ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

(۱) نہ، کہ یہاں خود ذبح مقصود ہے اور اللہ عزوجل کے لیے جان دینا تو قیمت اُس کے بدلے میں کافی نہیں، لباب میں ہے:

لا تجوز القیمۃ فی ھدی النذر کما لا تجوز فی غیرہ من الھدایا[۱]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

نذر کے ہدی کی قیمت ادا کرنا جائز نہیں جیسا کہ دیگر ہدیوں میں جائز نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۲) اگر ہندوستان میں ہزار گائیں یا اونٹ ذبح کردیں ادا نہ ہوگا کہ اس کے لیے حرم شرط ہے۔ درمختار میں ہے:

یتعین الحرم لا منٰی[۲] اھ ای لدم شکر و جبر قال الشامی لما تقدم انہ اسم لما یھدی من النعم الی الحرم الخ قلت وقد قال تعالٰی ھدیا بالغ الکعبۃ[۳]۔ واللہ تعالٰی اعلم

حرم متعین ہے منٰی کچھ خاص نہیں اھ یعنی دم شکر اور اس دم کے لیے جو نقصان کے ازالہ کے لیے ہو، امام شامی نے کہا کہ پہلے گزرا کہ یہ ان ہدایا کا نام ہے جو جانور حرم کی طرف لے جائے جاتے ہیں الخ، میں کہتا ہوں اللہ تعالٰی کا فرمان مبارک یُوں ہے وہ ہدی جو کعبہ کو پہنچنے والی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[۱] لباب المناسک مع ارشاد الساری فصل فی ایجاب الھدی دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۱۵

[۲] درمختار کتاب الحج مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۳

[۳] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۲/۲۷۲

مسئلہ ۲۹۶ ازسلی بھیت مرسلہ حضرت مولانا وصی احمد صاحب محدّث سورتی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ۱۳ رمضان ۱۳۲۵ھ

جو شخص دُور دراز سفر کرکے حج نفل کرے اور زیارت سرورِ کائنات علیہ التحیۃ والصلوٰۃ نہ کرے تو وہ مصداق اس حدیث کا ہوسکتا ہے کہ "جو شخص حج کرے اور میری زیارت نہ کرے تو اس نے مجھ پر ظلم کیا"۔ جو لوگ کہ ساکن مکہ معظمہ کے ہیں اور نفل حج کے بعد روضۂ اقدس کی زیارت نہ کریں تو اس حدیث کے مصداق ہیں یا نہیں؟

الجواب

من حج (جس نے بھی حج کیا۔ت) یقیناً عام ہے مکّی وآفاقی سب کو شامل اور تکرارِ سبب تکرارِ حکم کو مستلزم، اور لم یزرنی (میری زیارت نہ کی۔ت) کے صدق کو ترک کلی کی طرف مشیر ماننا خلاف اصل متبادر، اور نظرِ ایمانی میں بلا شبہہ ہر بار زیارت لازم، اور اسی پر مسلمین کا عمل لاجرم، فاکہی مکی متوفی ۹۸۲ھ کتاب حسن التوسل فی زیارۃ افضل الرسل صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں فرماتے ہیں:

المامور بہ اذا کان مرتبا علی سبب یتکرر طلبہ من المکلف بتکرر السبب فمن ذلک اجابۃ المؤذن فتطلب الاجابۃ علی ما قالہ جمع کلما وجد الاذان ویتکرر، ومنہ فیما یظہر الزیارۃ للمستطیع کلما حج بناء علی مقتضی ھذا الخبر ونحوہ فیتاکد علی نحو المکی اکثر من تاکدہ علی غیرہ ان لا یفوت الزیارۃ بعد حجہ لاسیما فی عام حجہ فان قرب الدار یصیر القریب کالجار والجار التارک للمزار قد جار سیما اذا کان یرتکب الدیون فی تحصیل شہوتہ، وعدم قطع عادتہ ولا یرتکبہا فیما ھو اشرف عباداتہ[1] اھ

جب مامور بہ کسی ایسے سبب پر مرتب ہو جس میں تکرار ہے تو سبب کے تکرار پر مکلف سے مامور بہ کے مطالبہ کا بھی تکرار ہوگا، مؤذن کی دعوتِ نماز کو قبول کرنا بھی اسی قبیل سے ہے، تو جب بھی اذان کا تکرار ہوگا اجابت کا مطالبہ ہوگا جیسا کہ ایک جماعت کا قول ہے، اس سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ صاحبِ استطاعت جب بھی حج کرے اس اور دیگر فرمانِ نبوی کی بناپر دربارِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں حاضری دے، غیر مکّی لوگوں کی بنسبت مکّی لوگوں کو اس کی زیادہ تاکید ہے کہ حج کے بعد خصوصاً حج کی ادائیگی کے سال زیارت کیلئے حاضری کو فوت نہ کرے کیونکہ قربِ دار، قریبی کو پڑوسی بنادیتا

---

[1] حسن التوسل فی زیارۃ افضل الرسل صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

قلت وانما جعل التاكد علی المکی اکثر لان عذرہ اقل کما اشار الیہ ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

ہے اور پڑوسی ہو کر زیارت کا تارک ہو تو گویا اس نے ظلم کیا، خصوصاً جب اپنے شوق اور عادت کو پورا کرنے میں تو قرض تک کا ارتکاب کرتا ہو اور ان اعمال میں خرچ نہیں کرتا جو عبادات میں افضل ہیں اھ میں کہتا ہوں مکی لوگوں پر یہ تاکید اکثر ہوگی کیونکہ ان کا عذر اقل ہے جیسا کہ انھوں نے اس طرف اشارہ فرمایا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۹۷ تا ۲۹۸: حافظ محمد ایاز صاحب از نجیب آباد ضلع بجنور محلہ پٹھان پورہ محرم ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسائل ذیل میں بموجب حکم شرع شریف ارشاد فرمائیے اللہ تعالٰی اجر عظیم عطا فرمائے:

(۱) اگر ماہِ شعبان میں کوئی شخص مکہ معظمہ پہنچ جائے اور رمضان شریف میں وہاں قیام کرے اور نہایت اطمینان سے طواف وسنگِ اسود شریف کا بوسہ وغیرہ وغیرہ ادا کرے تو جیسا ثواب ایام حج میں ہوتا ہے ویسا ہی ہوگا یا اس میں اور اس میں کچھ فرق ہوگا اور وہی ثواب ایک نماز کا ملے گا جیسا کہ ایک لاکھ کا اور صدقات وغیرہ میں بھی اسی کے مثل ہوگا یا نہیں، حالانکہ شخص مذکور ایامِ حج میں بھی ارکانِ حج ضرور ادا کرے گا۔

(۲) اگر ماہِ شعبان میں کوئی شخص مدینہ پہنچ جائے اور وہاں رمضان المبارک میں قیام کرے اور روضۂ مطہرہ کی زیارت کرتا رہے اور ہمراہ قافلہ مدینہ منورہ کے مکہ معظمہ پہنچ کر حج کے ارکان ادا کرے یا ماہِ شوال میں اول مدینہ منورہ جائے اور وہاں زیارتِ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اطمینان کے ساتھ فراغت پاکر مکہ معظمہ جائے اور وہاں حج کے ارکان ادا کرکے اپنے مکان کو چلا آئے، تو ان صورتوں میں شخص مذکور کو ثواب اسی درجہ کا ملے گا جیسا کہ حج بیت اللہ شریف کے بعد مدینہ طیبہ جانے کا ہوتا ہے یا کچھ کم ہوگا؟ حاصلِ کلام یہ کہ اول مدینہ منورہ جانا اور وہاں سے قافلہ کے ساتھ بیت اللہ شریف آنا اور ارکانِ حج ادا کرکے مکان کو واپس آجانا درست ہے یا نہیں اور اس کا ثواب مثل بعد مدینہ شریف جانے کے ہے یا نہیں؟ عند اللہ جواب سے مشرف فرمائیے، اس کے اوپر یہاں بہت جھگڑا ہو رہا ہے، اللہ تعالٰی ثوابِ دارین عطا فرمائے۔

الجواب

(۱) حرم محترم کے اعمال کا ثواب اُس زمین پاک کے اعتبار سے ہے، نہ زمانِ حج کی خصوصیت سے، ایک نیکی پر لاکھ کا ثواب جیسے زمانۂ حج میں ہوگا ویسے ہی دیگر اوقات میں، اور طوافِ کعبۂ معظمہ جو حج میں کیا جائے گا اگر وہ طواف فرض ہے جب تو ظاہر ہے کہ فرض کے ثواب کو دوسری چیز نہیں پہنچ سکتی اور

4 اگر وہ طوافِ عمرہ ہے تو رمضان مبارک میں اس کا طواف ذی الحجہ سے بہت زیادہ ہوگا لاختلاف العلماء فی نفس جواز العمرۃ فی شھر الحج (کیونکہ علماء کا حج کے مہینے میں جوازِ عمرہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ت)

حدیث میں ہے حضور سید عالم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عمرۃ فی رمضان تعدل حجۃ معی[1] واللہ تعالٰی اعلم۔ رمضان مبارک میں ایک عمرہ میرے ساتھ حج کے برابر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) علمائے کرام نے دونوں صورتیں لکھی ہیں چاہے پہلے سرکارِ اعظم میں حاضر ہو اُس کے بعد حج کرے یہ ایسا ہوگا جیسے صبح کے فرضوں سے سنتیں مقدم ہیں اور حاضری بارگاہِ مقدس اس کے لیے قبولِ حج کا سامان فرمادے گی ان شاء اللہ الکریم ثم رسولہ الرؤف الرحیم علیہ وعلٰی آلہٖ اکرم الصلٰوۃ والتسلیم، اور چاہے تو حج کے بعد حاضر ہو یہ ایسا ہوگا جیسے مغرب کے فرضوں کے بعد سنتیں۔ حج اگر مبرور ہے اُسے گناہوں سے پاک کرکے اس قابل کردے گا کہ زیارت قبرِ انور کرے ؎

پاک شو اول وپس دیدہ برآں پاک انداز

(پہلے پاک ہوجاؤ پھر مبارک ادا والوں کی زیارت کا شرف پاؤ۔ت)

یہ سب اس صورت میں ہے کہ مکہ معظمہ کو جاتے میں مدینہ طیبہ راستہ میں نہ پڑے اور اگر ایسا ہے جیسا شام سے آنے والوں کے لیے تو پہلے حاضریِ دربارِ انور ضروری ہے خلافِ ادب ہے کہ بے حاضر ہوئے حج کو چلا جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۹۹: پیش کردہ منشی محمد عتیق احمد صاحب ساکن پیلی بھیت بتاریخ ۱۲ رجب ۱۳۲۱ھ

بحضرت اعلم العلماء، وافضل الفضلاء، واکمل الکملاء، آفتابِ آسمانِ شریعت، ماہتاب درخشاں طریقت، نوربخش قلوبِ مومنین، روشن فرمائے دین و دنیا، حاکم محکمۂ ایمان، ماتحت حبیب الرحمان سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، حامیِ دینِ متین اہلِ سنت، ماحیِ ضلالت وکفر وبدعت، صاحبِ حجتِ قاہرہ، مجددِ مائۃ حاضرہ، آیۃٌ من آیات اللہ، فضیلت پناہ، حقیقت آگاہ، امام العلماء والفضلاء، حاج الحرمین الشریفین مولانا ومقتدانا، عالی جناب مولوی محمد احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی دامت برکاتہم وافاضاتہم اس بارے میں کیا ارشاد ہے کہ حجاز ریلوے جو حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً وتعظیما کے سفر وزیارت وغیرہ کو مسلمانوں پر آسان کردے گی اور وہاں کے ساکنین خصوصاً حرم محترم مدینہ منورہ کے رہنے والوں کو ہر شے بہ آسانی میسر آنے کا

---

[1] صحیح مسلم باب فضل العمرۃ فی رمضان قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۰۹

ذریعہ ہوگی اِن شاء اللہ تعالٰی قابلِ امداد و اعانت اہلِ اسلام ہے یا نہیں، جبکہ حضور سلطان المعظم اُس کو خاص مسلمانوں کے روپے سے تعمیر و اجرا کرانے میں بہت سعی و کوشش فرمارہے ہیں اور اس اعانت کا اجر چندہ دہندگان کو ملے گا یا نہیں؟ کیونکہ بعض کو گمان ہوتا ہے کہ ریل کا بننا ہی غلط بیانی ہے، بعض تردد کرتے ہیں کہ روپیہ وہاں تک پہنچتا ہی نہیں، حالانکہ یہ امر قابلِ اطمینان پایا گیا ہے، قسطنطنیہ سے رسیدات مہری ڈاکخانہ وغیرہ بسند کافی آتی ہیں، بعض مقاموں خاص کر بیلی بھیت میں مسلمانوں نے یہ معلوم کرکے کہ حضور والا نے چندہ دینے کو منع فرمایا ہے اس سبب سے سب مسلمان کہ مطیع حکم حضور کے رہتے ہیں جو دراصل صحیح حکم خدا و رسول صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ہوتا ہے، چندہ دینے لینے سے باز رہے لیکن اس بارے میں ارشادِ حضور کیا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

حجاز ریلوے مسلمانوں کے نفع و آرام کی چیز ہے، نیت صالحہ سے اس میں شرکت اِن شاء اللہ تعالٰی باعثِ اجر و برکت ہے۔ بعض حاجیوں کو یہ خیال کہ ریل بننا ہی غلط ہے بلکہ بیچ کے لوگوں نے یہ شعبدہ اٹھا رکھا ہے روپیہ جو جاتا ہے تغلّب خائنان میں آتا ہے، اس میں پہلا فقرہ محض غلط و سُوئے ظن ہے وہ بھی صریح یقین کے مقابل، اور پچھلا فقرہ اگرچہ بعض مواضع پر صحیح ہونا ممکن، اور تجربہ شاہد ہے کہ ضرور کہیں صحیح ہوگا، ایسے معاملات میں بہت کاذب و خائن کھڑے ہوجاتے ہیں، مگر نہ سب یکساں ہیں نہ بعد حصول ذرائع اطمینان اجازت سُوءِ گمان ہے اور بالفرض ہو بھی تو مسلمان جس نے لوجہ اللہ تعالٰی دیا اپنی نیت پر اجر پائے گا فقد وقع اجرہ علی اللہ[1] (تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہوگیا۔ ت) فقیر نے اس میں اعانت پر کبھی انکار نہ کیا، البتہ بعض جاہلان علم ادعا نے یہ کہہ دیا تھا کہ اس کی اعانت فرض ہے کہ بے امنی راہ کے باعث فرضیتِ حج میں خلل ہے، ریل کا بننا اس خلل کا ازالہ کرے گا اور مقدمہ فرض فرض ہوتا ہے اس کا میں نے رَد کیا تھا کہ یہ محض جہالت ہے، اوّل بحمد اللہ تعالٰی ہر گز راہ میں بے امنی نہیں، جسے حق سبحانہ نے وہ سفرِ کریم بخشا اور اس کے ساتھ ایمان کی آنکھ اور عقلِ سلیم عطا کی ہے اُس نے موازنہ کیا اور معلوم کرلیا ہے کہ وہاں باآنکہ بارہ منزل کے اندر صرف دو ایک چوکیاں ہیں بحمدہٖ تعالٰی وہ امن و امان رہتی ہے کہ یہاں قدم قدم پر چوکی پہرے کی حالت میں ہو، جس قافلہ میں یہ فقیر ۱۲۹۵ھ میں اپنے رب کے دربار سے اُس کے حبیب کی سرکار میں حاضر ہوتا تھا جلّ جلالہٗ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، قافلہ بعد زوال ظہر و عصر پڑھ کر وہاں ہوتا اور وقتِ مغرب خفیف قیام کرتا کہ لوگ مغرب و عشاء کے فرض و وتر پڑھ لیتے، شافعیہ اپنے مذہب پر ایسا کرتے اور حنفیہ بضرورت تقلید غیر پر عامل ہوتے کہ بحالتِ ضرورت اُن شرائط پر کہ فقہ میں مفصل ہیں

---

[1] القرآن ۴/ ۱۰۰

ایسا روا ہے، مگر یہ فقیر بحمد اللہ اپنے امام رحمۃ اللہ تعالٰی کے مطابق مذہب ہر نماز خاص اُس کے وقت مقرر ہی میں پڑھتا جن کی تعیین اللہ و رسول جل وعلا وصلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمادی ہے مجھے عصر وعشاء کے لیے اُترنا پڑتا، قافلہ دُور نکل جاتا، میں جلدی کرکے مل جاتا، قضائے حاجت کے لیے بھی لوگ اس خیال سے کہ قافلہ بعید نہ ہوجائے نزدیک ہی بیٹھ جاتے ہیں، مجھے یہ پسند نہ آتا اور دُور کسی پیڑ یا پہاڑ کی آڑ میں جاتا اس میں بھی لوگ، قافلہ دُور نکل جاتا دن کی تنہائیوں اور رات کی اندھیریوں میں بارہا بدوی ملے وہ مسلح تھے اور میں نہتا، مگر کبھی سوا السلام علیکم و علیکم السلام، مساکم اللہ بالخیر والسعادۃ صبحکم اللہ بالرضاء والنعیم (تم پر سلام ہو اور تم پر بھی سلام ہو، اللہ تعالٰی رات خیر اور صبح مبارک کرے، اللہ اپنی خوشنودی اور انعامات سے نوازے۔ت) کے اصلاً کسی نے کوئی تعرض نہ کیا وللہ الحمد، اتفاقاً کہیں کوئی واقعہ ہوجانا بدامنی نہیں کہلاتا، یہاں شہر سے اسٹیشن کو جاتے ہوئے شب میں متعدد وارداتیں ہوچکیں اور رات کو آنولے سے بدایوں جانے میں تو کتنے ہی وقائع ہوئے، کوئی عاقل ایسے اتفاقیات پر شہر یا راہ میں بدامنی نہ مانے گا پھر وہاں اس حال پر کہ بارہ منزل تک بیچ میں صرف ایک قلعہ رابغ ملتا ہے جگہ جگہ چوکی پہروں کا نشان نہیں، اگر اتفاقی وارداتیں ہوجائیں تو اُس کے باعث بدامنی ماننا فرضیت حج میں خلل جاننا ضعف ایمان نہیں تو کیا ہے، لئیم الطبع لوگ جو قافلوں میں بدویوں سے دنائت وخست کا برتاؤ کرتے ہیں اور اس کے سبب وہ ان کی خدمت گزاری کہ ان پر شرعاً عرفاً کسی طرح لازم نہیں، پُوری نہیں کرتے (حالانکہ مشاہدہ وتجربہ ہے کہ وہ کریم الطبع بندے قلیل پر کثیر راضی ہوجاتے اور ادنٰی خدمت گار سے بڑھ کر کام دیتے ہیں، ہاں خسیس دنی الطبع کو ضرور مکروہ رکھتے ہیں) اس باعث سے اگر کوئی تکلیف ان سفہاء کو پہنچ جاتی ہے تو انھیں کی لوم وخست کا نتیجہ ہے اسے طرح طرح کی رنگ آمیزیوں کے ساتھ یہاں آکر بیان کرتے اور محض بے اصل نئی پُرانی افواہ اپنے حواشی بڑھا کر مسلمانوں کو سُناتے اور انھیں حاضری بارگاہِ خدا ورسول سے بددل کرتے ہیں یہ اُن کی ایمانی حالت کا خاکہ ہے ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم وحسبنا اللہ ونعم الوکیل اور اگر معاذ اللہ بدامنی اس حد کی فرض کی جائے کہ مانع فرضیت حج ہو تو اب یہ ریل اگر مورثِ امن وامان بھی لی جائے تو مقدمہ فرض نہ ہوگی کہ بسبب بے امنی حج فرض ہی نہیں، ہاں مقدمہ فرضیت ہوگی کہ یہ ہوجائے تو حج فرض ہو اور مقدمہ فرضیت فرض درکنار مستحب بھی نہیں ہوتا، مثلاً اتنا مال جمع کرنا کہ حوائج اصلیہ سے بچ کر قدر نصاب رہے اور اس پر سال گزرے، مقدمہ فرضیت زکوٰۃ ہے کہ ایسا ہو تو زکوٰۃ فرض ہو مگر وہ اصلاً مستحب بھی نہیں، غرض ہر عاقل جانتا ہے کہ اسباب ادائے واجب کا مہیا کرنا واجب ہوتا ہے نہ کہ اسباب وجوب کا۔ درمختار میں ہے:

لو وھب الاب لابنہ مالا، یحج بہ — اگر والد نے بیٹے کو حج کے لیے مال ہبہ کیا تو اس پر

بفضل المنان ۞ واشهد ان لا الٰه الّا اللّٰه وحدہ لاشریک لہ شہادۃ یحیی بہا وجہ الدیان ۞ واشهد انّ محمداً عبدہٗ و رسولہ شہادۃ توردنا موارد الرضوان ۞ فصلی اللّٰہ وسلم و بارک و انعم علی ھذا الحبیب القریب الملتجیٰ البعید المرتقی الرفیع المکان ۞ وعلٰی اٰلہ وصحبہ وعیالہ وحزبہ اولی العلم والعرفان ۞ وعلینا معہم وبہم ولہم یا جلیل الاحسان ۞ وجمیل الامتنان ۞ اٰمین اٰمین الٰہ الحق اٰمین ۞

فرزند روشن دلیل والے غوث والے پر جو بہت احسان فرمانے والے رب کے فضل سے قبرِ مکرم میں زندہ انعام یافتہ ہیں۔ اور میں شہادت دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے جس کا کوئی شریک نہیں ایسی شہادت جس سے جزا دینے والے رب کو تحیت پیش کی جائے، اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں ایسی شہادت جو ہمیں رضوان کے مقامات میں اتارے۔ تو خدا کا درود و سلام اور برکت و انعام ہو اس محبوب پر جو التجا کے لیے قریب، منزلِ ارتقا میں بعید، بلند مرتبے والے ہیں اور اُن کی آل و اصحاب و عیال اور علم و عرفان والی جماعت پر، اور اُن کے ساتھ، ان کے طفیل، ان کے سبب ہم پر بھی، اے بزرگ احسان، جمیل امتنان والے، قبول فرما، قبول فرما، اے معبودِ برحق قبول فرما! (ت)

امّا بعد! یہ معدود سطریں ہیں یا منضود سلکیں۔ تنقیح مسئلہ علم و سماعِ موتٰی، وطلبِ دعا بمشاہد اولیاء ہیں، جنھیں افقر الفقراء احقر الوریٰ عبد المصطفیٰ احمد رضا محمدی، سُنّی، حنفی، قادری، برکاتی، بریلوی، اصلح اللّٰہ عملہ و حقق املہ نے اوائل ماہِ رجب ۱۳۰۵ھ ہجریہ کی چند تاریخوں میں رنگِ تحریر دیا، اور بلحاظ تاریخ حیاۃ الموات فی بیان سماع الاموات ۱۳۰۵ھ سے مسمّٰی کیا، اس سے پہلے کہ فقیر غفرلہٗ نے چند کلمے مسمّٰی بہ الاھلال بفیض الاولیاء بعد الوصال ۱۳۰۳ھ جمع کیے تھے، اُن کے اکثر مطالب و مضامین بھی اس رسالہ کے بعض انواع و فصول میں مندرج ہُوئے۔ اب یہ عجالہ نہ صرف علم و سماعِ موتٰی کا ثبوت دے گا بلکہ بحول اللّٰہ تعالٰی خوب واضح کرے گا کہ حضرات اولیاء بعد الوصال زندہ اور اُن کے تصرف و کرامات پایندہ اور ان کے فیض بدستور جاری اور ہم غلاموں خادموں محبّوں معتقدوں کے ساتھ وہی امداد و اعانت و یاری، والحمد للّٰہ القدیر الباری۔

یہ رسالہ حق سے متصل، باطل سے منفصل مقدمہ و سہ مقصد و خاتمہ پر مشتمل و حسبنا اللّٰہ و نعم الوکیل ھو مولٰنا و علیہ التعویل۔

مقدمہ باعثِ تالیف میں سلخ جمادی الآخرہ ۱۳۰۵ھ کو ایک مسئلہ بغرض تصدیق و اظہار ادعائے طلبِ تحقیق فقیر کے پاس آیا، صورتِ سوال یہ تھی:

صیقل الرین عن احکام مجاورۃ الحرمین

۱۳۰۵ھ

(حرمین شریفین میں سکونت کے احکام سے متعلق شبہات کا ازالہ)

مسئلہ ۳۰: از گورکھپور محلہ گھوسی پورہ مسئولہ مولانا مولوی حکیم عبداللہ صاحب ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۰۵ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ما قولکم رحمکم اللہ تعالٰی فی رجل مکلف لہ ابوان وبنتان صغیرتان لایفتقرون الیہ فی المعاش ولہ زاد وراحلۃ یرید ان یہاجر وحدہ الی الحرمین الشریفین زادھما اللہ شرفا وتعظیما وذٰلک لانہ لایجد مالا یسع زادھم جمیعا ویظن انہ لواستجازھم فی الھجرۃ لایجیزوہ اصلا فھل تجوز لہ الھجرۃ بحکم الشرع ام لا، بینوا بسند

اے علماء کرام (اللہ تم پر رحمت فرمائے) اس مکلف کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے جس کے ایسے والدین اور دو بیٹیاں ہیں جو معاشی اعتبار سے اس شخص کی محتاج نہیں، اس شخص کے لیے زادِ راہ اور سواری وغیرہ بھی ہو، اور وہ چاہتا ہے کہ وہ تنہا حرمین شریفین (اللہ تعالٰی ان کے شرف وعظمت میں اضافہ فرمائے) ہجرت کرجائے کیونکہ وہ تمام کے خرچہ کی طاقت نہیں رکھتا اور یہ بھی گمان رکھتا ہے کہ اگر ان

الکتاب والعبارۃ توجروا یوم الحساب بالبشارۃ۔

مذکورہ افراد سے ہجرت کی اجازت چاہے گا تو وہ اجازت نہیں دیں گے ایسی صورت میں اس کے لیے شرعًا ہجرت جائز ہے یا نہیں؟ کتاب وسنت کی روشنی میں واضح فرما دیں، اللہ تعالٰی تمھیں یوم قیامت اجر عطا فرمائے گا۔ (ت)

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب الحمد للہ وحدہ والصلوۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ وعلی اٰلہ وصحبہ المکرمین عندہ۔

اے اللہ حق وصواب کی توفیق عطا فرما، حمد ہے اللہ کے لیے جو ذات وصفات میں لاشریک ہے، صلوٰۃ وسلام ہو اس ذات پر جس کے بعد کوئی نبی نہیں اور مکرم ومحترم آل واصحاب پر۔

برالوالدین من اعظم الواجبات واھم القربات حتی قرن المولٰی سبحانہ وتعالٰی شکرھما بشکرہ اذ امر عز من اٰمران اشکرلی ولوالدیک وقد فضلہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی الجہاد فی سبیل اللہ (اخرج) احمد والشیخان وابوداؤد والنسائی عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ، قال سألت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ای العمل احب الی اللہ قال الصلٰوۃ علٰی وقتھا، قلت ثم ای، قال برالوالدین، قلت ثم ای، قال الجہاد فی سبیل اللہ[1] قلت، ولیس

والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک اعظم واجبات اور اہم عبادات میں سے ہے حتی کہ اللہ تعالٰی سبحانہ وتعالٰی نے ان کی شکرگزاری کو اپنے شکریہ کے ساتھ متصل فرماتے ہوئے یہ حکم دیا "میرے شکرگزار رہو اور اپنے والدین کے" اور حضور صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے والدین کے ساتھ نیکی کو اللہ کی راہ میں جہاد سے افضل قرار دیا ہے۔ امام احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰے عنہ سے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم سے عرض کیا: اللہ تعالٰے کے ہاں کون سا عمل زیادہ محبوب ہے؟ فرمایا: وقت پر نماز۔ میں نے عرض کیا: اس کے بعد کون سا عمل ہے؟ فرمایا: والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک۔ عرض کیا: اس کے بعد؟ فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد۔

---

[1] صحیح بخاری کتاب الادب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۸۸۲

البران لاتعصیهما اذا صرحا بشیئ
وتخالفهما فی ماسوی ذلك ولكن
البران لاتأتی مایكرهانه وان
لم یخاطباك فیه بشیئ فان الطاعة
والارضاء كلاهما واجبان و
المعصیة والاسخاط جمیعا محرمات
وهذان اعنی السخط والرضا لایختصان بما
تقدما فیه بصریح البیان كمالایخفی۔

وحسبك ما اخرج الترمذی و ابن
حبان والحاكم وصححه والطبرانی
عن عبدالله بن عمرو، والبزار عن
عبدالله بن عمر رضی الله تعالٰی
عنهم انه صلی الله تعالٰی علیه وسلم
قال رضی الرب فی رضی الوالد
وسخط الرب فی سخط الوالد[1]،
ولفظ البزار الوالدین فی الموضعین[2]
وقد اشار النبی صلی الله تعالٰی علیه
وسلم من اراد الجهاد والهجرة
الیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم
ان یرجع فیخدم ابویه ولیس فی
الحدیث انهما كانا مفتقرین الیه
اخرج احمد والستة الا ابن ماجة

میں کہتا ہُوں نیکی ان کے ساتھ یہ نہیں کہ ان کے حکم
صریح کی تو نافرمانی نہ کی جائے اور اس کے علاوہ میں ان
کی مخالفت کی جائے، ہاں نیکی یہ ہے کہ کسی معاملہ میں
بھی انھیں پریشان نہ کیا جائے اگرچہ وُہ اولاد کو کسی
معاملہ کا حکم نہ دیں، کیونکہ طاعت اور راضی کرنا دونوں
واجب ہیں اور نافرمانی اور ناراض کرنا دونوں حرام ہیں
اور یہ ناراض اور راضی کرنا ان کے صریح حکم کے ساتھ
ہی مخصوص نہیں، جیسا کہ مخفی نہیں۔

اس پر دلیل یہ روایت ہی کافی ہے کہ امام ترمذی،
ابنِ حبان، حاکم (انھوں نے اسے صحیح کہا ہے)
اور طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی
عنہ سے اور بزار نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ
تعالٰی رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا کہ
رحمۃ للعالمین صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:
رب کی رضا والد کی رضا میں ہے اور رب کی ناراضگی
والد کی ناراضگی میں ہے۔ مسند بزار میں دونوں مقامات
پر والد کی جگہ "والدین" کا لفظ ہے۔ کچھ لوگوں نے
آپ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں جہاد
اور آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس رہنے کی اجازت
چاہی آپ نے انھیں والدین کی خدمت کا حکم دیا۔
ان احادیث میں یہ کہیں تصریح نہیں کہ والدین ان
کی خدمت کے محتاج تھے۔ امام احمد، ابن ماجہ

---

[1] جامع الترمذی باب ماجاء من الفضل فی رضا الوالدین امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۲
[2] الترغیب والترهیب بحوالہ البزار کتاب البر والصلۃ مصطفی البابی مصر ۳/ ۳۲۲

عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہما، ومسلم وغیرہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ، قال جاء رجل الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فاستاذنہ فی الجہاد فقال احی والداک، قال نعم، قال ففیہما فجاہد۔[1]

کے علاوہ ائمہ ستہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے، اور مسلم اور دیگر محدثین نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوکر جہاد پر جانے کی اجازت چاہی، آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے پُوچھا: کیا تیرے والدین زندہ ہیں؟ عرض کی: ہاں۔ فرمایا: جاؤ ان کی خدمت میں محنت کرو۔

قلت ولا اقول ان مجرد عدم الذکر ذکر العدم، حتی توجہ تقول واقعۃ حال فلا شمول، فما یدریک لعلہما کانا مفتقرین الیہ، وانما اقول ان السائل لم یبین، والنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لم یستبین، فترک السؤال دلیل الارسال۔

میں کہتا ہوں میں یہ نہیں کہہ رہا کہ محض عدمِ ذکر ذکرِ عدم ہے، حتی کہ یہ اعتراض ہو کہ یہ تو ایک مخصوص واقعہ ہے جس کا حکم عام نہیں، کیا علم کہ وہ والدین محتاجِ خدمت ہوں، میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ سائل نے ان کی محتاجی بیان نہیں کی اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کی تفصیل پوچھی۔ سوال کا نہ کرنا اس بات پر دلیل ہے کہ محتاج ہونا ضروری نہیں۔

واخرج مسلم فی روایۃ لہ عن ابن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما قال اقبل رجل الی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال ابایعک علی الھجرۃ والجہاد ابتغی الاجر من اللہ تعالٰی، قال فھل من والدیک احد حی،

امام مسلم نے ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ایک شخص نے حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوکر عرض کیا: آقا! میں اللہ تعالٰی سے اجر وثواب کی خاطر ہجرت اور اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے آپ کے دستِ اقدس پر بیعت چاہتا ہوں، آپ نے پُوچھا: تیرے والدین میں سے کوئی ایک

---

[1] صحیح مسلم باب بر الوالدین قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۳۱۳

قال نعم بل کلاھما حی، قال فتبتغی الاجر من اللہ تعالٰی، قال نعم، قال فارجع الی والدیك فاحسن صحبتھما۔[1]

زندہ ہے؟ عرض کیا: ہاں بلکہ دونوں زندہ ہیں، فرمایا: تُو اللہ تعالٰی سے ثواب و اجر چاہتا ہے؟ عرض کیا: ہاں۔ فرمایا: والدین کے پاس جاؤ اور ان کی خوب خدمت کرو۔

واخرج ابوداؤد عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ بلفظ جاء رجل الی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال جئت ابایعك علی الھجرۃ وترکت ابوی یبکیان، قال فارجع الیھما فاضحکھما کما ابکیتھما۔[2]

امام ابوداؤد نے اسی صحابی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ان الفاظ میں روایت ذکر کی ہے ایک شخص رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہُوا اور عرض کیا میں آپ کے پاس ہجرت پر بیعت کے لیے آیا ہُوں اس حال میں کہ میں والدین کو روتے ہُوئے چھوڑ آیا ہُوں، فرمایا: ان کی خدمت میں واپس جاؤ اور اس طرح خوش کرو جیسے تم نے انھیں رُلایا ہے۔

واخرج ایضا عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ ان رجلا ھاجر من الیمن الی رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم، فقال ھل لك احد بالیمن، فقال ابوای، قال اذنا لك، قال لا، قال فارجع الیھما فاستاذنھما فان اذنا لك فجاھد والا فبرھما۔[3]

انھوں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ ایک شخص یمن سے ہجرت کرکے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں آیا، آپ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے پوچھا: یمن میں تیرا کوئی عزیز ہے؟ عرض کیا: میرے والدین ہیں، فرمایا: انھوں نے تجھے اس بات کی اجازت دی ہے؟ عرض کیا: نہیں۔ فرمایا: ان کی خدمت میں جاکر اجازت طلب کرو اگر تجھے اجازت دے دیں تو جہاد پر جاؤ اور اگر اجازت نہ دیں تو والدین کی خدمت کرو۔

---

[1] صحیح مسلم — باب برالوالدین — قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۳۱۳
[2] سُننِ ابُوداوٗد — کتاب الجہاد — آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۳۴۲
[3] ؍؍ — ؍؍ — ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۱/۴۳-۳۴۲

واخرج النسائی وابن ماجة وحاکم وقال صحیح علی شرط مسلم، والطبرانی باسناد جید، عن معاویة بن جاهمة ان جاهمة رضی اللہ تعالٰی عنه جاء الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم، فقال یارسول اللہ اردت ان اغزو وقد جئتك استشیرك، فقال ھل لك من ام، قال نعم، قال فالزمها فان الجنة عند رجلیها۔[1]

نسائی، ابن ماجہ، حاکم (اور کہا یہ شرط مسلم کے مطابق صحیح ہے) اور طبرانی نے سند جید کے ساتھ حضرت معاویہ بن جاہمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نقل کیا کہ حضرت جاہمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں آئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں جہاد کا ارادہ رکھتا ہوں آپ کی خدمت میں مشورہ کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ فرمایا: تمہاری والدہ ہیں؟ عرض کیا: ہیں۔ فرمایا: پس ان کی خدمت کرو کیونکہ جنت ان کے قدموں میں ہے۔

ولفظ الطبرانی قال اتیت النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم استشیرہ فی الجهاد، فقال النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم الك والدان، قلت نعم، قال الزمهما فان الجنة تحت ارجلهما۔[2]

اور طبرانی میں روایت کے الفاظ یہ ہیں حضرت جاہمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر جہاد کے لیے مشورہ طلب کیا، آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟ میں نے عرض کیا: زندہ ہیں۔ فرمایا: ان کی خدمت کو لازم جانو کیونکہ جنت ان کے قدموں میں ہے۔

واخرج هذا اعنی الطبرانی عن طلحة بن معٰویة السلمی رضی اللہ تعالٰی عنه، قال اتیت النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم، فقلت یارسول اللہ انی ارید الجهاد فی سبیل اللہ، قال امك حیة؟ قلت نعم، قال النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم الزم

طبرانی نے حضرت طلحہ بن معاویۃ السلمی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں اللہ کی راہ میں جہاد کا ارادہ رکھتا ہوں۔ فرمایا: تمہاری والدہ زندہ ہیں؟ عرض کیا: ہاں۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ان کے قدموں میں

---

[1] سنن النسائی کتاب الجہاد مکتبہ سلفیہ لاہور ۲/ ۴۸

[2] المعجم الکبیر حدیث ۲۲۰۲ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۲/ ۲۸۹

رجليها فثم الجنة ۔[1]

فهذه فتوى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في الهجرة الى المدينة ورسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بين اظهرهم فكيف بجوار احد الحرمين بعد وفاة سيد الكونين صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فانظر كيف امرهم ان يرجعوا ويلزموا رجل اٰبائهم وامهاتهم وانظر كيف امر من لم يستأذن ان يرجع فليستاذن وانظر كيف هدى من اتى وتركهما يبكيان ان يضحكهما كما ابكاهما وانت اذا علمت انهما لا ياذنان ان استاذنت فقد علمت انهما لاشد حزنا ووجدا بك ان فارقت وما اذنت فاياك ثم اياك ان تتركهما وهما يبكيان۔

وهذا اخيرا لنا بعين بشهادة سيد العالمين صلى الله تعالىٰ عليه

رہو، وہیں جنت ہے۔

یہ مدینہ کی طرف ہجرت کے بارے میں رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اس وقت کا فتوی ہے جب آپ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم صحابہ کے درمیان ظاہری حیات کے ساتھ تشریف فرما تھے اب سیدِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حرمین میں سے کسی ایک میں جانے کا حال کیا ہوگا! ذرا غور تو کیجئے کہ آپ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے لوگوں کو اپنے آباء اور امہات کی خدمت میں لَوٹنے کا کس انداز میں حکم دیا ہے۔ یہ ملاحظہ بھی کیجئے کہ آپ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اس شخص کو کیا حکم دیا جو والدین سے اجازت لیے بغیر آیا تھا کہ واپس جاؤ اور اجازت لو۔ اس پر بھی توجہ کیجئے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس شخص کی کتنی پیاری رہنمائی فرمائی جو اپنے والدین کو روتا ہوا چھوڑ کر آیا تھا کہ جاؤ ان کو اسی طرح ہنساؤ جس طرح انھیں رلایا ہے۔ جب آپ نے یہ سب کچھ پڑھ لیا تو اب صورتِ مذکورہ میں اگر والدین سے اجازت مانگے وہ اجازت نہیں دے رہے تو واضح بات ہے کہ وہ تمھاری جدائی پر سخت پریشان وغمگین ہوں گے جبھی تو وہ آپ کو اجازت نہیں دے رہے تو اب روتے ہوئے چھوڑ کر جانا ہرگز ہرگز جائز نہیں۔

آئیے ایک ایسی شخصیت کا عمل پڑھتے ہیں جن کے بارے میں امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت عمر رضی اللہ

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۸۱۹۲ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۸/۳۷۲

وسلم المروية من طريق عمر رضي الله تعالٰی عنه، عند مسلم[1] في صحيحه ومن حديث علي كرم الله تعالٰی وجهه عند الحاكم[2] بسند صحيح اعني ولي الله سيدنا اويس القرني رضي الله تعالٰی عنه منعته خدمة امه والبر بها ان ياتي رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ويتشرف بذالك الشرف الاهم الاعظم هو صحبة نبي الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم، فاظنك بهٰذا الذي يسميه الناس هجرة وماهو هجرة وانما الهجرة هجران الذنوب، نسأل توفيقه من رب القلوب۔

اخرج البخاري وابوداؤد والنسائي عن ابن عمر رضي الله تعالٰی عنهما قال قال النبي صلی الله تعالٰی علیه وسلم المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده والمهاجر من هجر ما نهی الله تعالٰی عنه[3]۔

وما احسن ما قال اخو العجم ؎

گر در یمنی و با منی پیش منی
ور پیش منی و بے منی در یمنی

وهو معنی ما قال اٰخر: ؎

تعالٰی عنہ سے اور حاکم نے حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا کہ سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا، تمام تابعین میں افضل شخصیت ہے یعنی ولی اللہ حضرت سیدنا اویس قرنی رضی اللہ تعالٰی عنہ، انھیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں آکر اعلٰی و افضل مقام حضور نبی پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صحبت پانے سے مانع فقط والدہ کی خدمت اور حُسنِ سلوک ہی تھا۔ اب ذرا سوچئے اس عمل کا کیا مقام ہے جسے لوگوں نے ہجرت کا نام دے رکھا ہے حالانکہ یہ ہرگز ہجرت نہیں، ہجرت تو حقیقۃً گناہوں کا چھوڑنا ہے، ہم ربِ قلوب سے اسکی توفیق کے طلبگار ہیں۔

بخاری، ابوداؤد اور نسائی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا، مسلمان وُہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرا مسلمان محفوظ ہو اور مہاجر وُہ ہے جو ان چیزوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ تعالٰی نے منع فرمایا ہے۔

اور اخو العجم نے کیا خوب کہا ہے:

اگر تو یمن میں ہے اور میرے تصور میں ہے تو میرے سامنے ہے اور
اگر تو میرے سامنے ہے لیکن میرے تصور میں نہیں تو تو یمن میں ہے۔

کسی اور شاعر نے بھی یہی بات یوں کہی ہے:

---

[1] صحیح مسلم، باب من فضائل اویس قرنی، قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۱
[2] المستدرک للحاکم، مناقب اویس قرنی، دار الفکر بیروت ۳/ ۴۰۳
[3] صحیح بخاری، باب من سلم المسلمون من لسانہ، قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۶

وکم من بعید الدار نال مرادہ
وکم من قریب الدار مات کئیبا

بہت سے دُور رہنے والے مراد پالیتے ہیں اور
بہت سے قریب رہنے والے محروم و نامراد مرتے ہیں۔

وکان سیّدی العارف باللہ ابو محمد المرجانی رحمہ اللہ تعالٰی یقول:
کم من ھو معنا ولیس ھو معنا و کم من ھو بعید عنا! و ھو معنا[1] اھ۔

سیّدی عارف باللہ ابو محمد المرجانی رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں:
بہت سے لوگ ہمارے ساتھ رہتے ہوئے بھی ہمارے ساتھ نہیں اور بہت سے ہم سے دُور ہیں مگر ہمارے ساتھ ہوتے ہیں اھ

ومن اخفی وساوس الشیطان تلبس الشر بالخیر علی الانسان، فیذھب بہ علی السیئات من باب الحسنات، و لایعرف ذٰلک الا العلماء العاملون ولذا ورد ذم المتعبد بغیر فقہ وضرب لہ مثل سوء فی حدیث عند ابی نعیم فی حلیۃ الاولیاء[2] عن واثلۃ بن اسقع رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

جس پر شیطان کے وساوس مخفی ہوں اس انسان پر شر و خیر میں التباس ہوجاتا ہے اور شیطان اسے حسنات سے سیئات کی طرف لے جاتا ہے اور اس بات سے باعمل علماء ہی آگاہ ہوسکتے ہیں، اسی وجہ سے بغیر دین فہمی کے عبادت کرنے والے کی مذمت آئی ہے اور ایسے عابد کی اس حدیث میں بُری مثال بیان ہوئی جو ابونعیم نے حلیہ میں حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی ہے۔

وھذا اشد مما اخرج الترمذی وابن ماجۃ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد[3]۔

یہ اس سے سخت ہے جسے ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ سخت ہے۔

فھٰذا الذی یرید الھجرۃ

ہجرت کا ارادہ کرنے والا اگر یہ جان لے کہ

---

[1]

[2] حلیۃ الاولیاء ترجمہ ۳۱۸ خالد بن معدان دارالکتاب العربی بیروت ۵/ ۲۱۹

[3] جامع الترمذی باب ماجاء فی فضل الفقہ امین کمپنی دہلی ۲/ ۹۳

لوعلما فی احزان الوالدین وادخال الغم علیھما لما ارادھا کما ورد عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، انہ قال لوکان جریج الراھب فقیھا عالما لعلم ان اجابۃ دعاء امہ اولٰی من عبادۃ ربہ[1] اخرجہ الحسن بن سفین فی مسندہ والحکیم المولی الترمذی فی نوادرہ وابن قانع فی معجمہ، والبیہقی فی شعب الایمان عن شھر بن حوشب عن حوشب بن یزید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

فھذا الحدیث، وان بغیت الفقہ فقد نقل العلامۃ البحر فی البحر الرائق تفصیلا برخصۃ ونھی فی مسئلۃ حج الولد بلا اذن الوالد ثم قال ھذا کلہ فی حج الفرض اما حج النفل فطاعۃ الوالدین اولٰی مطلقا کما صرح بہ فی الملتقط[2] اھ ونقلہ العلامۃ ابن عابدین فی رد المحتار۔

قلت فاذا کان ھذا حکمھم فی الحج وانت ترید القفول، فکیف وانت عازم ان لا ترجع، وقد وضع فی الھندیۃ، ضابطۃ حسنا فی امثال ھذہ المسائل

والدین کو پریشان کرنے میں کیا سزا ہے تو ہجرت کا ارادہ ترک کردے، جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہے کہ جریج راہب فقیہ وعالم ہوتا تو اسے معلوم ہوتا کہ اللہ تعالٰی کی عبادت سے والدہ کے بلاوے کا جواب اولٰی ہے۔ حسن بن سفین نے مسند میں، حکیم ترمذی نے نوادر میں، ابن قانع نے معجم میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں شہر بن حوشب سے، انھوں نے حوشب بن یزید سے، انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا ہے۔

یہ تو احادیث تھیں، باقی رہے فقہاء، تو علامۃ البحر نے بحر الرائق میں تفصیلاً رخصت کی تفصیل تحریر کی، اور جبکہ اجازتِ والد کے بغیر اولاد کو حج کرنے سے منع کیا، پھر فرمایا یہ تمام بحث حجِ فرض میں ہے رہا نفل حج، تو اس میں اطاعتِ والدین ہر حال میں اولٰی ہے، جیسا کہ ملتقط میں ہے اھ اسے علامہ ابن عابدین نے رد المحتار میں نقل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں یہ انھوں نے حج کے بارے میں حکم دیا ہے جس میں تُو واپس کوچ کا ارادہ رکھتا ہے، یہ کیسے جائز ہوسکتا ہے جبکہ تو واپس نہ ہونے کا عزم رکھتا ہے، فتاوٰی ہندیہ میں ایسے مسائل کے بارے میں بہت عمدہ ضابطہ بیان کیا ہے وہ یہ ہے

---

[1] نوادر الاصول | الاصل السابع عشر والمائۃ | دار صادر بیروت | ص ۱۵۲
شعب الایمان | باب فی بر الوالدین | حدیث ۷۸۸۰ | دار الکتب العلمیہ بیروت | ۶/ ۱۹۵

[2] بحر الرائق | کتاب الحج | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۲/ ۳۰۹

حیث قال الابن البالغ یحمل عملا لاضرر
فیه دینا ولادنیا بوالدیه وهما یکرهانه
فلابد من الاستیذان فیه اذا کان له
منه بد[1] اھ فقد حکم ان لامحید من
الاستیذان وان لم یکن بهما ضرر اصلا
فیما اراد، فهذا حکم المسئلة کما تری، و
مالی التکلم فی هذا وذاك ولکن اقول ان
المجاورة لاتخل من اصلها وان اذن الابوان
فکیف اذا کرها وحزنا بها هذا هو قول الامام
وبقوله قال الخائفون المحتاطون من
العلماء، کما فی الشامی عن الاحیاء، وبه
جزم فی المجمع وغیره۔

قلت وهو الاقوی دلیلا والاحسن
تاویلا والاصلح تعویلا والاقوم قیلا
ولیس لحنفی ان یحتار من قوله
ویختار قول غیره کصاحبیه
مثلا الا لضعف بیّن فی دلیله او
ضرورة تدعو الی مخالفة قیله،
حتی صرح الفاضلان العلامتان
مولٰنا زین بن نجیم المصری
والشیخ خیرالدین الرملی،
انه لایعمل ولایفتی الا بقوله رضی الله
تعالٰی عنه ولایعدل عن قوله الی قولهما

کر بالغ اولاد کوئی دینی یا دنیوی ایسا کام نہ کرے جو
والدین کے لیے غیر مضر اور ناپسند ہو، اور اگر ضروری ہو تو
والدین سے اجازت لینا ضروری ہوگا اھ یعنی اگرچہ
نقصان دہ نہ بھی ہو تب بھی والدین کی اجازت کے
بغیر چارہ نہیں ۔ یہ تو مسئلہ کا حکم تھا لیکن مجھے اس
میں کلام نہیں ہے اور جبکہ میں یہ کہتا ہوں کہ مجاورت
اس صورت میں بھی جائز نہیں جبکہ والدین اجازت
دیں تو اس وقت کیسے جائز ہوگی جب وہ اسے پسند
نہ کریں اور اس پر پریشان ہوں، اور یہی امام صاحب
کا قول ہے، محتاط اور خائف اہل علم نے آپ کے
اسی قول کو اختیار کیا ہے جیسا کہ شامی میں احیاء سے
ہے، مجمع وغیرہ میں اس پر جزم کا اظہار کیا ہے۔

میں کہتا ہوں یہ قول دلیل کے اعتبار سے
قوی، تاویل کے لحاظ سے احسن، اعتماد کے لحاظ
سے اصلح اور قیل وقال کے لحاظ سے معتدل ہے، اور کسی
حنفی کے لیے یہ اجازت نہیں کہ وہ آپ کے قول کو
ترک کرکے کسی دوسرے مثلاً صاحبین کے قول پر عمل کرے
ہاں اس صورت میں جائز ہوتا ہے جب آپ کے
قول کی دلیل واضح طور پر کمزور ہو یا آپ کے قول کی مخالفت کی
کی اشد ضرورت درپیش ہو، حتی کہ دو عظیم فاضل اہل علم
مولانا زین بن نجیم مصری اور شیخ خیرالدین رملی نے تصریح
کی ہے کہ آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر عمل اور
فتوٰی دیا جائے گا، اس سے صاحبین یا کسی اور کے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب السادس والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۶۵

اوقول احدھما الالضرورۃ وان صرح المشائخ بان الفتوی علی قولھما[1] کما فی صلوٰۃ البحر و شہادات الخیریۃ و ھذا امیرالمؤمنین عمرالفاروق الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ ، کان اذا فرغ من حجہ یدور فی الناس و یقول یا اھل الیمن یمنکم ویا اھل العراق عراقکم و یا اھل الشام شامکم[2]، فانہ اھیب لبیت ربکم فی اعینکم، اوکما یقول رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

قلت وکان ھذا والناس انما ھم صحابۃ او تابعون وھم ماھم من غایۃ الادب ونھایۃ الاجلال، فما بال اھل الزمان اھل کیت و ذیت، واللہ المستعان لاصلاح الاحوال، و قد سئل امام دارالھجرۃ ، عالم المدینۃ مالک بن انس رحمہ اللہ تعالٰی ایما احب الیک المجاورۃ اوالقفول فاجاب ان السنۃ الحج ثم القفول[3] کمانقلہ العلامۃ محمد العبدری فی مدخلہ۔

قول کی طرف اعراض کی اجازت نہیں البتہ اس صورت میں جو مذکور ہے اگرچہ کچھ مشائخ نے تصریح کی ہے کہ فتوٰی صاحبین کے قول پر ہے جیساکہ بحر کے باب الصلوٰۃ میں اور فتاوٰی خیریہ کے باب الشہادات میں ہے حالانکہ امیرالمومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو دیکھئے وہ جب حج سے فارغ ہوتے تو لوگوں میں دَورہ کرتے اور فرماتے : اے اہلِ یمن! یمن چلے جاؤ، اے اہلِ عراق! عراق چلے جاؤ ، اے اہلِ شام! اپنے وطن شام لوٹ جاؤ تاکہ تمہارے ذہنوں میں تمہارے رب کے گھر کی ہیبت خوب قائم رہے۔

میں کہتا ہوں یہ اس دَور کی بات ہے جب صحابہ یا تابعین تھے جو نہایت مؤدب اور نہایت ہی احترام و اکرام کرنے والے تھے، ہمارے اس دَور کا کیا حال ہوگا! اللہ تعالٰی ہی اصلاح و احوال کی توفیق دے۔ امام دارالہجرت ، عالمِ مدینہ حضرت امام مالک بن انس رحمہ اللہ تعالٰی سے پُوچھا گیا کہ آپ کو مجاورت محبوب ہے یا لَوٹنا؟ فرمایا سنّت یہ ہے کہ حج کیا جائے پھر واپس ہو، جیساکہ علامہ محمد عبدری نے مدخل میں ذکر کیا ہے۔

---

[1] فتاوٰی خیریہ | کتاب الشہادات | دارالمعرفۃ بیروت | ۲/ ۳۳
بحرالرائق | کتاب الصلوٰۃ | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۱/ ۲۴۶
[2] و [3] المدخل | فصل فی ذکر بعض مایعتور الحاج فی حجہ | دارالکتاب العربی بیروت | ۴/ ۲۵۳

قلت وانما اراد سنة الصحابة
ماعدا المهاجرين، اما المهاجرون
فقد كانوا عن الاقامة محجورين،
فلا يدل قفولهم على استنانه كما لا يخفى.
ثم ان العبدری نقل عن بعض اکابر
الاولیاء قدست اسرارهم، ان جاور
بمكة اربعين سنة ولم يبل فى الحرم
ولم يضطجع، قال فمثل هذا تستحب له
المجاورة او يومر بها والموضع موضع
ربح لاموضع خسارة، فيحرم
نفسه الربح لقلة الادب الذى
يصدر منه وقلة الاحترام" قال "وقد حكى
لى السيد الجليل ابو عبدالله القاضى رحمة
الله تعالى عليه انه احتاج الى قضاء
حاجة الانسان وهو فى المدينة فخرج
الى موضع من تلك المواضع وعزم ان
يقضى حاجته فيه فسمع هاتفا ينهاه
عن ذلك فقال الحجاج يعملون هذا فاجابه
الهاتف بان قال واين الحجاج واين الحجاج
واين الحجاج ثلث مرات، فخرج من البلد
حتى قضى حاجته ثم رجع[له] اھ۔
"وقد اطال الكلام فيه الى ان
قال" ثم لو فرض ان المجاور لا يباشر

قلت یہاں امام مالک نے سنّت سے
مراد غیر مہاجرین صحابہ کی سنّت لی ہے، رہے مہاجرین
صحابہ، تو ان کے لیے مکہ میں اقامت ممنوع تھی،
لہذا ان کا لوٹنا سنّت پر دال نہیں جیسا کہ واضح ہے۔
پھر شیخ عبدری نے بعض اکابر اولیاء قدست اسرارہم
کے بارے میں یہ بھی نقل کیا کہ وُہ چالیس سال مکہ
میں رہے مگر حرم مکہ میں پیشاب نہ کرتے اور نہ ہی
وہاں لیٹتے تھے۔ پھر فرمایا ایسے لوگوں کے لیے مجاورت
مستحب ہے یا انھیں کو اجازت دی جاسکتی ہے
اور یہ مقام سراپا نفع ہے، خسارہ نہیں تو قلتِ ادب
اور قلتِ احترام کی بنا پر انسان خود کو نفع سے محروم
نہ کرے۔ پھر فرمایا مجھے السید الجلیل ابو عبداللہ
القاضی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے بارے میں بیان
کیا گیا کہ انھیں شہر مدینہ میں رفعِ حاجت کی ضرورت
پیش آئی تو وُہ شہر میں ایک مقام کی طرف گئے اور
وہاں قضاءِ حاجت کا ارادہ کیا تو غیب سے آواز
آئی جو اس عمل سے انھیں منع کر رہی تھی تو انھوں
نے کہا تمام حجاج ایسا کرتے ہیں، تو جواب میں تین دفعہ
آواز آئی، کہاں کے حجاج، کہاں کے حجاج، کہاں
کے حجاج۔ پھر وہ شہر سے باہر چلے گئے اور رفعِ
حاجت کی اور پھر لوٹے اھ
طویل گفتگو کے بعد لکھتے ہیں کہ بالفرض مجاورت
کرنے والا کوئی ایسا عمل نہیں کرتا جو ذکر ہوا تو اس کے

[له] المدخل فصل فی ذکر بعض مایعتور الحاج فی حجہ دارالکتاب العربی بیروت ۴/۲۵۳

شیئا مما تقدم ذکرہ حینئذ تکون المجاورۃ
مستحبۃ فی حقہ ما لم یخل بعبادۃ اخری
ھی اکبر منہا کبر الوالدین والقیام بما وجب
علیہ من صلۃ الرحم لمن یحب ذلك بالحضور
معہ دون ارسال السلام بالکتابۃ وغیرہ،
"قال" والمقصود ان یقدم امتثال الشرع
الشریف فیقدم ما قدمہ ویؤخر ما اخرہ،
فالمجاورۃ مع النبی صلی اللہ تعالٰی
علیہ وسلم باتباع اوامرہ واجتناب
نواھیہ فی ای موضع کان
ھذہ ھی المجاورۃ[1] "قال"
ومن کتاب القوت (ای لسیدی
ابی طالب المکی رحمہ اللہ تعالٰی)
قال بعض السلف کم من رجل بارض
خراسان اقرب الی ھذا البیت ممن
یطوف بہ، وکان بعضھم یقول لان تکون
ببلدك وقلبك مشتاق متعلق بھذا
البیت خیر لك من ان تکون فیہ وانت متبرم
بمقامك وقلبك متعلق الی بلد غیرہ[2] اھ ملتقطا۔
انی لو شئت لطولت الکلام بتوفیق
العلام فی تحقیق المرام ولکن حسبی
فی ھذا المقام کلام الامام ابن الھمام

حق میں مجاورت مستحب ہوگی بشرطیکہ اس سے
کوئی بڑی عبادت درمیان میں حائل نہ ہو مثلاً بوڑھے
والدین کے ساتھ حسن سلوک وخدمت اور ان لوگوں
کی خدمت جو صلہ رحمی کی بناء پر لازم ہے اور وہ اس کے
موجود ہونے کا تقاضا کرتا ہو نہ کہ محض تحریری سلام
وغیرہ کا۔ پھر لکھا مقصود شرع شریف کے احکام کو
مقدم کرنا ہے، لہذا جسے شریعت نے مقدم رکھا ہے
اسے مقدم رکھا جائے اور جسے شریعت نے مؤخر رکھا ہے
اسے مؤخر رکھا جائے۔ حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم
کی مجاورت آپ کے اوامر کی اتباع اور
نواہی سے اجتناب کی صورت میں ہے خواہ انسان
کسی جگہ مقیم ہو، اور اصلاً مجاورت یہی ہے۔ اور
فرمایا کتاب القوت (للامام ابو طالب مکی رحمہ اللہ
تعالٰی) میں بعض اسلاف سے ہے بہت سے خراسان
میں رہائش پذیر اس بیت اللہ کے ان لوگوں سے زیادہ
قریب ہیں جو اس کا طواف کر رہے ہیں۔ بعض نے فرمایا
بندہ اپنے شہر میں ہو اور اس کا دل اللہ تعالٰی کے گھر
سے متعلق ہو یہ اس سے بہتر ہے کہ بندہ بیت اللہ میں
ہو اور دل کسی اور شہر کے ساتھ وابستہ ہو اھ اختصاراً
اگر میں چاہوں تو اس مقصد پر اللہ تعالٰی کی توفیق
سے اور بھی طویل گفتگو کی جا سکتی ہے لیکن اس مقام
پر مجھے امام ابن ہمام کی گفتگو ہی کافی ہے کیونکہ

---

[1] المدخل فصل فی ذکر بعض ما یعتور الحاج فی حجہ الخ دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۲۵۵
[2] " " " " " " " " ۴/ ۲۵۶

اذ لاعطر بعد عرس قال قدس اللہ تعالٰی سرہ الکریم ونفعنا فی الدارین بفضلہ الفخیم فی فتح القدیر شرح الھدایۃ اختلف العلماء فی کراھۃ المجاورۃ بمکۃ وعدمھا فذکر بعض الشافعیۃ ان المختار استحبابھا الاان یغلب علی ظنہ الوقوع فی المحذور وھذا قول ابی یوسف ومحمد رحمھما اللہ تعالٰی وذھب ابوحنیفۃ ومالک رحمھما اللہ تعالٰی الی کراھتھا[1]

شادی کے بعد عطر کیا کرنا ہے انھوں (اللہ تعالٰی ہمیں دارین میں ان کے علوم وفیوض سے بہرہ ور فرمائے) نے فتح القدیر شرح ہدایہ میں فرمایا: مکہ مکرمہ کی مجاورت مکروہ ہے یا نہیں، اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے، بعض شوافع نے کہا کہ مختار قول کے مطابق مستحب ہے لیکن جب غالب گمان ممنوعات کے ارتکاب کا ہو تو پھر مکروہ ہے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی کا بھی یہی قول ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک مجاورت مکروہ ہے۔

قلت والمراد کراھۃ التحریم اذھو المحمل عند الاطلاق وبدلیل قول المحقق فیما سیأتی "لایذکر حالھم قیدا فی جواز الجوار"[2] اھ۔

میں کہتا ہوں یہاں کراہت سے مراد تحریمی ہے کیونکہ جب لفظِ کراہت مطلقًا ہو تو اس سے یہی مراد ہوتی ہے، اور محقق کا آئندہ قول بھی اسی پر دلیل ہے کہ قلیل لوگوں کے حال کو جوازِ مجاورت کے لیے بطورِ قید ذکر نہیں کیا جاتا اھ

(قال) وکان ابوحنیفۃ یقول انھا لیست بدار الھجرۃ وقال مالک وقد سئل عن ذلک ماکان الناس یرحلون الیھا الا علی نیۃ الحج والرجوع وھو اعجب وھذا احوط لما فی خلافہ من تعریض النفس علی الخطر اذ طبع الانسان التبرم والملل من توارد ما یخالف ھواہ فی المعیشۃ وزیادۃ الانبساط المخل

آگے لکھا امام ابو حنیفہ نے فرمایا مکہ مقامِ دار الہجرت نہیں۔ امام مالک سے جب اسی بارے میں پُوچھا گیا تو فرمایا لوگوں کے لیے مناسب یہی ہے کہ وُہ حج ادا کرکے واپس ہوجائیں، اور یہ قول نہایت محبوب ہے اور یہی احوط ہے کیونکہ اس کے خلاف کرنے میں اپنے آپ کو خطرے میں ڈالنا ہے کیونکہ انسانی طبیعت یہ ہے کہ بار بار خلافِ خواہش کرنے سے اس کی زندگی میں ملال وپریشانی پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح

---

[1] فتح القدیر کتاب الحج مسائل منثورہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۹۳
[2] فتح القدیر " " " " ۳/ ۹۴

بما یجب من الاحترام لما یکثر تکررہ علیہ ومداومۃ نظرہ الیہ وایضا الانسان محل الخطاء کما قال علیہ السلام کل بنی ادم خطاء[1]

کثرت کے ساتھ ادب کے منافی ہے بے تکلفی اور بار بار دیکھنے سے ادب و احترام میں کمی واقع ہوجاتی ہے، اور یہ بھی کہ انسان خطاء کا محل ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبارک ارشاد ہے، ہر آدمی محل خطاء ہے۔

قلت اخرجہ احمد والترمذی و ابن ماجۃ والحاکم عن انس عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کل بنی ادم خطاء وخیر الخطائین التوابون[2] اھ

میں کہتا ہوں اسے امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا، ہر آدم محل خطاء ہے اور بہتر خطاکار وہ ہیں جو توبہ کر لینے والے ہوتے ہیں اھ

(قال) والمعاصی تضاعف علی ما روی عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ، ان صح و الا فلا شک انھا فی حرم اللہ افحش واغلظ فتنتھض سببا لغلظ الموجب و ھو العقاب (وساق الکلام الی ان قال) وکل من ھذہ الامور سبب لمقت اللہ تعالٰی واذا کان ھذا سجیۃ البشر فالسبیل التنزہ عن ساحتہ، وقل من یطمئن الی نفسہ فی دعوٰیھا البراءۃ من ھذہ الامور الا وھو فی ذٰلک مغرور الا یری الی ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ و سلم المحببین الیہ الم دعولہ کیف اتخذ

پھر لکھا گناہوں پر سزا بھی کئی گنا ہے جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے، اگر یہ روایت صحیح ہے تو فبہا ورنہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ کے حرم میں گناہ نہایت ہی بدبختی اور سخت قابلِ گرفت جرم ہے جو عقاب و سزا کا مستحق بنا دے گا (آگے چل کر لکھا) ان میں ہر امر اللہ تعالٰے کی ناراضگی کا سبب ہے، اور جب یہ بشری تقاضا ہے تو بچنے کی صورت فقط اس میدان سے نکل جانا ہے اور کوئی بھی ان امور سے بچنے کا دعوٰی نہیں کر سکتا ماسوائے ان لوگوں کے جو دھوکا میں ہیں، کیا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰے عنہما کے بارے میں علم نہیں جو صحابیِ رسول ہیں، محبوب لوگوں میں سے ہیں، اور ان کیلئے حضور کی دعا ہے ہجرت کرکے وہ طائف چلے گئے

---

[1] فتح القدیر — کتاب الحج مسائل منثورہ — نوریہ رضویہ سکھر ۲/۹۳

[2] مسند احمد بن حنبل — مروی از انس رضی اللہ عنہ — دارالفکر بیروت ۲/۱۹۸

الطائف دارًا ، وقال لان اذنب خمسین ذنبا برُکبة وھو موضع بقرب الطائف احب الیّ من ان اذنب ذنبا واحدا بمکة [1]

قلت یشیر بالدعا الی قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اللّٰھم فقھه فی الدین [2] وقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اللّٰھم علمه الکتٰب [3] ، اخرجھما الشیخان ، وانما الفقیه کما قاله الامام الحسن البصری رحمه الله تعالٰی الزاھد فی الدنیا الراغب فی الاٰخرة البصیرة بعیوب نفسه ومثل ھذا یتأھل للجوار لا شك والله قد کان ابن عباس من اعاظم اھله و لکن الاکابر انفسھم یستصغرون فانظر الی الفرق، من لا یسئم یخشی السأمة ومن لا یسلم یدعی السلامة۔

اور فرمایا: رُکبہ (طائف کے قریب جگہ کا نام ہے) کے مقام پر پچاس گناہ کرنا مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں مکہ میں ایک گناہ کروں۔

میں کہتا ہوں دُعا سے آپ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اس دُعا کی طرف اشارہ ہے: "اے اللہ! ابن عباس کو دین کی سمجھ عطا فرما"۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا بھی ہے: "اے اللہ! ابن عباس کو کتاب کا علم عطا فرما"۔ یہ دونوں دُعائیں بخاری ومسلم میں ہیں۔ فقیہ کی تعریف امام حسن بصری رحمہ اللہ تعالٰی نے یُوں کی ہے: دنیا سے اعراض کرنے والا، آخرت کا شوق رکھنے والا اور اپنے عیوب سے آگاہ شخص فقیہ کہلاتا ہے، ایسے لوگ بلاشبہ مجاورتِ مکہ کے اہل ہیں اور اللہ کی قسم حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما ان اہل لوگوں میں سے بھی بڑے ہیں، لیکن اکابر ہمیشہ اپنے آپ کو چھوٹا اور عاجز سمجھتے ہیں، غور تو کیجئے کتنا فرق ہے ان میں کہ جو غلطی نہیں کرتا وُہ عذاب سے ڈرتا ہے اور جو گناہ سے محفوظ نہیں وہ سلامتی کا دعوٰی کرتا ہے۔

(قال) وعن ابن مسعود رضی الله تعالٰی عنه ما من بلدة یؤاخذ العبد فیھا بالھمة قبل العمل الا مکة و

پھر لکھا حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے کہ کسی شہر میں عمل سے پہلے محض برائی کے ارادے پر گرفت نہیں مگر مکہ میں۔ پھر یہ آیت تلاوت کی:

---

[1] فتح القدیر کتاب الحج مسائل منثورہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۹۳
[2] صحیح بخاری باب وضع الماء عند الخلاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۶
[3] صحیح بخاری باب قول النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللھم علمہ الکتاب " " ۱/۱۷

تلا هذه الآية ومن يرد فيه بالحاد بظلم
نذقه من عذاب اليم ، وقال سعيد
بن المسيب للذى جاء من اهل المدينة
يطلب العلم ارجع الى المدينة ، فانا نسمع
ان ساكن مكة لا يموت حتى يكون الحرم
عنده بمنزلة الحل لما يستحل من
حرمها ، وعن عمر رضى الله تعالىٰ عنه
خطيئة اصيبها بمكة اعز علىّ من
سبعين خطيئة بغيرها ؛ نعم افراد
من عباد الله استخلصهم وخلصهم
من مقتضيات الطباع فاولئك هم
اهل الجوار الفائزون بفضيلة من
تضاعف الحسنات والصلوات من غير
ما يحبطها من الخطيئات والسيئات ثم
سرد احاديث فى ذلك)

ثم قال لكن الفائز بهذا مع
السلامة من احباطه اقل القليل فلا
يبنى الفقه باعتبارهم ولا يذكر
حالهم قيدا فى جواز الجوار لان شان
النفوس الدعوى الكاذبة و
المبادرة الى دعوة الملكة والقدرة
على ما يشترط فيما تتوجه اليه و
وتطلبه ، وانها لأكذب

"اور جو اس میں کسی زیادتی کا ناحق ارادہ کرے تو ہم
اسے دردناک عذاب چکھائیں گے۔" اور حضرت سعید
بن مسیب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مدینہ طیبہ سے
طلبِ علم کے لیے مکہ آنے والے سے فرمایا، مدینہ طیبہ
کی طرف واپس چلے جاؤ ہم نے سُن رکھا ہے کہ ساکن مکہ
نہیں فوت ہوگا حتی کہ حرم اس کے ہاں بمنزل حل کے
ہو جاتی ہے کیونکہ وہ اس کی حرمت کا پاس نہیں کرتا۔
حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے: مکہ میں کیا
جانے والا گناہ دوسرے مقام کے ستر گناہوں سے
بدتر ہوتا ہے، ہاں اللہ تعالٰی کے کچھ بندے ایسے
ہیں جنھوں نے اپنی طبائع کے تقاضوں کو صاف خالص
کر لیا ہے وہی اس پڑوس ومجاورت کے اہل ہیں وہ
ہی حسنات اور عبادات کے فضیلت و درجات پانے
والے ہیں اور وہ سیئات اور گناہوں سے محفوظ رہتے
ہیں۔ (پھر اس سلسلہ میں احادیث ذکر کیں)

پھر کہا: لیکن گناہوں میں گرنے سے محفوظ وسلامتی
کے ساتھ کامیاب ہونے والے بہت ہی کم ہوتے
ہیں اور قلیل لوگوں کے اعتبار سے فقہی حکم کی بنا نہیں ہوتی
اور نہ ہی جوازِ مجاورت کے لیے ان کے
حال کو بطورِ قید ذکر کیا جاتا ہے، کیونکہ انسانی
فطرت یہ ہے کہ جھوٹے دعوٰی اور تجربہ کے اعلان میں
پیش رفت کرتے ہوئے اور شرائط پر قدرت کا اظہار
کرتے ہوئے مطلوب کی طرف بڑھتا ہے حالانکہ وہ

۱؎ فتح القدیر کتاب الحج مسائل منثورہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/۹۴-۹۳

مایکون اذا حلفت فکیف اذا ادعت واللہ تعالٰی اعلم وعلٰی ھذا فیجب کون الجوار فی المدینۃ المشرفۃ کذلک فان تضاعف السیئات او تعاظمہا وان فقد فیہا[1]۔

(قلت وذٰلک لان الرحمۃ فی المدینۃ اکثر واللطف اوفر والکرم اوسع والعفو اسرع کماھو شاھد مجرب والحمد للہ رب العالمین ومع ذٰلک) فمخافۃ السآمۃ وقلۃ الادب المفضی الی الاخلال بواجب التوقیر والاجلال قائم وھو ایضا مانع الا للافراد ذوی الملکات فان مقامھم وموتھم فیہا السعادۃ الکاملۃ[2] اھ مختصرا وموضحا

وھو کما تری من الحسن بمکان

فقد افاد واجاد اثابہ الجواد تبارک وتعالٰی، وابان ان الامر وان کان فی الواقع علی جواز الجوار بشرط التوثیق وھو التوفیق عند التحقیق کما نص علیہ وصححہ فی شرح اللباب وجزم بہ فی الدر المختار الا ان اھل التوثیق لما کانوا اقل قلیل واحکام الفقہ انما تبتنی علی الغالب الکثیر دون النادر الیسیر فالوجہ ھو اطلاق المنع کما

اپنی قسموں میں نہایت جھوٹا ہوتا ہے تو اپنے دعوے میں وُہ کیا ہوگا، اور اللہ تعالٰی ہی بہتر جاننے والا ہے۔ اس بنا پر ضروری ہے کہ مدینہ طیبہ میں مجاورت کا بھی یہی حکم ہو اگرچہ یہاں گناہوں پر سزا میں اضافہ یا اُن کی شدت مفقود ہے۔

(میں کہتا ہوں، کیونکہ مدینہ طیبہ میں رحمت اکثر، لطف وافر، کرم سب سے وسیع اور عفو سب سے جلدی ہوتا ہے جیساکہ وُہ شاہد و مجرب ہے والحمد للہ رب العالمین، اس کے باوجود) اکتانے کا ڈر اور وہاں کے احترام وتوقیر میں قلتِ ادب کا خوف تو موجود ہے اور یہ بھی تو مجاورت سے مانع ہے، ہاں وُہ افراد جو فرشتہ صفت ہوں تو ان کا وہاں ٹھہرنا اور فوت ہونا سعادتِ کاملہ ہے اھ اختصاراً

آپ نے دیکھا اس جگہ محقق نے کتنی اچھی گفتگو کی، یہ نہایت ہی عمدہ تفصیل ہے، اللہ تعالٰی انھیں اجر عطا فرمائے، انھوں نے یہ واضح فرمادیا کہ اگرچہ مجاورت کا معاملہ جائز ہے مگر بشرطِ توثیق جو بصورتِ توفیقِ الٰہی ہی حاصل ہوسکتی ہے جیساکہ اس پر اُنھوں نے تصریح کی ہے شرح اللباب میں اسی کو صحیح کہا، درمختار میں اسی پر جزم کا اظہار کیا مگر چونکہ اہلِ توثیق بہت ہی کم ہوتے ہیں اور احکامِ فقہ کی بنا نادر وقلیل پر نہیں ہوتی بلکہ غالب کثیر پر ہوتی ہے، تواب مطلقاً منع کہنا ہی بہتر ہے جیساکہ

---

[1] و [2] فتح القدیر کتاب الحج مسائل منثورہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۹۴

ھومذھب الامام رضی اللہ تعالٰی عنہ و لذا اخذ الفاضلون المحققون العلامۃ الحلبی ثم الطحطاوی ثم الشامی کلھم فی حواشی الدر فی اشتراطہ التوثیق حیث نقلوا کلام الفتح، ثم قالوا وھو وجیہ فکان ینبغی للشارح ان ینص علی الکراھۃ ویترك التقیید بالتوثیق[1] اھ زاد ابن عابدین ای اعتبارللغالب من حال الناس لاسیما اھل ھٰذا الزمان واللہ المستعان[2] اھ

امام رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب ہے، یہی وجہ ہے کہ درمختار پر حواشی لکھنے والے فاضل علماء حلبی، طحطاوی پھر شامی سب نے فتح القدیر کی عبارت نقل کرکے توثیق کی شرط لگائی اور پھر کہا یہی بہتر ہے لہٰذا شارح کو چاہیے تھا کہ وہ کراہت پر تصریح کرتا اور توثیق کی قید ترک کردیتا اھ ابن عابدین نے یہ اضافہ کیا کہ یہ اکثر لوگوں کے حال کے اعتبار خصوصاً اس دَور کے حوالے سے ضروری ہے اور اللہ ہی مدد فرمانے والا ہے اھ۔

ولقد اعجبنی قول العلامۃ علی القاری فی مسلك المتقسط شرح المنسك المتوسط مع تصحیحہ ما علمت حیث یقول لوکانت الائمۃ فی زماننا وتحقق لھم شاننا لصرحوا بالحرمۃ[3] الخ۔

مجھے علامہ ملّا علی قاری کا "مسلک المتقسط شرح المنسک المتوسط" میں یہ قول بہت پسند آیا، جیسا مجھے معلوم ہے انھوں نے مذکور گفتگو کی تصحیح کرتے ہوئے کہا اگر یہ ائمہ ہمارے دَور میں ہوتے اور ہمارے احوال سے آگاہ ہوتے تو مجاورت کے حرام ہونے کی تصریح کرتے الخ

قلت ونظیرہ ما قال فی الدر المختار فی مسئلۃ دخول المرأۃ الحمامات فی زماننا لاشك فی الکراھۃ لتحقق کشف العورۃ[4] اھ وقد سبقہ الی ذٰلك المحقق علی الاطلاق فی الفتح، ونحوہ ما ذکر العلائی ایضا فی الدر المنتقی شرح الملتقی

میں کہتا ہوں اس کی نظیر درمختار میں "عورت کا حمام میں جانا" کے تحت ہے کہ ہمارے دور میں یہ مکروہ ہے کیونکہ بے پردگی ہوتی ہے اھ اور اس سے پہلے فتح میں محقق علی الاطلاق نے بھی یہی لکھا ہے، وہ بھی اسی کی مثل ہے جو حافظ علائی نے الدر المنتقی شرح الملتقی میں طالب علم کے وجوبِ نفقہ کے بارے

---

[1] طحطاوی علی الدر المختار کتاب الحج باب الہدی دار المعرفت بیروت ۱/۵۶۲
[2] رد المحتار کتاب الحج مطلب فی المجاورۃ بالمدینۃ الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۵۶
[3] مسلک متقسط مع ارشاد الساری فصل اجمعوا علی افضل البلاد الخ دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۵۲
[4] درمختار باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۷۸

فی وجوب نفقۃ طالب العلم ان ھذا اذا کان برشد کما فی الخلاصۃ، ولذا قال صاحب المنیۃ والقنیۃ انا افتی بعدم وجوبھا فان قلیلا منھم حسن السیرۃ مشتغلا بالعلم الدینی واکثرھم کذا وکذا وذکر من مساویھم ثم قال (اعنی الحصکفی) واما من کان بخلافھم فنادر فی ھذا الزمان فلایفرد بالحکم دفعا لھرج التمییز بین المصلح والمفسد[1] الخ۔

میں لکھا کہ یہ اس وقت ہے جب اس میں نیکی ہو اور بے راہ روی نہ ہو، جیسا کہ خلاصہ میں ہے۔ اسی لیے صاحبِ منیہ وقنیہ نے کہا میں عدمِ وجوب کا فتوٰی دیتا ہوں کیونکہ ان میں بہت کم طلبہ اچھے کردار کے حامل اور علمِ دین کے حاصل کرنے والے ہیں اور ان میں سے اکثر (ایسے ایسے ہیں) اور پھر اپنے دَور کے طلبہ کا ذکر کیا، پھر حصکفی نے کہا) جو ان کے خلاف ہیں وہ اس دَور میں بہت ہی کم ہیں، اور اب مصلح اور مفسد میں فرق مشکل ہوجانے کی وجہ سے ان کے لیے الگ حکم بیان نہیں کیا جاسکتا الخ۔

قلت ومن ھذا القبیل حکمھم بتحریم السماع المجرد عن المزامیر فانہ یھیج مکامن القلوب واکثر الناس اساری الشھوات فالوجہ المنع سدا لباب الفتنۃ وان کان نفع شیئ فی حق رجال تحلوا بالفضائل وتخلوا عن الرذائل وماتت شھواتھم بل فنت ذواتھم فبقی السماع محض الانتفاع وبہ انقطع تطویل النزاع، فمن فعلہ من الاولیاء فقد اصاب خیرہ ومن منعہ من الفقھاء فقد ازال ضیرہ فلھم الاجر بما نصحوا

میں کہتا ہوں اسی قبیل سے سماع کا حرام ہونا ہے خواہ وہ مزامیر کے ساتھ نہ ہو، کیونکہ وہ دل کے جذبات کو ابھارتا ہے، اور اب اکثر لوگ شہواتِ نفسانیہ کے قیدی بن چکے ہیں، لہٰذا فتنہ کے دروازے کو بند کرنے کے لیے سماع سے منع کرنا ہی درست ہے اگرچہ یہ ایسے کچھ لوگوں کے لیے نافع بھی ہے جو فضائل سے مزیّن، رذائل سے خالی ہوں اور ان کی نفسانی خواہشات مرچکی ہوں بلکہ ان کی ذوات سراپا خشوع وخضوع ہوچکی ہوں تو پھر سماع واقعۃً نافع ہوتا ہے، اس مسئلہ میں جو طویل نزاع ہے اس سے وُہ بھی ختم ہوجاتا ہے، اولیاء میں سے جس نے سماع سُنا اس نے درست کیا اور اس کے لیے خیر بنا۔ فقہاء میں سے جس نے

[1] الدر المنتقی علی حاشیۃ مجمع الانہر فصل فی نفقۃ الطفل داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۵۰۰

وللقوم الاذن لما صلحوا ولكل ثواب وبشرى، الصواب والحمد لله رب الارباب۔

منع کیا تو انھوں نے اس کے نقصانات کا ازالہ کیا، ان کی اس خیر خواہی پر ان کیلئے اجر ہی اجر ہے اور لوگوں کیلئے اس میں اجازت ہے جو صلاحیت رکھتے ہوں اور ہر ایک کیلئے ثواب اور بشارت ہے، درستی اور حمد رب الارباب کے لیے ہے۔

وبالجملة فالحکم عدم جواز الجوار اصلا فی زماننا والعاقل لایسعه الا الاحتیاط لنفسه والاحتراز عن سلوک مسالک تفضی غالبا الی المهالک ومن صدق نفسه فقد صدق کذوبا وسیری ذلک" ولاحول ولاقوة الا باللہ العلی العظیم" واذا کان الامر کما وصف هنالک سقط منشأ السؤال راسا، اذ تبین ان لیس ما یظنه خیرا خیرا واللہ المسؤل ان یرزق الخیر ویقی الضیر وهو سبحانه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا محمد واٰله وصحبه وبارک وسلم۔

بالجملہ ہمارے دور میں مجاورت کی قطعاً اجازت نہیں، عقلمند اپنے لیے فقط احتیاط ہی کی راہ اپناتا ہے اور ہر اس راستہ سے اجتناب کرتا ہے جس سے ہلاکت میں گرنے کا خدشہ ہو، جس نے اپنے نفس کو سچا سمجھا اس نے جھوٹے کی تصدیق کی اور خود اس کا مشاہدہ بھی کرے گا بُرائی سے بچنے اور نیکی بجالانے کی طاقت اللہ تعالٰی جو بلند وعظیم ہے کی توفیق کے بغیر نہیں، جب معاملہ یہ ہے جو یہاں بیان ہُوا تو اب سرے سے سوال ہی ختم ہوگیا کیونکہ جس شَے کو سائل نے خیر تصور کیا تھا وہ خیر ہی نہیں، اللہ ہی سے دعا ہے وُہ خیر کی توفیق دے اور نقصان سے بچائے اور وہی مقدس واعلم ہے اس کا علم کامل واکمل ہے، اس کے رسول اور ہمارے آقا حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود وسلام ہو اور آپ کے آل واصحاب پر بھی۔ (ت)

شرائطِ حج

مسئلہ ۳۰۱ از پٹنہ عظیم آباد بخشی محلہ مسئولہ منشی علی حسین صاحب ۲۵ شعبان ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید معمر قریب ہفتاد سال مریضِ رعشہ کہ تنہا سفر کے قابل نہیں کبھی اپنے زمانۂ صحت وشباب میں اتنے مال کا مالک نہ ہوا کہ اُس پر حج فرض ہوتا، اب کہ حالت یہ ہے اُس نے اپنا مال وغیرہ بیچا اور پانچسو روپے اُس کے پاس ہوگئے کہ یہی کُل سرمایہ اُس کا ہے، بوجہ ضعف وامراض دوسرے شہر میں جہاں اس کے اعزہ ہیں سکونت کرنا اور وہاں مکان خریدنا چاہتا ہے، اس صورت میں اُس پر خود حج کو جانا یا روپیہ دے کر حجِ بدل کرانا واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

صُورتِ مستفسرہ میں زید پر حج اصلاً واجب نہیں، ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مذہب مصحح ظاہر الروایۃ میں تو ایسی تندرستی جو اس سفر مبارک کے قابل ہو شرطِ وجوب ہے کہ بغیر اس کے حج سرے سے واجب ہی نہ ہوتا، نہ خود جاتا نہ دوسرے کو بھیجتا، اور صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے مذہب مصحح میں اگرچہ تندرستی مذکور شرطِ وجوب نہیں، شرطِ وجوب ادا ہے کہ وہ نہ ہو تو خود جانا لازم نہیں مگر اپنے عوض اپنے روپے سے اپنی حیات میں یا بعد موت حج کرانا واجب ہے مگر مال جملہ حاجات سے فاضل جانے آنے کے قابل باتفاق فقہائے کرام شرطِ وجوب ہے کہ بے اس کے حج واجب ہی نہیں ہوتا، اور مکان حاجاتِ اصلیہ سے ہے اس کی خریداری یا بنانے کے بعد اس زمانے میں کہ اب مصارفِ حج بہت قریب گزرے ہوئے زمانے سے تقریباً دوچند ہوگئے

اتنا بچا کہ اس سے حج کیلئے جانے آنے رہنے کے بھی تمام مصارف ہوں اور زید کے لیے اس حالت میں کہ نہ اور مال نہ کسب پر قدرت کچھ ذریعۂ معاش بچ بھی رہے معقول نہیں، لہذا بالاتفاق ورنہ علی التنزیل صاحبِ مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مذہب صحیح مرجح پر تو بلاشبہ زید پر حج کرانا بھی واجب نہیں اور خود حج کو جانا تو بالاجماع اصلاً صورتِ وجوب نہیں رکھتا لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا[1] (اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر۔ ت)

تنویر الابصار و درمختار و ردالمحتار میں ہے :

الحج فرض علی مسلم حر مکلف صحیح البدن[2] (ای سالم عن الاٰفات المانعۃ عن القیام بما لابد منہ فی السفر فلا یجب علی مقعد ومفلوج وشیخ کبیر لایثبت علی الراحلۃ بنفسہ واعمی وان وجد قائدا لا بانفسھم ولا بالنیابۃ فی ظاھر المذھب عن الامام وھو روایۃ عنھما وظاھر الروایۃ عنھما وجوب الاحجاج علیھم، وظاھر التحفۃ اختیار قولھما وکذا فی الاسبیجابی وقواہ فی الفتح، وحکی فی اللباب اختلاف التصحیح وفی شرحہ انہ مشی علی الاول فی النھایۃ وقال فی البحر العمیق انہ المذھب الصحیح وان الثانی صححہ قاضیخان فی شرح الجامع واختارہ کثیر من المشائخ[3] اھ ش) بصیر ذی زاد وراحلۃ

حج ہر مسلم آزاد بالغ صحت مند پر لازم ہے (یعنی ہر اس آفت سے محفوظ ہو جس کے باوجود سفر نہیں کیا جاسکتا، پس لُولے، فالج زدہ اور ایسے بڑے بوڑھے پر حج فرض نہیں جو سواری پر قائم نہیں رہ سکتا، اسی طرح نابینا پر بھی فرض نہیں اگرچہ کوئی اس کا معاون ہو، امام صاحب کے ظاہر مذہب کے مطابق نہ ان کی ذوات پر لازم اور نہ ان پر نائب بنانا لازم ہے، اور ایک روایت صاحبین سے یہی ہے۔ ظاہر الروایۃ صاحبین سے یہ ہے کہ ان پر حج بدل کروانا لازم ہے۔ تحفہ سے ظاہراً یہی معلوم ہوتا ہے کہ صاحبین کا قول مختار ہے۔ اسبیجابی میں اسی طرح ہے۔ فتح میں اس کو قوی کہا۔ اللباب میں تصحیحِ اقوال میں اختلاف منقول ہے، اس کی شرح میں ہے کہ نہایہ میں پہلے قول کو لیا گیا ہے۔ بحرالعمیق میں ہے کہ یہی مذہب صحیح ہے۔ قاضیخاں نے شرح الجامع میں دوسرے قول کو صحیح کہا ہے، اور اسے کثیر مشائخ نے اختیار کیا اھ ش) ایسے زادِ راہ اور سواری پر قادر ہو

---

[1] القرآن ۲/۲۸۶

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الحج مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۵۹-۱۶۰

[3] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۲/۱۵۴

فضلا عما لابد منه ومنه المسکن ومرمتہ ولوکان عندہ مال لواشتری بہ مسکنا و خادما لایبقی بعدہ مایکفی للحج لایلزمہ خلاصۃ، وحرر فی النھرانہ یشترط بقاء راس مال لحرفتہ ان احتاجت لذٰلك و الالا[1] (وراس المال یختلف باختلاف الناس بحر) والمراد مایمکنہ الاکتساب بہ قدر کفایتہ وکفایۃ عیالہ[2] اھ ملتقطات۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

جو اس کی ضروریات سے زائد ہو، ان میں اس کی رہائش اور اس کی مرمت بھی ہے، اگر اس کے پاس مال ہے کہ وہ رہائش اور خادم خرید تا ہے اور باقی اتنا مال نہیں بچتا جو حج کے لیے کافی ہو اس پر حج فرض نہیں ہوگا، خلاصہ۔ اور نہر میں ہے اگر وہ کسی کاروبار کا محتاج ہے تو اس کے لیے سرمایہ کا باقی رہنا بھی شرط ہے اور اگر محتاج نہیں تو پھر یہ شرط نہ ہوگی، مختلف لوگوں کے اعتبار سے سرمایہ مختلف ہوسکتا ہے، بحر۔ اور کاروبار سے مراد اتنا ہے جس سے اپنی اور اپنے عیال کے لیے بقدر کفایت روزی حاصل کرسکے اھ اختصاراً۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۰۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اداے حج ہندہ پر مدت سے فرض تھا اب جانے کا قصد کیا تو محارم اس کے بجہت موانع نہیں جاسکتے، ایک محرم کو کہ ارتکاب مناہی سے بیباک ہے اور انصرام سفر کے کاموں کا اس سے متوقع نہیں، لے جانا ممکن ہے اور ایک عورت متقیہ اور ایک بھتیجا شوہر ہندہ کا کہ بچپن سے اس کے سامنے ہوتی دیندار و ہوشیار ہے جاتے ہیں ان کے ساتھ نہ جائے گی تو پھر جانے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، فرض رہ جائے گا، اس صورت میں ہندہ کو جانا چاہیے یا نہیں؛ اور جائے تو کس کے ساتھ جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

عورت کو بغیر محرم کے حج خواہ کسی اور کام کے واسطے سفر کرنا ناجائز ہے اور بھتیجا شوہر کا محرم نہیں، اور محرم فاسق بیکار ہے اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے، اور معیت زنِ متقیہ کی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کافی نہیں لیکن اگر بغیر محرم کے چلی گئی اور حج کرلیا تو فرض ساقط اور حج مع الکراہۃ ادا، اس فعل ناجائز کی معصیت جُدا، پس جب ہندہ پر بسببِ اجتماع شرائط کے حج فرض ہوگیا تھا اور اب معیت محرم کی نہیں ملتی تو چارہ کار یہی ہے

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الحج مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۶۰
[2] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۲/۱۵۶

کہ نکاح کرے، اگر یہ خوف ہو کہ شاید اس نے نکاح کرلیا اور پھر نہ گیا تو یہ پھنس گئی اور حج بھی نہ ہُوا، یا اندیشہ ہو کہ شوہر موافق مزاج نہ نکلے چاہئے تو تھا چند روز کے لیے اور پابند ہوگئی عمر بھر کی، یا سرے سے اسے پابندِ شوہر رہنا منظور ہی نہ ہو، صرف اس ضرورت کی رفع تک نکاح چاہئے، تو **اقول** (میں کہتا ہوں ۔ ت) اس کی تدبیر یہ ہے کہ اس شرط پر نکاح کرے کہ اگر تو اس سال میرے ساتھ حج کو نہ جائے تو مجھ پر ایک طلاق بائن ہو اور جب بعد حج میں واپس آؤں اور اپنے مکان میں قدم رکھوں تو فوراً مجھ پر طلاق بائن ہو، یُوں اگر وُہ نہ گیا تو طلاق ہوجائے گی اور اگر گیا تو واپسی پر عورت جس وقت اپنے مکان میں قدم رکھے گی نکاح سے نکل جائیگی، اور بہتر اور آسان تر یہ ہے کہ اس شرط پر نکاح کرے کہ مجھے ہر وقت اپنے نفس کا اختیار ہو کہ جب کبھی چاہوں اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے لُوں، یوں اُس کے نہ جانے یا واپس آنے پر اور اس کے بعد بھی ہر وقت عورت کو اختیار رہے گا مرضی ہو اس کی زوجیت میں رہے نہ مرضی ہو اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے کر جُدا ہوجائے، درمختار میں ہے:

مع زوج او محرم بالغ عاقل غیر مجوسی ولا فاسق لامرأۃ ولو عجوزا وھل یلزمھا التزوج قولان ولو حجت بلامحرم جاز مع الکراھۃ۔[1]

عورت خواہ بوڑھی ہو اس کے لیے خاوند یا محرم بالغ کا ہونا ضروری ہے بشرطیکہ وہ محرم فاسق اور مجوسی نہ ہو۔ کیا عورت پر حج کے لیے نکاح ضروری ہے، اس بارے میں دو قول ہیں، اگر عورت نے بغیر محرم حج کرلیا تو جائز مع الکراہت ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ قولان ھما مبنیان علی ان وجود الزوج او المحرم شرط وجوب ام شرط وجوب الاداء والذی اختارہ فی الفتح انہ مع الصحۃ وأمن الطریق شرط وجوب الاداء فیجب الایصاء ان منع المرض وخوف الطریق اولم یوجد زوج ولا محرم ویجب علیھا التزوج عند فقد المحرم وعلی الاول لا یجب شیئ من ذلک

قولہ قولان، یہ دونوں اس بنا پر ہیں کہ خاوند یا محرم کا ہونا نفسِ وجوب کے لیے شرط ہے یا وجوب ادا کے لیے، فتح میں جو مختار ہے وہ یہ ہے کہ صحت اور راہ پُرامن ہو تو وجوبِ ادا کے لیے شرط ہے، اگر مرض یا راستہ کا خوف مانع ہے تو حج کے بارے میں وصیت لازم ہوگی یا خاوند و محرم نہیں تو محرم کی عدم موجودگی میں نکاح کرنا ضروری ہوگا، اور پہلے قول پر ان میں سے کوئی چیز بھی واجب نہیں

[1] درمختار کتاب الحج مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۶۰-۱۶۱

كما فی البحر وفی النهر وصحح الاول فی البدائع ورجح الثانی فی النهایة تبعا لقاضی خان واختارہ فی الفتح اھ قلت لکن جزم فی اللباب بانه لایجب علیها التزوج مع انه مشی علی جعل المحرم او الزوج شرط اداء ورجح هذا فی الجوهرة وابن امیرحاج فی المناسك کما قاله المصنف فی منحه قال ووجهه انه لایحصل غرضها بالتزوج لان الزوج له ان یمتنع من الخروج معها بعد ان یملکها ولا تقدر علی الخلاص منه وربما لایوافقها فتتضرر منه بخلاف المحرم فانه ان وافقها انفقت علیه وان امتنع امسکت نفقتها وترکت الحج اھ فافهم[1] اھ ما فی ش **اقول** نعم المخلص من هذه کلها ماذکرت من ان تتزوج بشرط ان تملك طلقة بائنة تطلق بها نفسها متی شاءت فان لم یخرج معها او لم یوافقها او لم ترده تخلص نفسها ولا حرج علیها والله تعالٰی اعلم۔

جیسا کہ بحر اور نہر میں ہے، بدائع نے اول کو صحیح بتایا اور نہایہ نے قاضی خاں کی اتباع میں دوسرے کو ترجیح دی ہے، اور فتح میں بھی اسی کو اختیار کیا ہے اھ میں کہتا ہوں اللباب میں اس پر جزم ہے کہ اس عورت پر نکاح کرنا لازم نہیں باوجودیکہ انھوں نے بھی یہ کہا ہے محرم یا خاوند وجوبِ ادا کے لیے شرط ہے، اسے جوہرہ میں اور ابن امیر حاج نے المناسک میں اسی کو ترجیح دی، جیسا کہ مصنف نے اپنی منح میں کہا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نکاح سے اس عورت کی غرض کا پُورا ہونا ضروری نہیں ممکن ہے خاوند نکاح کے بعد اجازت نہ دے اور وہ عورت اس سے خلاصی پر قادر بھی نہ ہو، بہت دفعہ خاوند و بیوی میں موافقت نہیں رہتی لہذا نکاح سے نقصان ہوگا بخلاف محرم کے، اگر وہ عورت کی موافقت کرے گا تو اس پر خرچ کرے گی اور اگر وہ رُک جاتا ہے تو وہ خرچ بھی روک کر حج چھوڑ دے گی اھ فافہم ما فی ش **اقول** (میں کہتا ہوں۔ ت) ان تمام صورتوں میں بچت اس میں ہے جو ہم نے ذکر کیا، عورت اس شرط پر نکاح کرے کہ عورت طلاق بائنہ کی مالک ہوگی اور جب چاہے اپنے آپ کو دے سکے گی اب اگر خاوند اس کے ساتھ نہیں جاتا یا موافقت نہیں کرتا یا جواب نہیں دیتا تو اس سے خلاصی پائے اور اس پر کوئی تنگی نہیں۔ واللہ تعالٰے اعلم (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الحج مصطفی البابی مصر ۲/۱۵۸

مسئلہ ۳۰۳: از پیلی بھیت محلہ بشیر خاں مرسلہ محمد عبداللطیف خاں صاحب رئیس ۸ شوال ۱۳۲۲ھ

جناب مولوی صاحب مخدوم بندہ سلامت، بعد سلام نیاز کے عرض یہ ہے میری بھاوج بیوہ فی الحال ارادہ حج بیت اللہ شریف کے جانے کا رکھتی ہیں بلکہ بھاوج صاحبہ کا قصد حال میں روانگی کا ہے مگر ہمراہ ان کے کوئی شخص محرم نہیں ہے، جو شخص کہ ان کے ہمراہ جاتا ہے وُہ ان کے دُور کے رشتہ کا بھائی ہے اور عرصہ سے بھاوج صاحبہ کے پاس ملازم ہے مگر شخص مذکور محتاط نہیں ہے، یہاں کے علماء نامحرم شخص کے ہمراہ جانے سے منع فرماتے ہیں، اور بھاوج صاحبہ کے حقیقی بھائی مکہ شریف سال گزشتہ میں گئے ہُوئے ہیں واپسی میں وُہ ان کے ہمراہ آئیں گے، جناب بموجب شرع شریف یہ ارقام فرمائیے کہ بھاوج صاحبہ کا ایسے شخص کے ہمراہ جانا جائز ہے یا ناجائز؟ جواب سے جلد مطلع فرمائیے۔

الجواب

رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایحل لامرأۃ تؤمن باللہ والیوم الاٰخر ان تسافر مسیرۃ یوم ولیلۃ الامع ذی رحم محرم یقوم علیھا[1]۔

حلال نہیں اس عورت کو کہ ایمان رکھتی ہو اللہ اور قیامت پر کہ ایک منزل کا بھی سفر کرے مگر محرم کے ساتھ جو اس کی حفاظت کرے۔

یعنی بچّہ یا مجنون یا مجوسی یا بے غیرت فاسق نہ ہو ایسا اگر محرم ہو تو اس کے ساتھ بھی سفر حرام ہے کہ اس سے حفاظت نہ ہوسکے گی یا نا حفاظتی کا اندیشہ ہوگا، حج کا جانا ثواب کے لیے ہے اور بے محرم جانے میں ثواب کے بدلے ہر قدم پر گناہ لکھا جائے گا، میں خاص اس موقع کے لیے نہیں کہتا بلکہ عام مسئلہ بتاتا ہوں کہ جو عورت حج کو جانا چاہے اور محرم نہ پائے اور شوہر نہ رکھتی ہو اس کا طریقہ یہ ہے کہ کسی کفو سے نکاح کرکے اُسے ساتھ لے جائے پھر اگر نکاح کو باقی رکھنا نہ چاہے اور اندیشہ ہو کہ دوسرے کی پابند ہوجائیگی تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ کسی کو (فلاں) کفو کے ساتھ اپنے نکاح کرنے کا اس شرط پر کہ جب میں سفر حج سے اپنے مکان پر واپس آؤں مکان میں قدم رکھتے ہی فوراً مجھ پر ایک طلاق بائن ہو پھر وکیل کرے

---

[1] صحیح بخاری باب فی کم یقصر الصلوٰۃ وسمہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یوماً ولیلۃ قدیمی کتبخانہ کراچی ۱/۱۴۷-۱۴۸
صحیح مسلم باب سفر المرأۃ مع محرم الی حج وغیرہ " " " ۱/۴۳۳-۴۳۴
سنن ابوداؤد کتاب المناسک باب المرأۃ تحج بغیر محرم آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۴۱
الترغیب والترھیب ترہیب المرأۃ ان تسافر الخ مصطفی البابی مصر ۴/۷۲

یہ وکیل یونہی نکاح کرے یعنی اُس سے کہے میں نے فلانہ بنت فلاں بن فلاں اپنی موکلہ کو اتنے مہر کے عوض اس شرط پر تیرے نکاح میں دیا کہ جب وہ عورت بعد حج اپنے گھر واپس آئے مکان میں داخل ہوتے ہی اس پر ایک طلاق بائن ہو، شوہر کہے میں نے اسے اس شرط پر قبول کیا، اب بعد واپسی گھر میں آتے ہی فوراً اُس کے نکاح سے نکل جائے گی جسے وہ کسی طرح نہیں روک سکتا اور جسے مکہ معظمہ سے واپسی پر محرم ملنے کا یقین ہو یوں شرط کرے کہ مکہ معظمہ پہنچتے ہی مجھ پر ایک طلاق بائن ہو مکہ معظمہ پہنچتے ہی طلاق بائن واقع ہو جائے گی، مگر اگر بیچ میں خلوت واقع ہوئی تو تا انقضائے ایام عدت وہاں (مکہ معظمہ) قیام لازم ہوگا اور خلوت نہ ہو تو یہ دقت بھی نہ ہوگی اور ہر حال میں جو عورت ولی رکھتی ہو اُس کے لیے یہ ضرور ہوگا کہ نکاح مذکور ایسے شخص سے کرے جو قوم یا مذہب یا پیشے یا چال چلن میں ایسا کم نہ ہو کہ اُس سے نکاح اُس کے ولی کے لیے باعثِ ننگ و عار ہو، یا اگر ایسا شخص ہے تو ولی اس کے اس حال پر مطلع ہو کر پیش از نکاح صریح اجازت دے دے ورنہ نکاح نہ ہوگا، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۳۰۴ عبدالجبار خاں صاحب از محلہ جسولی بریلی ۷ شوال ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین بابت اس مسئلہ کے کہ ایک بیوہ عورت مالدار جس کو مقدور حج بیت اللہ شریف کے جانے کا ہو، جس کی عمر تخمیناً چالیس یا پینتالیس سال کی ہے اور اس کو بیوہ ہوئے عرصہ ۲۳ یا ۲۴ سال کا ہوا اور اس کے منہ میں دو ایک دانت باقی ہیں اور کمر جھکی ہے وہ بیوہ سفر حج بیت اللہ شریف بوساطت یا ہمراہ اپنے رشتہ کے ماموں جن کے سامنے روز پیدائش سے اس وقت تک بے پردہ مثل اپنے والدہ کے آتی ہے اور نیز اس کی اور ہمشیرگان و والدہ وغیرہ اُن کے سامنے بے پردہ آتی ہوں، اور ماموں کی عمر تخمیناً ۷۰ یا ۸۰ برس کی ہے اور وہ ماموں مع اپنی بی بی اور بچہ اور نیز ایک غلام خانہ زاد و دیگر عورات ملازمہ کے حج بیت اللہ شریف جاتے ہیں، اگر وہ بیوہ مذکور اپنے ایسے ماموں رشتہ دار جن کی تعریف اوپر ہو چکی ہے جس کو حقیقی ماموں سے کم خیال نہیں کیا جا سکتا ہے اُن کے ہمراہ اپنے خرچ سے سفر بیت اللہ شریف کو جائے اور حج و زیارت سے مشرف ہو کر اپنے وطن کو واپس آ جائے تو اس کی صورت دیکھنا اور اُس سے ملنا اُس کے رشتہ داروں کو حرام ہے یا حلال؟ یا جائز ہے یا ناجائز؟ یا ثواب پائے گی یا عذاب؟ یا کچھ نہیں؟

الجواب

لا تبدیل لحکم اللہ اللہ کے حکم کو کوئی بدلنے والا نہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لا یحل لامرأۃ تؤمن باللہ والیوم الاٰخران تسافر ثلثۃ ایام، وفی

حلال نہیں کسی عورت کو جو اللہ تعالٰی اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہو کہ ایک منزل بھی سفر کو جائے

رواية یوما ولیلۃ الا ومعھا زوجھا او ذو رحم محرم منھا[1] او کما لفظہ وھذا معناہ۔

جب تک ساتھ میں شوہر یا وہ رشتہ دار نہ ہو جس سے ہمیشہ ہمیشہ کو نکاح حرام ہے۔

جانا چاہے تو اس پر لازم ہے کہ اپنے کسی محرم کو ساتھ لے یا حج سے واپسی تک کے لیے نکاح کرلے اگرچہ ستر اسی برس کی عمر والے سے جو اس کے ساتھ جائے آئے کہ مقصود صرف یہ ہے کہ بے محرم یا شوہر کے جانا صادق نہ ہو، باقی مقاصد زوجیت ہونے نہ ہونے سے بحث نہیں، اور اگر اندیشہ ہو کہ وہ بعد واپسی طلاق نہ دے گا تو نکاح یوں کیا جائے کہ عورت کہے میں نے اپنے نفس کو تیرے نکاح میں دیا اس شرط پر کہ جب تُو مجھے حج کو لے جائے اور واپس آئے تو واپس اپنے مکان پر پہنچتے ہی مجھ پر طلاقِ بائن ہو یا اگر تو اس سال اس قافلہ کے ساتھ حج کو میرے ہمراہ نہ جائے تو مجھ پر طلاق بائن ہو، مرد کہے میں نے قبول کیا اسی شرط پر کہ جب میں تجھے حج کو لے جاؤں (الٰی آخرہ) یوں اگر وہ ساتھ نہ جائے تو طلاق ہوجائے گی، اور ساتھ جائے تو واپس پہنچتے ہی طلاق ہوجائے گی، بغیر اس کے جو قدم رکھے گی گناہ میں لکھا جائے گا، ان گناہان کثیرہ کے باعث اگر رشتہ دار اُس سے نہ ملیں تو بے جا نہیں، واللہ سبحانہٗ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۰۵: مسئولہ حافظ محمد عبداللطیف صاحب علیگڑھی ۲۷ محرم ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت ضعیفہ ستر سالہ یا نوجوان عفیفہ نے تن تنہا یا غیر محرم کے ساتھ بقصدِ حج حرمین کا سفر کیا جب بہت کچھ مسافت طے کرچکی تو اس کو راستہ سے اسی حالت میں واپس کرالیا جائے اور اگر وہ خانہ کعبہ اور عرفات میں پہنچ گئی اور ارکانِ حج بتمامہ مع سنن و واجبات و فرائض ادا کیے تو اس کا حج ادا ہوگا یا نہیں؟ اور سفر کی تنہائی مانع و مفسدِ حج ہوگی یا نہیں؟ اور اس کا راستہ سے لوٹانا مناسب ہوگا یا نہیں؟ بینوا بالکتاب والسنۃ وتوجروا ببیان احکام القراٰن والشریعۃ (کتاب و سنت سے اس کی تفصیل بیان کیجئے، احکامِ قرآن و شریعت کے بیان پر اللہ تمھیں اجر عطا فرمائیگا۔ ت)

الجواب

عورت اگرچہ عفیفہ یا ضعیفہ ہو اُسے بے شوہر یا محرم سفر کو جانا حرام ہے، یہ عفیفہ ہے تو جن سے اس پر

---

[1] صحیح بخاری باب فی کم یقصر الصلوٰۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴۷-۱۴۸
صحیح مسلم باب سفر المرأۃ مع محرم الٰی حج وغیرہ " ۱/ ۴۳۳-۴۳۴
سنن ابوداؤد باب المرأۃ تحج بغیر محرم آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۴۲
الترغیب والترھیب ترھیب المرأۃ ان تسافر وحدھا بغیر محرم مصطفی البابی مصر ۴/ ۷۲

اندیشہ ہے وُہ تو عفیف نہیں، اور یہ ضعیفہ ہے تو سفر خصوصاً سفرِ حج میں اور زیادہ محتاجِ محرم ہے کہ جہاز یا اونٹ پر چڑھانے اتارنے کے لیے ضعیفہ کو دوسرے شخص کی زیادہ حاجت ہے، ہاں اگر چلی جائے گی گنہگار ہوگی، ہر قدم پر گناہ لکھا جائے گا، مگر حج ہوجائے گا کہ معیتِ محرم شرطِ صحتِ حج نہیں، رہی واپسی اگر اُس کا شوہر یا محرم اُس کے ساتھ حج کو جاسکتا ہے تو یہی مناسب ہے، اس صورت میں واپسی کرنا مناسب نہیں، اگر زوج یا محرم کوئی نہیں یا ہے مگر حج کو نہیں جاسکتا تو اگر ابھی مدتِ سفر تک نہیں گئی ہے واپسی لازم ہے اور اگر مدتِ سفر تک قطع کرچکی تو شوہر یا محرم ہوں تو واپس لائیں کہ اس میں ازالۂ گناہ ہے اور ازالۂ گناہ فرض ہے۔

قال اللہ تعالٰی یایھا الذین اٰمنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا[1]۔

اللہ تعالٰی کا ارشادِ گرامی ہے: اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو آگ سے بچالو۔ (ت)

وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ[2]۔

اور سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے: تم میں سے جو برائی دیکھے اسے طاقت سے روکے۔ (ت)

اور اگر شوہر و محرم نہیں رکھتی تو اگر اتنی دُور پہنچ گئی کہ مکہ معظمہ تک مدتِ سفر نہیں مثلاً جدہ پہنچ گئی تو اب چلی جائے اور واپس نہ ہو کہ واپسی میں سفر بلامحرم ہے اور وُہ حرام ہے۔

وکانت کمن ابانھا زوجھا او مات عنھا ولو فی مصر ولیس بینھا وبین مصرھا مدۃ سفر رجعت ولو بین مصرھا مدۃ وبین مقصدھا اقل مضت۔

مثلاً اس عورت کو خاوند نے طلاق بائن دے دی یا وُہ فوت ہوگیا اگر وُہ شہر تھا اور اس عورت اور اس کے وطن کے درمیان مدتِ سفر نہیں تو وہ عورت لوٹ آئے اور اگر اس کے وطن کے لیے مدتِ سفر ہو اور مقصد کے لیے مدت سے کم ہو تو سفر جاری رکھے (ت)

پھر بعدِ حج مکہ معظمہ میں اقامت کرے بلامحرم گھر کو واپس آنا بلکہ مدینہ طیبہ کی حاضری ناممکن ہے، یہ وہ عورت ہے جس نے خود اپنے آپ کو بلا میں [illegible] اس کے لیے چارہ کار نہیں مگر یہ کہ اس کا کوئی محرم جاکر اسے لائے، یُوں کہ اُس سال وُہ جانا نہ چاہتا تھا اس سال گیا یا یُوں کہ اُس سال تک اُس کا کوئی محرم نابالغ تھا اب بالغ ہُوا اور لاسکتا ہے، اور یہ بھی نہ ہو تو چارۂ کار نکاح ہے نکاح کرے پھر شوہر کے ساتھ چاہے واپس آئے یا وہیں مقیم رہے، اور اگر

---

[1] القرآن ۶۶/۶

[2] صحیح مسلم باب بیان کون النھی عن المنکر من الایمان قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۵۱

دونوں طرف مدتِ سفر ہے تو یہ بلا سخت تر ہے اور جانا یا آنا کوئی بھی بے گناہ نہیں ہوسکتا مگر بہ حصول محرم یا تحصیل شوہر، شوہر کے قبضہ میں اگر ہمیشہ رہنا نہ چاہے تو اس کا یہ علاج ہے کہ اس شرط پر نکاح کرے کہ میرا کام میرے ہاتھ میں رہے گا جب چاہوں اپنے آپ کو طلاق بائن دے لوں، اور اگر یہ بھی ناممکن ہو تو سب طرف سے دروازے بند ہیں پوری مضطرہ ہے، اگر ثقہ معتمدہ عورتیں واپسی کے لیے ملیں تو مذہب امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ پر عمل کرکے اُن کے ساتھ واپس آئے اور جانے کیلئے ملیں تو انکے ساتھ جائے انھیں کے ساتھ واپس آئے کہ تقلیدِ غیر عند الضرورۃ بلاشبہہ جائز ہے کما فی الدر المختار وغیرہ (جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے۔ ت) اس لیے ارشاد ہوا کہ اختلاف اصحابی لکم رحمۃ[1] (میرے صحابہ کا اختلاف تمہارے لیے رحمت ہے۔ت) ھذا ما ظھر لی والعلم بالحق عند ربی فلیحرر ولیراجع (یہ مجھ پر واضح ہوا اور حق کا علم میرے رب کے پاس ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۰۶، ۳۰۷: مرسلہ حافظ محمد ایاز صاحب از قصبہ نجیب آباد ضلع بجنور محلہ پٹھان پور ۲۴ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسائل ذیل میں موافق حکمِ شرع شریف بموجب قرآن وحدیث عقائد اہلسنت ارشاد فرمائیے اللہ تعالٰی اجرِ عظیم عطا فرمائے:

(۱) جس کے پاس روپیہ تنخواہ ورشوت وغیرہ کا شامل ہو اور اس کے خرچ خانگی وغیرہ سے فاضل ہو تو اس شخص پر حج بیت اللہ شریف فرض ہے یا نہیں؟ اگر فرض ہے تو اس روپے سے حج ادا ہوگا یا نہیں؟ اگر نہیں ادا ہوگا تو اس کے واسطے کیا صورت ہونی چاہیے کہ جس سے حج بھی ادا ہوجائے اور ثواب کا بھی مستحق ہو؟

(۲) جس شخص کے پاس روپیہ واسطے خرچ حج بیت اللہ شریف موجود ہے لیکن وہ شخص بوجہ پوری تندرستی نہ ہونے کے خود جانے سے معذور ہے تو اس پر حج فرض ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو وہ کس صورت سے ادا ہوسکتا ہے کہ جس سے یہ شخص سبکدوش ہو؟ بینوا توجروا۔

الجواب

(۱) اگر اس کے پاس مالِ حلال کبھی اتنا نہ ہوا جس سے حج کرسکے اگرچہ رشوت کے ہزار ہا روپے ہوتے تو اس پر حج فرض ہی نہ ہوا کہ مالِ رشوت مثل مالِ مغصوب ہے وہ اس کا مالک ہی نہیں، اور اگر مال حلال

---

[1] تہذیب تاریخ دمشق ترجمہ سلیمان بن کثیر دار احیاء التراث العربی بیروت ۶/ ۲۸۵
کنز العمال حدیث ۱۰۰۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۱۹۹

اس قدر اس کے پاس ہے یا کسی موسم میں ہُوا تھا تو اس پر حج فرض ہے مگر رشوت وغیرہ حرام مال کا اس میں صرف کرنا حرام ہے اور وُہ حج قابلِ قبول نہ ہوگا اگرچہ فرض ساقط ہوجائے گا۔ حدیث میں ارشاد ہُوا جو مالِ حرام لے کر حج کو جاتا ہے جب وُہ لبیک کہتا ہے فرشتہ جواب دیتا ہے:

لا لبیك ولا سعدیك حتی ترد ما فی یدیك وحجك مردود علیك[1] — نہ تیری حاضری قبول نہ تیری خدمت قبول، اور تیرا حج تیرے منہ پر مردود جب تک تو یہ حرام مال جو تیرے ہاتھوں میں ہے واپس نہ دے۔

اُس کے لیے چارہ کار یہ ہے کہ قرض لے کر فرض ادا کرے۔

(۲) عذر اگر ایسا ہو کہ مانع سفر ہے مثلاً آنکھیں نہیں یا پاؤں نہیں اور اس عذر کے زوال کی کوئی امید نہیں تو اپنی طرف سے حجِ بدل کرادے اور اگر عذر مانع سفر نہیں تو خود جائے، اور اگر مانع سفر ہے مثلاً زوال کی امید ہے جیسے تپِ شدید یا درد وغیرہ تو حجِ بدل نہیں کراسکتا بلکہ زوال کا انتظار کرے جب شفا ہوجائے خود جائے، اور اگر قبل شفا وقت آجائے تو حجِ بدل کی وصیت کرجائے، اگر اپنی طرف سے کوئی تقصیر نہ کی تھی یعنی جب سے حج فرض ہوا تھا عذر مانع سفر لاحق تھا اور قبل زوال وقت آگیا تو اس پر مواخذہ نہ ہوگا، اور اگر ایک سال بھی ایسا گزر گیا تھا کہ جاسکتا تھا اور نہ گیا تو گنہگار ہُوا، استغفار واجب ہے، اور حجِ بدل کرانا فرض ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۰: مسئولہ حافظ محمد ایاز صاحب از قصبہ نجیب آباد ضلع بجنور ۲۰ صفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل میں حضور نے پہلے استفتاء میں بابت حج بیت اللہ شریف یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جس کے پاس مال رشوت وغیرہ کا شامل ہے اُس کو چاہئے قرض لے کر حج ادا کرے انتہی۔ اب آئندہ یہ ارشاد فرمائیے کہ وہ قرضہ کہاں سے ادا کرے؟ معترض کہتا ہے کہ اول تو جب رشوت وغیرہ کا روپیہ اس کی مِلک نہیں ہے تو اُس کے پاس اور کچھ نہیں اور قرض لے کر حج فرض ادا کرنے کی ممانعت ہے، اور بالفرض اگر قرض لے کر حج کے واسطے رکھا اور اپنے روپے سے جو رشوت وغیرہ کا اُس کے پاس ہے اُس سے قرض ادا کردیا تو وہ کیا ہُوا اُسی اپنے روپے کی وجہ سے تو اس نے قرض لیا تھا لہٰذا یہ روپیہ بھی بعینہٖ اپنے ہی روپے کی مثل ہُوا تو اس کے واسطے دلیل وثبوت کافی ارشاد ہو کہ تسکین ہوجائے یہ شخص حج کے واسطے جانے کا بہت ہی مشتاق ہے۔

---

[1] ارشاد الساری الی مناسک الملا علی قاری باب المتفرقات دارالکتاب العربی بیروت ص ۳۲۳

الجواب

روپیہ کہ قرض لیا گیا کہ ایک مالِ حلال ہے کہ عقدِ صحیح شرعی سے حاصل کیا تو اس میں خبث کی کوئی وجہ نہیں۔ عالمگیری وغیرہ کتبِ معتمدہ میں تصریح ہے کہ جس کا مال حرام ہے وہ اگر زید کی دعوت کرے یا اسے کچھ دے اور کہے ورثتہ او استقرضتہ[1] یہ مال مجھے ترکہ میں ملا ہے یا میں نے قرض لیا ہے۔ تو اس کا لینا اور دعوت کھانا حلال ہے اور جب حج بھی اسی قرض ہو چکا تھا اور اب اس کے پاس مالِ حلال نہ رہا صرف مالِ حرام ہے اور مال حرام سے حج مردود ہے، تو چارہ کار سوا اس کے کیا ہے کہ کسی ذریعہ حلال سے مال حاصل کرکے حج کو جائے اور قرض ادا کرے، قرض بھی ذریعہ حلال ہے، یہ فرض تو ادا ہو گیا، ہاں ادائے قرض میں اس پر دقت ہے کہ مالِ حرام کو اپنے کسی مصرف میں صرف کرنا اُسے جائز نہیں، مگر یہ مسئلہ جدا گانہ ہے حج سے اُسے تعلق نہیں، اپنی نجات چاہے تو مالِ حرام اُس کے مالک کو یا وارثوں کو پہنچائے اور نہ ملیں تو تصدق کرے اور وجہ حلال سے مال پیدا کرکے قرض ادا کرے اگر ادا ہو گیا فبہا ورنہ حدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ جو حج یا جہاد یا نکاح کے لیے قرض لے وہ قرض اللہ عزوجل کے ذمہ کرم پر ہے[2] اور اگر پیروی نفس کی اور مال حلال کی طرف توجہ نہ کی اسی حرام سے قرض ادا کیا اور اپنے مصارف میں صرف کرتا رہا تو یہ ایک گناہ ہے اور حج فرض ادا نہ کرتا تو دو گناہ تھے ایک گناہ سے بچ گیا یہ کیا کم ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۹: مولوی ابو المحاسن محمد سجاد بہاری صاحب مدرس اول و مہتمم مدرسہ انوار العلوم شہر گیا ۱۲ شوال ۱۳۳۴ھ

مولانا صاحب السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ، مزاج شریف! باعث تحریر عریضہ ہذا یہ ہے کہ اس سال نظر بحالات موجودہ حج کے متعلق عامہ مسلمین کو کیا حکم دیا جائے، جناب عالی کی رائے صائب ہوگی کیا خبر احوال شریف مکہ و موجودہ جنگ کے واقعات مسقط وجوب ہو سکتے ہیں یا نہیں، اگر بالفرض اس قسم کا احتمال مسقط وجوب ہو بھی تو ایسے موقع پر فتوی کیا دینا چاہیے، اُمید کہ جواب بالصواب سے سرفراز فرمائیں گے۔

الجواب

افواہ کا اعتبار نہیں اگر واقعی ثابت ہو کہ راستہ میں امن نہیں تو وجوب نہ ہوگا کہ من استطاع الیہ سبیلا[3] (جو اس تک چل سکے۔ ت) صادق نہ آیا مگر یہ اس کے لیے ہے جس پر اسی سال وجوب حج ہوتا اور جن

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الثانی عشر فی الھدایا والضیافات نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲
[2] مجمع الزوائد باب فیمن نوی دینہ واھتم بہ دار الکتاب بیروت ۴/ ۱۳۳
[3] القرآن ۳/ ۹۷

پر پہلے سے واجب ہولیا ہے اور اپنی کاہلی سے اب تک ادا نہ کیا اُن پر سے وجوب ساقط نہیں ہوسکتا، غایت یہ کہ جس سال امن نہ ہونا ثابت ہو وجوبِ ادا نہ ہوگا جب باذنہٖ تعالٰی امن ہوجائے واجب الادا ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۱۰: از قادری گنج ضلع بیربھوم ملک بنگالہ مرسلہ سید ظہور الحسین صاحب قادری رزاقی کرمانی ۲۳ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

حضور سرورِ کائنات (صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم) کا مزار اقدس بلکہ مدینہ طیبہ عرش وکُرسی وکعبہ شریف سے افضل ہے یا نہیں؟

الجواب

تُربتِ اطہر یعنی وُہ زمین کہ جسمِ انور سے متصل ہے کعبہ معظمہ بلکہ عرش سے بھی افضل ہے[1] صرح بہ عقیل الحنبلی وتلقاہ العلماء بالقبول (اس پر ابوعقیل حنبلی نے تصریح کی اور تمام علماء نے اسے قبول کیا۔ ت) باقی مزار شریف کا بالائی حصہ اس میں داخل نہیں، کعبہ معظمہ مدینہ طیبہ سے افضل ہے، ہاں اس میں اختلاف ہے کہ مدینہ طیبہ سوائے موضع تربتِ اطہر اور مکہ معظمہ سوائے کعبہ مکرمہ ان دونوں میں کون افضل ہے، اکثر جانب ثانی ہیں اور اپنا مسلک اوّل اور یہی مذہب فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالٰے عنہ ہے، طبرانی کی حدیث میں تصریح ہے کہ المدینۃ افضل من مکۃ[2] (مدینہ (علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) مکہ سے افضل ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] مسلک متقسط مع ارشاد الساری باب زیارۃ سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۳۶

[2] المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۴۴۵۰ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۴/ ۲۸۸

باب الجنایات فی الحج

(جنایاتِ حج کا بیان)

مسئلہ ۳۱۱ از اوجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ ملا یعقوب علی خاں ۴ رجب ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص احرام میں ذرا دیر سر پر بھولے سے کپڑا ڈال لے تو حکم ہے کہ من گیہوں دے اور جو مکہ میں نہ دے تو یہاں دے کیا حکم ہے؟ حج میں تو خلل نہیں کہ یہ مستحب ہے اور اگر کسی عذر کے سبب سر چھپانا پڑے تو کیا حکم ہے؟

الجواب

جو مرد اپنا سارا یا چوتھائی سر بحالتِ احرام چھپائے جسے عادۃً سر چھپانا کہیں جیسے ٹوپی پہننا، عمامہ باندھنا، سر سے چادر اوڑھنا، دھوپ کے باعث سر پر کپڑا اڑانا، درد کے سبب سر کسنا، زخم کی وجہ سے پٹی باندھنا (نہ گٹھری یا صندوق یا خوان وغیرہ کا سر پر اٹھانا کہ یہ سر چھپانے میں داخل نہیں) اُس پر مطلقاً جُرمانہ واجب ہے، اگرچہ بھولے سے اگرچہ سوتے میں اگرچہ بیہوشی میں اگرچہ عذر سے مگر صحتِ حج میں خلل نہیں، ہاں ایک طرح کا قصور ہے جس کی تلافی کو جُرمانہ مقرر ہوا، جیسے نماز میں سہواً ترک واجب سے سجدہ، عذر و بے عذر میں اتنا فرق ہے کہ اگر بے عذر ایک دن کامل یا ایک رات کامل یا اس سے زائد سر چھپا رہا تو خاص حرم میں ایک قربانی ہی کرنی ہوگی جب چاہے کرے، دُوسرا طریقہ کفارہ کا نہیں اور عذر مثلاً بخار یا سردی یا زخم یا درد کے سبب اتنی مدت چھپایا تو اختیار ہوگا حرم میں قربانی کرے یا جہاں چاہے جب چاہے یا تین ۳ صاع گیہوں یا مثلاً چھ ۶ صاع جَو چھ ۶ مسکینوں کو دے یا تین ۳

روزے جس طرح چاہے رکھ لے، اور اگر کامل دن یا رات کی مدت سے کم چھپا رہا اگرچہ کتنی ہی تھوڑی دیر کو، تو بے عذری کی صورت میں صدقۂ فطر کی طرح خاص صدقہ ہی لازم ہوگا یعنی نیم صاع گیہوں یا مثلاً ایک صاع جَو کہ جہاں چاہے دے اور بصورتِ عذر مختار ہوگا چاہے یہ صدقہ دے یا ایک روزہ جہاں چاہے رکھ لے۔ ایک صاع دو سو ستر تولے کا ہوتا ہے اور سکہ رائجہ انگریزی روپیہ سوا گیارہ ماشے کا، تو جہاں سو روپے بھر کا سیر ہے جیسے ہمارے شہر بریلی میں وہاں کی تول سے صاع پانچ ماشے پانچ رتی اوپر آدھ پاؤ پونے تین سیر کا ہوا اور نصف صاع دو ماشے ساڑھے چھ رتی اوپر تین چھٹانک سوا سیر کا یعنی کچھ کم ڈیڑھ سیر، اس نصف صاع کے آدھے کو عربی میں مُد اور مَن کہتے ہیں۔ تو ذرا دیر کپڑا سر پر ڈالنے میں من بھر گیہوں کا حکم نہیں بلکہ معتمد روایت میں دو من کا ہے۔

فی الدر المختار ورد المحتار الواجب دم علی محرم بالغ ولو ناسیا او جاهلا او مکرها فیجب علی نائم غطی راسه او ستر راسه (ای کله او ربعه) بمعتاد، اما بحمل اجانة او عدل فلا شیئ علیه یوما کاملا او لیلة کاملة، وفی الاقل (یشمل الاقل الساعة الواحدة او ما دونها) تصدق بنصف صاع من بر کالفطرة (افادات التقیید بنصف الصاع من البر اتفاقی فیجوز اخراج الصاع من التمر او الشعیر عن القهستانی) وبعذر (ومن الاعذار الحمی والبرد والجرح والقرح والصداع والشقیقة والقمل) و(اما الخطاء والنسیان والاغماء والاکراه والنوم وعدم القدرة علی الکفارة فلیست باعذار) خیر ان شاء ذبح فی الحرم او تصدق بثلاثة اصوع طعام علی ستة مساکین ان شاء او صام ثلثة ایام ولو متفرقة

درمختار اور ردالمحتار میں ہے ہر محرم بالغ پر دم واجب ہوتا ہے خواہ اس نے وہ عمل نسیاناً یا جہالۃً یا مجبوراً حالتِ نیند میں محرم نے اگر بطورِ عادت پورا دن یا پوری رات سر ڈھانپ لیا (تمام سر یا چوتھائی سر) تو دم لازم ہوگا۔ اگر کسی نے ٹب یا گٹھڑی اٹھائی تو کوئی شے لازم نہیں، اور اگر دن سے کم وقت سر ڈھانپا (لفظ اقل ایک ساعت اور اس سے کم کو بھی شامل ہے) تو گندم کا ایک صاع صدقہ کیا جائیگا جیسے فطرانہ (یہ عبارت بتا رہی ہے کہ نصف صاع گندم کا تذکرہ اتفاقی ہے احترازی نہیں، تو ایک صاع کھجور یا جَو بھی دئے جا سکتے ہیں، قہستانی) اگرچہ عذر کی وجہ سے ہو (اعذار میں سے بخار، سردی، زخم، پھوڑا، شقیقہ و سر کا درد اور جُوں کا ہونا ہے لیکن عمل خطاءً، نسیاناً، اغماء، مجبوری نیند یا کفارہ پر عدمِ قدرت یہ عذر نہیں بن سکتے) اسے اختیار ہے چاہے حرم میں دم ذبح کرے یا یہاں چاہے چھ مساکین کو تین صاع طعام دے دے یا تین روزے متفرق طور پر رکھ لے (یہ اس صورت میں ہے

ھذا فیما یجب فیہ الدم اما ما یجب فیہ الصدقۃ ان شاء تصدق بما وجب علیہ من نصف صاع او اقل علی مسکین او صام یوما کما فی اللباب[1] اھ ملتقطین و فی الشامیۃ ایضا وکذا الصوم لایتقید بالحرم فیصومہ این شاء[2] اھ وفیہا ایضا الکفارات کلہا واجبۃ علی التراخی فیکون مؤدیا فی ای وقت[3] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔

یہاں دم لازم ہوتا ہے اور جس صورت میں صدقہ لازم ہوگا تو اگر چاہے تو نصف صاع یا اس سے کم کسی مسکین کو دے دے یا ایک دن کا روزہ رکھ لے، (اللباب) اھ دونوں عبارتیں مختصر ہیں اور فتاوٰی شامیہ میں بھی اسی طرح ہے کہ اور اسی طرح روزہ حرم کے ساتھ مخصوص نہیں جہاں چاہے رکھ سکتا ہے اھ، اور اس میں یہ بھی ہے کہ تمام کفارات واجبہ کی ادائیگی فی الفور لازم نہیں لہٰذا وہ جس وقت بھی ادا کرے ادا ہو جائے گا اھ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۱۲: از حافظ عبدالمجید قصبہ تحصیل سوار خاص علاقہ ریاست رامپور بروز سہ شنبہ ۱۰ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ

محرم کو احرام میں جوڑ لگانا عند الشرع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

سِلی ہوئی چیز سے بچنا چاہئے اور بحالتِ ضرورت مستثنٰی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۱۳ تا ۳۱۴: از بمبئی محلہ قصاباں متصل کرافٹ مارکیٹ مکان گوریے یا بو صاحب مسئولہ حضرت سید حامد حسین میاں صاحب قبلہ دام ظلہم ۴ ذیقعدہ ۱۳۲۹ھ

معظمی مکرمی مدظلہ العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، چند امور دریافت طلب ہیں بہ گوارائے تکلیف بوالپسی ڈاک مطلع فرمائیے بعید از شفقتِ بزرگانہ نہ ہوگا۔

اوّل یہ کہ مستورات منہ پر پنکھا کھجور کا لگالیتی ہیں یقیناً وہ پنکھا کنپٹی اور ناک اور مُنہ سے لگتا ہے اور چہرہ پوشیدہ بھی رہتا ہے احرام کی حالت میں کیا کرنا چاہئے، نماز پڑھتے وقت جبکہ پردہ کی جگہ نہ ہو پنکھا اونچا اٹھا ہوا مشکل سے رُکے گا، علاوہ ازیں چہرہ نامحرمان کی نظر سے مخفی رکھنا دشوار ہے اس کے متعلق صاف

---

[1] درمختار	باب الجنایات	مطبع مجتبائی دہلی	۱/۱۷۳تا۱۷۵
ردالمحتار	"	مصطفی البابی مصر	۲/۲۱۷تا۲۲۸
[2] ردالمحتار	"	"	۲/۲۲۸
[3] "	"	"	۲/۲۱۷

الفاظ میں تحریر فرمائیے جو سمجھ میں آسکے۔

دوم یہ کہ فقیر تمباکو پان کے ساتھ کھانے کا عادی ہے اگرچہ لعاب ایک قطرہ بھی حلق سے نیچے نہیں اُترتا، تمباکو نہ کھانے کے سبب سخت تکلیف ہوگی، اس تمباکو میں قدرے قلیل مُشک و زعفران کا ہونا بھی بیان کیا جاتا ہے آپ کے ملاحظہ کے واسطے قدرے تمباکو مرسل ہے۔

الجواب

بشرف ملاحظہ عالیہ حضرت بابرکت والا درجت حضرت مولانا سیّد شاہ حامد حسین میاں صاحب قبلہ دامت برکاتہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، بعد اداے آداب معروض، پنکھا سر پر مضبوط باندھیں کہ اٹھارہ پہر اور بڑا ہو کہ اٹھارہنے کی حالت میں چہرہ اجانب سے چھپا رہے پھر بھی اگر احیاناً چہرہ پر ڈھلک آئے یا کنپٹی یا ناک یا مُنہ سے لگے اگر منہ کی ٹکلی کے چہارم تک نہ پہنچے تو کفارہ کچھ نہیں، نہ قربانی نہ صدقہ کہ نہ چہارم منہ چھپایا نہ چار پہر تک اُسے دوام رہا، اس صورت میں کراہت و معصیت ہوتی مگر جبکہ وہ بلا قصد ہے اور اُسے قائم نہ رکھا گیا تو مواخذہ نہیں، ہاں اگر چہارم منہ کی ٹکلی چھُپ جائے گی تو ضرور صدقہ دینا آئے گا۔ احکام جو شرع مطہر نے ارشاد فرمائے صدقِ دل سے اُن کا اہتمام ہو تو وہی جس کے احکام ہیں مدد فرماتا اور آسان کر دیتا ہے، تمباکو کے قوام میں خوشبو ڈال کر پکائی گئی جب تو اس کا کھانا مطلقاً جائز ہے اگرچہ خوشبو دیتی ہو، ہاں خوشبو ہی کے قصد سے اُسے اختیار کرنا کراہت سے خالی نہیں اور نظر جانب خوشبو نہ ہو بلکہ حسب عادت دیگر منافع تمباکو کی طرف تو کچھ حرج نہیں اور اگر بے پکائے خوشبو مشک وغیرہ اس میں شامل ہو اور خوشبو دے رہا ہو جب بھی کفارہ کچھ نہیں البتہ کراہت ضرور ہے، یہ کراہت پیک نگلنے پر موقوف نہیں کہ خوشبو کا آنچل میں باندھنا بھی ناجائز ہے۔ ہاں اگر مشک وغیرہ خوشبو اتنی کم پڑی کہ خوشبو نہ دے یا مدّت گزرنے سے اُڑ گئی کہ اب خوشبو جاتی رہی تو کراہت بھی نہیں۔ لباب و شرح لباب میں ہے:

الطیب اذا خلطہ بطعام قد طبخ فلا شیئ علیہ اتفاقا سواء یوجد ریحہ اولا لانہ بالخلط والطبخ یصیر مستھلکا فلا یعتبر وجودہ اصلا وان خلطہ بمایؤکل بلا طبخ کالزعفران بالملح فالعبرۃ بالغلبۃ، فان کان الغالب الملح ای اجزاءہ لاطعمہ ولونہ

اگر خوشبو کسی ایسے کھانے میں ملائی جسے پکایا گیا تو اب محرم پر کوئی شیئ لازم نہ ہوگی خواہ مہک باقی ہو یا نہ ہو کیونکہ وہ اختلاط اور پکنے سے ہلاک و ختم ہوگئی اب اس کے وجود کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا اور اگر وہ کھانے والی چیز میں ملی لیکن اس میں پکی نہیں جیسے زعفران نمک میں مل جائے تو غلبہ کا اعتبار ہوگا، اگر نمک کے اجزاء (ذائقہ اور رنگ نہیں) زائد ہیں تو اب کوئی شیئ لازم

فلاشیٔ علیہ من الجزاء غیرانہ اذا کان رائحتہ موجودۃ کرہ اکلہ لکونہ مغلوبا غیرمطبوخ وان کان الغالب الطیب ففیہ الدم فانہ حینئذ کالزعفران الخالص فیجب الجزاء وان لم تظھر رائحتہ[1] اھ ملخصا محررا۔

نہ ہوگی ماسوائے اس کے کہ اگرمہک باقی تھی تو اس کا کھانا مکروہ ہوگا کیونکہ وُہ مغلوب ہے مگر پکی ہُوئی نہیں اور اگر غالب خوشبو ہے تو اس میں دم آئیگا کیونکہ وُہ خالص زعفران کی طرح ہوگا تو اب سزا لازم ہوگی خواہ مہک نہ ہوگی اھ ملخصا محررا۔ (ت)

اسی کے محرماتِ احرام میں ہے:

التطیب واکل الطیب وشدہ بطرف ثوبہ ای ربط طیب یفوح ریحہ[2]، واللہ تعالٰی اعلم۔

خوشبو لگانا، خوشبو کھانا، کپڑے کے کنارے میں ایسی خوشبو باندھنا جس کی مہک پھیل رہی ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۱۵ مسئولہ شفقت علی از محلہ ذخیرہ بریلی شہر ۳ ربیع الآخر ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت جس کے پاس اُس کے باپ بھائی خاوند کا دیا ہُوا اتنا سرمایہ موجود ہے کہ جس سے وُہ بخوبی حج کرسکتی ہے مسماۃ مذکورہ کا ارادہ اب کے سال حج کرنے کا مصمم ہے مگر باوجود ہر منت وسماجت کے اس کا خاوند اُس کو اجازت نہیں دیتا، اس کے حقیقی بھائی بھی اب کی مرتبہ حج کا ارادہ رکھتے ہیں، یہ موقع بھی مسماۃ مذکورنے نہایت مناسب سمجھا ہے اس صورت میں یہ عورت بلا اجازت اپنے خاوند کے اپنے بھائیوں کے ہمراہ جاکر حج ادا کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب

جبکہ عورت پر حج فرض ہے اجازتِ شوہر کی ہرگز حاجت نہیں،

فان الاصح ان افتراض الحج فوری وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاطاعۃ لاحد فی معصیۃ اللہ[3]۔

یہی درست کہ فریضۂ حج فوراً ادا کیا جائے، اور حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں کرنی چاہئے۔ (ت)

---

[1] لباب وشرح لباب مع ارشاد الساری فصل فی اکل الطیب وشربہ دارالکتاب العربی بیروت ص ۲۱۱ تا ۲۱۳

[2] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ فی محرمات الاحرام ؍؍ ؍؍ ص ۸۱

[3] مسند احمد بن حنبل بقیہ حدیث حکم بن عمرو الغفاری دارالفکر بیروت ۵/ ۶۶

عورت کے لیے ایک بڑی شرط شوہر یا محرم کا ساتھ ہونا ہے، اس وقت تو اس کا بھائی جارہا ہے کیا معلوم کہ آگے کوئی محرم ساتھ کو نہ ملے تو حج سے محروم رہے، نہایت جلدی کرے اور فوراً بھائی کے ساتھ چلی جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۱۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زیارت شریف حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا کیا حکم ہے اور باوجود قدرت اس کا تارک یا مانع و منکرِ فضل شرعاً کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

زیارت سراپا طہارت حضور پُرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالقطع والیقین باجماع مسلمین افضل قربات واعظم حسنات سے ہے جس کی فضیلت و خوبی کا انکار نہ کرے گا مگر گمراہ بددین یا کوئی سخت جاہل سفیہ غافل، سخرۂ شیاطین والعیاذ باللہ رب العالمین۔ اس قدر پر تو اجماع قطعی قائم، اور کیوں نہ ہو خود قرآن عظیم اس کی طرف بلاتا اور مسلمانوں کو رغبت دلاتا ہے۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا:

ولو انھم اذظلموا انفسھم جاؤك فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما۔[1]

یعنی اگر ایسا ہو کہ وہ جب اپنی جانوں پر ظلم یعنی گناہ و جرم کریں تیری بارگاہ بیکس پناہ میں حاضر ہوں پھر خدا سے مغفرت مانگیں اور مغفرت چاہے ان کے لیے رسول، تو بیشک اللہ عزوجل کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

امام سبکی شفاء السقام اور شیخ محقق جذب القلوب میں فرماتے ہیں:

"علماء نے اس آیت سے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حالِ حیات و حالِ وفات دونوں حالتوں کو شمول سمجھا اور ہر مذہب کے ائمہ مصنفین مناسک نے وقت حاضری مزار پُرانوار اس آیت کی تلاوت کو آدابِ زیارت سے گنا۔"[2]

علامہ سمہودی شافعی وفاء الوفاء میں فرماتے ہیں:

"حنفیہ زیارت شریف کو قریب بہ واجب کہتے ہیں، اور اسی طرح مالکیہ و حنبلیہ نے تصریح کی۔"[3]

---

[1] القرآن ۴/۶۴

[2] جذب القلوب باب پانزدہم دربیان حکم زیارۃ قبر النبی صلے اللہ علیہ وسلم نولکشور لکھنؤ ص ۲۱۱

[3] وفاء الوفاء الفصل الثانی فی بقیۃ ادلۃ الزیارۃ الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۱۳۶۲

ہماری کتبِ مذہب میں مناسکِ[۱] فارسی و طرابلسی[۲] و کرمانی[۳] و اختیار[۴] شرح مختار[۵] و فتاوٰی ظہیریہ[۶] و فتح القدیر[۷] و خزانۃ المفتین[۸] و منسکِ متوسط[۹] و مسلکِ متقسط[۱۰] و منح الغفار[۱۱] و مراقی الفلاح[۱۲] و حاشیہ طحطاویہ علی المراقی[۱۳] و مجمع الانہر[۱۴] و سنن الہدٰی[۱۵] و عالمگیری[۱۶] وغیرہا میں اس کے قریب واجب ہونے کی تصریح و تقریر کی بلکہ خود صاحبِ مذہب سیدنا امام اعظم سے اس پر نص منقول۔ جذب القلوب میں ہے:

زیارتِ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نزد ابی حنیفہ از افضل مندوبات و اوکد مستجبات است قریب بہ درجۂ واجبات۔[۱]	زیارتِ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک افضل مندوبات و اعلٰی مستحبات سے ہے درجۂ واجبات کے قریب۔ (ت)

اور بعض ائمہ مالکیہ و شافعیہ تو صاف صاف واجب کہتے ہیں اور یہی مذہبِ ظاہریہ سے منقول۔ امام ابن الحاج مکی مالکی مدخل اور امام سبکی شافعی تہذیب الطالب امام عبدالحق بن محمد سے نقل فرماتے ہیں:

"امام ابو عمران فاسی مالکی نے فرمایا قبر شریفِ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی زیارت واجب ہے۔"

امام قاضی عیاض مالکی شفا شریف میں امام ابو عمرو سے ناقل:

"قبر اقدس حضورِ والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف سفر کرکے جانا واجب ہے۔"[۳]

اسی طرف امام قسطلانی شارح صحیح بخاری شافعی و امام ابن حجر مکی شافعی و علامہ علی قاری حنفی وغیرہم علماء کا میلان ہے بلکہ بعض کلماتِ امام سبکی بھی اسی طرف ناظر۔ شفاء شریف میں فرمایا:

"زیارتِ قبر میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم ہے اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم واجب۔"[۴]

اسی طرح مواہبِ لدنیہ شریف میں ہے، اور شک نہیں کہ ظاہر دلیل اسی کو مقتضی۔ ابن عدی وغیرہ کی حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من حج البیت ولم یزرنی فقد جفانی۔[۵]	جو حج کرے اور میری زیارت کو حاضر نہ ہو بیشک اس نے مجھ پر جفا کی۔

---

[۱] جذب القلوب باب پانزدہم دربیان حکم زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم نولکشور لکھنؤ ص ۲۱۰

[۲] وفاء الوفاء بحوالہ عبدالحق الفصل الثانی فی بقیۃ ادلۃ الزیارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۶۴

[۳] کتاب الشفا قاضی عیاض فصل فی حکم زیارۃ قبر مطبعۃ شرکت صحافیۃ فی البلاد العثمانیہ ۲/ ۷۵

[۴] شفاء السقام الباب الخامس فی تقریر کون الزیارۃ قربۃ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۸۳

[۵] کامل ابن عدی ترجمہ النعمان بن شبل الباہلی دار الفکر بیروت ۷/ ۲۴۸۰

علامہ علی قاری شرح لباب میں اس کی سند کو حسن اور وہی شرح شفاء و درہ مضیہ اور امام ابن حجر جوہر منظم میں محتج بہ فرماتے ہیں، انھی دونوں کتابوں میں فرمایا:

"نبی صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی جفا حرام ہے تو زیارت نہ کرنا کہ متضمن جفا ہے حرام ہوا۔"[1]

مدارج النبوۃ میں ہے:

"صاحبِ مواہب گفتہ ایں ظاہر است در حرمتِ ترکِ زیارت زیراکہ دریں جفا و اذائے اوست و جفاء و اذائے آنحضرت صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم حرام است باجماع پس واجب باشد ازالہ جفا و آں بزیارت خواہد بود پس زیارت واجب باشد۔"[2]

صاحب مواہب نے فرمایا ہے کہ زیارت نہ کرنے کی حرمت پر یہ ظاہر ہے کیونکہ اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جفا ہے اور آپ کو ایذاء ہے جبکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جفا اور ایذاء بالاجماع حرام ہے، تو اس جفا کے ازالہ کے لیے زیارت واجب ہے۔ (ت)

امام قسطلانی اس عبارت کے بعد فرماتے ہیں: "بالجملہ جو باوجود قدرت ترکِ زیارت کرے اس نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر جفا کی اور حضور کا ہم پر یہ حق نہ تھا۔"[3]

اسی طرح ترک زیارت کے موجبِ جفا ہونے میں متعدد حدیثیں آئیں کہ حضرت والد علام قدس سرہٗ نے جواہر البیان شریف میں ذکر فرمائیں اور شک نہیں کہ افراد میں اگرچہ کلام ہو مجموع حسن تک مترقی، اور حسن اگرچہ لغیرہ ہو محلِ احتجاج میں کافی، اور اسی کے مناسب قصۂ حضرتِ بلال رضی اللہ تعالٰے عنہ ہے کہ امام ابن عساکر وغیرہ نے حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور امام سبکی نے شفا اور علامہ سمہودی نے وفاء اور امام ابنِ حجر نے جوہر میں اس کی سند کو جید کہا کہ جب حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ نے شام میں سکونت اختیار فرمائی خواب میں حضور پُرنور سید المحبوبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی زیارت سے شرفیاب ہوئے کہ ارشاد فرماتے ہیں:

ماھذہ الجفوۃ یا بلال اما آن لک ان تزورنی یا بلال!

اے بلال! یہ کیا جفا ہے۔ اے بلال! کیا ابھی تجھے وہ وقت نہ آیا کہ میری زیارت کو حاضر ہو۔

بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ غمگین و ترساں و ہراساں بیدار ہوئے اور فوراً بہ قصدِ مزار پُرانوار جانب مدینہ شد الرحال

---

[1] الجوہر المنظم ابن حجر مکی فصل اول مطبعہ خیریہ مصر ص ۸

[2] مدارج النبوۃ وصل در ذکر غم والم مفارقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۴۴۴

[3] المواہب اللدنیہ مقصد عاشر فصل ثانی الترغیب فی زیارتہ صلے اللہ علیہ وسلم المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۵۷۱

فرمایا، جب شرفِ حضور پایا قبرِ انور کے حضور رونا اور منہ اس خاک پر ملنا شروع کیا، دونوں صاحبزادے حضرات حسن و حسین صلی اللہ تعالٰی علٰی جدہما وعلیہما وبارک وسلم تشریف لائے۔ بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ انھیں گلے لگاکر پیار کرنے لگے۔ شہزادوں نے فرمایا ہم تمھاری اذان کے مشتاق ہیں یہ سقفِ مسجدِ انور پر جہاں زمانۂ اقدس میں اذان دیتے تھے گئے، جس وقت اللہ اکبر اللہ اکبر کہا تمام مدینہ میں لرزہ پڑگیا، جب اشھد ان لا الٰہ الا اللہ کہا مدینہ کا لرزہ دوبالا ہوا، جب اس لفظ پر پہنچے کہ اشھد انّ محمّدا رسول اللہ کنواری نوجوان لڑکیاں پردوں سے نکل آئیں اور لوگوں میں غل پڑگیا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مزارِ پُرانوار سے باہر تشریف لے آئے۔ انتقالِ حضور محبوب ذی الجلال صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد کسی دن مدینہ منورہ کے مردوزن میں وُہ رونا نہ پڑا تھا جو اس دن ہوا[1]۔

درنمازم خمِ ابروئے تو بریاد آمد حالتے رفت کہ محراب بفریاد آمد

(جب آپ کی کمانِ ابرو مجھے نماز میں یاد آئی، تو بیخودی کی حالت میں مسجد آہ و بکا میں مصروف ہوگئی)

اور نیز وُہ حدیث بھی مؤیدِ وجوب ہوسکتی ہے جسے امام ابن عساکر اور امام ابن النجار نے کتاب الدرۃ الثمینہ میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ما من احد من امتی لہ سعۃ ثم لم یزرنی فلیس لہ عذر[2]۔ — میرا جو امتی باوصف مقدرت میری زیارت نہ کرے اس کے لیے کوئی عذر نہیں۔

حتی کہ بعض ائمہ شافعیہ زیارتِ شریفہ کو مثلِ حج فرض بتاتے ہیں۔ علامہ عبدالغنی بن احمد بن شاہ عبدالقدوس چشتی گنگوہی قدس سرہٗ شاگرد امام علامہ ابن حجر مکی رحمہم اللہ تعالٰی سنن الہدٰی میں فرماتے ہیں:

"میں نے اپنے استاذ ابن حجر (ایّد اللہ الاسلام ببقائہ) کو فرماتے سُنا کہ زیارت شریفہ ہمارے بعض اصحاب شافعیہ کے نزدیک مثلِ حج واجب ہے اور ان کے نزدیک واجب و فرض میں کچھ فرق نہیں[3]۔"

بالجملہ قولِ وجوب من حیث الدلیل اظہر اور نظرِ ایمانی میں احبّ وازہر ہے اور قریب وجوب کہ علمائے مذاہب اربعہ بلکہ خود امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا منصوص اس کے قریب اور حکمًا مقارب، اور قول سنّت

---

[1] شفاء السقام الباب الثالث مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۵۳

[2] المواہب اللدنیہ مقصد عاشر فصل ثانی الترغیب فی زیارۃ صلے اللہ علیہ وسلم المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۵۷۱

[3] سنن الہدٰی عبدالغنی بن احمد

اس کے منافی نہیں، فقہاء واجب کو بھی کہ سنت یعنی حدیث سے ثابت ہو سنت بولتے ہیں۔ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے نمازِ عید کو کہ حنفیہ کے نزدیک واجب ہے سنت کہا بلکہ اطلاقِ اعم میں مستحب و مندوب بھی واجبات کو شامل اور فرض و واجب جبکہ حکم عمل و اثم تارک میں مشارک اور شافعیہ کے یہاں فرقِ اصطلاح نہیں تو ان کے نزدیک واجب پر اطلاق فرض اور حج سے تمثیل بعید نہیں۔ اس تقریر پر سب اقوال متفق ہو جائیں گے اور بہ تصریح علماء مثل علامہ شامی وغیرہ ابدائے وفاق ابقائے خلاف سے اولٰی اور بیشک وجوب وقریبِ وجوب کہ جمہور ائمہ مذاہب جس کی تصریح کرتے ہیں، تارک کے اثم پر یک زبان، بہرحال جزم کیا جاتا ہے کہ باوجود قدرت تارکِ زیارت قطعاً محروم وملوم و بدبخت ومشوم و آثم وگنہگار وظالم وجفاکار ہے، والعیاذ باللہ تعالٰی رب الارضاہ۔ لاجرم سلفاً وخلفاً علمائے دین و ائمہ معتمدین تارکِ زیارت پر طعنِ شدید و تشنیع مدید کرتے آئے کہ ترکِ مستحب پر ہرگز نہیں ہو سکتی۔ علامہ رحمت اللہ علیہ رحمۃ اللہ تلمیذ امام ابن ہمام نے لباب میں فرمایا:

"ترکِ زیارت بڑی غفلت اور سخت بے ادبی ہے[1]۔"

اور امام ابن حجر مکی قدس سرہ الملکی نے تو جوہرِ منظم میں تارکِ زیارت پر قیامتِ کبرٰی قائم فرمائی، فرماتے ہیں رحمہ اللہ تعالٰی:

"خبردار ہو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تجھے ترک زیارت سے حد درجہ ڈرایا اور اس کی آفتوں سے وہ کچھ بیان فرمایا کہ اگر تو اُسے غور سے سمجھے تو اپنے اُوپر ہلاکت و بدانجامی کا خوف کرے، حضور نے صاف فرما دیا کہ ترکِ زیارت جفا ہے۔

اور یُونہی صحیح حدیث میں آیا کہ "میرا ذکر سُن کر مجھ پر درود نہ پڑھنا جفا ہے"۔ اس سے ثابت ہوا کہ باوجود قدرت ترکِ زیارت اور ذکرِ اقدس سُن کر ترکِ درود، دونوں یکساں ہیں کہ دونوں جفا ہیں تو تارکِ زیارت پر ان سب عذابوں اور شناعتوں کا خوف ہے جو تارکِ درود کے لیے حدیثوں میں آئیں کہ وہ شقی[1]، نامراد[2] و ذلیل[3] وخوار، مستحقِ نار، خدا اور رسول سے دُور ہے، اسی پر ان سب عذابوں اور نیز مردودِ بارگاہ ہونے کی دعا جبریل امین[4] حضور سید المرسلین صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمائی، وہ راہِ جنت بھول گیا[5]، حد بھر کا بخیل[6]، ملعون[7]، بے دین[8] ہے، اپنے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دیدارِ جمالِ جہاں آرا سے محروم رہے گا، والعیاذ باللہ تبارک وتعالٰی، ان باتوں کو یاد کر کے اسے خبر دے جس نے باوصفِ قدرت براہِ سُستی وکسل زیارت شریف نہ کی، شاید

---

[1] لباب المناسک مع ارشاد الساری باب زیارۃ سید المرسلین دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۳۴

یہ سُن کر ان برائیوں سے توبہ کرے اور اللہ تعالٰی کی طرف رجوع لائے، اپنے اس نبی پر جفا نہ کرے جو اس کا اور تمام جہان کا اللہ عزّوجل کی طرف وسیلہ ہیں، اور ہم نے بہت تارکانِ زیارت بحالِ قدرت کو دیکھا کہ اللہ تعالٰی نے ان کے چہروں پر صریح محسوس تاریکی ظاہر کردی اور نیکیوں میں انھیں ایسا سست کردیا کہ عبادت چھوڑ کر دنیا میں پڑگئے اور مرتے دم تک اسی حال پر رہے[1]" (ملخصاً) والعیاذ باللہ سبحانہ وتعالٰی۔

اس کے بعد امام نے دو سخت ہولناک واقعے لکھے جنھیں سُن کر مسلمان کا دل کانپ اُٹھے اللہ تعالٰی اپنی امان میں رکھے صدقہ اپنے پیارے حبیب قریب مجیب صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا، آمین! مسلمان غور کرے جب تارکِ زیارت کا یہ حال، اس کے مانع یا منکرِ فضیلت کا کیا حال ہوگا! آفتاب سے زیادہ روشن کہ ایسا شخص گمراہ، بددین، خارقِ اجماعِ مسلمین، مستحقِ وعیدِ شدید نولّہ ماتولّٰی ونصلہ جہنم وساءت مصیرا[2] (ہم اسے اس کے حال پر چھوڑدیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بُری جگہ پلٹنے کی۔ت) ہے۔

امام ابن حجر افضل القرٰی میں فرماتے ہیں: "جو اس کی خوبی میں نزاع کرے گا اس کا نزاع کرنا دنیا و آخرت میں اس کی تباہی و رُوسیاہی کا باعث ہوگا[3]"۔ امام سبکی شفاء السقام شریف میں فرماتے ہیں: "نبی صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی زیارت و اطراف عالم سے اس کی طرف سفر اعظم قرباتِ الٰہی سے ہے جیسا کہ مدتوں سے شرق و غرب کے مسلمانوں میں معروف ہے، آج کل بعض مردود (یعنی ابن تیمیہ اور اس کے ہواخواہ) شیطان کے سکھائے سے اس میں شک ڈالنے لگے مگر ہیہات یہ مسلمانوں کے دل میں کہاں جگہ پاتی، یہ تو ایک مردود کی فتنہ پردازی ہے جس کا وبال اسی پر پڑے گا[4]"۔ امام احمد قسطلانی مواہب شریفہ میں فرماتے ہیں: "قبر مبارک کی زیارت بہت بڑی قربت اور بڑی امید کی طاعت اور نہایت بلند درجوں کی طرف راہ ہے جو اس کے خلاف اعتقاد کرے اس نے رسنِ اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے نکال دیا اور خدا و رسول و جماعتِ مشاہیر ائمہ کا خلاف کیا[5]"۔

---

[1] جوہر منظم ابن حجر مکی عربی فصل ثالث فی التحذیر من ترک زیارتہ صلے اللہ علیہ وسلم مطبعہ خیریہ مصر ص ۲۸ تا ۳۰

[2] القرآن ۴/ ۱۱۵

[3] افضل القرٰی

[4] شفاء السقام الباب السادس فی کون السفر الیہا قربۃ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۱۰۲

[5] المواہب اللدنیہ مقصد عاشر فصل ثانی الترغیب فی زیارتہ صلے اللہ علیہ وسلم المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۵۷۰

یہاں تک کہ بعض علماء صراحۃً زیارتِ شریفہ کے قربت ہونے کو ضروریاتِ دین سے اور اس کے منکر کو کافر بتاتے ہیں، درۂ مضیۂ مولٰنا علی قاری میں ہے: "بعض فضلاء نے مبالغہ کیا کہ فرماتے ہیں زیارت شریفہ کا قربت ہونا دین سے ضرورۃً معلوم ہے اور اس کے منکر پر کفر کا حکم۔"[1] علامہ شہاب الدین خفاجی مصری نسیم الریاض شرح شفائے قاضی عیاض میں فرماتے ہیں: "قبر اکرم سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی زیارت اور اس کی طرف سفر کو ابن تیمیہ اور اس کے اتباع مثل ابن قیم نے منع کیا اور یہ اس کا وہ کلام شنیع ہے جس کے سبب علماء نے اس کی تکفیر کی اور امام سبکی نے اس میں مستقل کتاب لکھی۔"[2]

اقول قولِ تکفیر کی نفیس تقریر وعمدہ توجیہ مع جواب وجیہ فقیر غفر اللہ تعالٰی نے بتوفیق اللہ تعالٰی اصل فتوٰی میں ذکر کی، یہاں اسی قدر کافی۔ مولٰی تعالٰی صدقہ اپنے حبیب کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کا ان کی سچی محبت اور سچا ادب بخشے اور انہی کی محبت وتعظیم وادب وتکریم پر دنیا سے اٹھائے اور اپنے کرم عمیم و فضلِ عظیم سے دنیا وآخرت میں ان کی زیارت سے مشرف وبہرہ مند فرمائے آمین آمین آمین یا ارحم الراحمین وصلی اللہ تعالٰی علٰی سید المرسلین محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

کتبہ

عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمدن المصطفٰی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم

محمدی سنّی حنفی قادری
عبدالمصطفٰی احمد رضا خاں

---

[1] درۂ مضیہ

[2] نسیم الریاض فصل فی حکم زیارۃ قبرہ علیہ الصلوٰۃ والسلام دار الفکر بیروت ۳/ ۵۱۴

طبرانی کو علامہ مناوی نے تیسیر میں کہا: رجالہ ثقات[1] (اس کے رجال ثقہ ہیں۔ت)

حدیث (۴۳) ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف اور ابن حبان نے صحیح مسمّی بالتقاسیم والانواع اور حاکم نیشاپوری نے الصحیح المستدرک علی البخاری ومسلم اور بغوی نے شرح السنہ اور طبرانی نے معجم اوسط اور ہناد نے کتاب الزہد اور سعید بن السکن نے اپنی سنن اور ابن جریر وابن منذر وابن مردویہ وبیہقی نے اپنی اپنی تصانیف میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی، حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

والذی نفسی بیدہ ان المیّت اذا وضع فی قبرہ انہ لیسمع خفق نعالھم حین یولون عنہ[2]۔

قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جب مُردہ قبر میں رکھا جاتا ہے کفش پائے مردم کی آواز سنتا ہے جب اُس کے پاس سے پلٹتے ہیں۔

حدیث (۴۴) جویبر نے اپنی تفسیر میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ایک حدیث طویل روایت کی جس میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

فانہ یسمع خفق نعالکم ونفض ایدیکم اذا ولیتم عنہ مدبرین[3]۔

بیشک وہ یقیناً تمہارے جوتوں کی بھپل اور ہاتھ جھاڑنے کی آواز سنتا ہے جب تم اس کی طرف سے پیٹھ پھیر کر چلتے ہو۔

حدیث (۴۵) طبرانی وابن مردویہ ایک حدیث طویل میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسند حسن راوی:

قال شھدنا جنازۃ مع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فلما فرغ من دفنھا وانصرف الناس قال انہ الاٰن یسمع خفق نعالکم[4] الحدیث

فرمایا: ہم ایک جنازہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ہمراہِ رکاب حاضر تھے۔ جب اس کے دفن سے فارغ ہوئے اور لوگ پلٹے حضور نے ارشاد فرمایا اب وہ تمہاری جوتیوں کی آواز سن رہا ہے۔

فائدہ جلیلہ: چالیس۴۰ سے پینتالیس۴۵ تک جو چھ۶ حدیثیں مذکور ہوئیں پہلے ہی لاجواب ٹھہر چکی ہیں۔ آج تک کوئی جواب معقول اُن سے نہ ملا نہ ملے۔ غایت سعی اُن کی طرف سے یہ ہے کہ سماع مذکور کو اوّل

---

[1] التیسیر لشرح الجامع الصغیر تحت ان المیت اذا دفن مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/۳۰۳
[2] المستدرک للحاکم المیت لیسمع خفق نعالھم دارالفکر بیروت ۱/۳۸۰
[3] شرح الصدور بحوالہ جویبر باب فتنۃ القبر خلافت اکیڈمی سوات ص ۵۱
[4] ؍؍ طبرانی اوسط وابن مردویہ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ص ۵۴

لکھ کر چھاپ دے، حضرت سید صاحب کے حکم سے بکمالِ استعجال یہ چند سطور تحریر ہوئیں، اُمید کہ بہ برکتِ سادات کرام، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور مسلمان بھائیوں کو نفع پہنچائے، آمین!

فصلِ اوّل آدابِ سفر و مقدماتِ حج میں

(۱) جس کا قرض آتا ہو یا امانت پاس ہو ادا کر دے، جن کے مال ناحق لیے ہوں واپس دے یا معاف کرائے، پتا نہ چلے تو اتنا مال فقیروں کو دے دے۔

(۲) نماز، روزہ، زکوٰۃ جتنی عبادات ذمّہ پر ہوں ادا کرے اور تائب ہو۔

(۳) جس کی بے اجازت سفر مکروہ ہے جیسے ماں، باپ، شوہر، اسے رضا مند کرے جس کا اس پر قرض آتا ہے، اُس وقت نہ دے سکے تو اس سے بھی اجازت لے، پھر بھی حج کسی کی اجازت نہ دینے سے رُک نہیں سکتا۔ اجازت میں کوشش کرے نہ ملے جب بھی چلا جائے۔

(۴) اس سفر سے مقصود صرف اللہ و رسول ہوں۔

(۵) عورت کے ساتھ جب تک شوہر یا محرم بالغ قابلِ اطمینان نہ ہو جس سے نکاح ہمیشہ کو حرام ہے سفر حرام ہے، اگر کرے گی حج ہو جائے گا مگر ہر قدم پر گناہ لکھا جائیگا۔

(۶) توشہ مالِ حلال سے ہو ورنہ قبولِ حج کی اُمید نہیں اگرچہ فرض اُتر جائے گا۔

(۷) حاجت سے زیادہ توشہ لے کر رفیقوں کی مدد اور فقیروں پر تصدق کرتا چلے، یہ حجِ مبرور کی نشانی ہے۔

(۸) عالم کُتبِ فقہ بقدرِ کفایت ساتھ لے ورنہ کسی عالم کے ساتھ جائے، یہ بھی نہ ملے تو کم از کم یہ رسالہ ہمراہ ہو۔

(۹) آئینہ، سُرمہ، کنگھا، مسواک ساتھ رکھے کہ سنّت ہے۔

(۱۰) اکیلا سفر نہ کرے کہ منع ہے۔ رفیق دیندار ہو کہ بد دین کی ہمراہی سے اکیلا بہتر ہے۔

(۱۱) حدیث میں ہے، جب تین آدمی سفر کو جائیں اپنے میں ایک کو سردار بنالیں[1]۔ اس میں کاموں کا انتظام رہتا ہے، سردار اسے بنائیں جو خوش خلق عاقل دیندار ہو۔ سردار کو چاہیے رفیقوں کے آرام کو اپنی آسائش پر مقدم رکھے۔

(۱۲) چلتے وقت اپنے دوستوں عزیزوں سے ملے اور اپنے قصور معاف کرائے، اور ان پر لازم ہے کہ دل سے معاف کر دیں۔ حدیث میں ہے کہ جس کے پاس اس کا مسلمان بھائی معذرت لائے واجب ہے

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح کتاب الجہاد باب آداب السفر مطبع مجتبائی دہلی ص ۳۳۹

کہ قبول کرلے ورنہ حوضِ کوثر پر آنا نہ ملے گا۔[1]

(۱۳) وقتِ رخصت سب سے دُعا لے کر برکت پائے گا۔

(۱۴) ان سب کے دین، جان، اولاد، مال، تندرستی، عافیت خدا کو سونپے۔

(۱۵) لباسِ سفر پہن کر گھر میں چار رکعت نفل الحمد و قل سے پڑھ کر باہر نکلے، وہ رکعتیں واپس آنے تک اس کے اہل و مال کی نگہبانی کریں گی۔

(۱۶) جدھر سفر کو جائے جمعرات یا ہفتہ یا پیر کا دن ہو، اور صبح کا وقت مبارک ہے، اور اہلِ جمعہ کو روزِ جمعہ قبلِ جمعہ سفر اچھا نہیں۔

(۱۷) دروازے سے باہر نکلتے ہی کہے:

بِسْمِ اللّٰهِ وَاٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَتَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَنْ نَزِلَّ اَوْ نُضِلَّ وَنُضَلَّ اَوْ نَظْلِمَ اَوْ نُظْلَمَ اَوْ نَجْهَلَ اَوْ يُجْهَلَ عَلَيْنَا اَحَدٌ۔[2]

اور درود شریف کی کثرت کرے۔

(۱۸) سب سے رخصت کے بعد اپنی مسجد سے رخصت ہو، وقتِ کراہت نہ ہو تو اس میں دو رکعت نفل پڑھے۔

(۱۹) چلتے وقت کہے:

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنْ وَّعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ وَسُوْءِ الْمَنْظَرِ فِي الْمَالِ وَالْاَهْلِ وَالْوَلَدِ۔[3]

ترجمہ: [1] اللہ کے نام سے اور اللہ کی مدد سے اور میں نے اللہ پر بھروسہ کیا اور نہ گناہوں سے پھرنا نہ طاعت کی طاقت مگر اللہ کی توفیق سے، الٰہی! ہم تیری پناہ چاہتے ہیں اس سے کہ خود لغزش کریں یا دوسرا ہمیں لغزش دے یا خود بہکیں یا دوسرا بہکائے یا ظلم کریں یا ہم پر ظلم ہو یا جہل کریں یا ہم پر کوئی جہل کرے۔ (م)

[2] الٰہی! ہم تیری پناہ مانگتے ہیں سفر کی مشقت اور واپسی کی بدحالی اور مال یا اولاد میں کوئی بری حالت نظر آنے سے ۱۲ (م)

---

[1] الترغیب والترہیب　الترہیب ان یعتذر الی المرء اخوہ الخ　مصطفی البابی مصر　۳/ ۴۹۱

[2] کتاب ادعیۃ الحج والعمرۃ ملحق ارشاد الساری　فصل فی الوداع　دار الکتاب العربی بیروت　ص ۲

[3] 〃　〃　〃　〃　〃　〃　〃　ص ۳

واپسی تک مال اور اہل وعیال محفوظ رہیں گے۔

(۲۰) اُسی وقت تبّت کے سوا قُلْ یٰاَیُّہَا سے قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ تک پانچ سورتیں سب مع بسم اللہ پڑھے، پھر آخر میں ایک بار بسم اللہ شریف پڑھ لے، راستے بھر آرام رہے گا۔

(۲۱) نیز اس وقت اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ[1] ایک بار پھر پڑھ لے بالخیر واپس آئے گا۔

(۲۲) ریل وغیرہ جس پر سوار ہو بِسْمِ اللہِ کہے پھر اَللہُ اَکْبَرُ اور سُبْحَانَ اللہِ تین تین بار، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ ایک بار، پھر کہے:

سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِنِیْنَ ۝ وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ۝[2]

اس کے شر سے بچے۔

(۲۳) ہر بلندی پر چڑھتے اَللہُ اَکْبَرُ اور ڈھال میں اُترتے سُبْحَانَ اللہِ[3]

(۲۴) جس منزل میں اُترے اَعُوْذُ بِکَلِمٰتِ اللہِ التَّامَّاتِ کُلِّھَا مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ[4] کہے ہر نقصان سے بچے گا۔

(۲۵) جب وہ بستی نظر پڑے جس میں ٹھہرنا یا جانا چاہتا ہے کہے:

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُکَ خَیْرَ ھٰذِہِ الْقَرْیَۃِ وَخَیْرَ اَھْلِھَا وَخَیْرَ مَا فِیْھَا وَنَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ ھٰذِہِ الْقَرْیَۃِ وَشَرِّ اَھْلِھَا وَشَرِّ مَا فِیْھَا[5] ہر بلا سے محفوظ رہے گا۔

ترجمہ: عـ۱ بیشک وہ جس نے تجھ پر قرآن فرض کیا ضرور تجھے پھرنے کی جگہ واپس لائے گا۔ (م)

عـ۲ پاکی ہے اُسے جس نے اسے ہمارے بس میں کر دیا اور ہم میں اس کی طاقت نہ تھی بیشک ہم ضرور اپنے رب کی طرف پلٹنے والے ہیں۔ (م)

عـ۳ میں اللہ کی کامل باتوں کی پناہ مانگتا ہوں اس سب مخلوق کی شر سے۔ (م)

عـ۴ الٰہی ہم تجھ سے مانگتے ہیں اس بستی کی بھلائی اور اس بستی والوں کی بھلائی اور اس بستی میں جو کچھ ہے اس کی بھلائی اور تیری پناہ مانگتے ہیں اس بستی کی بُرائی سے اور اس میں جو کچھ ہے اس کی بُرائی سے۔ (م)

---

[1] القرآن ۲۸/ ۸۵ [2] القرآن ۴۳/ ۱۳

[3] و [4] کتاب ادعیۃ الحج والعمرۃ ملحق ارشاد الساری فصل فی الرکوب دار الکتاب العربی بیروت ص ۳

[5] الاذکار امام نووی باب مایقول اذا رأی قریۃ الخ " " " " ص ۲۰۱

(۲۶) جس شہر میں جائے وہاں کے سُنّی عالموں اور باشرع فقیروں کے پاس ادب سے حاضر ہو، مزارات کی زیارت کرے، فضول سیر تماشے میں وقت نہ کھودے۔

(۲۷) جس عالم کی خدمت میں جائے وہ مکان میں ہو تو آواز نہ دے باہر آنے کا انتظار کرے اس کے حضور بے ضرورت کلام نہ کرے، بے اجازت لیے مسئلہ نہ پوچھے، اس کی کوئی بات اپنی نظر میں خلافِ شرع ہو تو اعتراض نہ کرے اور دل میں نیک گمان رکھے، مگر یہ سُنّی عالم کے لیے، بدمذہب کے سامنے سے بھاگے۔

(۲۸) ذکرِ خدا سے دل بہلائے کہ فرشتہ ساتھ رہے گا، نہ کہ شعر و لغویات سے کہ شیطان ساتھ ہوگا، رات کو زیادہ چلے کہ سفر جلد طے ہوتا ہے۔

(۲۹) منزل میں راستے سے بچ کر اُترے کہ وہاں سانپ وغیرہ مُوذیوں کا گزر ہوتا ہے۔

(۳۰) راستے پر پیشاب وغیرہ باعثِ لعنت ہے۔

(۳۱) منزل میں متفرق ہو کر نہ اُتریں ایک جگہ اُتریں۔

(۳۲) ہر سفر خصوصاً سفرِ حج میں اپنے اور اپنے عزیزوں دوستوں کے لیے دُعا سے غافل نہ رہے کہ مسافر کی دُعا قبول ہے۔

(۳۳) جب دریا میں سوار ہو کہے:

بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَ مُرْسٰىهَا اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝[1]

ڈوبنے سے محفوظ رہے گا۔

جب کسی مشکل میں مدد کی حاجت ہو تین بار کہے:

يَا عِبَادَ اللّٰهِ اَعِيْنُوْنِيْ[2] اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔ غیب سے مدد ہوگی، یہ حکم حدیث ہے۔[3]

---

[1] ترجمہ: اللہ کے نام سے ہے اس کشتی کا چلنا اور ٹھہرنا، بیشک میرا رب ضرور بخشنے والا مہربان ہے، کافروں نے خدا ہی کی قدر جیسے چاہیے تھی نہ پہچانی، حالانکہ ساری زمین قیامت کے دن بہت حقیر سی کی طرح اس کے قبضہ میں ہے اور سب آسمان اس کی قدرت سے لپیٹے جائیں گے وہ پاک و بلند ہے ان کی شرکت سے ۱۲ منہ (م)

---

[1] کتاب عمل الیوم واللیلۃ باب مایقول اذا رکب فی السفینۃ مجلس دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن ص ۱۳۴

[2] مجمع الزوائد باب مایقول اذا انفلتت دابتہ الخ دار الکتاب العربی بیروت ۱۰/ ۱۳۲

کنز العمال بحوالہ طب عن عتبہ بن غزوان حدیث ۱۷۴۹۸ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۷۰۹

(۳۴) یَاصَمَدُ[1] ۱۳۴ بار روزانہ پڑھے بھوک پیاس سے بچے گا۔

(۳۵) اگر دشمن یا رہزن کا ڈر ہو لِاِیْلٰفِ پڑھے، ہر بلا سے امان رہے۔

(۳۶) سوتے وقت آیۃ الکرسی ایک بار ہمیشہ پڑھے کہ چور اور شیطان سے امان رہے۔

(۳۷) اگر کوئی چیز گم ہو جائے تو کہے:

یَاجَامِعَ[2] النَّاسِ لِیَوْمٍ لَّارَیْبَ فِیْہِ ط اِنَّ اللہَ لَایُخْلِفُ الْمِیْعَادَ اِجْمَعْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ ضَالَّتِیْ[1]

ان شاء اللہ تعالیٰ مل جائے گی۔

(۳۸) کرایہ کے اونٹ وغیرہ پر جو کچھ بار کرنا ہو اس کے مالک کو دکھائے اور اس سے زیادہ بغیر اس کی اجازت کے نہ رکھے۔

(۳۹) جانور کے ساتھ نرمی کرے، طاقت سے زیادہ کام نہ لے، بے سبب نہ مارے، نہ کبھی منہ پر مارے، حتی المقدور اس پر نہ سوئے کہ سونے کا بوجھ زیادہ ہوتا ہے، کسی سے بات وغیرہ کرنے کو کچھ دیر ٹھہرنا ہو تو اُتر لے اگر ممکن ہو۔

(۴۰) صبح و شام اُتر کر کچھ دیر پیادہ چل لینے میں دینی دُنیوی بہت فائدے ہیں۔

(۴۱) بدوؤں اور سب عربوں سے بہت نرمی کے ساتھ پیش آئے، اگر وہ سختی کریں ادب سے تحمل کرے، اس پر شفاعت نصیب ہونے کا وعدہ فرمایا ہے، خصوصاً اہلِ حرمین خصوصاً اہلِ مدینہ، اہلِ عرب کے افعال پر اعتراض نہ کرے، نہ دل میں کدورت لائے، اس میں دونوں جہان کی سعادت ہے۔

(۴۲) جمال یعنی اونٹ والوں کو یہاں کے سے کرایہ والے نہ سمجھے بلکہ اپنا مخدوم جانے اور کھانے پینے میں اُن سے بخل نہ کرے کہ وہ ایسوں سے ناراض ہوتے ہیں اور تھوڑی بات میں بہت خوش ہو جاتے ہیں اور امید سے زیادہ کام آتے ہیں۔

(۴۳) سفرِ مدینہ طیبہ میں قافلہ نہ ٹھہرنے کے باعث بمجبوری ظہر و عصر ملا کر پڑھنی ہوتی ہے اس کے لیے لازم ہے

---

[1] ترجمہ: اے بے نیاز۔ (م)

[2] ترجمہ: اے یقینی دن کے لیے سب لوگوں کے جمع فرمانے والے بیشک اللہ وعدہ خلاف نہیں کرتا مجھے میری گمی چیز ملا دے ۱۲ منہ (م)

---

[1] درمنثور تحت آیۃ انک جامع الناس مکتبۃ آیۃ اللہ العظمٰی قم ایران ۹/۲

کہ ظہر کے فرضوں سے فارغ ہونے سے پہلے ارادہ کرلے کہ اسی وقت عصر پڑھوں گا، اور فرضِ ظہر کے بعد فوراً عصر کی نماز پڑھے یہاں تک کہ بیچ میں ظہر کی سنتیں بھی نہ ہوں، اسی طرح مغرب کے ساتھ عشا بھی انہی شرطوں سے جائز ہے اور اگر ایسا موقع ہُوا کہ عصر کے وقت ظہر یا عشاء کے وقت مغرب پڑھنی ہو تو صرف اتنی شرط ہے کہ ظہر و مغرب کے وقت نکلنے سے پہلے ارادہ کرلے کہ ان کو عصر و عشا کے ساتھ پڑھوں گا۔

(۴۴) واپسی میں بھی وہی طریقہ ملحوظ رکھے جو یہاں تک بیان ہُوا۔

(۴۵) مکان پر اپنے آنے کی تاریخ و وقت کی اطلاع پہلے سے دے دے، بے اطلاع ہرگز نہ جائے خصوصاً رات میں۔

(۴۶) سب سے پہلے اپنی مسجد سے دو رکعت نفل کے ساتھ ملے۔

(۴۷) دو رکعت گھر میں آکر پڑھے پھر سب سے بکشادہ پیشانی ملے۔

(۴۸) دوستوں کے لیے کچھ نہ کچھ تحفہ ضرور لائے اور حاجی کا تحفہ تبرکاتِ حرمین شریفین سے زیادہ کیا ہے اور دوسرا تحفہ دُعا کہ مکان میں پہنچنے سے پہلے استقبال کرنے والوں اور سب مسلمانوں کے لیے کرے کہ قبول ہے۔

فصل دوم احرام اور اُس کے احکام اور داخلی حرم محترم و مکہ مکرمہ و مسجد الحرام

(۱) ہندیوں کے لیے میقات (یہاں سے احرام باندھنے کا حکم ہے) کوہِ یلملم کی محاذات ہے یہ جگہ کامران سے نکل کر سمندر میں آتی ہے، جب جدّہ دو تین میل رہ جاتا ہے جہاز والے اطلاع دے دیتے ہیں پہلے سے احرام کا سامان تیار کر رکھیں۔

(۲) جب وہ جگہ قریب آئے خُوب مَل کر نہائیں اور نہ نہا سکیں تو صرف وضو کرلیں۔

(۳) چاہیں تو مرد سر منڈالیں کہ احرام میں بالوں کی حفاظت سے نجات ملے گی ورنہ کنگھی کرکے خوشبودار تیل ڈالیں۔

(۴) ناخن کتریں، خط بنوائیں، مُوئے بغل و زیرِ ناف دُور کریں۔

(۵) خوشبو لگائیں کہ سنت ہے۔

(۶) مرد سِلے کپڑے اتاریں، ایک چادر نئی یا دُھلی اوڑھیں اور ایک ایسا ہی تہبند باندھیں، یہ کپڑے سفید بہتر ہیں۔

(۷) جب وہ جگہ آئے دو رکعت بہ نیتِ احرام پڑھیں، پہلی میں فاتحہ کے بعد قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ، دوسری میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ۔

(۸) اب حج تین طرح کا ہوتا ہے:

ایک یہ کہ نرا حج کرے اسے افراد[1] کہتے ہیں، اس میں بعد سلام یوں کہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْحَجَّ فَیَسِّرْہُ لِیْ وَتَقَبَّلْہُ مِنِّیْ نَوَیْتُ الْحَجَّ مُخْلِصًا لِلّٰہِ تَعَالٰی[1]

دوسرا یہ کہ یہاں سے نرے عمرے کی نیت کرے، مکہ معظمہ میں حج کا احرام باندھے اسے تمتع[2] کہتے ہیں

اس میں بعد سلام یوں کہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْعُمْرَۃَ فَیَسِّرْھَا لِیْ وَتَقَبَّلْھَا مِنِّیْ نَوَیْتُ الْعُمْرَۃَ مُخْلِصًا لِلّٰہِ تَعَالٰی[2]

تیسرا یہ کہ حج وعمرہ دونوں کی یہیں سے نیت کرے اور یہ سب سے افضل ہے اسے قران[3] کہتے ہیں،

اس میں بعد سلام یوں کہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ فَیَسِّرْھُمَا لِیْ وَتَقَبَّلْھُمَا مِنِّیْ نَوَیْتُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ مُخْلِصًا لِلّٰہِ تَعَالٰی[3]

اور تینوں صورتوں میں اس نیت کے بعد لبیک باآواز بلند کہے، لبیک یہ ہے:

لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ ط لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ ط اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ ط لَا شَرِیْکَ لَکَ ط[4]

(۹) یہ احرام تھا اس کے ہوتے ہی یہ کام حرام ہوگئے:

عورت سے صحبت[1]، بوسہ[2]، مساس، گلے لگانا، اس کی اندام نہانی پر نگاہ، جبکہ یہ چاروں باتیں بشہوت ہوں، عورتوں کے سامنے اس کا نام لینا، فحش گناہ، ہمیشہ حرام تھے اب اور سخت حرام ہوگئے، کسی سے دنیوی لڑائی جھگڑا، جنگل کا شکار، اس کی طرف شکار کرنے کو اشارہ کرنا یا کسی طرح بتانا، بندوق

---

[1] ترجمہ: الٰہی! میں حج کا ارادہ کرتا ہوں تو اسے میرے لیے آسان کر دے اور مجھ سے قبول فرما، میں نے خاص اللہ تعالٰی کے لیے حج کی نیت کی۔ (م)

---

[1] منسک متوسط مع ارشاد الساری فصل یصلی رکعتین بعد اللبس دار الکتاب العربی بیروت ص ۶۹

[2] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ص ۷۰

[3] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

[4] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ص ۶۹

یا بارو دیا[12] اس کے ذبح کے لیے چھری دینا[13]، اس کے انڈے[14] توڑنا، پر[15] اکھاڑنا، پاؤں[16] یا بازو توڑنا،
اس کا دودھ[17] دوہنا، اس کا گوشت یا انڈے[18] پکانا، بھوننا[19]، بیچنا[20]، خریدنا[21]، کھانا[22]، ناخن[23] کترنا، سر[24] سے
پاؤں تک کہیں سے کوئی بال جدا کرنا، منہ یا[25] سر کسی کپڑے وغیرہ سے چھپانا، بستر[26] یا کپڑے[ع1] کی بقچی یا گٹھری سر پر
رکھنا، عمامہ[27] باندھنا، برقع[28] و دستانے پہننا، موزے[29] یا جرابیں وغیرہ جو پنڈلی اور اقدام[31] کے جوڑ کو چھپائے
پہننا، سلا کپڑا[32] پہننا، خوشبو[33] بالوں یا بدن[34] یا کپڑوں میں لگانا، ملاگیری[35] یا کسم کیسر غرض کسی خوشبو کے رنگے
کپڑے[36] پہننا جبکہ ابھی خوشبو دے رہے ہوں۔ خالص[37] خوشبو مشک، عنبر، زعفران، جاوتری، لونگ، الائچی،
دار چینی، زنجبیل وغیرہ کھانا، ایسی[38] خوشبو کا آنچل میں باندھنا جس[39] میں فی الحال مہک ہو۔ جیسے[40] مشک، عنبر،
زعفران۔ سر یا ڈاڑھی خطمی یا کسی[41] خوشبودار ایسی چیز سے دھونا جس سے جوئیں[42] مرجائیں۔ وسمہ[43] یا مہندی[44]
کا خضاب لگانا، گوند وغیرہ سے بال[45] جمانا، زیتون یا تل کا تیل[46] اگرچہ بے خوشبو ہو بدن یا[47] بالوں میں لگانا، کسی
کا سر[48] مونڈنا اگرچہ اس کا احرام نہ ہو۔ جوں مارنا[49] پھینکنا، کسی کو اس کے مارنے کا اشارہ کرنا، کپڑا[50] اس کے
مارنے کو دھونا یا دھوپ[51] میں ڈالنا، بالوں میں پارہ[52] وغیرہ اس کے مرنے[53] کو لگانا۔ غرض جوں کے ہلاک پر کسی
پر کسی طرح باعث ہونا۔

(۱۰) احرام میں یہ باتیں مکروہ ہیں

بدن کا میل چھڑانا، بال یا بدن کھلی یا صابون وغیرہ بے خوشبو کی چیز سے دھونا، کنگھی کرنا، اس
طرح کھجانا کہ بال ٹوٹے یا جوں گرے۔ انگرکھا، کرتا یا چغہ پہننے کی طرح کندھوں پر ڈالنا، خوشبو کی دھونی دیا ہوا[1]
کپڑا کہ ابھی خوشبو دے رہا ہو پہننا، اوڑھنا۔ قصداً خوشبو سونگھنا اگرچہ خوشبودار پھل یا پتہ ہو جیسے لیموں،
نارنگی، پودینہ، عطر دانہ۔ سر یا منہ پر پٹی باندھنا، غلاف کعبۂ معظمہ کے اندر اس طرح داخل ہونا کہ غلاف
شریف سر یا منہ سے لگے ناک وغیرہ منہ کا کوئی حصہ کپڑے سے چھپانا، یا کوئی ایسی چیز کھانا پینا جس میں
خوشبو پڑی ہو اور نہ وہ پکائی گئی ہو نہ زائل ہوگئی ہو۔ بے سلا کپڑا رفو کیا یا پیوند لگا ہوا پہننا۔ تکیہ پر منہ رکھ کر

ع[1] لوحمل المحرم علی راسه شیئا یلبسه الناس یکون لابسا، وان کان لایلبسه الناس کالاجانة ونحوه فلا[1] اھ ش عن النهر و الخانیة ۱۲ منه (م)

اگر محرم نے کوئی ایسی شئی اٹھائی جسے لوگ پہنتے ہیں تو اب لباس پہننے والا سمجھا جائیگا، اور اگر لوگ اسے نہیں پہنتے مثلاً ٹب وغیرہ تو اب لابس نہ ہوگا اھ ش نہر اور خانیہ کے حوالے سے ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] رد المحتار فصل فی الاحرام مصطفی البابی مصر ۲/۱۶۲

اوندھا لیٹنا، مہکتی خوشبو ہاتھ سے چھُونا جبکہ ہاتھ میں نہ لگ جائے ورنہ حرام ہے، بازو یا گلے پر تعویذ باندھا اگرچہ بے سلے کپڑے میں لپیٹ کر، بلا عذر بدن پر پٹی باندھنا[عہ]، سنگھار کرنا، چادر اوڑھ کر اس کے آنچلوں میں گرہ دے لینا، تہبند باندھ کر کمر بند سے کسنا۔

(۱۱) یہ باتیں احرام میں جائز ہیں:

انگرکھا، کُرتا، چُغہ لپیٹ کر اُوپر سے اس طرح ڈال لینا کہ سر اور مُنہ نہ چھپے۔ ان چیزوں یا پاجامہ کا تہبند باندھنا۔ ہمیانی یا پٹی باندھنا۔ بے میل چھڑائے حمام کرنا۔ کسی چیز کے سائے میں بیٹھنا۔ چھتری لگانا، انگوٹھی پہننا۔ بے خوشبو کا سُرمہ لگانا۔ فصد بغیر بال مونڈے۔ پچھنے لینا۔ آنکھ میں جو بال نکلے اسے جُدا کرنا۔ سر یا بدن اس طرح کھجانا کہ بال نہ ٹوٹے، جُوں نہ گرے۔ احرام سے پہلے جو خوشبو لگائی اس کا لگا رہنا۔ پالتو جانور اُونٹ، گائے، بکری، مرغی کا ذبح کرنا، پکانا، کھانا، اس کا دُودھ دوہنا۔ انڈے توڑنا، بھُوننا، کھانا۔ کھانے کے لیے مچھلی کا شکار کرنا۔ کسی دریائی جانور کا مارنا دوا یا غذا کے لیے نہ ہو نری تفریح منظور ہو جس طرح لوگوں میں رائج ہے تو شکار دریا ہو یا جنگل خود ہی حرام ہے اور احرام میں سخت تر حرام۔ منہ اور سر کے سوا کسی اور جگہ زخم پر پٹی باندھنا۔ سر یا گال کے نیچے تکیہ رکھنا۔ سر یا ناک پر اپنا یا دوسرے کا ہاتھ رکھنا۔ کان کپڑے سے چھپانا۔ ٹھوڑی سے نیچے داڑھی پر کپڑا آنا۔ سر پر سینی اور بوری اٹھانا۔ جس کھانے کے پکنے میں مشک وغیرہ پڑے ہوں اگرچہ خوشبو دیں یا بے پکائے جس میں خوشبو ڈالی اور وہ بُو نہیں دیتی اس کا کھانا پینا۔ گھی یا چربی یا کڑوا تیل یا ناریل یا بادام یا کدو یا کاہُو کا تیل کہ بسایا نہ ہو بدن یا بالوں میں لگانا۔ خوشبو کے رنگے کپڑے پہننا جبکہ ان کی خوشبو جاتی رہی ہو

عہ یکرہ تعصیب راسہ ولو عصبہ یوما او لیلا فعلیہ صدقۃ ولاشیئ علیہ لو عصب غیرہ من بدنہ لعلۃ اولغیر علۃ لکنہ یکرہ بلا علۃ[1] اھ فتح القدیر ۱۲ منہ (م)

اگر کسی نے سر پر پٹی باندھی اگرچہ ایک دن یا رات ہو تو اس پر صدقہ ہوگا، اور اگر سر کے علاوہ جسم کے کسی اور حصہ پر پٹی باندھی خواہ کسی تکلیف کی وجہ سے تھی یا بلا وجہ، تو کوئی شئی لازم نہ ہوگی، ہاں بلا وجہ باندھنا مکروہ ہوگا اھ فتح القدیر ۱۲ منہ (ت)

---

[1] فتح القدیر باب الاحرام مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳۴۹/۲

مگر کسم کیسر کا رنگ مرد کو ویسے ہی حرام ہے ۔ دین کے لیے لڑنا جھگڑنا بلکہ حسبِ حاجت فرض و واجب ہے ۔ جُوتا پہننا جو پاؤں کے جوڑ کو نہ چھپائے ۔ بے سِلے کپڑے میں لپیٹ کر تعویذ گلے میں ڈالنا ۔ آئینہ دیکھنا ۔ ایسی خوشبو کا چُھونا جس میں فی الحال مہک نہیں جیسے اگر لوبان ، صندل یا اس کا آنچل میں باندھنا ۔ نکاح کرنا ۔

(۱۲) ان مسائل میں مرد و عورت برابر ہیں مگر عورت کو چند باتیں جائز ہیں ، سر چھپانا ، بلکہ نامحرم کے سامنے اور نماز میں فرض ہے تو سر پر بستر بقچہ اٹھانا بدرجۂ اولیٰ ، گوند وغیرہ سے بال جمانا ، سر و غیرہ پر پٹی خواہ بازو یا گلے پر تعویذ باندھنا اگرچہ سی کر ، غلافِ کعبہ کے اندر یُوں داخل ہونا کہ سر پر رہے منہ پر نہ آئے ، دستانے موزے سلے کپڑے پہننا ، عورت اتنی آواز سے لبیک نہ کہے کہ نامحرم سُنے ، ہاں اتنی آواز ہر پڑھنے میں ہمیشہ سب کو ضرور ہے کہ اپنے کان تک آواز آئے ۔

تنبیہ : احرام میں مُنہ چھپانا عورت کو بھی حرام ہے ۔ نامحرم کے آگے کوئی پنکھا وغیرہ منہ سے بچا ہوا سامنے رکھے ۔

(۱۳) جو باتیں احرام میں ناجائز ہیں وُہ اگر کسی عذر سے یا بھُول کر ہوں تو گناہ نہیں ، مگر ان پر جو جرمانہ مقرر ہے ہر طرح دینا آئے گا اگرچہ بے قصد ہوں سہوًا یا جبرًا یا سوتے میں ۔

(۱۴) وقتِ احرام سے رمی جمرہ تک (جس کا ذکر آگے آئیگا) اکثر اوقات لبیک کی بے شمار کثرت رکھے

خصوصًا چڑھائی پر چڑھتے اُترتے ، دو قافلوں کے ملتے ، صبح شام پچھلی رات ، پانچوں نمازوں کے بعد مرد باآواز کہیں مگر اتنی بلند کہ اپنے آپ یا دوسرے کو تکلیف نہ ہو ۔

(۱۵) جب حرم کے متصل پہنچے سر جُھکائے ، آنکھیں شرمِ گناہ سے نیچی کیے خشوع خضوع سے داخل ہو ، اور ہو سکے تو پیادہ ننگے پاؤں اور لبیک و دُعا کی کثرت رکھے ، اور بہتر یہ کہ دن کو داخل ہو نہا کر ۔

(۱۶) مکہ مکرمہ کے گرداگرد کئی کوس کا جنگل ہے ، ہر طرف اس کی حدیں بنی ہُوئی ہیں ، ان حدوں کے اندر تر گھاس اکھاڑنا ، خودرَو پیڑ کا کاٹنا ، وہاں کے وحشی جانوروں کو تکلیف دینا حرام ہے یہاں تک کہ اگر سخت دُھوپ ہو اور ایک ہی پیڑ ہے اس کے سایہ میں ہرن بیٹھا ہے تو جائز نہیں کہ اپنے بیٹھنے کیلئے اسے اُٹھائے ، اور اگر کوئی وحشی جانور بیرونِ حرم کا اس کے ہاتھ میں تھا اسے لئے ہُوئے حرم میں داخل ہوگیا اب وہ جانور حرم کا ہوگیا ، فرض ہے کہ فوراً اسے آزاد کرے ۔ مکہ معظمہ میں جنگلی کبوتر بکثرت ہیں ، ہر مکان میں

؏ چیل ، کوا ، چُوہا ، چھپکلی ، سانپ ، بچھو ، بر ، کھٹمل ، مچھر ، پسّو وغیرہ خبیث اور موذی جانوروں کا قتل حرم میں بھی جائز ہے اور احرام میں بھی ۔ (م)

رہتے ہیں خبردار ہرگز انھیں نہ اڑائے نہ ڈرائے نہ کوئی ایذا پہنچائے۔ بعض اِدھر اُدھر کے لوگ جو مکے میں بسے کبوتروں کا ادب نہیں کرتے، ان کی ریس نہ کرے، مگر بُرا انھیں بھی نہ کہے۔ جب وہاں کے جانوروں کا ادب ہے تو مسلمان انسان کا کیا کہنا۔

(۱۷) جب رب العالمین جل جلالہٗ کا شہر نظر پڑے ٹھہر کر دعا مانگے اور درود شریف کی کثرت کرے، اور افضل یہ ہے کہ نہا دھو کر داخل ہو اور مدفونینِ جنت المعلیٰ کے لیے فاتحہ پڑھے۔

(۱۸) جب مدعیٰ میں پہنچے جہاں سے کعبہ معظمہ نظر آئے اللہ اکبر یہ عظیم قبول و اجابت کا وقت ہے صدقِ دل سے اپنے اور تمام عزیزوں دوستوں مسلمانوں کے لیے مغفرت و عافیت مانگے، اور فقیر ایک دُعائے جامع عرض کرتا ہے درود شریف کی کثرت کریں اور اسے کم از کم تین بار پڑھیں:

اَللّٰھُمَّ ھٰذَا بَیْتُكَ وَ اَنَا عَبْدُكَ اَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَ الْعَافِیَةَ فِی الدِّیْنِ وَ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ لِیْ وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ لِعَبْدِكَ اَحْمَدَ رَضَا ابْنِ نَقِیْ عَلِیْ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ ھُمَا وَ ارْحَمْھُمَا وَ انْصُرْہُ نَصْرًا عَزِیْزًا۔

پھر درود شریف پڑھیں۔

(۱۹) یُونہی ذکرِ خدا و رسول اور اپنے تمام مسلمانوں کے لیے دعائے فلاحِ دارین کرتا ہوا بابُ السلام تک پہنچے اور اس آستانۂ پاک کو بوسہ دے کر داہنا پاؤں پہلے رکھ کر داخل ہو اور کہے:

بِسْمِ اللّٰہِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ السَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اَزْوَاجِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذُنُوْبِیْ وَ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ۔

ترجمہ: عہ الٰہی! یہ تیرا گھر ہے اور میں تیرا بندہ، الٰہی! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہُوں، گناہوں کی معافی اور دین و دنیا و آخرت میں ہر بلا سے محفوظی اپنے لیے اور اپنے ماں باپ اور سب مردوں عورتوں اور تیرے حقیر بندے احمد رضا ابن نقی علی کے لیے، الٰہی اس کی زبردست امداد فرما، آمین!

عہ اللہ کے نام سے اور سب خوبیاں خدا کو اور رسول اللہ پر سلام، الٰہی درود بھیج ہمارے آقا محمد اور ان کی آل اور ان کی بیبیوں پر، الٰہی! میرے گناہ بخش دے اور میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔ (م)

(۲۰) یہ دُعا خوب یاد رکھے جب کبھی مسجد الحرام شریف خواہ مسجد میں داخل ہو اسی طرح جائے اور یہ دُعا پڑھے، اور جب کسی مسجد سے باہر آئے پہلے بایاں پاؤں باہر رکھے اور یہی دُعا پڑھے مگر آخر میں رَحْمَتِكَ کی جگہ فَضْلِكَ کہے اور یہ لفظ اور بڑھائے: وَسَهِّلْ اَبْوَابَ رِزْقِكَ[1]۔ اس کی برکات دین و دنیا میں بے شمار ہیں، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ۔

فصل سوم طواف وسعی صفا ومروہ کا بیان

اب کہ مسجد الحرام میں داخل ہُوا اگر جماعت قائم یا نماز فرض خواہ وتر یا سنّتِ مؤکدہ کے فوت ہونے کا خوف نہ ہو تو سب کاموں سے پہلے متوجہ طواف ہو کعبہ شمع ہے اور تُو پروانہ، دیکھتا نہیں کہ پروانہ شمع کے گرد کیسے قربان ہوتا ہے یُوں تو بھی اس شمع پر قربان ہونے کے لیے مستعد ہو جا، پہلے اس مقامِ کریم کا نقشہ دیکھے کہ جو بات کہی جائے خُوب ذہن میں آجائے۔
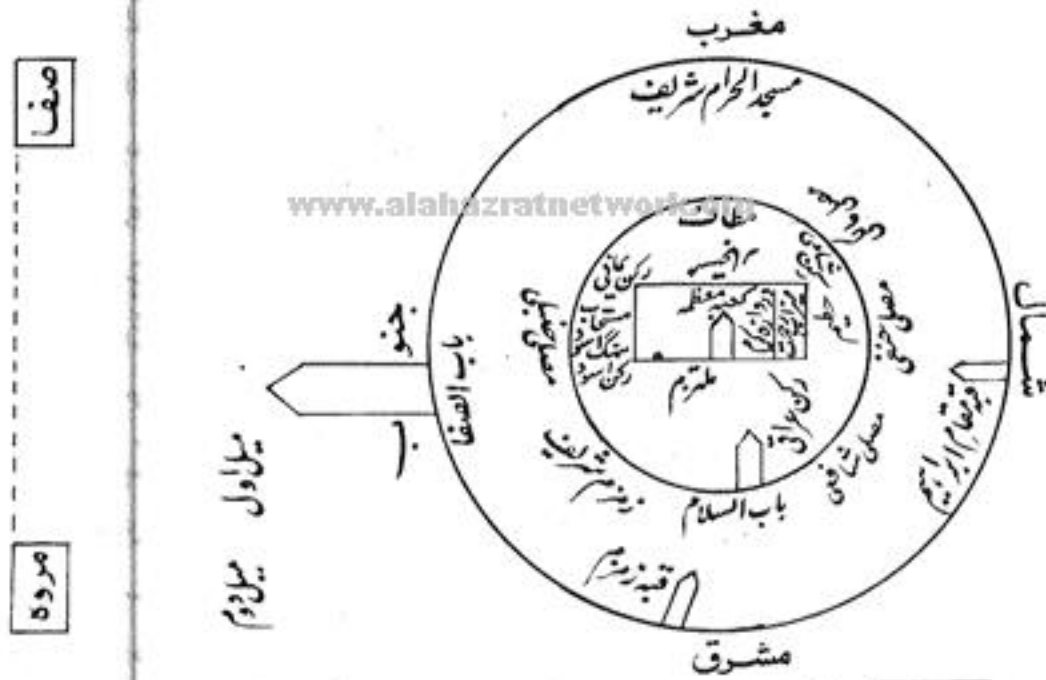
مسجد الحرام ایک گول وسیع احاطہ ہے جس کے کنارے کنارے بکثرت دالان اور آنے جانے کے دروازے ہیں اور بیچ میں مطاف ایک گول دائرہ ہے جس میں سنگِ مرمر بچھا ہے اس کے بیچ میں کعبہ معظمہ ہے نبی صلی اللہ

---

[1] اپنے رزق کے دروازوں میں آسانی فرما۔ (ت)

تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد الحرام اسی قدر تھی، اس کی حد پر باب السلام شرقی قدیم دروازہ واقع ہے۔ رکن
مکان کا گوشہ جہاں اس کی دو دیواریں ملتی ہیں جسے زاویہ کہتے ہیں، اسی طرح د ـــ ا ج ب د ج ، ج ب
دونوں دیواریں مقام ج پر ملی ہیں، یہ رکن زاویہ ہے۔ کعبہ معظمہ کے چار رکن ہیں۔ رکن اسود جنوب مشرق کے
گوشہ میں، اسی میں زمین سے اونچا سنگِ اسود شریف نصب ہے۔ رکن عراقی مشرق و شمال کے گوشہ میں،
دروازۂ کعبہ انہی دونوں رکنوں کے بیچ کی شرقی دیوار میں زمین سے بہت بلند ہے۔ ملتزم اسی شرقی دیوار
کا وہ ٹکڑا جو رکن اسود سے دروازۂ کعبہ معظمہ تک ہے۔ رکن شامی شمال مغرب کے گوشہ میں۔ میزابِ رحمت،
سونے کا پرنالہ رکن شامی و عراقی کے بیچ کی شمالی دیوار پر چھت میں نصب ہے۔ حطیم بھی اسی شمالی دیوار کی
طرف ہے۔ یہ زمین[ع] کعبہ معظمہ ہی کی تھی، زمانۂ جاہلیت میں جب قریش نے کعبہ از سرِ نو بنایا، کمیِ خرچ کے باعث اتنی
زمین کعبہ معظمہ سے باہر چھوڑ دی، اس کے گرداگرد ایک قوسی انداز کی چھوٹی سی دیوار کھینچ دی اور دونوں طرف
آمد و رفت کا دروازہ ہے۔ اور یہ مسلمانوں کی خوش نصیبی ہے اس میں داخل ہونا کعبہ معظمہ ہی میں داخل ہونا ہے
جو بحمد اللہ تعالیٰ بے تکلف نصیب ہوتا ہے۔ رکنِ یمانی مغرب و جنوب کے گوشہ میں مستجار رکنِ شامی و یمانی کے
بیچ کی غربی دیوار کا وہ ٹکڑا جو ملتزم کے مقابل ہے۔ مستجاب رکن یمانی و رکن اسود کے بیچ میں جو دیوار
جنوبی ہے یہاں ستر ہزار فرشتے دعا پر آمین کہنے کے لیے مقرر ہیں، فقیر نے اس کا نام مستجاب رکھا۔ مقامِ
ابراھیم دروازۂ کعبہ کے سامنے ایک قبہ میں وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ
والسلام نے کعبہ بنایا تھا اُن کے قدم پاک کا اس پر نشان ہو گیا جو اب تک موجود ہے اور جسے اللہ تعالیٰ نے
اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ اللہ تعالیٰ کی کھلی نشانیاں فرمایا۔ زمزم شریف کا قبہ اس سے جنوب کو مسجد شریف میں واقع ہے۔
باب الصفا مسجد شریف کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے جس سے نکل کر سامنے کوہِ صفا ہے صفا
کعبہ معظمہ سے جنوب کو ایک پہاڑی تھی کہ زمین میں چھپ گئی ہے، اب وہاں قبلہ رُخ ایک دالان بنا دیا ہے اور
چڑھنے کی سیڑھیاں، مروہ دوسری پہاڑی صفا سے پورب کو تھی، یہاں بھی قبلہ رُخ دالان بنا دیا ہے اور
سیڑھیاں۔ صفا سے مروہ تک جو فاصلہ ہے اب یہاں بازار ہے، صفا سے چلتے ہوئے دہنے ہاتھ کو دکانیں
اور بائیں ہاتھ کو احاطہ مسجد الحرام ہے۔ میلین اخضرین اس فاصلہ کے وسط میں دیوارِ حرم شریف میں
دو سبز میل نصب ہیں، جیسے میل کے شروع میں پتھر لگا ہوتا ہے۔ مسعیٰ وہ فاصلہ کہ ان دونوں میلوں کے
بیچ میں ہے۔ یہ سب صورتیں رسالہ میں بار بار دیکھ کر خوب ذہن نشین کر لیجئے کہ وہاں پہنچ کر پوچھنے کی حاجت

ع جنوباً شمالاً چھ ہاتھ کعبہ کی زمین ہے اور بعض کہتے ہیں سات ہاتھ اور بعض کا خیال ہے کہ سارا حطیم ہے (م)

نہ ہو۔ ناواقف آدمی اندھے کی طرح کام کرتا ہے اور جو سمجھ لیا وہ انکھیارا ہے۔ اب اپنے رب عزوجل کا نام پاک لے کر طواف کیجئے۔

(۱) شروع طواف سے پہلے مرد اضطباع کرے یعنی چادر کی سیدھی جانب دہنی بغل کے نیچے سے نکالے کہ سیدھا شانہ کُھلا رہے اور دونوں آنچل بائیں کندھے پر ڈال لے۔

(۲) اب رُو بہ کعبہ حجر اسود کی بائیں طرف رکن یمانی کی جانب سنگِ اسود اقدس کے قریب یُوں کھڑے ہو کہ تمام پتھر اپنے سیدھے ہاتھ کو رہے۔ پھر طواف کی نیت کرو:

اَللّٰھُمَّ[1] اِنِّیْ اُرِیْدُ طَوَافَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ فَیَسِّرْہُ لِیْ وَتَقَبَّلْہُ مِنِّیْ۔

(۳) اس نیت کے بعد کعبہ کو منہ کیے اپنی داہنی سمت چلو، جب سنگِ اسود کے مقابل ہو (اور یہ بات ادنیٰ حرکت میں حاصل ہو جائے گی) کانوں تک ہاتھ اس طرح اٹھاؤ کہ ہتھیلیاں حجر کی طرف رہیں اور کہو:

بِسْمِ[2] اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ[1]

(۴) میسر ہو سکے تو حجر اسود مطہر پر دونوں ہتھیلیاں اور ان کے بیچ میں مُنہ رکھ کر یُوں بوسہ دو کہ آواز نہ پیدا ہو سکے۔ تین بار ایسا ہی کرو، یہ نصیب ہو تو کمال سعادت ہے، یقیناً تمہارے محبوب و مولےٰ محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اسے بوسہ دیا اور رُوئے اقدس اس پر رکھا ہے، زہے خوش نصیبی کہ تمہارا مُنہ وہاں تک پہنچے، اور ہجوم کے سبب نہ ہو سکے تو نہ اوروں کو ایذا دو اور نہ آپ دبو کچلو، بلکہ اس کے عوض ہاتھ سے اور ہاتھ نہ پہنچے تو لکڑی سے سنگِ اسود مبارک چھُو کر اسے چُوم لو، یہ بھی نہ بن پڑے تو ہاتھوں سے اس کی طرف اشارہ کر کے اُسے بوسہ دے، محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے مُنہ رکھنے کی جگہ پر نگاہیں پڑ رہی ہیں، یہی کیا کم ہے!

(۵) اَللّٰھُمَّ[3] اِیْمَانًا بِکَ وَاتِّبَاعًا لِسُنَّۃِ نَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ[2]

---

[1] اے اللہ! میں تیرے مبارک و معزز گھر کا طواف کرنے لگا ہوں اسے میرے لیے آسان فرما اور اسے میری طرف سے قبول بھی فرما۔ (ت)

[2] اللہ کے نام سے، تمام حمد اللہ کے لیے، اللہ سب سے بڑا ہے اور صلوٰۃ وسلام ہو اللہ کے رسول پر (ت)

[3] الٰہی تجھ پر ایمان لا کر اور تیرے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنّت کی پیروی کو یہ طواف کرتا ہُوں ۱۲ منہ (م)

---

[1] منسک متوسط مع ارشاد الساری فصل فی صفۃ الشروع فی الطواف دار الکتاب العربی بیروت ص ۸۹

[2] الاذکار امام نووی فصل فی اذکار الطواف " " " ص ۱۷۶

کہتے ہُوئے درِ کعبہ تک بڑھو، جب حجر مبارک کے سامنے سے گزر جاؤ سیدھے ہو لو خانہ کعبہ کو اپنے بائیں ہاتھ پر لے کر یُوں چلو کہ کسی کو ایذا نہ دو۔

(۶) مرد رَمل کرتا چلے یعنی جلد جلد چھوٹے قدم رکھتا شانے ہلاتا جیسے قوی و بہادر لوگ چلتے ہیں، نہ کودتا نہ دوڑتا، جہاں زیادہ ہجوم ہو جائے اور رَمل میں اپنی یا غیر کی ایذا ہو اتنی دیر رَمل ترک کرو۔

(۷) طواف میں جس قدر خانہ کعبہ سے نزدیک ہو بہتر ہے، مگر نہ اتنے کہ پشتہ دیوار پر جسم یا کپڑا لگے اور نزدیکی میں کثرتِ ہجوم کے سبب رَمل نہ ہو سکے تو دُوری بہتر ہے۔

(۸) جب ملتزم، پھر رکنِ عراقی، پھر میزاب الرحمۃ، پھر رکنِ شامی کے سامنے آؤ تو یہ سب دُعا کے مواقع ہیں ان کے لیے خاص خاص دُعائیں کہ جو جواہر البیان شریف میں مذکور ہیں سب کا یاد کرنا دشوار ہے اس سے وُہ اختیار کرو جو محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے سچے وعدے سے تمام دعاؤں سے بہتر و افضل ہے یعنی یہاں اور تمام مواقع میں اپنے لیے دُعا کے بدلے اپنے حبیب صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم پر درود بھیجو، رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم فرماتے ہیں،

اِذًا یَکْفِیْ هَمَّكَ وَیَغْفِرُ لَكَ ذَنْبَكَ۔[1] ایسا کرے گا تو اللہ تعالٰی تیرے سب کام بنا دے گا اور تیرے گناہ معاف فرما دے گا۔

(۹) طواف میں دُعا و دُرود کے لیے رُکو نہیں بلکہ چلتے میں پڑھو۔

(۱۰) دُعا و درود چلا چلا کر نہ پڑھو جس طرح مطوف پڑھاتے ہیں بلکہ آہستہ اس قدر کہ اپنے کان تک آواز آئے۔

(۱۱) جب رکنِ یمانی کے پاس آؤ تو اُسے دونوں ہاتھ یا دہنے سے تبرکًا چھوؤ، نہ صرف بائیں ہاتھ سے اور رجا ہو تو اسے بوسہ بھی دو، اور نہ ہو سکے تو یہاں لکڑی سے چھُونا یا اشارہ کرکے ہاتھ چُومنا نہیں۔

(۱۲) جب اس سے بڑھو تو یہ مستجاب جہاں ستر ہزار فرشتے دُعا پر آمین کہیں گے وہی دعائے جامع پڑھے یا اپنے اور سب احباب و مسلمین اور اس حقیر و ذلیل کی نیت سے صرف درود شریف کافی ہے۔

(۱۳) اب جو دوبارہ حجر تک آئے یہ ایک پھیرا ہوا، یُونہی سات پھیرے کرو، مگر باقی پھیروں میں وُہ نیت کرنا نہیں کہ نیت تو ابتداء میں ہو چکی، اور رمل صرف اگلے تین پھیروں میں ہے اور باقی چار میں آہستہ بے جنبش شانہ معمولی چال سے چلو۔

---

[1] الترغیب والترہیب الترغیب فی اکثار الصلٰوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مصطفی البابی مصر ۲/ ۵۰۱

(۱۴) جب ساتوں پھیرے ہوجائیں آخر میں پھر حجر کو بوسہ دو یا وہی طریقے ہاتھ یا لکڑی کے برتو۔

(۱۵) بعد طواف مقام ابراہیم میں آکر آیہ کریمہ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى[1] پڑھ کر دو رکعت طواف کہ واجب ہیں قُلْ یٰۤاَ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ سے پڑھو، اگر وقتِ کراہت مثلاً طلوعِ صبح سے بلندیٔ آفتاب تک یا دوپہر یا نمازِ عصر کے بعد غروب تک نہ ہو ورنہ وقت نکل جانے پر بعد کو پڑھو، یہ رکعتیں پڑھ کر دُعا مانگو، یہاں حدیث میں ایک دُعا ارشاد ہوئی جس کے فائدوں کی عظمت اس سے کہنا ہی چاہتی ہے:

اَللّٰهُمَّ[1] اِنَّكَ تَعْلَمُ سِرِّيْ وَعَلَانِيَتِيْ فَاقْبَلْ مَعْذِرَتِيْ وَتَعْلَمُ حَاجَتِيْ فَاَعْطِنِيْ سُؤْلِيْ وَتَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ اِيْمَانًا يُّبَاشِرُ قَلْبِيْ وَيَقِيْنًا صَادِقًا حَتّٰى اَعْلَمَ اَنَّهٗ لَا يُصِيْبُنِيْ اِلَّا مَا كَتَبْتَ لِيْ وَرِضًى مِّنَ الْمَعِيْشَةِ بِمَا قَسَمْتَ لِيْ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ[2]

حدیث میں ہے اللہ عزوجل فرماتا ہے جو یہ دُعا کرے گا اس کی خطا بخش دوں گا، غم دُور کر دوں گا، محتاجی سے نکال لوں گا، ہر تاجر سے بڑھ کر اس کی تجارت رکھوں گا، دنیا ناچار و مجبور اس کے پاس آئے گی گو وہ اسے نہ چاہے۔

(۱۶) پھر ملتزم پر جاؤ اور قریب حجر اس سے لپٹو اور اپنا سینہ اور پیٹ اور کبھی دہنا رخسارہ کبھی بایاں رخسارہ اس پر رکھو اور دونوں ہاتھ سر سے اونچے کرکے دیوار پر پھیلاؤ، یا داہنا ہاتھ دروازے اور بایاں سنگِ اسود کی طرف۔ اور یہاں کی دُعا یہ ہے:

عہ اور مقامِ ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ ۱۲ منہ (م)

عہ الٰہی! تُو میرا چھپا اور ظاہر سب جانتا ہے۔ تُو میرا عذر قبول فرما اور میری حاجت تجھے معلوم ہے، تُو میری مراد دے اور جو میرے دل میں ہے تُو جانتا ہے، تُو میرے گناہ بخش دے، الٰہی! میں تجھ سے مانگتا ہوں وہ ایمان جو میرے دل میں پیوست ہوجائے، اور سچا یقین کہ میں جانوں کہ مجھے وہی ملے گا جو تو نے میرے لیے لکھ دیا ہے اور میں اس معاش پر راضی ہوں جو تُو نے مجھے نصیب کی ہے اے سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ۱۲ منہ (م)

---

[1] القرآن ۲/ ۱۲۵

[2] مسلک متقسط مع ارشاد الساری فصل فی صفۃ الشروع فی الطواف دار الکتاب العربی بیروت ص ۹۴

يَا وَاجِدُ يَا مَاجِدُ لَا تَزِلْ عَنِّيْ نِعْمَةً اَنْعَمْتَ بِهَا عَلَيَّ۔[1]

حدیث میں فرمایا: میں جب چاہتا ہوں جبریل کو دیکھتا ہوں کہ ملتزم سے لپٹے ہوئے یہ دُعا کر رہے ہیں۔

(۱۷) پھر زمزم پر آؤ اور ہو سکے تو خود ایک ڈول کھینچو ورنہ بھرنے والوں سے لے لو اور کعبہ کو منہ کرکے تین سانسوں میں پیٹ بھر کے جتنا پیا جائے پیو، ہر بار بِسْمِ اللّٰهِ سے شروع اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ پر ختم، باقی بدن پر ڈال لو اور پیتے وقت دُعا کرو کہ قبول ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: زمزم جس مراد سے پیا جائے اسی کے لیے ہے۔ یہاں وہی دُعائے جامع پڑھو اور حاضری مکہ معظمہ تک پینا تو بار بار نصیب ہوگا۔ قیامت کی پیاس سے بچنے کے لیے پیو، کبھی عذابِ قبر سے محفوظی کو، کبھی محبتِ رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم بڑھنے کو، کبھی وسعتِ رزق، کبھی شفائے امراض، کبھی حصولِ علم وغیرہا خاص مرادوں کے لیے پیو۔

(۱۸) وہاں جب پیو خوب پیٹ بھر کر پیو۔ حدیث میں ہے، ہم میں اور منافقوں میں فرق ہے کہ وہ زمزم کوکھ بھر کر نہیں پیتے۔[2]

(۱۹) چاہِ زمزم کے اندر بھی نظر کرو کہ بحکمِ حدیث دافع نفاق ہے۔[3]

(۲۰) اب اگر کوئی عذر تکان وغیرہ کا نہ ہو تو ابھی ورنہ آرام لے کر صفا مروہ میں سعی کے لیے پھر حجرِ اسود کے پاس آؤ اور اسی طرح تکبیر وغیرہ کہہ کر چومو اور نہ ہوسکے تو اس کی طرف منہ کرکے فوراً بابِ صفا سے جانبِ صفا روانہ ہو۔ دروازے سے پہلے بایاں پاؤں نکالو اور دہنا پہلے جوتے میں ڈالو، اور یہ ادب ہر مسجد سے باہر آتے ہمیشہ ملحوظ رکھو۔

(۲۱) ذکر و درود میں مشغول صفا کی سیڑھیوں پر اتنا چڑھو کہ کعبہ معظمہ نظر آئے (اور یہ بات یہاں پہلی ہی سیڑھی سے حاصل ہے) پھر رُخ بہ کعبہ ہو کر دونوں ہاتھ دعا کی طرح پہلے شانوں تک اٹھاؤ اور دیر تک تسبیح و تہلیل و درود و دُعا کرو کہ محلِ اجابت ہے۔ یہاں بھی دُعائے جامع پڑھو، پھر اُتر کر ذکر و

---

[1] اے قدرت والے اے عزت والے مجھ سے زائل نہ کر جو نعمت تُو نے مجھے بخشی ہے ۱۲ منہ (م)

---

[1] مسلک متقسط مع ارشاد الساری فصل فی صفۃ الشروع فی الطواف دار الکتاب العربی بیروت ص ۹۴

[2] " " " " " " " ص ۹۵

[3] " " " " فصل یستحب الاکثار من شرب ماء زمزم ص ۳۲۹

درود میں مشغول مروہ کو چلو۔

(۲۲) جب پہلا میل آئے مرد دوڑنا شروع کریں (مگر نہ حد سے زائد نہ کسی کو ایذا دیتے) یہاں تک کہ دُوسرے میل سے نکل جائیں، اس درمیان میں سب دُعا بہ کوشش تمام کرو، یہاں کی دُعا یہ ہے:

رَبِّ[ع۱] اغْفِرْ لِیْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَکْرَمُ[۱]

(۲۳) دوسرے میل سے نکل کر پھر آہستہ ہولو یہاں تک کہ مروہ پر پہنچو، یہاں پہلی سیڑھی چڑھنے بلکہ اس کے قریب کھڑے ہونے سے مروہ پر صعود مل جاتا ہے، یہاں اگرچہ عمارتیں بن جانے سے کعبہ نظر نہیں آتا مگر رُو بکعبہ ہوکر جیسا صفا پر کیا تھا کرو، یہ ایک پھیرا ہُوا۔

(۲۴) پھر صفا کو جاؤ پھر آؤ، یہاں تک کہ ساتواں پھیرا مروہ پر ختم ہو، ہر پھیرے میں اسی طرح کریں، اس کا نام سعی ہے، واضح ہو کہ عمرہ صرف انہی افعالِ طواف وسعی کا نام ہے۔ قِران وتمتع والے کے لیے یہی عمرہ ہوگیا اور افراد والے کے لیے یہ طواف قدوم ہوا یعنی حاضریِ دربار کا مجرا۔

(۲۵) قارن یعنی جس نے قِران کیا ہے اس کے بعد طوافِ قدوم کی نیت سے ایک طواف وسعی اور بجالائے۔

(۲۶) قارن اور مفرد جس نے افراد کیا تھا لبیک کہتے ہُوئے احرام کے ساتھ مکّہ میں ٹھہریں، ان کی لبیک دسویں تاریخ رمیِ جمرہ کے وقت ختم ہوگی جبھی احرام سے نکلیں گے جس کا ذکر ان شاء اللہ تعالٰی آتا ہے، مگر متمتع جس نے تمتع کیا تھا وہ اور معتمر یعنی نرا عمرہ کرنے والا شروع طواف کعبہ معظمہ سے سنگِ اسود شریف کا پہلا بوسہ لیتے ہی لبیک چھوڑ دیں اور طواف وسعی مذکور کے بعد حلق کریں یعنی مرد سارا سر منڈا دیں یا تقصیر یعنی مرد وعورت بال کتروائیں اور احرام[ع۲] سے باہر آئیں، پھر متمتع چاہے تو آٹھویں ذی الحجہ تک بے احرام رہے، مگر افضل یہ ہے کہ جلد حج کا احرام باندھ لے۔ اگر یہ خیال نہ ہو کہ دن زیادہ ہیں یہ

ع۱ اے میرے رب بخش دے اور رحم فرما تُو ہی سب سے زیادہ عزت والا سب سے بڑھ کر کرم والا ۱۲ (م)

ع۲ کبھی احرام کے ساتھ ہی منٰی میں قربانی کے لیے جانور ہمراہ لیتے ہیں اسے سوق ہدی کہتے ہیں، اگر کسی متمتع نے ایسا احرام باندھا تو اب اُسے عمرہ کے بعد احرام کھولنا جائز نہ ہوگا بلکہ قارن کی طرح احرام میں رہے اور لبیک کہا کرے یہاں تک کہ دسویں کو رمی کے ساتھ لبیک چھوڑے، پھر قربانی کے بعد حلق یا تقصیر کرکے احرام سے باہر آئے ۱۲ منہ (م)

---

[۱] مسلک متقسط مع ارشاد الساری باب السعی بین الصفا والمروۃ دار الکتاب العربی بیروت ص ۱۱۷

قیدیں نہ نبھیں گی۔

تنبیہ: طواف قدوم میں اضطباع و رمل اور اس کے بعد صفا و مروہ میں سعی ضرور نہیں مگر اب نہ کرے گا تو طواف الزیارت میں کہ حج کا طواف فرض ہے جس کا ذکر ان شاء اللہ آتا ہے، یہ سب کام کرنے ہوں گے، اور اس وقت ہجوم بہت ہوتا ہے عجب نہیں کہ طواف میں رمل اور سعی میں دوڑنا نہ ہو سکے اور اس وقت ہو چکا تو طواف زیارت میں ان کی حاجت نہ ہوگی، لہٰذا ہم نے ان کو مطلقاً داخلِ ترکیب کر دیا۔

(۲۷) مفرد و قارن تو حج کے رمل و سعی سے طواف قدوم میں فارغ ہو لیے مگر متمتع نے جو طواف و سعی کیے وہ عمرہ کے تھے، حج کے رمل و سعی اس سے ادا نہ ہوئے اور اس پر طواف قدوم ہے نہیں کہ قارن کی طرح اس میں یہ امور کر کے فراغت پا لے، لہٰذا اگر وہ بھی پہلے سے فارغ ہو لینا چاہے تو جب حج کا احرام باندھے گا اس کے بعد ایک نفل طواف میں رمل و سعی کرے اب اسے طواف الزیارت میں ان کی حاجت نہ ہوگی۔

(۲۸) اب یہ سب حجاج (قارن، متمتع، مفرد کوئی ہو) کہ منیٰ جانے کے لیے مکہ معظمہ میں آٹھویں تاریخ کا انتظار کر رہے ہیں۔ ایامِ اقامت میں جس قدر ہو سکے نرا طواف بے اضطباع و رمل و سعی کرتے رہیں، باہر والوں کے لیے یہ سب سے بہتر عبادت ہے اور ہر سات پھیروں پر مقامِ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام میں دو رکعت پڑھیں۔

(۲۹) اب خواہ منیٰ سے واپسی پر جب کبھی رات دن میں جتنی بار کعبہ معظمہ پر نظر پڑے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ تین بار کہیں اور نبی صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم پر درود بھیجیں، دعا کریں کہ یہ وقتِ قبول ہے۔

(۳۰) طواف اگرچہ نفل ہو اس میں یہ باتیں حرام ہیں:

بے وضو طواف کرنا۔ کوئی عضو جو ستر میں داخل ہے اس کا چہارم کھلا ہونا مثلاً ران یا آزاد عورت کا کان۔ بے مجبوری سواری پر یا کسی کی گود میں یا کندھوں پر طواف کرنا۔ بلا عذر بیٹھ کر سرکنا یا گھٹنوں چلنا۔ کعبہ کو داہنے ہاتھ پر لے کر اُلٹا طواف کرنا۔ طواف میں حطیم کے اندر ہو کر گزرنا۔ سات پھیروں سے کم کرنا۔

(۳۱) یہ باتیں طواف میں مکروہ ہیں:

فضول بات کرنا۔ بیچنا۔ خریدنا۔ حمد و نعت و منقبت کے سوا کوئی شعر پڑھنا۔ ذکر یا دعا یا تلاوت یا کوئی کلام بلند آواز سے کرنا۔ ناپاک کپڑے میں طواف کرنا۔ رمل یا اضطباع یا بوسہ سنگِ اسود جہاں جہاں ان کا حکم ہے ترک کرنا۔ طواف کے پھیروں میں زیادہ فاصلہ دینا یعنی کچھ پھیرے کر لیے پھر دیر تک ٹھہر گئے یا اور کسی کام میں لگ گئے، باقی پھیرے بعد کو کیے مگر وضو جاتا رہا تو کر آئے یا جماعت قائم ہوئی اور اس نے نماز ابھی نہ پڑھی ہو تو شریک ہو جائے بلکہ جنازہ کی جماعت میں بھی طواف چھوڑ کر مل سکتا ہے باقی جہاں سے چھوڑا تھا

آکر پُورا کرے۔ یُوں[11] ہی پیشاب پاخانہ کی ضرورت ہو تو چلا جائے وضو کرکے باقی پُورا کرے۔ ایک[12] طواف کے بعد جب تک اس کی رکعتیں نہ پڑھ لیں دوسرا طواف شروع کر دینا مگر کراہتِ نماز کا وقت ہو جیسے صبح صادق سے طلوعِ آفتاب یا نمازِ عصر پڑھنے کے بعد سے غروبِ آفتاب تک کہ اس میں متعدد طواف بے فصل نماز جائز ہیں، وقتِ کراہت نکل جائے تو ہر طواف کے لیے دو رکعت ادا کرے۔ خطبہ[13] امام کے وقت طواف کرنا، ہاں اگر خود پہلی جماعت میں پڑھ چکا تو باقی جماعتوں کے وقت طواف کرنے میں حرج نہیں اور نمازیوں کے سامنے سے گزر سکتا ہے کہ طواف بھی مثل نماز ہی ہے۔ طواف[14] میں کچھ کھانا۔ پیشاب[15] یا پاخانہ یا ریح کے تقاضے میں طواف کرنا۔

(۳۲) یہ باتیں طواف وسعی دونوں میں مباح ہیں ؛

سلام[1] کرنا۔ جواب[2] دینا۔ پانی[3] پینا۔ حمد[4] و نعت و منقبت کے اشعار آہستہ پڑھنا۔ اور سعی[5] میں کھانا کھا سکتا ہے۔ حاجت[6] کے لیے کلام کرنا۔ فتویٰ[7] پوچھنا۔ فتویٰ[8] دینا۔

(۳۳) طواف کی طرح سعی بھی بلا ضرورت سوار ہو کر یا بیٹھ کر ناجائز و گناہ ہے۔

(۳۴) سعی میں یہ باتیں مکروہ ہیں ؛

بے[1] حاجت اس کے پھیروں میں زیادہ فصل دینا مگر جماعت قائم ہو تو چلا جائے، یُونہی شرکتِ جنازہ یا قضائے حاجت یا تجدیدِ وضو کو اگرچہ سعی میں ضرور نہیں۔ خرید[2] و فروخت[3]۔ فضول[4] کلام۔ صفا[5] یا مروہ پر نہ چڑھنا۔ مرد[6] کا مسعیٰ میں بلا عذر نہ دوڑنا۔ طواف[7] کے بعد بہت تاخیر کرکے سعی کرنا۔ ستر[8] عورت نہ ہونا۔ پریشان نظری یعنی اِدھر اُدھر فضول دیکھنا سعی میں بھی مکروہ ہے اور طواف میں اور زیادہ مکروہ۔

مسئلہ : بے وضو بھی سعی میں کوئی حرج نہیں، ہاں باوضو مستحب ہے۔

(۳۵) طواف وسعی کے سب مسائلِ مذکورہ میں عورتیں بھی شریک ہیں مگر اضطباع[1]، رمل[2]، سعی[3] میں دوڑنا ان کے لیے نہیں۔ مزاحمت[4] کے ساتھ بوسہ سنگِ اسود یا مس[5] رکنِ یمانی یا قرب[6] کعبہ یا زمزم[7] کے اندر نظر یا خود[8] پانی بھرنے کی کوشش نہ کریں۔ یہ باتیں یُوں مِل سکیں کہ نامحرم سے بدن نہ چھُوئے تو خیر، ورنہ الگ تھلگ رہنا اس کے لیے سب سے بہتر ہے۔

فصلِ چہارم منیٰ کی روانگی اور عرفہ کا وقوف

(۱) ساتویں تاریخ مسجدِ حرام میں بعد نمازِ ظہر امام خطبہ پڑھے گا اسے سنو۔

(۲) یوم الترویہ کہ آٹھ تاریخ کا نام ہے جس نے احرام نہ باندھا ہو باندھ لے اور ایک نفل طواف میں رمل و سعی جیسا کہ اُوپر گزرا، کرلے۔

(۳) جب آفتاب نکل آئے منیٰ کو چلو اور ہوسکے تو پیادہ کہ جب تک مکۂ معظمہ پلٹ کر آؤ گے ہر قدم پر سات سو نیکیاں لکھی جائیں گی، سو ہزار کا لاکھ، سو لاکھ کا کروڑ، سو کروڑ کا ارب، سو ارب کا کھرب۔ یہ نیکیاں تخمیناً ۷۸ کھرب ۴۰ ارب ہوتی ہیں۔ اور اللہ کا فضل اس نبی کے صدقہ میں اس امت پر بے شمار ہے جل وعلا صلے اللہ تعالے علیہ وسلم، والحمد للہ رب العالمین۔

(۴) راستے بھر لبیک و دعا اور درود و ثنا کی کثرت کرو۔

(۵) جب منیٰ نظر آئے کہو:

اَللّٰھُمَّ ھٰذِہٖ مِنًی فَامْنُنْ عَلَیَّ بِمَا مَنَنْتَ بِہٖ عَلٰۤی اَوْلِیَآئِکَ [1]

(۶) یہاں رات کو ٹھہرو، آج ظہر سے نویں کی صبح تک پانچ نمازیں مسجد خیف میں پڑھو۔ آج کل بعض مطوفوں نے یہ نکالی ہے کہ آٹھویں کو منیٰ نہیں ٹھہرتے سیدھے عرفات پہنچتے ہیں، ان کی نہ مانے اور اس سنّتِ عظیمہ کو ہرگز نہ چھوڑے، قافلہ کے اصرار سے اُن کو بھی مجبور ہونا پڑے گا۔

(۷) شبِ عرفہ منیٰ میں ذکر و عبادت سے جاگ کر صبح کرو، سونے کے بہت دن پڑے ہیں، اور نہ ہو تو کم از کم عشاء و صبح تو جماعتِ اولیٰ سے پڑھو کہ شب بیداری کا ثواب ملے گا، اور باوضو سو کہ روح عرش تک بلند ہوگی۔

(۸) صبح تک مستحب وقت نماز پڑھ کر لبیک و ذکر و درود میں مشغول رہو یہاں تک کہ آفتاب کوہِ ثبیر پر کہ مسجد خیف شریف کے سامنے ہے چمکے، اب عرفات کو چلو، دل کو خیالِ غیر سے پاک کرنے میں کوشش کرو کہ آج وہ دن ہے کہ کچھ کا حج قبول کریں گے اور کچھ ان کے صدقے میں بخش دیں گے۔ محروم وہ جو آج محروم رہا، وسوسے آئیں تو اُن سے لڑائی نہ باندھو کہ یُوں بھی دشمن کا مطلب حاصل ہے وہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم اور خیال میں لگ جاؤ، لڑائی باندھی جائے جب بھی تو اور خیال پڑے بلکہ ان کی طرف دھیان ہی نہ کرو یہ سمجھ لو کہ کوئی اور وجود ہے جو ایسے خیالات لارہا ہے مجھے اپنے رب سے کام ہے یُوں ان شاء اللہ وہ مردود و ناکام واپس جائے گا۔

(۹) راستے بھر ذکر و درود میں بسر کرو، بے ضرورت کچھ بات نہ کرو، لبیک کی بار بار کثرت کرتے چلو۔

(۱۰) جب نگاہ جبلِ رحمت پر پڑے ان امور میں اور زیادہ کوشش کرو کہ ان شاء اللہ تعالےٰ وقتِ قبول ہے۔

---

[1] الٰہی! یہ منیٰ ہے تو مجھ پر وہ احسان کر جو تُو نے اپنے دوستوں پر کئے ۱۲ (م)

---

[1] کتاب ادعیۃ الحج والعمرۃ ملحق ارشاد الساری، فصل فاذا کان الیوم الثانی الخ دار الکتاب العربی بیروت ص ۱۷

(۱۱) عرفات میں اس کوہِ مبارک کے پاس یا جہاں جگہ ملے شارعِ عام سے بچ کر اُترو۔

(۱۲) آج کے ہجوم میں کہ لاکھوں آدمی ہزاروں ڈیرے خیمے ہوتے ہیں، اپنے ڈیرے سے جاکر واپسی میں اس کا ملنا دشوار ہوتا ہے اس لیے پہچان کا نشان قائم کرلو کہ دُور سے نظر آئے۔

(۱۳) مستورات ساتھ ہوں تو ان کے بُرقعہ پر بھی کوئی خاص کپڑا علامت چمکتے رنگ کا لگا دو کہ دُور سے دیکھ کر تمیز کر سکو اور دل میں تشویش نہ رہے۔

(۱۴) دوپہر تک زیادہ وقت اللہ کے حضور زاری اور باخلاص نیت حسبِ استطاعت تصدق وخیرات و ذکر و لبیک و درود و دعا و استغفار و کلمۂ توحید میں مشغول رہو۔ حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: سب سے بہتر وُہ چیز جو آج کے دن میں نے اور مجھ سے پہلے انبیاء نے کہی یہ ہے:

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ ط وَ هُوَحَیٌّ لَّا یَمُوْتُ ط بِیَدِہِ الْخَیْرُ ط وَھُوَعَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔[1]

(۱۵) دوپہر سے پہلے کھانے پینے وغیرہ ضروریات سے فارغ ہو لو کہ دل کسی طرف لگا نہ رہے۔ آج کے دن جیسے حاجی کو روزہ مناسب نہیں کہ دُعا میں ضعف ہوگا۔ یُونہی پیٹ بھر کر کھانا سخت ضرر اور غفلت و کسل کا باعث ہے۔ تین روٹی کی بھوک والا ایک ہی کھائے۔ نبی صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے تو ہمیشہ کے لیے یہی حکم دیا ہے، اور خود دنیا سے تشریف لے گئے اور جَو کی روٹی کبھی پیٹ بھر کر نہ کھائی حالانکہ اللہ کے حکم سے تمام جہان اختیار میں تھا اور ہے، اور اگر انوار و برکات لینا چاہو تو نہ صرف آج بلکہ حرمین شریفین میں جب تک حاضر ہو تہائی پیٹ سے زیادہ ہرگز نہ کھاؤ۔ مانو گے تو اس کا فائدہ، نہ مانو گے تو اس کا نقصان آنکھوں سے دیکھ لو گے۔ ہفتہ بھر اس پر عمل کر کے تو دیکھو، اگلی حالت سے فرق نہ پاؤ تو جبھی کہنا جی بچے تو کھانے پینے کے بہت دن ہیں، یہاں تو نور و ذوق کے لیے جگہ خالی رکھو ؎

بھرا تن دوبارہ کیا بھرے گا

ع[a] اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں وُہ ایک اکیلا اس کا کوئی ساجھی نہیں، اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کے لیے سب خُوبیاں، وہی جلائے وہی مارے، اور وُہ زندہ ہے کہ کبھی نہ مرے گا، سب بھلائیاں اسی کے قبضہ میں ہیں اور وہ سب کچھ کر سکتا ہے ۱۲ (م)

---

[1] کتاب ادعیۃ الحج والعمرۃ ملحق ارشاد الساری فصل فی التوجہ الی العرفات دار الکتاب العربی بیروت ص ۱۷

(۱۶) جب دوپہر قریب آئے نہاؤ کہ سنّتِ مؤکدہ ہے اور نہ ہوسکے تو صرف وضو۔

(۱۷) دوپہر ڈھلتے ہی بلکہ اس سے پہلے کہ امام کے قریب جگہ ملے مسجد نمرہ جاؤ، سُنّتیں پڑھ کر خطبہ سُن کر امام کے ساتھ ظہر پڑھو، بیچ میں سلام وقیام تو کیا معنی سُنّتیں بھی نہ پڑھو، اور بعد عصر بھی نفل نہیں، یہ ظہر وعصر ملاکر پڑھنا جبھی جائز ہے کہ نماز یا تو سلطان خود پڑھائے یا وہ جو حج میں اس کا نائب ہوکر آتا ہے۔ جس نے ظُہر اکیلے یا اپنی خاص جماعت سے پڑھی اسے وقت سے پہلے عصر پڑھنا حلال نہ ہوگا، اور جس حکمت کے لئے شرع نے یہاں ظُہر کے ساتھ عصر ملانے کا حکم فرمایا ہے یعنی غروبِ آفتاب تک دُعا کے لیے وقت خالی ملنا وُہ جاتی رہے گی۔

(۱۸) خیال کرو جب شرع کو یہ وقت دُعا کے لیے فارغ کرنے کا اس قدر اہتمام ہے تو اس وقت اور کام میں مشغولی کس قدر بیہودہ ہے۔ بعض احمقوں کو دیکھا ہے کہ امام تو نماز میں ہے یا نماز پڑھ کر موقف[1] کو گیا اور وُہ کھانے پینے حقے چائے اڑانے میں مصروف ہیں خبردار ایسا نہ کرو، امام کے ساتھ نماز پڑھتے ہی فوراً موقف کو روانہ ہوجاؤ، اور ممکن ہو تو اُونٹ پر کہ سنّت بھی ہے اور ہجوم میں دبنے کُچلنے سے محافظت بھی۔

(۱۹) بعض مطوّف اس مجمع میں جانے سے منع کرتے ہیں اور طرح طرح سے ڈراتے ہیں ان کی نہ سُنو کہ وہ خاص نزولِ رحمتِ عام کی جگہ ہے، یہاں عورت اور کمزور مرد یہیں کھڑے ہُوئے دعا میں شامل ہوں کہ بطنِ عرنہ[2] کے سوا یہ سارا میدان موقف ہے اور یہ لوگ بھی تصور یہی کریں کہ ہم اس مجمع میں حاضر ہیں اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ نہ سمجھیں، اس مجمع میں یقیناً بکثرت اولیا، بلکہ الیاس وخضر علیہما الصلوٰۃ والسلام نبی اللہ موجود ہیں، یہ تصور کریں کہ انوار وبرکات جو اس مجمع میں اُن پر اتر رہے ہیں ان کا صدقہ ہم بھکاریوں کو بھی پہنچتا ہے، یوں الگ ہوکر بھی شامل رہیں گے، اور جس سے ہوسکے تو وہاں کی حاضری چھوڑنے کی چیز نہیں۔

(۲۰) افضل یہ ہے کہ امام سے نزدیک جبلِ رحمت کے قریب جہاں سیاہ پتھر کا فرش ہے رُوبقبلہ پس پشتِ امام کھڑا ہو جبکہ ان فضائل کے حصول میں دقّت یا کسی کی اذیت نہ ہو ورنہ جہاں اور جس طرح ہوسکے وقوف[3] کرو، امام کی دہنی جانب اور بائیں رُوبرو سے افضل ہے۔ یہ وقوف ہی حج کی جان اور اس کا بڑا رکن ہے۔

---

[1] وُہ جگہ کہ نماز کے بعد سے غروبِ آفتاب تک وہاں کھڑے ہوکر ذکر ودُعا کا حکم ہے۔ (م)

[2] بطنِ عرنہ عرفات میں حرم کے نالوں میں سے ایک نالہ ہے مسجد نمرہ کے مغرب یعنی مکہ معظمہ کی طرف، وہاں موقف محض ناجائز ہے۔ (م)

[3] وہاں ذکر ودُعا کے لیے کھڑا ہونا۔ (م)

(۲۱) بعض جاہل یہ حرکت کرتے ہیں کہ پہاڑ پر چڑھ جاتے ہیں اور وہاں کھڑے رومال ہلاتے رہتے ہیں اس سے بچو اور ان کی طرف بھی برا خیال نہ کرو، یہ وقت اوروں کے عیب دیکھنے کا نہیں اپنے عیبوں پر شرمساری اور گریہ وزاری کا ہے۔

(۲۲) اب وہ کہ یہاں ہیں اور کہ ڈیروں میں ہیں سب ہمہ تن صدقِ دل سے اپنے کریم مہربان رب کی طرف متوجہ ہوجاؤ اور میدانِ قیامت میں حسابِ اعمال کے لیے اس کے حضور حاضری کا تصور کرو، نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ لرزتے، کانپتے، ڈرتے، امید کرتے، آنکھیں بند کیے، گردن جھکائے، دستِ دعا آسمان کی طرف سر سے اونچے پھیلاؤ۔ تکبیر، تہلیل، تسبیح، لبیک، حمد، ذکر، دعا، توبہ، استغفار میں ڈوب جاؤ۔ کوشش کرو کہ ایک قطرہ آنسوؤں کا ٹپکے کہ دلیلِ اجابت وسعادت ہے ورنہ رونے کا سامنہ بناؤ کہ اچھوں کی صورت بھی اچھی۔ اثنائے دعا و ذکر میں لبیک کی بار بار تکرار کرو۔ آج کے دن کی دعائیں بہت منقول ہیں اور دعائے جامع کہ اوپر گزری کافی ہے، چندبار اسے کہہ لو، اور سب سے بہتر یہ کہ سارا وقت درود، ذکر، تلاوتِ قرآن میں گزارو کہ بوعدۂ حدیث دعا والوں سے زیادہ پاؤ گے۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا دامن پکڑو، غوثِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے توسل کرو، اپنے گناہ اور اس کی قہاری یاد کرکے بید کی طرح لرزو اور یقین جانو کہ اس کی مار سے اسی کے پاس پناہ ہے، اس سے بھاگ کر کہیں جا نہیں سکتے۔ اس کے در کے سوا کہیں ٹھکانا نہیں۔ لہٰذا ان شفیعوں کا دامن لیے اس کے عذاب سے اسی کی پناہ مانگو اور اسی حالت میں رہو کہ کبھی اس کی رحمتِ عام کی امید سے مرجھایا دل نہال ہوا جاتا ہے اور یونہی تضرع وزاری میں رہو یہاں تک کہ آفتاب ڈوب جائے اور رات کا ایک لطیف جزء آجائے اس سے پہلے کوچ منع ہے۔ بعض جلدباز دن ہی سے چل دیتے ہیں ان کا ساتھ نہ دو، غروب تک ٹھہرنے کی ضرورت نہ ہوتی تو عصر ظہر سے ملاکر پڑھنے کا حکم کیوں ہوتا، اور کیا معلوم کہ رحمتِ الٰہی کس وقت توجہ فرمائے، اگر تمہارے چل دینے کے بعد اتری تو معاذ اللہ کیسا خسارہ ہے، اور اگر غروب سے پہلے حدودِ عرفات سے نکل گئے جب تو پورا جرم ہے اور جرمانے میں قربانی دینی آئے گی۔ بعض مطوف یوں ڈراتے ہیں کہ رات میں خطرہ ہے یہ دو ایک کے لیے ٹھیک ہے اور جب قافلے کا قافلہ ٹھہرے گا تو ان شاء اللہ کچھ اندیشہ نہیں۔

(۲۳) ایک ادب واجب الحفظ اس روز کا یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کے سچے وعدوں پر بھروسا کرکے یقین کرے کہ آج میں گناہوں سے ایسا پاک ہوگیا جیسا جس دن ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا، اب کوشش کروں کہ آئندہ گناہ نہ ہوں اور جو داغ اللہ تعالٰی نے محض رحمت میری پیشانی سے دھویا ہے پھر نہ لگے۔

(۲۴) یہاں یہ باتیں مکروہ ہیں: غروبِ آفتاب سے پہلے وقوف چھوڑکر روانگی جب کہ غروب تک

حدودِ عرفات سے باہر نہ ہو جائے ورنہ حرام ہے۔ نماز ظہر و عصر ملانے کے بعد موقف کو جانے میں دیر اس وقت سے غروب تک کھانے پینے یا توجہ بخدا کے سوا کسی کام میں مشغول ہونا، کوئی دنیوی بات کرنا، غروب پر یقین ہو جانے کے بعد روانگی میں تاخیر کرنا، مغرب یا عشا عرفات میں پڑھنا۔

تنبیہ: موقف میں چھتری لگانے یا کسی طرح سایہ چاہنے سے حتی المقدور بچو، ہاں جو مجبور ہے معذور ہے۔

تنبیہ ضروری، اشد ضروری

بدنگاہی ہمیشہ حرام ہے نہ کہ احرام میں نہ کہ موقف میں، یا مسجد الحرام میں نہ کہ کعبہ کے سامنے نہ کہ طوافِ بیت الحرام میں، یہ تمھارے بہت امتحان کا موقعہ ہے۔ عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ یہاں منہ نہ چھپاؤ اور تمھیں حکم دیا گیا ہے کہ ان کی طرف نگاہ نہ کرو۔ یقین جانو کہ یہ بڑے عزت والے بادشاہ کی باندیاں ہیں اور اس وقت تم اور وہ سب خاص دربار میں حاضر ہو کر بلا تشبیہ شیر کا بچہ اس کی بغل میں ہو اس وقت کون اس کی طرف نگاہ اٹھا سکتا ہے، تو اللہ واحد قہار کی کنیزیں کہ اس کے خاص دربار میں حاضر ہیں ان پر بدنگاہی کس قدر سخت ہوگی وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (اور اللہ تعالیٰ ہی کی شان سب سے بلند ہے) ہاں ہاں ہوشیار! ایمان بچائے ہوئے، قلب و نگاہ سنبھالے ہوئے، حرم وہ جگہ ہے جہاں گناہ کے ارادے پر پکڑا جاتا ہے اور ایک گناہ لاکھ گناہ کے برابر ٹھہرتا ہے۔ الٰہی! خیر کی توفیق دے۔ آمین!

فصل پنجم منیٰ و مزدلفہ و باقی افعالِ حج

(۱) جب غروبِ آفتاب کا یقین ہو جائے فوراً مزدلفہ کو چلو، اور امام کا ساتھ افضل ہے مگر وہ دیر کرے تو اس کا انتظار نہ کرو۔

(۲) راستے بھر ذکر، درود و دعا و لبیک و زاری و بکا میں مصروف رہو۔

(۳) راستہ میں جہاں گنجائش پاؤ اور اپنی یا دوسرے کی ایذا کا احتمال نہ ہو تو اتنی دیر اتنی دور تیز چلو، پیادہ ہو خواہ سوار۔

(۴) جب مزدلفہ نظر آئے بشرطِ قدرت پیادہ ہو لینا بہتر ہے اور نہا کر داخل ہونا افضل ہے۔

(۵) وہاں پہنچ کر حتی الامکان جبل قزح کے پاس راستے سے بچ کر اترو ورنہ جہاں جگہ ملے۔

(۶) غالباً وہاں پہنچتے پہنچتے شفق ڈوب جائے گی، مغرب کا وقت نکل جائے گا، اونٹ کھولنے

اسباب اتارنے سے پہلے امام کے ساتھ مغرب وعشاء پڑھو، اور اگر وقت باقی رہے جب بھی ابھی مغرب ہرگز نہ پڑھو نہ راہ میں کہ اس دن یہاں نمازِ مغرب وقتِ مغرب میں پڑھنا گناہ ہے، اگر پڑھ لوگے عشاء کے وقت پھر پڑھنی ہوگی، غرض یہاں پہنچ کر مغرب وقتِ عشاء میں بہ نیتِ ادا نہ کہ بہ نیتِ قضا، حتی الامکان امام کے ساتھ پڑھو اس کا سلام ہوتے ہی معًا عشاء کی جماعت ہوگی، عشاء کے فرض پڑھو، اس کے بعد مغرب و عشا کی سنتیں اور وتر پڑھو، اگر امام کے ساتھ نماز نہ مل سکے تو اپنی جماعت کر لو اور نہ ہو سکے تو تنہا پڑھو۔

(۷) باقی رات ذکرِ لبیک و درود و دعا میں گزارو کہ یہ بہت افضل جگہ ہے اور بہت افضل رات ہے زندگی ہو تو اور سونے کو بہت سی راتیں ملیں گی اور یہاں یہ رات خدا جانے دوبارہ کسے ملے اور نہ ہو سکے تو خیر با طہارت سو رہو کہ فضول باتوں سے سونا بہتر، اور اتنے پہلے اُٹھ بیٹھو کہ صبح چمکنے سے پہلے ضروریات و طہارت سے فارغ ہو لو۔ آج نمازِ صبح بہت اندھیرے سے پڑھی جائے گی، کوشش کرو کہ جماعتِ امام بلکہ پہلی تکبیر فوت نہ ہو کہ عشاء وصبح جماعت سے پڑھنے والا پوری شب بیداری کا ثواب پاتا ہے۔

(۸) اب دربارِ اعظم کی دوسری حاضری کا وقت آیا، ہاں ہاں کرم کے دروازے کھولے گئے ہیں، کل عرفات میں حقوق اللہ معاف، یہاں حقوق العباد معاف فرمانے کا وعدہ ہے، مشعر الحرام میں یعنی خاص پہاڑی پر اور جگہ نہ ملے تو اس کے دامن میں، اور نہ ہو سکے تو وادیِ محسر کے سوا جہاں گنجائش پاؤ وقوف کرو اور تمام باتیں کہ وقوفِ عرفات میں مذکور ہوئیں ملحوظ رکھو۔

(۹) جب طلوعِ آفتاب میں دو رکعت پڑھنے کا وقت رہ جائے امام کے ساتھ منیٰ کو چلو اور یہاں سے سات چھوٹی چھوٹی کنکریاں دانۂ خرما کے برابر پاک جگہ سے اٹھا کر تین بار دھو لو کسی پتھر کو توڑ کر کنکریاں نہ بناؤ۔

(۱۰) راستے بھر بدستور ذکر و دعا و درود و بکثرت لبیک میں مشغول رہو۔

(۱۱) جب وادیِ محسر[عـه۱] پہنچو پانچ سو پینتالیس ہاتھ بہت جلد تیزی کے ساتھ چل کر نکل جاؤ مگر نہ وہ تیزی جس سے کسی کو ایذا ہو اور اس عرصہ میں یہ دعا کرتے جاؤ: اَللّٰھُمَّ[عـه۲] لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِکَ وَلَا تُھْلِکْنَا بِعَذَابِکَ

عـه۱ یہ منیٰ مزدلفہ کے بیچ میں ایک نالہ ہے دونوں کی حدود سے خارج مزدلفہ سے منیٰ کو جاتے بائیں ہاتھ کو جو پہاڑ پڑتا ہے اس کی چوٹی سے شروع ہو کر ۵۴۵ ہاتھ تک۔ ہے یہاں اصحابِ الفیل آکر ٹھہرے تھے اور ان پر عذابِ ابابیل اُترا تھا اس سے جلد گزرنا اور عذابِ الٰہی سے پناہ مانگنا چاہیے ۱۲ منہ (م)

عـه۲ الٰہی! اپنے غضب سے ہمیں قتل نہ کر اور اپنے عذاب سے ہمیں ہلاک نہ کر اور اس سے پہلے ہمیں عافیت دے ۱۲ منہ (م)

وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِكَ [1]

(۱۲) جب منٰی نظر آئے وہی دُعا[2] پڑھو جو مکّہ سے آتے منٰی کو دیکھ کر پڑھی تھی۔

(۱۳) جب منٰی پہنچو سب کاموں سے پہلے جمرۃ العقبہ[1] کو جاؤ جو ادھر سے پچھلا جمرہ ہے اور مکہ معظمہ سے پہلے نالے کے وسط میں سواری پر جمرے سے پانچ ہاتھ ہٹے ہوئے یوں کھڑے ہو کہ منٰی داہنے ہاتھ پر اور کعبہ بائیں کو اور جمرہ کی طرف منہ ہو، سات کنکریاں جدا جدا سیدھا ہاتھ خوب اٹھا کر کہ سپیدیٔ بغل ظاہر ہو ہر ایک پر بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَر کہہ کر مارو، بہتر یہ ہے کہ کنکریاں جمرہ تک پہنچیں ورنہ تین ہاتھ کے فاصلے پر گریں، اس سے زیادہ فاصلے پر گری تو وُہ کنکری شمار میں نہ آئے گی۔ پہلی کنکری سے لبیک موقوف کرو۔

(۱۴) جب سات پُوری ہو جائیں وہاں نہ ٹھہرو، فوراً ذکر کرو، دُعا کرتے پلٹ آؤ۔

(۱۵) اب قربانی میں مشغول ہو، یہ وُہ قربانی نہیں جو عید میں ہوتی ہے کہ وُہ تو مسافر پر اصلاً نہیں اور مقیم مالدار پر واجب ہے اگرچہ حج میں ہو بلکہ یہ حج کا شکرانہ ہے، قارن و متمتع پر واجب اگرچہ فقیر[2] ہو، اور مفرد کے لیے مستحب اگرچہ غنی ہو، جانور کی عمر و اعضاء میں وہی شرطیں ہیں جو عید کی قربانی میں۔

(۱۶) ذبح کرنا آتا ہو تو آپ ذبح کرو کہ سنّت ہے ورنہ وقتِ ذبح حاضر رہو۔

(۱۷) رُو بقبلہ لٹا کر خود بھی رُو بقبلہ رہو اور تکبیر کہتے ہوئے نہایت تیز چُھری سے بہت جلد اتنی پھیرو کہ چاروں رگیں کٹ جائیں، زیادہ ہاتھ نہ بڑھاؤ کہ بے سبب کی تکلیف ہے۔

---

[1] منٰی اور مکّہ کے بیچ میں تین ستون بنے ہُوئے ہیں ان کو جمرہ کہتے ہیں۔ پہلا جو منٰی سے قریب ہے جمرۃ اولٰی کہلاتا ہے اور بیچ کا جمرۃ وسطٰی اور اخیر کا مکہ معظمہ سے قریب ہے جمرۃ العقبٰی ۱۲ منہ (م)

[2] مسئلہ: محتاج محض جس کی ملک میں نہ قربانی کے لائق کوئی جانور ہو نہ اتنا نقد یا اسباب کہ اسے بیچ کر لے سکے وہ اگر قران یا تمتع کی نیت کرے گا تو اس پر قربانی کے بدلے دس روزے واجب ہوں گے تین تو حج کے مہینوں میں یعنی یکم شوال سے نویں ذی الحجہ تک احرام باندھنے کے بعد اس بیچ میں جب چاہے رکھ لے ایک ساتھ خواہ جدا جدا، اور بہتر ہے ۷، ۸ اور ۹ کو ہوں اور باقی سات تیرھویں کے بعد جب چاہے رکھے، اور بہتر یہ ہے کہ گھر پہنچ کر ہوں۔ (م)

---

[1] مسلک متقسط مع ارشاد الساری فصل فی آداب التوجہ الٰی منٰی دار الکتاب العربی بیروت ص ۱۴۸

[2] کتاب ادعیۃ الحج والعمرۃ ملحق ارشاد الساری فصل فاذا کان یوم الثانی الخ " " " ص ۱۷

(۱۸) بہتر یہ ہے کہ وقتِ ذبح قربانی والے جانور کے دونوں ہاتھ اور ایک پاؤں باندھ لو، ذبح کرکے کھول دو۔

(۱۹) اُونٹ ہو تو اسے کھڑا کرکے سینہ میں گلے کے انتہا پر تکبیر کہہ کر نیزہ مارو کہ سنت یُونہی ہے اور اس کا ذبح کرنا مکروہ، مگر حلال ذبح سے بھی ہوجائے گا اور گلے پر ایک ہی جگہ اسے ذبح کرے۔ جاہلوں میں جو مشہور ہے کہ اونٹ تین جگہ سے ذبح ہوتا ہے غلط و خلافِ سنّت اور مفت کی اذیت و مکروہ ہے۔

(۲۰) کسی ذبیحہ کو جب تک سرد نہ ہو کھال نہ کھینچو، اعضاء نہ کاٹو کہ ایذا ہے۔

(۲۱) یہ قربانی کرکے اپنے اور تمام مسلمانوں کے حج و قربانی قبول ہونے کی دُعا کرو۔

(۲۲) بعد قربانی رُو بقبلہ بیٹھ کر مرد حلق کریں یعنی سارا سر منڈائیں کہ افضل ہے یا بال کتروائیں کہ رخصت ہے، اور عورتوں کو حلق حرام ہے ایک پور برابر بال کتروادیں۔

(۲۳) حلق ہو یا تقصیر دہنی طرف سے ابتداء کرو اور اس وقت اَللّٰہُ اَکْبَرُ ط اَللّٰہُ اَکْبَرُ ط لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ ط وَاللّٰہُ اَکْبَرُ ط اَللّٰہُ اَکْبَرُ ط وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ ط بعد فراغت بھی کہو، سب مسلمانوں کی بخشش مانگو۔[1]

(۲۴) بال دفن کردو اور ہمیشہ بدن سے جو چیز بال، ناخن، کھال جُدا ہو دفن کرو۔

(۲۵) یہاں حلق یا تقصیر سے پہلے ناخن نہ کتراؤ، خط نہ بنواؤ۔

(۲۶) اب عورت سے صحبت کرنے، شہوت سے ہاتھ لگانے، گلے لگانے، بوسہ لینے، دیکھنے کے سوا جو کچھ احرام نے حرام کیا تھا سب حلال ہوگیا۔

(۲۷) افضل یہ ہے کہ آج دسویں ہی تاریخ فرض طواف کے لیے جسے طواف الزیارۃ کہتے ہیں مکہ معظمہ جاؤ بدستور مذکورہ پیادہ باطہارت وسترِ عورت طواف کرو مگر اس طواف میں اضطباع نہیں۔

(۲۸) قارن و مفرد طوافِ قدوم میں اور متمتع بعد احرام حج کسی طواف نفل میں حج کے رمل و سعی دونوں خواہ صرف سعی کرچکے ہوں تو اس طواف میں رمل و سعی کچھ نہ کریں اور اگر اُس[1] میں رمل و سعی کچھ نہ کیا ہو یا صرف[2] رمل کیا ہو یا جس[3] طواف میں کیے تھے وُہ عمرہ کا تھا جیسے قارن و متمتع کا پہلا طواف یا وہ طواف بے طہارت کیا تھا تو ان چاروں صُورتوں میں رمل و سعی دونوں اس طوافِ فرض میں کریں۔

(۲۹) کمزور اور عورتیں اگر بھیڑ کے سبب دسویں کو نہ جائیں تو اس کے بعد گیارھویں کو افضل ہے اور اس دن یہ بڑا نفع ہے کہ مطاف خالی ملتا ہے، گنتی کے بیس تیس آدمی ہوتے ہیں، عورتوں کو بھی باطمینانِ تمام

---

[1] مسلک متقسط مع ارشاد الساری فصل فی الحلق والتقصیر دار الکتاب العربی بیروت ص ۱۵۲

ہر پھیرے میں سنگِ اسود کا بوسہ ملتا ہے۔

(۳۰) جو گیارھویں کو نہ جائے بارھویں کو کرلے، اس کے بعد بلا عذر تاخیر گناہ ہے۔ جرمانہ میں ایک قربانی ہوگی، ہاں مثلاً عورت کو حیض یا نفاس آگیا تو وہ ان کے ختم کے بعد کرے۔

(۳۱) بہرحال بعد طواف دو رکعت ضرور پڑھیں، اس طواف سے عورتیں بھی حلال ہوجائیں گی، حج پورا ہوگیا کہ اس کا دوسرا رکن یہ طواف تھا۔

(۳۲) دسویں، گیارھویں، بارھویں راتیں منیٰ ہی میں بسر کرنا سنّت ہے، نہ مزدلفہ میں نہ مکہ میں نہ راہ میں، تو جو دس یا گیارہ کو طواف کے لیے گیا واپس آکر رات منیٰ ہی میں گزارے۔

(۳۳) گیارھویں تاریخ بعد نمازِ ظہر امام کا خطبہ سن کر پھر رمی کو چلو، ان ایام میں رمی جمرۂ اولیٰ سے شروع کرو جو مسجد خیف سے قریب مزدلفہ کی طرف ہے اس کی رمی کو راہ مکہ کی طرف سے آکر چڑھائی پر چڑھو کہ یہ جگہ بہ نسبت جمرۃ العقبہ کے بلند ہے، یہاں رُو بہ کعبہ سات کنکریاں بطور مذکور مار کر جمرہ سے کچھ آگے بڑھ جاؤ اور دُعا میں ہاتھ یوں اٹھاؤ کہ ہتھیلیاں قبلہ کو رہیں، حضورِ قلب سے حمد و درود و دُعا و استغفار میں کم سے کم بیس آیتیں پڑھنے قدر مشغول ہو ورنہ پون پارہ یا سورۂ بقر پڑھنے کی مقدار تک۔

(۳۴) پھر جمرۂ وسطیٰ پر جا کر ایسا ہی کرو۔

(۳۵) پھر جمرۂ عقبےٰ پر، مگر یہاں رمی کرکے نہ ٹھہرو، معاً پلٹ آؤ، پلٹے میں دُعا کرو۔

(۳۶) بعینہٖ اسی طرح بارھویں تاریخ تینوں جمرے بعد زوال رمی کرو۔ بعض لوگ آج دوپہر سے پہلے رمی کرکے مکہ معظمہ کو چل دیتے ہیں۔ یہ ہمارے اصل مذہب کے خلاف اور ایک ضعیف روایت ہے۔

(۳۷) بارھویں کی رمی کرکے غروبِ آفتاب سے پہلے اختیار ہے کہ مکہ معظمہ روانہ ہوجاؤ، مگر بعد غروب چلا جانا معیوب ہے۔ اب ایک دن اور ٹھہرنا اور تیرھویں کو بدستور دوپہر ڈھلے رمی کرکے مکہ جانا ہوگا اور یہی افضل ہے، مگر عام لوگ بارھویں کو چلے جاتے ہیں تو ایک رات دن یہاں قیام میں قلیل جماعت کو وقت ہے۔

(۳۸) حلق رمی سے پہلے جائز نہیں۔

(۳۹) گیارھویں بارھویں کی رمی دوپہر سے پہلے اصلاً صحیح نہیں۔

(۴۰) رمی میں یہ امور مکروہ ہیں:

دسویں کی رمی دوپہر بعد کرنا۔ تیرھویں کی رمی دوپہر سے پہلے کرنا۔ رمی میں بڑا پتھر مارنا۔ توڑ کر بڑے پتھر کی کنکریاں مارنا۔ جمرہ کے نیچے جو کنکریاں پڑی ہیں اٹھا کر مارنا کہ یہ مردود کنکریاں ہیں جو قبول ہوتی ہیں، قیامت کے دن نیکیوں کے پلّے میں رکھنے کو اٹھائی جاتی ہیں ورنہ جمروں کے گرد پہاڑ جمع ہوجاتے۔ ناپاک کنکریاں مارنا۔ سات

سے زیادہ مارنا۔ رمی کے لیے جو جہت مذکور ہوئی اس کا خلاف کرنا۔ جمرہ سے پانچ ہاتھ سے کم فاصلہ پر کھڑا ہونا۔ زیادہ کا مضائقہ نہیں۔ جمرَوں میں خلافِ ترتیب کرنا۔ مارنے کے بدلے کنکری جمرے کے پاس ڈال دینا۔

(۴۱) اخیر دن یعنی بارھویں خواہ تیرھویں کو جب منیٰ سے رخصت ہو کر مکہ معظمہ چلو تو وادی محصب[1] میں کہ جنۃ المعلیٰ کے قریب ہے سواری سے اُتر لو یا بے اُترے کچھ دیر ٹھہر کر مشغولِ دعا ہو اور افضل تو یہ ہے کہ عشاء تک نمازیں یہیں پڑھو ایک نیند لے کر داخلِ مکہ معظمہ ہو۔

(۴۲) اب تیرھویں کے بعد جب تک مکہ میں ٹھہرو اپنے پیر، استاد، ماں باپ خصوصاً حضور پُر نور سید عالم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم اور ان کے اصحاب وعترت اور حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہم کی طرف سے جتنے ہو سکیں عمرے کرتے رہو، تنعیم کو جو مکہ معظمہ سے شمال یعنی مدینہ طیبہ کی طرف تین میل کے فاصلے پر ہے جاؤ وہاں سے عمرہ کا احرام جس طرح اوپر بیان ہوا باندھ کر آؤ اور طواف وسعی حسبِ دستور کر کے حلق یا تقصیر کر لو عمرہ ہو گیا۔ جو حلق کر چکا اور مثلاً اسی دن دوسرا عمرہ کیا وہ سر پر اُسترا پھروا لے کافی ہے، یوں ہی وہ جس کے سر پر قدرتی بال نہ ہوں۔

(۴۳) مکہ معظمہ میں کم از کم ایک بار ختم قرآن مجید سے محروم نہ رہے۔

(۴۴) جنۃ المعلیٰ حاضر ہو کر ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ ودیگر مدفونین کی زیارت کرے۔

(۴۵) مکانِ ولادتِ اقدس حضور پُر نور صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی بھی زیارت سے مشرف ہو۔

(۴۶) حضرت عبد المطلب کی زیارت کریں اور ابو طالب کی قبر پر نہ جاؤ، یونہی جدہ میں جو لوگوں نے حضرت حوا رضی اللہ تعالٰے عنہا کا مزار کئی سو ہاتھ کا بنا رکھا ہے وہاں بھی نہ جاؤ کہ بے اصل ہے۔

(۴۷) علماء کی خدمت سے شرف لو خصوصاً اکابر جیسے آج کل حضرت مولانا عبد الحق صاحب مہاجر الہ آبادی کہ حمیدیہ محل کے قریب تشریف فرما اور مسلمانانِ ہند کے لیے رحمتِ مجسم ہیں اور حضرت شیخ العلماء مولانا محمد سعید بابصیل اور حضرت شیخ الائمہ مولانا احمد ابوالخیر مرداد قریب صفا اور حضرت عماد السنۃ مولانا شیخ صالح کمال قریب باب السلام اور حضرت مولانا سید اسمٰعیل آفندی حافظ کتب الحرم حرم شریف کے کتب خانے میں وغیرہم حفظہم اللہ تعالٰی۔[2]

[1] جنۃ المعلیٰ کہ مکہ کا قبرستان ہے، اس کے پاس ایک پہاڑ ہے اور وہ دوسرے پہاڑ کے سامنے منیٰ مکہ کو جاتے ہوئے داہنے ہاتھ پر نالے کے پیٹ سے جدا ہے، ان دونوں پہاڑوں کے بیچ کا نالہ وادی محصب ہے، جنت المعلےٰ محصب میں داخل نہیں۔ (م)

[2] یہ سب حضرات رخصت ہو چکے ہیں۔ (م)

(۴۸) کعبہ معظمہ کی داخلی کمال سعادت ہے اگر جائز طور پر نصیب ہو، حرم عام میں داخلی ہوتی ہے مگر سخت کشمکش کمزور مرد کا کام ہی نہیں، نہ عورتوں کو ایسے ہجوم میں جرأت کی اجازت، زبردست مرد اگر آپ ایذا سے بچ بھی گیا تو اوروں کو دھکے دے کر ایذا دے گا اور یہ جائز نہیں۔ نہ یوں حاضری میں کچھ ذوق ملے اور خاص داخلی بے لین دین میسر نہیں اور اس پر لینا بھی حرام اور دینا بھی۔ حرام کے ذریعہ ایک مستحب ملا بھی تو وہ بھی حرام ہوگیا۔ ان مفاسد سے نجات نہ ملے تو حطیم شریف کی حاضری غنیمت جانئے، اوپر گزرا کہ وہ بھی کعبہ ہی کی زمین ہے اور اگر شاید بن پڑے یوں کہ خدام کعبہ سے ٹھہر جائے کہ داخلی کے عوض میں کچھ نہ دیں گے، اس کے بعد یا قبل چاہے ہزاروں روپے دے دو تو کمال آداب ظاہر و باطن کی رعایت سے آنکھیں نیچے کیے، گردن جھکائے، گناہوں پر شرماتے، جلالِ رب البیت سے لرزتے کانپتے بسم اللہ کہہ کر پہلے سیدھا پاؤں بڑھا کر داخل ہو اور سامنے کی دیوار تک اتنا بڑھو کہ تین ہاتھ کا فاصلہ رہے، وہاں دو رکعت نفل غیر وقت مکروہ میں پڑھو کہ نبی صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا مصلےٰ ہے، پھر دیوار پر رخسار اور منہ رکھ کر حمد و درود اور دعا میں کوشش کرو۔ یوں ہی نگاہیں نیچے کیے چار گوشوں پر جاؤ اور دعا کرو اور ستونوں سے چمٹو اور پھر اس دولت کا ملنا اور حج و زیارت کا قبول مانگو اور یونہی آنکھیں نیچے کیے واپس آؤ اوپر یا اِدھر اُدھر ہرگز نہ دیکھو، اور بڑے فضل کی امید کرو کہ وہ فرماتا ہے جو اس گھر میں داخل ہوا وہ امان میں، والحمد للہ۔

(۴۹) بچی ہوئی بتی وغیرہ جو یہاں یا مدینہ طیبہ میں خدام دیتے ہرگز نہ لو بلکہ اپنے پاس سے بتی وہاں روشن کرکے باقی اٹھالو۔

(۵۰) جب عزم رخصت ہو طوافِ وداع بے رمل و سعی و اضطباع بجالاؤ کہ باہر والوں پر واجب ہے، ہاں وقتِ رخصت عورت حیض و نفاس میں ہو اس پر نہیں، پھر دو رکعت مقام ابراہیم میں پڑھو۔

(۵۱) پھر زمزم پر آکر اسی طرح پانی پیو، بدن پر ڈالو۔

(۵۲) پھر دروازۂ کعبہ پر کھڑے ہو کر آستانہ پاک کو بوسہ دو اور قبول و بار بار حاضری کی دعا مانگو اور وہی دعائے جامع پڑھو۔

(۵۳) پھر ملتزم پر آکر غلافِ کعبہ تھام کر اسی طرح چمٹو، ذکر و درود اور دعا کی کثرت کرو۔

(۵۴) پھر حجر اسود کو بوسہ دو اور جو آنسو رکھتے ہو گراؤ۔

(۵۵) پھر اُلٹے پاؤں رُخ بہ کعبہ یا سیدھے چلنے میں بار بار پھر کر کعبہ کو حسرت سے دیکھتے، اس کی جُدائی پر روتے یا رونے کا منہ بناتے مسجد کریم کے دروازے سے بایاں پاؤں پہلے بڑھا کر نکلو اور دعائے مذکور پڑھو اور اس کے لیے بہتر باب الحزورہ ہے۔

(۵۶) حیض ونفاس والی دروازے پر کھڑے ہو کر کعبہ کو بہ نگاہِ حسرت دیکھے اور دعا کرتی پلٹے۔
(۵۷) پھر بقدرِ قدرت فقرائے مکۂ معظمہ پر تصدق کر کے متوجہ سرکارِ اعظم مدینہ طیبہ ہو، وباللہ التوفیق۔

فصلِ ششم جُرم اور اُن کے کفارے

ان کی تفصیل موجبِ تطویل اور رسالہ مختصر اور وقت قلیل، اور جو طریقے بتادئے ہیں ان پر عمل کرنا ان شاء اللہ تعالےٰ جُرمانے سے بچنے کا کفیل۔ لہٰذا یہاں صرف اجمالاً معدود مسائل کا بیان ہوتا ہے۔

تنبیہ: اس فصل میں جہاں دَم کہیں گے اس سے مراد ایک بھیڑ یا بکری ہوگی، اور بدنہ اونٹ یا گائے۔ یہ سب جانور انھیں شرائط کے ہوں جو قربانی میں ہوں۔ اور صدقہ سے مراد انگریزی روپے سے ایک سو پچھتر (۱۷۵) روپے آٹھ آنے بھر کہ سو روپے کے سیر سے پونے دو سیر ہوئے اٹھنی بھر اوپر گندم یا اس کے دُونے جَو یا کھجور یا ان کی قیمت۔

مسئلہ: جہاں دَم کا حکم ہے وُہ جرم اگر بیماری یا سخت گرمی یا شدید سردی یا زخم یا پھوڑے یا جُوؤں کے ایذاء کے باعث ہوگا تو اسے جرمِ غیر اختیاری کہتے ہیں اس میں اختیار ہوگا کہ دم کے بدلے چھ مسکینوں کو ایک ایک صدقہ دے دے یا تین روزے رکھ لے، اور اگر اس میں صدقہ کا حکم ہے اور بہ مجبوری کیا تو اختیار ہوگا کہ صدقہ کے بدلے ایک روزہ رکھ لے۔ اب احکام سُنئے:

(۱) سِلا کپڑا یا خوشبو کا رنگا چار پہر[۱] کامل یا لگاتار زیادہ دنوں پہنا تو دَم واجب ہے، اور چار پہر سے کم اگرچہ ایک لحظ[۲] تو صدقہ۔

(۲) اگر دن کو پہنا اور رات کو گرمی کے باعث اتار ڈالا، یا رات کو سردی کے سبب پہنا دن کو اتار دیا اور باز آنے کی نیت سے اتارا دوسرے دن پھر پہنا تو دُوسرا جرمانہ ہوگا، اسی طرح جتنی بار کرے۔

(۳) بیماری کے سبب پہنا تو جب تک وُہ بیماری رہے گی ایک جُرم ہے اور اگر بیماری یقیناً جاتی رہی دوسری بیماری شروع ہوگئی اور اس میں بھی پہننے کی ضرورت ہے جب بھی یہ دوسرا جرم ہوگا مگر غیر اختیاری۔

---

[۱] چار پہر سے مراد ایک دن یا رات کی مقدار ہے، مثلاً طلوع سے غروب یا غروب سے طلوع یا دوپہر سے آدھی رات یا آدھی رات سے دوپہر تک ۱۲ منہ (م)
[۲] یعنی لمحہ بھر پہنا اور پھر اتار ڈالا جب بھی صدقہ ہے ۱۲ منہ (م)

(۴) بیماری وغیرہ سے اگر سر[1] سے پاؤں تک سب کپڑے پہننے کی ضرورت ہوئی تو ایک ہی جرم غیر اختیاری ہے اور اگر مثلاً ضرورت صرف عمامہ کی تھی اور اس نے کرتا بھی پہنا تو دو جرم ہیں عمامہ کا غیر اختیاری اور کرتا[2] کا اختیاری۔

(۵) مرد سارا سر یا چہارم یا مرد خواہ عورت منہ کی ٹکلی ساری یا چہارم چار پہر یا زیادہ لگاتار چھپائیں تو دَم ہے اور چہارم سے کم چار پہر تک یا زیادہ لگاتار چھپائیں تو دَم ہے اور چہارم سے کم چار پہر تک یا چار سے کم اگرچہ سارا سر یا مُنہ تو صدقہ ہے اور چہارم سے کم کو چار پہر سے کم تک چھپائیں تو گناہ ہے کفارہ نہیں۔

(۶) خوشبو اگر بہت سی لگائی جسے دیکھ کر بہت لوگ بتائیں اگرچہ عضو کے تھوڑے ٹکڑے پر یا کوئی بڑا عضو جیسے سر یا منہ یا ران یا پنڈلی پورا سان دیا اگرچہ تھوڑی ہی خوشبو سے، جب تو اس پر دم ہے، اور اگر تھوڑی سی خوشبو تھوڑے حصے میں لگائی تو صدقہ ہے۔

مسئلہ: سنگِ اسود شریف پر خوشبو ملی جاتی ہے وہ اگر بوسہ لینے میں بحالتِ احرام منہ کو بہت سی لگ گئی تو دم دینا ہوگا اور تھوڑی سے صدقہ۔

(۷) سر پر پتلی مہندی کا خضاب کیا کہ بال نہ چھپائے تو ایک دم ہے اور اگر گاڑھی تھوپی اور چار پہر گزرے تو مرد پر دو[3] دم ہیں اور چار پہر سے کم تو ایک[4] صدقہ اور ایک دم، اور عورت پر[5] بہرحال ایک دم۔

(۸) ایک جلسہ میں کتنے ہی بدن پر خوشبو لگائے ایک جرم اور مختلف جلسوں میں ہر بار نیا جرم۔

(۹) تھوڑی سی خوشبو بدن کے متفرق حصوں[6] پر لگائی اگر جمع کرنے سے ایک بڑے عضو کامل کی مقدار ہو جائے تو دم ہے ورنہ صدقہ۔

(۱۰) خوشبو دار سُرمہ تین بار یا زیادہ بار لگایا تو دم ہے ورنہ صدقہ۔

---

[1] یونہی پوری ہتھیلی یا تلوے پر مہندی لگائے تو دم ہے، عورت ہو یا مرد، اور چاروں میں ایک ہی جلسہ میں لگائی تو ایک ہی دم، ورنہ ہر جلسہ پر ایک دم، اور ہاتھ یا پاؤں کے کسی حصہ پر لگائی تو صدقہ ۱۲ منہ (م)

[2] ایک سارے عضو پر خوشبو کا دوسرا چار پہر سر چھپانے کا ۱۲ منہ (م)

[3] خوشبو پر دم اور چار پہر سے کم سر چھپانے پر صدقہ ۱۲ منہ (م)

[4] صرف خوشبو کا دم ہے اس لئے کہ سر چھپانا تو اسے روا ہے ۱۲ منہ (م)

[5] قیدت بہ لان الطیب الکثیر لا یتقید بکمال العضو فتنبہ ۱۲ منہ (م) — یہ قید اس لیے لگائی ہے کہ کثیر خوشبو کی صورت میں کمالِ عضو کے ساتھ مقید نہیں کیا جاتا پس متوجہ رہو ۱۲ منہ (ت)

(۱۱) اگر خالص خوشبو کی چیز اتنی کھائی کہ اکثر منہ[عہ۱] میں لگ گئی تو دم ہے ورنہ صدقہ۔

(۱۲) کھانے میں خوشبو اگر پکنے میں پڑی یا فنا ہوگئی جب تو کچھ نہیں ورنہ اگر خوشبو کے اجزاء زیادہ ہوں تو وہ خالص خوشبو کے حکم میں ہے، اور اگر کھانے کا حصہ زیادہ ہے تو عام کتابوں میں مطلق حکم دیا کہ اس میں کفارہ کچھ نہیں، ہاں خوشبو آتی تو کراہت ہے۔

(۱۳) پینے کی چیز میں خوشبو ملائی اگر خوشبو کا حصہ غالب ہے یا تین بار یا زیادہ پیا تو دم ہے ورنہ صدقہ۔

مسئلہ: خمیرہ تمباکو نہ پینا بہتر مگر منع یا کفارہ نہیں[عہ۲]۔

(۱۴) اگر چہارم سر یا داڑھی کے بال یا زیادہ کسی طرح دُور کئے تو دم ہے اور کم میں صدقہ۔

(۱۵) اگر چندلا ہے یا داڑھی بہت ہلکی چھدری تو یہ دیکھیں گے کہ اتنے بال اس جگہ کی چہارم مقدار تک پہنچتے ہیں یا نہیں؟

(۱۶) یونہی چند جگہ سے دُور کئے تو ملا کر چہارم کی مقدار دیکھیں گے۔

(۱۷) اگر سارے بدن کے بال ایک جلسہ میں دُور کیے تو ایک ہی جرم ہے اور مختلف جلسے تو ہر بار نیا جرم۔

(۱۸) مونچھیں اگرچہ پوری ہوں صرف صدقہ ہے۔

(۱۹) گردن یا ایک بغل پوری ہو تو دم ہے اور کم میں اگرچہ نصف یا زائد ہو صدقہ۔ یونہی موئے زیرِ ناف چہارم کو سب کے برابر ٹھہرانا صرف سر اور داڑھی میں ہے۔

(۲۰) دونوں بغلیں پوری منڈائے جب بھی ایک ہی دم ہے۔

(۲۱) سر اور داڑھی اور زیرِ ناف اور بغل کے سوا باقی اعضاء کے مُنڈانے میں صرف صدقہ ہے۔

عہ۱ اقول لم یقل فقیہ الدم کما قال کثیرون لانہ لم یلتزق باکثر فمہٖ لا یلزم الدم بالخالص فکیف بالمخلوط ووقع ھٰھنا فی شرح اللباب فی النقل عن الحلبی تحریف او سقط فاجتنبہ کما بیناہ علٰی ھامشہ ۱۲ منہ (م)

میں کہتا ہوں یہ نہیں کہا اس میں دم ہے جیسا کہ کثیر حضرات نے کہا کیونکہ حجرِ اسود سے اکثر چہرہ کا حصہ مس نہیں کرتا تو جب خالص خوشبو کی وجہ سے دَم لازم نہیں تو مخلوط کے ساتھ کیسے ہوگا، یہاں شرح لباب میں حلبی سے نقل کرتے ہُوئے تحریف ہوگئی ہے یا الفاظ ساقط ہوگئے ہیں جیسا کہ ہم نے وہاں حاشیہ میں بیان کردیا ہے ۱۲ منہ (ت)

عہ۲ کما حققناہ فیما علقنا علی رد المحتار ۱۲ منہ (م)

جیسا کہ ہم نے اس کی تفصیل حاشیہ ردالمحتار میں دی ہے۔ (ت)

(۲۲) مُونڈنا، کترنا، موچنہ سے لینا، نورہ لگانا سب کا ایک حکم ہے۔

(۲۳) عورت اگر سارے یا چہارم سر کے بال ایک پورہ برابر کترے تو دم ہے اور کم میں صدقہ۔

(۲۴) وضو کرنے یا کھجانے یا کنگھی کرنے میں جو بال گرے اس پر بھی پورا صدقہ ہے، اور بعض نے کہا دو تین بال تک ہر بال کے لیے ایک مٹھی اناج یا ایک روٹی کا ٹکڑا یا ایک چھوہارا۔

(۲۵) بال آپ گر جائے بے اس کا ہاتھ لگائے یا بیماری سے تمام بال گر پڑیں تو کچھ نہیں۔

(۲۶) ایک ہاتھ ایک پاؤں کے پانچوں ناخن کترے یا بیسوں ایک ساتھ تو ایک دم ہے، اور اگر کسی ہاتھ پاؤں کے پورے پانچ نہ کترے تو ہر ناخن پر ایک صدقہ، یہاں تک کہ چاروں ہاتھ پاؤں کے چار چار کترے تو سولہ صدقے دے مگر یہ کہ صدقوں کی قیمت ایک دم کے برابر ہو جائے تو کچھ کم کر لے۔

(۲۷) اگر ایک جلسہ میں ایک ہاتھ یا پاؤں کے کترے، دوسرے میں دوسرے کے، تو دو دم دے۔ یونہی چار جلسوں میں چاروں کے تو چار دم۔

(۲۸) کوئی ناخن ٹوٹ گیا کہ اب اُگنے کے قابل نہ رہا اس کا بقیہ اس نے کاٹ لیا تو کچھ نہیں۔

(۲۹) شہوت کے ساتھ بوس و کنار و مساس میں دم[۲] ہے اگرچہ انزال نہ ہو اور بلا شہوت میں کچھ نہیں۔

(۳۰) اندامِ نہانی پر نگاہ کرنے سے کچھ نہیں اگرچہ انزال ہو جائے، مکروہ ضرور ہے۔

(۳۱) جلق سے انزال ہو جائے تو دم ورنہ مکروہ ہے۔

(۳۲) طواف فرض کل یا اکثر جنابت میں یا حیض و نفاس میں کیا تو بدنہ ہے، اور بے وضو تو دم ہے اور پہلی صورت میں طہارت کے ساتھ اس کا اعادہ واجب، دوسری میں مستحب۔

(۳۳) نصف سے کم پھیرے بے طہارت کے کئے تو ہر پھیرے کے لیے ایک صدقہ۔

(۳۴) طواف فرض کل یا اکثر بلا عذر اپنے پاؤں چل کر نہ کیا بلکہ سواری یا گود میں یا بیٹھے بیٹھے۔

(۳۵) یا بے سترِ عورت کیا مثلاً عورت کی چہارم کلائی یا چہارم سر کے بال کھلے تھے۔

(۳۶) یا کعبہ کو دہنے ہاتھ پر لے کے الٹا کیا۔

(۳۷) یا اس میں حطیم کے اندر ہو کر گزرا۔

(۳۸) یا بارھویں کے بعد کیا تو ان پانچوں صورتوں میں دم دے۔

---

[۱] یہاں بھی جلسہ کا اعتبار چاہیے ایک جلسہ میں ایک یا کل ٹوٹیں تو ایک صدقہ اور متعدد جلسوں میں تو متعدد ۱۲ منہ (م)

[۲] مسئلہ: مرد کے ان افعال سے عورت کو لذت آئے تو بھی دم ہے ۱۲ منہ (م)

(۳۹) اس کے چار سے کم پھیرے بالکل نہ کیے تو دَم دے اور بارھویں کے بعد کیے تو ہر پھیرے پر صدقہ دے۔

(۴۰) طواف فرض کے سوا اور کوئی طواف ناپاکی میں کیا تو دَم، اور بے وضو تو صدقہ۔

(۴۱) فرض وغیرہ کوئی طواف ہو جیسے ناقص طور پر کیا کہ کفارہ لازم ہُوا، جب کامل اعادہ کر لیا کفارہ اُتر گیا مگر بارھویں کے بعد ہونے سے جو نقصان طواف فرض کے سوا کسی پھیرے میں آیا اس کا اعادہ نا ممکن، بارھویں تو گزر گئی۔

(۴۲) نجس کپڑوں سے طواف مکروہ ہے کفارہ نہیں۔

(۴۳) سعی کے چار پھیرے یا زیادہ بلا عذر اصلاً نہ کئے، یا سواری پر کیے تو دَم دے اور حج ہو گیا اور چار سے کم میں ہر پھیرے پر صدقہ دے۔

(۴۴) طواف سے پہلے سعی کر لی پھر کرے، نہ کرے گا تو دم لازم۔

(۴۵) دسویں کی صبح بلا عذر مزدلفہ میں وقوف نہ کیا تو دم دے۔ ہاں کمزور یا عورت بخوفِ زحمت ترک کرے تو جرمانہ نہیں۔

(۴۶) حلق حرم میں نہ کیا حدودِ حرم سے باہر کیا یا بارھویں کے بعد کیا تو دَم ہے۔

(۴۷) رَمی سے پہلے حلق کر لیا دم دے۔

(۴۸) قارِن یا متمتع رمی سے پہلے قربانی یا قربانی سے پہلے حلق کریں تو دَم دیں۔

(۴۹) اگر رمی کسی دن اصلاً نہ کی۔

(۵۰) یا کسی ایک دن کی بالکل یا اکثر ترک کر دی مثلاً دسویں کو تین کنکریوں تک ماریں یا گیارھویں کو دس کنکریوں تک۔

(۵۱) یا کسی ایک دن کی بالکل یا اکثر اس کے بعد دوسرے دن کی، تو ان صورتوں میں دم دے، اور اگر کسی دن کی رمی اس کے بعد آنے والی رات میں کر لی تو کفارہ نہیں۔

(۵۲) اگر کسی دن کے نصف سے کم رَمی مثلاً دسویں کی تین کنکریاں اور دن کی دس بالکل چھوڑ دیں یا دُوسرے دن کیں تو ہر کنکری پر ایک صدقہ دے، ان صدقوں کی قیمت دَم کے برابر ہو جائے تو کچھ کم کر لے۔

(۵۳) احرام والے نے کسی دوسرے کے بال مونڈے یا ناخن کترے اگر وُہ بھی احرام میں ہے تو یہ صدقہ دے اور وہ صدقہ یا دم اسی تفصیل پر کہ اوپر گزری، اور اگر وہ احرام میں نہیں تو کچھ خیرات کر دے اگرچہ ایک مٹھی، اور وُہ کچھ نہیں۔

(۵۴) اور اگر اس کو سِلے کپڑے پہنائے یا خوشبُو اس طرح لگائی کہ اپنے نہ لگی تو اس پر کفارہ نہیں، ہاں گناہ ہوگا، اگر وہ بھی احرام میں تھا، اور وہ حسبِ تفصیلِ مذکور دَم یا صدقہ دے گا۔

(۵۵) وقوفِ عرفہ سے پہلے جماع کیا تو حج نہ ہُوا اسے حج ہی کی طرح پُورا کرکے دَم دے اور پھر فوراً ہی سالِ آئندہ اس کی قضا کرلے، عورت بھی احرامِ حج میں تھی تو اس پر بھی یہی لازم ہے اور مناسب ہے کہ حج کے احرام سے ختم تک دونوں اس طرح جُدا رہیں کہ ایک دُوسرے کو نہ دیکھے۔ اگر خوف ہو کہ پھر اس بلا میں پڑجائیں گے اور وقوف کے بعد صحبت کرنے سے حج تو نہ جائے گا مگر اگر حلق و طواف سے پہلے کیا تو بَدَنہ دے اور دونوں کے بیچ میں کیا تو دم، اور بہتر اب بھی بدنہ ہے، اور دونوں کے بعد کچھ نہیں۔

(۵۶) عمرہ میں طواف کے چار پھیروں سے پہلے جماع کیا تو عمرہ جاتا رہا دم دے اور عمرہ پھر کرے اور چار کے بعد تو دم دے عمرہ صحیح ہے۔

(۵۷) اپنی جُوں اپنے بدن یا کپڑوں میں ماری یا پھینک دی تو ایک میں روٹی کا ٹکڑا دے، اور دو ہوں تو مٹھی بھر اناج، اور زیادہ میں صدقہ دے۔

(۵۸) جُوئیں مارنے کو سر یا کپڑا دھویا یا دُھوپ میں ڈالا جب بھی یہی کفارے جو خود قتل میں تھے۔

(۵۹) یُونہی دُوسرے نے اس کے کہنے یا اشارہ کرنے سے اس کی جُوں کو مارا جب بھی اس پر کفارہ ہے اگرچہ وُہ دُوسرا احرام میں نہ ہو۔

(۶۰) زمین وغیرہ پر گری ہُوئی جُوں یا دُوسرے کے بدن یا کپڑوں کی مارنے میں اس پر کچھ نہیں اگرچہ وُہ دوسرا بھی احرام میں ہو۔

مسئلہ: جہاں ایک دَم یا صدقہ ہے قارن پر دو ہیں۔

مسئلہ: کفارہ کی قربانی یا قارن و متمتع کے شکرانہ کی غیرِ حرم میں نہیں ہوسکتی مگر شکرانہ کی قربانی سے آپ کھائے غنی کو کھلائے، اور کفارہ کی صرف محتاجوں کا حق ہے۔

نصیحت: کفارے اس لیے ہیں کہ بھول چُوک سے یا سوتے میں یا مجبوری سے جُرم ہوں تو کفارہ سے پاک ہوجائیں، نہ اس لیے کہ جان بُوجھ کر بلا عذر جُرم کرو اور کہو کہ کفارہ دے دیں گے، دینا تو جب بھی آئیگا، مگر قصداً حکمِ الٰہی کی مخالفت سخت ہے، والعیاذ باللہ تعالٰی، حق سُبحانہٗ توفیقِ طاعت عطا فرماکر مدینہ کی زیارت کرائے، آمین!

ع‍ ذکرتہ خروجًا عن خلاف قوی ۱۲ منہ (م)
میں نے اس کو اس لیے ذکر کیا ہے تاکہ قوی اختلاف سے خروج ہوجائے۔ (ت)

وصل ہفتم حاضریٔ سرکارِ اعظم مدینہ طیبہ حضور حبیب اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

(۱) زیارتِ اقدس قریب بواجب ہے بہت لوگ دوست بن کر طرح طرح ڈراتے ہیں۔ راہ میں خطرہ ہے، وہاں بیماری ہے۔ خبردار! کسی کی نہ سُنو، اور ہرگز محرومی کا داغ لے کر نہ پلٹو۔ جان ایک دن جانی ضرور ہے، اس سے کیا بہتر کہ اُن کی راہ میں جائے، اور تجربہ ہے کہ جو اُن کا دامن تھام لیتا ہے اسے اپنے سایہ میں بآرام لے جاتے ہیں، کیل کا کھٹکا نہیں ہوتا، والحمد للہ۔

(۲) حاضری میں خاص زیارتِ اقدس کی نیت کرو یہاں تک کہ امام ابن الہمام فرماتے ہیں اس بار مسجد شریف کی بھی نیت نہ کرے۔

(۳) راستہ بھر درود و ذکر شریف میں ڈوب جاؤ۔

(۴) جب حرمِ مدینہ نظر آئے بہتر یہ کہ پیادہ ہو لو۔ روتے، سر جھکاتے، آنکھیں نیچی کیے، اور ہو سکے تو ننگے پاؤں چلو بلکہ ؎

جائے سرست اینکہ تو پا می نہی | پائے نہ بینی کہ کجا می نہی
حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا | ارے سر کا موقعہ ہے او جانے والے

(۵) جب قبۂ انور پر نگاہ پڑے درود و سلام کی کثرت کرو۔

(۶) جب شہرِ اقدس تک پہنچو جلال و جمالِ محبوب صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے تصور میں غرق ہو جاؤ۔

(۷) حاضریٔ مسجد سے پہلے تمام ضروریات جن کا لگاؤ دل بٹنے کا باعث ہو نہایت جلد فارغ ہو ان کے سوا کسی بیکار بات میں مشغول نہ ہو، معاً وضو اور مسواک کرو اور غسل بہتر، سفید و پاکیزہ کپڑے پہنو اور نئے بہتر۔ سُرمہ اور خوشبو لگاؤ اور مُشک افضل ہے۔

(۸) اب فوراً آستانۂ اقدس کی طرف نہایت خشوع و خضوع سے متوجہ ہو، رونا نہ آئے تو رونے کا منہ بناؤ، اور دل کو بزور رونے پر لاؤ اور اپنی سنگدلی سے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی طرف التجا کرو۔

(۹) جب درِ مسجد پر حاضر ہو صلوٰۃ و سلام عرض کر کے تھوڑا ٹھہرو جیسے سرکار سے حاضری کی اجازت مانگتے ہو۔ بسم اللہ کہہ کر سیدھا پاؤں پہلے رکھ کر ہمہ تن ادب ہو کر داخل ہو۔

(۱۰) اس وقت جو ادب و تعظیم فرض ہے ہر مسلمان کا دل جانتا ہے آنکھوں، کان، زبان، ہاتھ، پاؤں، دل سب خیالِ غیر سے پاک کرو، مسجد اقدس کے نقش و نگار نہ دیکھو۔

(۱۱) اگر کوئی ایسا سامنے آجائے جس سے سلام کلام ضرور ہو تو جہاں تک بنے کترا جاؤ، ورنہ ضرورت سے زیادہ نہ بڑھو۔ پھر بھی دل سرکار ہی کی طرف ہو۔

(۱۲) ہرگز ہرگز مسجد اقدس میں کوئی حرف چلّا کر نہ نکلے۔

(۱۳) یقین جانو کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سچی حقیقی دنیاوی جسمانی حیات سے ویسے ہی زندہ ہیں جیسے وفات شریف سے پہلے تھے۔ ان کی اور تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی موت صرف وعدۂ خدا کی تصدیق کو ایک آن کے لئے تھی، ان کا انتقال صرف نظر عوام سے چھُپ جانا ہے۔

امام محمد ابن الحاج مکی مدخل اور امام احمد قسطلانی مواہب لدنیہ میں اور ائمۂ دین رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین فرماتے ہیں:

لَا فَرْقَ بَیْنَ مَوْتِہٖ وَحَیَاتِہٖ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ مُشَاھَدَتِہٖ لِاُمَّتِہٖ وَمَعْرِفَتِہٖ بِاَحْوَالِھِمْ وَنِیَّاتِھِمْ وَعَزَائِمِھِمْ وَخَوَاطِرِھِمْ وَذَالِکَ عِنْدَہٗ جَلِیٌّ لَاخِفَاءَ بِہٖ[1]

حضور اقدس صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی حیات وفات میں اس بات میں کچھ فرق نہیں کہ وُہ اپنی اُمت کو دیکھ رہے ہیں اور ان کی حالتوں اور ان کی نیتوں، ان کے ارادوں، ان کے دلوں کے خیالوں کو پہچانتے ہیں، اور یہ سب حضور پر ایسا روشن ہے جس میں اصلاً پوشیدگی نہیں۔

امام رحمہ اللہ تلمیذ امام محقق ابن الہمام منسک متوسط اور علی قاری مکی اس کی شرح مسلک متقسط میں فرماتے ہیں:

اَنَّہٗ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَالِمٌ بِحُضُوْرِکَ وَقِیَامِکَ وَسَلَامِکَ ای بَلْ بِجَمِیْعِ اَفْعَالِکَ وَاَحْوَالِکَ وَارْتِحَالِکَ وَمَقَامِکَ۔[2]

بیشک رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تیری حاضری اور تیرے کھڑے ہونے اور تیرے سلام بلکہ تیرے تمام افعال واحوال وکوچ ومقام سے آگاہ ہیں۔

(۱۴) اب اگر جماعت قائم ہو شریک ہوجاؤ کہ اس میں تحیۃ المسجد بھی ادا ہوجائیگی ورنہ اگر غلبہ شوق

---

[1] المدخل لابن الحاج | فصل فی زیارۃ القبور | دار الکتاب العربی بیروت | ۱/۲۵۲
شرح مواہب زرقانی | المقصد العاشر | مطبعۂ عامرہ مصر | ۸/۳۴۸

[2] مسلک متقسط مع ارشاد الساری | باب زیارۃ سید المرسلین | دار الکتاب العربی بیروت | ص ۳۳۸

مہلت دے اور اس وقت کراہت نہ ہو تو دو رکعت تحیۃ المسجد و شکرانہ حاضری دربارِ اقدس صرف قُل یا اور قُل سے بہت ہلکی مگر رعایتِ سنت کے ساتھ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کی جگہ جہاں اب وسط مسجد کریم میں محراب بنی ہے اور وہاں نہ ملے تو جہاں تک ہو سکے اس کے نزدیک ادا کرو، پھر سجدۂ شکر میں گرو اور دُعا کرو کہ الٰہی! اپنے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ادب اور اُن کا اور اپنا قبول نصیب کر۔ آمین!

(۱۵) اب کمال ادب میں ڈوبے ہوئے گردن جھکائے آنکھیں نیچی کیے، لرزتے، کانپتے، گناہوں کی ندامت سے پسینہ پسینہ ہوتے حضور پُرنور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عفو وکرم کی اُمید رکھتے حضورِ والا کی پائین یعنی مشرق کی طرف سے مواجہہ عالیہ میں حاضر ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مزارِ انور میں رُو بقبلہ جلوہ فرما ہیں اس سمت سے حاضر ہو کہ حضور کی نگاہِ بیکس پناہ تمہاری طرف ہوگی اور یہ بات تمہارے لئے دونوں جہان میں کافی ہے۔ والحمدللہ۔

(۱۶) اب کمال ادب وہیبت و خوف و امید کے ساتھ زیرِ قندیل اس چاندی کی کیل کے جو حجرۂ مطہرہ کی جنوبی دیوار میں چہرۂ انور کے مقابل لگی ہے کم از کم چار ہاتھ کے فاصلہ سے قبلہ کو پیٹھ اور مزارِ انور کو منہ کرکے نماز کی طرح ہاتھ باندھے کھڑے ہو۔ لباب و شرح لباب و اختیار شرح مختار و فتاوائے عالمگیری وغیرہا معتمد کتابوں میں اس ادب کی تصریح فرمائی کہ یقف کما فی الصلوٰۃ[1] حضور کے سامنے ایسا کھڑا ہو جیسا نماز میں کھڑا ہوتا ہے، یہ عبارت عالمگیری و اختیار کی ہے۔ اور لباب میں فرمایا: وَاضِعًا یَمِیْنَہٗ عَلٰی شِمَالِہٖ[2] دست بستہ دہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر کھڑا ہو۔

(۱۷) خبردار جالی شریف کو بوسہ دینے یا ہاتھ لگانے سے بچو کہ خلافِ ادب ہے بلکہ چار ہاتھ فاصلہ سے زیادہ قریب نہ جاؤ، یہ ان کی رحمت کیا کم ہے کہ تم کو اپنے حضور بلایا اپنے مواجہ اقدس میں جگہ بخشی، ان کی نگاہِ کریم اگرچہ ہر جگہ تمہاری طرف تھی اب خصوصیت اور اس درجہ قرب کے ساتھ ہے والحمدللہ۔

(۱۸) الحمدللہ اب کہ دل کی طرح تمہارا منہ بھی اس پاک جالی کی طرف ہے جو اللہ عزوجل کے محبوب عظیم الشان صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی آرام گاہ ہے نہایت ادب و وقار کے ساتھ باآواز حزیں و صورت درد آگیں، و دل شرمناک و جگر چاک چاک، معتدل آواز سے، نہ بلند و سخت (کہ ان کے حضور آواز

---

[1] فتاوٰی ہندیہ خاتمہ فی زیارۃ قبر النبی صلے اللہ علیہ وسلم نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۶۵

[2] شرح لباب مع ارشاد الساری باب فی زیارت سید المرسلین دارالکتاب العربی بیروت ص ۳۳۷

بلند کرنے سے عمل اکارت ہوجاتے ہیں) نہ نہایت نرم و پست (کہ سنّت کے خلاف ہے اگرچہ وُہ تمھارے دلوں کے خطروں تک سے آگاہ ہیں جیسا کہ ابھی تصریحاتِ ائمہ سے گزرا)
مجرا و تسلیم بجالاؤ اور عرض کرو :

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا خَیْرَ خَلْقِ اللّٰهِ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا شَفِیْعَ الْمُذْنِبِیْنَ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ وَعَلٰی اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ وَاُمَّتِكَ اَجْمَعِیْنَ [1]

(اے پیارے نبی! آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت و برکات ہوں۔ اے اللہ کے رسول! آپ پر سلام ہو۔ اے مخلوقِ خدا میں سب سے بہتر آپ پر سلام ہو۔ اے گنہ گاروں کی شفاعت فرمانے والے آپ پر سلام ہو۔ آپ پر، آپ کے آل واصحاب پر اور تمام امت پر سلام ہو۔ ت)

(۱۹) جہاں تک ممکن ہو اور زبان یاری دے اور ملال و کسل نہ ہو صلوٰۃ و سلام کی کثرت کرو۔ حضور سے اپنے لیے اور اپنے ماں باپ، پیر، استاذ، اولاد، عزیزوں، دوستوں اور سب مسلمانوں کے لیے شفاعت مانگو، بار بار عرض کرو : اَسْئَلُكَ الشَّفَاعَةَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ [2] (اے اللہ کے رسول! آپ سے شفاعت کا سوالی ہوں۔ ت)

(۲۰) پھر اگر کسی نے عرض سلام کی وصیت کی بجالاؤ۔ شرعاً اس کا حکم ہے۔ اور یہ فقیر ذلیل ان مسلمانوں کو جو اس رسالہ کو دیکھیں وصیت کرتا ہے کہ جب انھیں حاضری بارگاہ نصیب ہو فقیر کی زندگی میں یا بعد کم از کم تین بار مواجہہ اقدس میں ضرور یہ الفاظ عرض کرکے اس نالائق ننگِ خلائق پر احسان فرمائیں، اللہ ان کو دونوں جہاں میں جزا بخشے۔ آمین :

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَلٰی اٰلِكَ وَذُرِّیَّتِكَ فِیْ كُلِّ اٰنٍ وَّ لَحْظَةٍ عَدَدَ كُلِّ ذَرَّةٍ اَلْفَ اَلْفِ مَرَّةٍ مِّنْ عُبَیْدِكَ اَحْمَدَ رَضَا ابْنِ نَقِیْ عَلِیٍّ یَسْأَلُكَ الشَّفَاعَةَ فَاشْفَعْ لَهٗ وَلِلْمُسْلِمِیْنَ۔

(اے اللہ کے رسول آپ پر صلوٰۃ و سلام ہو، آپ کی آل و ذرّیت پر بھی ہر ذرہ کے برابر، لاکھوں مرتبہ آپ کے غلام احمد رضا ابن نقی علی پر، اور وُہ آپ سے شفاعت کا خواستگار ہے اس کی اور تمام مسلمانوں کی شفاعت فرمائیے۔ ت)

---

[1] شرح لباب مع ارشاد الساری باب فی زیارت سید المرسلین دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۳۸
[2] " " " " " " " " " ص ۳۳۹

(۲۱) پھر اپنے دہنے ہاتھ یعنی مشرق کی طرف ہاتھ بھر ہٹ کر حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چہرۂ نورانی کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کرو:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَلِيْفَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ - اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا صَاحِبَ رَسُوْلِ اللّٰهِ فِي الْغَارِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔[1]

(اے اللہ کے رسول کے خلیفہ! آپ پر سلام۔ اے رسول اللہ کے یارِ غار! آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت و برکات کا نزول ہو۔ ت)

(۲۲) پھر اتنا ہی اور ہٹ کر حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے روبرو کھڑے ہو کر عرض کرو:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ط اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُتَمِّمَ الْاَرْبَعِيْنَ ط اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا عِزَّ الْاِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔[2]

(اے امیر المومنین آپ پر سلام۔ اے چالیس مسلمان پورے فرمانے والے! آپ پر سلام۔ اے اسلام اور مسلمانوں کی عزت! آپ پر سلام اور رحمت و برکاتِ الٰہی کا نزول ہو۔ ت)

(۲۳) پھر بالشت بھر مغرب کی طرف پلٹو اور صدیق و فاروق کے درمیان کھڑے ہو کر عرض کرو:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمَا يَا خَلِيْفَتَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ط اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمَا يَا وَزِيْرَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ط اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمَا يَا ضَجِيْعَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ ط اَسْئَلُكُمَا الشَّفَاعَةَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلَيْكُمَا وَبَارَكَ وَسَلَّمَ ط[3]

(اے رسول اللہ کے دونوں خلیفو! تم پر سلام ہو۔ اے رسول اللہ کے دونوں وزیرو! تم پر سلام ہو۔ اے رسول اللہ کے پہلو میں لیٹنے والو! تم پر سلام اور اللہ کی رحمتوں و برکات کا نزول ہو، آپ دونوں سے درخواست ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وعلیکما و بارک وسلم کی خدمت اقدس میں میرے لیے شفاعت کا وسیلہ اور سہارا بنو۔ ت)

(۲۴) یہ سب حاضریاں محلِ اجابت ہیں، دعا میں کوشش کرو، دعائے جامع کرو، درود پر قناعت بہتر ہے۔

---

[1] شرح لباب مع ارشاد الساری باب زیارۃ سید المرسلین دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۳۹

[2] " " " " " "

[3] " " " " " ص ۳۴۰

(۲۵) پھر منبر اطہر کے قریب دعا مانگو۔

(۲۶) پھر روضۂ جنت میں (یعنی جو جگہ منبر و حجرۂ منورہ کے درمیان ہے اور اسے حدیث میں جنت کی کیاری فرمایا) آکر دو رکعت نفل غیر وقت مکروہ میں پڑھ کر دعا کرو۔

(۲۷) یونہی مسجد شریف کے ہر ستون کے پاس نماز پڑھو اور دعا مانگو کہ محلِ برکات ہیں خصوصاً بعض میں خاص خصوصیت۔

(۲۸) جب تک مدینہ طیبہ کی حاضری نصیب ہو ایک سانس بیکار نہ جائے ضروریات کے سوا اکثر وقت مسجد شریف میں باطہارت حاضر رہو۔ نماز و تلاوت درود میں وقت گزارو، دنیا کی بات کسی مسجد میں نہیں چاہئے نہ کہ یہاں۔

(۲۹) ہمیشہ ہر مسجد میں جاتے اعتکاف کی نیت کرلو۔ یہاں تمہاری یاد دہانی ہی کو دروازے سے بڑھتے ہی یہ کتبہ ملے گا، نَوَیْتُ سُنَّۃَ الْاِعْتِکَاف ط (میں سنّتِ اعتکاف کی نیت کرتا ہوں۔ ت)

(۳۰) مدینہ طیبہ میں روزہ نصیب ہو خصوصاً گرمی میں تو کیا کہنا کہ اس پر وعدۂ شفاعت ہے۔

(۳۱) یہاں ہر نیکی ایک کی پچاس ہزار لکھی جاتی ہے لہذا عبادت میں زیادہ کوشش کرو، کھانے پینے کی کمی ضرور کرو۔

(۳۲) قرآن مجید کا کم سے کم ایک ختم یہاں اور حطیم کعبہ معظمہ میں کرلو۔

(۳۳) روضۂ انور پر نظر بھی عبادت ہے جیسے کعبہ معظمہ یا قرآن مجید کا دیکھنا تو ادب کے ساتھ اس کی کثرت کرو اور درود و سلام عرض کرو۔

(۳۴) پنجگانہ یا کم از کم صبح و شام مواجہہ شریف میں عرضِ سلام کے لیے حاضر رہو۔

(۳۵) شہر میں یا شہر سے باہر جہاں کہیں گنبد مبارک پر نظر پڑے فوراً دست بستہ اُدھر منہ کرکے صلوٰۃ و سلام عرض کرو بغیر اس کے ہرگز نہ گزرو کہ خلافِ ادب ہے۔

(۳۶) ترکِ جماعت بلا عذر ہر جگہ گناہ ہے اور کئی بار ہو تو سخت حرام و گناہِ کبیرہ، اور یہاں تو گناہ کے علاوہ کیسی سخت محرومی ہے والعیاذ باللہ تعالٰی، صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: جسے میری مسجد میں چالیس نمازیں فوت نہ ہوں اس کے لیے دوزخ و نفاق سے آزادیاں لکھی جائیں۔[۲]

---

[۱] شرح لباب مع ارشاد الساری باب زیارۃ سید المرسلین دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۴۱

[۲] مسند احمد بن حنبل مروی از انس بن مالک دار الفکر بیروت ۳/ ۱۵۵

اَلنَّیِّرَۃُ الْوَضِیَّۃ شرح الْجَوْھَرَۃِ الْمَضِیَّۃ

۱۲ ۹۵

مع حاشیۃ

اَلطُّرَّۃُ الرَّضِیَّۃ علی النَّیِّرَۃِ الْوَضِیَّۃ

متن

از عالم اجل مولانا سید حسین بن صالح جمل اللیل فاطمی حسینی امام وخطیب شافعیہ مکہ مکرمہ رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۰۱ھ)

شرح وحاشیۃ

از اعلیحضرت امام اہلسنّت مولانا شاہ احمد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہ العزیز

حج ، عمرہ اور زیارت سراپا طہارت کے آداب ومسائل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

الحمد للہ الذی حمدہ من بحار القدس جوھرۃ مضیۃ والصلٰوۃ والسلام علٰی من الصلٰوۃ علیہ فی سماء النور نیّرۃ وضیۃ وعلٰی اٰلہ وصحبہ الذین السلام علیھم علٰی تلك

الصلوٰۃ طرۃ رضیۃ و اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ و اشھد ان محمداً عبدہٗ و رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعلیٰ اٰلہ وصحبہ الیٰ یوم القیٰمۃ اٰمین !

اما بعد

فقیر عبد المصطفٰے احمد رضا غفرلہ واصلح عملہ نے زمانۂ تالیف "النیرۃ الوضیۃ شرح الجوھرۃ المضیۃ" میں اس پر بعض منہیاتِ تقییداتِ لطیفہ پر مشتمل بغرض اظہار مرام یا اتمام کلام یا ازاحتِ اوہام لکھے تھے۔ اب دیگر حواشی مفیدہ توضیح مسائل یا تخریج احادیث یا زیادتِ فوائد کو متضمن اور اضافہ کیے، مقصود اس تعلیق مختصر مسمّٰی بہ الطرۃ الرضیۃ علی النیرۃ الوضیۃ سے صرف برادران دینی کے لیے کم از کم پانسو ورق کی کتاب درکار۔ اسأل اللہ ان ینفع بھما و بسائر تصانیفی المسلمین و یجعلھا جمیعا حجۃ لی لا علی یوم الدین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا و مولانا محمد و اٰلہ وصحبہ اجمعین۔ شرح میں کہ کمال اختصار منظور تھا خطبۂ متن کا ترجمہ بھی نہ لکھا مگر اس میں متن ناقص رہتا ہے، لہذا یہاں تحریر ہوتا ہے۔

قال المصنف رحمہ اللہ تعالیٰ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

م : حمداً لمن انزل فرض الحج ودلنا علی سوی النھج

ت : سب خوبیاں اسے جس نے حج کا فرض اتارا اور ہمیں سب راہوں میں سیدھی راہ بتائی۔

م : ثم صلوٰۃ اللہ والسلام علیٰ نبی دینہ الاسلام

ت : پھر خدا کے درود و سلام اس نبی پر جن کا دین اسلام ہے۔

م : محمد و اٰلہ الکرام وصحبہ الافاضل الاعلام

ت : یعنی محمد صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کی کرم والی آل اور بڑی فضیلت وشہرت والے یاروں پر۔

م : وبعد ذا یقول ذا الفقیر بجمال اللیل ھو الشھیر

ت : اس کے بعد کہتا ہے یہ فقیر کہ جمال اللیل کے لقب سے مشہور ہے۔

م : حسین نجل صالح اخی الھدیٰ للشافعیۃ امام مقتدیٰ

ت : حسین پسر صالح کہ صاحبِ رہنمائی تھے شافعیہ کے امام پیشوا۔

م : ھذی اتت ارجوزۃ للناسك تنفع فی معرفۃ المناسك

ت : یہ ایک رجز ہے حاجی کے لیے کہ نفع دے گی مسائل حج پہچاننے میں۔

ش : ناسك کے اصل معنی عابد و قربانی کنندہ، یہاں حاجی مراد ہے کہ حج عمدہ عبادات سے ہے اور وجوباً یا استحباباً قربانی پر مشتمل، اور رجز ایک قسم نظم یا نثر مسجع کی ہے علی اختلاف العروضیین فیہ۔

م : سمّیتہا الجوھرۃ المضیّۃ تضحٰی بھا نفس الفتی وضیّۃ

ت : میں نے اس کا جوہرہ مضیہ نام رکھا، مردانِ راہِ علم کی جان اس سے روشنی پائے گی۔

م : مؤمّلا من ربّی القبولا بہ انال الفوز والماٰمولا

ت : اپنے رب سے قبول کی تمنا کرتا ہُوا میں اسی سے پاؤں گا فلاح و مراد۔

م : من عندہ التوفیق للصواب ونحوہ المرجع فی الماٰب

ت : اسی کے پاس ہے راستی کے سامان درست فرمانا اور اسی کی طرف ہے انتہا میں پلٹ جانا۔

م : **مقدمۃ فی وجوب الخ**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی فرض الحجۃ، واوضح المحجّۃ[1]، والصلٰوۃ والسلام علٰی نبیّہ الذی اقام الحجۃ، فقوّم اقوامًا معوّجۃ[2] وعلٰی اٰلہ وصحبہ الذین اظہروا زقاق[3] الدین وفجّۃ[4]، حتی وقعت بالسمٰوٰت من لجّۃ[5] مدائحھم رجّۃ[6] واشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمدًا عبدہٗ ورسولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ما تلاطم الامواج فی لجّۃ[7]۔

بعد حمد و صلٰوۃ کے واضح ہو کہ جب توفیق و عنایتِ الٰہی و اعانت حضرت رسالت پناہی علیہ الصلٰوۃ والسلام الغیر المتناہی نے دستگیری فرمائی اور ۱۲۹۵ھ میں فقیر سراپا تقصیر عبد المصطفٰی احمد رضا حنفی قادری برکاتی بریلوی غفرلہ ماجنٰی کو بہمراہی رکاب، سعادت انتساب، حضرت افضل المحققین، اشمل المدققین، حامی السنۃ السنیۃ، ماحی الفتن الدنیۃ، خدمت والدم، قبلۂ اعظم حضرت مولانا مولوی محمد نقی علی خاں صاحب قادری برکاتی مدظلہم العالی مدی تعاقب الایام واللیالی، خلف حضرت قدوۃ العارفین، زبدۃ الفاضلین، حجۃ اللہ فی الارضین، معجزہ من معجزات سیّد المرسلین علیہ الصلٰوۃ والتسلیم حضرت مولانا محمد رضا علی خاں صاحب قادری قدس سرہ العلی، نعمت حاضری بلدہ معظمہ مکہ مکرمہ زادہا اللہ تعالٰی شرفًا وتکریمًا ہاتھ آئی، بحُسنِ اتفاق سے ایک روز جناب مولانا سیّدی حسین بن صالح جمل اللیل علوی فاطمی قادری مکی امام و خطیب شافعیہ سے مقامِ ابراہیم علیہ الصلٰوۃ والتسلیم کے

---

[1] راہِ راست ۱۲ [2] من الاعوجاج کج و ناراست ۱۲

[3] بالضم کوچہ و راہِ تنگ [4] بفتح راہ کشادہ و فراخ والمراد بھما ظواھر الدین ودقائقہ ۱۲

[5] شور و غوغا و آواز ۱۲ [6] لرزہ ۱۲

[7] میان دریا و قعرِ دریا و دریائے ژرف والمراد احد الطرفین ۱۲ منہ غفرلہ

قریب کہ فقیر رکعاتِ طواف اور وُہ جناب امامتِ نمازِ مغرب سے فارغ ہُوئے تھے ملازمت حاصل ہُوئی۔ سبحان اللہ! عجب بزرگ خوش اوقات و بابرکات ہیں، اکثر عرب و جاوہ و داغستان وغیرہا بلاد نزدیک و دُور کے ہزاروں آدمی ان کے بلکہ ان کے مریدوں کے مرید اور شرفِ بیعت و سلسلۂ تلمذ سے مستفیض ہیں، اوّل نمازمیں حد[1] سے زیادہ تلطف فرمایا، فقیر کا ہاتھ اپنے دستِ مبارک میں لیے دولت خانہ تک کہ نزدیک بابِ صفا واقع ہے لے گئے اور تاقیام مکۂ معظمہ حاضری کا تقاضا فرمایا، فقیر حسبِ وعدہ حاضر ہُوا، مسائلِ حج میں ایک اُرجوزہ اپنا مسمّٰی بالجوہرۃ المضیئۃ فقیر کو سُنایا، پھر فرمایا کہ اکثر اہل اس سے مستفیض نہیں ہوسکتے، ایک تو زبان عربی' دوسرے مذہب شافعی اور ہندی اکثر حنفی ہیں، مَیں چاہتا ہُوں تو اس کی بزبانِ اردو تشریح اور اس میں مذاہبِ حنفیہ کی توضیح کردے۔ فقیر نے باعثِ اجرِ جزیل اور ثوابِ جمیل سمجھ قبول کیا اگرچہ وہاں فرصت نہ تھی نہ کتابیں پاس۔ روزِ اوّل دو بیت کے متعلق صرف تفصیلِ مسائل میں تین ورق طویل سے زائد لکھے گئے۔ جب بطور انموذج حاضر کیے جناب مولانا نے فرمایا: میرا مقصود تطویل اور اس قدر تفصیل نہیں کہ عوام اس سے کم منتفع و متمتع ہوتے ہیں صرف ہمارے کلام کا ترجمہ[2] و خلاصۂ مطلب اور جہاں حنفیہ کا اختلاف ہو اُن کا بیانِ مذہب ہو جائے۔ فقیر نے امتثالِ امر لازم اور یہی امر فرصتِ حاصلہ کے ملائم دیکھ کر بتاریخ ہفتم ذی الحجہ روز جہاں افروز دوشنبہ یہ مختصر جملے لکھ دئے اور النیرۃ الوضیئۃ فی شرح الجوہرۃ المضیئۃ سے ملقب کئے اگرچہ بعض[3] ضروریات پر بھی مشتمل نہیں مگر حسبِ استدعائے مصنف ہے اور بیانِ مذہب حنفیہ میں اختیار راجح اور ترکِ[4] مرجوح کے ساتھ "مصنف" "نظم" سے مراد متن ہے اور "ت" "ترجمہ" "ش" "شرح"

---

[1] حالانکہ اس وقت کوئی تعارف نہ تھا وُہ تو فقیر کو کیا جانتے، فقیر نے بھی اس سے پہلے انھیں نہ دیکھا تھا پھر جو کچھ کلمات انھوں نے فرمائے فقیر دنیا و آخرت میں ان کی برکات کی امید رکھتا ہے ۱۲ منہ غفرلہ

[2] حسب الارشادِ مصنف بیان مذہب شافعیہ میں صرف ترجمہ و شرح متن پر قناعت کی تنقیح و ترجیح سے غرض نہ رکھی اگرچہ مکۂ معظمہ میں اس کا عمدہ سامان مہیا تھا، کتبِ شافعیہ بکثرت ملتیں مگر اس میں ایک تو دیر ہوتی دوسرے مقصود اصلی اس شرح سے ہندیوں کا نفع تھا اُن کے اہلِ سنّت عموماً حنفی، پھر مذہبِ شافعیہ کی تنقیح ہوئی نہ ہوئی ایک سی ۱۲ منہ

[3] سفر حرمین طیبین سے معاودت کے بعد حضرت والد علام قدس سرہٗ نے جواہر البیان شریف تصنیف فرمائی، فقیر نے اس کے بعض کلمات کا خلاصہ اس شرح کے آخر میں لکھ کر تکملہ کر دیا جس کے باعث بحمد اللہ اب یہ مختصر تحریر ضروریات پر مشتمل ہوگئی البتہ ایک جرمانہ کا بیان کہ دفتر چاہتا ہے اور محرم احتیاط رکھے تو اس کی حاجت بھی نہیں پڑتی متروک رہا ہے۔ کسی امر کی ضرورت ہو علماء سے دریافت کر سکتا ہے ۱۲ منہ

[4] مگر نادراً دو قول بھی بیان میں آئے جہاں دونوں جانب قوت قویہ تھی پھر بھی جسے اس وقت اقوٰی سمجھا بیان میں مقدم رکھا ۱۲ منہ۔

"ف" فائدہ[1] ۔ واللّٰہ نسأل التوفیق منہ الوصول الٰی سواء الطریق (اور اللہ تعالٰی سے ہی ہم توفیق کا سوال کرتے ہیں اور اسی کے کرم سے صراطِ مستقیم تک رسائی ہے۔ ت)

م : مقدّمۃ فی وُجوب حجّۃِ الاسلام

ت : حجِّ[2] اسلام کے واجب ہونے میں۔

ش : یعنی حج کب واجب ہوتا ہے اور اس کے وجوب کے لیے کیا کیا شرطیں درکار ہیں۔

م : شروطھا التکلیف والاسلام والعقل والحریۃ والتمام

ت : شرطیں اس کی مکلّف مسلمان عاقل ہونا اور پُوری آزادی۔

ش : یعنی شرائط وجوب حج کہ جب وُہ جمع ہوں حج فرض ہوجائے اور ان میں سے ایک بھی فوت ہو تو نہیں، پانچ ہیں:

اوّل بلوغ، کہ بچّے پر فرض نہیں، کرےگا[4] تو نفل ہوگا اور ثواب اسی کے لیے ہے۔ باپ وغیرہ مربّی تعلیم و تربیت کا اجر پائیں گے۔ پھر بعد بلوغ جب شرطیں جمع ہوں گی اس پر حج فرض ہوجائے گا، بچپن کا حج کفایت نہ کریگا۔

دوم اسلام کہ کافر پر ایمان لانے کے سوا کوئی عبادت فرض نہیں، نہ اُس کے ادا کیے ادا ہوسکیں، جب مسلمان ہوگا تو سب احکام اس کی طرف متوجہ ہونگے۔

سوم عقل، کہ مجنون و معتوہ پر فرض نہیں۔ معتوہ وہ جس کے ہوش وحواس درست نہ ہوں، بہکی بہکی باتیں کرے رائے میں فساد ہو، پھر اس[5] کے ساتھ مارے، گالیاں دے تو مجنون ہے۔

---

[1] "ف" وہاں آئی جہاں کوئی تازہ بات لکھی یا قولِ متن پر کچھ کلام کیا یا مذہب حنفیہ کا خلاف بتایا ۱۲ منہ

[2] حجِ اسلام حج فرض کو کہتے ہیں یعنی پہلا حج کہ مکلف ادا کرے ۱۲ منہ

[3] قید عقل خود مفاد عبارت ہے ظاہر ہے کہ اُس کا حج کرنا جبھی کہیں گے کہ اتنی سمجھ رکھتا ہو اور بے سمجھ بچے کی عبادات کچھ معتبر نہیں، نہ وُہ فرض ہو نہ وہ نفل واللہ تعالٰے اعلم ۱۲ منہ

[4] یعنی یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ بچوں کی عبادت کا ثواب ماں باپ پاتے ہیں انھیں نہیں ہوتا، غلط ہے، بلکہ عبادت کا ثواب انھیں اور تعلیم و تربیت کا اُنھیں ۱۲ منہ۔

[5] ھذا احسن ماقیل فی الفرق بینھما شامی عن البحر ۱۲ منہ (م)

دونوں میں فرق کی بابت اقوال میں سے یہ احسن ہے، یہ شامی نے بحر سے نقل کیا ہے (ت)

چہارم[4] پوری آزادی، کہ مکاتب و مدبر و ام ولد[1] پر فرض نہیں جب تک کامل آزاد نہ ہوں، ہاں کرلیں گے تو نفل ہوگا۔ پھر بعد آزادی کامل اجتماع شرائط ہوا تو حج فرض ادا کرنا پڑے گا۔

ف: مولیٰ نے اپنے غلام سے کہا میں نے تجھے مال پر مکاتب کیا یا اتنا مال مقرر کیا کہ مال لادے تو آزاد ہو، اور غلام نے قبول کرلیا، اسے عقد کتابت کہتے ہیں اور اس غلام کو مکاتب۔ اور جو کہا تو میرے بعد آزاد ہے تو یہ مدبر ہوا، اور جو کنیز اپنے مولیٰ کے نطفے[2] سے بچہ[3] جنے وہ ام ولد ہے۔ ان سب کی غلامی میں ایک طرح کا فرق آجاتا ہے پر حج فرض ہونے کو پوری حریت درکار ہے۔

ف: مکلف عاقل بالغ کو کہتے ہیں تو بعد ذکر تکلیف ذکر عقل کی حاجت نہ تھی پر جناب مصنف نے فرمایا میری مراد تکلیف سے صرف بلوغ ہے۔

ف: کافروں پر ایمان کے سوا اور عبادتیں فرض ہونے میں علماء کو اختلاف ہے۔ شافعیہ کے نزدیک فرض ہیں اور یہی مذہب علمائے عراقیین[4] کا ہے اور یہی معتمد[5] و راجح تر ہے۔ فقیر کہتا ہے اس تقدیر پر اسلام کو

ع[1] یونہی معتق البعض ۱۲ منہ

ع[2] اشارۃ الی انہ لایشترط تحبلھا بجماع المولیٰ حتی لو استدخلت منیہ فی فرجھا فحبلت وولدت صارت ام ولد[1] کما فی الدر ۱۲ منہ (م)

ام ولد بننے کے لیے مالک کے جماع سے حاملہ بننا شرط نہیں بلکہ کسی طرح مالک کی منی کو اپنی شرمگاہ میں ڈالنے سے حاملہ ہوجائے تو بھی ام ولد بن جائیگی جیسا کہ دُر میں ہے ۱۲ منہ

ع[3] عنداللہ اسی قدر سے ام ولد ہوجاتی ہے کما فی الدر، ہاں قضاءً پہلی بار مولیٰ کا اقرار بھی شرط ہے یعنی وہ کہے کہ یہ بچہ میرا ہے، جس کنیز کے لیے ایک دفعہ اقرار کرلیا دوسرے بچے میں قضاءً بھی یہ اقرار شرط نہ رہا البتہ نفی سے منتفی ہوجائے گا اگر زمانہ دراز تک ساکت نہ رہا ہو کہ فراش متوسط ہے قوی نہیں ۱۲ منہ

ع[4] مشائخ سمرقند اصلاً فرض نہیں مانتے، ائمہ بخارا فرماتے ہیں اُن پر فرائض کا اعتقاد فرض ہے ادا فرض نہیں، منار میں اسی کو صحیح کہا۔ ثمرۂ اختلاف یہ ہے کہ سمرقندیوں کے نزدیک کافروں پر صرف ترکِ ایمان کے سبب عذاب ہوگا، بخاریوں کے نزدیک فرائض کے نہ ماننے پر بھی عراقیوں کے نزدیک اُن کے بجانہ لانے پر بھی ۱۲ منہ غفرلہ

ع[5] علامہ ابن نجیم و محقق علائی نے فرمایا:

(باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] درمختار باب الاستیلاد مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۸۷

شرطِ وجوب[1] ٹھہرانے میں تامل ہے بلکہ شرطِ صحت[2] ادا ہے، مگر یہ کہا جائے کہ وجوب سے مراد وہ وجوب ہے جس کے باعث دنیا میں مواخذہ ہوسکے کہ کفار پر ترکِ فرائض میں احتساب نہیں نترکھم ومایدینون فافھم (ان کے دین کے معاملہ میں ان سے تعرض نہ کریں گے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

م: ثم استطاعۃ السبیل شرطھا فلیك بالحفظ لھدی ضبطہا

ت: پھر راہ پر قدرت شرطِ حج ہے۔ پس چاہئے کہ انھیں حفظ کرکے خوب خیال میں رکھا جائے۔

ش: یعنی شرطِ ششم استطاعت ہے کہ علاوہ مصارفِ ضروری کے اس قدر مال کا مالک ہو جو مکہ تک اپنی خواہ کرایہ کی سواری میں کھانے پہننے کا متوسط صرف کرتا جائے اور حج کرکے اسی طرح لوٹ آئے اور ضروری مصارف

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

وھو المعتمد لان ظاھر النصوص یشھد لھم وخلافہ تاویل[1] (م)

یہی معتمد علیہ ہے کیونکہ نصوص کا ظاہر اسی پر گواہ ہے اور اس کا خلاف تاویل ہے۔ (ت)

قرآن مجید میں صاف ارشاد ہُوا:

ما سلککم فی سقر ○ قالوا لم نك من المصلین ○ ولم نك نطعم المسکین ○ وکنا نخوض مع الخائضین ○ وکنا نکذب بیوم الدین ○ حتی اتانا الیقین[2] ۱۲ منہ (م)

تمھیں کس چیز نے جہنم میں پہنچایا، اُنھوں نے کہا ہم نمازی نہ تھے اور مسکینوں کو کھانا نہ کھلاتے اور سازشیں کرنیوالوں کے ساتھ شریک ہوکر ہم بھی حصہ لیتے، اور ہم یوم جزا کا انکار کرتے یہاں تک کہ موت آگئی ۱۲ منہ (ت)

[1] کہ اس مذہب صحیح پر وجوب درکنار وجوب ادا ہے لہذا شرائط مرسوم یعنی صحت ادا کی طرف عدول کیا ۱۲ منہ

[2] اقول بل لك ان تقول لما لم یکن الکافر من اھل النیۃ والنیۃ شرط الصحۃ کان الاسلام مندرجا فیھا لا شرطا بحیالہ واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ (م)

میں کہتا ہوں، آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ کافر جب نیت کرنے کا اہل نہیں جبکہ نیت صحتِ حج کے لیے شرط ہے تو یوں اسلام کا شرط ہونا پایا گیا، علیحدہ شرط نہ سہی، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] کشف الاستار حاشیہ درمختار حاشیہ نمبر ۴ کتاب الحج مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۶۰

[2] القرآن ۷۴/ ۴۲ تا ۴۷

جیسے رہنے کا مکان، پہننے کے کپڑے، گھر کا اثاثہ، اہل وعیال کا نفقہ، قرضخواہوں کا قرض، پیشہ ور کو آلاتِ حرفہ، سوداگر کو اتنی پونجی جس سے اپنی اور اپنے بال بچّوں کی کفایت کے لائق کما سکے، طالب علم کے لیے ضروری دینی کتابیں[عہ] اور جنھیں سواری ہتھیار کی حاجت ہو ان کے لیے یہ بھی۔

ف: یہ استطاعت حج کے مہینوں میں درکار ہے یعنی شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ، اور جو دُور کے ساکن ہیں کہ پہلے سے چلتے ہیں تو جب اس شہر کے لوگ جائیں ورنہ اس سے پہلے اگر استطاعت تھی اور یہ وقت نہ آنے پایا کہ جاتی رہی تو حج[عہ] فرض نہ ہوگا۔

ف: ہمارے امام کے نزدیک تندرستی شرط ہے یعنی بدن میں وہ آفت نہ ہو جو سفر سے معذور کردے جیسے اپاہج، مفلوج، اتنا بوڑھا کہ سواری پر نہ ٹھہر سکے، مگر صاحبین فرماتے ہیں ان پر حج بدل کرانا فرض ہے۔

م: ## صفۃ الاحرام

ش: یعنی احرام کی کیفیت اور اس کے سنّت و فرض کا بیان

م: تجرّدُ عن المخیط واجب لِمُحْرِمٍ من غیر عذرٍ لازب

ت: سِلے کپڑے اتارنے واجب ہیں احرام والے پر اگر کوئی عذر لاحق نہ ہو[عہ]۔

ف: اگر کسی عذر کے سبب سِلا کپڑا پہن لے گا تو گنہگار نہ ہوگا ورنہ کفارہ تو ہر حال دینا لازم آئے گا۔

م: کذالک الاحرام فی ثوبین غیر مخیطین منظفین

ت: یونہی احرام دو کپڑوں میں ہے بے سِلے پاک ستھرے۔

ش: یعنی جب احرام چاہے سِلے کپڑے، عمامہ، ٹوپی، موزے اتارے۔ چادر، تہبند بے سِلی اوڑھے باندھے۔

عہ منطق فلسفہ کی کتابیں اس میں داخل نہیں ۱۲ منہ

عہ یعنی جس سال استطاعت ہوئی اسی سال وقت آنے سے پہلے جاتی رہی ورنہ اگر ایک سال وقت تک باقی تھی تو حج فرض ہو چکا اب ساقط نہ ہوگا اگرچہ دوسرے برس وقت سے پہلے استطاعت زائل ہو جائے ۱۲

عہ اللازب اللازم ولا یشترط لزوم العذر بل وجودہ حین ارتکاب المحظور فلذا فسرہ باللاحق ۱۲ منہ (م)

لازب، لازم کو کہتے ہیں، جبکہ عذر کا لزوم نہیں بلکہ ممنوع کے ارتکاب کے وقت اس کا وجود شرط ہے اسی لیے اس کی تفسیر میں لاحق کہا ہے ۱۲ منہ (ت)

ف : نئے سفید ہوں تو بہتر ورنہ دُھلے اُجلے، اور ان میں رفو یا پیوند بھی اچھا نہیں، پر جائز ہے، اور ہمیانی یا تلوار کے پرتلے کا ڈر نہیں۔

م : ینوی اداء النسك بالجنان وفضله فی القول باللسان

ت : نیت کرے حج یا عمرہ کی دل سے اور زیادہ خوبی زبان سے کہنے میں ہے۔

ش : یعنی جامہ احرام پہن کر اب جو کچھ ادا کیا چاہتا ہے (حج خواہ عمرہ خواہ دونوں) اس کی نیت دل سے کرے اور زبان سے بھی الفاظِ نیت کہنا بہتر ہے، مثلاً الٰہی! میں حج کی نیت کرتا ہوں اسے میرے لیے آسان کر اور قبول فرما۔

م : مُلَبِّیا جهرا من المیقات وذاکرا اللہ فی الحالات

ت : لبیک کہتا ہوا باآواز میقات سے اور خدا کی یاد کرتا ہوا مختلف حالوں میں۔

ش : میقات اُن مقاموں کو کہتے ہیں جو شرع مطہر نے احرام کے لیے مقرر کیے ہیں کہ باہر[ع۱] سے مکہ معظمہ کا قصد کرنے والے کو بے احرام ان مقاموں سے آگے بڑھنا حرام ہے۔ ہندیوں کو وہ جگہ سمندر میں آتی ہے جب کوہِ یلملم کی سیدھ میں پہنچتے ہیں۔

ف : رکن احرام کے صرف دو ہیں، دل سے نیت اور اس کے ساتھ زبان سے وہ ذکر جس میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہو، خواہ لبیک یا کچھ اور مثل سبحان اللہ یا الحمد للہ یا اللہ اکبر یا اللھم[ع۲] اغفر لی وغیر ذالک۔ جب یہ دونوں باتیں پائی گئیں احرام بندھ گیا اور جو کچھ محرم پر حرام تھا

ع۱ باہر سے مکہ مکرمہ کا قصد اس لیے کہا کہ اگر آفاقی یعنی باہر والا میقات کے اندر کسی مکان مثل جدہ یا خلیص کا قصد کرکے میقات میں داخل ہو جائے تو اب آفاقی نہ رہا میقاتی ہو گیا اسے وہاں سے مکہ معظمہ میں بے احرام جانا جائز ہے ۱۲ منہ

ع۲ اشارۃ الی انہ لا یشترط کون الذکر خالصا کما فی تحریمۃ الصلوۃ بل یکفی مطلقا ولو مشوبا بالدعاء ھو الصحیح[۱] کما فی المسلك المتقسط ۱۲ منہ (م)

اس میں اشارہ ہے کہ خالص ذکر شرط نہیں ہے جیسا کہ نماز کے تحریمہ میں ہوتا ہے بلکہ دُعائیہ کلمات بھی ملے ہوں تو صحیح ہے جیسا کہ مسلک متقسط میں ہے ۱۲ منہ

ع۳ احرام کبھی تقلید وسوقِ بدنہ سے ہوتا ہے مگر اس کے بیان میں طول تھا اور ہندیوں میں اس کا رواج نہیں لہذا اسی پر اکتفا کیا گیا ۱۲ منہ

---

[۱] مسلک متقسط مع ارشاد الساری باب الاحرام دار الکتاب العربی بیروت ص ۷۰

حرام ہوگیا پر لبیک کہنا سنت[عہ] اور مُحرِم کے لیے ہر ذکر سے بہتر ہے، جہاں تک ہو سکے اس کی کثرت کرے۔ اس کے

عہ وقع فی اللباب ان التلبیة مرة فرض[1] وفی النھر والدر انھا مرة شرط[2] قال القاری وھو عند الشروع لاغیر[3] لکن التحقیق ان الفرض والشرط انما ھو مطلق الذکر لاخصوص التلبیة کما حققه فی البحر قال وقول من قال انھا شرط مرادہ ذکر یقصد به التعظیم لاخصوصھا[4] وتمامه فی رد المحتار اقول و قد نص فی اللباب قبیل ما مران کل ذکر یقصد به تعظیم اللّٰہ سبحانه یقوم مقام التلبیة[5] اھ وفیه فی صدر باب الاحرام شرائط صحته الاسلام والنیة والذکر او تقلید البدنة[6] اھ ثم عد من سننه تعین التلبیة قال القاری ھناك التلبیة او ما یقوم مقامھا من فرائض الاحرام عند اصحابنا[7] اھ وفی الدر یصح الحج بمطلق النیة ولو بقلبه

لباب میں مذکور ہے کہ تلبیہ ایک مرتبہ فرض ہے، اور نہر اور در میں ہے کہ ایک بار شرط ہے۔ ملّا علی قاری نے کہا کہ یہ صرف شروع میں ہے، لیکن تحقیق یہ ہے کہ فرض اور شرط تلبیہ نہیں بلکہ مطلقًا ذکر ہے جیسا کہ بحر میں اس کی تحقیق ہے انھوں نے کہا کہ جس نے کہا تلبیہ شرط ہے اس کی مراد یہ ہے کہ تعظیم پر مشتمل ذکر نہ کہ خاص تلبیہ، مکمل بحث رد المحتار میں ہے اقول لباب میں تصریح ہے کہ جو ذکر تعظیم پر مشتمل ہو وہ تلبیہ کے قائم مقام ہوتا ہے اھ اسی میں باب الاحرام کے شروع میں ہے کہ احرام کے صحیح ہونے کی شرط اسلام، نیت، ذکر اور بُدنہ کے گلے میں قلادہ باندھنا ہے اھ پھر اس کی سنتوں میں تلبیہ کو ذکر کیا، ملا علی قاری نے کہا کہ یہاں تلبیہ یا اس کے قائم مقام احرام کے فرائض ہیں ہمارے اصحاب کے ہاں اھ در میں ہے کہ حج، مطلق نیت خواہ صرف دل سے

(باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] لباب المناسک مع ارشاد الساری — فصل وشرط التلبیة الخ — دار الکتاب العربی بیروت — ص ٧٠
[2] درمختار — فصل فی الاحرام — مطبع مجتبائی دہلی — ١/١٦٣
[3] مسلک متقسط مع ارشاد الساری — فصل وشرط التلبیة الخ — دار الکتاب العربی بیروت — ص ٧٠
[4] بحر الرائق — باب الاحرام — ایچ ایم سعید کمپنی کراچی — ٢/٣٢٢
[5] لباب المناسک مع ارشاد الساری — فصل وشرط التلبیة الخ — دار الکتاب العربی بیروت — ص ٧٠
[6] " " " " " " " " " " — ص ٦٢
[7] مسلک متقسط " " — باب الاحرام — " " " " — ص ٦٢

الفاظِ مسنونہ یہ ہیں :

لَبَّیْكَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ ط لَبَّیْكَ لَاشَرِیْكَ لَكَ لَبَّیْكَ ط اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ[عہ] ط لَاشَرِیْكَ لَكَ ط

میں تیرے دربار میں حاضر ہوگیا الٰہی ! میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوگیا ، میں حاضر ہوگیا ہوں ۔ تیرا کوئی شریک نہیں ، میں حاضر ہوگیا ہوں ، بلاشبہ تعریف اور نعمت اور ملک تیرے ہی لیے ہے ، تیرا کوئی شریک نہیں (ت)

صبح و شام کے وقت اور ہر نماز کے بعد اور بلندی پر چڑھتے ، پستی میں اُترتے ، دوسرے قافلے سے ملتے ، ستاروں کے ڈوبتے نکلتے کھڑے ہوتے ، بیٹھتے ، چلتے ، ٹھہرتے ، غرض ہر حالت کے بدلتے زیادہ کثرت کرے ۔

ف : احرام کا مسنون و مستحب طریقہ یہ ہے کہ غسل کرے ، بدن سے میل اتارے ، ناخن ترشوائے ، خط بنوائے ، موئے بغل و زیرناف دُور کرے ، سر مُنڈانے کی عادت ہو تو مُنڈائے ورنہ کنگھی کرے ، تیل ڈالے ، بدن میں خوشبو لگائے ، پھر جامہ احرام پہن کر دُو رکعت نماز بہ نیت سنت احرام پڑھے ۔ پھر وہیں قبلہ رُو بیٹھا دل و زبان سے نیت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

لکن بشرط مقارنتها بذکر یقصد به التعظیم اھ فانکشف الغطاء والحمد للّٰہ رب العالمین ۱۲ منہ (م)

ہو ، صحیح ہو جاتا ہے بشرطیکہ نیت کے ساتھ کوئی ایسا ذکر ہو جس سے تعظیم مقصود ہو اھ ، تو اس سے پردہ چھٹ گیا والحمد للّٰہ رب العالمین ۱۲ منہ (ت)

عہ قوله الملك استحسن الوقف علیه لئلا یتوهم ان ما بعد خبره[۲] شرح اللباب ونقل بعضهم انه مستحب عند الائمة الاربعة[۳] اھ رد المحتار ۔ اقول ولم یجب لان المعنی الموهم ایضا صحیح فی نفسه وان لم مرادا ۱۲ منہ (م)

لفظ "الملک" پر وقف بہتر ہے تاکہ مابعد کے خبر ہونے کا احتمال پیدا نہ ہو ، شرح لباب ، اور بعض نے نقل کیا ہے کہ یہاں وقف ، ائمہ اربعہ کے ہاں مستحب ہے رد المحتار ، اقول یہ وقف واجب نہیں کیونکہ بعد کے ساتھ ملانے سے جس معنی کا وہم ہوسکتا ہے وہ بھی درست ہے اگرچہ وہ معنی یہاں مراد نہیں ۱۲ منہ (ت)

---

[۱] درمختار فصل فی الاحرام مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۶۳

[۲] مسلک متقسط مع ارشاد الساری فصل ثم یصلی رکعتین دار الکتاب العربی بیروت ص ۶۹

[۳] رد المحتار فصل فی الاحرام مصطفی البابی مصر ۲/۱۶۳

کرے، بآوازِ تین[۱] بار لبیک کہے، آسانی و قبول کی دعا مانگے، نبی صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم پر درود بھیجے۔

م : مُحرماتُ الاحرام

ت : وہ باتیں جن کا احرام میں کرنا حرام ہے

م : لبس مخیط الثیاب حرما من غیر علۃ علیٰ من احرما

ت : سلا کپڑا پہننا حرام ہے بے کسی بیماری یا عذر کے احرام والے پر۔

ف : واضح ہو کہ جو باتیں احرام میں حرام ہیں وہ اگر کسی عذر سے کیں یا بھول کر ہوئیں تو گناہ نہیں پر ان کا جو جرمانہ مقرر ہے وہ ہر طرح دینا ہوگا اگرچہ بے قصد واقع ہوں یا سہو سے یا مجبوری کر یا کسی کے جبر سے یا سوتے میں یا کسی طرح اور، سلا کپڑا احرام جب ہے کہ بطور معتاد استعمال میں آئے ورنہ جُبّہ یا کُرتے کا تہبند باندھا یا انگرکھا یا پاجامہ بدن پر ڈال کر سویا تو حرام نہیں اگرچہ چاہیے نہ تھا۔

م : ویحرم الطیبُ کمثل الاٰس و دھن شعر لحیۃ و راس

ت : اور حرام ہے خوشبو جیسے آس[۲] اور تیل لگانا داڑھی یا سر کے بالوں میں۔

ف : بدن یا کپڑوں میں خوشبو لگانا حرام ہے اور خوشبو سونگھنا[۳] مکروہ، اور خوشبو کا تیل اور روغنِ زیتون

---

[۱] مگر حد سے زائد جس میں اذیت ہو، اور عنقریب آتا ہے کہ عورت آہستہ کہے،

ووقع فی المنسک المتوسط انہ یستحب ان یرفع بہا صوتہ الا ان یکون فی مصر[۱] اھ ولعلہ لغیرہ، ثم وجھہ القاری بخوف الریاء والسمعۃ اقول وفیہ نظر ظاھر ولذا قال القاری ان الاظھر ان یکون یتضرر فصحف علیٰ بعض من حرر[۲] ۱۲ منہ (م)

منسک متوسط میں ہے کہ آواز بلند کرنا مستحب ہے مگر شہر میں مستحب نہیں اھ، کسی اور جگہ یہ نہیں دیکھا، پھر ملا علی قاری نے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ شہر میں بلند کرنے میں ریاکاری کا خوف ہے۔ میں کہتا ہوں اس میں غور کی ضرورت ہے اسی لیے ملا علی قاری نے کہا کہ ظاہر یہ ہے کہ اس میں دوسروں کو ضرر ہے، تحریر کرنے والے کو اشتباہ ہو گیا ہے ۱۲ منہ (ت)

[۲] بفارسی درخت مورد نامند بروزن دوست ۱۲ فارسی میں دوست کے وزن پر، مورد ایک درخت کا نام ہے ۱۲ (ت)

[۳] احرام سے پہلے جو خوشبو لگائی وہ لگی رہی تو مضائقہ نہیں بعد احرام کے لگانا حرام ہے ۱۲ منہ

---

[۱] منسک متوسط مع ارشاد الساری فصل و شرط التلبیہ دار الکتاب العربی بیروت ص ۷۱، ۷۲

[۲] مسلک متقسط مع ارشاد الساری " " " " ص ۷۲

اور تل کا تیل[ع۱] اگرچہ خالص ہوں بالوں میں یا بدن میں لگانا جائز نہیں، اور گھی یا چربی جائز ہے۔

م : حلق شعر ثم قلم ظفر عقد النکاح ثم صید البر

ت : اور بال مونڈنا، ناخن کترنا، عقدِ نکاح، جنگلی شکار۔

ش : یعنی سر سے پاؤں تک کسی جگہ کے بال مونڈ کر، کتر کر، نُورہ سے، موچنے سے، آپ یا دوسرے کے ہاتھ سے دُور کرنا اصلاً جائز نہیں، مگر جو بال آنکھ میں نکلے۔ اور نکاح کرنا حنفیہ کے نزدیک اور دریا کا شکار[ع۲] بالاتفاق جائز ہے۔

ف : اس کے سوا منہ[ع۳] یا سر کو ڈھانکنا اگرچہ سوتے میں، یا کسی سے ناحق لڑنا، یا جماع کرنا، یا شہوت سے بوسہ[ع۴] لینا، یا مساس کرنا، یا عورتوں کے آگے جماع کا تذکرہ لانا، کسی کا سر مونڈنا اگرچہ اس کا احرام نہ ہو، جنگلی شکار[ع۵] کے ہلاک میں کسی طرح شریک ہونا مثلاً شکاری کو بتانا، اشارہ کرنا، بندوق یا بارود دینا، ذبح کے لئے چھری دینا، اس کے انڈے توڑنا، پَر اکھاڑنا، پاؤں یا بازو توڑنا، اس کا دودھ دوہنا، اس کا گوشت یا

ع۱ ان دو تیلوں میں اگرچہ خوشبو نہیں ناجائز ہیں، ان کے سوا اور بے خوشبو کے تیل جیسے روغنِ بادام وغیرہ، درمختار سے ان کا جواز نکلتا ہے اور شرح لباب میں مطلقاً ناجائز کہا۔ واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ

ع۲ یعنی جبکہ خاص کھانے یا دوائی غرض سے ہو، یا مذہب رائج پر بطور پیشہ وحرفت بھی، ورنہ تفریحی شکار جیسا کہ آجکل عوام میں رائج، دریا کا ہو یا جنگل کا، احرام میں ہو یا غیر احرام میں، ہر طرح حرام ہے کما فی الدر المختار وغیرہ (جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے۔ ت) ۱۲ منہ

ع۳ یعنی کل منہ یا بعض، یہاں تک کہ تکیہ پر منہ رکھ کر اوندھے لیٹنا جائز نہیں، ہاں چت یا کروٹ سے روا ہے اگرچہ اس میں بھی رخسارے یا سر کے ایک ٹکڑے کا ڈھکنا ہوا کہ شرع میں خاص اس کی اجازت ہے اور اس میں مرد وزن کا ایک حکم ہے یہاں تک کہ اسے منہ چھپانے کے لیے روا نہیں کہ پنکھا وغیرہ منہ پر رکھ لے بلکہ سر پر منہ سے الگ یوں رکھے کہ آڑ ہو جائے، ہاں سر کا ڈھانکنا عورت کو احرام میں بھی ضرور ہے ۱۲ منہ غفرلہ

ع۴ یعنی اپنی عورت یا کنیز شرعی کے ساتھ بھی یہ باتیں بشہوت ناروا ہیں پھر غیر کے ساتھ دوہرا گناہ، ایک تو فعل آپ ہی ناجائز دوسرے احرام کا محظور ۱۲ منہ

ع۵ پالتو جانور جیسے اونٹ، گائے، بکری، مرغی کے ذبح کرنے، کھانے پکانے میں حرج نہیں ۱۲ منہ غفرلہ

یا انڈے پکانا، بھوننا، بیچنا، خریدنا، کھانا، جُوں کے ہلاک پر کسی طور باعث ہونا مثلاً مارنا، پھینکنا، کسی کو اس کے مارنے کا اشارہ کرنا، کپڑا اس کے مرجانے کے لیے دھونا یا دُھوپ میں ڈالنا، وسمہ[1] یا مہندی کا خضاب لگانا، بال خطمی سے دھونا، گوند وغیرہ سے جمانا سب ناجائز ہے۔ اسی طرح تمام چھوٹے بڑے گناہ کہ ہمیشہ بُرے ہیں اور احرام میں بہت زیادہ بُرے۔

م: وحکم مرأة کذا الکتما احرامها فی وجهها فلزما
ان لا تغطیه وفی لباسها المخیط تبقی وغطاء راسها

ت: اور اسی طرح عورت کا حکم ہے لیکن اس کا احرام صرف چہرے میں ہے تو لازم ہُوا کہ منہ نہ چھپائے اور سلے کپڑوں میں رہے، سر ڈھکے۔

ش: یعنی اُوپر جو باتیں گزریں ان میں عورت مثل مرد کے ہے مگر اسے سلے کپڑے پہننا، سر ڈھکنا روا ہے صرف چہرے پر کپڑا[2] نہ آنے دے۔

ف: پردہ نشین عورت کوئی پنکھا وغیرہ منہ سے بچا ہُوا سامنے رکھے اور عورتیں لبیک باآواز[3] نہ کہیں۔

---

[1] مہندی دو وجہ سے حرام ہُوئی: ایک تو خوشبو ہے، دوسرے اس کے لگانے سے بال چھُپ جاتے ہیں تو سر یا منہ کا ڈھانکنا ہُوا، اور وسمہ اگرچہ خوشبو نہیں بال چھپائے گا، پھر سیاہ خضاب ہمیشہ ناجائز ہے مگر جہاد میں، تو محرم کو بدرجۂ اولیٰ ناجائز ہُوا۔ حدیث میں ہے:
"جو سیاہ خضاب کرے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا منہ کالا کرے[1]"۔
دوسری حدیث میں ہے:
"وہ جنت کی بُو نہ سُونگھیں گے[2]"۔
ہاں اگر کوئی رقیق تیل بے خوشبو جس سے بال کالے نہ ہوں لگایا جائے تو وہ اس اختلاف قاری وعلائی پر ہوگا جو اُوپر گزرا، واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ منہ

[2] کپڑے سے مراد ہر چھپانے والی چیز ہے، پنکھے کا مسئلہ اس پر دلیل ہے ۱۲ منہ

[3] باآواز کے یہ معنیٰ نہیں کہ چلا کر نہ ہو بلکہ یہ مراد ہے کہ آپ ہی سُنے کسی اجنبی مرد کے کان تک نہ جائے کہ

(باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] کنز العمال محظورات الخضاب حدیث ۱۷۳۳۳ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶۷۱/۶
[2] 〃 〃 〃 ۱۷۳۳۲ 〃 〃

م : والحج بالجماع بتّا یفسد قضاؤه فی قابل یؤکد
مالم یکن ذا جاھلًا او ناسیًا فما علیه ان یکون فادیًا

ت : اور حج جماع سے بے شبہ فاسد ہوجاتا ہے قضا اس کی سالِ آئندہ[1] میں ضروری ہوتی ہے جب تک یہ شخص ناواقف یا بھولا ہوا نہ ہو کر اس پر فدیہ دینا لازم نہیں۔

م : ولا فدا علی التی قد اکرھت ۔ وطئا ولا فساد فیما قد قضت

ت : اور نہ اس عورت پر فدیہ جس سے زبردستی جماع ہوا اور نہ اس کا وہ عمل فاسد جو کر چکی۔

ش : خلاصہ یہ کہ اگر حج میں قبل تحلل اول[2] کہ دسویں تاریخ منیٰ میں ہوتا ہے یا عمرہ میں قبل اس سے فراغ کلی کے باختیار خود قصدًا جماع کیا اور اس کی حرمت سے آگاہ بھی تھا تو وہ حج یا عمرہ فاسد ہوجائے گا اور اس پر فرض ہے کہ اسے پورا کر کے پھر اعادہ کرے اور جرمانہ میں بدنہ یعنی ایک اونٹ دے، اور جو بعد اس کے کیا یا حرمت نہ جانتا تھا یا بھولے سے کر بیٹھا یا کسی کا جبر تھا تو مذہبِ اصح پر نہ حج وعمرہ فاسد ہو نہ فدیہ آئے۔

ف : یہ سب تفصیل مذہبِ شافعیہ کی تھی اور حنفیہ کے نزدیک اگر حج میں وقوفِ عرفہ سے پہلے جماع کیا تو حج فاسد، اور اسے بدستور پورا کر کے ذبح شاۃ (بکری) واعادہ لازم، اور وقوف کے بعد کئے سے حج اصلًا فاسد نہیں ہوتا، پھر اگر حلق وطواف فرض سے بھی فارغ ہو کر کیا تو کچھ جرمانہ بھی نہیں، اور ان دونوں سے پہلے کیا تو بدنہ لازم آئیگا یعنی اونٹ یا گائے، اور دونوں کے بیچ میں واقع ہوا یعنی طوافِ زیارت کے بعد

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اس میں فتنہ ہے اور اپنا سننا ہرگز ذکر وقراءت وکلام میں ضرور ہے اس کے بغیر فقط زبان ہلانے کا کچھ اعتبار نہیں یہاں تک کہ نماز میں قراءت ایسی پڑھی کہ اپنے کان تک نہ آئے وہ قراءت نہ ٹھہرے گی اور اصح مذہب پر نماز نہ ہوگی، بہت لوگ اس مسئلہ سے ناواقف ہیں ۱۲ منہ

[1] یعنی اس میں یہ نہیں کہ اب فاسد تو ہوگیا ہے جب چاہیں گے قضاء کر لیں گے، بلکہ فورًا سالِ آئندہ ہی قضاء کرے ۱۲ منہ غفرلہ

[2] دسویں کو جو رمی جمار کرتے ہیں سب کچھ حلال ہوجاتا ہے مگر عورتیں، یہ پہلا تحلل ہوا۔ پھر جب طوافِ زیارت کیا عورتیں بھی حلال ہوگئیں، یہ تحللِ آخر وتحللِ تام ہوا۔ یہ مذہب امام شافعی کا ہے۔ ہمارے نزدیک پہلا تحلل حلق سے ہوتا ہے جب تک حلق نہ کیا کوئی چیز حلال نہیں اگرچہ رمی کر چکے ۱۲ منہ

حلق سے پہلے یا بالعکس تو بکری دینی آئے گی مگر بہت علماء صورتِ عکس میں بدنہ کہتے ہیں[1] اور عمرہ میں چار طواف سے پہلے فساد ہے اور اتمام و ذبح شاۃ و اعادہ ضرور، اور چار کے بعد صرف ذبح ہے فساد نہیں، اور ان احکام میں برابر ہے قصدًا یا بھولے سے، باختیار خود یا جبر سے، دانستہ یا نادانستہ۔ واللہ تعالٰی اعلم

م : ارکان الحج

ش : یعنی حج و عمرہ کے رکن

ف : رکن شے کا وہ ہے جس سے اس کے نفس ذات کا قوام ہو جیسے نماز کے لیے رکوع، سجود، قیام، قعود اور شرط خارج موقوف علیہ کو کہتے ہیں یعنی حقیقت شیئ میں داخل نہ ہو پر اس کے بغیر شیئ موجود نہ ہو

عـہ یعنی جبکہ جماع حلق کے بعد طواف سے پہلے ہو

ففی الھدایۃ والکافی والمجمع واللباب والتنویر والدر وغیرھا ان فیہ شاۃ[1] قال فی ردالمحتار ھو ما علیہ المتون ومشی فی المبسوط والبدائع والاسبیجابی علی وجوب البدنۃ وفی الفتح انہ الاوجہ لاطلاق ظاہر الروایۃ وناقشہ فی البحر والنہر اھ[2] وکذا حکاہ فی اللباب وعلی الاول مشی القدوری وشراحہ وبالجملۃ فالموضع نزاع والاول ارفق وھذا احوط واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ۔ (م)

تو ہدایہ، کافی، مجمع، لباب، تنویر اور دُر وغیرہ میں ہے کہ اس میں بکری لازم ہے۔ ردالمحتار میں کہا کہ اس پر متون وارد ہیں۔ اور مبسوط، بدائع، اسبیجابی اس پر بدنہ کے وجوب کے قائل ہیں، اور فتح میں ہے کہ یہی ظاہر روایت کے اطلاق سے موافق ہے، اور بحر اور نہر میں اس پر مناقشہ بیان کیا ہے اھ اور یوں ہی لباب میں حکایت کیا گیا ہے، اور پہلے قول پر قدوری اور اس کے شارحین نے رجحان ظاہر کیا ہے غرضیکہ یہ مقام نزاع ہے، پہلا قول آسان ہے اور دوسرا احتیاط پر مبنی ہے واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ (ت)

---

[1] درمختار | باب الجنایات | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۷۵

[2] ردالمحتار | " | مصطفی البابی مصر | ۲/۲۳۰

اور کسی عمل کے فرائض وُہ ہیں جن کے ترک [عہ۱] سے عمل باطل ہوجائے جیسے نماز کے لیے وضو، نیت، استقبال، تکبیر، اور واجبات کے ترک سے باطل نہیں ہوتا، اس میں خلل آتا اور ناقص ہوجاتا ہے جیسے نماز میں الحمد، سورت، التحیات وغیرہا۔

م : للحج ارکان تعد ستۃ لابد ان تحفظھن البتۃ

ت : حج کے چھ [عہ۲] رکن ہیں ضرور ہے کہ تو انھیں یاد کرے جزمًا۔

[عہ۱] یہ تعریف رکن وشرط دونوں کو شامل، تو فرض ان سے عام ہے،

وفی المسلک المتقسط الفرائض اعم من الارکان والشرائط وغیرھما کالاخلاص فی العبادۃ [۱] اقول یظھرلی ان ھذا فی الفرض فی نفسہ ومنہ الاخلاص فانہ فرض بحیالہ ولیس من فرائض الصلوۃ مثلا والا لبطلت بالریاء اما الفرض فی غیرہ فلابد ان یتوقف وجودہ علیہ بمعنی انہ لایصح الابہ فان دخل فرکن و ان کان خارجا موقوفا علیہ و ھذا ھو معنی الشرط نعم قد یوخذ فی الشرط تقدمہ وجودًا والمعیۃ بقاء کشروط الصلوۃ . . . . [۲] واسطۃ کترتیب مالایتکرر فی رکعۃ فافھم ۱۲ منہ غفرلہ۔ (م)

مسلک متقسط میں ہے کہ فرائض، ارکان وشرائط وغیرہ سے عام ہیں جیسا کہ عبادت میں اخلاص **اقول** میرے ہاں ظاہر یہ ہے کہ یہ معاملہ نفس فرض کا ہے جس میں سے اخلاص بھی ہے کہ یہ مکمل فرض ہے حالانکہ یہ نماز کے فرائض میں سے نہیں ہے ورنہ نماز ریاکاری سے فاسد ہوجائے، لیکن غیر میں کوئی فرض ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ اس فرض پر اس غیر کا وجود موقوف ہو یعنی اس کے بغیر اس غیر کی صحت نہ ہوسکے، تو اب یہ فرض اس غیر میں داخل ہو تو رکن کہلائے گا اور اگر خارج ہوکر موقوف علیہ بنے تو شرط ہوگا، ہاں شرط میں کبھی وجود کے اعتبار سے مقدم ہونا اور بقاء کے اعتبار سے موقوف کے ساتھ رہنا بھی ملحوظ ہوتا ہے جیسا کہ نماز کی ان شرائط کی ترتیب جو ایک رکعت میں مکرر نہیں آتیں۔

[عہ۲] یہ چھ کہ مصنف نے ذکر فرمائے ان میں ہمارے نزدیک تو اکثر رکن نہیں اور بعض بطور شافعیہ بھی محلِ کلام۔ فقیر نے ایضاحِ امام نووی میں کہ شافعیہ کے عمدہ مذہب واحد الشیخین میں مطالعہ کیا کہ انھوں نے ارکانِ حج صرف پانچ گنے ترتیب کو واجبات میں شمار کیا ولعل ھذہ روایۃ اخری فی مذھبھم (ہوسکتا ہے کہ ان کے مذہب کی یہ دوسری روایت ہو۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ

---

[۱] مسلک متقسط مع ارشاد الساری باب فرائض الحج دارالکتاب العربی بیروت ص ۴۵

[۲] یہ عبارت نہیں پڑھی گئی ۱۲

م : فنیۃ الحج اول الصفۃ ثم الوقوف معھم بعرفۃ

ت : پس نیت حج کی ساری ترکیب میں پہلے ہے پھر حاجیوں کے ساتھ عرفہ کے دن وقوف کرنا۔

ش : اس وقوف کے لیے جس طرح دن مقرر ہے یعنی عرفہ[1] کہ ذی الحجہ کی نویں تاریخ ہے یونہی مکان بھی معین ہے یعنی عرفات کہ مکہ معظمہ سے پورب کو نو کوس ہے، تو مصنف کا فرمانا کہ حاجیوں کے ساتھ وقوف کرنا وہ اس سے تعیینِ مکان کی طرف اشارہ فرماتے ہیں یعنی جہاں حجاج ٹھہرتے ہیں وہاں ٹھہرنا ورنہ وقوف میں اوروں[2] کے ساتھ ہونا ضرور نہیں۔

م : ثم طواف ثم سعی بالصفا والحلق والترتیب فیما وصفا

ت : پھر طوافِ زیارت پھر صفا مروہ میں دوڑنا اور سر منڈانا اور ان افعال میں ترتیب۔

ش : یعنی پہلے نیت پھر وقوف پھر طواف پھر سعی، لیکن طواف وحلق میں ترتیب ضرور نہیں، اور حلق سے مراد عام ہے سر منڈانا یا بال کترانا، ہاں منڈانا افضل ہے۔

ف : ہمارے نزدیک رکن حج کے صرف[3] دو ہیں، سب میں بڑا رکن وقوفِ عرفہ، اس کے بعد طوافِ زیارت، باقی نیت شرط ہے اور فرائض میں ترتیب فرض اور سعی وحلق واجب۔

م : ھٰذہ کذا للعمرۃ الارکان سوی الوقوف ھٰکذا البیان

ت : یونہی یہ چیزیں عمرہ کی رکن ہیں سوا وقوف کے اسی طرح بیان چاہیے۔

ف : ہمارے ہاں رکنِ عمرہ صرف طواف ہے اور نیت شرط اور سعی وحلق واجب۔

ف : یہ نیت کہ حج وعمرہ میں شرط مانی گئی اس کے دو معنے ہیں ایک تو شروع میں حج یا عمرہ کا عزم

عــہ[1] آگے شرح میں آتا ہے کہ وقوف کا وقت عرفہ کے دوپہر ڈھلے سے دسویں کی طلوعِ فجر تک ہے مگر یہ رات نویں تاریخ ہی کی رات گنی جاتی ہے۔ علماء نے فرمایا راتیں ہمیشہ آنے والے دن کے تابع ہوتی ہیں، مثلاً جمعہ کی رات وہ ہے جس کی صبح کو جمعہ ہو، پر ایامِ حج کی راتیں گزرے دنوں کی تابع ہیں مثلاً شبِ عرفہ وہ رات ہے جو نویں تاریخ کے بعد آئے گی اور شبِ نحر دسویں کے بعد ۱۲ منہ

عــہ[2] دفع دخل مقدر ۱۲ منہ

عــہ[3] ان کے سوا احرام میں بھی باآنکہ شرط ہے کئی مشابہتیں رکن کی ہیں کما بینہ فی رد المحتار اقول ولی فی اکثرھن کلام بینتہ علی ھامشہ ۱۲ منہ (جیسا کہ ردالمحتار میں بیان کیا ہے، میں کہتا ہوں کہ ان میں سے اکثر میں میری کلام ہے جو میں نے اس کے حاشیہ میں بیان کی ہے۔ ت)

یہ نیتِ احرام ہے یعنی دل سے قصد اور اس کے ساتھ زبان سے ذکرِ خدا۔ دوسرے طوافِ رکن میں نیتِ طواف کہ وہ فرض ہے اور بے نیت[1] ادا نہیں ہوتا تو اس کی نیت بھی شرط ٹھہری۔

حج کے فرض

ف : یہ فصل جنابِ مصنف نے نہ لکھی، ہمارے نزدیک رُکن کے سوا اور بھی فرض ہیں اور واجبات الگ۔ لہٰذا ہم اپنے طور پر بیان کرتے ہیں، حج میں دس فرض ہیں: احرام، وقوف، طواف کے چار[2] پھیرے، ان میں طواف کی نیت، وقوف کا عرفات میں ہونا، اپنے وقت میں ہونا کہ زوالِ[3] عرفہ سے فجرِ نحر تک ہے، طواف کا مسجد الحرام میں ہونا، اپنے وقت میں ہونا کہ فجرِ نحر سے آخر عمر تک ہے، فرضوں[4] میں ترتیب کہ پہلے احرام ہو پھر وقوف پھر طواف، وقوف سے پہلے جماع[5] سے بچنا۔ ان دس میں سے ایک بھی رہ جائے تو حج نہ ہو والعیاذ باللہ۔

واجبات الحج

حج کے واجب

م : الرمی للجمار و الاحرام کذا بمزدلفۃ المنام

ت : جمروں پر سنگریزے مارنا اور احرام۔ ایسا ہی مزدلفہ میں سونا۔

---

[1] یہ اس لیے کہہ دیا کہ وقوفِ عرفہ بھی فرض بلکہ رکنِ اعظم ہے پر وہ بے نیت بھی ادا ہو جاتا ہے تو اس کی نیت شرط نہیں ہو سکتی ۱۲ منہ

[2] ہر طواف میں سات پھیرے ہوتے ہیں یونہی اس طوافِ فرض میں بھی، مگر ان میں سے فرض فقط چار ہیں، انہی کے اعتبار سے اسے طوافِ فرض کہا جاتا ہے، باقی تین واجب ہیں نہ کیے تو دم دے گا حج ہو گیا۔ اور چار سے کم کیے تو حج ہی نہ ہوا ۱۲ منہ

[3] نویں تاریخ دوپہر ڈھلے سے دسویں کے پَو پھٹے تک اس بیچ میں وقوف کا وقت ہے، اگر زوالِ عرفہ سے پہلے وقوف کر کے حدودِ عرفات سے باہر ہو گیا اور وقت میں اعادہ نہ کیا یا پہلے نہ کیا تھا صبحِ نحر چمکنے کے بعد کیا تو حج نہ ہو گا ۱۲ منہ

[4] اس فرض کو تین فرض کہہ سکتے ہیں احرام کا وقوف سے پہلے ہونا ایک، طواف پر تقدم دو، وقوف کا طواف سے پیشتر ہونا تین ۱۲ منہ

[5] جماع سے بچنا ہمیشہ حج میں واجب ہے جب تک مطلقاً طوافِ فرض سے فارغ نہ ہو جائے پر وقوف تک احتراز فرض ہے کہ اس سے پہلے جماع موجبِ فساد ہوتا ہے پھر فساد نہیں کما مر ۱۲ منہ

ف : ہمارے نزدیک احرام فرض ہے کما سبق (جیسا کہ پیچھے گزرا۔ ت) ہاں اس کا میقات[1] سے ہونا واجب ہے۔

ش : منیٰ ایک بستی ہے مکہ معظمہ سے عرفات کی طرف تین کوس، وہاں تین جگہ ستون بنے ہیں انھیں جمار و جمرات کہتے ہیں اور ہر ایک کو جمرہ۔ دسویں تاریخ سے ان پر کنکریاں مارتے ہیں اور منیٰ سے تین کوس مزدلفہ ہے نویں کی شام کو عرفات سے پلٹ کر یہاں رات گزارتے ہیں، دسویں کو منیٰ آتے ہیں، شافعیہ کے نزدیک رات کا بڑا حصہ یہاں بسر کرنا واجب ہے، اسی[2] لیے جنابِ مصنف نے سونا فرمایا ورنہ حقیقۃً سونے کا حکم کچھ نہیں۔

ف : ہمارے نزدیک واجب صرف اس قدر ہے کہ مغرب وعشا یہیں پڑھے صبح کو کچھ دیر وقوف کرے، باقی رات کو رہنا واجب نہیں سنّت ہے۔

ھ : ثم البیت بمنیٰ للرمی ثم الطواف للوداع ینوی

ت : پھر رات کو منیٰ میں رمی جمار کے لیے رہنا، پھر طوافِ رخصت کی نیت کرے۔

ف : منیٰ میں دسویں، گیارھویں، بارھویں دن رمی جمار واجب ہے، شب باشی ہمارے نزدیک سنّت ہے اور طوافِ وداع کہ رخصت کے لیے کرتے ہیں آفاقی یعنی باہر والے پر واجب ہے مکی تو دس دن کا ساکن ہے نہ کہ رخصت ہونے والا۔

ف : یہاں تک ہمارے مذہب کے پانچ واجب گزرے اور ان کے سوا اور بہت ہیں مثلاً صفا[6]

---

[1] لوگ تین قسم ہیں: اہلِ حرم جو مکہ معظمہ یا اس کے گرد اُن مقاموں میں رہتے ہیں جہاں تک شکار وغیرہ حرام ہے۔ اہلِ حل جو حرم سے باہر مواقیت کے اندر ہیں۔ اہلِ آفاق جو مواقیت سے بھی باہر ہیں آفاقیوں کے لیے حج و عمرہ دونوں کی میقات انھیں مواقیت کے جیسے ہندیوں کے لیے محاذاتِ یلملم، اہلِ حل کی میقات حل ہے یعنی جب حج یا عمرہ کو جائیں حرم میں پہنچنے سے پہلے احرام باندھ لیں اور اہلِ حرم کے لیے میقات حج حرم ہے یعنی مسجد الحرام شریف خواہ اپنے گھر ہی سے، غرض حرم کی کسی جگہ سے احرام کریں اور عمرہ کے لیے حل یعنی حرم سے باہر جا کر عمرہ کا احرام باندھیں۔

ف : مکی کے لیے احرام عمرہ میں افضل تنعیم ہے کہ مدینہ طیبہ کی طرف تین کوس پر ہے، یونہی جب حجاج حج سے فارغ ہو کر مکہ میں چند روز ٹھہریں وہیں سے عمرہ لائیں کہ نزدیک بھی ہے اور افضل بھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ منہ۔

[2] دفع دخل مقدر

مروہ میں سعی اور اس[8] کا ایک طواف کامل[ع1] کے بعد صفا سے شروع اور سات[9] پھیرے اور ہر بار[10] پوری مسافت قطع اور[11] بشرط قدرت پیادہ ہونا، دن[12] میں[ع2] وقوفِ عرفہ کرنے والے کو غروبِ شمس کے بعد تک انتظار کرنا، اس[13] کا امام[ع3] کے ساتھ عرفات سے کوچ کرنا یعنی امام کے چلنے سے پہلے حدودِ عرفہ سے باہر نہ ہونا بشرطیکہ امام وقت[ع4] پر کوچ کرے اور ہمراہی میں حرج نہ ہو، جمرۃ العقبہ[14] کی رمی کہ دہم کو ہے حلق سے پہلے ہونا، ہر[15] دن کی رمی اسی دن ہو جانا، حلق[16] یا تقصیر اور آن[17] کا ایامِ نحر میں خاص[18] زمین حرم میں ہونا، طوافِ[19] فرض کا بارھویں[ع5] تک ہو جانا، حجرِ اسود[20] سے شروع ہونا، سات[21] پھیرے حطیم[22] سے باہر باوضو[23] ستر[24] عورت کے ساتھ، بشرط[25] قدرت پیادہ، اپنی[26] دہنی طرف سے آغاز ہونا یعنی کعبہ معظمہ بائیں ہاتھ کو رکھنا، قارن[ع6] و متمتع کا شکر کی قربانی[27] حلق[28] سے پہلے رمی[29] کے بعد ایام[30] نحر میں کرنا وغیر ذالک، واللہ تعالیٰ اعلم۔

ع1 طواف کامل یہ ہے کہ شرائط صحت کو جامع اور جنابت و حیض سے پاک ہو عام ازیں کہ فرض ہو جیسے طوافِ زیارت یا واجب جیسے طواف الوداع کما سیأتی (جیسا کہ آگے آئیگا۔ت) یا سنت جیسے طواف القدوم یا نفل جیسے متمتع کہ حج کی سعی طوافِ زیارت سے پہلے کرنی چاہئے تو ایک طواف نفل کرکے ادا کرے، اس کے سوا کامل کے یہ معنی نہیں کہ ساتوں پھیروں کے بعد ہو بلکہ چار کے بعد ہونا کافی ہے، سعی صحیح اور واجب ادا ہو جائیگا اگرچہ سنت یونہی ہے کہ ساتوں پھیروں کے بعد کرے، ہاں اگر چار پھیروں سے پیشتر کی تو سعی ادا نہ ہوگی اور طواف کے بعد سے بعدیت متصلہ مراد نہیں اگرچہ مستحب فوراً ہوتا ہے مگر پہلے طواف ہو لیا تو پھر جب کبھی سعی کریگا صحیح ہوگی ۱۲ منہ

ع2 یہ قید اس لیے لگادی کہ جو نویں تاریخ وقوف نہ کرسکا ہو اور دسویں شب کو کرے اس پر کچھ واجب نہیں ایک لمحہ کے لیے زمین عرفات میں گزر جانا کافی ہے کہ فرض اسی قدر ہے ۱۲ منہ

ع3 اس کا اس لیے کہا کہ جو رات کو وقوف کرے اس پر امام کے ساتھ کوچ بھی واجب نہیں کہ امام تو اس کے آنے سے پہلے جا چکا ۱۲ منہ

ع4 یعنی اگر امام نے ترکِ واجب کرکے غروب سے پہلے کوچ کردیا تو یہ ساتھ نہ دیں یونہی اگر غروب کے بعد اس نے دیر کی یہ روانہ ہو جائیں ۱۲ منہ

ع5 یعنی اس کے چار پھیرے جو فرض ہیں بارھویں تک ہو گئے تو واجب ادا ہو لیا اگرچہ باقی تین پھیر کبھی ہوں، ہاں سنت یونہی ہے کہ پورا طواف انہی دنوں میں ہولے بلکہ ساتوں پھیرے ایک ساتھ ہوں ۱۲ منہ

ع6 مفرد کو یہ قربانی مستحب ہے ۱۲ منہ غفرلہ

م: # بعض سُنن الحج

ت: حج کی بعض سُنّتیں

م: قد سنّ للمرء الطواف ان قدم والحجر الاسود فیہ یستلم

ت: باہر سے آنے والے کو ایک طواف سنت ہے، طواف میں سنگِ اسود کا بوسہ لے۔

ش: یہ پہلا طواف ہے جو مفرد[ع۱] حاضر ہوتے ہی کرتا ہے اور قارن عمرہ کے بعد، اسے طوافِ قدوم کہتے ہیں گویا حاضریِ دربارِ اعظم کا مجرا۔

ف: یہ طواف متمتع[ع۲] کے لیے نہیں نہ اہلِ مکہ کو کہ وہ ہر وقت حاضرِ بارگاہ ہیں اور سنگِ اسود کا بوسہ نہ اسی طواف بلکہ ہر طواف میں سنّت ہے، طواف اسی سے شروع اور اسی پر ختم ہوتا ہے۔

م: والاضطباع ثم رمل قد اتی ورکعتان للطواف یا فتی

ت: سنّتوں کے شمار میں اضطباع پھر رمل آیا اور دو رکعتیں طواف کی اے جوان!

ش: اضطباع یہ کہ چادر دہنے بغل کے نیچے سے نکال کر یہ آنچل بائیں شانے پر ڈالے جس میں دہنا کندھا کھلا رہے، اور رمل یہ کہ طواف میں جلد جلد چھوٹے چھوٹے قدم رکھتا شانوں کو جنبش دیتا چلے۔

ف: یہ دونوں سنّتیں خاص مردوں کے لیے ہیں وہ بھی صرف اُس طواف میں جس کے بعد صفا مروہ میں سعی ہوتی ہے یعنی طوافِ عمرہ اور حج میں طوافِ قدوم کہ اکثر بخیالِ[ع۳] زحمت وکمیِ فرصت اسی کے بعد سعی کرلیتے ہیں، ہاں جس سے رہ گئی وہ طوافِ[ع۴] زیارت کے بعد کرے گا تو اسی طواف میں رمل کرے مگر

ع۱ مفرد، قارن، متمتع کے معنے عنقریب تکملہ میں آتے ہیں ان شاء اللہ تعالیٰ ۱۲ منہ

ع۲ اس لیے کہ وہ آتے وقت عمرہ لایا اور عمرہ میں طوافِ قدوم نہیں، جب عمرہ کرلیا مکی ہوگیا اور مکی کو یہ طواف نہیں ۱۲ منہ

ع۳ آگے آتا ہے کہ مفرد کو طوافِ زیارت کے بعد کی افضل ہے پر اس دن بہت ہجوم ہوتا ہے اور کئی کام اس لیے طوافِ قدوم پر کرلیتے ہیں اور قارن کے لیے تو افضل ہی یہ ہے ۱۲ منہ

ع۴ جس نے طوافِ زیارت کے بعد بھی سعی نہ کی وہ طواف الوداع کے بعد کرلے کہ سعی کا کوئی وقت معین نہیں ہے اور اب اس طواف میں رمل بھی بجالائے،

لان الرمل بعد طواف یعقبہ سعی افادہ کیونکہ رمل ایسے طواف کے بعد ہوتا ہے جس کے بعد

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

اضطباع ساقط ہوگیا۔

ف : اضطباع طواف میں ہوتا ہے اور رمل صرف اگلے تین پھیروں میں[1]، باقی چار میں اپنی چال، اور ہجوم کے سبب رمل میں اپنی یا اور کی ایذا ہو تو رُک رہے، جب غول نکل جائے پھر رمل کرتا چلے۔

ف : ہر طواف کے بعد دو رکعتیں ہمارے نزدیک سنّت نہیں بلکہ واجب ہیں۔

م : وركعتا الاحرام ثم الغسل له وفي جهر الملبي فضل

ت : اور احرام کی دو رکعتیں پھر اس کے لیے نہانا اور لبیک بے آواز کہنے میں فضیلت ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

العلامة الخير الرملي قال ولم اره صريحا و ان علم في اطلاقهم[1] اهـ ردالمحتار **اقول** لا كلام في جوازه وقد صرحوا ان لا توقيت و انما الكلام في انه يؤمر بايقاع السعي بعد طواف الصدر ولو ندبا ولعل الوجه فيه ان يقع سعيه متصلا بالطواف لما هو المستحب لكن يعارضه مستحب اخر وهو ان لا يكون بين طوافه للصدر ونفره من مكة حائل كما نصوا عليه وقد اوجب ذالك الامام الشافعي ويوافقه رواية عن ابي يوسف و الحسن بن زياد رحمهم الله تعالى فاكد الاستحباب خروجا عن الخلاف فافهم والله سبحانه وتعالى اعلم ۱۲ منه۔

سعی ہو، اس کا افادہ علامہ خیر الدین رملی نے کیا اور فرمایا اور میں نے صراحۃً یہ دیکھا نہیں اگرچہ فقہاء کے اطلاق سے معلوم ہوسکتا ہے اھ ردالمحتار **اقول** اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں ہے جبکہ وہ تصریح کرچکے ہیں کہ اس میں وقت مقرر نہیں، اس میں ضرور کلام ہے کہ کیا طوافِ وداع کے بعد سعی کا استحباباً بھی حکم ہے، ہوسکتا ہے کہ وجہ یہ ہو کہ طواف کے بعد متصل سعی ہوجائے تو مستحب ہے لیکن یہاں ایک دوسرا مستحب آڑے آرہا ہے وہ یہ کہ طوافِ وداع اور کوچ کرنے میں کوئی چیز درمیان میں حائل نہ ہو جیسا کہ فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے جبکہ امام شافعی اس کو واجب قرار دیتے ہیں اور اس کی موافقت ابو یوسف اور حسن بن زیاد کی روایت بھی کرتی ہے تو فوراً بعد میں روانہ ہونے کا استحباب واضح ہوگیا اس کو سمجھو، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم ۱۲ منہ (ت)

[1] یہاں تک کہ اگر اول پھیروں میں بھول گیا تو بھی ان چار میں اور اگر پہلے پھیرے میں یاد نہ رہا تو دو ہی میں کرے اور دو میں بھولا تو ایک ہی میں ۱۲ منہ

[1] ردالمحتار مطلب فی طواف الزیارۃ مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۹۸

ش: یہ مسائل ہم اوپر لکھ چکے اور یہ بھی کہ عورت لبیک آہستہ کہے۔ غسلِ نمازِ احرام کلامِ مصنف میں ذکراً مؤخر ہے وقوعاً مقدم۔

م: وفی منی المبیت لیل عرفة من سنة فافهم اخی بمعرفة

ت: اور منٰی میں نویں رات شب باشی سنت ہے پس اے برادر! اسے پہچان کر سمجھ لے۔

م: والجمع بین اللیل والنهار بعرفاتٍ جاء فی الاٰثار

ت: اور عرفات میں شب و روز کا جمع کرنا حدیثوں میں آیا ہے۔

ش: یعنی نویں تاریخ جو وقت سے عرفات میں وقوف کرتے ہیں اسے دن ہی میں ختم کریں بلکہ اتنا ٹھہریں کہ سورج وہیں ڈوبے اور ایک لطیف[1] حصہ رات کا آجائے، اس کے بعد مزدلفہ چلیں۔

ف: وقوف فرض تو اس قدر ہے کہ عرفہ کی دوپہر ڈھلے سے دسویں شب کی صبح صادق تک عرفات میں ہونا پایا جائے اگرچہ ایک[2] لمحہ، پھر جو رات کو وقوف کرے اگرچہ مکروہ ہے اسے کچھ دیر لگانا ضرور نہیں اور جو دن کو بعد زوال وقوف کرے کہ سنت یہی ہے اس پر ہمارے نزدیک امورِ مذکورہ یعنی غروبِ شمس تک ٹھہرنا اور جزوِ قلیل شب کا لے لینا واجب ہیں مگر بعد غروب دیر نہ کرے کہ مکروہ ہے۔

م: سن الوقوف جانب الصخرات والمشعرِ[3] الحرام حین یاتی

ت: سنت ہے ٹھہرنا پتھروں کی طرف اور مشعر حرام میں جب آئے۔

ش: عرفات میں سب سے اونچا میدان سیاہ چٹانوں کے پاس جس میں قبلہ رُو کھڑے ہو تو جبل الرحمۃ دہنے ہاتھ

---

[1] اس سے یہ مراد کہ آفتاب کا غروب یقینی ہو جائے اس کے بعد ہی فوراً کوچ کردیں کہ پھر توقف مکروہ ہے اور ظاہر کہ بعد غروب ایک آن بھی گزری تو رات کا ایک لطیف حصہ آگیا ۱۲ منہ

[2] اگرچہ بلا قصد اگرچہ سوتا ہوا اگرچہ بیہوش اگرچہ گزران اگرچہ بالاکراہ اگرچہ بحالتِ حدث حیض یا نفاس یا جنابت اگرچہ جانتا بھی نہ ہو کہ یہ مقام عرفات ہے فرض ہر طرح ادا ہو جائے گا ۱۲ منہ

[3] قلت فی ضبط اعرابه شعرا یوافقه زنة وقافیةً ؎

انصبه مفعولا لفعل یاتی
او جُرَّہٗ عطفاً علی الصخرات

۱۲ منہ غفر لہ۔

میں نے المشعر الحرام کے اعراب کو ضبط کرنے میں شعر کہا ہے جو وزن اور قافیہ میں اس شعر کے موافق ہے:
اسے "یاتی" فعل کے مفعول ہونے کی بنا پر نصب دے
یا "الصخرات" پر عطف ہونے کی بنا پر جر دے۔

۱۲ منہ غفر لہ (ت)

کو رہتا ہے اسے حضور پُر نور سید عالم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کا مکانِ وقوف گمان کیا جاتا ہے بہت افضل ہے کہ کسی کی ایذا نہ ہو تو وہاں وقوف کرے۔

ف: یہ تو مستحب ہے اور مشعر الحرام کہ مزدلفہ میں ایک خاص مقام کا نام ہے بالخصوص وہاں وقوف مسنون، ورنہ مزدلفہ کا وقوف ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ ہمارے نزدیک واجب ہے۔

م: اخذ الحصایا صاح من مزدلفة من سنة وغسلها ان اردفه

ت: مزدلفہ سے کنکریاں لینا اے رفیق میرے! سنت ہے اور ان کا دھولینا اگر اس کے بعد کرے۔

ش: دسویں کی صبح کو مزدلفہ سے منٰی جاتے ہیں تو آج وہاں ایک جمرہ پر کنکریاں ماریں گے اس کیلئے مستحب ہے کہ سات[۱] سنگریزے یہاں سے اٹھالے۔ اور دھونا تو ہر طرح مستحب ہے کہیں[۲] سے اٹھائے۔

---

[۱] اور وہ جو بعض لوگ باقی دنوں کی رمیِ جمراتِ ثلاثہ کو بھی سنگریزے یہیں سے لیتے ہیں مباح ہے نہ کچھ مندوب نہ کچھ معیوب ۱۲ منہ

[۲] اس سے یہ بھی معلوم ہُوا کہ سنگریزے ہر جگہ سے لینے جائز ہیں، ہاں جمرات کے پاس سے نہ اٹھائے کہ وہ پھینکی ہُوئی کنکریاں ہوتی ہیں، اور حدیث میں ہے: "جس کی قبول ہوتی ہیں فرشتے اٹھالے جاتے ہیں ورنہ تمھیں پہاڑ نظر آتے"[۱] اس سے معلوم ہُوا کہ جو رہ جاتی ہیں وہ معاذ اللہ مردود ہوتی ہیں تو انھیں اپنے حج میں کیوں استعمال کیجیو، غور کرو تو یہ بھی ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کا کھلا معجزہ ہے۔ اسلام میں حج ہوتے تیرہ سو برس کے قریب گزرے ہر سال لاکھوں بندگانِ خدا ہوتے ہیں ایک روایت میں چھ لاکھ ایک میں آٹھ لاکھ۔ حضرت حسن بصری کے اثر میں پندرہ لاکھ ان سے کم ہوتے ہیں تو فرشتے عدد پُورا کرتے ہیں اور قاعدہ ہے کہ ایسی جگہ عدد زائد ماخوذ ہوتا ہے کہ کم اس کا منافی نہیں۔ فقیر جس سال حاضر ہوا یعنی ۱۲۹۵ھ حاجیوں کی مردم شماری اٹھارہ لاکھ سُنی گئی پھر ہر شخص ۴۹ یا ۷۰ کنکریاں مارتا ہے ۴۹ ہی رکھئے تو پندرہ لاکھ میں ضرب دینے سے سات کروڑ پینتیس لاکھ (۷۳۵۰۰۰۰۰) کنکریاں جمع ہُوئیں۔ جمع کیجئے تو ہر سال پہاڑ بنتا ہے پھر جب دیکھئے تو جمرے خالی ہوتے ہیں منٰی میں کچھ گنتی کی کنکریاں نظر آتی ہیں، یہ خدا کی شان ہے اور حقیتِ اسلام کی صریح برہان والحمد للہ رب العالمین۔

ف: یُونہی مسجد کی کنکریاں نہ لے کہ بے ادبی اور اس کی چیز کا اپنے تصرف میں لانا ہے اسی طرح ناپاک کنکری بھی نہ لینی چاہئے کہ ان پر خدا کا نام لیا جاتا ہے واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ

---

[۱] کنز العمال حدیث ۱۲۱۳۱ ۵/۸۱ و الترغیب و الترھیب الترغیب فی رمی الجمار الخ ۲/۲۰۸

م: وفی منی لا تترکن الاضحیة کذا صلوٰۃ العید مع حسن النیة

ت: اور منٰی میں عید کی قربانی نہ چھوڑ، یونہی عید کی نماز نیک نیت سے۔

ف: ہمارے نزدیک نمازِ عید و قربانی دونوں مقیم مالدار پر واجب ہیں اور شافعیہ سنّت کہتے ہیں، لہذا مصنّفِ علام نے اپنے مذہب کے موافق انھیں سُنن میں گنا، مگر یہاں واجب التنبیہ یہ بات ہے کہ ہمارے علماء ذخیرہ و محیط وغیرہما میں تصریح فرماتے ہیں کہ منٰی میں نمازِ عید اصلاً نہیں کہ وہاں لوگوں کو امورِ حج سے فرصت نہیں ہوتی۔ علامہ ابراہیم حلبی نے فرمایا: ہاں بالاتفاق نمازِ عید نہ پڑھے۔ علامہ علی قاری نے فرمایا: اس پر تمام علمائے اُمّت کا اجماع ہے کذا فی ردالمحتار[1] فافهم واللّٰہ تعالٰی اعلم (جیسا کہ ردالمحتار میں ہے لہذا غور کیجئے، واللہ تعالٰے اعلم۔ ت) رہی قربانی وہ مذہبِ راجح میں مقیم پر واجب ہے جیسے اہلِ مکہ و منٰے اگرچہ احرام میں ہوں، اور مسافر سے تو اس کا مطالبہ ہی نہیں۔

م: وسنّة فی فعلها الثواب لیس علی تارکها العقاب

ت: اور سنّت کے کرنے میں ثواب ہے چھوڑنے میں عذاب نہیں۔

ف: مگر سُننِ مؤکدہ کے ترک میں سخت ملامت ہوگی، اور عیاذًا باللہ شفاعت سے محرومی بھی وارد، بلکہ محققین فرماتے ہیں اُن کے ترک میں تھوڑا[ع1] سا گناہ بھی ہے اگرچہ نہ ترکِ واجب کے برابر، انھی وجوہ سے سنت کو مستحب سے امتیاز ہے ورنہ جتنی بات متن میں گزری مستحب کو بھی شامل۔

م: وانّما یؤاخذ المرء علی اهمال فرض قد اتی مفصلا

ت: یُوں ہی ہے کہ آدمی پر مؤاخذہ فرض چھوڑنے میں ہے جو تفصیل وار وہُوا۔

ش: یعنی جس کے ثبوت میں کوئی اجمال و اشکال نہیں، توصفت[ع2] کاشفہ ہے کہ فرض سب ایسے ہوتے ہیں اور بقرینہ سیاق ظاہر کہ مواخذہ سے مراد عذاب ہے ورنہ ملامت کہ ترکِ سنن پر ہوگی خود گرفت و مواخذہ ہے۔

ع1 من اراد تحقیق ذٰلك فعلیه بالبحرالرائق وردالمحتار وغیرهما من الاسفار ۱۲ منه (م)

جو اس کی تحقیق چاہتا ہے اسے چاہئے کہ وہ بحرالرائق اور ردالمحتار وغیرہ کتب کو دیکھے ۱۲ منہ (ت)

ع2 یمکن ان یراد به ما اتی ای سبق بیانه مفصلا فعلی هذا یکون اشارة الی فروض الحج المارة فی الواجبات علی مذهب المصنف لکن الذی یعطیه سوق الکلام ان المقصود بیان حکم السنة والفرض مطلقا فلذا فسرناه بما فسرنا ۱۲ منه (م)

ممکن ہے اس سے مراد وہ ہو جو مفصلاً گزرا ہے اس بناء پر یہ حج کے ان فرائض کی طرف اشارہ ہوگا جو مصنف کے مذہب کے مطابق واجبات میں گزرا، لیکن سوقِ کلام جو مستفاد ہو رہا ہے وہ یہ ہے کہ یہاں مطلق سنت اور فرض کا حکم بیان کرنا مقصود ہے اسی لیے ہم نے مذکورہ تفسیر کی ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الحج مطلب فی حکم صلوٰۃ العید والجمعۃ فی منٰی مصطفی البابی مصر ۲/۲۰۰

ف : شافعیہ واجب و فرض میں فرق نہیں کرتے، ہمارے نزدیک وُہ دو چیزیں جدا جدا ہیں اور دونوں کے ترک پر استحقاقِ عذاب اگرچہ واجب میں کم فرض میں زیادہ۔ والعیاذ باللہ۔

م : ذی جملۃ من السنن الشھیرۃ اجل من شمس لدی الظھیرۃ

ت : یہ چند مشہور سنتیں ہیں، مہر نیمروز سے جلالت میں افزوں۔

ف : ان کے سوا آٹھویں تاریخ مکہ معظمہ سے منیٰ، نویں کو بعد طلوعِ شمس منیٰ سے عرفات جانا، وہاں نہانا، مزدلفہ میں رات بسر کرنا، دسویں کو وہاں سے قبلِ طلوعِ شمس منیٰ کو جانا، وہاں ایامِ رمیِ جمار میں راتوں کو رہنا، مکہ معظمہ کو یہاں سے جاتے وادیٔ محصب[1] میں اترنا وغیر ذٰلک کہ یہ سب سُننِ مؤکدہ ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم

م : **الفدیۃ**

ت : جُرمانہ کا بیان

م : مایفسد الحج ففیہ بُدنۃ وفی سواہ ذبح شاۃ حَسَنۃ

ت : جس سے حج فاسد ہوتا ہے اس میں بُدنہ ہے اور اس کے ماورا عمدہ بکری ذبح کرنا۔

ش : حج فاسد ہوجاتا ہے جماع سے بشرائط مذکورہ، اور ہم نے حنفیہ شافعیہ کا اختلاف بہ تفصیل بیان کردیا۔ بُدنہ ان کے یہاں صرف اونٹ کو کہتے ہیں ہمارے[2] یہاں گائے کو بھی شامل، عمدہ بکری یہ کہ ان عیبوں سے پاک ہو جو اُضحیہ میں ناجائز ہیں اور فقہ میں بہ تفصیل مذکور۔

ف : یہ دونوں قاعدے کہ جناب مصنّف نے ذکر کیے ہمارے مذہب کے مطابق نہیں جماع قبل الوقوف سے ہمارے نزدیک حج فاسد اور بدنہ لازم نہیں اور بعد الوقوف قبل الحلق والطواف سے بدنہ لازم، حج

---

[1] یہ وادی مکہ معظمہ کی آبادی سے ملی ہُوئی ہے، مقبرۂ مکہ مکرمہ یعنی جنت المعلیٰ کے متصل دو کوچے ہیں ان کے مقابل منیٰ کو جاتے ہُوئے بائیں ہاتھ بطنِ وادی سے اُوپر کچھ پہاڑیاں ہیں ان کوچوں اور پہاڑیوں کے درمیان جتنی وادی رہی وُہ وادیٔ محصب ہے، جب منیٰ سے رمیِ جمار کرکے مکہ معظمہ جائیں یہاں ٹھہرنا ضرور اور بلا عذر اس کا ترک بُرا۔ افضل طریقہ اس کا تکملہ میں آئے گا، اور زیادہ نہ ہوسکے تو اسی قدر کافی کہ سواری روک کر کچھ دیر دعا کرلیں ۱۲ منہ

[2] تو جہاں بدنہ لازم آئے گا ان کے نزدیک خاص اونٹ واجب ہوگا ہمارے نزدیک گائے بھی کفایت کرجائے گی کما نص علیہ فی الفتح (جیسا کہ فتح القدیر میں اس پر وضاحت کی گئی ہے۔ ت) ۱۲ منہ۔

فاسد نہیں۔

م : فی کل شعرۃ من الطعام مُدٌّ ویفدی الغیر بالصیام

ت : ہر بال میں اناج سے چہارم[1] صاع ہے اور ماورا کا جرمانہ روزے۔

ف : بال وغیرہ کے جرمانہ میں ہمارے یہاں بہت تفصیل ہے جس کا بیان موجب تطویل ہے، وقتِ حاجت علماء سے دریافت کرلیں۔

م : وما عدا ھذی التی قد ذکرت احکامھا فیما سواھا سطرت

ت : ان مذکورات کے سوا اور چیزوں کے احکام اس رسالہ کے ماورا میں مسطور ہیں۔

م : وانما ذی جملۃ لیسھلا لمن اتی لحفظہ مؤملا

ت : اور یہ تو چند باتیں ہیں تاکہ آسانی ہو اس کے لیے جو اسے یاد کرنے کی امید میں آئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

م :

الزّیارۃ

ت : زیارت سراپا طہارت سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بیان

م : واقصد اذا حججت للزیارۃ لقبرطٰہٰ فلک البشارۃ

ت : اور جب حج کرچکے تو زیارتِ قبرِ طٰہٰ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا قصد کرکہ تیرے لیے خوشخبری ہے۔

ف : علماء مختلف ہیں کہ پہلے حج کرے یا زیارت۔ لباب میں ہے: حج نفل میں مختار ہے، اور فرض

---

[1] مُدّ شافعیہ وحنفیہ دونوں کے نزدیک چہارم صاع ہے مگر صاع میں اختلاف ہے، ہم ۸ رطل کا کہتے ہیں تو مد ۲ رطل ہُوا وہ ۵ ⅓ رطل تو ۱ ½ ہوا، اور صاع عند التحقیق دوسَو ستر ۲۷۰ تولے کا ہے، تو ہمارے حساب پر بریلی کے سیر سے کہ سَو ۱۰۰ روپیہ بھر کا ہے، ایک صاع آدھ پاؤ کم تین سیر سے ۵ ماشے ۵ رتی زیادہ، اور نیم صاع کہ وہی گندم سے ایک آدمی کے فطر کا صدقہ اور ایک نماز، ایک روزہ کا فدیہ اور کفارہ میں ایک مسکین کا حصہ یعنی ایک سیر سات چھٹانک دو ماشے ساڑھے چھ رتی (یہاں عبارت میں کچھ اختصار کیا گیا ہے ۱۲ اشرف قادری) رامپور کے سیر سے کہ ۹۶ روپے بھر کا ہے (یعنی پورے نوّے ۹۰ تولے کا (فتاوی رضویہ) حساب بہت سیدھا ہے پُورے تین سیر کا صاع ہُوا دہلی کے سیر سے کہ ۸۰ روپے بھر کا ہے (یعنی ۵، تولے ہے ۱۲ فتاوی رضویہ) صاع ۳ ⅖ ہوا یعنی ساڑھے تین سیر سے دسواں حصہ سیر کا زائد اور نیم صاع یعنی دو سیر سے پانچواں حصہ سیر کا کم۔ یہ حساب خوب یاد رکھنا چاہیے بحمد اللہ تعالےٰ کمال التحقیق ہے واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم ۱۲ منہ

ہو تو پہلے حج، مگر مدینہ طیبہ راہ میں آئے تو تقدیم زیارت لازم نہی"۔ یعنی بے زیارت گزر جانا گستاخی، اور فقیر کو علامہ مدقق کا یہ ارشاد بہت بھایا کہ پہلے حج کرے تا کہ پاک کی زیارت پاک ہو کر ملے ؎

پاک شو اول وپس دیدہ براں پاک انداز
(پہلے پاک ہو اور پھر اس پاک ہستی پر نظر ڈال)

ف: جناب مصنف کے کلام میں صاف اشارہ ہے کہ سفر مدینہ طیبہ خاص بقصد زیارت شریفہ ہو اور بیشک یہ امر شرعاً محمود اور زیارت اقدس اعظم مقصود، اور حدیث میں لفظ[1] لا تعملہ[ف] الا زیارتی موجود یعنی

[1] فائدۂ جلیلہ: یہ حدیث صحیح ہے

رواہ الطبرانی فی الکبیر والدارقطنی فی الامالی وابوبکر المقری فی المعجم والحافظ السلفی وابن عساکر[2] وابونعیم والحافظ ابو علی وسعید بن السکن البغدادی فی کتاب السنن الصحاح عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

اس کو طبرانی نے کبیر اور دارقطنی نے امالی میں، ابوبکر مقری نے معجم میں، حافظ سلفی، ابن عساکر، ابونعیم، حافظ ابو علی اور سعید بن سکن بغدادی نے سنن اور صحاح میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

امام ابن السکن اشارہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی صحت پر ائمہ حدیث کا اجماع ہے۔

دوسری حدیث میں ہے:

زارنی متعمدا[3]۔ رواہ العقیلی والبیہقی وابن عساکر۔

بالقصد میری زیارت کرے۔ (اس کو عقیلی، بیہقی اور ابن عساکر نے روایت کیا۔ ت)

تیسری حدیث میں ہے:

زارنی بالمدینۃ محتسبا[4]۔ اخرجہ ابن ابی الدنیا

ثواب کی نیت سے میری زیارت کے لیے مدینے میں

(باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] لباب وشرح لباب مع ارشاد الساری باب زیارۃ سید المرسلین دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۵-۳۳۴

[2] معجم کبیر مروی از عبداللہ ابن عمر حدیث ۱۳۱۴۹ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱۲/ ۲۹۱

کنز العمال حدیث ۳۴۹۲۸ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۲۵۶

[3] شعب الایمان حدیث ۴۱۵۲ باب المناسک دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۴۸۸

[4] ۴۱۵۷ ۳/ ۴۹۰

ف: یہ لفظ معجم میں یوں ہے: لا یعملہ حاجۃ الا زیارتی الخ۔ اور کنز العمال میں یوں ہے: لا یعمدہ حاجۃ الا زیارتی الخ۔ نذیر احمد سعیدی

اسے کوئی کام نہ ہو میری زیارت کے سوا۔ امام ابن الہمام فرماتے ہیں میرے نزدیک افضل یہ ہے کہ سفر خاص بقصد (بقیہ صفحہ گزشتہ)

والبیہقی وابن الجوزی عن انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

حاضر ہوا (اس کی ابن ابی الدنیا، بیہقی اور ابن جوزی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تخریج کی۔ ت)

چوتھی حدیث میں ہے:

قصدنی فی مسجدی[1]۔ اورده فی جذب القلوب۔

میرا قصد کرکے میری مسجد میں آئے (اسکو جذب القلوب میں ذکر کیا گیا ہے۔ ت)

اقول علاوہ بریں وہ تمام احادیث جن میں زیارت قبر شریف کی ترغیب و تاکید اور اس کے ترک پر وعید و تہدید ہمارے مدعا کی گواہ و شہید۔ طرفہ بات یہ ہے کہ شارع صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم جس امر کی طرف بہ تاکید بلائیں اور اس کے ترک پر وعید فرمائیں اس کا قصد ناجائز قرار پائے۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں،

انما الاعمال بالنیات[2]۔ (اعمال کا مدار نیتوں پر ہے۔ ت)

یہ عجب کار ثواب ہے جس کی نیت موجب عذاب ہے لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ رہی حدیث "لا تشد الرحال" ائمہ دین نے تصریح فرمائی کہ وہاں ان تینوں مسجدوں کے سوا اور مسجد کے لیے بالقصد سفر کرنے سے ممانعت ہے ورنہ زنہار الفاظ حدیث طلب علم و اصلاح مسلمین و جہاد و اعدا و نشر دین و تجارت حلال و ملاقات صالحین وغیرہا مقاصد کے لیے سفر سے مانع نہیں، اور قاطع نزاع یہ ہے کہ بعینہٖ یہی حدیث بروایت حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ امام احمد رحمہ اللہ تعالٰی نے اپنی مسند میں بسند حسن یوں روایت کی،

لا ینبغی للمطی ان تشد رحالہ الٰی مسجد تبتغی فیہ الصلٰوۃ غیر المسجد الحرام والمسجد الاقصٰی و مسجدی ھذا[3]۔

ناقہ کو سزاوار نہیں کہ اس کے کجاوے کسی مسجد کی طرف بغرض نماز کسے جائیں سوائے مسجد حرام و مسجد اقصٰی اور میری مسجد کے۔

تو خود حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشاد سے حضور کی مراد واضح ہوگئی والحمد للہ رب العالمین ۱۲ منہ

---

[1] جذب القلوب باب چہاردہم در فضائل زیارۃ سید المرسلین مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ص ۱۹۶

[2] صحیح بخاری باب کیف کان بدء الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۱

[3] مسند احمد بن حنبل مروی از ابوسعید خدری دار الفکر بیروت ۶۳/۳

زیارتِ والا کرے یہاں تک کہ اس کے ساتھ مسجد شریف کا بھی ارادہ نہ ہو کہ اس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم زیادہ ہے جب حاضر ہوگا حاضریِ مسجد خود ہو جائے گی یا اس کی نیت دوسرے سفر پر رکھے۔

م: ان زیارۃ النبی لازمۃ صلوا علیہ فالصلٰوۃ واجبۃ

ت: بے شک زیارتِ نبی صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی لازم ہے، درود بھیجو ان پر کہ درود فرض ہے۔

ش: علماء فرماتے ہیں زیارتِ نبی صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اعظم قربات وافضل طاعات سے ہے، بہت بر آرندہ مقاصد وحاجات، قریب بدرجۂ مؤکدہ واجبات، بلکہ بعض نے وجوب[۱] کی تصریح فرمائی، فقیر کہتا ہے دلیل اسی کو مقتضی، وھو الذی نود ان نقول بہ (ہم یہی کہنا چاہتے ہیں۔ ت)
اسی طرح حضور پُر نور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود عمر میں ایک بار تو بالاجماع فرضِ قطعی ہے اور امام شافعی ہر نماز میں فرض اور ہر بار کہ ذکر شریف آئے علماء کو وجوب واستحباب میں اختلاف، امام طحاوی کا مذہب ہر مرتبہ وجوب ہے ذاکر وسامع پر، باقلانی وحلبی وصاحب بحرالرائق وتنویرالابصار وغیرہم اکابر علماء نے اسی کو صحیح و راجح ومختار ومعتمد فرمایا اور دلیل اسی کو مقتضی وھو الذی ندین اللہ بہ (یہی اللہ تعالٰی کو زیادہ پسند ہے۔ ت) البتہ درصورت اتحادِ مجلس دفعاً للحرج تداخل[۲] مُسلّم۔ واللہ اعلم

م: ویستحق الزائر الشفاعۃ فیما روتہ ثقۃ الجماعۃ

ت: اور زیارت کرنے والا مستحقِ شفاعت ہے اس حدیث کی رو سے جسے ثقہ جماعت نے روایت کیا۔

---

[۱] یعنی الوجوب المصطلح عند الحنفیۃ لاکما تقول القدماء الظاھریۃ ان الزیارۃ الکریمۃ واجبۃ ولا یفرقون بین الواجب و الفرض اما احداثھم الھنود فقد اٰمنوا بابن تیمیۃ وتفوھوا بما لا تعسطہ الدیمۃ الدومیۃ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ ۱۲ منہ (م)

یعنی احناف کی اصطلاح کا وجوب، قدماء ظاہری مذہب والوں کا وجوب مراد نہیں کہ زیارت کریمہ واجب بمعنی فرض ہو کیونکہ وہ فرض اور واجب میں فرق نہیں کرتے، لیکن ہندوستانی نئے ظاہری لوگ ابن تیمیہ پر ایمان رکھتے ہوئے وہ بکواس کرتے ہیں جن کو چاٹنے والی دیمک بھی نہ چاٹ سکے، لا حول ولا قوۃ الا باللہ ۱۲ منہ (ت)

[۲] المعتمد عندنا الوجوب والتداخل افادہ فی المرقاۃ ۱۲ منہ (م)

ہمارے نزدیک قابلِ اعتماد وجوب اور تداخل ہے اس کا افادہ مرقات میں ہے ۱۲ منہ (ت)

ش: حدیث ۱: حدیثِ[ع۱] صحیح میں ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔[۱]

حدیث[ع۲] ۲: جو میری زیارت کو آیا کہ اسے سوا زیارت کے کچھ کام نہ تھا مجھ پر حق ہوگیا کہ روزِ قیامت اُس کا شفیع ہوں۔[۲]

ع۱ رواہ ابن خزیمۃ فی صحیحہ وابن ابی الدنیا والطبرانی والمحاملی والبزار والعقیلی و ابن عدی والدارقطنی والبیہقی وابو الشیخ وابن عساکر وابو طاھر السلفی وعبد الحق فی الاحکامین والذھبی وابن الجوزی کلھم عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما وصححہ عبد الحق وحسنہ الذھبی **اقول** وبعد الحسن فلا شک فی صحتہ لکثرۃ الطرق ففی الباب عن بکر بن عبد اللہ رواہ ابو الحسن یحیٰی بن الحسن فی اخبار المدینۃ وعن عمر الفاروق وعن ابن عباس وعن انس بن مالک وعن ابی ھریرۃ رحمہم اللہ تعالٰی عنھم کما سیاتی ۱۲ منہ (م)

اسے ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اور ابن ابی الدنیا، طبرانی، محاملی، بزار، عقیلی، ابن عدی، دارقطنی، بیہقی، ابو الشیخ، ابن عساکر، ابو طاہر سلفی، اور عبد الحق نے احکامین میں اور ذہبی اور ابن جوزی سب نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا، اور عبد الحق نے اسے صحیح کہا اور ذہبی نے اس کی تحسین کی **اقول** تحسین کے بعد اس کی صحت میں کثرتِ طرق کی بنا پر شک نہ رہا اس باب میں بکر بن عبد اللہ سے روایت ہے اسے ابو الحسن یحیٰی بن الحسن نے اخبار مدینہ میں ذکر کیا اور عمر فاروق سے ابن عباس سے انس بن مالک اور ابو ہریرہ رحمہم اللہ تعالٰی عنہم سے روایات مروی ہیں جیسا کہ آگے آرہا ہے ۱۲ منہ (ت)

ع۲ یہ حدیث بھی صحیح ہے جس کی تخریج شروع فصل کے حواشی میں گزری۔

عجیب لطیفہ: امام اجل خاتمۃ الحفاظ والمحدثین امام زین الدین عراقی استاذ امام جبل الحفظ والاسناد والمحدثین امام ابن حجر عسقلانی رحمہما اللہ تعالٰی زیارت مزار پُر انوار حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جاتے تھے بعض حنبلی حضرت کے ہمراہِ رکاب تھے حنبلی نے باتباعِ ابن تیمیہ کہ مدعی حنبلیت تھا یُوں کہا کہ میں نے مسجد خلیل اللہ

(باقی بر صفحہ آئندہ)

---

[۱] سنن الدار قطنی	کتاب الحج	باب المواقیت	نشر السنۃ ملتان	۲/ ۲۷۸
[۲] معجم کبیر	مروی از عبد اللہ بن عمر	حدیث ۱۳۱۴۹	مکتبہ فیصلیہ بیروت	۱۲/ ۲۹۱
کنز العمال		حدیث ۳۴۹۲۸	موسسۃ الرسالہ بیروت	۱۲/ ۲۵۶

حدیث ۳[ع۱]: جو مدینہ میں بہ نیتِ ثواب میری زیارت کرنے آئے میں اس کا شفیع و گواہ ہوں[۱]۔

حدیث ۴[ع۲]: جو میرے انتقال کے بعد میری زیارت کرے گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

علیہ الصلوٰۃ والسلام میں نماز پڑھنے کی نیت کی، امام نے فرمایا میں نے زیارت قبر سیدنا خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نیت کی، پھر حنبلی سے فرمایا تم نے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مخالفت کی کہ حضور نے مساجد ثلاثہ کے سوا چوتھی مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے سفر سے ممانعت کی اور میں نے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اتباع کیا کہ حضور نے فرمایا، قبور کی زیارت کرو۔ کیا اس کے ساتھ کہیں یہ بھی فرما دیا ہے کہ قبورِ انبیاء کی زیارت نہ کرو۔ حنبلی کو سوا حیرت کے کچھ بن نہ آیا[۲]۔

نقلہ العلامۃ القسطلانی فی المواھب عن الشیخ ولی الدین عراقی عن ابیہ الامام زین الدین العراقی رحمۃ اللہ تعالٰی علیھم اجمعین۔ (م)

اسے علامہ قسطلانی نے مواہب میں شیخ ولی الدین عراقی سے (انھوں نے اپنے والد امام زین الدین عراقی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین سے) نقل فرمایا۔ (ت)

دیکھئے خدا کی شان جس حدیث سے یہ لوگ اپنے زعم میں مزارات کی طرف سفر کی ممانعت نکالتے تھے خدا تعالٰی نے اسی حدیث سے ان پر الزام قائم فرمایا وللہ الحجۃ السامیۃ ۱۲ منہ

ع۱ رواہ ابن ابی الدنیا والبیھقی وابوالفرج ابن الجوزی عن انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ ۱۲ منہ (م)

اسے ابن ابی الدنیا، بیہقی اور ابوالفرج ابن جوزی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ۱۲ منہ (ت)

ع۲ رواہ العقیلی وابن عساکر عن ابن عباس، والیعقوبی فی جزئہ الحدیثی عن ابی ھریرۃ، و ابن النجار فی الدرۃ الثمینۃ عن انس بن مالک وصدر الحدیث مروی عن ابن عمر

عقیلی اور ابن عساکر نے ابن عباس سے، اور یعقوبی نے جزء الحدیثی میں ابوہریرہ سے، اور ابن النجار نے الدرۃ الثمینہ میں انس بن مالک سے روایت کیا ہے اور صدر حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما

(باقی بر صفحہ آئندہ)

---

[۱] شعب الایمان باب المناسک حدیث ۴۱۵۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۴۸۷

[۲] المواہب اللدنیہ حکم نذر الزیارۃ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۵۷۳-۷۴

اور میں روز قیامت اپنے زائر کا گواہ یا شفیع ہوں گا۔[1]

حدیث ۵ [علہ]: جو میری قبر کی یا فرمایا میری زیارت کرے میں اس کا شافع وشاہد ہوں۔[2] غرض یہ مضمون بہت حدیثوں میں وارد۔

حدیث ۶ [علہ]: جو مکہ جاکر حج کرے پھر میرے قصد سے میری مسجد میں حاضر ہو اس کے لیے دو حج مبرور لکھے جائیں۔[3] اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: حج مبرور [علہ] کی جزا سوا جنت کے کچھ نہیں۔[4]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

رضی اللہ تعالٰی عنہما، رواہ سعید بن منصور والمحاملی والطبرانی وابویعلٰی وابن عدی والدارقطنی والبیہقی وابن عساکر وابن الجوزی وابن النجار وعن حاطب رواہ الدارقطنی والمحاملی والبیہقی وابن عساکر وعن علی کرم اللہ وجہہ رواہ یحیٰی بن جعفر الحسینی فی اخبار المدینۃ، واوردہ ابوسعید فی شرف المصطفٰی ۱۲ منہ (م)

سے مروی ہے۔ اسے سعید بن منصور، محاملی، طبرانی، ابویعلٰی، ابن عدی، دارقطنی، بیہقی، ابن عساکر، ابن جوزی اور ابن نجار نے روایت کیا اور حاطب سے مروی ہے اسے دارقطنی، محاملی، بیہقی اور ابن عساکر نے روایت کیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے اسے یحیٰی بن جعفر الحسینی نے اخبار المدینہ میں روایت کیا۔ اور ابوسعید نے اسے شرف المصطفٰی میں بیان کیا ۱۲ منہ (ت)

علہ رواہ ابوداؤد الطیالسی والبیہقی و ابونعیم وابن عساکر عن امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ ۱۲ منہ (م)

اسے ابوداؤد طیالسی، بیہقی، ابونعیم اور ابن عساکر نے امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

علہ مر فی صدر الفصل ۱۲ منہ (م)

فصل کے شروع میں گزرا ۱۲ منہ (ت)

علہ رواہ مالک واحمد والبخاری ومسلم وابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجۃ

اسے امام مالک، احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، اصبہانی اور بیہقی

(باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] کتاب الضعفاء الکبیر ترجمہ ۱۵۱۳ فضالۃ بن سعید دار الکتب العلمیۃ بیروت ۳/ ۴۵۷

[2] مسند ابوداؤد الطیالسی حدیث من زار قبری دار المعرفۃ بیروت ص ۱۲ و ۱۳

[3] جذب القلوب باب چہارم در فضائل زیارۃ سید المرسلین نولکشور لکھنؤ ص ۱۹۶

[4] صحیح بخاری ابواب العمرۃ باب وجوب العمرۃ وفضلہا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۸

حدیث ۷[1]: جو بالقصد میری زیارت کو حاضر ہو روزِ قیامت میرے سایۂ دامان میں ہو۔[1]

حدیث ۸[2]: جو حجۃ الاسلام بجالائے اور میری قبر کی زیارت سے مشرف ہو اور ایک جہاد کرے اور بیت المقدس میں نماز پڑھے اللہ تعالٰی اس سے فرائض کا حساب نہ لے۔[2]

حدیث ۹[3]: جس نے حج کیا اور میری زیارت کو نہ آیا اس نے مجھ پر جفا کی۔[3]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

والاصبہانی والبیہقی عن ابی ھریرۃ و احمد عن عامر بن ربیعۃ وعن جابر بن عبد اللہ والطبرانی فی المعجم الکبیر عن ابن عباس واحمد والترمذی والنسائی وابن خزیمۃ و ابن حبان فی صحیحہما عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہم، قال الترمذی حسن صحیح، قلت وقد روی من غیر وجہ ۱۲ منہ غفرلہ (م)

نے حضرت ابوہریرہ سے اور احمد نے عامر بن ربیعہ سے اور جابر بن عبد اللہ سے، اور طبرانی نے معجم کبیر میں ابن عباس سے، اور احمد، ترمذی، نسائی، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا۔ ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا۔ میں کہتا ہوں یہ متعدد وجوہ سے مروی ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

عہ۱ سبق ذکرہ فی صدر الفصل ۱۲ منہ (م)

فصل کے شروع میں پیچھے اس کا ذکر ہوچکا ۱۲ منہ (ت)

عہ۲ رواہ ابو الفتح الازدی بطریق سفیان الثوری عن منصور عن ابراہیم عن علقمۃ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ ۱۲ منہ (م)

اسے ابو الفتح ازدی نے بطریق سفیان ثوری منصور سے ابراہیم سے علقمہ سے ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ۱۲ منہ (ت)

عہ۳ رواہ ابن حبان والدارقطنی وابن عدی عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما وفی الباب عن سیدنا علی کرم اللہ وجہہ ۱۲ منہ (م)

اسے ابن حبان، دارقطنی، ابن عدی نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے اور اس باب میں سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] شعب الایمان حدیث ۴۱۵۷ باب المناسک دار الکتب العلمیۃ بیروت ۳/ ۴۹۰

[2] تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ بحوالہ (فت) کتاب الحج فصل ثالث " " " ۲/ ۱۷۵

[3] الکامل فی ضعفاء الرجال ترجمہ نعمان بن شبل دار الفکر بیروت ۷/ ۲۴۸۰

حدیث ۱۰[ع۱]: جو اُمتی میرا قدرت رکھتا ہو پھر میری زیارت نہ کرے اس کے لیے کوئی عذر نہیں۔[1]

حدیث ۱۱[ع۲]: جو مجھ پر سلام عرض کرتا ہے میں اسے جواب دیتا[ع۲] ہوں۔[2] السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

حدیث ۱۲[ع۳]: جو مجھ پر میری قبر کے پاس سلام عرض کرے اللہ تعالٰی اس پر ایک[ع۴] فرشتہ مقرر فرمائے کہ اس کا سلام مجھے پہنچائے اور اس کے دنیا وآخرت کے کاموں کی کفایت فرمائے اور روزِ قیامت میں اس کا شفیع یا گواہ ہوں۔[3]

حدیث ۱۳[ع۵]: اللہ تعالٰی نے دنیا میرے سامنے اُٹھائی کہ وہ اور جو کچھ قیامت تک اس میں ہونے والا ہے سب کو ایسا دیکھ رہا ہوں جیسا اپنی ہتھیلی کو۔[4]

ع۱ رواہ ابن النجار عن انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ ۱۲ منہ (م)

اسے ابن نجار نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ۱۲ منہ (ت)

ع۲ رواہ الامام احمد وابوداؤد عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ باسناد صحیح قالہ المناوی ۱۲ منہ (م)

اسے امام احمد اور ابوداؤد نے صحیح اسناد کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ یہ مناوی نے کہا ۱۲ منہ (ت)

ع۳ ھذا حدیث ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ اوردہ فی الجوھر المنظم ذکرہ العلامۃ الزرقانی فی شرح المواھب ۱۲ منہ (م)

یہ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ہے اسے جوہر المنظم میں درج کیا گیا ہے۔ علامہ زرقانی نے شرح مواہب میں اس کا ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

ع۴ دربارِ شاہی کا ادب ہے کہ حاضرین کی عرض بھی عرض بیگی کے ذریعہ سے ہوتی ہے ورنہ حضور پر دلوں کے ارادے تک روشن ہیں صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

ع۵ رواہ الطبرانی عن ابن عمر الفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ ۱۲ منہ (م)

اسے طبرانی نے حضرت ابن عمر الفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ۱۲ منہ (ت)

---

[1] تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ بحوالہ تاریخ ابن نجار کتاب الحج فصل ثانی دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۱۷۲

[2] سنن ابوداؤد کتاب المناسک باب زیارۃ القبور آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۷۹

[3] شعب الایمان باب فی المناسک حدیث ۴۱۵۹ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۳/ ۴۸۹

[4] کنز العمال بحوالہ نعیم بن حماد فی الفتن حدیث ۳۱۸۱۰ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۳۷۸

" طب وحل عن ابن عمر حدیث ۳۱۹۷۲ " " " ۱۱/ ۴۲۰

حدیث ۱۴: میرا علم میری وفات کے بعد ایسا ہی ہے جیسا میری زندگی میں۔[ع۱]

حدیث ۱۵: میری حیات و ممات دونوں تمہارے لیے بہتر ہیں، تمہارے اعمال میرے حضور پیش کیے جاتے ہیں میں نیکیوں پر شکر کرتا اور برائیوں پر تمہارے لیے استغفار فرماتا ہوں۔[ع۲]

حدیث ۱۶: بیشک اللہ تعالٰی نے زمین پر پیغمبروں کا جسم کھانا حرام کیا ہے تو اللہ کا نبی زندہ ہے روزی

ع۱ اخرجہ الاصبہانی وابن عدی فی الکامل عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ ۱۲ منہ (م)

ع۲ رواہ الحارث فی مسندہ وابن سعد فی طبقاتہ والقاضی اسمٰعیل بسند صحیح عن بکر بن عبد اللہ المزنی التابعی الثقۃ مرسلا والبزار مثلہ باسناد صحیح عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ ۱۲ منہ غفر لہ (م)

ع۳ صدر الحدیث ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء اخرجہ الائمۃ احمد وابو داؤد والنسائی وابن ماجۃ والحاکم والدارقطنی وابن خزیمۃ وابن حبان وابونعیم وغیرھم عن اوس بن اوس رضی اللہ تعالٰی عنہ وصححہ ابن خزیمۃ وحبان والدارقطنی وحسنہ عبد الغنی والمنذری وقال ابن دحیۃ انہ صحیح محفوظ بنقل العدل عن العدل اھ واخرجہ الطبرانی

اسے اصبہانی اور ابن عدی نے کامل میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ۱۲ منہ (ت)

حارث نے اپنی مسند میں اور ابن سعد نے اپنی طبقات میں اور قاضی اسمٰعیل نے بسند صحیح بکر بن عبد اللہ المزنی التابعی الثقہ سے مرسلاً اور ایسے ہی صحیح اسناد کے ساتھ بزار نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

حدیث کا ابتدائی حصہ یہ ہے اللہ تعالٰی نے حرام فرمایا ہے زمین پر کہ وہ انبیاء کے اجسام کو کھائے۔ اس کو ائمہ کرام ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ، حاکم، دارقطنی، ابن خزیمہ، ابن حبان اور ابونعیم وغیرہم نے اوس بن اوس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تخریج کیا ہے، اور اس کو ابن خزیمہ، حبان اور دارقطنی نے صحیح کہا ہے۔ اور عبد الغنی اور منذری نے اس کو حسن کہا ہے اور ابن دحیہ نے کہا کہ یہ صحیح محفوظ ہے اور اس کے تمام راوی عادل ہیں، اور طبرانی اور بیہقی نے ابوہریرہ سے اور ابن عدی

(باقی بر صفحہ آئندہ)

۱؎ جذب القلوب باب چہاردہم در زیارت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نولکشور لکھنؤ ص ۱۹۹

۲؎ کنز العمال بحوالہ ابن سعد عن بکر بن عبد اللہ المزنی حدیث ۳۱۹۰۳ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/۴۰۷

۳؎ سنن ابن ماجہ ابواب الجنائز ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۹

دیا جاتا ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔[1]

حدیث ۱۷: علٰہ میری اس مسجد میں نماز اور مسجدوں کی ہزار نماز سے افضل ہے سوائے مسجد الحرام کے۔[2]

حدیث ۱۸: علٰہ جو حرمین میں سے کسی حرم میں مرے روز قیامت بے خوف اُٹھے گا۔[3]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

والبیہقی عن ابی ھریرۃ وابن عدی عن انس ومع زیادۃ فنبی اللہ حی یرزق[4] رواہ ابن ماجۃ بسند صحیح عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین ۱۲ منہ (م)

نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے اس اضافہ "تو اللہ کا نبی زندہ ہے روزی دیا جاتا ہے" ابن ماجہ نے صحیح سند کے ساتھ ابو درداء رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے روایت کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

علٰہ رواہ احمد والستۃ الا اباداؤد عن ابی ھریرۃ واحمد ومسلم والنسائی و ابن ماجۃ عن ابن عمر ومسلم عن ام المؤمنین میمونۃ واحمد عن جبیر بن مطعم وعن سعد وعن الارقم بن ابی الارقم وکابن ماجۃ عن جابر بن عبداللہ وکابن حبان عن عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین ۱۲ منہ (م)

اس حدیث کو امام احمد اور صحاح ستہ کے ائمہ نے ماسوائے ابوداؤد کے سب نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے، اور امام احمد، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے ابن عمر سے اور مسلم نے ام المؤمنین حضرت میمونہ سے اور احمد نے جبیر بن مطعم اور سعد اور ارقم بن ابی الارقم سے اور ابن ماجہ کی طرح جابر بن عبداللہ سے اور ابن حبان کی طرح عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے روایت کیا ۱۲ منہ (ت)

علٰہ مروی عن انس بن مالک عند البیھقی و عن بکر بن عبداللہ وعن حاطب وعن امیر المؤمنین عمر وعن غیرھم رضی اللہ تعالٰی عنھم تتمۃ للحدیث الاول والرابع و الخامس والسابع وقد مرتخاریجھا ۱۲ منہ (م)

یہ بیہقی کے ہاں انس بن مالک اور بکر بن عبداللہ، حاطب اور امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہم سے مروی ہے یہ پہلی، چوتھی، پانچویں اور ساتویں حدیث کا تتمہ ہے۔ اس کی تخاریج گزرچکیں ۱۲ منہ (ت)

[1] سنن ابن ماجہ ابواب الجنائز ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۹
[2] صحیح مسلم باب فضل الصلوٰۃ بمسجدی مکۃ والمدینۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۴۶
[3] شعب الایمان باب فی المناسک حدیث ۴۱۵۸ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۳/ ۴۹۰
[4] سنن ابن ماجہ ابواب الجنائز ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۹

حدیث ۱۹[ع۱]: مدینہ مکہ سے افضل ہے۔[۱]

حدیث ۲۰[ع۲]: جس سے مدینہ میں مرنا ہو سکے تو اسی میں مرے کہ جو مدینہ میں مرے گا میں اس کی شفاعت فرماؤں گا۔[۲]

اللھم ارزقنا علی الایمان والسنۃ بجاھہ عندک باعظم المنۃ امین امین امین امین وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا و مولانا محمد و اٰلہٖ وصحبہ اجمعین۔

م: ھنالکم یا معشر الحجاج   اذجئتم من ابعد الفجاج

ت: اے گروہِ حاجیاں! تمھیں مژدہ جب آئے تم دُور دراز راہوں سے۔

م: لبیتم، واللہ خیر داع   فمنکم، تقبل المساعی

ت: تم نے لبیک کہی اور اللہ تعالٰی بہتر بلانے والا ہے اپنی عبادت کی طرف، تو تمھاری کوششیں مقبول ہوں۔

م: وقد حویتم، عظیم المنۃ   والحج مبرورًا جزاہ الجنۃ

ت: اور بیشک تم نے بڑا احسان جمع کیا اور اچھے حج کا بدلہ بہشت ہے۔

م: خصکم الرحمٰن بالغفران   وعمکم بالفضل والاحسان

ت: رحمان نے تمھاری خاص مغفرت کی اور تم سب پر فضل و احسان عام کیا۔

ش: یہ اخبار بطور رجا ہے بنظرِ احادیث[ع۳] کثیرہ کہ اس معنٰی میں وارد ہوئیں یا دُعا مراد ہے اور تخصیص مغفرت

ع۱ رواہ الطبرانی فی الکبیر والدارقطنی فی الافراد عن رافع بن خدیج رضی اللہ تعالٰی عنہ ۱۲ منہ (م)

اس کو طبرانی نے کبیر میں اور دارقطنی نے افراد میں رافع بن خدیج رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ۱۲ منہ (ت)

ع۲ رواہ احمد والترمذی وابن ماجۃ وابن حبان عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما وصححہ الترمذی ۱۲ منہ (م)

اس کو احمد، ترمذی، ابن ماجہ اور ابن حبان نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ۱۲ منہ (ت)

ع۳ اس بارے میں احادیث کثیرہ وارد ہیں، فضائلِ حج وعمرہ میں حضرت والد قدس سرہ الماجد نے جواہر البیان شریف

(باقی برصفحہ آئندہ)

۱؎ المعجم الکبیر مروی از رافع بن خدیج حدیث ۴۴۵۰ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۴/ ۲۸۸

۲؎ جامع الترمذی ابواب المناقب باب ماجاء فی فضل المدینۃ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۲۳۱

کے یہ معنے نہیں کہ خاص تمہاری مغفرت ہو، بلکہ یہ کہ تمہاری خاص[علہ] مغفرت ہو۔

م : فالتزموا الحمد لہ والشکرا اذ ھذہ النعمۃ منہ الکبریٰ

ت : تو حمد و شکرِ الٰہی کا التزام کرلو کہ یہ نعمت اس کی بہت بڑی ہے۔

م : وعظموا النبی بالسلام علیہ فھو المسک للختام

ت : اور نبی صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم کرو ان پر سلام بھیج کر کہ یہ مُشک ہے مہرِ خاتمہ کے لیے۔

م : وآلہ خلاصۃ الانام مع صحبہ الافاضل الکرام

ت : اور ان کی آل پر کہ خلاصہ مخلوقات ہیں مع صحابہ کے کہ بہت فضیلت و کرم والے ہیں۔

ف : اس قسم کے کلمات اہلِ عرف مقامِ مدح میں استعمال کرتے ہیں مثلاً امام الائمہ ابوحنیفہ، سید الاولیاء حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما بلکہ علماء و ساداتِ عصر کو لکھتے ہیں، افضل المحققین، اکمل المدققین، خلاصہ دودمانِ مصطفوی، نقادہ خاندانِ مرتضوی اور ان الفاظ سے عموم و استغراقِ حقیقی مراد نہیں لیتے ورنہ باین معنیٰ امام الائمہ و سید الاولیاء حضور اقدس سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں و بس، اور اگر اُمّت[عہ] میں لیجئے تو حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ، اسی طرح خلاصہ دودمانِ مصطفوی حضرت بتول زہرا ہیں،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

میں ستر سے زائد حدیثیں ذکر فرمائیں ان میں بہت احادیث اس معنی کی مفید ملیں گی، سب سے اعلیٰ یہ ہے کہ صحیحین میں آیا حضور اقدس صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جو حج کرے اور اس میں رفث و گناہ سے بچے ایسا پاک ہو کر پلٹے جیسا جس دن ماں کے پیٹ سے نکلا تھا۔[1] ۱۲ منہ

علہ یعنی مغفرتِ عامہ سے جُدا و ممتاز ۱۲ منہ

عہ یہ اس لیے کہہ دیا کہ اولیاء کا اطلاق کبھی بمعنے اعم آتا ہے یعنی ہر محبوبِ خدا، تو انبیاء بلکہ ملائکہ کو بھی شامل، اس معنیٰ پر قرآن عظیم میں فرمایا: الاان اولیاء اللّٰہ لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون[2] (سن لو بیشک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ غم۔ ت) باین معنیٰ سید الاولیاء حضور سید المحبوبین ہیں صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم، اور کبھی ماورائے انبیاء و مرسلین مراد لیتے ہیں ہزاروں بار سُنا ہوگا انبیاء و اولیاء، اور عطف مقتضی مغایرت ہے اس معنی پر سید الاولیاء حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں کہ باجماعِ اہلِ سنّت تمام امت سے افضل و اکمل (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] الترغیب والترہیب کتاب الحج الترغیب فی الحج مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۶۳

صحیح بخاری کتاب المناسک قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۶

[2] القرآن ۱۰/ ۶۲

اور اُوپر سے لیجئے تو حضرت مولا مشکلکشا، اور نقادۂ خاندانِ مرتضوی حضرت حسن مجتبےٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ہیں اور اس لفظ کا تیسرا اطلاق اخص اور ہے جس میں صحابہ بلکہ تابعین کو بھی شامل نہیں رکھتے کہ وہ اسمائے خاصہ سے ممتاز ہیں، جیسے کہتے ہیں اس مسئلہ پر صحابہ و تابعین و اولیائے اُمت وعلمائے ملت کا اجماع ہے اس وقت یہ لفظ اصطلاحِ مشائخ وصوفیہ کا ہم عناں ہوتا ہے۔ اس معنی پر بیشک حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیّد الاولیاء ہیں لایخص منہ نفس الا ان یقوم دلیل (اس معنی کر اولیاء میں آپ بلاتخصیص سب کے سردار ہیں بغیر دلیل کسی ولی کی تخصیص نہ ہوگی) تو فرمان واجب الاذعان" قدمی ھذا علی رقبۃ کل ولی اللہ (میرا یہ قدم ہر ولی کی گردن پر ہے۔ ت) میں تخصیص بلامخصص کی اصلاً حاجت نہیں، کما حققناہ فی المجیر المعظم (جیسا کہ ہم نے المجیر المعظم میں اس کی تحقیق کی ہے ۱۲ منہ غفرلہ۔

علہ ہم نے اپنی کتاب "مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین" کے منہیات پر متعدد حدیثوں سے ثابت کیا کہ حضرت سبطِ اکبر حضرت سبطِ اصغر سے افضل ہیں رضی اللہ تعالےٰ عنہما، از انجملہ حدیث طبرانی کہ حضور والا صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"حسن کے لیے میری ہیبت و سرداری ہے اور حسین کے لیے میری جرأت و بخشش۔"[1]

دوم حدیث احمد و ابوداؤد کہ فرمایا:

"حسن میرا ہے اور حسین علی کا۔"[2]

سوم حدیث ابویعلیٰ کہ فرمایا:

"حسن تمام جوانانِ اہلِ جنت کے سردار ہیں۔"[3]

وھذا حدیث حسن، نص صریح فیما قلنا (یہ حدیث ہمارے دعوٰی پر صریح نص ہے۔ ت) فقیر بدلیل احادیث یہی گمان کرتا تھا یہاں تک کہ تیسیر شرح جامع صغیر میں اس معنے کی تصریح پائی والحمد للہ ۱۲ منہ غفرلہ۔

---

[1] مجمع الزوائد باب فیما اشترک الحسن والحسین الخ دار الکتاب العربی بیروت ۹/ ۱۸۵

[2] مسند احمد بن حنبل مروی از مقدام بن معدیکرب دار الفکر بیروت ۴/ ۱۳۲

[3] مجمع الزوائد باب ماجاء فی الحسن بن علی دار الکتاب العربی بیروت ۹/ ۱۷۸

پس واضح ہوگیا کہ طورِ متعارف پر حضراتِ آلِ اطہار کو خلاصۂ مخلوقات کہنا بہت صحیح ہے اور اس سے ان کی فضیلت انبیاء و مرسلین بلکہ خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر لازم نہیں آتی کہ جو امورِ عقائدِ حقہ میں مستقر ہو چکے وہ خود ایضاحِ مراد کو بس ہیں۔ والحمد للہ اوّلاً و آخراً والصلوٰۃ والسلام کاثراً وافراً علی الحبیب الجلیل باطناً وظاہراً و آلہٖ وصحبہٖ سادۃ الورٰی ما طلعت شمسٌ و بدرٌ سرٰی۔

تکملہ

حج و عمرہ کی ترکیب اور اوّل سے آخر تک ان کے افعال کی ترتیب اور آدابِ زیارتِ قبرِ حبیب علیہ صلوٰۃ القریب المجیب میں

یہ شرح کہ حسبِ فرمائشِ حضرت معتمد نہایت مختصر لکھی گئی اگرچہ بحمد اللہ کارآمد مسائل پر مشتمل اور اختیار راجح و ترک مرجوح میں تام و کامل، جسے نہ جانے کا مگر وہ کہ کتبِ کثیرہ فقہیہ جمع کر کے نظرِ تدقیق و فکرِ عمیق سے کام لے سکے اور اس کے ساتھ وقتِ اختلافِ ترجیح یا عدمِ تصریح بافتاء و تصحیح رسمِ افتاء و آدابِ مفتی کے مسالک بعیدہ و معارکِ عدیدہ میں مہارت رکھے بایں ہمہ بحمد اللہ جابجا ارشاداتِ لطیفہ و تنقیداتِ شریفہ ہیں جن پر اطلاع ذہنِ ثاقب کا کام، والحمد للہ ولی الانعام، قُلتُہٗ شکراً لا بطراً و فخراً والعیاذ باللہ مما لا یرضاہ، مگر ازاں جا کہ اوّل تا آخر ترکیبِ اعمال و ترتیبِ افعال بیان نہ ہوئی جس کی طرف عام حجاج کو عموماً اور عوام کو خصوصاً حاجت، اور اس کے نہ جاننے سے اکثر اوقات کم علم مسلمانوں کو دقت ہوتی ہے، لہٰذا فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہٗ نے چاہا کہ امورِ مذکورہ سے شرح کی تکمیل اور آخر میں قدرے آدابِ زیارت سراپا طہارت کی مختصر تفصیل کروں کہ عام مومنین کو ان شاء اللہ تعالیٰ خود بصیرت ملے اور مُطوِّفوں، مُزَیروں کی حاجت نہ رہے۔ سفرِ مبارک حرمین طیبین سے معاودت فرما کر حضرت تاج العلماء، سراج الکملاء، سیّد الفقہاء، سند الفضلاء، حضرت والد قدس سرہ الماجد نے کتاب مستطاب "جواھر البیان فی اسرار الارکان" میں اس جلیل کام کو نہایت تک پہنچایا اور طہارت و صلوٰۃ و صوم و زکوٰۃ کے اسرارِ دقیقہ و لطائف انیقہ ارشاد فرما کر حج و زیارت کا بیان بے مثیل و عدیل تحریر فرمایا

جزاہ اللہ تعالٰی خیر جزاء واعلٰی درجاتہ فی دار اللقاء آمین! اس جمیل کتاب جلیل مستطاب کی لطافت وخوبی ودلکشی ع

ذوق ایں مے نشناسی بخدا تا نہ چشی

(بخدا، چکھے بغیر اس شراب کا ذائقہ معلوم نہ ہوسکے گا)

اس مبارک کتاب کے نصف سے زائد میں یہی بیان جانفزا ہے، فقیر اس کی دو فصلوں سے چند حروف تلخیص[عہ۱] کرتا ہے وباللہ التوفیق وھدایۃ الطریق۔

حج وعُمرہ کی ترکیب

احرام کی ترکیب تو ہم اُوپر لکھ چکے یہاں اتنا جاننے کہ حاجیوں[عہ۲] کا احرام تین[۳] طرح ہوتا ہے۔ تنہا حج کی نیت[عہ۳] اسے افراد کہتے ہیں اور ایسے حاجی کو مفرد، یا یہ کہ میقات[عہ۴] پر صرف عمرہ[عہ۵] کا ارادہ کرے، مکہ معظمہ پہنچ کر

عہ۱ غالباً اسی کا خلاصہ ہے اگرچہ کہیں کہیں کچھ حرف زاید کیے گئے ۱۲ منہ

عہ۲ چوتھا احرام تنہا عمرہ کا ہے جو تمتع وقران سے جُدا ہو اسے افراد بالعمرہ کہتے ہیں وُہ حاجی کا احرام نہیں ۱۲ منہ

عہ۳ یعنی جس کے وقوف عرفہ ہوجانے تک احرام عمرہ نہ ہو ورنہ نیت حج نیت عمرہ سے متمتع ہوکر قران کی شکل آجائیگی کما فصلناہ علٰی ھامش رد المحتار (جیسا کہ ہم نے رد المحتار کے حاشیہ میں اس کی وضاحت کی ہے۔ت) ۱۲ منہ

عہ۴ قید بالمیقات لبیان الطریق للشروع للمتعۃ فان غیر الاٰفاقی لا یجوزلہ التمتع والاٰفاقی لا یجوزلہ التجاوز بغیر احرام والا فان تمتع المکی او تجاوز الاٰفاقی ثم تمتع کان متعۃ بلا شك وان اثما خلافا لما یوھمہ بعض العبارات والروایات من ارتاب فعلیہ بشرح اللباب ۱۲ منہ (م)

میقات کی قید تمتع کے مشروع طریقہ کو بیان کرنے کے لئے ہے کیونکہ تمتع آفاقی یعنی میقات کے باہر والوں کے لئے جائز ہے غیر آفاقی کے لیے جائز نہیں جبکہ آفاقی کو میقات سے آگے احرام کے بغیر گزرنا منع ہے ورنہ اگر مکی نے تمتع کرلیا اور آفاقی نے بغیر احرام میقات سے گزر کر تمتع کرلیا تو دونوں کے تمتع ہوجائیں گے اگرچہ ان کو گناہ ہوگا اس کے خلاف بعض عبارات اور روایات سے وہم ہوتا ہے جس سے بعض حضرات کو وہم ہوا ہے ایسے حضرات کو چاہیے کہ وہ شرح لباب کی طرف رجوع کریں ۱۲ منہ (ت)

عہ۵ میقات سے نہ کہا کہ میقات سے ابتدائے احرام ضرور نہیں میقات پر محرم ہونا درکار ہے خاص وہیں سے باندھے یا پہلے سے باندھا ہو تاکہ تجاوز بے احرام نہ ہو بل الافضل ھو التقدیم علی المیقات المکانی بشرطہ کما نصوا علیہ (بلکہ میقات مکانی پر مقدم ہونا افضل ہے کہ وہ شرط ہے جیسا کہ اس پر نص ہے ۱۲ منہ۔ ت)

اشہرِ حج[1] میں عمرہ[2] کرکے وہیں[3] حج کا احرام باندھے اسے تمتع کہتے ہیں اور اس حاجی کو متمتع، یا یہ کہ حج وعمرہ دونوں کی نیت جمع[4] کرے اسے قِران کہتے[5] ہیں اور حاجی کو قارِن اور زیادہ ثواب اسی میں ہے۔

جب حرمِ مکّہ کے متصل پہنچے باادب وخشوع پیادہ پا داخل ہو اور برہنہ پاؤں ہونا بہتر ہے، جب مکہ معظمہ تک آئے نہا کر جانا مستحب ہے۔ جب کعبہ معظمہ پر نظر پڑے دعا مانگے کہ محلِ اجابت ہے۔ باب السلام پر جاکر آستانۂ پاک کو بوسہ دے، دہنا پاؤں پہلے رکھ کر بسم اللہ کہہ کر داخل ہو، بعدہ اگر جماعت قائم یا نماز فرض خواہ وتر یا سنتِ مؤکدہ کے فوت کا خوف نہ ہو تو سب کاموں سے پہلے متوجہ طواف ہو مرد اضطباع[6] کرکے اور

---

[1] اشہرِ حج یکم شوال سے دہم ذی الحجہ تک ہیں ۱۲ منہ

[2] تمتع کے لیے اکثر طوافِ عمرہ یعنی چار پھیروں کا ان مہینوں میں واقع ہونا ضرور ہے اگرچہ پورا عمرہ ان میں نہ ہو مثلاً تین پھیرے رمضان میں کرلیے چار شوال میں کیے ہوں یُوں بھی تمتع ہوسکتا ہے کہ اکثر کے لیے حکم کل کا ہے تو جن دنوں میں اکثر طواف واقع ہوگا انہی میں عمرہ ہونا ٹھہرے گا ۱۲ منہ۔

[3] وہیں اس لیے کہہ دیا کہ عمرہ کے احرام سے نکل کر اپنے وطن کو واپس چلا جائے، اس کے بعد آکر حج کا احرام باندھے تو متمتع نہ ہوگا، عمرہ الگ رہا حج الگ رہا اگرچہ اسی سال کرے۔ دوسرا فائدہ اس قید کا یہ ہے کہ حج کا احرام وہیں یعنی حرم سے باندھے کہ اس کا حکم مثل مکّی کے ہے اور مکّی کے لیے حج کا میقات حرم ہے اگر حِل سے باندھے گا دم دے گا، ہاں غیر مکّی کا تمتع یوں بھی صحیح ہے پر یہاں جائز ومسنون شکل کا بیان ہے ۱۲ منہ

[4] جمع کرنے کے ظاہر متبادر معنے یہ ہیں کہ ایک ہی وقت میں دونوں کی نیت کرے یہ شکل خاص سنت ہے، اور اگر پہلے عمرہ کا احرام باندھا اور ہنوز اس کے چار پھیرے نہ کئے تھے کہ حج کا احرام کرلیا جب بھی قِران ہوگیا، یونہی اگر پہلے فقط حج کا احرام کیا تھا اور وقوفِ عرفہ سے پہلے عمرہ کا احرام کرلیا تو بھی قارن ہوا مگر خلافِ سنّت کیا خصوصاً جبکہ احرامِ عمرہ بعض افعالِ حج میں شروع کے بعد ہو کہ زیادہ بُرا ہے ۱۲ منہ قدس سرہ العزیز

[5] **تنبیہ**: احرام کی بارہ[12] صورتیں ہیں جن میں ایک تمتع ہے اور باقی گیارہ میں بعض ائمہ کے طور پر پانچ افراد ہیں اور چھ قِران، اور بعض محققین کی تحقیق پر آٹھ افراد ہیں تین قِران۔ اس کی نفیس وجلیل توضیح وتفصیل ہم نے ہوامش ردالمحتار پر کی کہ غالباً دوسری جگہ نہ ملے گی، وہاں سے ان تین قسموں کی پُوری پُوری جامع مانع تعریف ظاہر ہوتی ہے یہاں صرف صاف صاف عام فہم بات لکھ دی ہے ۱۲ منہ

[6] **تنبیہ**: طوافِ قدوم میں رمل واضطباع وسعی کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے، اگر کرے گا تو طوافِ زیارت میں جس کا بیان آگے آتا ہے ان امور کی حاجت نہ ہوگی ورنہ وہاں کرنے ہوں گے اور اس دن ہجوم بہت ہوتا ہے اور کام بھی زیادہ، لہذا ہم نے بنظرِ آسانی مطلقاً ان امور کو داخلِ ترتیب کردیا اور قارن کو تو خود افضل ہی ہے کہ یہ باتیں اسی طوافِ قدوم میں بجالائے ۱۲ منہ

عورت بے اضطباع حجرِ اسود کی دہنی طرف رکنِ یمانی کی جانب سنگِ مکرم کے قریب یوں کھڑا ہو کہ تمام پتھر اپنے اپنے دستِ راست کی طرف رہے پھر طواف کی نیت کرکے کعبہ کو منہ کیے اپنی دہنی سمت چلے۔ جب سنگِ اسود کے مقابل ہو اور یہ بات ادنیٰ حرکت سے حاصل ہو جائے گی، کانوں تک ہاتھ اس طرح اٹھا کر ہتھیلیاں جانبِ حجر رہیں، بسم اللہ والحمد للہ واللہ اکبر والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللہ کہے اور حجرِ مطہر پر دونوں کفِ دست اور ان کے بیچ میں منہ رکھ کر یوں بوسہ لے کہ آواز نہ پیدا ہو،[علہ] تین بار ایسا ہی کرے، اگر بے ایذا وکشمکش میسر آئے ورنہ ہاتھ یا لکڑی سے مس کرکے انھیں چوم لے، اور یہ بھی نہ ہوسکے تو ہاتھوں سے اس کی طرف اشارہ کرکے انھیں بوسہ دے لے پھر درِ کعبہ کی طرف بڑھے۔ جب محاذاتِ حجر سے گزر جائے سیدھا ہو لے اور خانہ کعبہ کو اپنی طرف کرکے بے ایذاء و مزاحمت مرد رمل کرتا (اور عورت بے رمل) چلے۔ طواف میں کعبہ سے جتنا پاس ہو بہتر، مگر اتنا نہ کہ پشتۂ دیوار پر جسم یا کپڑا لگے اور نزدیکی میں ازدحام سے رمل نہ کرسکے تو دوری افضل ہے۔ جب رکنِ یمانی پر آئے اسے دونوں ہاتھوں یا دہنے سے تبرکاً چھوئے، نہ صرف بائیں سے اور چاہے تو بوسہ بھی دے اور نہ ہوسکے تو کچھ نہیں[علہ۲] یہاں تک کہ حجرِ اسود تک آجائے، یہ ایک پھیرا ہوا، یوں ہی ساتھ پھیرے کرے، مگر رمل تین پھیروں کے بعد نہیں۔ ختمِ طواف میں بھی حجرِ اسود پر بوسہ دے، پھر مقامِ ابراہیم میں آکر جہاں تک مُیَسّر ہو دو رکعت طواف پڑھے بشرطیکہ وقت مکروہ نہ ہو ورنہ تاخیر کرے، اس کے بعد دُعا مانگے، پھر ملتزم میں آئے کہ اس پارہ دیوار کا نام ہے جو درمیان حجرِ اسود و درِ کعبہ کے ہے، یہاں قریب حجر ملتزم سے لپٹے اور اپنا سینہ، پیٹ، دہنا رخسارہ کبھی بایاں کبھی تمام منہ اس پر رکھے۔ دونوں ہاتھ سر سے بلند کرکے دیوار پر پھیلائے یا دہنا دروازے اور بایاں حجر کی طرف اور دعا کرے۔ پھر زمزم پر آئے، ہوسکے تو خود ایک ڈول کھینچے ورنہ کسی سے لے کر آبِ مطہر رُو بکعبہ تین سانسوں میں ہر بار بسم اللہ سے شروع، الحمد پر ختم کرتا خوب پیٹ بھر کر پئے، باقی بدن پر ڈال لے۔ پیتے وقت دُعا کرے کہ قبول ہے۔ کنوئیں کے اندر بھی نظر کرے کہ دافعِ نفاق ہے۔ اب اگر کوئی عذر مثلِ استراحت وغیرہ نہ ہو تو صفا مروہ میں سعی کے لیے پھر حجرِ اسود کو بطورِ مذکور چومے، اور نہ ہوسکے تو فقط اس کی طرف منہ کرکے فوراً بابِ صفا سے جانبِ صفا روانہ ہو، دروازے سے بایاں پاؤں پہلے نکالے اور داہنا پہلے جوتے میں ڈالے، پھر صفا کی سیڑھی پر چڑھے کہ کعبہ نظر آئے، رُو بکعبہ ہو کر دونوں ہاتھ آسمان کی طرف پھیلے شانوں تک اٹھائے جیسے دُعا میں کرتے ہیں۔ دیر تک تکبیر،

علہ یہ ادب ہر بوسۂ تعظیم مثلاً اولیاء وعلماء کے دست و پا چومنے میں بھی ملحوظ رکھے ۱۲ منہ

علہ۲ یعنی بوسہ و مس نہ ملے تو یہاں یہ نہیں کہ لکڑی سے چھوکر اسے چومے یا ہاتھوں سے اشارہ کرکے بوسہ دے یہ باتیں صرف حجرِ اسود میں ہیں ۱۲ منہ۔

تہلیل، درود و دُعا میں رہے کہ محلِ اجابت ہے پھر اُتر کر ذکر و درود میں مشغول مروہ کو چلے۔ان دونوں کے بیچ میں بائیں ہاتھ کو دیوارِ مسجد الحرام میں دو جگہ سبز علامتیں بنی ہیں جنھیں میلین اخضرین کہتے ہیں۔مرد پہلے میل سے دوڑنا شروع کریں مگر نہ حد سے زائد نہ کسی کو ایذا دیتے، یہاں تک کہ دوسرے میل سے نکل جائیں۔اتنے راستے کو "مسعیٰ" کہتے ہیں۔عورتیں نہ دوڑیں۔اس مابین میں دُعا بجہد کرے۔میل دوم سے پھر آہستہ ہولے یہاں تک کہ مروہ پر پہنچے، یہاں گو کعبہ نظر نہیں آتا مگر استقبال کرکے جیسے صفا پر کیا تھا کرے، یہ ایک پھیرا ہوا۔

پھر صفا پر جائے اور مسعیٰ میں دوڑے یہاں تک کہ ساتواں پھیرا مروہ پر ختم ہو۔واضح ہو کہ عمرہ صرف انھی افعال طواف وسعی کا نام ہے۔قارن ومتمتع کے لیے یہی عمرہ[1] ہوگیا، اور مفرد کے لیے طوافِ قدوم مگر قارن اسی طرح بنیتِ طوافِ قدوم ایک طواف وسعی اور کرے، اور وہ اور مفرد دونوں احرام میں رہیں، لبیک گویاں مقیمِ مکہ ہوں بخلاف متمتع کہ تنہا عمرہ والے کی طرح شروع طواف سے بوسۂ حجر لیتے ہی لبیک چھوڑ دے اور طواف وسعی مذکور کے بعد حلق یا تقصیر کرکے احرام[2] سے باہر آئے، پھر چاہے تو ہشتم ذی الحجہ تک بے احرام رہے، مگر افضل یہ ہے کہ جلد احرامِ حج باندھ لے اگر یہ خیال نہ ہو کہ دن زیادہ میں احرام کی قیدیں مجھ سے نہ نبھیں گی۔

ایامِ اقامت میں یہ[3] سب حجاج جس قدر ہو سکے نرا طواف بے سعی ورمل واضطباع کرتے رہیں اور ہر سات پھیروں پر مقامِ ابراہیم میں دو رکعت پڑھیں، ساتویں تاریخ بعد نمازِ ظہر مسجد الحرام شریف میں امام کا خطبہ سُنے۔آٹھویں تاریخ جس[4] نے ابھی احرام نہ باندھا ہو باندھ لے اور[5] حج کے رمل وسعی پیشتر کرنا چاہے

---

[1] اگرچہ انھوں نے ان افعال میں نیت عمرہ نہ کی ہو ۱۲ منہ

[2] مگر جس متمتع نے سوق ہدی کیا ہو اُسے قارن کی طرح احرام سے باہر آنا روا نہیں ۱۲ منہ

[3] یعنی یہ چند سطریں بیچ میں خاص متمتع کے بیان میں تھیں آگے پھر عام احکام ہیں جن میں قارن، متمتع، مفرد سب شریک ۱۲ منہ

[4] اور وُہ وہی متمتع ہوگا جو عمرہ کرکے احرام سے باہر آیا یا مکی جس نے ابھی حج کا احرام نہ کیا ۱۲ منہ

[5] مفرد وقارن نے طوافِ قدوم میں جو رمل وسعی کی وُہ حج کی تھی اب انھیں طوافِ زیارت میں فراغت رہے گی پر متمتع کے لیے طوافِ قدوم نہیں اور وُہ رمل وسعی کہ اس نے کی تھی عمرہ کی تھی اس سے حج کی رمل وسعی ادا نہ ہُوئی تو اسے طوافِ زیارت میں کرنے ہوں گے لہذا اگر بخیال زحمت وقلتِ فرصت یہ بھی پیشتر فارغ ہولینا چاہے تو ایک نفلی طواف کے ساتھ ادا کرے ۱۲ منہ

تو ایک طواف نفل کے ساتھ کرلے، جب آفتاب نکل آئے سب منٰی کو چلیں بشرطِ قوت پیادہ کہ جب تک مکہ
پلٹ کر آئے گا ہر قدم پر سات[ع۱] کروڑ نیکیاں لکھی جائیں گی۔ سو ہزار کا لاکھ، سو لاکھ کا کروڑ۔ سو کروڑ کا ارب،
سو ارب کا کھرب۔ یہ نیکیاں[ع۲] تخمیناً اٹھتر کھرب چالیس ارب آتی ہیں اور خدا کا فضل اس نبی کے صدقے میں اس
امت پر بہت ہے صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم، راہ میں لبیک و دعا و درود و ثنا کی کثرت کرے۔ منٰی دیکھ کر دعا
مانگے، وہاں شب باش ہو کر آج کی ظہر سے نویں کی صبح تک پانچ نمازیں پڑھے، یہ رات ذکر و عبادت میں
جاگتا یا باطہارت سوتا گزارے، جب صبح ہو نماز مستحب وقت پڑھ کر لبیک و ذکر میں رہے یہاں تک کہ
آفتاب "کوہِ ثبیر" پر کہ مسجد الخیف شریف کے مقابل ہے چمکے۔ اب عرفات کو چلے، قلب کو خیالِ غیر سے پاک
کرنے میں جہدِ کامل کرے۔ راستہ کثرتِ لبیک و ذکر و درود و توبہ و استغفار میں کاٹے۔ جب نگاہ جبلِ رحمت
پر پڑے ان امور میں جہدِ تام کرے کہ ان شاء اللہ وقتِ قبول ہے۔ عرفات میں اس کوہِ مبارک کے
پاس یا جہاں جگہ ملے شارع عام سے بچ کر اترے۔ دوپہر تک تضرع و ابتہال اور باخلاص نیت حسب
استطاعت تصدق و خیرات و ذکر و لبیک و درود و دعا و استغفار و کلمۂ توحید[ع۳] میں مشغول رہے۔ پھر
زوالِ آفتاب سے کچھ پہلے نہائے کہ سنتِ مؤکدہ ہے، یا وضو کرے اور قبل از زوال کھانے پینے وغیرہما
ضروریات سے فارغ ہولے کہ قلب کو کسی جانب تعلق نہ رہے۔ آج کے دن جیسے کہ حاجی کو روزہ مناسب
نہیں کہ دعا میں ضعف نہ ہو، یوں ہی پیٹ بھر کھانا سخت زہرِ وَر، غفلت و کسل کا باعث، تین روٹی بھوک والا

ع۱ حدیث میں یوں ہے کہ پیادہ جانے والے کو ہر قدم پر سات سو نیکیاں ملتی ہیں حرم کی نیکیوں سے[۱]، اور دوسری
حدیث سے ثابت ہے کہ حرم کی ہر نیکی لاکھ نیکیوں کے برابر ہے[۲] تو سات سو کو لاکھ میں ضرب دینے سے سات کروڑ ہوئے ۱۲ منہ

ع۲ عرفات مکہ معظمہ سے نو کوس گنی جاتی ہے۔ آتے جاتے اٹھارہ کوس ہوئے، اور فقیر نے تجربہ کیا کہ
عرفی کوس ۱ ۳/۵ ہوتا ہے تو تخمیناً ۲۸ میل سمجھو، ہر میل کے چار ہزار قدم، ۲۸ کو ۴۰۰۰ میں ضرب دینے سے
ایک لاکھ بارہ ہزار قدم ہوئے انھیں سات کروڑ میں ضرب دیجئے تو وہی ۷۸ کھرب ۴۰ ارب نیکیاں ہوتی
ہیں، اور اگر عرفات کچھ مکہ معظمہ سے ۹ میل ہی رکھئے تو ۷۲ ہزار قدم ہوئے جن کی ۵۰ کھرب ۴۰ ارب نیکیاں،
یہ کیا تھوڑی ہیں، اور اللہ کا فضل بہت بڑا ہے ۱۲ منہ غفرلہ

ع۳ یعنی لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد یحیی و یمیت وھو حی
لا یموت بیدہ الخیر وھو علی کل شیئ قدیر۔ حدیث میں فرمایا: بہتر وہ کلمہ جو آج عرفہ کے دن
میں نے اور مجھ سے پہلے انبیاء نے فرمایا یہ ہے ۱۲ منہ

---

۱ و ۲ فتح القدیر کتاب الحج مسائل منثورہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۸۷

ایک ہی کھائے، جب زوال ہولے بلکہ اس سے پہلے کہ امام کے قریب جگہ ملے مسجد نمرہ جائے سنتیں پڑھ کر خطبہ سُن کر امام کے ساتھ ظہر پڑھے، اس کے بعد بے توقف عصر کی تکبیر ہوگی معاً جماعت میں عصر پڑھ لے بیچ میں سلام کلام تو کیا معنے، ظہر کی پچھلی سنتیں بھی نہ پڑھے، اور بعد عصر بھی نفل نہیں، یہ ظہر و عصر کی جمع جبھی جائز ہے کہ نماز امام اعظم یعنی سلطان یا اس کے نائب ماذون کے پیچھے ہو ورنہ عصر وقت سے پہلے باطل ہوگی، بعد نماز فوراً فوراً موقف کو جائے، افضل یہ ہے کہ اونٹ پر امام سے نزدیک جبل الرحمۃ کے قریب جہاں سیاہ پتھروں کا فرش ہے رُو بقبلہ پسِ پشت امام کھڑا ہو جبکہ ان فضائل کے حصول میں دقت یا کسی کی اذیت نہ ہو ورنہ جہاں[۲] اور جس طرح ہو سکے وقوف کرے، امام کی دہنی جانب بائیں اور بائیں رُوبرو سے افضل ہے۔ اب غایت خشوع وخضوع کے ساتھ لرزتا، کانپتا، ڈرتا، امید کرتا، آنکھیں بند کئے گردن جھکائے، دستِ دُعا آسمان کی طرف اٹھائے، تکبیر، تہلیل، تسبیح، تلبیہ، حمد، ذکر، درود، دُعا، توبہ، استغفار میں ڈوب جائے۔ کوشش کرے کہ ایک قطرہ آنسوؤں کا ٹپکے کہ دلیلِ اجابت و کمالِ سعادت ہے ورنہ رونے والوں کا سا مُنہ بنائے کہ مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ (جس نے جس قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انہی میں سے ہوگا۔ ت) اثنائے دُعا و ذکر میں لبیک کی بار بار تکرار کرے، آج کے دن دُعائیں بہت مقبول ہیں، مگر سب میں بہتر

---

[۱] حدیث میں ہمیشہ تہائی پیٹ کھانے کو فرمایا[۱] ہم جاہلوں سے اس پر عمل نہیں ہوتا تو کاش ایامِ اقامتِ حرمین میں تو اس پر عامل رہیں ورنہ جانِ برادر ع

انائے کہ پُر شد دگر چوں برد

(پیٹ جب پُر ہو جاتا ہے تو دوسرے امور ہاتھ سے جاتے رہتے ہیں)

اے عزیز! ہفتہ بھر اس پر عمل کر دیکھ، پھر اگر اگلی حالت سے کچھ فرق دیکھے ماننا ورنہ اختیار ہے، زندگی ہے تو کھانے پینے کے بہت دن ہیں، حرمین کی اقامت تو نشاط سے گزرے۔ جانِ برادر! اگر اتنا صبر بھی شاق ہے تو ۸ سے ۱۳ تک کہ خاص اعمالِ حج کے دن ہیں اور آٹھ دس روز مدینہ طیبہ کے کہ حضوریِ مبارک کے ایام ہیں ذرا نفس کی باگ کڑی کر لے ورنہ یقین جان کہ ع

بسیار خوار ست بسیار خوار

(بسیار خوری ـــــ کثیر ذلت ہے) ۱۲ منہ

[۲] یعنی بطنِ عُرَنہ سے بچ کر کہ وہاں وقوف محض ناجائز ہے وہ عرفات میں ایک نالہ ہے حرم محترم کے نالوں سے مسجد عرفات سے جسے مسجد نمرہ کہتے ہیں پچھال یعنی کعبۂ معظمہ کی طرف ۱۲ منہ

---

[۱] الترغیب والترھیب بحوالہ ترمذی حدیث ۲ الترھیب من الامعان فی الشبع الخ مصطفی البابی مصر ۳/ ۱۳۶

زیرا کہ ہر واحد ازیں ہر دو امام تقاضائے جذب حضرت ایشاں بتمام بسوئے خود مے فرمود تا آنکہ بعد انقراض زمانۂ تنازع و وقوع مصالحت بر شرکت روزے ہر دو روح مقدس بر حضرت ایشاں جلوہ گر شدند تا قریب یک پاس ہر دو امام بر نفس نفیس حضرت ایشاں توجہ قوی و تاثیر زور آور مے فرمودند تا اینکہ در ہمان یک پاس حصولِ نسبت ہر دو طریقہ نصیبہ حضرت ایشاں گردید۔[1]

اماموں میں سے ہر ایک حضرت کو پورے طور سے اپنی طرف کھینچنے کا تقاضا کر رہے تھے یہاں تک کہ زمانۂ تنازع کے ختم ہونے اور شرکت پر مصالحت واقع ہوجانے کے بعد ایک دن دونوں مقدس روحیں حضرت پر جلوہ گر ہوئیں ایک پہر کے قریب دونوں امام حضرت کے نفسِ نفیس پر قوی توجہ اور پُر زور تاثیر ڈالتے رہے یہاں تک کہ اسی ایک پہر کے اندر دونوں طریقوں کی نسبت حضرت کو نصیب ہوگئی۔ (ت)

مقال (۷۹) اُسی میں ہے:

روزے حضرت ایشاں بسوئے مرقد منور حضرت خواجہ خواجگان خواجہ قطب الاقطاب بختیار کاکی قدس سرہ العزیز تشریف فرما شدند بر مرقد مبارک ایشاں مراقب نشستند دریں اثناء بروح پُر فتوح ایشاں علامات متحقق شد و آنجناب بر حضرت ایشاں توجہی بس قوی فرمودند کہ بسبب آں توجہ ابتدائے حصول نسبت چشتیہ متحقق شد۔[2]

ایک دن حضرت خواجۂ خواجگاں خواجہ قطب الاقطاب بختیار کاکی قدس سرہ العزیز کے مرقد انور کی طرف حضرت تشریف لے گئے، ان کے مرقد مبارک پر مراقبہ میں بیٹھے، اس دوران حضرت کی رُوح پُر فتوح پر علامات متحقق ہوئیں، اور آں حضور نے حضرت پر بہت قوی توجہ فرمائی جس کے سبب نسبتِ چشتیہ کے حصول کی ابتداء متحقق ہوئی۔ (ت)

وصل چہارم — اصل مسئلہ مسئولہ سائل یعنی اولیائے کرام سے استمداد و التجا اور اپنے مطالب میں طلبِ دعا اور حاجت کے وقت اُن کی ندا میں۔

مقال (۸۰ تا ۸۸) شاہ ولی اللہ نے ہمعات میں کہا:

بزیارت قبرِ ایشاں رود و از آں جا انجذاب دریوزہ کند۔[3]

ان کی قبروں کی زیارت کو جائے اور وہاں بھیک مانگے۔ (ت)

۱؎ صراطِ مستقیم باب چہارم در بیان سلوک راہ ثبوت الخ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۱۶۶
۲؎ ایضاً " " ص "
۳؎ ہمعات ہمعہ ۸ اکادیمیہ شاہ ولی اللہ حیدر آباد ص ۳۴

بے ایذائے اَحدے تیزی کریں اور اس عرصہ میں غضب و عذابِ الٰہی سے پناہ مانگیں، جب منیٰ پہنچیں سب کاموں سے پہلے جمرۃ العقبہ کو کہ اِدھر سے پچھلا جمرہ ہے اور مکہ معظمہ سے پہلا، جائیں اور بطنِ وادی میں سواری پر جمرہ سے پانچ گز شرعی چھوڑ کر کھڑے ہوں کہ منیٰ دہنے ہاتھ پر رہے اور کعبہ بائیں پر۔ پس رُخِ جمرہ سات کنکریاں جدا جدا سیدھا ہاتھ خوب اٹھا کر کہ سپیدیٔ بغل ظاہر ہو۔ ہر ایک پر "بسم اللہ اَللہُ اکبر" کہہ کر ماریں۔ بہتر یہ ہے کہ کنکریاں جمرہ تک پہنچیں ورنہ تین گز شرعی کے فاصلے تک گریں، اس سے زیادہ میں وہ کنکری شمار میں نہ آئے گی پہلی کنکری سے لبیک موقوف کریں، جب سات پوری ہوجائیں فوراً ذکر و دعا کرتے پلٹ آئیں۔ اب قربانی[1] میں کہ متمتع و قارن پر واجب اور مفرد کو مستحب ہے مشغول ہوں۔ اگر ذبح کرنا آئے خود ذبح کریں ورنہ ذبح میں حاضر ہوں۔ دونوں ہاتھ اور ایک پاؤں اس کا باندھ کر رُو بقبلہ لٹائیں اور تکبیر کہہ کر نہایت تیز چھری بسرعت تمام پھیریں بعدہٗ ہاتھ پاؤں کھول دیں۔ اونٹ ہو تو اسے کھڑا کر کے سینہ میں منتہائے گلو پر نیزہ ماریں کہ سنت یونہی ہے اور اس کا ذبح مکروہ، اگرچہ حلت میں کافی ہے۔

بعد فراغ اپنے اور تمام مسلمانوں کے لیے قبولِ حج و قربانی کی دعا کریں۔ جب تک سرد نہ ہو کھال نہ کھینچیں کہ ایذا ہے۔ بعدہٗ رُو بقبلہ بیٹھ کر مرد سارا سر مُنڈائیں کہ افضل ہے یا بال کتروائیں کہ رخصت ہے۔ ابتداء دہنی جانب سے کریں، وقتِ حلق اَللہُ اکبر اللہُ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہُ اکبر اللہُ اکبر و للہِ الحمد کہتے جائیں، بعد فراغ بھی کہیں، سب مسلمانوں کی مغفرت مانگیں، بال دفن کردیں، حلق سے پہلے ناخن نہ کتروائیں، خط نہ بنوائیں، عورتوں کو حلق روا نہیں ایک پور برابر بال کتروا دیں، اب جماع و دواعیٔ جماع کے سوا جو کچھ احرام نے حرام کیا تھا سب حلال ہوگیا۔ افضل یہ ہے کہ آج دسویں ہی تاریخ طوافِ فرض کے لیے جسے "طوافِ زیارۃ" کہتے ہیں، مکہ معظمہ جائیں بدستور مذکور پیادہ با طہارت و سترِ عورت بے اضطباع[2] کریں، اسی طرح جو مفرد و متمتع مثلِ قارن[3] رمل و سعیٔ حج دونوں خواہ صرف سعیٔ حج سے کسی طواف کامل با طہارت میں

---

[1] یہ قربانی عید کی قربانی سے جدا ہے وہ مسافر پر اصلاً نہیں اور مقیم مالدار پر واجب ہے اگرچہ حاجی ہو ۱۲ منہ

[2] ہم اوپر لکھ چکے کہ اس طواف میں اضطباع اصلاً نہیں اگرچہ پیشتر نہ کیا ہو ۱۲ منہ

[3] توضیحِ مسئلہ یہ ہے کہ قارن کو طوافِ قدوم میں رمل و سعی کرلینی افضل ہے وھذا معنی قولہ مثل قارن (اس کے قول "مثلِ قارن" کا یہی معنی ہے۔ ت) اور مفرد کو بھی بخیالِ زحمت و قلتِ فرصت اجازت اور متمتع کے لیے اگرچہ طوافِ قدوم نہیں کما بینا من قبل (جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کردیا ہے۔ ت) مگر اسے

(باقی بر صفحہ آئندہ)

فارغ ہو چکا ہے وُہ رمل و سعی کرے ورنہ اب دونوں بجا لائے، بعد طواف دو رکعت مقامِ ابراہیم میں پڑھیں اس سے عورتیں بھی حلال ہوگئیں۔ بارھویں تک اس کی تاخیر روا۔ اس کے بعد بلا عذر مکروہِ تحریمی موجبِ دم۔

اب دسویں تاریخ نمازِ ظہر مکہ معظمہ میں پڑھ کر پھر منٰی[ع۱] جائے، گیارھویں شب وہیں بسر کرے، نہ مکہ میں نہ راہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ہم اوپر لکھ آئے کہ پہلے کرلینا چاہئے تو ایک طوافِ نفل کے ساتھ کرلے اب یہ لوگ اگر پیشتر ان کاموں سے فارغ ہولیے تھے فبہا، آج حاجت نہ پڑے گی مگر جس نے نہ کیے خواہ قارن ہو یا مفرد یا متمتع، اسے اب کرنے چاہئیں، پر رمل اسی طواف میں مشروع ہے جس کے بعد سعی ہو، تو جس نے ہنوز دونوں نہ کئے ہوں وہ تو ظاہر ہے کہ اس طواف کے ساتھ دونوں کرے گا اور جس نے سعی نہ کی اور رمل کرلیا وہ بھی اب دونوں کرے سعی تو یُوں کہ باقی تھی اور رمل یُوں کہ پہلا رمل جو طواف بے سعی میں واقع ہُوا نامشروع تھا اب بروجہ مشروع بجالائے اور جس نے سعی کرلی تھی رمل نہ کیا تھا وُہ اب کچھ نہ کرے، سعی تو یُوں کہ کر چکا ہے اور رمل یُوں کہ کرتا ہے تو بے سعی واقع ہوگا اور سعی دوبارہ نہیں ہوسکتی ۱۲ منہ

ع۳ طوافِ کامل کے معنے فصل واجبات میں گزرے ۱۲ منہ

(حاشیہ صفحہ ھذا)

ع۱ قدرتِ الٰہی کا ایک عجیب تماشا ہر کس و ناکس نے منٰی میں ان آنکھوں سے دیکھا ہے جس سے بحمد اللہ حقانیتِ اسلام و معجزۂ باہرہ حضور سید الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام ظاہر ہو۔ منٰی چند پہاڑوں کے درمیان ایک چھوٹی سی جگہ کا نام ہے جس کا عرض تو بہت ہی قلیل ہے اور طول دو میل، سارا رقبہ ایک مربع میل سے بھی کم سمجھئے، یہاں چار پانچ روز تمام حجاج کا ہجوم رہتا ہے، پھر یُوں نہیں جیسے نماز کی صفیں یا مجلس کی گنجائش بلکہ جس طرح شہروں میں بستے ہیں ہزارہا خیمے، ڈیرے، قناتیں، پردے، ہر ایک اپنی اپنی جُدا منزل میں، پھر اصل آبادی کی عمارتیں علاوہ۔ اور ہم اوپر لکھ آئے کہ کسی سال پندرہ لاکھ سے کم نہیں ہوتے، فقیر جس سال حاضر تھا اٹھارہ لاکھ کی مردم شماری سُننے میں آئی، پھر کبھی نہ دیکھئے گا کہ منٰی بھر گئی یا کسی وقت حاضرین سے تنگ ہوگئی، سب اپنے کھلے بہ فراغت پھیلے، چلتے پھرتے، سوتے، بستے، کام کاج کرتے ہیں، یہ بحمد اللہ صریح تصدیق ہے اس حدیث کی کہ ارشاد ہُوا: "منٰی حاجیوں کے لیے ایسی پھیلتی ہے کہ جیسے ماں کا پیٹ بچّہ کے لیے کہ جتنا بچّہ بڑھتا جاتا ہے ماں کا پیٹ جگہ دیتا ہے[۱]۔" اشھد ان الاسلام حق والکفر باطل والحمد للہ رب العالمین ۱۲ منہ غفرلہ۔

---

[۱] کنز العمال بحوالہ طس عن ابی الدرداء حدیث ۳۴۷۹۹ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۲۳۰
در منثور واذکروا اللہ فی ایام معدودات کے تحت مذکور ہے منشورات آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۱/ ۲۳۵

میں کہ مکروہ ہے۔ روزِ یازدہم بعد نمازِ ظہر امام کا خطبہ سُن کر متوجہ رمی ہو۔ ان ایام میں رمی جمرہ اولیٰ سے شروع کرے جو مزدلفہ کی طرف مسجدِ خیف سے قریب ہے۔ راہ مکہ کی طرف سے آکر چڑھائی پر چڑھے کہ یہ جگہ بہ نسبت جمرۃ العقبہ کے بلند ہے رُو بہ کعبہ بطورِ مذکور سات کنکریاں مار کر جمرہ سے قدرے آگے بڑھے، مستقبلِ قبلہ ہاتھ دعا میں یوں اٹھا کر کہ ہتھیلیاں رو بہ قبلہ رہیں حضورِ قلب سے حمد و درود و دُعا و استغفار میں بقدر قراءت سورۂ بقرہ یا کم سے کم بقدارِ تلاوت بیست آیت مشغول رہے۔

آگے جمرۂ وسطیٰ ہے وہاں بھی ایسا ہی کرے، پھر جمرۂ عقبہ ہے یہاں رمی کرکے نہ ٹھہرے معاً پلٹ آئے، پلٹنے میں دُعا کرے۔ شبِ دوازدہم بھی اپنی فرودگاہ پر گزارے، بارھویں تاریخ جمرات ثلاثہ کو بعد زوال اسی طریقے سے رمی کرے ــــــ اب تا بہ غروبِ آفتاب مختار ہے کہ جانبِ مکہ روانہ ہو اور ایک دن اور ٹھہرے تو افضل ہے مگر بعد غروب چلا جانا معیوب۔ پس اگر تیرھویں کو بھی ٹھہرا تو اسی طرح رمیِ جمرات کرکے متوجہ مکہ معظمہ ہو۔ جب وادیِ محصّب میں کہ جنت المعلےٰ کے قریب ہے پہنچے، سواری سے اُتر لے یا بے اُترے کچھ دیر ٹھہر کر مشغولِ دُعا ہو۔ بہتر تو یہ ہے کہ عشاء تک نمازیں یہیں پڑھے، نیند لے کر داخلِ مکہ معظمہ ہو۔ اب اپنے اور اپنے والدین و مشائخ و اولیائے نعمت خصوصاً حضور سید المرسلین صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب و عترت علیہ و علیہم الصلوٰۃ والتحیۃ کی طرف سے جتنے ہو سکیں عُمرے کرتا رہے، جب عزمِ سفر ہو طوافِ وداع بے رمل و سعی و اضطباع کرے، دو رکعت مطلوب پڑھے، پھر زمزم علٰہ پر آئے، پانی بہ طریق مذکور پیے، بدن پر ڈالے،

علٰہ قدرت ربانی کا صریح نمونہ اس مبارک کنویں میں ہے، چھوٹا سا کنواں، ذرا سا دَور، اور لاکھوں کا ہجوم، آٹھ پہر میں ایک دم کو پانی تھمنے نہیں پاتا، ہزاروں پیتے ہیں، ہزاروں وضو کرتے ہیں، ہزاروں نہارہے ہیں، ہزاروں مشکیں شہر میں جارہی ہیں، ایک ڈول سرکا دوسرا آیا یہ ٹوٹنے نہ پایا کہ تیسرا آیا۔ پھر کوئی بتادے کہ فلاں وقت کنویں کا پانی کچھ کمی کرگیا۔ واللہ برکت والے مصطفےٰ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی برکت ہے۔ کوئی بڑے سے بڑا، گھرے سے گہرا کنواں فرض کیجئے اور ایک دن میں پندرہ لاکھ، اٹھارہ لاکھ کا ہجوم اس پر آنے دیجئے، دم کے دم میں سُن لیجئے گا کہ تلی میں خاک بھی نہ رہی۔ ایک بار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کے زمانہ میں زمزم شریف میں ایک زنگی گر کر مرگیا، سب پانی کھینچا تھا، تھک تھک گئے، شل ہوگئے، بہزار مشکل قدرے گھٹا کہ دفعۃً حجرِ اسود کی طرف سے ایک موسلا دھار پرنالہ اس جوش سے گرا کہ آن کی آن میں پھر ویسا ہی کردیا۔ اللہ تعالےٰ کی بے شمار درودیں محمد صلے اللہ تعالےٰ وسلم اور ان کی آل پر ۱۲ منہ غفرلہ۔

پھر رُو بروئے درِ اقدس کھڑا ہو، آستانۂ پاک کو بوسہ دے۔ فلاحِ دارین، قبولِ حج، مغفرتِ ذنوب، توفیقِ حسنِ عود بار بار کی دُعا کرے۔ ملتزم پر آکر بہ نہجِ مذکور غلافِ کعبہ تھام کر چمٹے، تضرع، خشوع، دعا، بکار، ذکر، درود کی جو تکثیر ہو سکے بجالائے، حجرِ مطہر کو بوسہ دے کر اُلٹے پاؤں رُخ بکعبہ یا سیدھے چلنے میں بار بار پھر کر کعبہ کو بہ نگاہِ حسرت دیکھتا اور فراقِ بیت پر روتا یا رونے کی صورت بناتا مسجدِ مقدس کے دروازہ مسمّٰی بہ "باب الحزورہ" سے نکلے پھر بقدرِ استطاعت فقرائے حرم پر تصدق کرکے متوجہ مدینہ طیبہ ہو۔

حاضریٔ دربارِ دُرربار مدینہ طیبہ

اس سفر سراپا ظفر میں نیت لحاظِ غیر سے خالص اور درود و ذکر شریف حضور اقدس صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی نہایت کثرت کرے جب حرمِ مدینہ میں داخل ہو، احسن یہ ہے کہ سواری سے اُتر پڑے، روتا، سر جھکائے، آنکھیں نیچے کئے چلے، ہو سکے تو برہنہ پائی بہتر بلکہ ؎

جائے سراست اینکہ توپائے می نہی ۔۔۔۔ پائے نہ بینی کہ کجا می نہی

(حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا ۔۔۔۔ ارے سر کا موقع ہے او جانیوالے)

جب نگاہ قبۂ سعادت و بُرجِ کرامت پر پڑے صلوٰۃ و سلام کی کثرت کرے۔ جب خاص شہرِ اقدس تک پہنچے قبلِ دخول اور نہ بن پڑے تو بعدِ دخول پیش از حضورِ مسجد وضو و مسواک کرے اور غسل احسن، جامہ سفید پاکیزہ پہنے، نیا بہتر، سُرمہ و خوشبو لگائے مشک افضل۔ جب دروازۂ شہر میں داخل ہو تمام ہمت اپنی تکثیرِ صلوٰۃ و سلام میں مصروف کرے۔ مراقبۂ جلال و جمالِ محبوبِ ذی الجلال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ڈوب جائے۔ اب ان ضروریات و حوائج سے جن کا لگاؤ باعثِ تشویشِ خاطر ہو بسرعتِ تمام فارغ ہو کر پہلا کام یہ کرے کہ آستانۂ والا کی طرف بہ نہایت خشوع و خضوع متوجہ ہو۔ اگر رونا نہ آئے رونے کا مُنہ بنائے اور دل کو بہ زور رونے پر لائے۔ اپنی سختیٔ دل سے رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی طرف التجا کرے۔ جب درِ مسجد پر حاضر ہو صلوٰۃ و سلام عرض کرکے قدرے توقف کرے گویا سرکار سے اذنِ حضوری طلب کرتا ہے، پھر دہنا پاؤں پہلے رکھتا سر سے پاؤں تک ادب بنتا داخل ہو۔ اس وقت جو ادب و تعظیم واجب ہے مسلمان کا قلب خود واقف ہے۔ دل و جوارح کو خیالِ غیر و حرکاتِ عبث سے باز رکھے۔ مسجد اقدس کی آرائش و زینتِ ظاہری کی طرف نگاہ نہ کرے۔ اگر کوئی ایسا سامنے آئے جس سے سلام و کلام ضروری ہو حتی الوسع اعراض کر جائے۔ نہ بن پڑے تو قدرِ ضرورت سے تجاوز نہ کرے۔ پھر بھی دل اسی طرف متوجہ ہو۔

زنہار زنہار اس مسجدِ مقدس میں کوئی حرف چلّا کر نہ کہے۔ یقین جان کہ وہ جناب[ع۱] مزار اعطر و انور میں بحیاتِ ظاہری، دنیاوی، حقیقی ویسے ہی زندہ ہیں جیسے پیش از وفات تھے[۱] موت ان کی ایک امر آنی تھی، اور انتقال ان کا صرف نظر عوام سے چھپ جانا۔ ائمہ دین فرماتے ہیں حضور ہمارے ایک ایک قول[ع۲] و فعل بلکہ دل کے خطروں پر مطلع ہیں[ع۳][۲] صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

اب اگر جماعت قائم ہو شریک ہو جائے کہ اسی میں تحیۃ المسجد بھی ادا ہو جائے گی ورنہ اگر غلبہ شوق اجازت دے تو دو رکعت تحیۃ المسجد و شکرانہ حاضری صرف سورۃ کافرون و اخلاص سے بہت تخفیف کے ساتھ، مگر بہ مراعاتِ سُنن مصلائے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں جہاں اب وسطِ مسجد میں محراب نبی ہے اور وہاں میسر نہ آئے تو حتی الوسع اس کے نزدیک ادا کرے، بعدہٗ سجدۂ شکر میں گرے اور دُعا مانگے کہ الٰہی! اپنے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ادب نصیب فرما۔

اب وقت وہ آیا کہ منہ اس کا مثل دل کے اس شباک پاک کی طرف ہو گیا جو اللہ تعالٰی کے محبوب عظیم الشان کی آرام گاہ رفیع المکان ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، گردن جھکائے، آنکھیں نیچی کئے، لرزتا، کانپتا، بید کی طرح تھرتھراتا، ندامتِ گناہ سے عرقِ شرم میں ڈوبا قدم بڑھا، خضوع و وقار و خشوع و انکسار کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کر سوا سجدہ عبادت کے جوبات ادب و اجلال میں اکمل ہو بجا لا، حضورِ والا کے بائیں یعنی شرق

ع۱ اس نفیس مقام پر کتاب مستطاب جواہر البیان شریف میں وہ نفحاتِ جاں افروز و لفحاتِ دشمن سوز ہیں جن کی شرح میں فقیر نے کتاب "سلطنت المصطفٰی فی ملکوت کل الورٰی" تحریر کی جسے ان حقائق کی تفصیل دیکھنی منظور ہو اس کی طرف رجوع کرے ان شاء اللہ حق کا رنگ رچتا ملے گا اور باطل کا سر لچتا، ذٰلک من فضل اللہ علینا و علی الناس ولکن اکثر الناس لا یشکرون ۱۲ منہ

ع۲ علامہ علی قاری نے فرمایا حضور سے کچھ پوشیدہ نہیں وہ تیرے تمام افعال و احوال و کوچ و مقام سے آگاہ ہیں[۳] ۱۲ منہ

ع۳ امام علامہ محدث شہاب الدین احمد قسطلانی شارح بخاری نے مواہب لدنیہ اور علامہ ابن الحاج مکی محمد عبدری نے مدخل میں اور ان کے ماسوا اور اکابر علماء نے اس معنی کی تصریح فرمائی ۱۲ منہ غفرلہ

---

[۱] شرح مواہب زرقانی المقصد العاشر مطبعہ عامرہ مصر ۸/ ۳۴۸

[۲] المدخل فصل فی زیارۃ القبور دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۲۵۲

[۳] مسلک متقسط مع ارشاد الساری باب زیارۃ سید المرسلین ص ۳۳۸

کی سمت سے آئے وُہ جناب مزارِ پُر انوار میں رُو بقبلہ جلوہ فرما ہیں جب تو اس سمت سے حاضر ہوگا حضور کی نگاہِ بیکس پناہ تیری طرف ہوگی اور یہ امر تیرے لیے دو جہان میں بس ہے۔

پھر زیرِ قندیل میخ سیمیں کے محاذی جو دیوار حجرہ مقدسہ میں چہرہ انور کے مقابل مرکوز ہے پہنچ کر پشت بقبلہ دست بستہ مثل نماز کھڑا ہو کہ کتب معتمدہ[1] میں اس معنی کی تصریح ہے اور زنہار جالی شریف کے بوسہ و مس سے دُور رہ کہ خلافِ ادب ہے۔ اب نہایت ہیبت و وقار کے ساتھ مجرا و تسلیم بجالا بہ آوازِ حزیں وصوت درد آگیں دل شرمناک و جگر صد چاک معتدل آواز سے، نہ نہایت زم و پست، نہ بہت بلند و سخت عرض کر:

السلام علیك ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، السلام علیك یارسول اللہ، السلام علیك یاخیر خلق اللہ، السلام علیك یاشفیع المذنبین، السلام علیك وعلٰی اٰلك واصحابك اجمعین[2]

جہاں تک ممکن ہو اور زبان یاری دے اور ملال و کسل نہ ہو، صلوٰۃ و سلام کی کثرت کر، حضور سے اپنے اور اپنے والدین و مشائخ و احباب تمام اہلِ اسلام کے لیے شفاعت مانگ۔ بار بار عرض کر:

اسئلك الشفاعۃ یا رسول اللہ۔[3]

پھر کسی نے عرضِ سلام کی وصیت کی تو بجالا، عرض کر:

السلام علیك یا رسول اللہ من عبدك وابن عبدك احمد رضا بن نقی علی

ع[1] مثل اختیار شرح مختار و فتاوٰی عالمگیری و لباب و شرح لباب وغیرہا ۱۲ منہ

ع[2] اطلاق عبد بمعنے غلام قطعاً جائز و شائع اور قرآن و حدیث میں واقع، فقیر غفراللہ تعالٰی لہ نے اپنی کتاب "البارقۃ الشارقۃ علٰی مارقۃ المشارقۃ" میں اس کی تحقیق مشبع لکھی اور اپنے رسالہ "مجیر معظم شرح قصیدہ اکسیر اعظم" (۱۳۰۲ھ) میں بھی قدرے توضیح، اور گیارہ احادیث پر قناعت کی، یہاں اسی قدر کافی کہ رب الارباب عزجلالہ قرآن عظیم میں فرماتا ہے:

انکحوا الایامٰی منکم والصالحین من نکاح کردو اپنوں میں ان کا جو بے نکاح ہوں اور

(باقی بر صفحہ آئندہ)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ خاتمہ فی زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۶۵

[2] شرح لباب مع ارشاد الساری باب زیارۃ سید المرسلین دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۳۸

[3] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ص ۳۳۹

یسئلك الشفاعة فاشفع له وللمسلمین۔

فقیر اپنے مسلمان بھائیوں سے عاجزانہ درخواست کرتا ہے جو صاحب اس رسالہ پر واقف ہو اور اللہ عزجلالہ حاضری روضۂ اقدس عطا فرمائے ان الفاظ کو عرض کرکے ثوابِ جزیل پائیں اور نالائق ننگِ خلائق کو ممنونِ احسان بنائیں۔ اللہ تعالٰی تمہیں دونوں جہان میں جزائے خیر بخشے آمین!

بعدہٗ ایک گز شرعی اپنے دہنے ہاتھ یعنی مشرق کی جانب ہٹ کر مقابل چہرۂ انور حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کھڑا ہوکر عرض کر:

السلام علیك یا خلیفة رسول اللہ۔ السلام علیك یا وزیر رسول اللہ۔

السلام علیك یا صاحب رسول اللہ فی الغار ورحمة اللہ وبرکاته۔[1]

پھر اسی قدر ہٹ کر روبروئے جناب فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ قیام کرکے کہہ:

السلام علیك یا امیر المؤمنین۔ السلام علیك یا متمم الاربعین۔ السلام علیك یا عزالاسلام والمسلمین ورحمة اللہ وبرکاته۔[2]

پھر بقدر نصف گز شرعی کے پلٹ آ، اور صدیق وفاروق کے درمیان کھڑا ہوکر عرض کر:

السلام علیك یا صاحبی رسول اللہ۔ السلام علیکما یا خلیفتی رسول اللہ۔

السلام علیك یا وزیری رسول اللہ ورحمة اللہ وبرکاته۔[3]

ان سب حاضریوں میں بہ جہدِ تام دعا کرے کہ محلِ قبول ہے، پھر منبرِ اطہر کے قریب آکر دعا کرے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

عبادکم وامائکم[4] اپنے لائق غلاموں اور کنیزوں کا۔ (ت)

دیکھو اللہ تعالٰی نے ہمارے غلاموں کو ہمارا عبد فرمایا اگرچہ ہمیں اپنے غلام کو یا عبدی نہ کہنا چاہئے کہ تواضع کے خلاف ہے۔ حدیث میں اس کی ممانعت آئی نہ یہ کہ غلام بھی اپنے آپ کو اپنے آقا کا عبد نہ کہے ۱۲ منہ

---

[1] شرح لباب مع ارشاد الساری باب زیارة سید المرسلین دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۳۹

[2] " " " " " " " " "

[3] " " " " " " " " ص ۳۴۰

[4] القرآن ۲۴/۳۲

پھر روضۂ منورہ میں یعنی جو جگہ مابین منبرِ انور و روضۂ مطہرہ کے ہے اور اسے حدیث میں جنت کی کیاری فرمایا آکر دو رکعت نفل پڑھے اور دُعا کرے۔ اسی طرح مسجد شریف کے ستونوں کے پاس نمازیں پڑھے، دُعائیں مانگے کہ محلِ برکات ہیں، خصوصاً بعض [عل۱] میں خصوصیات خاصہ، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ: اس سوادِ جنت آباد کی اقامت غنیمت جانے، جُہد کرے کہ کوئی نفس بیکار نہ گزرے، مسجدِ انور سے ضروریات کے سوا باہر نہ جائے باطہارت حاضر رہے مگر حاشا کہ دنیوی باتوں، عبث کاموں میں وقت ضائع نہ کرے۔

مسئلہ: ہمیشہ جلوسِ [عل۲] مسجد میں نیتِ اعتکاف رکھے اور روزہ نصیب ہو خصوصاً ایامِ گرما میں تو

[عل۱] حضرت والد قدس سرہٗ نے جواھر البیان شریف میں سات ستونوں کی تفصیل فرمائی قال رضی اللہ تعالٰی عنہ ان میں [۱] ایک ستون وُہ ہے جو محرابِ مکرم کے دہنی طرف مصلّائے نبی صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی علامت ہے، ستونِ حنانہ اس کے آگے تھا۔ دوسرا [۲] استون ام المومنین عائشہ صدیقہ کا کہ امام اگر مصلائے شریف میں نماز پڑھے تو اس کے پیچھے کی صف میں جو ستون واقع ہوں ان میں سے منبر سے جانبِ مشرق تیسرا استون ہے، رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے چند روز اس کی طرف نماز پڑھی، اس کے پاس دعا مقبول ہوتی ہے۔ تیسرا [۳] اسطوانۂ توبہ، اور وہ ستونِ عائشہ اور ستونِ ملاصق بدیوارِ حجرہ کے بیچ میں ہے، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کی طرف نماز پڑھی اور وہاں اعتکاف فرمایا تھا۔ چوتھا [۴] اسطوانۃ السریر کہ جالی شریف سے ملتصق ہے اسطوانۂ توبہ سے مشرق کو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کے پاس اعتکاف کیا۔ پانچواں [۵] ستونِ علی رضی اللہ تعالٰے عنہ اور وُہ شمال کی طرف اسطوانۂ توبہ کے پیچھے ہے جنابِ مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ یہاں بیٹھتے اور نماز پڑھتے۔ چھٹا [۶] اسطوانۃ الوفود کہ وُہ اسی جانب اسطوانۂ علی کے پیچھے ہے۔ اس میں اور اسطوانۂ توبہ میں صرف ستونِ علی حائل ہے۔ نبی صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم اور افاضل صحابہ یہاں رونق افروز ہوتے۔

ساتواں اسطوانۃ التہجد کہ بیتِ فاطمہ رضی اللہ تعالٰے عنہا کے پیچھے ہے ۱۲ منہ

[عل۲] روایت مفتی بہا پر اعتکاف نفل کے لیے کوئی مقدار معین نہیں ایک لمحہ کا بھی ہوسکتا ہے، نہ اس کے لیے روزہ شرط۔ تو آدمی کو ہر مسجد میں ہر وقت اس کا لحاظ کرنا چاہیے کہ جب داخل ہو اعتکاف کی نیت کرلے، جب تک رہیگا اعتکاف کا بھی ثواب پائیگا، پھر یہ نیت اسے کچھ پابند نہ کرے گی، جب چاہے باہر آئے اسی وقت اعتکاف ختم ہوجائے گا فان الخروج فی النفل المطلق منہ لامفسدٌ کما نصوا علیہ (کیونکہ نفلی طواف میں مسجد سے نکلنا اعتکاف کا اختتام ہے مفسد نہیں جیسا کہ اس پر تصریح کی گئی ہے۔ ت) لوگ اپنی ناواقفی یا بے خیالی سے اس ثوابِ عظیم کو مفت کھوتے ہیں وفقنا اللہ تعالٰی للحسنات بجاہ سید الکائنات علیہ افضل الصلوات والتحیات اٰمین ۱۲ منہ

کیا کہنا کہ اس پر وعدۂ شفاعت ہے۔[1]

مسئلہ: یہاں ہر عمل صالح پچاس ہزار تک مضاعف ہوتا ہے لہذا عبادات میں جہد لازم، شب بیدار رہے، کھانے پینے کی تقلیل رکھے، قرآن مجید کا کم سے کم ایک ختم تو یہاں اور حطیم[2] کعبہ معظمہ میں کرلے۔

مسئلہ: نظر حجرۂ منورہ وقبۂ معطرہ کی طرف عبادت ہے جیسے کعبہ کی طرف، تو خشوع وادب کے ساتھ اس کی کثرت کرے۔

مسئلہ: پنجگانہ نماز کے بعد حضور میں حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام عرض کیا کرے۔

مسئلہ: جب محاذاتِ گنبدِ اقدس میں گزرے اگرچہ بیرونِ مسجد اگرچہ بیرونِ مدینہ جہاں سے قبۂ کریمہ نظر آئے بے ٹھہرے اور صلوٰۃ وسلام عرض کیے نہ گزرے کہ ترکِ ادب ہے۔

مسئلہ: ترکِ جماعت ہر جگہ بُرا ہے مگر یہاں سخت محرومی، والعیاذ باللہ۔ حدیث[3] میں ہے: جس نے چالیس

---

[1] حضور پُر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں، میرا جو امتی مدینہ کی شدت وسختی پر صبر کرے گا میں روزِ قیامت اس کا شفیع ہوں گا۔[1] (رواہ مسلم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ) اور پُر ظاہر کہ روزہ میں شدت ومحنت پر صبر ہوتا ہے خصوصًا بلادِ گرم میں خصوصًا جبکہ موسم گرما ہو۔ خود حدیث میں آیا: الصوم نصف الصبر[2] روزہ آدھا صبر ہے۔

فائدۂ جلیلہ: جن چیزوں پر وعدۂ شفاعت فرمایا گیا جیسے یہ حدیث یا حدیثِ زیارتِ شریفہ یا حدیث موت فی المدینہ یا حدیث سوال وسیلہ وغیرہا وہ بحمد اللہ حُسنِ خاتمہ کی بشارتِ جمیلہ ہیں کہ یہاں وعدۂ شفاعت ہے اور وعدۂ حضور وعدۂ رب غفور اِنّ اللہ لا یخلف المیعاد[3] (بیشک اللہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔ت) اور کافر کی شفاعت محال، تو لاجرم بشارت فرماتے ہیں کہ سختی مدینہ پر صابر اور حضور پُر نور کا زائر اور مدینہ طیبہ میں مرنے والا اور حضور کے لیے سوالِ وسیلہ کرنے والا ایمان پر خاتمہ پائے گا والحمد للہ رب العالمین اللھم ارزقنا آمین ۱۲ منہ

[2] کعبہ معظمہ سے متصل جانبِ شمال جو ایک چھوٹی سی دیوار قوسی شکل پر ہے اس کے اندر کی زمین کو حطیم کہتے ہیں اس کا بڑا ٹکڑا ابنائے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام میں داخلِ کعبہ تھا قریش نے تنگیِ خرچ کے سبب بنائے جدید میں خارج کردیا ۱۲ منہ

[3] رواہ الامام احمد فی مسندہ بسند صحیح عن انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ والحمد للہ رب العٰلمین۔

اسے امام احمد نے بسندِ صحیح اپنی مسند میں انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے والحمد للہ رب العٰلمین (ت)

---

[1] صحیح مسلم باب الترغیب فی سکنی المدینۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۴۴

[2] مسند احمد بن حنبل حدیث رجل من بنی سلیم دار الفکر بیروت ۴/ ۲۶۰

[3] القرآن ۱۳/ ۳۱

فائدہ ثالثہ: ارواحِ مومنین کو اختیار رہتا ہے کہ زمین و آسمان میں جہاں چاہیں جائیں، سیر کریں، جولان فرمائیں، دیکھو (حدیث ۱/۱ و ۲/۹ و قول ۳/۱۲ و مقال ۴/۶) یہاں تک کہ بیداری میں اپنے مخلصین سے ملتے فیض بخشتے ہیں (مقال ۵/۷ و ۶/۱۷) ناتواں بیماروں کو پانی پلاتے، کپڑا اُڑھاتے ہیں (مقال ۷/۲۷) جہادوں میں شرکت فرماتے ہیں (مقال ۸/۱۵) دوستوں کی مدد، دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں (مقال ۹/۲۷) یہاں تک کہ شرح سُنن نسائی شریف میں تصریح فرمائی کہ رُوح کا حال جسم کا سا نہیں وُہ ایک وقت میں چند جگہ ہوسکتی ہے (قول ۷۹) میں کہتا ہُوں اولیائے احیاء کی حکایات منقول کہ ایک وقت میں ستر جگہ تشریف فرماہوتے تھے پھر بعد وصال کہ رُوح اپنی آزادی و ترقی کامل پر ہوتی ہے اُس وقت کے افعال کا کہنا ہی کیا ہے۔ زہر الربٰی میں یہیں یہ بھی نقل فرمایا کہ ایمان والوں کے دل اسے بے تکلف قبول کرسکتے ہیں کہ جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام جب خدمتِ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر ہوتے سدرۃ المنتہٰی سے جُدا نہ ہوتے ہوں بلکہ اُسی آن میں یہاں بھی ہوں اور وہاں بھی العبارۃ علی الحاشیۃ (عبارت حاشیہ میں ہے۔ ت)

عنہ ھذا جبریل علیہ السلام رأہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولہ ست مائۃ جناح منھا جناحان سد الافق وکان یدنو من النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حتی یضع رکبتیہ علٰی رکبتیہ ویدیہ علی فخذیہ وقلوب المخلصین تتسع للایمان بانہ من الممکن انہ کان ھذا الدنو وھو فی مستقرہ من السمٰوٰت وفی الحدیث فی رؤیۃ جبریل فرفعت راسی فاذا جبریل صاف قدمیہ بین السماء والارض یقول یا محمد انت رسول اللہ وانا جبریل فجعلت لا اصرف بصری الٰی ناحیۃ الارأیتہ کذٰلک ۱۲۔ (م)

یہ جبریل علیہ السلام ہیں جنھیں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس حالت میں دیکھا کہ ان کے چھ سو پر ہیں جن میں سے دو پروں نے سارا افق بھر دیا ہے اور وُہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قریب آتے یہاں تک کہ اپنے زانو حضور کے زانوؤں سے ملا کر اور اپنے ہاتھ حضور کی رانوں پر رکھتے۔ اور مخلصین کے دل اس بات پر ایمان کی وسعت رکھتے ہیں کہ یہ ممکن ہے کہ یہ قُرب اُسی حال میں ہو جب وُہ آسمانوں کے اندر اپنے مستقر میں موجود ہوں۔ اور حدیث میں حضرت جبریل کو دیکھنے کے بارے میں ہے: میں نے اپنا سر اٹھایا تو دیکھا کہ جبریل آسمان و زمین کے درمیان اپنے قدموں پر صف بستہ کہہ رہے ہیں اے محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبریل ہُوں۔ پھر جس طرف بھی نگاہ پھیرتا انھیں اسی کیفیت میں دیکھتا۔ (ت)

---

[1] زہر الربٰی علٰی سنن النسائی کتاب الجنائز ارواح المومنین نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۲۹۲